إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ. (القرآن)

(جلد اول)

تاریخ شیعیت

سیاست اور مذہب کے تناظر میں

از قلم حقیقت رقم

مولانا

ابو محمد ثناء اللہ سعد

شجاع آبادی

ناشر

اہل سنت والجماعت پاکستان

فہرست

●.... تقدیم (از قائد اہل سنت حضرت مولانا محمد احمد لدھیانوی دامت برکاتہم)________ 31

●.... مقدمہ (از مؤلف)____ 52

●.... شیعیت......اس کی ابتداء اور نشو ونما 52

●.... "شیعیت" کی تعریف 52

●.... تاریخ میں شیعانِ علیؓ کن کو کہا گیا؟ 53

●.... "شیعیت" کے بارے میں شیعہ علماء کا نکتۂ نظر 53

●.... شیعیت کے عقیدۂ امامت کی بنیاد 54

●.... شیعیت کی ابتدائی نشو ونما کے بارے میں گذشتہ اقوال کا تجزیہ 55

●.... خطبۂ غدیرِ خم 57

●.... کیا حضرت علی المرتضیٰؓ رسول اللہ ﷺ کے "وصی" ہیں؟ 58

●.... شیعیت اپنے غیر مرئی روپ میں 62

●.... بنوہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اہلِ ایران کا حربہ 63

●.... کربلا کا وقوع اور ایرانی شیعیت کا اسے شعار بنانا 65

●.... بنوعباس کا اقتدار، عجمی سازشوں کی کامیابی 67

●.... "تاریخِ شیعیت" کا سببِ تالیف 68

پہلا باب

سیدنا فاروقِ اعظم ﷛ کی شہادت اور شیعیت کے ابتدائی خد و خال________________ 73

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●..... دورِ فاروقی میں ایران کی فتوحات 73
●..... سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی فتوحاتِ ایران 74
●..... ایرانیوں کی شکست 75
●..... ایرانیوں کا جوش 75
●..... اسلامی سفارت 76
●..... قادسیہ کی جنگ 77
●..... مدائن پر قبضہ 79
●..... جلولاء کا معرکہ 79
●..... حلوان پر قبضہ 80
●..... جزیرہ پر اسلامی عساکر کا قبضہ 80
●..... تکریت پر قبضہ 80
●..... خوزستان کی فتح 80
●..... نہاوند کا معرکہ 81
●..... ایران پر عام لشکر کشی 82
●..... آذربائیجان 83
●..... فارس 84
●..... سیستان 84
●..... قتلِ فاروقی سے فتنوں کا دروازہ کھلنے کی پیشین گوئی 87
●..... شہادتِ فاروقِ اعظمؓ، حالات وواقعات کے آئینہ میں 87
●..... قتل امیر المومنین کی تفتیش وتحقیق 93
●..... ابولولؤ فیروز سے اہلِ ایران کی محبت 97
●..... اہلِ ایران کا قومی تعصب 98
●..... اہلِ ایران کا تاریخ کو مسخ کرنا 99
●..... قومی وقار کو بحال رکھنے کیلئے تاریخ کو مسخ کرنے کی ایک اور بین مثال 99
●..... ایرانیوں کا مخصوص مزاج 100

دوسرا باب

عبداللہ بن سبا کی تحریک اور سیدنا عثمان غنیؓ کا قتل 102

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●····· حضرت علیؓ اور وصیتِ خلافت 107
●····· کوفہ میں مخالفت 108
●····· حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام 108
●····· حضرت عثمانؓ کا حکام سے مشورہ 109
●····· حضرت علیؓ کا مشورہ 109
●····· تحقیقاتی کمیشن 110
●····· اعلانِ عام 110
●····· عمّال کی طلبی 111
●····· مخالفین کے اعتراضات اور ان کی حقیقت 112
●····· اکابر صحابہؓ سے مشورہ اور جوارِ رسول ﷺ کو چھوڑنے سے انکار 117
●····· مدینہ پر باغیوں کی یورش اور حضرت عثمانؓ پر حملہ 117
●····· شہادتِ عثمانؓ کا سبب، مروان کا خط یا ابن سباء کا؟ 119
●····· امامِ مظلومؓ کا محاصرہ 122
●····· اتمام حجت کے لیے تقریریں 123
●····· جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لیے اجازت طلبی 124
●····· شہادت کی تیاری 125
●····· شہادت 126
●····· تجہیز و تکفین 126
●····· صحابہؓ پر اس سانحہ کا اثر 126
●····· شہادت کے نتائج 127

تیسرا باب

شیعیت حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں ---------------------------- 128

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●····· امیر معاویہ ؓ کی معزولی اور بعد کے حالات 128
●····· امیر معاویہ ؓ کے مقابلہ کی تیاریاں 129
●····· اصلاح وقصاص کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمادگی 130
●····· اُم المومنین ؓ کی بصرہ کو روانگی 131
●····· حضرت علی ؓ کی تیاریاں 133
●····· محتاط صحابہ کرام ؓ کی روش 134
●····· مدینہ سے روانگی 134
●····· کوفہ اور بصرہ کی مدد 134
●····· حضرت عائشہ ؓ سے مصالحت 135
●····· سبائیوں کی فتنہ انگیزی 136
●····· مخالفینِ صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علی ؓ اور طلحہ ؓ وزبیر ؓ کی مصالحانہ روش 137
●····· سبائیوں کی فتنہ انگیزی 138
●····· حضرت زبیر ؓ کی علیحدگی اور شہادت 138
●····· حضرت طلحہ ؓ کی شہادت 139
●····· اُم المومنین ؓ کے اونٹ کے گرد جاں نثاروں کی جانبازی 139
●····· جنگ کا خاتمہ 140
●····· حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت علی ؓ کی حاضری 140

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

- ●.... کوفہ کا دارالخلافہ قرار پانا 141
- ●.... جنگِ صفین اور ''شیعانِ علی'' کا حضرت علی ؓ سے انحراف 143
- ●.... ''شیعانِ علی'' کی برسرِ میدان حضرت علی ؓ کو دھمکی 144
- ●.... عہد نامہ تحکیم 144
- ●.... میدانِ جنگ میں ''شیعانِ علیؓ'' کا کردار 146
- ●.... اس خطبہ سے ماخوذ نتائج 147
- ●.... حضرت علیؓ کی شیعوں سے جدائی اور خلفاء راشدین سے جا ملنے کی دعا 148
- ●.... شیعانِ علیؓ خوارج کے روپ میں 149
- ●.... خوارج کا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مباحثہ 150
- ●.... حضرت علی ؓ پر خارجیوں کے اعتراضات 152
- ●.... نتیجہ تحکیم 153
- ●.... شورشِ خوارج 156
- ●.... جنگ نہروان 158
- ●.... فتنہ خریت 159
- ●.... حضرت علی ؓ کی شہادت 159
- ●.... علی المرتضیٰؓ کے جنازہ میں شیعانِ علی کی عدمِ شرکت 160
- ●.... سیدنا علی ؓ کی قبر مبارک سے شیعوں کا سلوک 161
- ●.... علی المرتضیٰ ؓ کے متعلق شیعوں کے متضاد عقائد کی جھلک 163
- ●.... حضرت علی رضی اللہ عنہ ''شریکِ خدا'' ہیں 163
- ●.... حضرت علی ؓ کی صفات بمقابلہ صفاتِ باری تعالیٰ 164
- ●.... رسول اللہ ﷺ اور علی ؓ میں فرق 166
- ●.... حضرت علی ؓ زمانہ خلافت میں بھی دباؤ کا شکار رہے 167
- ●.... حضرت فاطمہؓ نے بادلِ نخواستہ امام حسین کو جنا (معاذاللہ) 168
- ●.... سیّدہ کی شبِ زفاف کو ستر ہزار فرشتوں نے تکبیر کہی 169
- ●.... شبِ زفاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کو حکم 169

چوتھا باب

شیعیت سیدنا حسن ؓ بن علی المرتضیٰ ؓ کے دور میں 170

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●····· زیاد کا خط حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نام 171
●····· امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زیاد ابن سمیہ کی طرف خط 172
●····· شیعوں کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے غداری 174
●····· حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر شیعانِ علیؓ کا حملہ 175
●····· امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے اظہار ہمدردی 176
●····· حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح نامہ 177
●····· صلح کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا خطبہ 178
●····· صلح کے بعد شیعانِ علیؓ کا سیدنا حسنؓ سے سلوک 178
●····· شیعوں کی طرف سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو "مذل المومنین" کا خطاب 179
●····· حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی 180
●····· شیعوں کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑنے پر اُکسانا 181
●····· سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اپنے شیعوں سے مایوسی 184
●····· ملامت کا سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہا 184
●····· سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کس نے دلوایا؟ 185
●····· سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعزیت 187

پانچواں باب

شیعیت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں 189
●····· شیعوں کے لئے سب سے مشکل زمانہ 190
●····· خوارج کی بغاوتیں اور شورشیں 192
●····· (الف) فردہ بن نوفل اشجعی خارجی 192
●····· (ب) دیگر خارجی سرداروں کی فتنہ انگیزیاں 192
●····· مستورد بن علقمہ خارجی 193
●····· خوارج کے عقائد وافکار 195
●····· خوارج کے دلائل وبراہین 196
●····· ردّ خوارج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر 197
●····· خوارج کا باہمی اختلاف 198
●····· خوارج کے فرقے 200

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

چھٹا باب

شیعیت کا کردار سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عہد میں ---------------------------- 202

●···· سیدنا حسین رضی اللہ عنہ والیٔ مدینہ ولید کے دربار میں 202
●···· محمد بن حنفیہ کی نصیحت کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مکہ کا رُخ کرنا 203
●···· سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کوفی شیعوں کے خطوط کی آمد 203
●···· سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام شیعانِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے خطوط 204
●···· کوفہ کے شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بارہ ہزار خطوط کی آمد 206
●···· سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا جوابی خط کوفہ کے شیعانِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے نام 206

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... مکتوب ہذا کا فارسی اور اردو ترجمہ 206
●.... مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار شیعوں کی بیعت 207
●.... اسّی ہزار شیعوں کی بیعت 208
●.... کوفہ پر ابن زیاد کی تقرری اور شیعوں کی حسینؓ سے بدعہدی 209
●.... سیدنا حسینؓ کی کوفہ روانگی 209
●.... اہل کوفہ کا حضرت مسلمؓ کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا 213
●.... حضرت مسلم بن عقیلؓ کا سیدنا حسینؓ کو خط 214
●.... حضرت مسلمؓ کا پیغام حضرت حسینؓ کے نام 214
●.... مسلم بن عقیل کی ابتلاء اور ان کی شہادت کی خبر 215
●.... مقتل حسینؓ کی عبارت 216
●.... کوفی شیعوں کی سیدنا حسینؓ کو دھمکی 216
●.... سیدنا حسینؓ کا جنگ کیلئے تیار ہونا 217
●.... سیدنا حسینؓ کا شیعوں پر اتمامِ حجت 217
●.... حُر کا سیدنا حسینؓ سے معاملہ 218
●.... قیس بن مسہر کی شہادت اور حضرت حسینؓ کا ردِ عمل 218
●.... کوفہ کے شیعانِ علی بکاؤ مال نکلے! 219
●.... "طرماح" بھی سیدنا حسینؓ کو چھوڑ کر چلا گیا 219
●.... حضرت حسینؓ نے اپنے شیعوں سے کیا کہا! 222
●.... سیدنا حسین، میدانِ کربلا میں شیعوں کے خطوط دکھاتے ہیں 223
●.... میدان کربلا میں سیدنا حسینؓ کی شیعوں پر لعنت 223
●.... حضرت حسینؓ کو بلانے والے ہی آپ کے قاتل بنے 224
●.... سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعانِ علی کا کردار 225
●.... اہلِ بیت کو لوٹنے والے "شیعانِ علی" 225
●.... سیدہ زینبؓ کا شیعوں کو یادگار خطاب 226
●.... سیدہ فاطمہؓ بنت حسینؓ کا شیعوں کو خطاب 227
●.... بازارِ کوفہ میں ماتمی شیعوں سے سیدہ ام کلثوم کا خطاب 228
●.... حضرت حسینؓ کی بددعا 228
●.... خلاصۂ کلام 229
●.... حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعان علی پانچ گروہوں میں بٹ گئے 232

ساتواں باب

شیعانِ اہل بیت "توابین" کے روپ میں ------------------------------ 233

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

- ●..... خروجِ مختار ثقفی 234
- ●..... مختار ثقفی کا دعوئ نبوت 236
- ●..... مختار کا کوفہ پر قبضہ 236
- ●..... مختار کی ابن حنفیہؒ کے نام سے جعل سازی 237
- ●..... کوفہ اور دیگر شہروں پر مختار کا قبضہ 238
- ●..... انتقامِ حسینؓ 238
- ●..... محمد بن حنفیہؒ قید میں 238
- ●..... مختار کی عرب دشمنی 239
- ●..... کرسئ علی ﷜ کا قصہ 241
- ●..... مصعب اور مختار کا مقابلہ 242
- ●..... مختار ثقفی کا قتل 243
- ●..... مختار اور حبِّ دنیا کا اقرار 243
- ●..... مختار کے بارے میں تاریخ کے مسلمات 244

آٹھواں باب

شیعیت کا کردار حضرت زین العابدینؒ کے دور میں! 246

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... سیدنا زین العابدینؒ کا تعارف 246
●.... واقعۂ کربلا کے بعد...... 247
●.... ابن زیاد سے مکالمہ 247
●.... شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ 248
●.... حضرت زین العابدین کا شیعانِ کوفہ سے خطاب 249
●.... حضرت زین العابدینؒ کی شیعیت سے بیزاری 249
●.... حضرت زین العابدین کی صلح جوطبعیت 250
●.... مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی 251
●.... ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ہنگامہ اور زین العابدینؒ کی کنارہ کشی 251
●.... محمد بن حنفیہؒ اور زین العابدین میں اختلاف کی کہانی 252
●.... حضرت زین العابدینؒ کی ''امامت'' سے عدم دلچسپی اور لاتعلقی 255
●.... مختار کا خروج اور زین العابدینؒ کی علیحدگی 256
●.... خلفائے ثلاثہ کے گستاخوں کو حضرت زین العابدینؒ کی بددعا 257
●.... زین العابدین رحمہ اللہ سے شیعوں کا حسنِ سلوک 258
●.... شیعوں کا فرقۂ کیسانیہ 260
●.... کیسانیہ کے فرقے 263
●.... عبدالملک بن مروان کے خالص عہد حکومت میں خوارج کی شورشیں اور ان کا استیصال 265
●.... خارجیوں کی بغاوت 265
●.... ابوفدیک خارجی 265
●.... صالح بن مسرح تمیمی خارجی 265
●.... خارجی شبیب بن یزید کی شورش 266
●.... خارجی سردار قطری اور عبدربہ 267

نواں باب

شیعیت کا کردار حضرت محمد باقر رحمہ اللہ کے دور میں 268

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... حضرت محمد باقرؒ کا مختصر تعارف 268

●.... محبت اہل بیت میں غلو کرنے والوں کے متعلق آپؒ کا موقف 268

●.... محمد باقر اور ان کے بھائی کے درمیان "امامت" کا جھگڑا 269

●.... مسئلہ امامت پر حضرت باقر اور زید بن علی کا اختلاف 269

●.... حضرت زیدؒ نے حضرت باقرؒ کی امامت کو دلائل قاہرہ سے رد کر دیا 270

●.... حضرت زید بن علیؒ کا تقویٰ و طہارت میں بلند مقام 271

●.... حضرت زیدؒ کی ایک تقریر 272

●.... حضرت زیدؒ کوفے میں 274

●.... کوفہ میں حضرت زیدؒ کے معتقدین 275

●.... امام ابوحنیفہؒ کی حضرت زیدؒ سے عقیدت 277

●.... حضرت زیدؒ کی حمایت میں امام ابوحنیفہؒ کا ایک تاریخی بیان 277

●.... حضرت زیدؒ کی دعوت جہاد 278

●.... جہاد کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی حضرت زیدؒ کو مالی امداد 279

●.... شیعوں کے لئے "روافض" کا لقب 279

●.... فرقہ زیدیہ 280

●.... زیدیہ کے فرقے 284

●.... زیدیہ کے افکار و عقائد 286

●.... حضرت محمد باقرؒ سے شیعہ راویوں کا سلوک 290

●.... دادا کی میراث کے متعلق ایک سوال کا جواب 291

●.... "متعہ" کے بارے میں آپؒ کا موقف 293

●.... حضرت امام باقرؒ کا ذاتی کردار 295

●.... حضرت باقر کی جانب سے دروغ گوئی کی بناء پر اپنے باپ کے راویوں پر لعنت 296

●.... حضرت باقر کے بعد شیعہ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے 296

دسواں باب

شیعیت سیدنا جعفر الصادق رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد میں------------------ 297

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... نام ونسب	297
●.... پیدائش	297
●.... فضل وکمال	297
●.... خدمتِ حدیث	298
●.... احترامِ حدیث	298
●.... فقہی کمال	298
●.... جعفر صادقؒ کا امامت وخلافت کے منصوص من اللہ ہونے سے انکار	299
●.... حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے عبداللہ محض کی بیعت کرنا چاہی	299
●.... حضرت جعفر صادقؒ کا اپنی بیعت لینے سے انکار	299
●.... حضرت جعفر صادقؒ کا اپنے امام منصوص من اللہ ہونے سے صاف صاف انکار	300
●.... حضرت جعفر صادقؒ کے دور میں مخلص شیعوں کی کل تعداد	300
●.... عباسی تحریک کی ابتداء اور خلافتِ عباسیہ کا قیام	304
●.... ابومسلم خراسانی کا عباسی تحریک میں کردار	305
●.... ابراہیم کی گرفتاری اور قتل	308
●.... عباسیوں کا خروج	309
●.... عباسی انقلاب کے نتائج	310
●.... ابوالعباس السفاح (۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء تا ۱۳۶ھ/ ۷۵۴ء)	310
●.... عباسی حکومت کے خلاف اہل بخارا کی بغاوت	311
●.... السفاح کی موت	311
●.... بیعتِ خلافت	311
●.... عبداللہ بن علی کا دعویٰ خلافت	312
●.... ابومسلم خراسانی کا زوال	312
●.... ابومسلم خراسانی کا قتل	314
●.... سیّدنا محمد ذوالنفس الزکیہؒ کا عباسی حکومت کے خلاف خروج	315
●.... مختصر حالات	315
●.... امام محمد بن عبداللہ ذوالنفس الزکیہ کا ساتھ دینے والے مشائخ	316
●.... حضرت جعفر صادقؒ کے نزدیک امامت نفس زکیہ کا حق تھی	317
●.... حضرت محمد باقرؒ کے نزدیک بھی امامت نفسِ زکیہ کا حق تھی	317
●.... نفس زکیہ جعفر صادقؒ کے چچازاد بھائی ہیں	317

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... ''نفس زکیہ'' کے فضائل ومناقب	318
●.... نفس زکیہؒ کی گرفتاری پر حضرت جعفر صادقؒ کی تباہ حالی	319
●.... نفس زکیہ کا حکومت وقت کے خلاف خروج	319
●.... لشکرِ عباسی سے باہم خون ریز جھڑپ اور نفسِ زکیہؒ کی شہادت	320
●.... مختصر حالات جانشین نفسِ زکیہ حضرت ابراہیم بن عبداللہ رحمہا اللہ تعالیٰ	321
●.... سیرت کے نمونے	322
●.... حضرت امام ابراہیم بن عبداللہ حسن کا ساتھ دینے والے علماء وفقہاء ومحدثین	324
●.... حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے شیعہ راویوں کا سلوک	325
●.... حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ دین کو چھپانے کی تاکید کرتے تھے	327
●.... حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے نزدیک متعہ کی فضیلت	328
●.... متعہ کے لئے کوئی عدد متعین نہیں	329
●.... دو بہنوں کے ساتھ متعہ	329
●.... باپ کی اجازت کے بغیر متعہ	330
●.... حضرت جعفر صادقؒ کی ذاتی زندگی شیعہ راویوں کی زَد میں	332
●.... حضرت جعفر صادقؒ کے چند فتاویٰ	333
●.... ''فقہ جعفریہ'' کو میسر آنے والے راوی	337
●.... تصویر کا پہلا رُخ	337
●.... تصویر کا دوسرا رُخ	340
●.... زرارہ بن اعین پر حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی لعنت	340
●.... محمد بن مسلم کے بارے میں ارشادات	342
●.... نتائج	349
●.... حضرت جعفر صادق کے بعد شیعہ چھ گروہوں میں بٹ گئے	350
●.... فرقہ اسماعیلیہ کی تاریخ	351
●.... اسماعیل بن جعفر صادقؒ کا قضیہ	351
●.... مزید فرقہ بندیاں	352
●.... اسماعیلیوں کی روپوشی	352
●.... محمد ابن اسماعیل اوران کی اولاد کی روپوشی	353
●.... علی بن اسماعیل	353
●.... اسماعیل کی امامت پر استدلال	353
●.... صامت اور ناطق کی دو اصطلاحیں	354

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●..... اسماعیلی سلسلۂ امامت 354
●..... اسماعیلیوں کے دورِ ستر کے پانچ امام 355
●..... اسماعیلی آئمہ کا دورِ ستر 355
●..... نادی النفس 355
●..... اسماعیلی داعی 356
●..... اسماعیلی عقائد کا ایک مختصر خاکہ 356
●..... اسماعیلی عقائد کا بانی داعی اکبر عبداللہ میمون فارسی 357
●..... دعوتِ اسماعیلی کی اشاعت 359

گیارہواں باب

شیعیت سیّدنا موسیٰ الکاظمؒ (م۱۸۳ھ) کے عہد میں 360

●..... آپؒ کا نام ونسب 360
●..... ولادت 360
●..... فضل وکمال 360
●..... حدیث 361
●..... ثقاہت 361
●..... عبادت 361
●..... سخاوت 362
●..... قید وبند کی صعوبتیں 363
●..... حسینؓ ابن علیؓ کا طریقِ بیعت 364
●..... امام کاظمؒ کی طرف سے حسین بن علی کی بجائے حکومتِ وقت کی حمایت 364
●..... امام موسیٰ کاظم بن جعفر کے بعد شیعہ سات گروہوں میں تقسیم ہو گئے 365

بارہواں باب

شیعیت سیّدنا امام علی الرضا (م۲۰۳ھ) کے عہد میں 366

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●···· عادات وصفات 367
●···· کشف وکرامات 368
●···· خلیفہ مامون اور حضرت علی رضاؒ کے مابین معاہدہ 368
●···· امام علی رضا کے مقابلہ میں چھ اشخاص کا دعویٰ امامت 373
●···· ابوالسرایا طباطبا اور کچھ علوی لوگوں کا خروج 374
●···· حضرت علی رضا کی شیعوں پر برہمی 375
●···· خلاصہ کلام 376
●···· امام رضا کی جانب سے مشہور شیعہ راویوں پر کذب بیانی کے سبب لعنت 377
●···· امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کے بعد شیعہ پانچ گروہوں میں تقسیم ہو گئے 377
●···· پہلی دو صدیوں میں نمایاں ہونے والے غالی شیعہ فرقے 378
●···· ۱۔السبئیۃ 378
●···· ۲۔الکیسانیۃ 379
●···· ۳۔الخطابیہ 379
●···· ۴۔المنصوریۃ 380
●···· ۵۔المغیریہ 380
●···· ۶۔العلبائیۃ 381
●···· ۷۔الھشامیہ 381
●···· ۸۔النعمانیہ 381
●···· ۹۔الاسحاقیہ والنصیریہ 382
●···· ۱۰۔الاسماعیلیۃ 382
●···· ۱۱۔ الرامزیہ والمسلمیۃ 382
●···· ۱۲۔الغلاۃ من الواقفہ 383
●···· ۱۳۔المفوضۃ 383
●···· ۱۴۔الغرابیۃ 383
●···· ۱۵۔الکاملیۃ 383

تیرھواں باب

شیعیت ''امام'' محمد تقی رحمہ اللہ کے دور میں 384

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... ابتدائی تعارف اور حالات 384
●.... آپؒ کی امامت پر شیعوں میں اختلاف 385
●.... امام تقی اپنے شیعوں کی اخلاقی گراوٹ کا شکار 386
●.... امام محمد تقی بن علی رضا کے بعد معمولی سا اختلاف ہوا 386
●.... امام تقی کے خلاف ایک اور شرمناک الزام 387

چودھواں باب

شیعیت ”امام علی نقی رحمہ اللہ تعالیٰ“ کے دور میں------------------- 388
●.... مختصر تعارف 388
●.... آپؒ کا دورِ امامت 388
●.... خاندان کے تین افراد کا امام علی نقی کے مقابلہ میں دعویٰ امامت 389
●.... قزوین میں حسن بن زید کا دعویٰ امامت 389
●.... قزوین میں ہی حسن بن اسماعیل کا دعویٰ امامت 390
●.... کوفہ میں یحییٰ بن عمر کا دعویٰ امامت 390
●.... آپؒ کا انتقال 391
●.... امام علی ہادی کی وفات کے بعد شیعہ چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے 391
●.... شیعیت ”حسن عسکری“ کے دور میں 392
●.... امام حسن عسکریؒ کا مختصر تعارف 392
●.... آپؒ کا ”دورِ امامت“ 392
●.... حسن عسکریؒ کا دورِ امامت شیعہ مورخ کی نظر میں 393
●.... امام حسن عسکری کے مقابل حسن بن زید کا دعویٰ امامت 393
●.... ابراہیم بن محمد کا دعویٰ امامت 394
●.... علی بن زید کا دعویٰ امامت 394
●.... امام حسن عسکریؒ کے بعد شیعہ گروہوں میں ہولناک اختلافات 394

پندرہواں باب

امام مہدی کے متعلق روایات کا چیستان------------------- 395

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بارھویں امام غائب کی پیدائش وغیبت کا عجیب قصہ	395
امام غائب کی والدہ محترمہ کی حیرت انگیز داستان یا افسانہ	396
امام حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے	399
مہدی اور والدۂ مہدی کے بارے میں اختلافات	402
مہدی کی نشوونما کے بارے میں اختلافات	402
مہدی کے چھپائے جانے کے بارے میں اختلافات	403
بعض دیگر معاملات میں اختلافات	404
حکیمہ کی روایت	404
ابوادیان بصری کی روایت	405
امام کی غیبتِ صغریٰ اور غیبتِ کبریٰ	411
غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں امام مہدی کا مشغلہ	411
ظہورِ مہدی بارے اللہ تعالیٰ نے دو میں سے ایک وعدہ بھی پورا نہ کیا	412
حضرت علیؓ کے مقرر کردہ تین زمانے بھی غلط نکلے	412
''ظہورِ مہدی'' کے بارے میں لایعنی تاویلات	414
تاویل دوم	415
امام کے غائب ہونے کے وقت عام سیاسی حالات	417
قسم اوّل: عباسی حکومت	417
دوسری قسم: سیاسی چپقلش	420
زمانہ غیبت میں علوی تحریکیں	421
یمن اور شمالی افریقہ میں اسماعیلی تحریکیں	422
عباسی خلفاء کی علویوں کے ساتھ نرمی	423
غیبت کبریٰ کے زمانہ میں امام غائب کے مقامِ قیام اور ان کی حکومت کے متعلق	424
امام مہدی بلادِ مغرب میں آج بھی حکومت کررہا ہے	425
لمحہ فکریہ	429
امام غائب جب نکلیں گے تو......	430
امام مہدی برہنہ بدن ظاہر ہوں گے اور ان کی بیعت سب سے پہلے نبی علیہ السلام کریں گے	431
شیعیت میں امام مہدی پر ایمان کی حیثیت	432
امام مہدی کیلئے مانگی جانیوالی دعاؤں کی حقیقت	433
مہدی کی رؤیت کے بارے میں قصے کہانیاں	434

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سولہواں باب

شیعیت قرامطہ کے روپ میں 435

●.... فرقہ قرامطہ کی تحقیق 435
●.... قرامطہ کے دیگر نام 435
●.... حجر اسود کا غائب ہونا 440
●.... ابو سعید الجنابی کا ظہور اور یحیٰی بن ذکرویہ کی دسیسہ کاریاں 440
●.... یحیٰی بن ذکرویہ کا قتل 445
●.... حسین بن زکرویہ کا انجام 447
●.... علی بن زکرویہ کا انجام 448
●.... الداعیہ کا ظہور اور اس کی فریب کاریاں 448
●.... زکرویہ کا قتل 449
●.... ابو سعید جنابی کا قتل 450
●.... بصرہ میں قتلِ عام 451
●.... حاجیوں کا قتلِ عام 451
●.... ”مسجد ضرار“ کا انہدام 453
●.... کوفے پر قرمطیوں کا قبضہ 453
●.... قرامطہ کی کعبۃ اللہ پر یلغار اور حجر اسود کو اکھاڑ کر لے جانا 455
●.... حجر اسود کی واپسی اور دوبارہ تنصیب 458
●.... قرامطیہ کا خاتمہ 459

سترہواں باب

المغرب میں اسماعیلی حکومت کا قیام 461

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●..... اسماعیلیہ اقتدار کے مختلف ادوار 461
●..... فاطمی امام/خلیفہ 461
●..... امام طیب کے نائبین 462
●..... یمن وافریقہ میں اسماعیلی دعوت کا فروغ 462
●..... المہدی کا ظہور 463
●..... مہدی کے نسب کی تکذیب 463
●..... قائم کا عہد 464
●..... المنصور کا دور 464
●..... المعز کا دور 465
●..... مصر پر عبیدیوں/ فاطمیوں کا قبضہ 465
●..... معز فاطمی اور حسین کے درمیان لڑائی 465
●..... معز فاطمی دمشق کو قرامطیوں سے چھینتا ہے 466
●..... جامع ازہر کی تعمیر 467
●..... امام نابلسیؒ کی مظلومانہ شہادت 468
●..... دمشق کو فاطمیوں کے چنگل سے نکال لینے کا ذکر 469
●..... المعز الفاطمی کی موت 471
●..... العزیز کا عہد 472
●..... رسائل اخوان الصفاء 474
●..... اخوان الصفاء کی حقیقت خود ان کی زبان سے 474
●..... حاکم کا دور 475
●..... دار الحکمت کا قیام 477
●..... حاکم کی عبرتناک موت 477
●..... ظاہر کی حکومت 478
●..... مہدی کے نسب پر محضر 479
●..... محضر کا ترجمہ 481
●..... ظاہر کے بیٹے المستنصر کی تخت نشینی کا بیان 482
●..... مستنصر کے بیٹے 483
●..... حسن بن صباح 483
●..... نزاریہ ملحد ہیں 484

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●..... مستعلوی ظاہر شریعت کے پابند ہیں 484
●..... نزار کا انجام 484
●..... فاطمین کی نوازشات اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر 487
●..... فاطمین کی سیاست مصر کے اہل سنت کے ساتھ 488
●..... مصر میں مذہب اسماعیلی کا زوال 489
●..... مصر کے فاطمی خلیفہ کے رنگین و سنگین شب و روز 489
●..... فاطمی خلفاء کی زندگی کے چند دیگر پہلو 491
●..... المعز لدین اللہ کی بیٹیوں کا ترکہ 491
●..... فاطمی وزراء کی دولت و ثروت 491
●..... ائمہ کے لئے سجدے اور صلوٰۃ 492
●..... ائمہ سے ملاقات 492
●..... فاطمی حکومت کا زوال اور صلاح الدین کا دوسرا کارنامہ 492
●..... حسن بن صباح اور اس کی کارروائیاں 497
●..... حسن بن صباح کے ابتدائی حالات 497
●..... حسن بن صباح کے جانشین 498
●..... قلعہ ''الموت'' پر قبضہ 500
●..... دعوتِ ملاحدہ کی اشاعت 501
●..... دعوتِ جدیدہ 501
●..... حکومت کی توسیع 502
●..... دعوت ملاحدہ قہستان میں 503
●..... ملاحدہ کے خلاف ملک شاہ کا اقدام 503
●..... دہ دار بوعلی 503
●..... ملک شاہ کی وفات اور اس کی افواج کی شکست 504
●..... قلعہ الموت یا آشیانہ عقاب 504
●..... نظام الملک اور دیگر اہم شخصیات کی شہادت 505
●..... فدائیوں کی خنجر زنی 507
●..... سلاجقہ میں اختلاف اور ملاحدہ کی طاقت میں اضافہ 508
●..... ہالمسر کی تسخیر 508
●..... نورالدین زنگی کی حکمتِ عملی 508
●..... صلاح الدین کا فدائیوں سے ٹاکرا 510
●..... حسن بن صباح اور زید حسنی 512
●..... حسن کا زہد و ورع 512

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●..... سلطان محمد سلجوقی کا ملاحدہ پر حملہ اور وفات 513
●..... سنجر کی ناکامی 513
●..... ملاحدہ کو خراج کی ادائیگی 514
●..... حسن کی ہلاکت 514
●..... حسن بن صباح کی خلوت نشینی 514
●..... بزرگ امید کا دور 515
●..... حسن بن صباح کی زندگی ایک مستشرق کی نظر میں 515
●..... خلیفہ مسترشد اور سلطان مسعود میں اختلافات 516
●..... محمد بن بزرگ امید 517
●..... الراشد کا قتل 517
●..... محمد بن بزرگ امید کی ہلاکت 518
●..... محمد بن بزرگ امید کے بیٹے حسن کی ولادت کا بیان 518
●..... محمد کا حسن کی حرکات سے اظہارِ بیزاری 518
●..... ملاحدہ کے باطل عقائد 518
●..... شریعت کے ابطال کا اعلان 519
●..... عید قیام 519
●..... حسن کا دعوئ امامت 520
●..... حسن کے نسب سے متعلق پہلی روایت 520
●..... نسب کی دوسری توجیہہ 521
●..... محمد بن بزرگ امید پر قتلِ امام کا الزام 522
●..... حسن کے نسب کا بیان مزید 522
●..... حسن علی ذکرالسلام 522
●..... ملاحدہ کے عقائد 523
●..... حسن کا قتل 523
●..... محمد بن حسن اور اس کے بیٹے کے متضاد عقائد 524
●..... جلال الدین حسن 524
●..... جلال الدین حسن کا دورِ حکومت اور اظہارِ اسلام 524
●..... شعائر اسلام کا احیاء 524
●..... اہلِ قزوین سے تعلقات 525
●..... جلال الدین اور اس کے پیروؤں کے اسلام کی تصدیق اور اس کے اثرات 525

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اٹھارہواں باب

شیعہ خاندان آلِ بویہ کا اقتدار 526

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●···· سلاطین دیالمہ یا بویہ	527
●···· بنو بویہ کے معاملات کی ابتدا اور اس کی حکومت کا ظہور	527
●···· عماد الدولہ ۳۰۰ ہجری	529
●···· رکن الدولہ ۳۱۸ ہجری	529
●···· معز الدولہ ۳۳۱ ہجری	529
●···· معز الدولہ کی کارستانیاں	530
●···· اصحاب رسول ﷺ پر سب و شتم	531
●···· ماتم حسینؓ کے جلوس کی ابتداء	533
●···· عید غدیر کی ابتداء	534
●···· عضد الدین بن رکن الدولہ ۳۳۵ھ متوفی ۳۷۲ھ	535
●···· حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے مقبرے کی تعمیر	536
●···· طائع کی خلافت اور المطیع کی دستبرداری	538
●···· بختیار بن بویہ الدیلمی	539
●···· موید الدولہ بن رکن الدولہ (۳۷۲ ہجری)	540
●···· فخر الدولہ بن رکن الدولہ (۳۷۳ ہجری۔م ۳۸۵ ہجری)	540
●···· فخر الدولہ بن بویہ	540
●···· صمصام الدولہ	541
●···· بہاء الدولہ بن عضد الدولہ	541
●···· مجد الدولہ بن فخر الدولہ ۳۸۷ ہجری	541
●···· سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ ۴۰۱ ہجری	542
●···· شرف الدولہ بن بہاء الدولہ ۴۱۱ ہجری	542
●···· ابو کالنجار بن سلطان الدولہ	542
●···· خسرو بن فیروز بن کالنجار	543
●···· اذان کی بجائے نقارہ بجانے کا حکم	543
●···· دیلمیوں کا زوال اور طغرل بیگ کا بغداد پر قبضہ	544
●···· بویہی اور فاطمی دور کے محدثات اور بدعات	545
●···· فقہ جعفریہ کی کتب اصول کی تدوین	547
●···· فقہ جعفریہ کے ''اصول اربعہ'' کا تعارف	549
●···· (۱) الکافی	549

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●····· قرآن میں تحریف کے بارے میں "ائمہ معصومین" کے ارشادات 550
●····· (۲) من لا یحضرہ الفقیہ 552
●····· (۳) تہذیب الاحکام 552
●····· (۴) الاستبصار 552
●····· فقہ جعفریہ بطور دستورِ سلطنت 559
●····· نہج البلاغہ کی تصنیف دورِ آلِ بویہ کا ایک اور کارنامہ؟ 560
●····· نہج البلاغہ میں خلافِ واقعہ باتوں کا ثبوت 563
●····· نہج البلاغہ کی زبان 564
●····· نہج میں کی گئی پیشین گوئیوں کی حقیقت 565
●····· شیخ مفید کے مختصر حالات 572

انیسواں باب

بغداد پر ہلاکو کی یلغار میں شیعیت کا کردار________________________ 574

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●···· سقوطِ بغداد	575
●···· خلیفہ مستعصم اور اس کی اولاد کا قتل	578
●···· بغداد اپنی تباہی کے چالیس دن بعد	579
●···· مسلمانوں کے علمی ورثہ کی تباہی	581
●···· ابن علقمی کا کردار اور حشر	582
●···· خواجہ نصیرالدین طوسی کا ایک خط	584
●···· دیگر بلاد کا حشر	585
●···· ارکانِ سلطنت ہلاکو	586
●···· آخری عباسی خلیفہ مستعصم کے ذاتی اوصاف	586
●···· بغداد، مابعد	588
●···· سیاسی حالت	588
●···· زوالِ خلافت عباسیہ کے اثرات	589
●···· دورِ اول:	591
●···· دورِ دوم:	591
●···· دورِ سوم:	591
●···· دورِ چہارم:	592
●···· دورِ پنجم:	592
●···· دورِ ششم:	592
●···· دورِ ہفتم:	593
●···· سربداری حکومت کا قیام	597
●···· علی بن مؤید کا خط ''شہیدِ اوّل'' کے نام	598
●···· خوزستان و عراق کی مشعشعیہ حکومت	600
●···· سلطان خدابندہ	601
●···· علامہ ابن المطہر الحلّی کا تعارف	602
●···· ابنِ تیمیہؒ کے قلم سے ''منہاج السنۃ'' کی تالیف	603
●···· امیر تیمور کا عہدِ حکومت	605
●···· تیمور لنگ کی سفاکی	605
●···· یلدرم کی شکست عالمِ اسلام کی شکست تھی	606
●···· امیر تیمور تعزیے کی بدعت کا بانی	607
●···· قراقویونلو (۸۰۷ھ۔۸۷۴ھ) کا عہد	608
●···· آق قویونلو (۸۰۷ھ تا ۹۰۸ھ)	608

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بیسواں باب

ایران میں صفوی خاندان کا اقتدار 609

● ..... سلطنت عثمانیہ کا قیام 609

● ..... صفوی عہد کی بنیاد کیسے پڑی؟ 610

● ..... قزلباشوں کا جنم 612

● ..... شاہ اسماعیل صفوی (۹۰۸ھ) 613

● ..... نیابتِ ملوکیت کا نظریہ 613

● ..... شاہ اسماعیل کے دعوے اور ان کا تاریخی جائزہ 614

● ..... ایران میں سنی اکثریت کی اقلیت میں تبدیلی 615

● ..... شاہ اسماعیل کی شیبانی خان سے جنگ 615

● ..... شاہ اسماعیل کی خلافتِ عثمانیہ سے محاذ آرائی 616

● ..... شاہ طہماسپ ابن اسماعیل (۹۳۱ ہجری) 616

● ..... شاہ اسماعیل ثانی بن طہماسپ (۹۸۹ ہجری) 616

● ..... حمزہ بن محمد خدا بندہ (۹۹۴ ہجری) 617

● ..... شاہ اسماعیل ثالث (۹۹۴ ہجری) 617

● ..... شاہ عباس (۹۹۴ ہجری) 617

● ..... شاہ صفی (۹۹۴ ہجری) 617

● ..... شاہ عباس ثانی (۱۰۵۲ ہجری) 617

● ..... سلیمان ۱۰۷۷ھ، شاہ حسین ۱۱۰۶ھ، شاہ طہماسپ دوم ۱۱۲۵ھ 617

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●···· صفوی حکمرانوں کا ایک اہم استدلال	618
●···· صفوی بادشاہوں کا عمومی طرزِ عمل	619
●···· صفویوں کا بدترین عمل	620
●···· صفویّوں کا باہمی رویّہ	620
●···· سلاطین صفویّہ کے مظالم	621
●···· عقیدۂ شیعیت کی تبلیغ بزورِ شمشیر	621
●···· حنفی ایران کو شیعی ایران میں بدلنے کا عمل	621
●···· نصرانیوں کی حمایت میں عثمانیوں کے خلاف جنگ	622
●···· صفوی دور کی بدعات	624
●···· صفوی شیعیت کا سب سے بڑا کارنامہ	627
●···· اذان میں اشھدان علیًا ولی اللّٰہ کا اضافہ	628
●···· ڈاکٹر موسیٰ الموسوی کا کرب	629
●···· صفویوں کی طرف سے مروّجہ ماتم کی سرپرستی	630
●···· صفوی دور کے شیعہ علماء	632
●···· احمد بن محمد الاردبیلی	632
●···· نورالدین علی بن عبدالعالی الکرکی	632
●···· میر محمد باقر الداماد	633
●···· میر ابوالقاسم الفندرسکی	633
●···· صدرالدین محمد ابراہیم	633
●···· محمد باقر بن محمد تقی بن منصور المجلسی (المعروف ملا باقر مجلسی)	633
●···· صفوی مظالم پر شیعہ علماء بھی متنفر ہو گئے	637
●···· محقق کرکی کا اظہارِ حق	639
●···· شاہ طہماسب کا خط محقق کے نام	639
●···· صفوی اقتدار کا خاتمہ	641
●···· صوفیہ کی طرف میلان	644
●···· شیخیہ اور نظریہ رکن رابع	645
●···· بابی تحریک	646
●···· تبریز میں صاحبِ زمان کا باغیچہ	646
●···· ایران......صفویوں کے بعد	647
●···· نادر شاہ افشار کا دورِ حکومت	647
●···· نادر شاہ کی عجیب حکمت عملی	648

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●····· زندیوں اور قاچاریوں کا اقتدار 654
●····· فتح علی شاہ قاچار کے کارنامے 654
●····· فرقہ شیخیہ کا ظہور 655
●····· عقائد شیخیہ 656
●····· تحریک بابیت 657
●····· بہاء اللہ کی تحریک 659
●····· بہائی مذہب کی عیدیں 660
●····· عید نوروز کی حقیقت 661
●····· نوروز عامہ 661
●····· نوروز خاصہ 661
●····· ایران کے دروازے پر انقلاب کی دستک 663
●····· پہلوی دورِ اقتدار 663
●····· شاہِ ایران کا اقتدار 664
●····· تیل کی دولت اور شاہِ ایران 664
●····· ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کا جشن 664
●····· مغرب زدہ ایران 665
●····· ایران کا مذہبی انقلاب، مختلف مراحل 665
●····· صدام میزبان، خمینی مہمان 665
●····· خمینی کا عراق سے اخراج اور پیرس منتقلی 669
●····· شاہ کا ایران سے فرار 669

اکیسواں باب

ایران میں شیعی انقلاب اور عالمِ اسلام پر اس کے اثرات 671

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... خمینی اور انقلاب کا ایران میں ورود 671

●.... انقلاب ایران اور اسرائیل 672

●.... انقلاب ایران میں روس کا کردار 677

●.... انقلاب مخالفین کا قتلِ عام 679

●.... "پاسدارانِ انقلاب" کی تشکیل اور اس کے کارنامے 680

●.... الحکمۃ الشوریۃ کا اولین فیصلہ 680

●.... خمینی کا موقف 681

●.... خمینی کے مخالفین...... "مفسدین فی الارض" 682

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... الحکمۃ الشوریہ کے تین سالہ فیصلے ایک نظر میں 682
●.... ان فیصلوں کو خمینی کی تائید حاصل تھی 683
●.... پاسدارانِ انقلاب کی سرگرمیاں 683
●.... ایک انصاف پسند قاضی کا انجام 685
●.... آیت اللہ شریعت مداری کے ساتھ کیا ہوا؟ 685
●.... انقلاب کے بعد آئین کی تشکیل 689
●.... ایران کی مسلم (سنی) آبادی 689
●.... "امام خمینی" کی برسی کے مناظر 693
●.... انقلابِ ایران کے چند اور عجائبات 694
●.... انقلاب کے لئے دوسری قوتوں کی رہنمائی 695
●.... ریاست ہائے متحدہ اسلامی 696
●.... آیت اللہ خمینی کی موت 698
●.... جانشینِ خمینی 700
●.... خمینی کی وصیت 700
●.... المنتظری کا حشر 703
●.... روزنامہ "مشرق" کی رپورٹ 703
●.... خمینی کی میت کے ساتھ پیروکاروں کا سلوک 703
●.... روس سے سازباز 705
●.... حرمین شریفین پر قبضہ کی سکیم 706
●.... لبیک یا خمینی 706
●.... قبرِ خمینی خانہ کعبہ کی شکل میں 707
●.... جریدۃ "المسلمون" کا تبصرہ 707
●.... انقلاب کے بعد ایران کے سعودی عرب سے تعلقات 708
●.... خمینی کے نام شاہ خالد کا خط 709
●.... شاہ خالد کے نام خمینی کا خط 711
●.... تبصرہ 716
●.... خانہ کعبہ کو شہید کرنے کی سازش پکڑی گئی 717
●.... خانہ کعبہ کے باہر ایک لاکھ سے زائد ایرانی حاجیوں کا مظاہرہ 718
●.... ایران کے لئے امریکی اسلحہ 718
●.... حج ۱۴۰۷ھ اور سانحہ مکہ مکرمہ 719

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●..... لبیک یا خمینی	720
●..... ایرانی شیعوں کا حرمِ کعبہ پر قبضے کا منصوبہ ناکام	721
●..... پاکستان کی طرف سے حرمین شریفین کو سعودی حکومت کی حدود سے علیحدہ کرنے کی تجویز کی مذمت	723
●..... امریکہ نے سانحہ مکہ میں ملوث ہونے کی تردید کردی	723
●..... ایران، سعودی حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ رفسنجانی کی دھمکی	724
●..... تہران میں ۴ سعودی سفارت کار اغوا کرلئے گئے	724
●..... اسلامی ملکوں کے سربراہوں کے نام شاہ فہد کا پیغام	726
●..... ایران اور سعودی عرب میں مصالحت کیلئے صدر اسد کی کوششیں	726
●..... سعودیہ کے شاہی خاندان سے انتقام لیا جائے گا۔ ایرانی وزیر داخلہ	726
●..... ایک بار پھر تخریب کاری کا پروگرام	727
●..... انقلاب کے بعد ایران کے افغانستان سے تعلقات	734
●..... شیعیت افغانستان میں	734
●..... فرقہ قزلباش	735
●..... افغانستان کے بارے میں چند اہم معلومات	736
●..... انقلابِ ثور اور سوویت یونین سے دوستی	737
●..... خانہ جنگی اور انقلاب در انقلاب	738
●..... سوویت یونین کے خلاف جہاد کا آغاز	739
●..... مجاہدین کی باہمی کشمکش	739
●..... ''طالبان'' کا ظہور	741
●..... اسلام، طالبان اور افغانستان	742
●..... طالبان حکومت کا ڈھانچہ	743
●..... سپریم شوریٰ کے بنیادی ارکانِ قندھار	744
●..... فوجی شوریٰ کے اہم ارکان	744
●..... کابل شوریٰ کے قائم مقام وزراء ۲۰۰۰ء	744
●..... طالبان حکومت کے فرامین	745
●..... کابل پر طالبان کا قبضہ	748
●..... طالبان کے خلاف ایک نئے اتحاد کی تشکیل	749
●..... ایران کی طالبان مخالفین کو اسلحہ کی فراہمی	750
●..... ملا محمد عمر مجاہد کا عزم	750
●..... طالبان حکومت ہی دنیا میں خالص اسلامی حکومت ہے	751
●..... مزار شریف......ایک تعارف	752

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

●.... طالبان کو مزار شریف میں خوفناک ترین شکست کا سامنا 753
●.... دشت لیلی اور دشت حیرتان میں 8520 طالبان قیدی شہید کئے گئے 754
●.... ظلم کی ہولناک کارروائی کا آنکھوں دیکھا حال 756
●.... مزار شریف پر طالبان کا قبضہ 757
●.... احمد شاہ مسعود کی ایران میں دہائی 757
●.... جب تین سو طالبان کو مزاری کے مزار پر ذبح کیا گیا 759
●.... تقسیم افغانستان کا ایرانی منصوبہ 759
●.... ایرانی مداخلت کے باوجود طالبان کی امن پسندی 761
●.... ایران نے تین ہزار علماء وطلبہ گرفتار کر لئے 762
●.... مزار شریف میں ایرانی سفارت خانہ یا شمالی اتحاد کے لئے مرکزی اسلحہ خانہ؟ 763
●.... مزار شریف پر قبضہ مستحکم کرنے کے بعد طالقان پر بھی قبضہ 764
●.... دلچسپ مناظر 765
●.... فتح مزار و فتح طالقان کی لحہ بہ لحہ رپورٹ 766
●.... زمین دوز ڈپوؤں میں بیک وقت دس دس ٹریلر لوڈ ہو سکتے ہیں، چشم دید انکشاف 768
●.... سمنگان پر حملہ سلطان محمد فاتح کی طرز پر کیا 768
●.... لشکر اسلام کا عدل 769
●.... انگریز اور روسی مار کھا چکے اب ایران بھی شوق پورا کر کے دیکھ لے 770
●.... مزار: قرآن مجید میں خمینی کی تصاویر 770
●.... دشت لیلیٰ کے شہدا 770
●.... طالبان کا خدشہ درست نکلا، اقوام متحدہ نے حزب وحدت کی امداد کی 771
●.... درہ کیان ......خصوصی رپورٹ 772
●.... درہ کیان میں اسلحہ کے ذخائر ابھی تک شمار میں نہیں آسکے 773
●.... بامیان......ایک تعارف 773
●.... طالبان کا بامیان پر قبضہ...... ہزارہ ازبک اور تاجک کمانڈروں کا طالبان کے خلاف محاذ 774
●.... بامیان پر طالبان کا دوبارہ قبضہ، یکاولنگ کی طرف پیش قدمی 775
●.... ایک ایرانی طیارہ AH.32 کی ایک سال دو ماہ میں شمال کے لئے ۴۷۰ اور صرف میمنہ کیلئے ۳۱۸ پروازیں 777
●.... کرغیزستان ایرانی ٹرین سے 700 ٹن ہتھیار و گولہ بارود برآمد 779
●.... حزب وحدت اور ایران کی سیاہ تاریخ میں ایک اور تاریک باب کا اضافہ 780
●.... ترکمانستان میں بھارتی سفارت خانہ حزب وحدت کو ہر ماہ دو لاکھ ڈالر دیتا تھا 780
●.... ایرانی تربیت یافتہ باغیوں کے دو گروہ گرفتار 780
●.... تین ہزار افغان علماء کرام کا متفقہ فتوی 781

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

- ●.... ایرانی گولہ بارود نے دسیوں ہزار افغانوں کو موت کے گھاٹ اتارا 782
- ●.... طالبان حکومت کے خلاف کاروائی......امریکہ روس بھارت ایران اور تاجکستان کا اتفاق 782
- ●.... سپاہ محمد کے نام سے 600 دہشت گرد طالبان کے خلاف سرگرم 783

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عنوانات	صفحہ
ضمیمہ	
آغاخانی شیعوں کا اجمالی تعارف	
آغاخانیت کے عزائم	
اسماعیلی اماموں کا سلسلۂ نسب	
آغاخانی سلسلۂ امامت......آغاز سے اب تک	
آغاخان اوّل	
آغاخان دوم	
آغاخان سوم	
آغاخان سوئم کی یہود نوازی	
آغاخان چہارم	
آغاخانیوں کے عقائد کی بنیاد	
آغاخانیوں کے گمراہ کن عقائد	
i) نبوت پر امامت کو فضیلت:	
ii) عقیدۂ امامت	
iii) عقیدۂ معصومیت	
iv) عقیدۂ تحریف قرآن	
v) اسماعیلیوں کا کلمہ	
آغاخان سوئم سلطان محمد شاہ کے فرامین	
آغاخانی (اسماعیلی) شیعوں کے کفریہ عقائد	
شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کا فتویٰ	
آغاخانیوں کے مشرکانہ عقائد کے پیش نظر علماء کرام کا متفقہ فتویٰ	
سندھ ہائیکورٹ کے جج سید عبدالرحمن کا فیصلہ	
اسماعیلیہ کے منفی کردار کے چند پہلو	
آغاخان کی تعلیمی، ثقافتی، معاشی سرگرمیاں	
1۔ آغاخان میوزک انسٹی ٹیوٹ:	
2۔ آغاخان ایجوکیشنل سروسز	
3۔ آغاخان یونیورسٹی کراچی	
4۔ یونیورسٹی آف سنٹرل ایشیاء (پامیر یونیورسٹی)	
5۔ آغاخان ٹرسٹ فار کلچر	
6۔ آغاخان فنڈ فار اکنامکس ڈویلپمنٹ	
7۔ آغاخان انڈسٹریل پروموشن سروسز	
آغاخانیوں کی فلاحی سرگرمیاں	
پاکستان میں آغاخانی ریاست کے قیام کا بھیانک منصوبہ	
آغاخان کا بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی مخالفت کرنا	
اسماعیلی ریاست کے قیام کا مشورہ کس نے دیا؟	
مجوزہ آغاخانی حکومت کی حدود	
واخان پر قبضہ	
آغاخانی ریاست کے قیام کی کوششیں	
نظامِ تعلیم پر آغاخانیوں کا تسلط اور امریکی امداد......	
امریکی اور آغاخانی مشترکہ ایجنڈہ	
آغاخان ایگزامینیشن بورڈ کا قیام	
آغاخان ایگزامینیشن بورڈ کا دائرہ کار	
سوالنامہ	
نصاب میں تبدیلی کے محرکات وعناصر	
آغاخانی امتحانی بورڈ کے ممکنہ نتائج واثرات	
آغاخان امتحانی بورڈ کو ملک بھر کے ماہرین تعلیم دانشوروں اور طلبہ تنظیموں نے مسترد کردیا	
چودھری شجاعت حسین (سابقہ وزیر اعظم پاکستان و صدر پاکستان مسلم لیگ (ق)	
میاں عمران مسعود (صوبائی وزیر تعلیم پنجاب)	
محترم مجید نظامی (ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت)	
ڈاکٹر رفیق احمد (ماہر تعلیم سابقہ وائس چانسلر جامعہ پنجاب لاہور)	
ڈاکٹر عبدالوہاب (ماہر تعلیم سابقہ وائس چانسلر جامعہ کراچی)	

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جنرل (ر) حمید گل (تجزیہ نگار، سابق ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی پاکستان)

ایف ایم نسیم (ڈائریکٹر تعلیمات فیڈرل گورنمنٹ ایجوکیشن کالج اسلام آباد)

مولانا زاہد الراشدی (مذہبی سکالر، پرنسپل الشریعہ اکادمی)

محترم عرفان صدیقی (کالم نویس)

پروفیسر غفور احمد سینیٹر (بزرگ رہنما)

مفتی عتیق الرحمن (شیخ الحدیث جامعہ بنوریہ کراچی)

محترم صدیق الفاروق (مرکزی سیکرٹری اطلاعات پاکستان مسلم لیگ ن)

حافظ شفیق الرحمن (کالم نویس روزنامہ دن لاہور)

پروفیسر نعیم مسعود (ماہر تعلیم و کالم نویس)

محمود الرشید حدوٹی (مدیر اعلیٰ آب حیات لاہور)

عمیر اقبال چوہدری (ناظم اعلیٰ اسلامک اسٹوڈنٹس موومنٹ پاکستان)

زبیر گوندل (ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان)

راحیل شاہ انجم (چیف آرگنائزر پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان)

رانا ارشد (صدر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان)

بابر فاروق رحیمی (چیف آرگنائزر اہل حدیث اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان)

بوہرے

خوجے

نورست گرو

شاہ شمس سبزواری

پیر صدر الدین

سید امام الدین اور مومنہ جماعت

جدید تغیرات

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اوّل)

دامت برکاتہم

لانبیاء، امابعد!

اللہ علیہ وسلم کو بشیر ونذیر اور سراجِ منیر بنا کر

ت عطا فرمائی جس نے آپ ﷺ کے دامنِ

مدی کے عرصے میں اقصائے عالم میں پھیلا

ت کی مدح وتوصیف میں رطب اللسان نظر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آیت میں محمد رسول اللہ کی کھیتی سے غیظ و غضب میں مبتلا ہونے والوں کو تشبیہاً کفار قرار دیا، جس سے اصحابِ رسولؐ سے عداوت رکھنے والوں کی شرعی حیثیت کو سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ جوں جوں عددی برتری حاصل کرتے گئے توں توں ان کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ اور ان کی روز افزوں قوت و طاقت کافروں کیلئے غیظ و غضب کا باعث بنتی چلی گئی۔

صحابہ کرامؓ کی باہمی محبت و مودت اور اعدائے دین کیلئے ان کی سخت مزاجی عنداللہ مسلّم ہے جس کا واضح بیان آیتِ مذکورہ میں نمایاں طور پر موجود ہے۔ اگرچہ بعد میں بعض لوگوں نے قرآنِ کریم کے اس بیان کو غلط قرار دینے میں اپنی زندگیاں برباد کر ڈالیں اور تاریخِ اسلام کے نام سے لوگوں تک وہ وہ کہانیاں پہنچائیں جن کے مطالعہ سے شرافت سر پیٹ کر رہ جائے۔

اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ تاریخ کی بیان کردہ ان کہانیوں کے پیچھے یہودی سازش کارفرما ہے جنہوں نے اسلام کی عظمت و شوکت سے خائف ہو کر اس کی اوّلین شخصیات کو مجروح کرنے کی مہم چلائی اور اس کیلئے باقاعدہ ایک گروہ تشکیل دیا جس نے عبداللہ بن سبا کی قیادت میں امیر المومنین سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور ان کے وجودِ مسعود سے وہ قمیص اتارنے کی کوشش کی جس کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں پہلے سے آگاہ فرماتے ہوئے یہ حکم فرمایا تھا کہ اس قمیص کو ہرگز نہ اتارنے دینا۔ چنانچہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس قمیص (خلافت و حکومت) کا دفاع کرتے ہوئے چالیس روزہ محاصرے کے بعد ۱۸؍ ذی الحجہ ۳۵ھ کو مدینۃ الرسول میں بھوک اور پیاس کی حالت میں سبائی ٹولے کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر گئے، اور یہی سبائی ٹولہ ”شیعانِ علیؓ“ کے روپ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ان کے لشکر میں گھس کر بے پناہ تخریب اور قتل و خون ریزی کا باعث بنا۔

اسلامی عقائد و افکار میں تخریب بھی اسی ٹولے کی کارروائیوں کا ثمر ہے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیِّ رسول اللہ کے عنوان سے اوّلین خلافت کا مستحق اور حضرات خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو نعوذ باللہ غاصب قرار دے کر ان کی اور بعد ازاں اِسی بہانے سے تمام اصحابِ رسول کی تکفیر اور پھر ان پر سبّ و شتم کا ایک لامتناہی سلسلہ جسے بعد ازاں تبرا کا نام دے کر باعثِ اجر و ثواب قرار دیتے ہوئے ایک مستقل عبادت کا درجہ دے دیا گیا، یہ سب انہی ”شیعان“ کے لگائے ہوئے زخم ہیں، جنہیں امتِ محمدیہ گذشتہ چودہ صدیوں سے چاٹتی چلی آ رہی ہے۔

ہم ایک دفعہ پھر اس بات کو دہرائیں گے کہ اصحابِ رسول قرآنِ کریم کی تصریح کے مطابق ”رحماء بینہم“ تھے۔ آپس میں شفیق و مہربان اور شیر و شکر! ان کا یہ وصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت و تربیت کا ثمر تھا۔ اسلام سے قبل اگرچہ اِن لوگوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خلاف عرصے سے بے نیام چلی آ رہی تھیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی اس کھیتی پر اتنی محنت کی تھی کہ نفرت و عداوت کے خار و خس اپنی جڑوں سمیت تلف ہو گئے اور باہمی اعتماد و احترام اور محبت و اُلفت کا گلشن لہلہانے لگا تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم نے ایک اور موقع پر گواہی دی:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

(پ ۴ آلِ عمران: ۱۰۳)

"اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے"۔

آیت مذکورہ کے معانی پر بارِ دیگر نظر دوڑایئے، اللہ تعالیٰ اصحاب رسولؐ کے دلوں سے عداوت کے جذبات نکال کر اُلفت کی تخم ریزی فرما رہے ہیں، اور اپنی مہربانی سے انہیں بھائی بھائی بنا کر ان کی اس اخوت کو تسلیم کرنے کا اعلان فرما رہے ہیں۔ جبکہ اسلام و ایمان کا دعویدار ایک گروہ صدیوں سے ان کی باہمی مخالفت و منافرت اور بغض و عداوت کے نوحے بیان کرتا چلا آ رہا ہے! کیا خدانخواستہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیات نازل فرمائیں اس وقت تو صحابہ کرامؓ واقعی آپس میں بھائی بھائی تھے لیکن بعد میں وہ بدل گئے اور دورِ جاہلیت کے معاندانہ جذبات کی بناء پر ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ تو کیا اس سے علمِ باری تعالیٰ کا ناقص ہونا ثابت نہیں ہوتا؟

بدقسمتی سے حُبِّ علیؓ کے دلفریب نعروں میں پھلنے پھولنے والی شیعیت کا نکتۂ نظر یہی رہا ہے جس کی بناء پر گذشتہ صدیوں میں اصحابِ رسولؐ کے خلاف سینکڑوں اونٹوں پر لادے جانے والے بوجھ کے حساب سے لٹریچر لکھ کر امت کے گلے میں لٹکایا جاتا رہا، بالخصوص مسئلہ خلافت و امامت کے عنوان پر یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا "وصی" قرار دیتے ہوئے اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد کیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلے تین خلفاء نے بالترتیب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حقِ خلافت غصب کر لیا، اور چونکہ ایسا کر کے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو جھٹلایا گیا لہٰذا یہ تینوں حضرات بھی معاذ اللہ کافر ٹھہرے اور جن لوگوں نے ان کی بیعت کی وہ بھی سب کے سب کافر ہو گئے، اور یوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس "کھیتی" کی تعریف و توصیف ربّ ذوالجلال نے کی تھی وہ ساری کی ساری معاذ اللہ کفر کی آندھیوں میں اپنے تنے پر نہ ٹھہر سکی اور خس و خاشاک کے ڈھیر میں بدل کر رہ گئی۔ یوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی معاذ اللہ ناکام ہو گئے! چنانچہ ایرانی انقلاب کے بانی آیت اللہ خمینی نے لکھا:

جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لئے آئے، ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلین (ص) جو انسان کی اصلاح کیلئے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کیلئے آئے تھے، انسان کی تربیت کے لئے آئے تھے لیکن وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے"۔ (اتحاد و یک جہتی امام خمینی کی نظر میں ص ۱۵)

اس مختصر اقتباس میں دیگر تمام انبیاء کرام کو تو محض ایک مقصد میں ناکام دکھایا گیا جبکہ اتحاد و یک جہتی کے اس علمبردار نے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مقاصد (۱) انسان کی اصلاح (۲) انصاف کے نفاذ اور (۳) انسان کی تربیت میں ناکام قرار دیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شیعیت کی بنیاد فی الواقع انہی خرافات پر قائم ہے اور اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے تاریخ کا سہارا لے کر وضعی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں، جن میں سب سے اولین ایمان لانے والے صحابی سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما بھی جھگڑتے دکھائی دیتے ہیں، یا بالفاظِ دیگر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے لڑتے اور شکست کھاتے دکھائی دیتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کی بے شمار وضعی روایات معرضِ وجود میں لا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ان لوگوں نے متنازع بنانے کی کوشش کی حالانکہ وہ قطعاً متنازع نہ تھی۔ پھر انہی لوگوں نے آپ کے کردار کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ایک طرف تو وہ بالکل بے بس نظر آنے لگے اور دوسری طرف ان کو فوق البشر سمجھا جانے لگا۔

گذشتہ دسیوں صدیوں سے اس طبقۂ فکر کے لوگوں کی زندگی بھر کی تگ و تاز یہی رہی ہے کہ کسی طرح دنیا بھر سے منوالیا جائے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ شروع سے ہی خلافت کے حریص تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ مسندِ خلافت پر ابوبکرؓ کی بجائے انہیں بٹھایا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے رات کے وقت دخترِ رسول ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک گدھے پر سوار کیا اور اپنے دونوں بیٹوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑے اور اس حالت میں انہیں مہاجرین و انصار کے ایک ایک گھر لے جا کر اپنے حق اور مدد کے لیے پکارا۔ چنانچہ صرف ۴۴ مردوں نے ان کی امداد کا وعدہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ صبح تم سب کے سب سر منڈا کر مسلح ہو کر آنا اور مرنے پر بیعت کرنا (فامرھم ان یصبحوا محلقین رء وسھم مع سلاحھم علی ان یبایعو اعلی الموت) لیکن جب صبح ہوئی تو ان چالیس میں سے صرف چار شخص رہ گئے۔ وہ چار سلمان، ابوذر، مقداد اور زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہم) تھے۔ اگلی رات سیدنا علیؓ پھر مہاجرین و انصار کے گھروں میں گئے اور انہیں قسم دلائی جس پر انہوں نے پھر صبح آنے کو کہا لیکن صبح کو پھر وہی چار شخص آئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ان کی بے وفائی اور بدعہدی دیکھی تو آپ نے گھر ہی میں ٹھہرنے کا عزم فرمالیا۔ (فلما رای علیٌ غدرھم و قلّۃ وفاءھم لزم بیتہٗ)

(احتجاج طبرسی ص ۱۰۷، بروایت سلیم بن قیس، انوار النعمانیہ ج ۱ ص ۱۰۴)

چنانچہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کوئی اعوان و مددگار نہ ملے تو بامر مجبوری انہوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

ان القوم استضعفونی و کادو ایقتلوننی ثم تناول ید ابی بکر فبایعہٗ۔

''بے شک قوم نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔ پھر ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔''

(احتجاج طبرسی: ص ۱۱۰)

ایک طرف تو یہ بے بسی ظاہر کی اور دوسری طرف یہ بتایا گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اتنے بہادر تھے کہ خیبر کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کو اگر اسرافیل اور میکائیل نہ روکتے تو زمین زیر و زبر ہو جاتی۔ (انوار النعمانیہ ج ۱ ص ۵۶)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بامرِ مجبوری سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور نہ ہی وہ فوق البشر تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے اور ان کے دل میں نہ تو خلافت کی کوئی طمع تھی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا وصی بنایا تھا۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں جتنی غلط روایات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یار لوگوں نے گھڑی ہیں اتنی اور کسی صحابی کے بارے میں نہیں گھڑی گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقالِ پُرملال کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہی نمازیں پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکر کا حضرت علیؓ کا امام ہونا شیعہ کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ دیکھئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے اور اپنے سامنے حضرت ابوبکر کو اپنی مسجد شریف میں امام مقرر فرمایا تو یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسا مخلص متبع سنت اور جاں نثارِ اداۓ مصطفیٰ اس سے گریز پائی اختیار کرے۔ حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ہی نماز پڑھتے تھے۔

احتجاجِ طبرسی میں ہے:

ثم قام و تهيا للصلوٰة و حضر المسجد و صلّٰى خلف ابو بكر۔ (ص ۶۰ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ: پھر حضرت علیؓ اٹھے، نماز کی تیاری کی، مسجد میں آئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

اہل سنت کے ہاں اس وسوسے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شیرِ خدا ڈرتے ہوئے اور تقیہ کے ماتحت اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ اسی کی تائید میں شیخ عباس قمی اپنی کتاب کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

''بلکہ علی بن عیسیٰ اردبیلی کی کتاب کشف الغمہ میں تو حضرت علیؓ کا حضرت عمر فاروقؓ کے خطبہ جمعہ میں سامعین میں بیٹھنا بصراحت تمام موجود و منقول ہے اور حق یہی ہے کہ حضرت علیؓ سیدنا ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ، دونوں بزرگوں کو اپنا امام سمجھتے تھے۔'' (حیات القلوب ج ۱ ص ۱۹۲۔ ایران)

حضرت علی مرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم خلفائے ثلاثہ کے باسعادت عہد میں نہایت عزت واحترام کے ساتھ دیکھے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری کے باعث ہر شخص ان سے محبت کرتا تھا۔ شیعہ مذہب کے عقائد کی معتبر کتاب ''حق الیقین'' میں خلفائے ثلاثہ کے متعلق صراحت سے لکھا ہے:

در ایامِ امامت خود ظاہر اُدر اعزاز و اکرام آں حضرت و حضراتِ حسنین علیہم السلام نہایت مبالغہ مے نمودند۔''
(حق الیقین ص ۱۷۷۔ لکھنؤ)

ترجمہ: ''خلفائے ثلاثہ اپنے عہد خلافت میں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت امام حسن اور امام حسین (رضی اللہ عنہم) کے ظاہری اعزاز و اکرام میں بہت ہی زیادہ مبالغہ فرماتے تھے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تو یہ شان تھی کہ ان شہزادوں کو دیکھ کر فرطِ محبت میں بعض اوقات منبر سے بھی نیچے اُتر آتے تھے۔ اس لئے ان حضرات کے ان خلفائے کرام سے نالاں رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ابوبکر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

صدیق رضی اللہ عنہ تو باغِ فدک کی آمدنی سے ان حضرات کی ضروریات پوری فرماتے تھے اور یہ حضرات اُسے ہمیشہ قبول فرماتے، اگر وہ روایات صحیح ہوتیں جن میں ان حضرات کے ناراض ہونے کا بیان ملتا ہے تو یہ مقدس بزرگ باغِ فدک کی آمدنی ہرگز قبول نہ فرماتے اور ناراض ہوکر کنارہ کش رہتے۔ یہ صحیح ہے کہ ان حضرات کا راشن باغِ فدک کی آمدنی سے ہی آتا تھا۔ علامہ علی نقی شرح نہج البلاغہ لکھتے ہیں:

''ابوبکرؓ غلہ وسودِ آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام مے داد وخلفائے بعد او ہم برآں اسلوب رفتار نمودند۔'' (شرح نہج البلاغہ ج ۵ ص ۹۶۰)

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ باغِ فدک کا غلہ آمدنی حضرات اہل بیت کو اس قدر بھجواتے کہ انہیں کافی ہوجاتا اور بعد کے خلفاء بھی اسی طریق پر عمل پیرا رہے۔

شارح نہج البلاغہ کا یہ بیان اہل بیت کی ناراضگی کے وسوسے کو بالکل تار تار کر رہا ہے۔ اس کے باوجود بھی شیعوں کے اعتقاد و یقین کی بنیاد وہ وضعی روایات ہیں جو زیادہ تر متعصب اور غالی قسم کے مورخین نے اپنی کتابوں میں بھر رکھی ہیں، جن کی استنادی حیثیت بھی نہایت کمزور ہے اور جنہوں نے تاریخ اسلام کا حلیہ بگاڑنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

عام روایات کی تو خیر کیا حیثیت ہوتی، محدثین کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہو اس کی تاویل کرنا واجب ہے اور اگر تاویل نہ ہوسکے تو وہ روایت قابلِ قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ کسی حدیث سے کسی صحابی کی تنقیص نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ شارح صحیح مسلم علامہ محی الدین نوویؒ فرماتے ہیں:

قال العلماء الاحادیث الواردة التی ظاهرها دخل علی صحابی یجب تاویلها قالوا ولا یقع فی روایات الثقات الا ما یمکن تاویله۔

''علماء کہتے ہیں کہ وہ احادیث جن میں بظاہر کسی (عام) صحابیؓ پر اعتراض وارد ہوتا ہو (چہ جائیکہ صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما پر) اس کی تاویل واجب ہے اور علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو''۔ (نووی شرح مسلم۔ ج ۲ ص ۲۷۸)

خطیب بغدادی نے اس بارہ میں ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سیأتکم عنی احادیث مختلفة فما جاء کم موافقًا لکتاب اللّٰہ وسنّتی فهو منی وما جاء کم مخالفًا لکتاب اللّٰہ وسنتی فلیس منی۔

''عنقریب تمہارے پاس میری طرف منسوب مختلف قسم کی روایات پہنچیں گی۔ لہٰذا جو روایت کتاب اللہ اور میری سنت (مشہورہ) کے مطابق ہو وہ درست ہوگی اور جو روایت کتاب اللہ اور میری سنت (مشہورہ) کے مخالف ہو وہ صحیح نہ ہوگی''۔ (الکفایہ۔ ص ۴۳۰)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یہ اصول صرف اہل سنت ہی کے نزدیک نہیں ہے بلکہ شیعہ حضرات کے نزدیک بھی یہ ایک مسلّمہ اصول ہے۔

چنانچہ سیدنا محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فاذا اتاکم الحدیث فاعرضوہ علی کتاب اللّٰہ عزّ و جل و سنّتی فما وافق کتاب اللّٰہ و سنّتی فخذوا بہ و ما خالف کتاب اللّٰہ و سنّتی فلا تاخذوا بہ۔

''جب تمہارے پاس کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ (قرآن) اور میری سنت پر پیش کرو۔ چنانچہ جو حدیث قرآن اور میری سنت کے مطابق ہو اُسے قبول کرلو اور جو قرآن اور میری سنت کے خلاف ہو اس کو مت قبول کرو''۔ (''احتجاج طبرسی'' ص ۲۲۹)

جب ''تاریخِ اسلام'' میں بھرتی کی گئی ان روایات کی حیثیت یہ ہے جو گذشتہ سطور میں بیان کی گئی ہے تو اس پر اعتماد کر کے قرآن و سنت کی متواتر اور صحیح روایات کو غلط قرار دینا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زبانِ طعن دراز کرنا جہلاء کا شیوہ ہو تو ہوسکتا ہے اہلِ علم حضرات کی شان کے یہ چیز سراسر منافی ہے۔

شیعوں کی صحابہ کرامؓ سے عداوت کی اصل وجہ ان کا عقیدۂ امامت ہے، جو شیعہ مذہب کی اساس ہے۔

شیعہ حضرات کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل تھے۔ ان کی خلافت منصوص من اللہ تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیفہ مقرر کیا تھا، لیکن سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ اپنے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کے حقِ خلافت کو غصب کرتے رہے، لہٰذا ان تینوں حضرات کا زمانہ جور و جفا اور ظلم وستم کا زمانہ تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ بلا فصل ہونے کے ساتھ ساتھ ''امام'' بھی تھے اور شیعہ حضرات کے نزدیک امام وہ ہوتا ہے جس میں تین صفات پائی جائیں:

۱۔ وہ منصوص من اللہ ہو۔

۲۔ مفترض الطاعت ہو......اور

۳۔ معصوم ہو۔

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ بلا فصل بھی تھے اور امام بھی تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولایت (خلافت) اور امامت کے بارہ میں ملا باقر مجلسی نے ایک روایت نقل کی ہے:

ودیگر آن بسند معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ اند کہ حق تعالیٰ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را صد و بیست مرتبہ بہ آسمان بُرد و در ہر مرتبہ آنحضرت را در بابِ ولایت و امامتِ امیر المومنین و سائر ائمہ طاہرین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین زیادہ بر سائر فرائض تاکید و مبالغہ نمود۔

ترجمہ: سیدنا جعفر صادق سند معتبر کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ اللہ جل وعلا شانہٗ نے ایک سو بیس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر بلایا اور ہر مرتبہ سیدنا علیؓ اور دوسرے تمام ائمہ طاہرین کی ولایت و

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

امامت کی انہیں اتنی تاکید فرمائی کہ دوسرے فرائض دین کی اتنی زیادہ تاکید نہ فرمائی۔"

(حیات القلوب جلد ۲ ص ۵۰۲، باب بست وچہارم)

اس قدر سخت تاکید کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولایت وامامت کے بارہ میں کوئی اعلان نہ فرمایا، یہاں تک کہ قرآنِ حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی "بلّغ ما انزل الیک من ربک" پھر رسول ﷺ نے غدیر خم کے موقع پر خلافت وامامت کا اعلان فرمایا، لیکن وہاں اعلان بھی گول مول الفاظ میں فرمایا، صاف اور صریح الفاظ میں اعلان نہ فرمایا۔ اعلان کے الفاظ تھے:

اَلا من کنت مولاہ فھٰذا علیؓ مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔

"لوگو! سن لو، جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کا مولا ہے (اور فرمایا) اے اللہ! جو علیؓ کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو علیؓ کا دشمن ہے تو بھی اس سے دشمنی رکھ"۔ (احتجاج طبرسی جلد ا ص ۷۰)

سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان اگر اتنا ہی ضروری تھا جیسا کہ شیعہ حضرات کہتے ہیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے گول مول الفاظ استعمال کرنے کی بجائے صاف لفظوں میں صحابہ کرامؓ کے سامنے اعلان کرنا چاہئے تھا کہ:

ایھا الناس انا رسول اللہ وعلیؓ خلیفتی من بعدی بلافصل۔

"اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں اور علیؓ میرے بعد میرا بلا فصل خلیفہ ہے۔"

لیکن اعلان ایسے صریح الفاظ میں نہیں ہوا۔ تو کیا رسول (معاذ اللہ) لوگوں سے باوجود اللہ کے وعدے "واللہ یعصمک من الناس" کے ڈرتے تھے؟ اب اس سوال کا کیا جواب ہو جبکہ دوسری طرف شیعہ حضرات کی کتابوں میں ہی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ جعفر ابن محمد الفزاری روایت کرتا ہے:

"سیدنا محمد باقر کے سامنے "لیس لک من الامر شیء" آیت کا حصہ تلاوت کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر تمہیں کسی معاملہ میں کوئی اختیار نہیں۔ اس پر سیدنا محمد باقر نے فرمایا ہاں بخدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا۔ سیدنا باقر کے جواب کے بعد میں نے عرض کیا اے امام میرے ماں باپ قربان اگر آپ کا فرمان درست ہے تو پھر "لیس لک من الامر شیء" کا مفہوم کیا ہے؟ سیدنا باقرؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے خواہش مند تھے کہ اللہ تعالیٰ سیدنا علیؓ کے لیے "خلافت بلا فصل" کا حکم دے دے، لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول کی اس خواہش کو پورا کرنے سے انکار فرمایا۔ (ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرص ان یکون الامر لامیر المومنین من بعدہٗ فابی اللہ) (تفسیر فرات الکوفی، نجف ص ۱۹)

اب جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی اس خواہش کو پورا نہیں کرتا کہ علی رضی اللہ عنہ اس کے بعد خلیفہ بلا فصل ہو تو رسول ﷺ علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کیسے وصیت کر سکتا ہے کہ میرے بعد وہ میرا خلیفہ ہوگا۔ سیدنا علیؓ نے خود اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ رسول

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے ان کے بارہ میں کوئی وصیت خلیفہ ہونے کی نہیں فرمائی ہے۔ چنانچہ ابوجعفر طوسی نے نقل کیا ہے کہ:

سیدنا علیؓ سے روایت ہے کہ جب آپ سے (شہادت کے وقت) کہا گیا کہ آپ خلافت کے بارہ وصیت کیوں نہیں کرتے تو آپؓ نے جواب میں فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی؟ کہ میں وصیت کروں (ماوصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوصی) لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو ان کو ان میں سے بہترین شخص پر اکٹھا کردے گا۔ جیسا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں بہترین شخص پر جمع کر دیا تھا۔" (تلخیص الشافی جلد ۲ ص ۲۳۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد کسی کے خلیفہ ہونے کی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ چنانچہ اہل السنت کی کتابوں میں بھی ایسا ہی ہے۔

(ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۔ جلد ۷ ص ۳۲۳۔ السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۱۴۹ اور مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۳ یعقوب الشیعی وغیرہ)

مشہور شیعی عالم شیخ مفید نے بھی حدیث قرطاس کی بحث میں لکھا ہے کہ قلم دوات لانے کے بارہ میں جب صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اپنے پاس سے اٹھ جانے کا حکم دیا۔ جب سب حضرات اٹھ کر چلے گئے تو وہاں صرف سیدنا عباسؓ، سیدنا فضل بن عباسؓ، سیدنا علیؓ بن ابی طالب اور اہل بیت کے خصوصی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ موقع غنیمت جان کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

یارسول اللہ اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں مستقل طور پر رہے گا تو پھر اس کی بشارت دیجئے اور اگر آپ کے علم میں یہ ہے کہ ہم مغلوب ہو جائیں گے تو ہمارے حق میں فیصلہ فرما دیجئے (فاقض بنا) اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد تمہیں بے بس کر دیا جائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرما کر خاموش ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ سیدنا عباسؓ، سیدنا فضل بن عباسؓ، سیدنا علیؓ بن ابی طالب اور موجود اہل بیت روتے روتے آپ سے ناامید ہو کر اٹھ گئے۔ (قد ئیسوا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(الارشاد شیخ مفید ص ۹۹، اعلام الوریٰ طبرسی ص ۱۴۲ بالفاظ مختلفہ)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول ﷺ نے بھی سیدنا علیؓ کی خلافت بلافصل کے بارہ میں کوئی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے لیے خلافت کو کوئی بہتر شئے نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپؓ نے ایک موقع پر فرمایا:

واللہ! ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیھا وحملتمونی علیھا، فلما افضت الیّ...

بخدا مجھے خلافت کی بالکل کوئی رغبت نہ تھی اور نہ حکومت کی کچھ حاجت، بلکہ تم نے ہی مجھے خلافت کی طرف بلایا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اوراس پرآمادہ کیا، پھر جب وہ مجھ تک پہنچ گئی...... (نہج البلاغہ: ص ۳۹۷)

ایک اور موقع پر جب کہ آپ سے شہادتِ عثمانؓ کے بعد بیعت کی خواہش کی گئی تو آپؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

دعونی والتسموا غیر فانّا مستقبلون امرًا له وجوه والوان لا تقوم له القلوب ولا تثبت علیه العقول، ان الافاق قداغامت والمحجة قدتنکرت، واعلم انی ان احبتکم رکبت بکم ما اعلم، ولم اصغ الی قول القائل وعتب العاتب، وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلّی اسمعکم واطوعکم لمن ولّیتموه امرکم وانا لکم وزیرًا خیر لکم منی امیرًا۔

مجھے چھوڑ دو اور میرے سوا کسی اور کو تلاش کرو، اس لیے کہ ہم پر ایک ایسا حال پیش آنے والا ہے جس کی مختلف صورتیں اور مختلف رنگ ہوں گے۔ نہ دل اس پر قائم رہیں گے اور نہ عقلیں ثابت رہیں گی۔ بے شک آسمان کے کنارے غبار آلود ہو رہے ہیں اور راہ بے پہچانی ہوئی ہوگئی ہے اور خوب سمجھ لو اگر میں تمہاری درخواست کو قبول کرلوں گا تو تمہارے ساتھ اپنے علم کے موافق برتاؤ کروں گا اور کسی کے قول یا کسی غصہ کرنے والے کی طرف توجہ نہ کروں گا۔ اور اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں تم میں سے ایک شخص کی مثل رہوں گا اور اُمید ہے کہ میں تم سے زیادہ اس شخص کی اطاعت کروں گا جس کو تم اپنا حاکم بناؤ گے، اور میرا وزیر رہنا تمہارے لیے یہ بہ نسبت میرے خلیفہ ہونے کے بہتر ہے۔" (نہج البلاغہ ص ۱۷۹)

ایک اور موقع پر آپؓ نے ارشاد فرمایا:

اللھم انک لتعلم انه لم یکن الذی کان منّا منافسة فی سلطان ولا التماس شیءمن فضول الحطام ولٰکن لنرد المعالم من دینک ونظفر الاصلاح فی بلادک فیامن المظلومون وتقام العطلة من حدودک۔

اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ ہم سے ہوا وہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ ہم کو سلطنت اور حکومت کی کوئی خواہش تھی بلکہ محض اس لیے ہوا کہ تیرے دین کی معلومات حاصل کریں اور تیرے شہروں میں نیکوکاری پھیلائیں تاکہ مظلوم امن میں رہیں اور جو حدود تیرے معطل کر دیے گئے ہیں وہ قائم کر دیے جائیں۔ (نہج البلاغہ: ص ۲۶۸)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ کتب کی رُو سے نہ تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خلیفہ بلافصل بنانے کی وصیت فرمائی اور نہ ہی سیدنا علیؓ کے دل و دماغ میں خلیفہ بننے کی کوئی خواہش تھی، کیونکہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انہیں خلیفہ بنایا جا رہا تھا تو وہ اس وقت بھی کہہ رہے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تھے کہ:

”مجھے چھوڑ کر کسی اور کو تلاش کرو“۔

وہ اس عقیدہ کے قائل ہی نہیں تھے کہ خلیفہ منصوص من اللہ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے بن کر آتا ہے بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا:

انما الشّوری للمهاجرین و الانصار فان اجتمعوا علی رجل و سمّوه امامًا کان ذالک للہ رضی۔

بے شک شوریٰ مہاجرین وانصار کی شایانِ شان ہے۔ جب یہ دونوں گروہ کسی کو متفقہ طور پر اپنا امام بنالیں تو وہ امام اور خلیفہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہوگا۔ (نہج البلاغۃ: ص ۳۶۷)

لہٰذا یہ بات سراسر غلط ہے کہ رسول ﷺ نے غدیر خم پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی اور خلیفہ بلا فصل بنایا تھا۔ اور اس بارہ میں جس قدر دلائل شیعہ حضرات پیش کرتے ہیں وہ سب غلط اور بودے ہیں۔ ان بودے دلائل کی جزئیات پر مشتمل علامہ طبرسی شیعی کی ایک مشہور روایت، جو انہوں نے اپنی کتاب احتجاج جز اول میں ذکر کی ہے جو مندرجہ ذیل اہم امور کو شامل ہے: (الاحتجاج: ۱/۶۶۔۸۶)

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت منصوص ہے: ”من کنت مولاه فعلی مولاه، اللّٰهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله“۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ماسوا تمام صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر لکھتا ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ستر ہزار یا زائد اصحاب تھے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد تھی اور انہوں نے ان سے حضرت ہارون علیہ السلام کی بیعت لی۔ پھر وہ اس بیعت کو توڑ کر بچھڑے اور سامری کے پیچھے چل پڑے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی گنتی کے برابر لوگوں سے بیعت لی، پھر انہوں نے بیعت توڑ دی اور انہی کی طرح بچھڑے اور سامری کے پیچھے چل پڑے۔“

۳۔ اللہ کی طرف سے اپنے رسول کو ڈانٹ بھیجی گئی۔ چنانچہ لکھتا ہے: ”اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ علی کو اپنا ولی اور حجت مقرر کریں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف ہوا...... جب آپ غدیر خم پہنچے تو آپ کے پاس جبرئیل زجر اور توبیخ لے کر آئے۔“

۴۔ علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا انکار اللہ کے ساتھ شرک کے برابر ہے۔ چنانچہ کہتا ہے: ”علی اللہ کی طرف سے امام ہیں اور اللہ اس شخص کی توبہ ہرگز قبول نہیں کرے گا اور اسے ہرگز معاف نہیں کرے گا جس نے اس کی ولایت کا انکار کیا۔“

۵۔ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین پر (العیاذ باللہ) لعنت بھیجی ہے اور ان سے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

برأت کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے: میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو آگ کی طرف دعوت دیں گے اور قیامت کے روز ان کی مدد نہیں کی جائے گی...... بے شک اللہ اور میں دونوں ان سے بَری ہیں...... یہ لوگ اسے غصب کر کے بادشاہت بنادیں گے۔ غور سے سن لو! اللہ نے غاصبوں پر لعنت بھیجی ہے۔"

طبرسی کی جس روایت سے سابقہ پانچ امور کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس روایت کا جھوٹا اور باطل ہونا مندرجہ ذیل امور سے بالکل واضح ہے:

۱۔ سند کے اعتبار سے......اس کی سند میں شیخ ابو جعفر طوسی نے کہا ہے:

اخبرنی جماعة عن ابی محمد هارون بن موسی التلعکبری......اس میں (جماعت) سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا وہ ثقات ہیں یا کذابین ہیں؟ اس طرح یہ سند ان مجہول راویوں کی بنا پر منقطع ہے۔ نیز اس کی سند میں ایک راوی صالح بن عقبہ ہے، جس کے بارے میں ابن غضائری نے کہا ہے: غالی اور بہت جھوٹا ہے، اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ نیز ابن داؤد نے اس کے بارے میں ابن غضائری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: اس کی حدیث کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ وہ کذاب غالی ہے اور بہت منکر احادیث نقل کرتا ہے۔

(معجم رجال الحدیث، خوئی ۹/ ۸۲)

نیز اس سند میں ایک راوی محمد بن موسیٰ ہمدانی ہے، اس کے بارے میں نجاشی کا قول ہے: غالی علماء شیعہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے اور ابن الولید کہتے ہیں: حدیثیں گھڑتا ہے اور ابن غضائری نے کہا ہے: ضعیف ہے اور ضعفاء سے روایت کرتا ہے اور صدوق نے کہا ہے: کذاب اور غیر ثقہ ہے۔ اور ابن نوح نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

(معجم رجال الحدیث، خوئی ۱۷/ ۳۱۶)

نیز اس کی سند میں ایک راوی علی سوری اور قیس بن سمعان ہیں جن کے حالات طبرسی کی کتاب احتجاج پر تعلیق لکھنے والے کو کہیں نہیں ملے۔ (الاحتجاج، طبرسی ۱/ ۶۷ حاشیہ نمبر ۳، ۱/ ۶۸ حاشیہ نمبر ۱)

۲۔ دوسری وجہ اس روایت کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں آپ کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول... (النساء: ۵۹)

و من یعص اللہ و رسولہ... (النساء: ۱۴)

ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ... (الاحزاب: ۵۷)

براءۃ من اللہ و رسولہ... (توبہ: ۱)

پھر کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک حکم دے اور آپ اسے بھول جائیں اور پھر ڈانٹ کی ضرورت پڑے؟؟

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کے انکار کو اللہ کے ساتھ شرک کے برابر ٹھہرانا صحیح نہیں، کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء۔ ۔ ۔ (النساء:۴۸)

جب کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے کبائر کو شرک باللہ سے قطع رحمی تک ذکر کیا ہے اوران میں انکارِ ولایت کو شمار نہیں کیا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبائر میں پانچ چیزیں شمار کی ہیں اوران میں ولایت کے انکار کو ذکر نہیں کیا۔
(علل الشرائع ابن بابویہ: ۲/۳۹۱،۴۷۵)

۴۔ ستر ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ان کی تکفیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی تکفیر کی نسبت یہ سراسر کتاب اللہ کی کھلی ہوئی مخالفت ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری اور پاک ہیں کہ وہ صحابہؓ کے بارے میں ایسی بات فرمائیں۔ قرآن کریم میں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

★والسابقون الاوّلون من المھاجرین والانصارِ والذین اتبعوھم باحسانٍ رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ۔ ۔ ۔ (التوبہ:۱۰۰)

★لقدرضی اللّٰہ عن المومنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ۔ (الفتح:۱۸)

کیا اللہ کو (معاذ اللہ) ان سے رضامندی کے بارے میں بدا ہو گیا کہ ان کے حق میں اپنی رائے بدل دی ہے؟

۵۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو لعنت کریں، جبکہ ان میں بعض وہ ہیں جن کو آپ نے جنت کی بشارت دی ہے۔ ان میں ابوبکر صدیقؓ، آپ کے یارِ غار اور آگ سے آزاد کیے ہوئے اور ان ہی میں دو شہید عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) بدا ہو گیا تھا، جب آپ نے فرمایا:

''وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہ ہوگا جو بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوا ہے۔''

۶۔ طبرسی نے خود اپنے آپ کو جھٹلایا ہے۔ ایک طرف تو کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ غدیر خم سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں لوگوں کو نہیں بتایا اس ڈر سے کہ لوگ جاہلیت کی طرف نہ لوٹ جائیں اور دوسری طرف ایسی روایات نقل کرتا ہے جن میں غدیر خم سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتانا ثابت ہے۔

چنانچہ ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ خالد بن سعید بن العاص نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ جانتے ہیں کہ بنی قریظہ کے دن جب اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نصرت کا دروازہ کھول دیا تھا اور ہم آپ کے اردگرد کھڑے تھے تو آپ نے فرمایا: ''اے مہاجرین وانصار کی جماعت! غور سے سن لو علی بن ابی طالب میرے بعد تمہارے امیر ہیں اور تم میں میرے خلیفہ ہیں اور مجھے میرے رب نے اس کا حکم کیا ہے۔'' (الاحتجاج طبرسی: ۱/۹۹)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور تیسری روایت میں ہے کہ سہل بن حنیف نے فرمایا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ کو اس جگہ (مسجد میں روضہ کی جگہ) دیکھا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے فرمایا: لوگو! یہ علی میرے بعد تمہارے امام ہیں اور میری زندگی اور وفات کے بعد میرے وصی اور میرے وعدہ کو پورا کرنے والے ہیں۔ (الاحتجاج، طبرسی: ۱/ ۱۰۳)

یہ تناقض ان تین روایتوں کو باطل کر دیتا ہے، جب کہ یہ دو روایتیں ضعیف اور احاد ہیں۔

۷۔ مجلسی، آغا برزک طہرانی اور محمد بحر العلوم نے تاکید سے لکھا ہے کہ اس کتاب کی اکثر روایات مرسل ہیں اور بڑے علماء اور محققین اس پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کی احادیث اور اخبار کی اسانید میں بحث کیے بغیر اس سے نقل کرتے ہیں۔ (الاحتجاج ، طبرسی : المقدمہ)

کیا ایسی کتاب پر اعتماد کرنا اور اس سے بلا بحث و تحقیق نقل کرنا اور ایسے اہمیت کے امور میں جن کا تعلق اسلامی عقیدہ سے ہے کہاں تک درست ہے؟ اِلا یہ کہ ان کے نقل کرنے اور اسے رواج دینے میں کچھ اور مقاصد ہوں جنہیں مجلسی اور اس کے ساتھی جانتے ہیں۔ پھر کیا مجلسی بقول محمد بحر العلوم کے ثقہ ہیں اس لئے کہ اس نے ۷۰ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کی ہے؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے لے کر وفات تک اتنے عرصے میں صرف حضرت علی، حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت عمار، حضرت مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو ہدایت کر سکے؟...... اور زبیر بھی بقول ان کے بعد میں مرتد ہو گئے...... ایک لمحے کے لئے یہ تصور فرمایئے اگر شیعیت کی ان ہفوات کو درست مان لیا جائے تو رب العالمین کی مقدس کتاب کا کیا بنے گا جو اصحابِ رسول کی عظمت وفضیلت کے ترانوں سے لبریز ہے حتیٰ کہ ایک موقع پر تو یہاں تک ارشاد فرمایا گیا:

اولٰئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقوٰی لھم مغفرۃ واجر عظیم۔

یہ (اصحابِ رسول) وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں تقویٰ کا اللہ نے امتحان لے لیا (جس کا رزلٹ یہ ہے کہ ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے!

جن نفوسِ قدسیہ کو اللہ رب ذوالجلال نے تقویٰ کے امتحان میں کامیاب قرار دے کر مغفرت اور اجر عظیم کا مژدہ سنایا افسوس کہ شیعیت نے انہیں سرے سے خارج از ایمان واسلام قرار دے کر رب ذوالجلال کے ارشاداتِ عالیہ کو ناقابلِ قبول قرار دے دیا۔ اور قرونِ اولیٰ میں اپنے روحانی اجداد کی تراشی ہوئی روایات کو اپنے ایمان کا محور ومرکز گردانتے ہوئے قرآن وحدیث والے اسلام کے متوازی ایک اور مذہب ایجاد کر لیا۔ جہاں تک اِن ''تاریخی روایات'' کا تعلق ہے، اہل علم سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ:

۱۔ اکثر کتبِ تواریخ بنو عباس کے دورِ خلافت میں مدوّن ہوئیں اور ایک خاص پولیٹکل سازش کے تحت ان میں جان

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بوجھ کرایسا مواد اور ایسی روایات جمع کردی گئیں جن میں بنواُمیہ کی تنقیص کی گئی تھی اور ان کے محاسن ومناقب کو بھی معائب و مثالب کے رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔اس مقصد کے لیے کرائے کے ٹٹو بھی خریدے گئے اور بنواُمیہ کو ہر طریقے سے بدنام کیا گیا اور اس کے لیے جھوٹی روایات بھی وضع کی گئیں۔

۲۔ بعد کے زمانے میں بعض مؤرخین نے اپنے کو سُنی ظاہر کر کے تاریخ کی ایسی کتابیں تالیف کیں، جن میں بنواُمیہ کے خلاف اپنے دلی بغض وعناد کا کھل کر اظہار کیا گیا اور سنی کتبِ تواریخ میں تحریف کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کیے گئے، جن کا تفصیلی ذکر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تحفہ اثناعشریہ'' میں فرمایا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(الف) شیعہ علماء اکثر یہ کیا کرتے ہیں کہ تفسیر وسِیَر کی ان کتابوں میں، جن کا استعمال سنی علماء اور طلباء کے ہاں کم رہتا ہے یا حدیث کی ان کتابوں میں، جو زیادہ مشہور نہیں ہوتیں، اپنی طرف سے موضوع اور جھوٹی باتیں، جو کہ مذہب شیعہ کی مؤید ہوتی ہیں، ملحق کر دیتے ہیں اور پھر اس سے سنی ناواقف علماء کو بھی بعد میں دھوکہ لگ جاتا ہے۔

پھر اس کی ایک مثال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''محمد شاہ کے زمانے میں دہلی میں دو شیعہ بھائی طبقہ امراء میں سے ایسے تھے کہ ''صحاحِ ستہ''، ''مشکوٰۃ'' اور ''اہل سنت'' کی کئی ایک تفاسیر کو بہترین کاغذ پر خوشخط کاتبوں سے لکھواتے اور جگہ جگہ اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں ملا دیتے۔ پھر ان نسخوں کے جداول کو مطلا اور مذہب کر کے بہت معمولی قیمت پر فروخت کرنے کے لیے بازار میں پیش کر دیتے۔ معمولی قیمت پر بہترین خط وکاغذ کی اعلیٰ کتابوں کو دیکھ کر ناواقف لوگ شوق سے خرید لیتے اور اس طرح ان کتابوں کی اشاعت ہو جاتی۔

اسی طرح اصفہان میں خاندانِ صفویہ کے امراء میں سے ابراہیم بن علی شاہ وغیرہ شیعہ وہاں پر اسی طرح کا کام کرتے رہے لیکن ان مکاریوں اور دھوکہ بازیوں سے بھی ان کا مقصد حاصل نہ ہو سکا کیونکہ اہل سنت کی مشہور کتابیں کمال شہرت کی وجہ سے ناقابل تحریف اور کتب غیر مشہور کا کوئی اعتبار نہیں۔'' (تحفہ اثناعشریہ ص ۹۵)

(ب) کبھی شیعہ علماء، فضائلِ خلفاء اربعہ میں کوئی کتاب تصنیف کر دیتے ہیں اور اس میں اہل سنت کی صحیح کتابوں سے صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں لیکن جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ذکر کرنے کی نوبت آتی ہے تو اس ضمن میں بعض ایسی چیزیں جو کہ خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہؓ کے حق میں موجبِ قدح وطعن ہوتی ہیں وضع کر جاتے ہیں یا شیعہ حضرات کی کتابوں سے نقل کر دیتے ہیں اور سیدنا علیؓ کی خلافت کی حقیقت کے بارہ میں چند نصوص صریحہ اور یہ کہ سیدنا علیؓ کے ہوتے ہوئے جو کوئی خلیفہ بن جاوے تو وہ ''یہ'' اور ''وہ'' ہے، درج کر جاتے ہیں تا کہ اس کو دیکھ کر سن کر پڑھنے والے اور سننے والے شبہ میں پڑ جائیں اور خلفائے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

راشدینؓ کے بارہ میں ان کے دل میں بدظنی پیدا ہو جائے۔(حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کی مثالیں بھی نقل کی ہیں۔)

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۹۶)

(ج) کبھی یہ لوگ اہلسنت کے مؤرخوں کے ساتھ یوں کرتے ہیں کہ تاریخ کی کتاب لکھ لیتے ہیں اور اس میں کوئی ایسی بات جس سے یہ وہم پیدا ہو سکے کہ مؤلف کتاب اہل سنت سے خارج ہے، درج نہیں کرتے ہیں لیکن سیر خلفاء، احوالِ صحابہ اور ان کی باہمی محاربات کے بیان میں کچھ حصہ اپنے مذہب کا ملا لیتے ہیں۔ بعض اہل سنت مؤرخین اس خیال سے کہ مصنف سنی اور محقق ہے، اس سے نقل کرتے اور غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہی بے تحقیق عبارت قارئین کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے (پھر ایک مثال دے کر فرماتے ہیں) اہل سنت ایسی تاریخوں کے مطالعہ سے احتراز ضروری قرار دیتے ہیں۔

(د) کبھی وہ اس طرح بھی کرتے ہیں کہ اہل سنت کے معتبر اور مستند علماء کے اسماء و القاب اور ان کی کنیتوں پر غور کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بڑا شخص اپنے کسی عالم کا ہم نام یا ہم لقب پا لیتے ہیں تو اپنے اس شیعہ عالم کی حدیث اور روایت اس سنی عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ نام و لقب کے ساتھ اتحاد کی وجہ سے دونوں میں امتیاز بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ناواقف سنی اس کو اپنے آئمہ میں سے ایک امام سمجھ کر اس کی روایت کو قابلِ اعتماد سمجھ لیتے ہیں۔ جیسے ''سدی'' اس نام کے دو شخص ہوئے ہیں۔ ایک سدی کبیر اور دوسرا سدی صغیر۔ کبیر اہل سنت کے معتبر علماء میں سے ہیں جب کہ صغیر وضاعین و کذاب میں سے ہیں اور غالی و متشدد رافضی ہے۔ اسی طرح ابنِ قتیبہ کے نام سے بھی دو شخص ہیں۔ ایک ابراہیم بن قتیبہ غالی، رافضی اور دوسرا عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ اہل سنت میں سے ہیں۔

کتاب المعارف اصل میں سنی ابن قتیبہ کی ہے لیکن شیعہ ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب کا نام معارف رکھا تا کہ لوگوں کو نام سے اشتباہ ہو جاوے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۹۷)

الحتصر یہ کہ شیعیت نے انہی وضعی روایات سے جنم لیا اور انہی وضعی روایات ہی کے بل بوتے پر اپنے عقائد و اعمال کی عمارت قائم کی۔ امامت و خلافت، وصایت و نیابت، افضلیت و ثانویت سمیت دیگر مافوق العقل اور مافوق الفطرت عقائد پر مشتمل اس عمارت کی تعمیر میں ائمہ اثنا عشر کا کردار بھی محض فرضی اور فقط فریب ہے۔ ان پاکیزہ ہستیوں کی تعلیمات اور تصریحات اگرچہ ان فریب کاروں کی صدہا سالہ شبانہ روز فریب کاری کی گرد سے اَٹی ہوئی ہیں تاہم جوہر شناسوں کیلئے جواہر کو خذف ریزوں سے جدا کرنا چنداں مشکل نہیں اور ہر دور کے رجالِ کار اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں، نیز آج بھی اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف و مگن ہیں۔

اس موقع پر اس المیے کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں اسلام ہی کے عنوان پر شیعیت کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان عقائد وافکار کا پنپ جانا کیونکر ممکن ہوا؟ اس اہم سوال کے جواب میں شیعیت کی سیاسی دسیسہ کاریوں پر نگاہ پڑتی ہے جو فی الواقع چودہ صدیوں کے طویل دورانیے پر مشتمل ہیں۔ شیعیت نے اسلام ہی کے نام پر اس قدر ترویج کیسے حاصل کی کہ آج باقاعدہ کچھ سلطنتیں اپنے دستور اور منشور کی بناء پر شیعیت کی ترویج وتنفیذ کے قانونی مراکز کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ اور نہ صرف عالمِ اسلام کو اپنی نظریاتی اور تخریبی کارروائیوں کا ہدف بنائے ہوئے ہیں بلکہ جنوبی افریقا اور متحدہ عرب کی ریاستوں کے علاوہ روس کی نو آزاد شدہ ریاستوں اور متعدد غیر مسلم ممالک کے پسماندہ علاقوں میں اسلام کے نام پر لوگوں کو دامِ ہم رنگ میں پھانس رہی ہیں۔ یقیناً یہ سب سیاسی چالبازیوں کی بدولت ہے۔

شیعیت کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہی دراصل شیعیت کا نقطۂ آغاز ہے اور اس کے پسِ منظر میں دنیائے اسلام کے پہلے امیر المومنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران کے طول وعرض میں اسلامی عساکر کی محیر العقول فتوحات کے نتیجے میں فارسی ذہن کی انتقامی سوچ کا عمل دخل دکھائی دیتا ہے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت میں یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ ایران کی مجوسیت کا اشتراکِ عمل چھپائے نہیں چھپتا۔ بعدازاں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں عبداللہ بن سبا کی قیادت میں اٹھنے والی باغی تحریک نمایاں ہوتی ہے جس کے نتیجے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ۸۲ برس کی عمر میں نہایت بے دردی سے شہید کیا گیا اور اس قتلِ ناحق کے ذریعے امت میں قتل وغارت کے ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز ہوا۔

عالمِ اسلام کے مشہور مفکر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ ''اسلام میں شیعیت کا آغاز'' کے عنوان میں عبداللہ بن سبا کے تعارف میں فرماتے ہیں:

''اس خونی فضا میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ بلاشبہ خلیفہ برحق تھے۔ امتِ مسلمہ میں اس وقت کوئی دوسری شخصیت نہیں تھی جو اس عظیم منصب کے لئے قابلِ ترجیح ہوتی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے نتیجہ میں اُمتِ مسلمہ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی اور نوبت باہم جنگ وقتال کی بھی آئی۔ جمل اور صفین کی دو جنگیں ہوئیں۔ عبداللہ بن سباء کا پورا گروہ جس کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی تھی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اس زمانہ اور اس فضا میں اس کو پورا موقع ملا کہ لشکر کے علم اور کم فہم عوام کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کی محبت اور

ا۔ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں بعض شیعوں کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے۔ غلط الامین مجاوزہا عن حیدر۔ کہ جبریل امین نے غلطی کی کہ وحی وشریعت حیدرؓ کے بجائے محمد تک پہنچادی۔ اغلب یہ ہے کہ بطور تقیہ اس کفریہ قول کو چھپا دیا گیا ہے برملا کہتے اور لکھتے نہیں، ورنہ عقیدہ ہر امامی اثنا عشری کا یہی ہے کیونکہ وہ صحابہ رسول کو منافق اور حضرت علیؓ کو مومن کہتے ہیں۔ معجزہ رسول قرآن کو محرف بلا امام ناقابلِ عمل اور بے حجت کہتے ہیں۔ صحیفہ نہج البلاغہ کو مقدس اور واجب العمل جانتے ہیں۔ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب تمام چیزوں سے نفرت وتبرا کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے تمام چیزوں سے تولا اور محبت کرتے ہیں۔ رسول پاک کی تعلیم وہدایت سے ۵ صحابہ کو بھی مومن اور جنتی نہیں مانتے، علیؓ کی نسبت سے لاتعداد لوگوں کو مومن وجنتی کہتے ہیں۔ یہی نبوت وہادیت کو حضور ﷺ سے کاٹ کر حضرت علی ؓ کو نبی وہادی ماننا ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عقیدت کے عنوان سے غلو کی گمراہی میں مبتلا کرے۔ یہاں تک کہ اس نے کچھ سادہ لوحوں کو وہی سبق پڑھایا جو پولوس نے عیسائیوں کو پڑھایا تھا اور ان کا یہ عقیدہ ہوگیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس دنیا میں خدا کا روپ ہیں اور ان کے قالب میں خداوندی روح ہے اور گویا وہی خدا ہیں۔ کچھ احمقوں کے کان میں یہ پھونکا کہ اللہ نے نبوت و رسالت کے لئے دراصل حضرت علیؓ بن ابی طالب کو منتخب کیا تھا، وہی اس کے اہل و مستحق تھے اور حاملِ وحی فرشتے جبریل امین کو ان ہی کے پاس بھیجا تھا لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا اور وہ غلطی سے وحی لے کر حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچ گئے۔ [1] استغفر اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علم میں کسی طرح یہ بات آئی کہ ان کے لشکر کے کچھ لوگ ان کے بارے میں اس طرح کی باتیں چلا رہے ہیں تو آپ نے اِن شیاطین کو قتل کرا دینے اور لوگوں کی عبرت کیلئے آگ میں ڈلوا دینے کا ارادہ فرمایا لیکن اپنے چچازاد بھائی اور خاص رفیق و مشیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ان جیسے اور لوگوں کے مشورہ پر اس وقت کے خاص حالات میں اس کارروائی کو دوسرے مناسب وقت کیلئے ملتوی کر دیا۔ [1]

بہرحال جمل و صفین کی جنگوں میں عبداللہ بن سباء اور اس کے چیلوں کو اس وقت کی خاص فضاء سے فائدہ اٹھا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے لشکر میں ان کے بارے میں غلو کی گمراہی پھیلانے کا پورا پورا موقع ملا اور اس کے بعد جب آپ نے عراق کے علاقہ کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنا لیا تو یہ علاقہ اس گروہ کی سرگرمیوں کا خاص مرکز بن گیا اور چونکہ مختلف اسباب اور وجوہ کی بناء پر جن کو مورخین نے بیان کیا ہے، اس علاقہ کے لوگوں میں ایسے غالیانہ اور گمراہانہ نظریات وافکار کے قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت تھی اس لئے یہاں اس گروہ کو اپنے مشن میں زیادہ کامیابی ہوئی۔ (گویا یہ علاقہ شیعیت کا گڑھ بن گیا)''۔
(ایرانی انقلاب۔ص ۱۰۸،۱۰۹)

دورِ مرتضوی میں خود شیعانِ علی کا لبادہ اوڑھنے والوں کے ہاتھوں جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا برپا ہونا، خوارج کا ظہور اور سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح اور ان کے ہاتھ پر بیعت کے بعد شیعوں کے ہاتھوں سیدنا علیؓ کے اس جگر گوشہ کی تذلیل، بعد ازاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بہتر ساتھیوں سمیت کربلا ریگزاروں میں المناک شہادت، شیعیت کا توابین کے روپ میں مختار ثقفی جیسے بدنصیب لیڈر کی قیادت میں قاتلینِ حسینؓ کے ساتھ ساتھ بے شمار بے گناہ مسلمانوں کی خونریزی کے دردناک واقعات، اور یہ سب کچھ انہی ادوار میں ظہور پذیر ہوا جن ادوار کو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون قرار دیا تھا، بعد کی تیرہ صدیوں میں شیعیت نے جو گل کھلائے، ان کا احوال روح و بدن پر لرزہ طاری کر دینے کیلئے کافی ہے۔

---

[1] صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ان مشرک سبائیوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔ جیسے بخاری اور ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ میں صراحت ہے۔ شیعہ کی رجال کشی میں امام جعفر صادقؒ نے ۷۰ آدمیوں کے جلانے کا ذکر فرمایا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''فجر الاسلام'' میں علامہ احمد امین مصری نے لکھا ہے کہ پہلی اور دوسری صدی میں جو شخص یا گروہ اسلام پر حملہ آور ہوتا وہ اہلِ تشیع کے کیمپ میں آ جاتا اور تقیہ وحبّ اہل بیتؓ کی آڑ میں اسلام کی جڑوں کو کاٹتا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ ''شیعہ روزِ اوّل سے مسلمانوں کے دشمن چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ دے کر اہل اسلام سے جنگ لڑی ہے۔ ان کی ساری تاریخ سیاہ اور ظلمتِ ظلم سے معمور ہے۔''

نیز فرماتے ہیں ''شیعہ نقلی دلائل پیش کرنے میں اکذاب الناس ہیں اور عقلی دلائل کے ذکر و بیان میں اجہل الناس۔ یہی وجہ ہے کہ علماء انہیں اجہل الطوائف کہتے چلے آئے ہیں۔ اِن کے ہاتھوں اسلام کو پہنچنے والے نقصان کا علم صرف رب العالمین کو ہے۔ اسماعیلیہ، باطنیہ اور نصیریہ ایسے گمراہ فرقے اسلام میں شیعہ ہی کے دروازہ سے داخل ہوئے۔ کفار و مرتدین بھی شیعہ کی راہ پر گامزن ہو کر اسلامی دیار و بلاد پر چھا گئے۔ مسلم خواتین کی آبروریزی کی اور ناحق خون بہایا...... شیعہ خبثِ باطن اور ہوائے نفس میں یہود سے ملتے جلتے اور غلو و جہل میں نصاریٰ کے ہم نوا ہیں۔

(المنتقیٰ من المنہاج اُردو ص ۲۸۔ مطبوعہ گوجرانوالہ)

چنانچہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں جتنے المیے اور ادبار رونما ہوئے یعنی خلافت راشدہ، خلافت دمشق، خلافت بغداد اور خلافت عثمانیہ کے خلاف خون چکاں اور تباہ کن واقعات، ان کے پیچھے بالواسطہ یا بلاواسطہ ہی اسلام دشمن تحریک کے سرکردہ لیڈروں کا ہاتھ رہا ہے۔

1501ء میں ایران پر صفویوں کی حکومت قائم ہوئی جس نے شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دے کر ریاستی سطح پر مسلم دشمنی کی پالیسی اپنائی۔

جس زمانے میں عثمانی فوجوں کی یورپ میں تیزی سے پیش قدمی کے باعث وہاں کے عیسائی حکمرانوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی تو وہاں یہ خبر پھیلی کہ عثمانی سلطنت کی دوسری طرف ایران میں صفوی خاندان کے تحت ایک اسلام دشمن طاقت کا ظہور عمل میں آیا ہے۔ یہ واقعہ یورپ کی اسلام دشمن حکومتوں کے لیے بڑی خوشی اور اہمیت کا حامل تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایرانی حکمرانوں سے تعلقات استوار کرنے اور عثمانی خلفاء کے خلاف ان سے ساز باز کرنے کے لیے اپنے مختلف وفود وہاں بھیجنے شروع کر دیے۔ یورپی وفود کی آؤ بھگت کے لیے صفوی حکومت پہلے سے چشم براہ تھی۔

ایران کی صفوی حکومت نے اس زمانے کی سب سے بڑی اسلامی طاقت سلطنت عثمانیہ کے خلاف یورپ کی عیسائی ریاستوں پرتگال، انگلینڈ سے مضبوط سفارتی تعلقات قائم کر کے یورپ میں عثمانیوں کی بڑھتی ہوئی یلغار میں روڑے اٹکانے کا سلسلہ شروع کیا اور ترکی کی مشرقی سرحدوں پر حملے شروع کر دیے۔ اس طرح عثمانیوں کی جو طاقت یورپ میں اسلامی فتوحات کے سلسلے میں صرف ہونا تھی، ایران کی اسلام دشمنی کی نذر ہو گئی۔

صفویوں نے عثمانی فوجوں کو ترکی کی مشرقی سرحد پر لڑائی میں مسلسل مشغول رکھا۔ اس سے یورپ کی اسلام دشمن عیسائی طاقتوں کو غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ عثمانی دربار میں آسٹریا کے سفیر نے بعد میں لکھا تھا۔ ''ہمارے اور ہماری تباہی کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

درمیان اہل ایران ہی صرف ایک رکاوٹ ہیں۔ ترک ہمیں ضرور آ باتے مگر ایرانی انہیں روکے ہوئے ہیں۔ ایرانیوں کے ساتھ ترکوں کی جنگی مصروفیات سے ہمیں کچھ مہلت مل گئی ہے۔ مخلصی اور نجات حاصل نہیں ہوئی ہے"۔

برطانیہ کے دو مہم جو نوجوان عیسائی بھائیوں، انتھونی شرلے اور روبرٹ شرلے نے شاہ عباس صفوی کے دربار میں بڑا نام پیدا کیا۔ انہوں نے ایرانی فوجیوں کو یورپی طریقہ جنگ سکھائے اور ان کے ساتھ عثمانیوں کے خلاف کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ شاہ عباس ان کی خدمات سے اتنا متاثر ہوا کہ ان کو یورپ میں ایران کے گشتی سفیر مقرر کر دیا اور مختلف طریقوں سے یورپی حکومتوں کے ساتھ روابط کو مضبوط کیا۔ ایران نے خلیج میں برطانیہ اور پرتگال کو اڈے فراہم کیے جس سے بحیرۂ عرب اور ہندوستان کے مغربی ساحلوں پر ان کا اثر ورسوخ بڑھ گیا۔ اس طرح ایرانی معاونت سے بحر ہند پر اہل یورپ کی بالادستی قائم ہوگئی اور یہی بالادستی ہی ہندوستان پر یورپ کے تسلط کی بنیاد بنی۔

مغل بادشاہ ہمایوں اور اس کا تخت وتاج بھی ایران کا رہین منت تھا۔ چنانچہ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں بھی مغلوں کے تعلقات صفویوں سے دوستانہ اور خلافت عثمانیہ سے رقیبانہ رہے اور صفویوں کی طرح مغلوں نے بھی بحر ہند کے یورپی جہازرانوں کا استقبال کیا اور انہیں تعاون دیا۔ مغل سلاطین نے نہ صرف برصغیر پاک وہند میں اسلامی شعائر واقدار کو حتی الوسع پامال کیا بلکہ یورپ کے قزاق جہازرانوں کے ساتھ مراسم خسروانہ بڑھا کر اپنے حلیف اور ہم منصب ایرانیوں کی طرح عالم اسلام کا زبردست نقصان کیا۔ یورپی طاقتوں کو مراعات دینے کا یہ المناک نتیجہ نکلا کہ ایک صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ ہندوستان سے ایک ہزار سالہ مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔

ملک کے نامور مؤرخ اشتیاق حسین قریشی اپنی کتاب ''مسلمانوں کے عروج وزوال'' میں لکھتے ہیں کہ برصغیر کی عظیم مغلیہ سلطنت کے خاتمے کا باعث شیعہ تھے...... اسی طرح خلافت اسلامیہ بغداد کی تباہی کا باعث خواجہ نصیر الدین طوسی اور ابن علقمی تھے جو شیعہ تھے۔ ان کی غداری اور مسلم دشمنی کے باعث نہ صرف دشمن کو وسیع پیمانے پر دہشت گردی کا موقع ملا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مرکزیت اور وحدت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

برطانیہ نے مشرق وسطیٰ میں یہودیوں کی ریاست قائم کر کے مسلم دنیا کے سینے میں چھرا گھونپ دیا۔ یہ ناسور آج اپنی بدترین جارحانہ شکل میں عرب دنیا کے امن وامان کو تباہ کر رہا ہے۔ برطانیہ ہی نے تقسیم ہند کے موقع پر جاتے جاتے ایک سازش کے تحت کشمیر کو بھارت کے حوالے کر دیا۔

آج بھی کشمیر کے مسئلے پر ایران بھارت کے ساتھ ہے۔ ساتھ ہی پاکستان کو اس فریب میں رکھا ہوا ہے کہ کشمیر کے مسئلے پر ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

پہلے روس نے گرم پانیوں تک رسائی کے شوق میں افغانستان کو دس سالہ جنگ میں تباہ کیا لیکن غیور افغانیوں نے اس کے خلاف ایک طویل جنگ کے نتیجہ میں خود کو آزاد کرایا۔ گو طالبان نے مقامی کمانڈروں کو زیر کر کے افغانستان کے 95% فیصد علاقہ کو زیر کر کے وہاں مستحکم حکومت قائم کر لی، ملک میں اسلام کا نفاذ عمل میں آیا اور امن وامان قائم ہوگیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

منشیات کا کاروبار ختم کر دیا گیا۔ اسلامی اقدار اور شعائر کو فروغ حاصل ہوا لیکن اس کے خلاف ایران نے روس اور امریکہ کی مدد سے اپنی سازشیں جاری رکھیں اور شمالی اتحاد کو بے پناہ اسلحہ دے کر خانہ جنگی کے لیے اکساتا طالبان کے ہاتھوں افغانستان میں اسلام کا نفاذ ایران کی شیعہ حکومت کو ہرگز گوارا نہ تھا۔

اگست 1998ء میں جب طالبان نے شمالی اتحاد کے مضبوط گڑھ مزار شریف پر قبضہ کر لیا اور وہاں ایران کے جمع شدہ اسلحے کے انبار طالبان کے ہاتھ لگے تو ایران کو بہت دکھ ہوا اور افغانستان پر فوج کشی کی تیاری شروع کر دی۔ ایران کی پاکستان دشمنی بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ انہوں نے پاکستان پر الزام لگایا کہ طالبان کی کامیابی پاکستانی فوج کی مدد سے عمل میں آئی ہے۔ ایرانی لیڈروں نے کہا کہ افغانستان سے پہلے پاکستان کو سبق سکھانا چاہیے۔ ان کے روحانی پیشوا نے اس سلسلے میں روس اور بھارت سے مدد مانگی۔ اس طرح پاکستان بھی ایرانی سازشوں کی زد میں آ گیا۔ پہلے تو ایران شمالی اتحاد کو بھرپور اسلحہ سپلائی کر کے ان کو طالبان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرتا رہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر امریکہ، اسرائیل اور پاکستان کے غاصب فوجی حکمرانوں سے مل کر ایک سازش کے تحت طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم اور افغانستان کو تباہ کرایا۔ اس تباہی پر ایرانی حکومت نے سرکاری طور پر اعلان کیا کہ طالبان کی اسلامی حکومت کے خاتمے پر ان کو دلی خوشی اور اطمینان ہوا۔ ایران کے ایک سرکاری اہلکار نے بعد میں امریکہ سے شکوہ کیا کہ افغانستان میں طالبان کا وجود ختم کرنے کے سلسلے میں ایران نے جو خدمات سرانجام دی ہیں ان کا ایران کو صلہ نہیں دیا گیا۔

تاہم دشمن کی پہچان زندہ قوموں کے لیے پیغام بقاء ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ سے شیعیت کی عداوت دراصل صحابہ کرامؓ کے نام لیواؤں سے عداوت ہے۔ جس کا ثبوت ہر صدی کے ہر لمحے کی طرح گذشتہ بیس سالوں میں بالخصوص اور ایرانی انقلاب فروری ۱۹۷۹ء کے بعد بالعموم شیعیت دیتی چلی آ رہی ہے۔ پاکستان میں ایرانی انقلاب کے بڑھتے اثرات کو روکنے کے لیے امیر عزیمت مولانا حق نواز جھنگویؒ نے آواز اٹھائی تو ۲۲ فروری ۱۹۹۰ء کی شام کو شیعوں نے انہیں ان کے گھر کے دروازے پر شہید کر کے پاکستان میں قتل و غارت گری کی بنیاد رکھ دی۔ بعد ازاں کتنے نامور علماءِ کرام ان کی تیغ ستم کا شکار ہو گئے اور یہ سلسلہ تا حال وقتاً فوقتاً جاری رہتا ہے۔ اور جن دنوں یہ سطور لکھی جا رہی ہیں کاروانِ امیر عزیمتؒ کے امیر و سالار، مجاہد ملت، ضیغم اسلام علامہ علی شیر حیدری بھی شیعیت کے دستِ جفاکش کا نشانہ بن کر جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ان حالات و واقعات کے گہرے مطالعہ اور تجزیہ کے بعد راقم کی یہ خواہش شدید سے شدید تر ہوتی چلی جا رہی تھی کہ شیعیت کی مذہبی اور سیاسی تاریخ کے موضوع پر ایک مفصل کتاب منصۂ شہود پر آنی چاہیے۔ جس میں اس کی چودہ سو سالہ کارکردگی کا مفصل اور مدلل جائزہ لیا گیا ہو۔ جس کے ذریعے ہماری آنے والی نسلوں کو شیعیت کے عزائم و افکار اور طریقہ ہائے واردات کا صحیح علم ہو سکے۔ تاکہ اسے اپنی اور اسلام کی بقاء کے لیے پالیسی مرتب کرنے کے لیے راہنما کا کام دے سکے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اللہ رب ذوالجلال کا عظیم احسان ہے کہ اس نے بندہ کی اس خواہش کی تکمیل کیلئے ہمارے فاضل دوست مولانا ثناء اللہ سعدؔ حفظہ اللہ کا انتخاب فرما کر انہیں اس کام کی توفیق ارزانی فرمائی۔ ناچیز راقم کے اصرار پر مولانا موصوف نے کم و بیش ڈیڑھ سال قبل اس کام کا آغاز فرمایا اور آج بحمد اللہ یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مولانا ثناء اللہ سعدؔ کو اس کام کے آغاز سے تکمیل تک جن کٹھن اور دشوار گزار راہوں پہ چلنا پڑا ہے ناچیز راقم اس کا عینی شاہد ہے۔ سنی اور شیعہ کتابوں کا حصول، ان کی ورق گردانی اور پھر ان میں سے ثقہ روایات کے ذریعے تاریخ کے رازہائے سربستہ تک رسائی یقیناً جان جوکھوں کا کام ہے۔ لیکن فاضل مصنف ان تمام تر کٹھنائیوں سے کامیاب و سرخرو ہو کر گزرے ہیں۔

فاضل مصنف نے نہایت عرق ریزی سے شیعیت کے یومِ ولادت سے دورِ حاضر تک کی تمام تر کارکردگی اور کارہائے نمایاں کو قوم کی خدمت میں پیش کر دیا ہے، اگر نظرِ انصاف سے اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو شیعیت کا تمام تر ماضی، حال اور مستقبل اپنے تمام تر اغراض و مقاصد سمیت آشکار ہو جائے گا۔

محمد احمد لدھیانوی

صدر اہلسنت والجماعت پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

(از مؤلف)

شیعیت……اس کی ابتداء اور نشو و نما

شیعیت کیا ہے؟ یہ کب معرضِ وجود میں آئی؟ اس کے اغراض و مقاصد کیا ہیں اور صدیوں پر مشتمل طویل ماضی کے سفر میں اس نے کیا ''کامیابیاں'' حاصل کیں، یہ تمام سوالات ہماری زیر نظر کتاب کا موضوع ہیں اور ہم ان شاء اللہ ان

1۔ الصلۃ بین التصوف والتشیع ص ۲۰ تالیف ڈاکٹر کامل مصطفی الشیبی

2۔ الملل والنحل ۲ / ۱۱۳ابن حزمؒ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تمام سوالوں کا جواب سینکڑوں کتابوں پر مشتمل ایک وسیع لائبریری سے حاصل کریں گے۔ہم اللہ سے خصوصی مدد کے خواستگار ہیں۔اور اسی پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ وہی تمامتر خیر وشر کا مالک ہے اور اسی کی ذات پر ہی بھروسہ کرنا اہلِ ایمان کے شایانِ شان ہے!

’’شیعیت‘‘ کی تعریف

شیعیت کی تعریف کرتے ہوئے امام ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں:

’’شیعہ وہ ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرفداری کی اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ سے افضل مانا۔‘‘ [1]

اور ابن حزمؒ نے شیعہ کی یہ تعریف کی ہے:

’’شیعہ وہ ہے جو شیعوں کے ساتھ اس بات میں متفق ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔اگر چہ وہ شیعوں کے دوسرے عقائد سے اختلاف رکھتا ہو جو عام مسلمانوں کے عقائد سے مختلف ہیں،لیکن اگر وہ پہلے عقیدہ میں ان سے مخالف ہے تو وہ شیعہ نہیں ہے۔‘‘[2]

تاریخ میں شیعانِ علیؓ کن کو کہا گیا!

تاریخ میں شیعانِ علی سب سے پہلے اس گروہ کو کہا گیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلافت پر آنے سے پہلے لوگوں میں بنواُمیہ اور بنو ہاشم کے مابین سیاسی فاصلے قائم کرنا چاہتے تھے۔سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنواُمیہ میں سے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بنو ہاشم میں سے......صحابہؓ کے ہاں دونوں ایک جیسے بزرگ تھے......مگر کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھے بغیر ان کے گرد عقیدت کے ایسے دائرے کھینچ لیے تھے کہ خود حضرت علیؓ کو اُن سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔پھر یہ لوگ بر سرِ عام حضرت عثمانؓ کے خلاف اُٹھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے جھنڈے اٹھا لئے اور بالآخر آپ کو شہید کر کے دم لیا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرات حسنینؓ آخر دم تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہے۔یہ حضرات خود باغیوں کے خلاف اس لئے نہ اٹھے کہ اسلام میں امیر المومنین کی اجازت کے بغیر کوئی فوجی کارروائی نہ ہو سکتی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی حمایت میں کسی کو لڑنے اور اپنے باغیوں کی سرکوبی کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بلاشبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وفاداروں میں رہے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بھی آپؓ نے ان کے خلاف کوئی ایک کلمہ نہ کہا۔آپ اپنی خلافت کو انہی حضرات سے متصل سمجھتے تھے اور اسے حضور سے بلافصل نہ جوڑتے تھے،لیکن آپ کے ارد گرد کچھ ایسے لوگ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف

1۔اصل الشیعہ ص ۱۰۹ تالیف محمد حسین آل کاشف الغطاء۔مقالات الاشعری القمی ص ۱۱۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شریکِ بغاوت رہے تھے اور اب وہ کھلے بندوں حضرت عثمان ؓ، امیر معاویہ ؓ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو شیعانِ علی میں سے کہتے تھے۔ لیکن عملاً انہیں خاندانِ علی ؓ سے کوئی عقیدت نہ تھی اور حضرت علی ؓ یقیناً ان سے کھلے فاصلے پر تھے۔ یہی شیعانِ علی کا آغاز ہے۔

''شیعیت'' کے بارے میں شیعہ علماء کا نکتۂ نظر

شیعیت کی ابتداء اور آغاز کے حوالے سے ہمارا نکتہ نظر یہی ہے جبکہ موجودہ دور کے بعض شیعہ علماء کو اس سے اختلاف ہے۔ شیعہ عالم شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء اور اشعری قمی کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی شیعیت کا ظہور ہو چکا تھا اور دلیل میں وہ چند احادیث پیش کرتے ہیں، جن میں ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

> ''اے علی! تم اور تمہارے ساتھی جنت میں جائیں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ (علی) اور اس کے ساتھی ہی روزِ قیامت کامیاب ہوں گے۔'' [1]

شیعہ مصنف علامہ نوبختی کے علاوہ مشہور مستشرق فیری روندلسن کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی عقیدۂ امامت کو پھلنے پھولنے کی تاریخی بنیاد میسر آئی [1] اور وجہ اس کی یہ بتاتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ تقریباً چالیس افراد نے خلیفۂ راشد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے میں تاخیر کی۔ [2]

جبکہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ شیعیت کی ابتداء تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دورِ خلافت میں ہوئی اور اس کی نشوونما خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوئی اور اسے خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ البتہ اس دور کے شیعہ صرف ایک ہی نظریہ رکھنے والے نہ تھے بلکہ ان میں ایک جماعت وہ تھی جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادوں کے بارے میں نہایت غلو سے کام لیا۔ یہی رائے مقریزی کی ہے۔ [3] اس اعتبار سے شیعیت کی ابتداء اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نظریۂ غلو کا آغاز ساتھ ساتھ ہے۔

دوسری وہ معتدل جماعت تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتی تھی لیکن کسی دوسرے کی تکفیر نہ کرتی تھی۔ [4]

1۔ عقیدۃ الشیعہ ص ۱۹ تالیف روندلسن۔ فرق الشیعہ ص ۲۰ تالیف نوبختی۔

2۔ لاسنۃ ولاشیعہ ص ۲۰ تالیف محمد علی الزعبی

3۔ الخلافہ ص ۱۵۴ تالیف ڈاکٹر محمد عمارہ۔

4۔ تاریخ المذاہب الاسلامیہ ص ۳۶ تالیف شیخ ابوزہرہ رحمہ اللہ تعالیٰ

5۔ علی وبنوہ ص ۱۹۲ تالیف طٰہٰ حسین

6۔ الملل والنحل ۲/ ۱۰۷

7۔ الملل والنحل ۲/ ۶۹

8۔ معجم رجال الحدیث ۱۹/ ۳۳۳۔ تالیف الخوئی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ شیعیت کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوئی ہے۔[5]

شیعیت کے عقیدۂ امامت کی بنیاد

علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ تمام شیعوں کا امامت اور تفضیل میں بنیادی طور پر اتفاق ہے اور باقی مسائل میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔[6] لیکن علامہ شہرستانی شیعیت اور منصوص امامت کے نظریہ میں گہرا تعلق قرار دیتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''شیعہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیا اور وہ اس کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی امامت وخلافت پر نص اور ان کے حق میں خفی یا جلی وصیت فرمائی تھی......اور تمام شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام کی تعیین نص کے ساتھ ضروری ہے۔''[7]

لیکن اس قول کا مطلب تو یہ ہوا کہ شیعہ اپنے منصوص امامت کے عقیدہ کی بناء پر حضرت علیؓ کے دور میں دوسروں سے الگ ہوئے۔ جبکہ عباسی دور کی ابتداء میں ہشام بن الحکم سے پہلے اس عقیدہ کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ ہشام بن الحکم ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے امامت کے مسئلہ کو چھیڑا اور پھر اس سے دوسرے لوگوں نے اسے لیا۔[8] یہی وجہ ہے کہ غیر شیعہ مؤرخین حضرت جعفر صادق اور ہشام بن الحکم کے دور کی شیعیت کو ایک ایسے شیعہ فرقے کے نام سے ذکر کرتے ہیں جو اپنے معروف نظریات کی بناء پر مشہور ہے۔ لیکن ان کے بالمقابل شیعہ علماء عام طور پر جب شیعیت کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ جوڑتے ہیں جس کا مقصد بظاہر اس عام تاثر کو دور کرنا ہے کہ شیعہ مذہب کے اصولی مسائل میں غیر اسلامی عناصر کی بڑی آمیزش ہے۔

شیعیت کی ابتدائی نشوونما کے بارے میں گذشتہ اقوال کا تجزیہ

اب ہم شیعیت کی ابتداء اور اس کی نشوونما کے بارے میں سابقہ اقوال کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ پہلا قول جس میں یہ کہا گیا ہے کہ شیعیت خود صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی موجود تھی،[1] یہ قول غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔ اس کی نفی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہو جاتی ہے کہ:

> ''ہمارے درمیان دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور اختلاف نہیں پایا جاتا۔''[2]

نیز یہ بات اس لیے بھی غلط ہے کہ شیعیت ایک مستقل فرقہ کی صورت میں سیاسی عوامل کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے، جس کے بارے میں مسلمانوں کو خاص موقف اختیار کرنا پڑا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کسی قسم کے اختلاف وافتراق کا کوئی ایسا وجود نہ تھا جس کے نتیجہ میں لوگ فرقوں میں تقسیم ہوتے۔ اس وقت تو مسلمان اللہ

1۔ اصل الشریعہ ص ۱۰۹ تالیف محمد حسین کاشف الغطاء

2۔ الفکر السلفی ص ۱۰۳۔ تالیف الجابری

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تعالیٰ کے اس حکم کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے:

وما كان لمؤمنٍ ولا مؤمنةٍ اذا قضى الله ورسوله امرًا ان يكون لهم الخيرة من أمرهم۔(الاحزاب: ۳۶)

"اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو یہ لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو پھر ان مومن مردوں اور عورتوں کو اپنے کام کا کوئی اختیار باقی رہے"۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں وہ حضرات بدرجۂ اولیٰ فکری اعتبار سے متفق اور ایک فرقہ و جماعت تھے۔

لیکن دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شیعیت کے عدم وجود پر ہماری یہ دلیل کسی کو پسند نہ آئے تو مجبوراً ہمیں مؤرخانہ اسلوبِ فکر سے ہٹ کر ایک اور طریقے سے شیعیت کے مذکورہ دعوے پر نظر ڈالنا ہوگی۔

گذشتہ ایک ہزار سال سے زائد عرصے کی شیعیت نے جو امتیازی رنگ اختیار کر کے اُمتِ محمدیہ کے سوادِ اعظم سے نمایاں نظر آنے کے لئے جو شعار اپنائے ہیں، ان میں اصحابِ رسول پر سبّ وشتم ہی ایک ایسا واضح شعار ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ شیعیت کا یہ دعویٰ کہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ جنم لے چکی تھی اس بناء پر محتاجِ دلیل نہیں رہتا کہ واقعتاً دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے اصحاب واحباب پر سبّ وشتم اور اس سے بڑھ کر ہر قسم کا ظلم وستم کرنے والے موجود تھے، مکہ مکرمہ میں اصحابِ رسول کو جو لوگ تشدد کا نشانہ بنایا کرتے تھے، ہجرت کے بعد کی مدنی زندگی میں ان لوگوں نے مکہ سے چل کر بارہا ان پر مدینہ میں حملہ آور ہونے کی کوششیں کیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ شیعہ اس دلیل کو تسلیم کرنے کی بجائے چیں بجبیں ہوں گے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جنہیں اصحابِ رسول کا وجود آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، یہ لوگ تو کلمۂ شہادت بھی پڑھتے تھے اور مسلمانوں سے ظاہری محبت کا دم بھی بھرتے تھے، لیکن اندر خانہ صحابہ کرامؓ کے خلاف سیاسی چالیں بھی چلتے رہتے تھے اور "لَیُخرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ" جیسے عزائم پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہاتھ پیر بھی مارتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے شیعیت کو اپنی یہ تصویر بھی ناقابلِ قبول لگے گی، لیکن بہرحال یہ دعویٰ کہ شیعیت کا وجود دورِ نبویؐ میں موجود تھا، مذکورہ صورتوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں رکھتا، جو قابلِ تشفی قرار پا سکے!

صورتحال اس وقت نہایت دلچسپ ہو جاتی ہے جب بعض شیعہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ۔ الآیۃ پڑھ کر اپنی تاریخ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملانے کی کوشش کرتے اور اس سے اپنی حقانیت پر استدلال کرتے ہیں، تو مجبوراً دوسری طرف سے "اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ" بھی انہیں

1۔ دیکھو الاحتجاج، طبرسی ص ۴۸۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۵ / ۲۴۹، ۲۵۰۔

2۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۶۹۔ الشیعۃ فی التاریخ ص ۱۲۱۔ ۱۲۴ تالیف الزین

3۔ تفصیل کے لیے دیکھو حضرت علیؓ کا خطبہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۰ / ۹۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سننے کو ملتی ہے اور یوں ایک مہمل تنازعہ شروع ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہاں دونوں آیتوں میں "شیعہ" کا لفظ اس اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

دوسری رائے جس میں کہا گیا ہے کہ شیعیت کی ابتداء اور نشو و نما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوئی ہے اور دلیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے حضرات کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں تاخیر کو پیش کرنا یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اسی طرح جن دوسرے چالیس حضرات کا نام لیا گیا ہے ان میں سے بھی کسی شخص نے بیعت سے تاخیر نہیں کی۔ [1] اور یہ تمام حضرات بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بحیثیت ایک خلیفہ کے شایانِ شان عزت و احترام کرتے تھے اور ان میں سے بعض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے مخلص، خیر خواہ اور معاون گورنر اور عامل رہے، جیسے حضرت عثمان بن حنیف، حضرت حذیفہ، حضرت براء، حضرت احنف بن قیس، حضرت عمار اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔ [2] ظاہر ہے کہ ان حضرات کا موقف بنیادی طور پر اس شیعیت سے یکسر مختلف ہے جس کی بنیاد عباسی دور کے اوائل میں ہشام بن الحکم کی زندگی میں پڑی اور جس کی بناء پر نظریہ امامت جیسے نظریات اور افکار اور غالی فرقے وجود میں آئے۔ [3] تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے مخلصین نے امامت، عصمت، رجعت اور بداء جیسے فاسد نظریات کا دعویٰ کیا تھا؟ اور اگر شیعوں کے امام ابوعبداللہ کی وہ روایت صحیح ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے:

> "حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایسی حالت میں جنگ کرنا کیسے ممکن تھا جبکہ ان کے ساتھ مومنین میں سے صرف تین شخص تھے۔ [1]

اس کا مطلب تو صاف واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اس معنی میں شیعہ کا وجود نہ تھا جس مفہوم میں وہ آج مراد لیا جاتا ہے۔ باقی رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے انصار اور دست و بازو تو وہ صحابہ کرامؓ تھے جو اسلام کے علاوہ ہر قسم کے غلط افکار سے پاک تھے اور جن کو صرف اسلام کی فکر تھی اور جنہوں نے ان کے ساتھ مل کر جنگ کی اور ان میں سے بعض جنگ صفین میں شہید بھی ہوئے۔ باقی ان حضرات صحابہ کے علاوہ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن کو قطعاً شیعانِ علی کہنا صحیح نہیں، چاہے وہ ان کے دورِ خلافت میں ہوں یا ان کے صاحبزادوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما) کے دور میں ہوں۔ یہ تو وہی لوگ ہیں جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف روانگی کے وقت ربذہ کے مقام پر اپنے خطبہ میں ان الفاظ سے یاد فرمایا ہے:

> "غور سے سن لو! یہ امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی اور ان میں بدترین فرقہ وہ ہوگا جو میری طرف اپنے آپ

1۔ علل الشرائع ۱/۱۴۸ ابن بابویہ
2۔ الطبری ۴/۱۷۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کو منسوب کرے گا اور میرے اعمال کی پیروی نہ کرے گا۔" 2

خطبۂ غدیر خم

شیعوں کے ہاں اس خطبہ کی، جس کے وہ من مانے مطلب مراد لیتے ہیں، تاریخی اور عقائدی اہمیت ہے۔ ہر سال اس خطبہ کی یاد میں ۱۸ر ذی الحجہ کو اس کی یاد میں عید مناتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں کہ آپ نے (العیاذ باللہ) اللہ کا حکم جو آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر نص تھا اسے مسلمانوں تک نہیں پہنچایا۔ پھر اس کے لیے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ اگر وہ اس حکم کو پہنچاتے تو وہ لوگوں پر شاق گزرتا۔ اور کبھی اس کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچازاد بھائی اور داماد سے محابات بیان کرتے ہیں یا اس لیے کہ آپ ﷺ کو یہ ڈر تھا کہ آپ کی قوم جاہلیت کی طرف لوٹ جائے گی کیونکہ ان کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عداوت ہے۔ لیکن ان کے دعویٰ کے مطابق اللہ نے آپ ﷺ کا عذر قبول نہیں کیا اور آپ ﷺ کی طرف یہ وحی بھیجی: یاایھا النبی بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (المائدہ:۶۷) اس انذار کے بعد آپ ﷺ کے لیے امر کی تعمیل کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اور ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل بھی ڈانٹ اور دھمکی لے کر آئے ہوں۔ 1 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کا طعن و تشنیع امامت کے موضوع میں خیانت اور عدمِ اعتماد کے درجہ تک پہنچ چکا ہے۔

چنانچہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے ان کا قول روایت کرتے ہیں کہ وصیت آسمان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مہر لگی ہوئی کتاب میں اتری اور اس وصیت کے علاوہ مہر لگی ہوئی کوئی اور کتاب آپ پر نازل نہیں ہوئی۔ 2 نیز ان سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ وصیت اللہ کی جانب سے لکھی ہوئی کتاب کی شکل میں نازل ہوئی اور اسے جبرئیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتوں کے ساتھ لے کر آئے اور جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! اپنے وصی کے علاوہ سب کو اپنے پاس سے باہر نکالنے کا حکم دے دیں تاکہ وہ (علی) ہم سے اسے وصول کر لیں اور آپ ہمارے گواہ رہیں کہ ہم نے اسے پہنچا دیا اور اس کے ضامن بن جائیں۔ 3

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں طعن کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آپ کو حضرت علی رضی اللہ

1۔ دیکھیے اصل الشیعہ، کاشف الغطاء: ۱۳۴، احتجاج، طبرسی ۱/۶۹، کافی کلینی: ۱/ ۳ تبلیغ سے آپ کے ڈر کا عذر نقل کرتے ہوئے آپ کے قول کو نقل کیا گیا ہے۔ اے رب! عرب ایک سخت قوم ہے۔ ان میں کوئی کتاب نہ تھی اور نہ ان میں کوئی نبی بھیجا گیا اور نہ ہی وہ انبیاء کی نبوت کی فضیلت اور شرف کو جانتے ہیں اور نہ وہ مجھ پر ایمان لائیں گے اگر میں ان کو اپنے اہل بیت کی فضیلت بتاؤں۔

2۔ الکافی، الکلینی: ۱/ ۲۷۹

3۔ ایضاً ۱/ ۲۸۱

4۔ فصل الخطاب، طبرسی ۱۸۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عنہ کی وصیت کی خبر شب معراج میں دی گئی لیکن آپ اللہ کے اس حکم کو پہنچانا بھول گئے۔ جس پر یہ آیت اتری: بلّغ ما انزل الیک...[4]

کس قدر مقامِ عبرت ہے کہ معراج کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے قبل پیش آیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہستی کی خبر دی گئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشین بنتی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعۂ معراج کے بعد سالہا سال تک اس خبر کو چھپائے رکھا، کسی پر ظاہر نہ کیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ کو یہ آیت نازل کرنا پڑی۔ اگر اس الزام کو درست تسلیم کیا جائے تو نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداہنت اور بزدلی ظاہر ہوتی ہے جو کہ کسی بھی معاشرے کے ایک عام آدمی میں بھی معیوب ترین سمجھی جاتی ہے، چہ جائیکہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس مذموم صفت سے متصف کئے جائیں۔

یہاں پر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج میں کون تھا جسے اس بات (امامت) کا علم ہوا؟ اس سوال کا چودہ صدیوں کی شیعیت کے پاس کوئی جواب نہیں ہے!

کیا حضرت علی المرتضیٰؓ رسول اللہ ﷺ کے ''وصی'' ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبوں اور خطوط میں ایسی نصوص تو ملتی ہیں جن میں امامت کے ضروری ہونے کو ذکر کیا گیا ہے لیکن ان میں نص اور وصیت کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔

اور آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا اس میں صاف اس بات کا اعتراف ہے کہ امامت امت کے اختیار سے ہوتی ہے اور یہ کہ آپ سے پہلے تین خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت شرعاً صحیح تھی۔ کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جو دلیل انہوں نے پیش کی ہے وہ اہل حل وعقد کی بیعت ہے، فرمایا: میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی ہے اور انہی امور پر جن امور پر ان کی بیعت کی تھی[1] ...... اور شوریٰ تو صرف مہاجرین اور انصار کی ہے۔ لہٰذا جس شخص پر وہ جمع ہو جائیں اور اسے امام کہہ دیں اس میں اللہ کی رضامندی ہوتی ہے اور جب ان سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو فرمایا: بیعت مسجد میں ہوگی، میری بیعت چھپ کر نہیں ہوگی اور مسلمانوں کی رضامندی سے ہوگی۔[2]

نیز آپ نے ایک خطبہ میں فرمایا: اگرچہ امامت اس وقت منعقد نہیں ہوتی جب تک کہ سب لوگ موجود نہ ہوں

1۔ النہج، شریف رضوی: ۱۴/ ۳۰۴۔ الاخبار الطوال، دینوری: ۱۵۷

2۔ طبری ۴/ ۴۲۷

3۔ النہج، شریف رضوی: ۹/ ۴۸۳

4۔ النہج، شریف رضوی: ۷/ ۱۷۰

5۔ النہج، شریف رضوی: ۷/ ۱۷۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور یہ ممکن نہیں اس لیے جو اس کے اہل ہیں ان کا فیصلہ غیر موجود لوگوں پر لازم ہے۔[3] اسی طرح آپ نے اپنے اس قول سے بھی امامت کے نص اور وصیت سے ثبوت ہونے کی نفی فرمائی۔ جب لوگوں نے آپ سے بیعت کا ارادہ کیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ پر اسے قبول کرنا اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا فرض ہوتا۔ آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو اور کسی اور کو تلاش کرو، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر میں نے تمہاری بات مان لی تو مجھے تم کو لے کر ایسی سواری پر سوار ہونا ہے جو مجھے معلوم ہے......اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں بھی تمہاری طرح ایک فرد کی حیثیت میں ہوں گا اور شاید کہ میں تم سے زیادہ بات سننے والا اور اسے ماننے والا اس امیر کا ہوں گا جسے تم اپنے معاملات کے لیے منتخب کرو گے اور میرا وزیر ہونا تمہارے حق میں میرے امیر بننے سے زیادہ بہتر ہے۔[4]

اور اس کی تاکید اس خطبہ سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کے دوسرے دن دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: پھر تم اپنی مرضی سے میرے پاس آئے اور مجھ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ میں تم میں سے ایک آدمی ہوں، میرا حق وہی ہے جو تمہارا اور میری ذمہ داری وہی ہے جو تمہاری ...... اور مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی سربراہی پسند نہ تھی۔ یہاں تک کہ سب اس پر متفق ہو گئے۔[5]

اور جنگ جمل میں آپ نے اہل کوفہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: پھر تم میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کاش آپ ہماری بیعت لے لیں! تو میں نے جواب دیا کہ میں ایسا نہیں کروں گا، اور میں نے اپنا ہاتھ بند کر دیا اور تم نے اسے کھول دیا۔ میں نے اپنا ہاتھ تم سے چھڑانا چاہا لیکن تم نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔[1]

نیز یہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس موضوع پر گفتگو کی تھی تو دلیل میں کوئی نص یا وصیت نہیں پیش کی بلکہ وہ دلیل پیش کی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار کے سامنے پیش کی تھی یعنی قریش کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہونا۔ اسی طرح جب آپ کے چچا حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے جب آپ سے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی بیعت کرتے ہیں تو آپ نے ان کو جواب دیا اس سے ان کی امامت سے بے رغبتی کی تاکید ہوتی ہے اور یہ کہ وہ اس بات پر مطمئن تھے کہ ابھی ان کا وقت نہیں آیا۔ آپ نے ان سے فرمایا: یہ پانی بدمزہ اور یہ لقمہ ایسا ہے جو کھانے والے کے گلے میں اٹکنے والا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص پھل کو پکنے سے پہلے توڑ دے اور جیسے بغیر زمین کے کوئی زراعت کرنا چاہے۔[2]

نضر بن اسحاق بن حسن سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کس بنا پر کی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اچانک نہیں

1۔ العقد الفرید، ابن عبدربہ ۴/۳۱۸

2۔ شرح النہج، محمد عبدہ ۱/۴۰

3۔ العقد الفرید، ابن عبدربہ ۴/۲۵۶

4۔ یعقوبی ۲/۱۲۴ 5۔ ایضاً ۲/۱۲۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہوئی۔ آپ کے پاس بلال ہر روز آ کر آپ کو نماز کے وقت کی اطلاع دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرماتے تھے اور آپ نے باوجود یکہ آپ میری قدر و منزلت کو جانتے تھے مجھے نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے تو مسلمانوں نے آپ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو اپنی دنیا کے لیے بھی امام پسند کر لیا۔ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دین کا امام منتخب فرمایا، اور پھر انہوں نے ان کی بیعت کر لی اور میں نے بھی بیعت کر لی۔ [3] اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جو ہماری اس رائے کی تائید کرتی ہیں۔

☆...... جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم اس خلافت کے زیادہ حق دار ہیں اور عتبہ بن ابولہب نے اٹھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں شعر پڑھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس آدمی کو بھیج کر ان کو روک دیا۔ [4]

☆...... حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد ان سے جو گفتگو فرمائی اس میں یہ بھی فرمایا: یہاں تک کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا اور ان کے لیے اس چیز کو پسند کر لیا جو اللہ کے پاس ہے اور مسلمانوں کے معاملات ان کے سپرد کر دیے تاکہ وہ خود اپنے لیے اپنے معاملات طے کریں اور حق تک پہنچنے کی کوشش کریں اور ہوائے نفس کی طرف مائل نہ ہوں۔ [5]

☆...... جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ وہ اس وقت بازار میں تھے اور ان سے کہا: اپنا ہاتھ پھیلایئے ہم آپ کی بیعت کریں، تو آپ نے فرمایا: جلدی مت کرو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مبارک انسان تھے اور انہوں نے خلافت کے بارے میں شوریٰ کو وصیت فرمائی تھی۔ [1]

☆...... بکر بن حماد سے روایت ہے کہ عبداللہ بن کواء نے صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ مجھے بتائیں کہ آپ یہاں کیوں آئے کہ آپ لوگوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کوئی اس کا عہد لیا ہے یا آپ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے ایسا کیا ہے؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! آپ گواہ رہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لانے والا تھا۔ لہٰذا میں آپ پر پہلا جھوٹ بولنے والا نہیں بننا چاہتا۔ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ اگر میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی عہد ہوتا تو میں ضرور اسے منبر پر ذکر کرتا۔ [2]

1۔ الطبری ۴/۴۲۷

2۔ العقد الفرید، ابن عبد ربہ ۴/۳۰۳

3۔ مروج الذہب۔ مسعودی ۲/۳۱۳۔ الطبری ۵/۱۴۶

4۔ مروج الذہب۔ مسعودی ۲/۳۱۴۔ علل الشرائع، ابن بابویہ ۱/۱۶۶۔۱۶۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

☆...... جب ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر پوچھنے لگے: اے امیر المومنین! آپ کا کیا حال ہے کہ اگر ہم آپ سے محروم ہو جائیں اور اللہ کرے ہم آپ سے محروم نہ ہوں تو کیا ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا: نہ تو میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی اس سے روکتا ہوں اور تم اپنے امور سے زیادہ باخبر ہو۔[3]

☆...... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بلایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: چچا جان! کیا آپ محمد کی میراث لے کر اس کا قرض اور اس کے وعدوں کو پورا کریں گے؟ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، کثیر العیال ہوں اور قلیل المال ہوں، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ یہ روایت ابوعبداللہ اور زید بن علی دونوں سے منقول ہے۔[4] اس سے امامت کے منصوص ہونے کی تردید ہوتی ہے۔ وگرنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر پیش نہ کرتے۔

حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں فرمایا: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ"؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: بخدا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس سے امارت اور سلطنت ہوتی تو آپ اسے تمہارے سامنے اس طرح کھول کھول کر بیان فرماتے جیسا کہ آپ نے تمہارے لیے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو کھول کھول کر بیان فرمایا ہے...... اور اگر یہ بات ایسی ہوتی جیسے تم کہہ رہے ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاملے میں سب سے زیادہ گناہ گار اور مجرم ہوتے، کیونکہ اس صورت میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو چھوڑنے والے ہوتے جو آپ نے ان کو دیا تھا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان سے فرمایا: بخدا میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ لہٰذا آیئے ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیں اور آپ سے پوچھیں کہ آپ کے بعد یہ ذمہ داری کون اٹھائے گا؟ اگر اس کا تعلق ہم سے ہے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر دوسروں سے ہے تب بھی معلوم ہو جائے گا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بخدا! میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تقاضا نہیں کروں گا۔[2]

الغرض یہ وہ روایات ہیں جو شیعیت کے عقیدۂ امامت کی بنیاد کو ڈھا دیتی ہیں۔ اس لئے ہمیں شیعیت کے قیام اور بنیادی مقاصد کو سمجھنے کے لئے مجبوراً کسی اور طرف رجوع کرنا ہوگا۔

شیعیت اپنے غیر مرئی روپ میں

1۔ الطبقات، ابن سعد۔ ۵/ ۲۳۵

2۔ الطبقات، ابن سعد۔ ۲/ ۲/ ۳۸ بخاری: ۶/ ۱۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعیت اپنے پہلے روپ میں اس وقت ظاہر ہوئی جب سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی فتوحات نے ایران کے کسریٰ کو تاج وتخت سے محروم کیا، اور شہنشاہیت کے تصور کو پامال کر ڈالا تو ایرانی تعصب نے فاروقِ اعظمؓ سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ جب ایران فتح ہو گیا اور اس میں بجائے درفش کاویانی کے ہلالی پرچم لہرانے لگا تو لوگ دین زرتشت کو خیر باد کہہ کر دینِ اسلام قبول کرنے لگے۔ لیکن ان کی ذہنی زمین میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ ان کے ذہن بجائے اسلامی اقدار اور عقائد واحکام کے برگ وبار نکالنے کے اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کی فصلیں اُگانے لگے۔ لیکن چند لوگ ان سے مستثنیٰ تھے جن کی فطری صلاحیت، جبلی انصاف پسندی اور قبولِ حق کے داعیہ نے ان میں ذہنی پختگی اور قلبی سکون پیدا کر دیا تھا۔ عوام اور خواص کی اکثریت طبعی تدین اور اعتدالِ مزاج کی بیش بہا دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے وطن کی جغرافیائی حدود کو اسلام کی اصولی ملت سے ہر طرح اعلیٰ اور فائق سمجھتی تھی اور وہ بجائے دینی اقدار کے سیاسی اقدار کو زیادہ اہمیت دیتی تھی۔

وہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کر چکے تھے، لیکن ان کی ذہنی حالت ابھی غیر مستقل تھی۔ وہ اگرچہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے لیکن اس کی تشریح میں ابھی وہ مختلف قسم کی تاویلات کا شکار تھے۔ وہ اگرچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی طور پر نبی اور اپنا قائد تسلیم کر چکے تھے لیکن وہ جغرافیائی اقدار پر ایمان رکھتے ہوئے کبھی ایرانیوں پر عربوں کا یہ سیاسی تفوق برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایران میں خصوصی طور پر اور دیگر نو مفتوحہ علاقوں میں عمومی طور پر یہ ذہنیت جاری تھی۔

یہودیوں نے ایرانیوں کی اس نفسیاتی کمزوری سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور ان کے سامنے سیدنا الفاروق الاعظم رضی اللہ عنہ کو غاصب، جابر اور کتاب اللہ کو مسخ کرنے والا کہہ کر پراپیگنڈہ کرنے لگے۔ ایرانی پہلے سے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نالاں تھے، کیونکہ وہ غارت گرِ عجم تھے اور انہوں نے ایران کی ساسانی سلطنت کو تہس نہس کر دیا تھا اور ان کا سارا مال ومتاع حتیٰ کہ ان کے دربار کے قالین اور فانوس بھی دربارِ خلافت میں لائے گئے تھے اور ان کی لڑکیاں لونڈیاں بنا کر مسجد نبوی میں لائی گئی تھیں۔ یہ سب چیزیں ان کے جذبات کو اندر ہی اندر سلگا رہی تھیں۔ لہٰذا وہ اسی وقت یہودیوں کے ہم نوا بن گئے اور شاہانِ عجم کو جبر وغصب کا مظلوم قرار دینے کے بجائے بنو ہاشم کو قرار دیا جانے لگا تا کہ اس سے ایک تو خود عربوں میں باہم تفریق پیدا ہو جائے اور دوسرے اس طریقے سے بنو ہاشم اور دوسرے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کی جا سکیں۔

مختصر یہ کہ اس سیاسی پرخاش اور عربوں کے اس سیاسی تفوق کی وجہ سے اہلِ ایران نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف عبداللہ بن سباء اور دیگر مسلم نما یہودیوں کے ساتھ مل کر سازشوں کے زمین دوز بم (Mines) بچھانے شروع کر دیے جو کہ صولتِ فاروقی کی وجہ سے خلافتِ فاروقی میں تو نہ پھٹ سکے، لیکن خلافتِ عثمانی کے آخری سالوں میں انہوں نے ایک دفعہ تو پوری ملتِ اسلامیہ اور مملکتِ اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بنو ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اہلِ ایران کا حربہ

بنی ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اہلِ ایران نے ایک حربہ یہ استعمال کیا کہ ساسانیوں کے طرزِ حکومت کی طرح اسلام میں بھی DIVINE RIGHT OF KINGS یعنی ''بادشاہوں کا الٰہی حق'' کا پراپیگنڈہ شروع کردیا۔ یہ عقیدہ ایران میں نسلاً بعد نسلاً چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے:

''ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے آسمانی حق کا عقیدہ جس تعمیم اور شدومد کے ساتھ ایران میں پالا گیا، غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔'' (تاریخ ادبیات ایران ج ا ص ۲۱۵)

اس عقیدے کے پرچار اور خاندانِ رسالت کے ساتھ ان کی خصوصیت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب اسلام اپنی پوری شانِ اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی بادشاہ یزدگرد جو کہ ساسانی خاندان کی آخری یادگار تھا، اپنی تمام حشمت وجاہ کے باوجود اہلِ اسلام سے شکست کھا گیا، اس کا سارا مال ومتاع دربارِ فاروقی میں مالِ غنیمت کے طور پر پیش ہوا اور اس کی لڑکیاں لونڈیاں بنا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حضور میں آئیں اور اہلِ اسلام میں تقسیم ہوئیں، چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیوی شہربانو اسی یزدگرد کی بیٹی تھی۔ لہٰذا اہلِ ایران نے بنو ہاشم کو اور خصوصی طور پر اولادِ علی کو تخت وتاج حاصل کرنے کا یہ حق دیا کیونکہ ان کا رشتہ پیغمبر علی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا تھا اور اہلِ ساسان سے بھی۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے:

''حضرت حسینؓ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ انہوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا۔ اس لیے شیعوں کے دونوں فریق اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نزدیک (ان کے اپنے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق وصفات کے وارث بھی ہیں۔ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آلِ ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے۔ اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا۔''
(تاریخ ادبیات ایران۔ ج ا ص ۲۱۸)

ایک اور مقام پر یہی انگریز نقاد لکھتا ہے:

''تیسرے امام حضرت امام حسینؓ کے زمانے میں، جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ایک دوسرا ہی عنصر پیدا ہو گیا کیونکہ متقدمین اور مستند مؤرخین مثلاً الیعقوبی وغیرہ کے بیان کے مطابق ایران کے آخری ساسانی تاجدار یزدگرد سوم کی ایک دختر حضرت امام حسینؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں اور ان سے ایک صاحبزادے الموسوم بہ علی المقلب بہ زین العابدین تھے جو چوتھے امام تھے۔ وہ ایک طرف اولادِ فاطمہ سے تھے تو دوسری جانب ایرانی خاندان شاہی سے بھی تعلق رکھتے تھے۔'' (تاریخ ادبیات ایران ج ۴ ص ۲۹)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایک ایرانی مؤرخ حسین کاظم زادہ اپنی تصنیف ''تجلیات روح ایران درادوار تاریخی'' میں شہر بانو دختر یزدگرد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی دختر شہر بانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن الخطابؓ کے سامنے پیش ہوئیں۔ انہوں نے اسے بھی قیدیوں کے ساتھ بازار میں فروخت کیے جانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ اس بات میں مانع ہوئے اور کہا کہ بادشاہ زادگان اور شریفوں کو ننگے سر بازار لے جانا خلافِ ادب ہے۔ بالآخر وہ تقسیم ہوئیں اور حضرت حسین بن علیؓ کے حصہ میں آئیں۔''

چند سطور کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے:

''اسی سبب سے حضرت علیؓ کا خاندان ایرانیوں کی نگاہ میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا تھا اور رسول خدا سے رشتہ کی بناء پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا۔ صرف اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر کیانی تخت و تاج کا مالک ہوسکتا ہے۔ نیز اسی وجہ سے امام حسینؓ کے فرزند زین العابدینؒ کو جو شہر بانو کے بطن سے تھے، عرب وعجم کا فخر کہتے ہیں۔ کیونکہ باپ کی جانب سے ان کا نسب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے جو کہ عربوں میں بزرگ ترین شخصیت تھے اور ماں کی طرف سے روئے زمین کے نجیب ترین بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے۔'' (تجلیات روح ایران درادوار تاریخی ص ۹۶)

اولادِ علیؓ اور خصوصی طور پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کا سلسلہ ایک طرف سے آل ساسان سے قائم کر کے اور دوسری طرف سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار کر کے ''بادشاہت کا الٰہی حق'' جو ساسانیوں کو ان لوگوں نے دیا تھا، وہی اولادِ علیؓ کو بھی دینا چاہا اور سرزمینِ عرب میں اس ساسانی نظریہ کو ایک اسلامی عقیدہ کے رنگ میں پیش کیا جانے لگا۔

عرب لوگ فطرتاً شورائی نظام کے قائل تھے اور اب اسلام نے بھی ان کو وشاورھم فی الامر اور وامرھم شوریٰ بینھم کی تعلیم دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ کا انتخاب بھی اسی شورائی نظام کے تحت ہوا تھا۔ لہٰذا ایرانیوں کے اس نظریہ کی تشہیر عربوں اور ایرانیوں کے امتزاج کے دوز بردست اصولوں کا ٹکراؤ تھا جس نے ایک ایسے فتنہ کی بنیاد ڈالی جس کے برگ و بار سے ابھی تک شیعہ سنی منافرت پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے کہ:

''آنحضرت ﷺ کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لیے تو بالکل قدرتی چیز تھا، لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت انگیز تھا۔'' (تاریخ ادبیات ایران ج ۱ ص ۲۱۷)

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے:

''شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی جمہوریت اور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"بادشاہوں کا الٰہی حق" کا جھگڑا ہے۔ عرب زیادہ تر جمہوریت پسند تھے اور ہمیشہ رہے ہیں لیکن ایرانی ہمیشہ بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں جو طبائع اس بات تک کو گوارا نہیں کر سکتیں کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو، وہ امام یعنی خلیفۃ الرسول کے انتخاب عمومی کو کیوں کر تسلیم کر سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ اسماعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا ہے۔"

(تاریخ ادبیات ایران ج ۴ ص ۲۹، ۳۰)

نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں میں قرآن وسنت کی رو سے جہاں یہ نظریہ تھا کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہے، وہاں اب خفیہ تحریکوں کے ذریعے اس نظریہ کا پرچار ہونے لگا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کے برادر عم زاد اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کا جانشین ہونا چاہئے تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی انہیں نامزد فرمایا تھا۔ نیز یہ کہ حضرت علیؓ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطور حق الٰہی کے منتقل ہونی چاہئے تھی۔" (تاریخ ادبیات ایران ج ۴ ص ۴۸)

کربلا کا وقوع اور ایرانی شیعیت کا اسے شعار بنانا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا، سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اس کی بیعت نہیں کی، کوفہ کے شیعانِ علی نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھارہ ہزار خطوط کے ذریعے کوفہ آنے کی دعوت دی، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے اور گھیر گھار کر بہتر (۷۲) ساتھیوں کے ہمراہ کربلا کے ریگزاروں میں شہید کر دیئے گئے۔ یہ تاریخ اسلام کا المناک سانحہ تھا، لیکن ایرانی فارسی مجوسیت نے شیعیت کی چادر اوڑھ کر اس سانحہ کو کیش کرایا اور انتہائی چالاکی اور مکاری سے اس سانحہ کو اپنا شعار بنالیا۔

مجوسی ایرانیوں کا اہلِ بیت کے سانحہ کو اپنا شعار بنالینا اور اپنے لیے ایک خاص دینی عمارت کھڑی کر لینا اس لیے تھا تاکہ اس سانحہ کے ذریعہ وہ ہمیشہ انقلاب کا حق حاصل کر سکیں اور ایرانیوں کا شیعیت کو اپنانا اس لیے نہ تھا کہ ان کے دلوں میں اہلِ بیت کی کوئی خاص اور غیر معمولی قدر و قیمت تھی بلکہ اصلی مقصد اس کے ذریعہ اپنے کھوئے ہوئے قدیم مجد و شرف کو واپس لوٹانا تھا۔ اسی لیے اسلام میں داخل ہونے والے شعوبی عناصر نے غالی قسم کے فرقوں کی بنیاد ڈالنے اور اسلامی افکار کے بالمقابل دوسرے نظریات کھڑے کرنے میں کھلا ہوا کردار ادا کیا۔[1]

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اہلِ فارس کی بڑی وسیع حکومت تھی اور دوسری قوموں پر ان کو تسلط

1۔ الانتفاضات الشیعیۃ، ہاشم الحسینی ۴۱

2۔ الفصل فی الملل والاہواء والنحل ابن حزم ۲/ ۱۰۸

3۔ الزندقۃ، سمیرہ مختار ۳۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حاصل تھا اور ان کے جاہ وجلال کا رعب ان کے دلوں میں قائم تھا، اس بنا پر وہ اپنے آپ کو احرار اور شاہ زادے کہلاتے تھے اور باقی تمام لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ اس لیے جب ان سے حکومت چھن کر عربوں کے ہاتھ آئی اور ان کی رُسوائی ہوئی جب کہ وہ عربوں کو اپنے لیے دوسروں کے مقابلہ میں کم خطرناک سمجھتے تھے تو یہ ان کے لیے ایک عظیم سانحہ تھا اور بہت بڑی مصیبت تھی اس لیے انہوں نے مختلف اوقات میں اسلام کے خلاف جنگیں لڑیں لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ نے حق کو غلبہ عطا فرمایا۔ آخر کار ان میں سے کچھ لوگ بظاہر اسلام لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی محبت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کے عنوان سے انہوں نے اہلِ تشیع کو اپنی طرف مائل کر لیا اور پھر ان کو گمراہی کی ایسی وادیوں میں لے گئے کہ انہیں اسلام کے دائرہ سے نکال کر رکھ دیا۔" [2]

اہلِ فارس، جاحظ کی تعبیر کے مطابق وہ قوم ہیں جو بظاہر تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جوں ہی ان کو موقع ملا اسلام اور عربوں کے خلاف سازش کر دیتے ہیں۔[3] ان جیسوں کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے:

و اذا لقوا الذین امنوا قالوا اٰمنّا و اذا خلَوا الٰی شیاطینھم قالوا انّا معکم انما نحن مستھزئون۔

(البقرہ: ۱۴)

"اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو ہنسی کرتے ہیں۔"

قد بدت البغضاء من افواھھم و ما تخفی صدورھم اکبر۔ (آل عمران: ۱۱۸)

"نکل پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام اور عربوں کی حکومت کے خلاف جو بھی تحریک اٹھی انہوں نے اس کا ساتھ دیا، چاہے ان سے ان کا کتنا ہی بنیادی اختلاف کیوں نہ ہو۔ پھر جب ان کو غلبہ حاصل ہو جاتا تو انہی پر ٹوٹ پڑتے۔ چنانچہ جب مختار بن عبید کی تحریک اٹھی تو یہ اس کے ساتھ ہو لئے اور بڑے بڑے مناصب پر قبضہ کر لیا اور اس کی فوج میں اکثریت حاصل کر لی اور اس کے غالی قسم کے افکار کو اپنا لیا اور ان کی خوب نشر و اشاعت کی، کیونکہ وہ افکار زرادشتیہ اور مانویہ کے عقائد سے ملتے جلتے تھے، جیسے بداء وحی اور خاص قرآن، خاص دین، ایک شخص کی طاعت، تناسخ، حلول اور رجعت جیسے عقیدے، اس کے بعد جو بھی مخالف تحریک اٹھی یہ اس سے جا ملے۔ جیسے عبداللہ بن جارود کی تحریک، عبدالرحمن بن اشعث کی تحریک، یزید بن مہلب کی تحریک اور حارث بن سریج کی تحریک وغیرہ۔ اسی طرح حضرت زید بن علیؒ نے جب بنو اُمیہ کے خلاف تحریک چلائی تو ان سے جا ملے اور چالیس ہزار نے ان کی بیعت کی لیکن جب مقابلہ کا وقت آیا تو سوائے ۲۱۸ شخصوں کے کسی نے ساتھ نہ دیا۔[1]

1۔ الانتفاضات الشیعیۃ ہاشم الحسینی ۴۹۸

2۔ الانساب، البلاذری ۳/ ۲۴۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور ایک قول کے مطابق انہوں نے حضرت زید بن علیؒ سے مطالبہ کیا کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بُرا بھلا کہیں، انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا تو یہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔[2] "شیعیت" کی تاریخ میں محسن کشی کا تسلسل شروع سے چلا آتا ہے۔ ہم اس پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں ائمہ اہل بیت کے حالات کے ضمن میں کریں گے۔

شیعیت میں فارسیوں (ایرانیوں) کا کردار اُموی دور کے اواخر اور عباسی عہد کے اوائل سے شروع ہوا، جس سے وہ سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عقائد میں تحریف شروع کردی تاکہ شیعیت کو ایک مستقل عقیدہ کی بنیاد پر استوار کریں اور عقیدہ کی وحدت کو ختم کر کے امت کے ٹکڑے کرسکیں۔ نیز انہوں نے شب و روز کے معمولی اختلافی اور اجتہادی مسائل کو بڑھا چڑھا کر ایک ہی امت کی دو جماعتوں کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کردیں اور غالی فرقے پیدا ہونا شروع ہوگئے جس سے عربوں کے جذبات برانگیختہ ہوئے جس کی کھلی علامت ان کا وہ موقف ہے جو انہوں نے مختار ثقفی کے بارے میں اختیار کیا۔

بنو عباس کا اقتدار، عجمی سازشوں کی کامیابی

بنواُمیہ کی خلافت ختم ہونے کے بعد اگرچہ ظاہری طور پر اقتدار بنو عباس کو ملا لیکن اصل عنانِ اقتدار ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی اور ایرانیوں نے بنو عباس کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلائی تھی۔ یہ ابو مسلم خراسانی اور برامکہ کون تھے؟ ایرانی ہی تو تھے جن کے ہاتھوں میں بنو عباس کھیلتے رہے۔

جب تک بنواُمیہ اقتدار میں رہے تو ان کی حکومت ایک خالص عرب حکومت تھی اور کوئی گورنر اور بڑے سے بڑا جرنیل نہ آزاد تھا اور نہ اپنی مرضی کا مختار، خواہ وہ موسیٰ بن نصیر ہو یا قتیبہ بن مسلم، گویا اسلامی حکومت کا مرکز مضبوط تھا۔ اور وحدتِ ملت قائم تھی۔ لیکن جب بنو عباس برسرِ اقتدار آئے تو اسلام کی مرکزیت اور ملت کی وحدت کا وجود ہی ختم ہوگیا۔ اور اس طرح ایرانی اپنی سازش میں کامیاب ہوئے۔

تاریخ کی تدوین بھی بنو عباس کے عہد میں ایرانیوں کے زیر اثر ہوئی لہٰذا بنواُمیہ کے بارے میں غلط سلط روایات سے تاریخ کی کتابوں کو بھر دیا گیا۔ اور تاریخ جس پر ہم آج فخر کرتے ہیں، ان ہی سازشیوں کی تیار کردہ ہے اور اس کے اولین مدوّن اور مصنف یا تو عجمی ہیں یا سبائی ذہن کے حامل لوگ، مثلاً محمد ابن اسحاق واقدی، کلبی، سدی، حمید رازی، سلمہ الابرش، سری، ابو مخنف، طبری، مسعودی وغیرہ اور جو حضرات سنی ہیں وہ بھی ان ہی لوگوں کے خوشہ چین نہیں۔ مثلاً ابن ہشام، ابن سعد اور بلاذری وغیرہ اور متاخرین حضرات جیسے ابن کثیر، ابن خلدون اور ابن اثیر وغیرہ ان کا ماخذ بھی یہی لوگ ہیں۔

بہرحال اسی مجوسی سازش کا شکار سیدنا عثمان بن عفان بھی ہوئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے،

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لیکن ان کے دامادِ رسول ہونے سے انکار کیا گیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو صاحبزادیوں (سیدہ رقیہ اور سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہما) کے بارے میں یہاں تک کہا گیا کہ وہ رسول اللہ کی بیٹیاں ہی نہیں تھیں۔

یہ سب کچھ اسی عجمی سازش کا نتیجہ تھا جس کا ذکر گذشتہ سطور میں کیا گیا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ تاریخ کی ان واہی تباہی روایات اور روافض اور غبی الذہن راویوں کی نقل کردہ روایات کے بل بوتے پر صحابہ کرامؓ کی شخصیات کو مجروح کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ اور ان روایات کا اس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا کہ اکثر لوگوں نے اس کو سچ سمجھ لیا۔ چنانچہ دورِ حاضر کے ایک بہترین فاضل علامہ محب الدین الخطیب نے بڑے افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ:

"تعجب ہے اس امت پر کہ یہ اپنے ابطالِ جلیلہ کی برائی بیان کرتی ہے اور اپنی تاریخ کے خوبصورت ترین دور کو بدترین انداز میں پیش کرتی ہے اور اپنی بزرگیوں اور کارہائے نمایاں کو مٹاتی ہے جیسا کہ ہم میں سے اشرار اور سازشی ذہن رکھنے والے لوگ کرتے ہیں۔ پھر ان اشرار کا پراپیگنڈہ اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کو بھی گمان ہو جاتا ہے کہ شاید یہ باتیں سچی ہیں"۔ (العواصم من القواصم ص ۹۹ تعلیقہ)

تاریخ کو اس طرح مسخ کرنے میں سب سے زیادہ دخل بنوعباس کو ہے کیونکہ ایک تو وہ خود خاندانِ بنوہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسرے خاندانِ بنواُمیہ سے انہوں نے زمامِ خلافت چھینی تھی اور انہوں نے اپنے اس انقلاب کو جواز کی سند فراہم کرنے کے لئے ہر وہ حربہ اختیار کیا جس کو اکثر حکومتیں استعمال کرتی ہیں۔ وہ اپنے پراپیگنڈے سے عوام کے سامنے اور مستقبل کے مؤرخ کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ بنواُمیہ خلافت کے واقعی غیر مستحق اور نااہل تھے جب کہ اپنے کو وہ اس کا سب سے بڑا مستحق اور اہل ثابت کرنا چاہتے تھے۔

بنوعباس پر سبائیوں کا بھی بہت غلبہ تھا چنانچہ مامون الرشید عباسی کو انہوں نے حلقہ تشیع میں داخل کر لیا تھا۔ علامہ ابن کثیر نے مامون کے حالات میں لکھا ہے:

وقد كان فيه تشيع واعتزال وجهل بالسنة الصحيحة۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص ۲۷۵)

"اور اس میں تشیع بھی تھا اور اعتزال بھی اور وہ سنت صحیحہ سے بھی ناآشنا تھا۔

مامون میں یہ اثرات یا تو خاندانی چلے آ رہے تھے یا پھر اس کے زمانہ میں سبائیوں کا زور تھا جن سے متاثر ہوا اور یہی وہ زمانہ تھا جس میں تاریخ کی تدوین ہو رہی تھی اور جس کی سرپرستی مامون جیسے لوگ کر رہے تھے۔

بنوعباس کی کمزوریوں سے اس زمانہ کے افسانہ نگاروں، خوشامدیوں، کاسہ لیسوں اور اربابِ تاریخ نے بھی بڑا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے بھی دربارِ خلافت میں تقرب حاصل کرنے کے لئے جانے والی حکومت پر بے جا تنقید اور آنے والوں کے لئے داد و تحسین کے بے جا ڈونگرے برسانا شروع کر دیئے۔

مصر کے فاضل مصنف علامہ محب الدین الخطیبؒ نے اس حقیقت کو ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے:

"تاریخ اسلام کی تدوین بنواُمیہ کے زوال اور اس سلطنت کے قیام کے وقت شروع ہوئی جس کے لوگوں کو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بنواُمیہ کے مفاخر اور محاسن کا تذکرہ یک قلم نہ بھاتا تھا۔ چنانچہ تاریخ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی:

ا۔ پہلا گروہ تھا جس کی زندگی کا مقصد وحید بنواُمیہ کی مخالفت میں کتابیں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے نکال کر ان کے دشمنوں (بنو عباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔

۲۔ دوسرا گروہ تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ آدمی کا تدین اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا اور اس کو قربِ خداوندی اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، اور تمام بنوعبدشمس (بنواُمیہ) کے دامنِ شہرت کو داغدار نہ کیا جائے......اور

۳۔ تیسرا گروہ اہلِ انصاف اور اہلِ دین کا تھا جیسے طبری، ابن عساکر، ابن اثیر اور ابن کثیر وغیرہم......اس گروہ نے یہ خیال کیا کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مذہب و مشرب کے مؤرخ اور اخباری کی روایات کو جمع کر دیا جائے جیسے لوط بن یحیٰی جو کہ جلا بھنا شیعہ تھا اور سیف بن عمر العراقی اعتدال پسند......شاید گیارہویں صدی کے مشہور محدث ملا علی القاریؒ ایک سلسلۂ گفتگو میں تاریخِ اسلام کے اس پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومن ذالک الاحادیث فی ذم معاویہ وذم عمرو بن العاص وذم بنی أمیة ومدح المنصور والسفاح وکذاذم یزید والولید ومروان بن الحکم۔

ان موضوع احادیث میں سے وہ احادیث بھی موضوع ہیں جو معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور بنواُمیہ کی مذمت میں ہیں اور (اس کے مقابلہ میں) منصور عباسی اور سفاح عباسی کی مدح وتعریف میں ہیں اور اسی طرح یزید بن معاویہؒ اور ولیدؒ اور مروان الحکمؒ کی مذمت میں جو احادیث ہیں وہ بھی موضوع ہیں (کیونکہ بنوعباس کے زمانے میں محض ان لوگوں کو بدنام کرنے کے لئے وضع کی گئی تھیں)۔ (الموضوعات الکبیر ص ۱۶۹۔۱۷۰)

شیعیت سرتاسر اپنی وضعی روایات کی بنیاد پر پھیلی پھولی اور بہت جلد دینِ اسلام کے متوازی ایک نئے دین و مذہب کی شکل اختیار کر گئی۔ دوسرے لفظوں میں شیعیت کا تشخص ہی یہی ہے کہ یہ اسلام کی ایک مسخ شدہ صورت ہے جس نے دین و مذہب کے لبادے میں حُبِّ اہل بیت کے عنوان پر خلقِ خدا کو ورغلایا اور جہنم کا ایندھن بنایا ہے۔ اور اس امر کی تائید صرف اُمتِ محمدیہ کے سوادِ اعظم کے علماء ہی نہیں کرتے بلکہ دیگر مذاہب کے محققین اور مستشرقین کا بھی یہی نکتۂ نظر ہے۔

لندن کے ایک مؤقر ہفتہ وار جریدے اکانومسٹ نے اپنی اشاعت مورخہ ۲ رنومبر ۱۹۸۵ء میں ایک جائزہ بعنوان ''نام کے مسلمان'' (Not Quite a Muslim) شائع کیا۔ اس جائزے کے مطابق ''شیعیت اسلام کی وہ مسخ شدہ شکل ہے جس کے بنیادی عقائد ونظریات کو پیغمبر اسلام کی وفات (۶۳۰ء) کے کوئی چار سو بعد دسویں صدی عیسوی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں رواج دیا گیا۔

جائزے میں بتایا گیا کہ ”شیعوں پر ارتداد کا افترا عائد کرنا ایک مشکل امر اس لیے ہے کہ وہ تقیہ (تقاضائے مصلحت کی فریب کاری) کے قائل اور عامل ہیں۔ وہ بوقتِ ضرورت منافقانہ طور پر او پری دل سے ایمان کا اقرار کر کے گرد و پیش میں رہنے والے سنیوں کا اعتماد حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر بھی ان دونوں کے درمیان دو ایسے نمایاں عقائد ہیں جو ان کے مابین واضح اختلافات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ سنیوں کا عقیدہ ہے کہ محض سیاسی اور قانونی اقتدار ہی امیر المومنین کے منتخب ہونے کے لئے کافی ہے۔ خلیفہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ روحانی قوت کا بھی حامل ہو۔ برعکس اس کے شیعہ ان اماموں کی پیروی کرتے ہیں جن کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ انسانی وجود میں رہ کر خدائی اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ امامت کا باپ سے بیٹے میں پہنچنا لازمی ہے۔ پھر ذرا ان کے اس عقیدے کو دیکھئے کہ دنیا امام کے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی اور یہ کہ ان کا آخری امام ایک غار میں روپوش ہے اور ۱۱۰۰ سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک زندہ و سلامت ہے۔ اور حشر سے پہلے ہدایت دہندہ بن کر ظاہر ہوگا۔ چونکہ ان تمام افکار و نظریات کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں ملتا، اس لیے اہل سنت ان کو مضحکہ خیز اور بے بنیاد سمجھ کر قابلِ ملامت گردانتے ہیں۔“

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ شیعیت کی وضع کی ہوئی تاریخ نے آنے والے ادوار کے ہزارہا انسانوں کو ان جھوٹی اور خود ساختہ روایات کے بل بوتے پر باہم دست و گریبان رکھا اور ہر دور کے علماء و اصحابِ قلم کی ایک بہت بڑی کھیپ کی صلاحیتیں انہی جھوٹی روایات کی تحقیق و تدقیق میں صرف ہو گئیں۔ لیکن یہ جھگڑا اس قدر لمبا ہے کہ شیطان کی آنت کی ضرب المثل لمبائی بھی اس سے کم ہی ہوگی۔ شیعیت نے انہی روایات کے بل بوتے پر اسلام کے متوازی ایک مذہب تخلیق کیا اور تحقیقی ذوق رکھنے والے سنی علماء، جو اِن روایات کے تار و پود بکھیرے اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ سرانجام دینے کو اللہ کی بارگاہ میں نجات اور سرخروئی کا ذریعہ سمجھتے تھے، کو ہر دور میں پے درپے اذیتوں کا نشانہ بنایا، صرف یہی نہیں بلکہ شیعیت نے مختلف ادوار میں یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار و ملحدین کے ساتھ مل کر مسلم حکومتوں کو شکست و ریخت سے دوچار کیا۔ علماء کا قتل عام، عوام الناس کی آبروریزی اور ان کے جان و مال کی پائمالی ہر دور میں شیعیت کا وطیرہ رہی ہے۔ دوسری طرف امتِ محمدیہ کا سوادِ اعظم ہر دور میں دفاعی طرز پر قائم رہا ہے۔

”تاریخ شیعیت“ کا سببِ تالیف

فروری ۱۹۷۹ء میں ایران میں برپا ہونے والے شیعی انقلاب نے جو فتنے جگائے اور پاکستان میں بالخصوص اس انقلاب کے حامیوں نے جو اودھم برپا کیا اس کے نتائج و عواقب گذشتہ دو عشروں سے ہم مسلسل دیکھ رہے ہیں۔ پاکستان میں مذکورہ انقلاب کے ردِّعمل میں اٹھنے والی تحریک کے ۵ قائدین سمیت ہزاروں کارکن شیعیت کی ان تخریبی کارروائیوں کا نشانہ بن کر اپنے رب کے حضور جا پہنچے لیکن ان تخریبی کارروائیوں کا سلسلہ تا حال

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رکنے میں نہیں آ رہا۔ حتیٰ کہ جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، اس سے بارہ دن قبل ۱۷ راگست ۲۰۰۹ء بروز پیر کو ملک کے ایک عظیم عبقری صفت عالم، بے بدل خطیب و متکلم علامہ علی شیر حیدری بھی شیعیت کی تیغِ ستم کا نشانہ بن کر جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علامہ علی شیر حیدری سے قبل اس تحریک کے شہید قائدین میں مولانا حق نواز جھنگوی، مولانا ایثار القاسمی، مولانا ضیاء الرحمن فاروقی اور مولانا محمد اعظم طارق رحمہم اللہ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ یہ تمام حضرات اپنے اپنے دور کے انتہائی باصلاحیت اور باکردار علماء تھے۔ ان میں سے مؤخرالذکر سے راقم السطور کا قریبی دوستانہ تعلق رہا ہے۔ مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ کی خواہش تھی کہ تاریخِ شیعیت پر مستند اور مفصل کتاب لکھی جائے۔ راقم کو یاد ہے کہ ۱۹۹۸ء میں اپنی زندگی کی طویل ترین قید و بند کے دوران مولانا شہیدؒ کو اس موضوع پر کتاب کی تالیف کا خیال دامن گیر ہوا، مولانا موصوفؒ کے تقاضے پر بندہ نے تاریخ فرشتہ اور دیگر چند کتب خرید کر انہیں فیصل آباد جیل کے پتہ پر ارسال کی تھیں۔ لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جلد ہی مولانا شہیدؒ جیل سے رہا ہو کر ایک بار پھر تحریکی زندگی گزارنے لگے اور تاریخِ شیعیت کا کام شروع بھی نہ ہو سکا۔ تا آنکہ مولانا کو ۶ ر اکتوبر ۲۰۰۳ء کی شام کو اسلام آباد میں شہید کر دیا گیا۔ اس وقت تک بندہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ قدرت یہ خدمت اپنے اس نالائق ترین بندہ سے لینا چاہتی ہے۔

ان کی شہادت سے تقریباً چار سال بعد قدرت نے یہ خیال میرے دل میں القاء کیا کہ میں تاریخِ شیعیت مرتب کروں اور اس کے ذریعے اہل سنت عوام کو ایک ایسا صاف و شفاف آئینہ فراہم کر دوں جس میں وہ تاریخ کے ایامِ گم گشتہ میں شیعیت کی کارکردگی کو اپنی نظرِ بصیرت سے دیکھ سکیں۔ چنانچہ میں نے ۲۰۰۷ء کے اواخر میں اس کے لئے کتابوں کی ورق گردانی اور چھان پھٹک کا آغاز کیا۔ اس اہم کام میں سب سے پہلے جس شخص نے میرے ساتھ دستِ تعاون دراز کیا وہ متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف اس کتاب کی تدوین و تالیف میں مشاورت سے نوازا بلکہ کتابوں کی فراہمی میں بھی وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ممکنہ تعاون فرمایا۔ بندہ اس سلسلہ میں حضرت کا ازحد ممنون اور ان کے لئے دعا گو ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں (مرکزی رہنما اہلسنت والجماعت پاکستان) کا شکریہ ادا کرنا بھی میرے لئے واجب ہے جنہوں نے تاریخِ شیعیت کی طباعت کے تمام تر مصارف کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اس گراں قدر تالیف کو منظر عام پر لانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔

علاوہ ازیں راقم ان تمام دوستوں کا شکر گزار ہے جنہوں نے دورانِ تالیف اپنے علمی اور مشاورتی تعاون سے نوازا۔ بالخصوص شجاع آباد سے جناب ظفر اقبال ظفر، کراچی سے مولانا مفتی عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ، لاہور سے مولانا عبدالشکور حقانی، مولانا علی داؤد، مولانا عبدالجبار سلفی، جناب فیصل عزیز رانا، سرگودھا سے جناب محمد فیاض باجوہ، بہاولپور سے مولانا جمیل الرحمن عباسی، میلسی سے مولانا محمد عمیر شاہین ...... یہ سب حضرات میری طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

برادران عزیز حافظ محمد سیف اللہ خالدؔ اور ضیاء اللہ زاہدؔ جنہوں نے شب و روز بڑی محنت اور جانفشانی سے اس کتاب کی کمپوزنگ کی، ان کے لئے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ ان کی صلاحیتوں میں مزید اضافہ فرمائے، اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے انہیں مالا مال فرمائے۔ نیز تمام احباب کیلئے دعا ہے کہ اللہ رب ذو الجلال ہمیشہ انہیں اپنی رحمت کے سائے میں رکھے۔

ابو محمد مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

۲۹/اگست ۲۰۰۹ء

بمطابق ۷/رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پہلا باب:

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت
اور شیعیت کے ابتدائی خدوخال

دورِ فاروقی میں ایران کی فتوحات

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے دس سال تاریخِ اسلام کا سنہری ترین دور شمار کئے جاتے ہیں۔ عدل وانصاف، انسانی حقوق اور مساوات کے حوالے سے بعد کی صدیوں میں اس دور کی کوئی مثال نہیں ملتی، علاوہ ازیں اس دور کو فتوحات کے حوالے سے بھی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ بالخصوص دنیا کی دو سپر پاورز روم وفارس کی سلطنتوں کی شکست وریخت اور پامالی کا آپ کے مبارک دور میں اسلامی لشکر کے ہاتھوں وقوع پذیر ہونا پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی تعمیل وتکمیل ثابت ہوا۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت واضح الفاظ میں اسلام کے قیصر وکسریٰ پر غالب آنے کی پیشگوئی فرما چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی سنی اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں مرقوم ہے، چنانچہ شیعہ عالم ملا محمد بن یعقوب کلینی سند معتبر کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق ؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگِ خندق کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فتح شد برمن دریں ضربت گنج ہائے کسریٰ وقیصر۔ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۹۵ مطبوعہ ایران)

ترجمہ: ’’(کدال کی) اس ضرب میں کسریٰ اور قیصر کے خزانے مجھ پر فتح ہوئے (دکھائے گئے)‘‘۔

یہ تو اس وقت کی بات ہے جب سلطنتِ مدینہ کا قیام ہو چکا تھا اور معرکۂ بدر وغیرہ نصرتِ اسلام کی پوری شان کے ساتھ ظہور میں آچکے تھے، اس سے بہت عرصہ پہلے جب آپ مکہ میں تھے اور کفر وشرک کی طاقتیں بری طرح برسرِ اقتدار تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات اس وقت بھی مشہور تھی کہ آپ قیصر وکسریٰ کے خزانوں کو فتح کرنے کی پیشگوئی فرما رہے ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ھو یزعم انہ استفتح لہٗ کنوز کسرٰی و قیصر۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ص ۲۵ مطبوعہ ایران)

''آپ کا خیال ہے کہ عنقریب کسریٰ اور قیصر کے خزانے آپ کے لیے فتح کیے جائیں گے۔''

عربوں کے خیال میں ایران کی سرحد سب سے زیادہ خطرناک اور مستحکم تھی اور وہ سلاطینِ عجم کے ان کارناموں سے بھی پوری طرح باخبر تھے جنہیں وہ دیگر قوموں کو زیر کرنے کے لیے عملاً دکھا چکے تھے، پھر بھی فتح ایران نے جانشینانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چومے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئیاں ایک شانِ اعجاز کے ساتھ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر پوری ہوئیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت اور سیادت اگر کسی درجہ میں بھی مشتبہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عہد میں ہونے والے ان کارناموں کو اپنی طرف نسبت نہ فرماتے۔

اسلام اپنی پوری شانِ اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی سپہ سالار رُستم نے اسلام کی فتح عظیم کی ایک مافوق الاسباب جھلک بھی دیکھی جس سے ان ناموران عجم کے قدم اور بھی اُکھڑ گئے، ان معرکہ آرائیوں کی ضروری تفصیلات حسبِ ذیل ہیں۔

سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی فتوحاتِ ایران

آپ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق دو محاذوں پر جنگ چھڑی ہوتی تھی، اس لیے تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ان مہموں کی طرف توجہ کی۔ آپ کی بیعت کے سلسلے میں عرب کے مختلف حصوں کے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے، آپ نے ان کے سامنے جہاد کے موضوع پر تقریر کر کے اُن کو ایران کی مہم میں شرکت کے لیے ابھارا۔ بنی ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی نے اُٹھ کر اپنے کو اس خدمت کے لیے پیش کیا۔ ان کی پیشقدمی پر ہر طرف سے تائید ہونے لگی اور تمام مسلمان شرفِ جہاد حاصل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ابو عبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا گیا۔

دورِ صدیقی میں ہونے والی معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار کر دیا تھا، اس لیے انہوں نے بھی از سرِ نو فوجی تنظیم کی۔ بوران وخت نے خراسان کے نامور مدبّر اور مشہور بہادر رُستم کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اُس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران میں آگ لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ہمہ تن جوش بن گئی۔ جدید فوجی تنظیم کے سلسلے میں بوران وخت نے ایران کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رُستم کی امداد پر مامور کیا تھا۔ یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکل چکے تھے۔ دوسری طرف سے ابو عبیدؓ آرہے تھے۔ نمارق پر جابان سے مقابلہ ہو گیا۔ ابو عبیدؓ نے اُسے شکستِ فاش دی۔ اُس کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا، وہ پہچانتا نہ تھا۔ اس لیے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی۔ بعض مسلمانوں نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کر لیا لیکن ابو عبیدؓ نے یہ کہہ کر کہ جس کو ایک مسلمان رہا کر چکا ہے، اس سے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بدعہدی نہیں کی جا سکتی، رہا کر دیا۔ جابان کو شکست دینے کے بعد ابو عبیدؓ آگے بڑھے اور مقامِ سقاطیہ میں دوسرے افسر نرسی کو بھی شکست فاش دی۔ اُس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب وجوار کے ایرانی امراء نے اطاعت قبول کر لی۔

ان شکستوں کی خبر سُن کر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا اور ایرانیوں کا مقدس علم دُرفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کر دیا۔ مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اتاریں، دوسری طرف مسلمان تھے۔ ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا لیکن ابو عبیدؓ جوشِ جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ دوسرے مسلمان امراء کے اختلافِ رائے کے باوجود فرات کو عبور کر کے اس پار چلے گئے۔ دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ مسلمان جس میدان میں اُترے وہ نہایت ناموزوں تھا۔ ایرانی فوج میں دیو پیکر ہاتھی تھے، جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا، اس لیے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گئے اور مسلمانوں کو پیدل جانا پڑا۔ گھوڑوں سے اُتر کر انہوں نے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو گرانا شروع کیا۔ ابو عبیدؓ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا لیکن وار خالی گیا اور ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر پیروں کے نیچے مسل ڈالا۔ ابو عبیدؓ کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے لیکن جگہ بہت کم تھی، آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا، اس لیے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے۔ مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلوں سے تین ہزار جانیں بچائیں۔

ایرانیوں کی شکست

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی جانوں کے ضیاع کا سخت قلق ہوا۔ آپ نے اس کے انتقام کے لیے پُرجوش خطبوں سے عربوں میں آگ لگا دی۔ اور عبداللہ بجلی کی ماتحتی میں ایک تازہ دم فوج محاذِ جنگ پر روانہ کی۔ دوسری طرف مثنیٰؓ نے اپنے طور پر سرحدی قبائل کی علیحدہ ایک فوج تیار کر لی۔

بوران وخت نے مہران بن جادویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ مقابلے کے لیے بھیجا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ گزشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے، وہ اس کی تلافی میں اس بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجۂ شہادت حاصل کیا۔ مثنیٰؓ نے اپنے قبیلے کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے۔ اس ریلے میں بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ فرات کے پُل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اس معرکہ کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔

ایرانیوں کا جوش

ایرانی فوجوں کی شکست اور بربادی کی خبر پایۂ تخت پہنچی، تو ایرانیوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ انہوں نے بوران وخت کو تخت سے اتار کر سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سرِ نو فوجی انتظامات کر کے چند دنوں میں تمام قلعوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور چھاؤنیوں کو جنگی سامان سے بھر دیا۔ ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کر کے مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی۔ اس بغاوت میں بہت سے علاقے ان کے قبضے سے نکل گئے اور مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے اور فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال کی اطلاع بھجوائی۔ آپ نے تمام عرب کے نامور بہادروں، رئیسوں، خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا۔ آپ کی دعوت پر سارا عرب اُمڈ آیا، انہیں ساتھ لے کر آپ نے بہ نفس نفیس میدانِ جنگ میں نکلنے کا ارادہ کیا، مگر اکابر صحابہؓ نے مخالفت کی کہ آپ کا دارالخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں۔ [1]

اس لئے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا۔ اس فوج میں ستر بدری صحابی، تین سو بیعتِ رضوان کے جانثار، اسی قدر فتح مکہ میں شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تجارت کے سلسلہ میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اور یہاں کے تمام راستوں سے واقف تھے، اس لیے فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم اور پیش قدمی کے متعلق مختلف ہدایات بھیجیں۔ شراف کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق ہدایات بھیجیں اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغِ اسلام کے لئے دربارِ ایران بھیجا جائے۔

اسلامی سفارت

اس حکم پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی اور اشعث بن قیس کندی کو چند آدمیوں کے ساتھ تبلیغِ اسلام کے لیے ایرانی لشکر میں بھیجا۔ رُستم نے پوچھا کہ تم کس ارادے سے آئے ہو؟ مسلمانوں نے جواب دیا: یزدگرد کے قصد سے۔ دونوں میں گفتگو ہوئی، آخر مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمہاری زمین پر قابض ہوں گے۔ رُستم نے اُن کی تحقیر کے لیے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ لو ہماری زمین

1۔ جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بنفسِ نفیس جنگِ فارس میں قیادت کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے شانِ مرکزیت کے خلاف سمجھتے ہوئے آپ کو جانے سے روکا، اُس وقت آپ نے یہ بھی عرض کی تھی:

ان الاعاجم ان ینظروا الیک غدًا یقولوا ھذا اصل العرب فاذا قطعتموہ استرحتم۔۔۔ و اما ما ذکرت من عددھم فانا لم نکن نقاتل فیما مضی بالکثرۃ و انما کنا نقاتل بالنصر و المعونۃ۔ (نہج البلاغہ)

"بے شک جب ایرانی آپ کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہی عربوں کی جڑ ہے۔ پس اگر اس جڑ کو کاٹ ڈالو تو ہمیشہ کا آرام پاؤ گے اور یہ جو آپ ایرانیوں کی تعداد کا ذکر فرمارہے ہیں تو یاد رکھئے کہ ہم لوگ پہلے بھی تو کثرتِ عدد کے بل بوتے پر نہیں لڑتے رہے بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و معونت کے سہارے ہی ہم میدانِ جنگ میں اُترتے رہے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنی نظرِ بصیرت سے جنگِ فارس کے نتائج میں عربی عجمی کشمکش کا انداز بھانپ رہے تھے اور بعد کے حالات نے بتلا دیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پیش بینی بالکل درست تھی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں تمہارا یہ حصہ ہے۔ عمرو بن معد یکرب یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا، ان کے ملک پر قبضہ کے لئے یہ فال نیک ہے۔ رستم کے بعد ان لوگوں نے یزدگرد کے پاس جا کر اسلام پیش کیا۔ اس نے جوشِ غضب میں کہا، اگر سفیروں کا قتل کرنا ناروا نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی گردن سلامت نہ لے جا سکتا اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انہیں کیوں آنے دیا۔

رستم جنگ سے بچنے کے حیلے ڈھونڈتا تھا۔ چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر جنگ روکنے کی کوشش کی، اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لیے دوبارہ آدمی بھیجیں۔ اُنہوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ رستم نے انہیں مرعوب کرنے کے لیے بڑے ٹھاٹھ سے دربار آراستہ کیا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی تلوار بھی قرینہ کی نہ تھی، نیام کے بجائے اوپر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے، دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی، آخر میں رستم نے انہیں طمع دلائی کہ غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لیے نکلے ہو، ہم تم کو اتنا دینے کے لیے تیار ہیں کہ تمہارا پیٹ بھر جائے۔ تمہاری اور جو خواہشیں ہیں انہیں بھی پوری کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”بے شک ہم بھوکے تھے لیکن خدا نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا جس کی پیروی کی وجہ سے ہماری بدبختی خوش بختی سے بدل گئی۔ اس نے ہم کو اپنے دین کے معاندین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ہم تم کو خدائے واحد کی پرستش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر اسے قبول کرتے ہو تو فبہا ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔“ یہ سن کر رستم جوشِ غضب سے بھر گیا اور کہا آفتاب و ماہتاب کی قسم کل طلوعِ صبح سے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ سُن کر لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتے ہوئے لوٹ آئے۔

قادسیہ کی جنگ

رُستم نے فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور راتوں رات ایرانی فوجیں مرتب ہو گئیں۔ صبح ہوتے ہوتے قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا سمندر موجزن تھا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے۔ محرم ۱۴ھ میں فریقین صف آراء ہوئے، عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عرق النساء کا دورہ ہوا، اور وہ نقل و حرکت سے مجبور ہو گئے، اس لئے اپنی جگہ خالد ابن ارقط کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدانِ جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا، ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکام بھیجتے رہتے تھے۔ بعد نمازِ ظہر جنگ کا آغاز ہوا اور رات کی تاریکی تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رَن پڑا۔ عین لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی سفرائے ممتاز بہادروں کے لیے تحائف لائے اور میدانِ جنگ میں اعلان کیا، امیر المومنین نے اُن بہادروں کے لیے یہ تحائف بھیجے ہیں جو اپنے کو اِن کا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مستحق ثابت کریں۔ مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی، رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے۔ اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی، اس کے بڑے بڑے ممتاز اور نامور افسر مارے گئے، دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی۔

تیسرے روز جو معرکہ ہوا وہ گزشتہ معرکوں سے زیادہ ہولناک تھا، اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں، انہیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے تھے۔ مسلمانوں نے گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کیا، لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رُخ کر دیتی تھی، صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی۔ یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے لے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ قعقاع ؓ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مَتک سے الگ ہو گئی، وہ جھرجھری لے کر بھاگا۔ اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوارِ آہن ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا، اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا اور اس گھمسان کا رَن پڑا کہ تلواروں کی کھچا کھچ، نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی، دن بھر ہنگامۂ کارزار گرم رہا۔ رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی، دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا۔ رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا تھا لیکن آخر میں زخموں سے چُور ہو کر بھاگا۔ راستہ میں ایک ندی تھی، اس میں کود کر نکل جانا چاہا، مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب میں تھا، ندی سے نکال کر قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے، ایرانیوں کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ بھیجا، جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی بے چینی کے ساتھ خبروں کا انتظار رہتا تھا اور آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینہ کے باہر نکل جاتے تھے، اس لئے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا۔ اس سے حالات پوچھے، وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا، اس لیے سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے، اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں اس کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین یہی ہیں۔ اس وقت وہ بہت سراسیمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں، تم حالات بیان کرتے جاؤ۔ زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا خط انہیں سنایا اور حسب ذیل تقریر کی:

> ”مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں، میں خود خدا کا غلام ہوں، البتہ خلافت کا بارِ گراں میرے اوپر ڈالا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکوں کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لیے عین سعادت ہے۔ اگر میں خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو میری بدبختی ہے۔ اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہو گی اور غم زیادہ۔“

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی جنگ کے بعد ایرانی، مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹِک سکے اور وہ ان کو شکست دیتے ہوئے بابل، کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایۂ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے۔ بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملے سے روکنے کے لئے دجلہ کا پُل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں۔ اس لئے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے خدا کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا، انہیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اُتر گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے حیرت واستعجاب کے ساتھ یہ منظر دیکھتے رہے اور جب مسلمان کنارے پر پہنچ گئے تو "دیواں آمدند دیواں آمدند" کہہ کر بھاگ نکلے۔ یزدگرد پایۂ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے۔ جمعہ کے دن ایوانِ کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نمازِ جمعہ ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمینِ ایران میں پڑھا گیا۔ مدائن کے خزانے میں صدیوں کی جمع شدہ دولت اور زرّ وجواہر کے ذخائر کے علاوہ سلاطینِ عجم کے نادرۂ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں، یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھجوا دیے۔ ان نوادر میں نوشیرواں کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرشِ بہار بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص محلّم کو پہنایا گیا۔ جب اس نے پہنا تو جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور انقلابِ دہر کا عجیب عبرتناک منظر سامنے آ گیا۔ فرشِ بہار سلاطینِ عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا، اس پر وہ بہار کے موسم میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ اس میں اس عہد کی ساری صناعیاں صَرف کر دی گئی تھیں، بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے۔ سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرشِ بہار پر بھی خزاں آ گئی، اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔

جلولاء کا معرکہ

ایرانیوں نے اب جلولاء کو مرکز بنالیا اور رُستم کے بھائی خرزاد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گکھرو بچھوا دیے۔ اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ہاشم ابن عتبہ اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیجا، انہوں نے اس کا محاصرہ کرلیا۔ جلولاء نہایت مستحکم شہر تھا اور یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا، اس لیے اس کی تسخیر میں کئی مہینے لگ گئے، لیکن ہاشم نے عہد کرلیا تھا کہ بغیر فتح کیے ہوئے نہ ٹلیں گے۔ بالآخر کئی مہینے کی خونریز لڑائیوں کے بعد قعقاع کی شجاعت سے جلولاء فتح ہوگیا اور بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حلوان پر قبضہ

یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا۔اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑ کر رے بھاگ گیا۔اُس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع یہاں پہنچے اور خسرو دشنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کرلیا اور عام منادی کرادی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے، ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا۔اِس اعلان پر بہت سے امراء دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

جزیرہ پر اسلامی عساکر کا قبضہ

عراق کے زیرِنگیں ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے تھے، اور فرماتے تھے کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک حائل ہوتی کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ آور ہو سکتے اور نہ ہم ان پر، مالِ غنیمت کے مقابلہ میں مجھے مسلمانوں کی جان زیادہ عزیز ہے، مگر عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے اور اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا۔ پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا مگر عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلے میں آ گئی اور اہلِ جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی، تکریت میں بڑا زبردست اجتماع کیا۔سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایران پر فوج کشی کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات معلوم تھے، اس لیے انہوں نے ان کو یہ حالات لکھ بھیجے۔ان حالات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی بجز مقابلہ کے کوئی چارۂ کار نہ تھا چنانچہ آپ نے عبداللہ بن غنم کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا۔

تکریت پر قبضہ

اس حکم پر وہ ۱۶ھ میں پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور اس کا محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملہ کرتے رہے لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے، اس لیے کامیابی نہ ہوتی تھی۔عبداللہ نے عربوں کے پاس خفیہ نام و پیام کر کے انہیں ملا لیا، چنانچہ اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو پشت سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے اور ایرانی دونوں کے درمیان پس کر رہ گئے اور تکریت پر قبضہ ہو گیا۔اس کے چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی، پھر ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کو مامور کیا۔انہوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمساط، سروج اور قرقیسیا فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ زیرِ نگیں کرلیا۔

خوزستان کی فتح

عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ رکھنے کے لئے یہاں ایک فوجی چھاؤنی بصرہ قائم ہو چکی تھی، مگر اس کی سرحد خوزستان اب تک ایرانیوں کے قبضے میں تھی، اس لیے بصرہ کی حفاظت کے لئے خوزستان پر قبضہ ضروری تھا، چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اہواز پر حملہ کر کے یہاں کے والی ہرمز کو مطیع بنایا لیکن چند دنوں کے بعد وہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پھر باغی ہو گیا، اس وقت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی تھے۔ اُنہوں نے ہرمز کو شکست دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا۔ سوس کی فتح کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا۔ اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کو دیکھ کر ہرمزان نے یزدگرد کے پاس جا کر درخواست کی، اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کر دی جائے تو عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے منظور کر لی اور اس کو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ دے کر کچھ فوج بھی اس کے ساتھ کر دی۔ یہ پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک عظیم الشان فوج جمع کر لی۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دے کر مزید مدد مانگی۔ آپ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والئ کوفہ کو حکم دیا، وہ کوفہ کی فوجیں لے کر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کو روانہ ہو جائیں۔ جریر بن عبداللہ بجلی بھی فوج لے کر آ گئے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے، ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انہیں روکا، بہت سے مسلمان کام آئے لیکن آخر میں وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا۔ اس کے ذریعے ایک مسلمان خفیہ راستے سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا اور تھوڑے سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر تہ خانہ کے ذریعہ شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کے دروازے کھول دیے۔ مسلمان باہر منتظر تھے، شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے۔ ہرمزان نے قلعہ میں پناہ لی اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر نکل آؤں گا کہ مجھے عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھجوا دیا جائے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کر لیا اور ہرمزان مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کیا۔

نہاوند کا معرکہ

یزدگرد اس وقت مرو میں تھا، یہیں اسے خبر ملی کہ خوزستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور اس کا قوتِ بازو ہرمزان بھی گرفتار ہو گیا۔ اب تک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربوں کا سیلاب سرحد پر آ کر رُک جائے گا، لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ سیلاب سارے ایران کو بہا لے جائے گا۔ اس لیے ان کی درخواست پر یزدگرد نے ایران کے تمام چھوٹے چھوٹے ماتحت حکمرانوں کو مدد کے لئے لکھا۔ وہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے اور ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جمع ہو گئی۔ کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی، آپ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ خود اہلِ حرم کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلئے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ خود جائیں گے تو اندرونِ عرب بغاوت ہو جائے گی۔ آپ ممالک محروسہ کی ایک تہائی فوج طلب کر کے اس کو نہاوند بھیجئے۔ اس مشورہ پر آپ نے فوجیں جمع کر کے نعمان ابن

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مقرن کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔ انہوں نے نہاوند سے چند میل ادھر منزل کی۔ مروان شاہ پہلے سے موجود تھا، اس نے صلح کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے مسلمان سفراء بلا بھیجے، نعمان نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

مروان شاہ بڑے ٹھاٹھ سے سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، درباری تلواریں اور نیزے لگائے کھڑے تھے، جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کوئی توجہ نہ کی اور ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ اندر گھستے چلے گئے۔ راستے میں درباریوں نے روکنا چاہا، مغیرہؓ نے کہا: "سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔" مروان شاہ کے پاس پہنچ کر مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مروان شاہ نے کہا: "اہلِ عرب! دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت، فاقہ مست اور نجس و ناپاک جو ہو سکتی تھی وہ تم ہو، ہماری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی، لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے۔ اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپتی نظر آئیں گی۔" مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "تمہارا جیسا خیال ہے بے شک ہم ایک زمانہ میں ایسے ہی تھے لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس نے ہم سے دنیا میں نصرت و فتح اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا اور اس وقت سے برابر فتح و نصرت ہمارے رکاب میں ہے۔ اس لیے اب ہم اُس وقت تک واپس نہیں جا سکتے جب تک تمہارے ملک کو فتح نہ کر لیں یا ہماری لاشیں نہ تڑپیں"۔

غرض مروان شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی اور اس کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیوں کے سلسلے میں قادسیہ کے سوا ایسی جنگ نہ ہوئی تھی، مسلمان نہایت ثبات و پامردی سے لڑے، ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں، نعمان ابن مقرن زخمی ہو کر گرے۔ زخم مہلک تھا لیکن انہوں نے منع کر دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم نے عَلَم سنبھال لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور شور کے ساتھ جنگ جاری رہی۔ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک اُن کا تعاقب کر کے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آ سکے، اسی لیے عرب مؤرخین اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اختتامِ جنگ کے بعد معقل، نعمان بن منذر کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے، کچھ کچھ جان باقی تھی، اس حالت میں بھی زبان سے نکلا: "مسلمانوں کا کیا انجام ہوا؟" جواب ملا، خدا نے فتح دی۔ فرمایا: "الحمدللہ، عمر کو اطلاع دو، یہ مژدہ سن کر جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مہینوں سے بے قراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ عین اس حالت میں قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لیئے ہوئے پہنچا۔ فتح کا مژدہ سن کر آپ کو بڑی مسرت ہوئی لیکن نعمانؓ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار رونے لگے، اور جواہرات فروخت کر کے فوج میں تقسیم کرا دیئے۔

ایران پر عام لشکر کشی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرزمینِ ایران کی طرف نہ بڑھنا چاہتے تھے لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے اور وہ برابر فوجیں جمع کر رہے تھے۔ مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے۔ یزدگرد مرو میں بیٹھا ہوا آئے دن فتنے اٹھاتا رہتا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا تردّد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ چند مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے، اس کا اظہار بھی کیا:

''معلوم ہوتا ہے مسلمان ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں، اس لئے وہ باغی ہو جاتے ہیں۔'' ان لوگوں نے اس کی تردید کی۔

احنف بن قیسؓ نے کہا:

''امیر المومنین! اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک بڑھنے سے روک دیا ہے اور اس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے۔ جب تک وہ باقی رہے گا اس وقت تک وہ برابر غدر کرتے رہیں گے کیونکہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے، جب تک ہم کو اندرونِ ملک فوج کشی کر کے ان کے بادشاہ کا قلع قمع کرنے کی اجازت نہ ملے گی، اس وقت تک یہی صورت قائم رہے گی اور جب تک وہ بادشاہ سے مایوس نہ ہوں گے اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں گے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احنف رضی اللہ عنہ کی دانشمندانہ رائے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا۔

کچھ دنوں بعد آپ نے پھر صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے اس وقت تک یہ فتنہ و فساد ختم نہ ہوگا۔ اس مشورہ کے بعد آپؓ نے ایران پر عام فوج کشی کا فیصلہ کیا اور اس کے مختلف حصوں کے لئے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کئے۔ ۲۱ھ میں یہ سب افسر اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہو گئے، ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسروں کو مامور کیا۔ چند ہی روز میں اصفہان اور ''رے'' بھی فتح ہو گیا۔

آذربائیجان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کو آذربائیجان کی مہم پر مامور کیا تھا، بکیر بن عبداللہ ان کے شریک تھے۔ یہ دونوں ۲۳ھ میں آذربائیجان کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ بڑھے۔ کوہستان جرمیدان میں آذربائیجان کے حاکم اسفندیار کا جو وادئ رود کی مہم سے ناکام واپس آ رہا تھا، بکیر بن عبداللہ سے سامنا ہوا، اسفندیار شکست خوردہ تھا، اس لیے بکیرؓ نے اسے دوبارہ آسانی سے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اس کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے بکیرؓ سے پوچھا، آئندہ کیا چاہتے ہو، صلح یا جنگ؟ بکیرؓ نے جواب دیا صلح۔ اسفندیار نے کہا، اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس روکے رکھو۔ چنانچہ بکیرؓ نے روک لیا۔ اس درمیان میں عتبہ بن فرقدؓ نے بھی اپنی مہم سے فراغت حاصل کر لی اور بکیرؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لیے چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد اسفندیار کا بھائی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بہرام پشت کی طرف سے بڑھا، لیکن عتبہ نے شکست دے دی۔ اس کے شکست کھانے کے بعد اسفندیار نے جو عتبہ کے پاس تھا، کہا کہ اب جنگ ختم ہوگئی اور عتبہ سے مصالحت کرلی۔ اس طرح آذربائیجان کا پورا علاقہ صلحاً مطیع ہوگیا۔

آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہریار آرمینیوں کو نہایت ذلیل سمجھتا تھا، چنانچہ وہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا، مخلوط النسل آرمنی کتوں کا کوئی حسب نسب نہیں ہے، اور کوئی سمجھدار، عالی نسب، عالی نسبوں کے مقابلہ میں کمینوں کی مدد نہیں کرسکتا۔ اس لیے مجھ کو آرمینیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، میرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کرچکے، اس لیے میں بھی تمہارا مطیع اور مددگار ہوں لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور اپنے دشمن آرمینیوں کے مقابلے میں کمزور نہ کرو۔ اس کی درخواست سن کر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اس کو سراقہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوادیا۔ اس نے سراقہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی کہا۔ انہوں نے کہا جزیہ تو اُن لوگوں کے لیے ہے، جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے اور شہریار کی درخواست منظور کرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دے دی، انہوں نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی۔

فارس

فارس پر حملے کے لیے درمیان میں دریا پڑتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو دریا کے خطرات میں ڈالنا نہ چاہتے تھے، چنانچہ اکثر فرمایا کرتے تھے کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک ہوتی کہ نہ ہم اُن کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آسکتے، مگر ایک اولوالعزم جانباز مسلمان علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ والیٔ بحرین نے ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر حملہ کردیا تھا، لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہوگیا اور جو بچا اسے اہلِ فارس نے گھیر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت قلق ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کے لئے فوجیں بھجوائیں۔ انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقی ماندہ مسلمانوں کو بچالیا۔

اِس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی تو ساریہ بن زنیم کنانی ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے۔ اہلِ فارس اس وقت توج میں جمع تھے، مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جو سمت اُن کے لئے متعین کردی گئی تھی، سیدھے اُسی رخ پر بڑھتے چلے گئے، اس لیے اہلِ فارس بھی توج سے منتشر ہوگئے۔ ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع بن مسعود، ساربو اور اردشیر خرہ کی طرف بڑھے اور توج میں فارسیوں کا مقابلہ ہوا، مسلمانوں نے شکست دے کر توج فتح کرلیا۔ دوسری طرف عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اصطخر کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندوں نے مقام جور میں مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح فارس کے بڑے حصے پر قبضہ ہوگیا۔

سیستان

کرمان کے بعد عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے سیستان پر فوج کشی کی، اہلِ سیستان روکنے کے لیے بڑھے، مسلمانوں نے شکست دی اور تعاقب کرتے ہوئے دور تک بڑھتے چلے گئے۔ زرنج میں پہنچ کر اس کا محاصرہ کرکے دریا کا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بند کھول دیا، جس سے سارے سیستان میں سیلاب آ گیا اور اہلِ سیستان نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے۔ مسلمانوں نے منظور کر لیا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی گزر جاتے تھے کہ فصل چھو نہ جائے۔

خراسان پر فوج کشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں مقیم تھا، مقدس آگ ساتھ تھی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا، اس لیے احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے مستقر مروشاہ جہاں کا رُخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا۔ مروشاہ جہاں کی طرف احنف کا رُخ دیکھ کر یزدگرد مروالروز چلا گیا اور خاقانِ چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی۔ احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مروالروز پہنچ گئے۔ یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا، احنف بھی تعاقب میں پہنچے، یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے۔

یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف ؓ نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیرنگیں کر لیا اور مروالروز واپس ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ لکھا۔ آپ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقانِ چین کے یہاں پہنچا۔ اُس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا۔ احنف ؓ اس وقت مروالروز میں تھے، یہیں دونوں کا مقابلہ ہوا، کچھ دنوں فریقین میں جھڑپ ہوتی رہی، ایک دن حسبِ معمول خاقانِ چین کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل و دمامہ بجاتے ہوئے نکلے، احنف ؓ نے یکے بادیگرے تینوں کو قتل کر دیا۔ خاقان نے اس سے فالِ بد لی، اس کو مسلمانوں کی قوت کا بھی اندازہ ہو گیا۔ اس لیے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور دوسروں کے لیے لڑ کر انہیں خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا مناسب نہیں ہے، فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا۔ ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے روکا کہ چینیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے، معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کریں گے۔ ان سے بہتر مسلمان ہیں کہ وہ دین و مذہب رکھتے ہیں اور عہد کے پابند ہیں۔ اس لیے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر مصر ہوا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ملک کی دولت نکلی جا رہی ہے، تو زبردستی چھین لی اور یزدگرد ناکام و نامراد ترکستان چلا گیا۔ ایرانیوں نے احنف ؓ کے پاس جا کر ان سے صلح کر کے کل خزانہ حوالے کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس کے صلہ میں ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور مسلمانوں سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت اور فارغ البالی نصیب ہوئی، وہ اکاسرہ کے زمانہ میں بھی میسر نہ آئی تھی۔ اس مصالحت کے بعد احنف ؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوسرا خط لکھا۔ آپ اسے لے کر مسجد

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں آئے اور مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر مؤثر تقریر کی:

"آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی اور اُن کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کی زمین، ان کا ملک اور اُن کی دولت کا تم کو اس لیے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے، اس لیے تم اپنی حالت نہ بدلو، ورنہ خدا بھی تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا، مجھ کو اس امت کے لیے خود اس کے افراد سے خوف ہے۔" [1]

ایران فتح ہوگیا لیکن فتوحاتِ فاروقی کی تیز رفتاری کے باعث ان نئے مفتوحہ علاقوں کی ذہنی تربیت کی طرف پوری توجہ نہ دی جا سکی اور ماسوائے ان لوگوں کے جن کی فطری صلاحیت اور جبلّی انصاف پسندی نے ان میں ذہنی پختگی پیدا کردی تھی، باقی عوام اسلام کی اس عالمی تحریک اور اصولی دعوت کو عربی عجمی کشمکش کی مشتبہ نگاہوں سے دیکھنے لگے، جن کو طبعی تدین اور اعتدال مزاج کی دولت حاصل تھی اور وہ وطن کی جغرافیائی حدود پر اسلام کی اصولی ملت کو ہر طرح سے فائق سمجھتے تھے ان کے سوا عوامی قدریں پھر جاہلیت کا شکار ہونے لگیں اور ایرانیوں کے پرانے اخلاق، سماجی اور سیاسی رجحانات عربوں کے خلاف بالعموم اور مرکزِ ملت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف بالخصوص پراپیگنڈے کا ایک مستقل مرکز بن گئے۔ یہ لوگ اقرار کلمۂ اسلام کے ساتھ اسلامی روایات کے تقریباً ہر دروازے پر تاویل کی دستک دینے لگے اور یہ احساسِ شدید اُن کے دلوں کو بُری طرح زخمی کر رہا تھا کہ عربوں کو ایرانیوں پر یہ سیاسی تفوّق کیوں حاصل ہو رہا ہے اور جس نے بھی تحقیق کے میدان میں اُتر کر دیکھا اُسے یہی حقیقت نظر آئی کہ ان کے اندر عجمی عصبیت کا لاوا نہایت تیز اُبل رہا ہے۔

دشمنانِ اسلام نے ایرانیوں کے اس نفسیاتی تقاضے کا پوری طرح فائدہ اٹھایا اور کلمہ گویانِ اسلام کے ایک پورے طبقے کے سامنے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک غاصب، جابر اور غیر ملکی حکمران قرار دیا، یہ لوگ حضرت عمر

1۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان فتوحاتِ ایران کے سلسلے میں تدبیر سے لے انجام تک حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ پوری طرح مؤید اور موافق تھے۔ نہج البلاغہ جلد اول ص ۳۲۶ (مطبوعہ مصر) میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وہ عظیم مشورے ملتے ہیں جو آپ نے ان فتوحات کے تدبیری مرحلوں میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حضور میں پیش کیے اور انجام تک کی موافقت کا آئینہ دار یہ امر ہے کہ اس جنگ کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم کیا جا رہا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس میں برابر کے شریک تھے، پھر آپ نے اپنے حصہ میں آنے والے اِن غلاموں اور باندیوں کو اللہ کی راہ میں آزاد کردیا۔ آپ نے اس کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا:

انا اشهد الله و اشهد کم انی قد اعتقت نصیبی منهم لوجه الله تعالیٰ۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۴ مطبوعہ ایران)

(ترجمہ) "میں اللہ تعالیٰ کو اور تم سب کو اس پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان میں سے اپنے حصہ کے افراد اللہ کی راہ میں آزاد کردیے ہیں۔"

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان حاضرین کے ساتھ رب العزت کو اس لیے گواہ بنایا کہ آئندہ آنے والی نسلوں میں کوئی شخص یہ گمان بھی نہ کر سکے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ آزاد کرنا محض ان حاضرینِ مجلس کے سامنے ایک کارروائی تھی ورنہ آپ دل سے تو ان پر اپنا قبضہ اور تملک بھی تسلیم نہ فرماتے تھے، آپ نے اپنے اس اِعتاق (آزاد کرنے کے عملِ خیر) پر خدا کو گواہ کرکے اس امر پر متنبہ کردیا کہ آپ صمیمِ قلب اور دل کی پوری گہرائیوں سے ان فتوحاتِ ایران میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے شریک کار تھے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رضی اللہ عنہ پر غصبِ خلافت کا الزام لگاتے تھے، لیکن اس اندیشے سے کہ کہیں ان کا اقرارِ کلمہ ہی بے اعتبار نہ ہو جائے، اس غصبِ حکومت کی نسبت شاہانِ عجم کی طرف کرنے کی بجائے خود عربوں میں ہی تفریق ڈالنے کی سوچنے لگے۔ اور جبر و غصب کے مظلوم شاہانِ عجم کو قرار دینے کی بجائے بنو ہاشم کی مظلومیت اور ان کے استحقاقِ خلافت کا دعویٰ اس غلط پراپیگنڈے کا عنوان بنا، لیکن جب بھی ان لوگوں کو موقع ملتا، اندر کی بات اُگل دیتے اور عربوں کے حملہ ایران کو واشگاف الفاظ میں ایک جاہ طلب سیاسی غارت گری کہتے۔ [1] ایرانیوں کی یہی سوچ بہت جلد امیر المومنین کی شہادت اور مسلمانوں کے انتشار کا باعث بنی، اور اسی سوچ نے آگے چل کر شیعیت کو جنم دیا۔

قتلِ فاروقی سے فتنوں کا دروازہ کھلنے کی پیشین گوئی

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صحابہ کی مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث جو فتنوں کے متعلق ہے تم میں سے کسے یاد ہے؟ میں (حذیفہؓ) نے کہا مجھے اسی طرح یاد ہے جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تم سے بے شک اسی جرأت کی اُمید ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ آدمی کا وہ فتنہ جو اس کی بیوی، اس کے مال، اس کی اولاد اور اس کے پڑوس میں ہوتا ہے اس فتنہ کو نماز، روزہ، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مٹا دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری مراد اس فتنہ سے نہیں بلکہ اس فتنہ سے ہے جو سمندر کی طرح موجیں مارے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لیس علیک منها بأس یا امیر المومنین انّ بینک و بینها لبابًا مغلقًا، اے امیر المومنین! اس فتنہ سے آپ کو کچھ خوف نہیں کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ بند دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، توڑا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اِذًا لا یغلق ابدًا" تو پھر وہ کبھی بند نہ ہوگا۔ ہم لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازہ کو جانتے تھے؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ اس طرح جانتے تھے جس طرح تم کل کے بعد رات کو جانتے ہو، یہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔

شہادتِ فاروقِ اعظمؓ، حالات و واقعات کے آئینہ میں

۲۳ھ میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا آخری حج کیا۔ اس حج میں اُمہات المومنین بھی آپ

1۔ ایک ایرانی شاعر اپنے ان ایرانی جذبات کی یوں ترجمانی کرتا ہے ۔

ہر چند در کشمکش جاہ و مناصب   گمنام نمودند ہمہ دودۂ جم را
از نقش و نگار در و دیوارِ شکستہ   آثار پدید است صنادیدِ عجم را

"جاہ و منصب کی کشمکش میں ان لوگوں نے جمشید کے خاندان کو کتنا گمنام کر دیا ہے لیکن ایران کے شکستہ در و دیوار سے عجم کے ان سرداروں کے آثارِ عظمت پھر بھی پوری طرح ہویدا ہیں"۔

(ماہنامہ "دعوت" لاہور کا خلفائے راشدینؓ نمبر (فاروقی حصہ) از علامہ خالد محمود پی ایچ ڈی لندن)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے ہمراہ تھیں۔ اسی حج کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا، جس کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں ایک دن منیٰ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں پہنچا تو وہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ہوئے تھے، یکا یک وہ وہاں سے واپس ہو کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کاش تم اس آدمی کو دیکھتے جو آج امیر المومنین کے پاس آیا اور کہا، اے امیر المومنین! آپ کو فلاں شخص کے متعلق کچھ خبر ہے جو کہتا ہے کہ اگر عمرؓ مر جائیں تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا، اللہ کی قسم ابوبکرؓ کی بیعت اتفاقیہ تھی جو پوری ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا، اور آپؓ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ شام کے وقت لوگوں میں کھڑا ہو کر انہیں ان لوگوں سے آگاہ کروں گا جو امورِ خلافت (مسلمانوں کے امور) غصب کرنا چاہتے ہیں۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا، اے امیر المومنین ایسا نہ کیجئے، اس لئے کہ موسمِ حج میں جاہل، رذیل اور پست قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں، جب آپ تقریر کرنے کھڑے ہوں گے تو یہی لوگ آپ کے قریب ہوں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ جو بات کہیں گے، اس کو اڑا کر ہر طرف لے جائیں گے اور اس کی حفاظت نہیں کریں گے اور اس کو اس کے مقام پر نہیں رکھیں گے (یعنی آپ کی تقریر کے مفہوم کو بدل کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے) اس لئے آپ انتظار کریں۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچ جائیں اس لئے کہ وہ دار الھجرۃ والسنۃ ہے، صرف سمجھ دار اور سر برآوردہ لوگوں کے سامنے آپ جو کہنا چاہیں کہیں تاکہ اہلِ علم آپ کی گفتگو کو محفوظ رکھیں اور اس کو اس کے مناسب مقام پر رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں مدینہ میں سب سے پہلے یہی تقریر کروں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ذی الحجہ کے آخر میں ہم لوگ (حج سے واپس) مدینہ پہنچے جب جمعہ کا دن آیا تو آفتاب کے ڈھلتے ہی ہم مسجد کی طرف جلدی سے پہنچے یہاں تک کہ میں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو منبر کے ستون کے پاس بیٹھا ہوا پایا، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ میں نے سعید بن زیدؓ سے کہا، آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسی بات کہیں گے جو انہوں نے پہلے کبھی نہیں کہی ہوگی۔ سعیدؓ نے میری اس بات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے امید نہیں ہے کہ ایسی بات کہیں گے جو اس سے پہلے نہ کہی ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے۔ جب مؤذن خاموش ہو گئے تو کھڑے ہوئے اللہ کی حمد بیان کی، پھر فرمایا:

''امابعد! میں تم سے ایسی بات کہنے والا ہوں جس کا کہنا میرے مقدر میں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ میرا یہ کہنا میری موت کا پیش خیمہ ہو جو اسے سمجھ لے اور یاد کر لے اسے چاہئے کہ جہاں بھی وہ پہنچے اس بات کو بھی پہنچائے اور جس کو یاد نہ رہے تو میں اس کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ بولے۔ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ اللہ کی قسم اگر عمرؓ مر جائیں تو میں فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا اور خبردار کوئی شخص یہ کہہ کر فریب نہ دے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت بھی اتفاقیہ تھی اور پھر وہ پوری ہو گئی۔ سن لو کہ وہ ایسی ہی تھی لیکن اللہ نے اس

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے شر سے محفوظ رکھا (یعنی اچانک بیعت کر لینے سے جن خدشات کا خطرہ تھا وہ ظہور پذیر نہیں ہوئے) اور تم میں سے کوئی شخص نہیں جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی فضیلت ہو۔ اب جس کسی نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس کی اور نہ اس کے متبع کی بیعت کی جائے اس خوف سے کہ وہ دونوں بہرحال قتل کر دیے جائیں گے"۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منصوبہ تیار کیا جا چکا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد اچانک اپنی مرضی سے ایک شخص کی بیعت کر لی جائے گی اور امت اسے اسی طرح قبول کر لے گی جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کو قبول کیا تھا۔ دوسری بات جو اس روایت سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ حج کے موقع پر اس بات کو پھیلانے والا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی اس سازش سے آگاہ تھا۔ بلکہ ایک تاریخی روایت کے مطابق رمی جمار کے وقت ایک کنکر آپ کے سر پر آ کر لگی جس سے ایک رگ پھٹ گئی اور یہ آواز بھی سنائی دی کہ امیر المومنین اس سال کے بعد یہاں کبھی نہیں ٹھہریں گے۔ اس سے ایک دن پہلے بھی ایک شخص کے متعلق بتایا گیا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ امیر المومنین اس سال کے بعد جبل عرفات پر کبھی کھڑے نہیں ہوں گے، منیٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والا ایک شخص نہ تھا بلکہ ایک جماعت تھی "الذین یریدون ان یغصبوا امورھم"

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایامِ حج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہونے والے خلیفہ کے متعلق افواہ اڑائی گئی تھی اگر وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ عوام سے خطاب کرتے تو بدوی دیہاتی جو امورِ سیاست سے واقف نہ تھے اس اہم بات کا مطلب نہ سمجھ سکتے اور افواہ اڑانے والے جو لوگوں میں موجود تھے، وہ مزید افواہیں اڑا کر انتشار پیدا کر دیتے۔

روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والا مدینہ کا باشندہ تھا اور مدینہ میں کچھ لوگ تھے جو مسلمانوں کا سیاسی حق غصب کرنا چاہتے تھے اور اپنی مرضی سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور اس قتل کی سازش سے باخبر تھے۔

صحیح مسلم میں معدان بن طلحہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا، اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، پھر فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرغ نے مجھے تین ٹھونگیں ماریں، میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری موت اب نزدیک ہے۔ "وان اقواما یأمروننی ان استخلف" بعض لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ آپ اپنا جانشین نامزد کر دیجئے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے دین، خلافت اور اس چیز کو جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تھا، ضائع نہ کرے گا۔ اگر میری موت جلد ہی واقع ہو جائے تو مشورہ کرنے کے بعد خلافت ان چھ آدمیوں میں رہے گی، جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک راضی رہے۔

ان اقواما یطعنون فی ھذا الامر انا ضربتھم بیدی ھذہ علی الاسلام فان فعلوا ذالک فاولئک اعداء اللّٰہ الکفرۃ الضّلال۔" (صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ باب نہی من اکل ثوما او بصلاً)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"اور میں سمجھتا ہوں کہ بعض لوگ جن کو میں نے اپنے ہاتھ سے مارا ہے (ایرانی، رومی، یہودی) اس کام میں اسلام پر طعن کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے پھر ایسا کیا تو وہ اللہ کے دشمن اور گمراہ کافر ہیں"۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے والد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا کہ وہ بے شک ایسا ہی کریں گے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ ضرور اس معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کریں گے۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا لوگ کہتے ہیں کہ آپ کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کریں گے؟ بتایئے اگر آپ کا کوئی چرواہا ہو اور وہ آپ کے اونٹوں یا بکریوں کو چھوڑ کر آپ کے پاس چلا آئے تو کیا آپ یہ نہیں سمجھیں گے کہ اس نے مویشی ضائع کر دیئے اور لوگوں کی نگہبانی تو مویشیوں کی نگہبانی سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے قول سے موافقت کی، پھر کچھ دیر کے لئے سر جھکایا پھر سر اٹھایا اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کرے گا۔ اگر میں خلیفہ مقرر نہ کروں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کر دوں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے تو پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو کوئی درجہ نہیں دیں گے اور آپ ﷺ کی اتباع میں کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ [1]

ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب غاصبینِ خلافت کے عزائم واضح ہو گئے تو صحابہؓ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ کہیں یہ سازش کامیاب نہ ہو جائے لہٰذا آپ کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر مسلمانوں کے مشورے کے بغیر ایسا کوئی قدم اٹھایا گیا تو نہ صرف بیعت کرنے والے کو بلکہ جس کی بیعت کی جائے گی اسے بھی قتل کر دیا جائے گا، اگر میری موت واقع ہو جائے تو مشورہ کرنے کے بعد خلافت ان چھ آدمیوں میں رہے گی: (حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

دوسری طرف شورش پسند لوگ بڑی بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے اور شوریٰ کے بغیر خلافت پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ اس بدترین سازش کے مرکزی کرداروں (یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں) کے گٹھ جوڑ نے ابولولؤ فیروز کے زہریلے خنجر کی شکل اختیار کی جس سے عصائے اسلام، عزتِ اسلام، شوکتِ اسلام، مرادِ رسول ﷺ، خسرِ رسول ﷺ، اور دامادِ بتولؓ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عین اس وقت جب وہ نمازِ فجر کی امامت کرا رہے تھے شہید کر دیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ قاتل کا خنجر سینۂ عمرؓ میں نہیں بلکہ قلبِ کائنات میں پیوست ہو گیا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب الاستخلاف وترکہٗ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یہ سانحہ کس طرح رونما ہوا، اور قتلِ امیر المومنین میں کون سے سازشی عناصر ملوث تھے، اس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ہمیں تاریخی روایات کا تجزیہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ طبری، ابن اثیر اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ حج سے واپس آنے کے بعد ایک دن بازار کا گشت کر رہے تھے، راستے میں ابولولوء ملا اور ان سے کہنے لگا ''امیر المومنین! مجھے مغیرہ بن شعبہؓ سے بچائیے، مجھ پر بہت زیادہ خراج ہے''۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: ''تم کتنا خراج ادا کرتے ہو؟'' بولا: ''دو درہم روزانہ''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اور کام کیا کرتے ہو؟'' کہنے لگا: ''نجاری، نقاشی اور آہن گری''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''تمہارے پیشوں کو دیکھتے ہوئے خراج زیادہ معلوم نہیں ہوتا!'' میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ ''اگر میں چاہوں تو پانی سے چلنے والی چکی بنا سکتا ہوں؟'' کہنے لگا، ہاں!

فرمایا: ''تو پھر مجھے ایک چکی بنا دو!'' بولا: ''اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا جس کا چرچا مشرق سے مغرب تک ہوگا!'' اور یہ کہہ کر چلا گیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اس غلام نے ابھی ابھی مجھے قتل کی دھمکی دی ہے!'' اس کے بعد حضرت عمرؓ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

۲۶ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ کو بدھ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سورج طلوع ہونے سے پہلے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے کاشانۂ خلافت سے نکلے۔ انہوں نے مسجد میں کچھ لوگ مقرر کر رکھے تھے، جو ہر نماز سے پہلے صفیں درست کیا کرتے تھے۔ جب صفیں درست ہو گئیں تو حضرت عمرؓ آئے اور دیکھا کہ پہلی صف کچھ آگے پیچھے ہے۔ اسے درّے سے ٹھیک کیا۔ لوگ اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھ گئے تو حضرت عمرؓ امامت کے لئے آگے بڑھے۔ اس وقت صبح کی سفیدی پوری طرح نمایاں نہ ہوئی تھی۔ ابھی حضرت عمرؓ نے نماز کی تکبیر شروع ہی کی تھی کہ ایک شخص اچانک ان کے سامنے آیا اور اپنے خنجر سے ان پر تین چار وار کیے جن میں ایک زیر ناف پڑا۔ حضرت عمرؓ نے دھار دار آلے کی گرمی محسوس کی، نمازیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ہاتھ پھیلا کر کہا: ''پکڑو اس کتے کو، اس نے مجھے قتل کیا ہے''

یہ کتا، جنابِ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام ابولولؤ فیروز مجوسی تھا۔ یہ ایران کا باشندہ تھا جو نہاوند کی جنگ میں پکڑا گیا اور اس کے بعد جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی غلامی میں آ گیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی نیت سے منہ اندھیرے مسجد میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنی چادر میں ایک خنجر چھپا رکھا تھا جس کا دستہ بیچ میں تھا اور دونوں طرف بڑی تیز دھاروں کے پھل تھے، وہ مسجد کے ایک گوشے میں چھپ گیا اور جب نماز شروع ہوئی تو وار کر دیا اور اس کے بعد اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا۔ نمازیوں میں ایک بے چینی سی پھیل گئی۔ بہت سے لوگ اس کتے کو پکڑنے اور سزا دینے کے لئے اس کی طرف دوڑے، لیکن فیروز نے ان کا ہاتھ اپنی کمر تک نہ پہنچنے دیا اور دائیں بائیں خنجر کے وار کرنے لگا۔ یہاں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تک کہ بارہ آدمی زخمی ہو گئے، جن میں ایک قول کے مطابق چھ اور دوسرے قول کے مطابق نو جان بر نہ ہو سکے۔ آخر ایک شخص اس کے پیچھے سے آیا اور اپنی چادر اس پر ڈال کر اسے زمین پر گرا دیا۔ فیروز کو یقین ہو گیا کہ وہ اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جس خنجر سے اس نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مجروح کیا تھا، اسی خنجر سے اپنا کام بھی تمام کر لیا۔ (ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قبیلۂ بنو تمیم کا ایک شخص اس کے تعاقب میں گیا اور اسے پکڑ کر قتل کر دیا)

جو وار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زیر ناف پڑا تھا، اس سے صفاق اور آنتیں کٹ گئی تھیں، اس لیے وہ مہلک ثابت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخم لگنے کے بعد کھڑے نہ ہو سکے بلکہ "وکان امر اللّٰہ قدرًا مقدورًا" پڑھتے ہوئے فرش پر گر پڑے اور اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیا۔ حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ نے قرآن کی دو مختصر ترین سورتوں ...... سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر ...... میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ لیکن ایک روایت یہ ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے گرد دوسرے مسلمانوں کو زخمی پڑے دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھے اور جب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر کاشانۂ خلافت میں لے جانے لگے تو اس منظر سے ان کے غم و اضطراب میں اور اضافہ ہو گیا۔ مجمع اسی بدحواسی و بے چینی میں تھا کہ کسی نے کہا "اللہ کے بندو! نماز تو پڑھ لو، سورج نکل آیا ہے۔" چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ امام بنائے گئے اور انہوں نے دو مختصر ترین سورتوں میں نماز پڑھائی۔

مشہور مصری مؤرخ محمد حسین ہیکل کے بقول "نماز سے فارغ ہو کر لوگ مسجد کے مختلف گوشوں اور بطحاء میں منتشر ہو گئے۔ ہر شخص کی زبان پر اسی المناک سانحے کا ذکر تھا، جو اُن کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا تھا۔ یہ خبر بجلی کی سی سرعت سے تمام مدینے میں پھیل گئی۔ سونے والے جاگ اُٹھے اور سب کے سب...... مرد، عورتیں اور بچے دوڑے کہ اس قیامت آفریں حادثے کی تفصیلات معلوم کریں، دوسرے زخمیوں کو ان کے گھروں میں پہنچایا گیا۔ ان میں سے کچھ جامِ شہادت نوش کر چکے تھے، کچھ مرنے والے تھے اور کچھ زخموں کی تکلیف سے کرّاہ رہے تھے۔ بڑے بڑے اہل الرائے دریافت حال کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ ان پر مسلسل غشی طاری رہی، یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی۔ جب دن نکلا تو عمر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا۔ انہوں نے ہماری صورتیں دیکھیں اور پوچھا: "لوگوں نے نماز پڑھ لی؟"

میں نے کہا: "ہاں"۔

بولے: "جس نے نماز چھوڑی وہ مسلمان نہیں ہے!"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کس نے اُن پر حملہ کیا ہے؟ کہا گیا کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے۔ فرمایا، الحمد للہ کہ میرا قاتل کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے کبھی ایک سجدہ بھی کیا ہو، اور قیامت میں مجھ سے اس سجدہ کا حوالہ دے کر بحث کرے، یہ عربوں کا کام نہیں۔

اس واقعہ کے چار یا پانچ روز بعد تک آپ رضی اللہ عنہ زندہ رہے، اُس دوران آپ رضی اللہ عنہ نے چھ اہل الرائے صحابہ کرام

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رضی اللہ عنہم پر جنہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کا شرف بھی حاصل تھا، (با قاعدہ) ایک کمیٹی تشکیل دی، اور مکمل طریقہ کار وضع کر کے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ وہ ان حضرات میں سے جسے چاہیں امیر المومنین منتخب کر لیں۔ اس کے علاوہ دیگر بھی کئی اہم امور نمٹائے اور یکم محرم ۲۴ھ کو اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی، آپؓ کو اپنی وصیت کے مطابق ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے روضۂ نبویؐ میں دفن کر دیا گیا۔

روضۂ نبوی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سرشانہ رسالت کے متوازی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سرشانہ صدیقی کے متوازی رکھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے میت کو قبر میں رکھا، ان کے ساتھ پانچ ارکانِ شوریٰ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، اور حضرت زبیر بن عوامؓ بھی قبر میں اُترے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ابھی تک مدینہ واپس نہ آئے تھے۔ چنانچہ نہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت پہنچ سکے نہ ان کی تدفین میں شریک ہوئے۔

ان حضرات نے میت کو قبر میں اتار کر قبر پاٹ دی۔ باقی لوگ بھی قریب ہی مسجد نبویﷺ میں جمع تھے۔

قتل امیر المومنین کی تفتیش و تحقیق

محمد حسین ہیکل کے بقول: ’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین سے فارغ ہو کر لوگ منتشر ہو گئے۔ وہ رستہ چل رہے تھے اور غم ان پر چھایا ہوا تھا، حزن و ملال ان کے دلوں کو برمار ہا تھا، ان میں سے اکثر اس دن کو یاد کرنے لگے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا تھا، اور ایک دوسرے سے وہ سبب پوچھنے لگے۔ ابولولؤ کو اس نفرت انگیز جرم پر اُبھارا تھا۔ اگر خراج اس کے پیشوں کو دیکھتے ہوئے ناقابلِ برداشت نہ تھا تو پھر اس نے ایسے جرم کا ارتکاب کیوں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس سے یہ کہہ دینا کہ جو خراج اس پر عائد کیا گیا ہے، زیادہ نہیں ہے، اس کو امیر المومنینؓ کے قتل جیسی مذموم جسارت پر اُبھارنے کے لئے کافی تھا؟ اگر یہ صحیح ہے تو بڑے تعجب کی بات ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ چاہتا تو بارگاہِ خلافت میں دوبارہ حاضر ہو سکتا تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے حقیقتِ حال عرض کر کے درخواست کر سکتا تھا کہ خراج کا بوجھ اس پر سے ہلکا کر دیا جائے۔ کہیں اس میں کوئی ایسا راز تو نہیں جس نے ابولولؤ کے دل کو اپنے پنجۂ اثر میں دبوچ رکھا ہو اور خراج کی شکایت محض فریب کا ایک پردہ ہو، جو حقیقت کو چھپانے کے لئے عام نگاہوں پر ڈال دیا گیا ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جب سے مسلمان، ایرانیوں اور عیسائیوں پر غالب آئے تھے، جب سے ان ملکوں کی زمامِ حکومت انہوں نے سنبھالی تھی اور شہنشاہِ ایران کو عبرت انجام فرار پر مجبور کیا تھا، اس وقت سے ایرانی، یہودی اور عیسائی اپنے دلوں میں عربوں کے خلاف عموماً اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف خصوصاً کینہ و بغض کے جذبات چھپائے بیٹھے تھے، اس وقت لوگوں نے اپنی گفتگوؤں میں اس کینہ و بغض کا ذکر بھی کیا تھا اور انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ بات بھی یاد آئی تھی جو انہوں نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ان پر حملہ کرنے والا ابولولؤ، ایک ایرانی ہے، کہی تھی۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عنہ نے فرمایا تھا:

"میں تم کو منع کرتا تھا کہ ہمارے پاس کسی بے دین کو گھسیٹ کر نہ لانا، لیکن تم نے میری بات نہ مانی!"

مدینہ میں ان عجمی بے دینوں کی...... گو مختصر سی ہی سہی...... ایک جماعت تھی، جن کے دل غضب وانتقام سے لبریز اور جن کے سینے کینہ وبغض کی آگ سے دہک رہے تھے، اور کون جانے! ہو سکتا ہے، ان لوگوں نے سازش کی ہو اور ابولؤلؤ کا یہ فعل اسی سازش کا نتیجہ ہو[1] جس کا جال ان دشمنانِ اسلام نے اپنے کینہ ودشمنی کی پیاس بجھانے کے لئے بنا تھا اور جس کے متعلق وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے مسلمانوں کے بازو کمزور کیے جا سکتے ہیں۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کو حقیقتِ حال سے باخبر ہونے کی سب سے زیادہ بے چینی تھی۔ وہ اس راز سے پردہ اٹھا کر اس کی تہہ تک پہنچ سکتے تھے، اگر فیروز خودکشی نہ کرتا لیکن اس نے خودکشی کر لی اور اس راز کو اپنے ساتھ قبر میں لے گیا، تو کیا بات ختم ہو گئی؟ اور اب اس راز کو پانے کی کوئی سبیل نہیں رہی؟

نہیں، بلکہ کارکنانِ قضا وقدر نے چاہا کہ عرب کا ایک سردار اس راز سے واقف ہو جائے اور اس سازش کی طرف رہنمائی کرے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب وہ چھری دیکھی جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا، تو فرمایا:

"میں نے یہ چھری کل ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا، "تم اس چھری سے کیا کرو گے؟" بولے، "گوشت کاٹیں گے کیونکہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے!" اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ کے پاس سے گزرا، جفینہ اور ہرمزان اس کے ساتھ تھے اور وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ میں دفعۃً ان کے پاس پہنچا تو وہ بھاگے اور ایک خنجر ان کے درمیان گر پڑا جس کے دو پھل تھے اور دستہ بیچ میں تھا، دیکھو! وہ خنجر کیسا ہے جس سے عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ہے؟"

لوگوں نے دیکھا تو واقعی وہی خنجر تھا جو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا۔ پھر تو اس معاملے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ یہ دونوں کے دونوں سچے گواہ ہیں، بلکہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قابل اعتبار ہیں اور گواہی دے رہے ہیں کہ جس چھری سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا وہ ہرمزان اور جفینہ کے پاس تھی، ان میں سے ایک گواہ کا کہنا ہے کہ اس نے قاتل ابولؤلؤ کو قتل سے پہلے ان دونوں سے سازش کرتے دیکھا ہے اور ان دونوں گواہوں کے بیان کے مطابق یہ سب کچھ اس رات کا قصہ ہے جس کی صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص اس میں شبہ کر سکتا ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ اس سازش کا شکار ہوئے جس کے اہم کردار تو یہی تین آدمی تھے، لیکن یہ بھی ہو سکتا

1۔ محمد حسین ہیکل نے اس حقیقت کو اپنے "خیال" کے طور پر ظاہر کیا ہے۔ لیکن آئندہ سطور میں یہ حقیقت از خود الم نشرح ہو جائے گی کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قتل دین دشمنوں کی سازش ہی کا نتیجہ تھا۔

2۔ سیرت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، از محمد حسین ہیکل اردو ترجمہ مطبوعہ علم و عرفان پبلشرز لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے کہ دوسرے ایرانی یا ان قوموں کے افراد بھی اس میں شامل ہوں جن پر مسلمانوں نے غلبہ پایا تھا۔

حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کہانی اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی شہادت سنی تو ساری کائناتِ ہستی ان کی نگاہوں میں خون ہی خون ہوگئی۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مدینے میں آئے ہوئے ایرانی، یہودی اور عیسائی غلام اس سازش میں شریک ہیں اور ان سب کے ہاتھوں سے جرم کا خون ٹپک رہا ہے۔ انہوں نے فوراً تلوار سنبھالی اور سب سے پہلے ہرمزان و جفینہ کا کام تمام کیا۔ روایت ہے کہ انہوں نے ہرمزان کو آواز دی اور جب وہ باہر نکل کر آیا تو اس سے کہا: ''ذرا ساتھ آؤ، اور میرے گھوڑے کو دیکھ لو!'' اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ جب وہ ان کے سامنے سے گزرا تو تلوار کا ایک ہاتھ اس پر مارا، وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔

روایت ہے کہ حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''پھر میں نے جفینہ کو بلایا، وہ حیرہ کا ایک عیسائی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اس رشتے سے سعدؓ اسے مدینہ لے آئے تھے، جہاں وہ لوگوں کو پڑھایا لکھایا کرتا تھا۔ جب میں نے اسے تلوار ماری تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان صلیب کا اشارہ کیا۔''

حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے ہرمزان اور جفینہ کے قتل پر ہی بس نہیں کی بلکہ آگے بڑھے اور ابولولؤ کی چھوٹی لڑکی کو بھی قتل کر دیا، وہ اپنے دل میں ٹھان چکے تھے کہ مدینے میں جتنے غلام ہیں، ان سب کو قتل کر دیں گے۔ مدینے کے لوگوں نے جو یہ سنا تو دوڑے دوڑے ان کے پاس پہنچے۔ مہاجرین اولینؓ نے ان کے گرد جمع ہو کر انہیں منع کیا اور ڈرایا، دھمکایا لیکن وہ ہیجان کے عالم میں تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہہ دیا ''خدا کی قسم! میں ان کو اور دوسروں کو ضرور قتل کروں گا!'' اور بعض مہاجرینؓ پر تعریض کی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ انہیں ملے، باتیں کرنے لگے، کبھی سختی سے اور کبھی نرمی سے اور اس وقت تک ان کا ساتھ نہ چھوڑا جب تک انہوں نے اپنی تلوار ان کے حوالے نہ کر دی۔ اس کے بعد انہیں قید خانے میں ڈال دیا گیا، اور ان کا فیصلہ آئندہ امیر المومنین کے انتخاب اور بیعت تک موقوف کر دیا گیا۔

بیعت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھے اور حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قید خانے سے بلایا تاکہ ہرمزان، جفینہ اور ابولولؤ کی بیٹی کے قتل کے بارے میں فیصلہ کریں، جنہیں حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس یقین کے تحت تلوار کے گھاٹ اتار دیا تھا کہ ان لوگوں کی سازش نے ان کے والد کی جان لی ہے۔ جب حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے مہاجرینؓ و انصارؓ کی ایک جماعت سے مخاطب ہو کر پوچھا:

''مجھے اس شخص کے بارے میں رائے دو جس نے اسلام میں رخنہ ڈالا ہے!''

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا: ''اسے چھوڑنا انصاف سے بعید ہے، میری رائے میں اس کو قتل کرا دینا چاہئے''۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لیکن بعض مہاجرین ؓ نے اس رائے کو ناقابلِ برداشت سختی پر محمول کیا اور کہا: ''کل عمر ؓ قتل کیے گئے، اور آج ان کا بیٹا قتل کر دیا جائے؟''

اس اعتراض نے حاضرین کو مغموم کر دیا اور حضرت علی ؓ بھی خاموش رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے حاضرین پر نگاہ دوڑائی، اس لیے کہ اگر وہ حضرت علی ؓ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے حضرت عبید اللہ ؓ کے قتل کا حکم دے دیتے تو آلِ عمر ؓ کے دل پر ایسے زخم لگتے جو کبھی مندمل نہ ہوتے اور اس سے ایسی شورشیں وجود میں آتیں جن کے نتائج اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مزاج میں نرمی تھی جو اس قسم کی سنگدلی سے انہیں دور رکھتی تھی، اس لیے انہوں نے چاہا کہ حاضرین میں سے کوئی شخص اس نازک صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی راہ نکالے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے کہا:

> ''اللہ نے آپ کو اس سے معاف رکھا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ مسلمانوں کے امیر نہیں تھے اور چونکہ یہ واقعہ آپ کے عہد خلافت میں نہیں ہوا، اس لئے آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عاص ؓ کے اس قول میں منطق پائی۔ اس لئے ان کی رائے سے مطمئن نہیں ہوئے اور بہتر یہی سمجھا کہ خوں بہا ادا کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا: ''میں ان مقتولین کا ولی ہوں، اس لئے خون بہا مقرر کر کے اپنے مال سے ادا کروں گا''۔ 1

فرض کیجئے کہ اگر حضرت عبید اللہ بن عمر ؓ اپنے اس یقین میں کہ ہرمزان و جفینہ نے ان کے والد محترم کے خلاف ابولؤلؤ سے سازش کی ہے، راہِ صواب سے ہٹ گئے تھے پھر بھی ان کے پاس شبہے کا عذر تھا۔ اور بہت ممکن تھا اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پوری دقتِ نظر کے ساتھ تحقیق و تفتیش فرماتے تو سازش کے سارے تار و پود بکھر جاتے اور ایک ایسا ثبوت فراہم ہو جاتا جس کے بعد اس مسئلے میں کسی قسم کے شبہے کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کی شہادتوں کو اگر ہرمزان اور جفینہ کے خلاف مکمل ثبوت نہ بھی مانا جائے تو بھی وہ حضرت عبید اللہ بن عمر ؓ کو اس اقدام پر مجبور کرنے کے لئے کافی تھیں، اور ان سے ثابت ہوتا تھا کہ جس خنجر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا وہ سرگوشی کرتے وقت سازش کرنے والوں کے ہاتھ میں تھا۔

شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ کر اس معاملے کی تفتیش کرنی مناسب نہ سمجھی کہ اس سے ایرانیوں کے جذبات بھڑک اٹھیں گے اور ان کے اور عربوں کے درمیان کینہ و دشمنی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے مقتولوں کا خوں بہا اپنی جیب سے ادا کر دیا، اور ساتھ ہی زیاد بن لبید البیاضی کو یہ حکم بھی دے دیا کہ وہ حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر تعریض نہ کرے۔ اس طرح وہ فتنہ سو گیا جس کا بیدار ہونا کوئی اچھی بات نہ تھی اور مسلمان سلطنت کے مختلف گوشوں

1۔ سیرت حضرت عمر فاروق ؓ (واقعاتِ شہادت)، از محمد حسین ہیکل

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں واپس ہو کر پھر وہی زندگی بسر کرنے لگے، جو وہ حضرت عمرؓ کی وفات سے قبل بسر کرتے تھے۔

اور قسم بہ حق کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی شہادتیں حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی ہمشیرہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اس یقین کو جائز ثابت کرتی ہیں کہ ان عجمیوں نے ان کے محترم والد کے خلاف سازش کی تھی اور فیروز و ہرمزان کی طرف سے، ان کی اس سازش کے لئے یہ عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے ان کا ملک فتح اور ان کے شہنشاہ کو ایک ایسے فرار پر مجبور کیا تھا جس کا انجام نہایت ذلیل اور بدترین صورت میں ظاہر ہوا۔ اپنے وطن کی اس ذلت و شکست پر ان کے دل بھڑکے تو انہوں نے ازراہِ انتقام جوئی سازش کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی اس سازش کا شکار ہوگئے۔ جس میں تعجب کی کوئی بات نہیں بلکہ حیرت تو ان لوگوں پر ہونی چاہئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ فیروز نے حضرت عمرؓ کو اس لئے شہید کیا کہ امیر المومنینؓ نے خراج میں کمی نہ کر کے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا، حالانکہ خراج کی زیادتی کی دوبارہ شکایت لے کر آنا اس کے لئے کوئی دشوار بات نہ تھی۔[1]

ابولؤلؤ فیروز سے اہلِ ایران کی محبت

گذشتہ سطور میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ امیر المومنینؓ کے ملعون قاتل ابولؤلؤ فیروز مجوسی نے موقعِ واردات پر اپنا خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لی تھی، جبکہ ایک روایت کے مطابق بنو تمیم کے کسی نامعلوم شخص نے اسے قتل کیا تھا۔ معاملہ کچھ بھی ہو لیکن یہ بہر حال طے ہے کہ ابولؤلؤ فیروز اصلاً ایرانی اور مذہباً مجوسی تھا۔ جس کے متعلق سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے کہا تھا کہ الحمدللہ میرا قاتل کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے کبھی ایک سجدہ بھی کیا ہو اور قیامت کے دن مجھ سے اس سجدے کا حوالہ دے کر بحث کرے...... الخ

نیز اس ملعون نے خودکشی کی ہو یا سازش میں شریک کسی شخص نے سازش کے بے نقاب ہوجانے کے خوف سے اسے قتل کرادیا ہو۔ تاہم اس کی نعش مدینہ سے ایران ہرگز منتقل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ ابولؤلؤ فیروز کو بابا شجاع الدین کا لقب دے کر ایران میں اس کی قبر بنائی، اس قبر کی شبیہ کیلنڈر کی صورت میں مکانات و دکانات میں آویزاں کی گئی۔ پھر ہر سال ان ایام میں اس کا عرس منایا جاتا ہے۔ جس میں اسے خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔

چنانچہ شیعہ مجتہد قاضی نوراللہ شوستری لکھتے ہیں:

"کاشان کے عوام اور اوباش ذوالحجہ کی چھبیس تاریخ کو جو عمر کے قتل کی تاریخ ہے، اس میں آٹے کا ایک مجسمہ تیار کرتے ہیں اور اس کے پیٹ کو سرخ دوشاب اور شیرہ سے پُر کرتے ہیں، اور اس مجسمے کا نام عمر رکھتے ہیں۔ پھر اس مجسمے کو ہلاتے ہیں اور اٹھا کر وجد و رقص کرتے ہیں اور اسی دوران ڈھول طبلے اور دیگر آلاتِ لہو استعمال کئے جاتے ہیں اور عمر پر حد سے زیادہ سب و شتم اور لعن طعن کرتے ہیں اور ساتھ ہی فریاد و زاری اور آہ و بکا کرتے ہیں اور صبح سے شام تک تمام دن

1۔ ایضاً سیرت حضرت عمر فاروقؓ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اسی حال میں گزارتے ہیں، جب رات کی تاریکی چھانے لگتی ہے اور گھروں کی طرف واپسی کا ارادہ کرتے ہیں اور بابائے مذکور یعنی ابولولؤ فیروز مجوسی کی قبر سے رخصت ہونے لگتے ہیں تو ان میں سے بعض اراذل اور اوباش چھری یا خنجر لے کر اس مجسمہ کے پیٹ میں گھونپ دیتے ہیں تا آنکہ وہ سرخ دوشاب اور شیرہ اس مجسمہ کے پیٹ میں سے باہر نکلنے لگتا ہے پھر وہ اس کو عمر کا خون سمجھ کر پیتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہم ان کے خون کے پیاسے ہیں۔"[1]

اہلِ ایران کا قومی تعصب

پھر ابولولؤ فیروز مجوسی سے محبت اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے نفرت وعداوت چودہ صدیوں کا سفر طے کرنے کے باوجود بھی کم نہیں ہو سکی۔ مذہبی مجالس میں تبراء کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ ظالم وغاصبِ خلافت قرار دیا جاتا ہے۔اس موقع پر ہمیں ایک غیر جانبدار تحقیقی نگاہ سے دیکھنا چاہئے کہ آیا ایرانی صرف حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ہی ایک غاصب اور جابر حکمران کہتے ہیں یا ایرانیوں کا یہ پرانا دستور ہے کہ جس غیر ملکی شخصیت نے بھی ایران پر قبضہ کیا ایرانیوں نے اس سے یہی سلوک کیا؟ اس کی ایک مثال ہمیں اسکندر رُومی کے قبضۂ ایران سے ملتی ہے، اسکندر نے ایران کے ھخامنشی خاندان کا خاتمہ کر کے وہاں ایک غیر ملکی حکومت قائم کی تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ خالص زرتشتی روایات میں اسے "مردود سکندر رومی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[2]

اور بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان کے ایماء سے اُس نے ایران کو ویران بنایا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس ملعون نے اصطخر اور اہلِ ایران کے سرمایۂ ایران یعنی زرتشت نامہ کو جو بارہ ہزار بیلوں کی دباغت شدہ کھالوں پر آبِ زر سے لکھا ہوا اصطخر پاپکان کے دفتروں میں محفوظ تھا اُس نے جلا کر خاکستر بنا دیا تھا...... پھر آخر کار اسے جہنمی قرار دیا جاتا ہے اور ناری بتایا جاتا ہے۔[3]

اس کے مقابل میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف کیے جانے والے پراپیگنڈے پر بھی توجہ کیجئے کہ کس طرح ان کے خلاف بغض وعناد پھیلایا جاتا ہے، اسکندرِ اعظم کے خلاف بھی ان کے بنیادی اعتراض دو ہی تھے، اوّل غصبِ حکومت اور دوسرا آسمانی کتاب کی تحریف و بربادی...... حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی بنیادی اعتراض یہی قرار پائے کہ انہوں نے معاذ اللہ خلافت بھی غصب کی اور اللہ کی کتاب کو بھی اس کی اصلی رسولی شان پر نہ رہنے

1۔ مجالس المومنین صفحہ ۸۷ جلد ا
یہ کام صرف کاشان کے عوام اور اوباش ہی نہیں کرتے بلکہ اب تو دنیا بھر کے شیعہ بھی ابولولؤ فیروز مجوسی کو اپنا "بابا" قرار دیتے ہوئے ہر سال اس کے عرس کی تقریبات مناتے ہیں، اگر اہلِ تشیع کی نگاہ میں یہ کام بُرا اور غلط تھا تو شیعہ علماء اور حکام نے انہیں اس سے منع کیوں نہیں کیا؟ اس فرضی قبر کو منہدم کیوں نہیں کیا؟ اس عرس پر پابندی کیوں نہیں لگائی؟ اور اس فعلِ شنیع کے مرتکب افراد کو سزا کیوں نہیں دی گئی؟......

2۔ دیکھئے پہلوی اردہ وراف نامگ ص ۱۴ اور ص ۱۴۱ وغیرہ

3۔ تفصیل کیلئے دیکھئے "کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی" ص ۹۱ مطبوعہ مصر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دیا۔ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

''عمرؓ نے اس قرآن کو (جسے حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا) قبول نہ کیا، پس جناب امیر علیہ السلام خشمناک ہو کر اپنے حجرۂ طاہرہ کی جانب تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اب اس قرآن کو تم لوگ تاظہور قائم آلِ محمد نہ دیکھو گے۔'' 1

اصولِ کافی میں یہ الفاظ ہیں:

فقال اما واللّٰہ لاترونہ بعدیو مکم ھذا ابدًا انما کان علی ان اخبر کم حین جمعتہ۔ 2

حضرت فاروقِ اعظمؓ پر یہ الزام کہ انہوں نے اہلِ اسلام کے سرمایۂ ایمان کو ضائع کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ سارے الزامات اور ساری بہتان تراشیاں وہی نہیں ہیں، جو یہ قوم پہلے اسکندرِ اعظم کے ذمہ لگا چکی تھی۔ ان لوگوں نے پہلے غیر ملکی فاتح ایران حضرت فاروقِ اعظمؓ کے بارے میں اختیار کیا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ سارا زور و شور اس لیے نہیں کہ واقعی وہ غاصب خلافت تھے بلکہ یہ سارا پروپیگنڈہ صرف اس لیے ہے کہ ایک قوم پرست ایرانی اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ ایران پر غیر ایرانیوں کو کوئی سیاسی تفوق حاصل ہو۔

اہلِ ایران کا تاریخ کو مسخ کرنا

قومی افتخار کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے تاریخ میں جھوٹ ملانا ایرانیوں کے نزدیک ایک قومی خدمت ہے۔ فردوسی جس نے اپنے شاہ نامہ میں سلاطینِ ایران کی قومی تاریخ نظم کی ہے، جب اسکندر رومی کو ایران پر قابض دیکھتا ہے تو اُس کی قومی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور وہ تاریخ میں یوں جھوٹ ملاتا ہے کہ فیلقوس مقدونوی کی بیٹی دارائے اوّل شہنشاہِ ایران کے عقد میں تھی جسے بعد میں اُس نے طلاق دے کر واپس بھیج دیا تھا، روم میں اسی کے بطن سے اسکندر پیدا ہوا جو دراصل ایرانی تھا اور اسی نے اپنے چھوٹے بھائی سے سلطنت چھین کر ایران پر قبضہ کیا۔

اس کے متعلق براؤن لکھتا ہے:

''بہرکیف اہلِ ایران نے واقعات گھڑ کر سکندر پر اس طرح قبضہ کر لیا۔'' 3

قومی وقار کو بحال رکھنے کیلئے تاریخ کو مسخ کرنے کی ایک اور بیّن مثال

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں:

''شاہ عباس کبیر شاہنشاہِ ایران نے ۱۲۹۹ء میں اپنا ایک وفد یورپ بھیجا تھا، اور اسے دولِ روس، پولینڈ، جرمنی،

1۔ جلاء العیون اُردو مطبع جعفری لکھنؤ ص ۱۵۰

2۔ اصول کافی ص ۶۷۱، لکھنؤ جلد ۶ ص ۷۳ مع الشرح

3۔ تفصیل کے لئے دیکھو ترجمہ تاریخ ادبیات ایران از سید سجاد حسین ایم۔اے۔ جلد ا ص ۲۰۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فرانس، ہسپانیہ، انگلستان اور سکاٹ لینڈ وغیرہ کے نام تعارف نامے دیئے۔ اس وفد کے تین ارکان نے ہسپانیہ پہنچ کر عیسائی (رومن کیتھولک) مذہب اختیار کر لیا، جن کے نام ڈان فلپ، ڈان ڈی گو اور ڈان جان ایرانی رکھے گئے۔ اب دیکھئے کہ مشہور ایرانی مؤرخ رضا قلی خان جس نے تاریخ ''روضۃ الصفا'' کا ضمیمہ لکھا ہے، قومی افتخار کے زخموں کو مندمل کرنے کے لئے اس ضمیمہ میں واقعات یوں گھڑتا ہے:

''وہاں کے کئی لوگ اسلام قبول کرنے اور ایران آنے کے لیے تیار تھے، لیکن سفیرِ ایران نے ان کے ساتھ اتنی بدسلوکی کی کہ وہ اپنے ارادے سے تائب ہو کر پھر عیسائی ہو گئے اور اپنے ملک میں ہی رہ گئے۔''

انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن اس مقام پر ایرانیوں کی تصنیف کردہ تاریخوں کے متعلق اصولی نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس طرح دیدہ دانستہ تاریخ کو مسخ کرنے کی جو وجہ میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ رضا قلی خان کو یہ گوارا نہ ہو سکتا تھا کہ کسی ایرانی مسلمان کا عیسائی ہونا دکھایا جائے۔ بہر حال اس قصہ کے بیان کرنے سے میرا مطلب صرف یہ دکھانا ہے کہ بعد کی ایرانی تاریخوں کو بڑی احتیاط سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے اور جہاں تک ہو سکے ان کے ہر بیان کو اسی زمانے کے دوسرے وقائع سے تصدیق کر لینا چاہیے۔'' [1]

ایرانیوں کا مخصوص مزاج

یہی انگریز مؤرخ جو خود بھی ایران رہا ہے، ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

''ایرانی لوگ یوں بھی اور بالخصوص اپنے معاصروں کے معاملے میں ذاتی، سیاسی، حتیٰ کہ مذہبی تعصبات اور رجحانات کی رَو میں بہہ جانے پر مائل ہو جاتے ہیں۔'' [2]

ایسی غلط بیانیوں کو اصولاً جائز بلکہ واجب قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانیوں میں تلون مزاجی بڑھتی گئی۔ اور بیشتر یہ لوگ سکون اور یقین کی دولت سے محروم ہوتے گئے، آئے دن نیا مذہب اٹھنے لگا اور ذہنی قطعیت یکسر ختم ہونے لگی۔ ایڈورڈ براؤن لکھتا ہے:

''ایران میں خاصی کثرت سے آپ کو ایسے اشخاص ملیں گے جو یومِ واحد کے عرصے میں اپنے قول و فعل میں یکے بعد دیگرے مقدس مسلمان، رند، غافل، پرلے درجے کے دہریئے، صوفی وجودی حتیٰ کہ خدا کا اوتار بننے والے آپ کے سامنے آئیں گے۔'' [3]

اس غیر جانبدار انگریز محقق کا فیصلہ یہ ہے کہ:

1۔ تاریخ ادبیاتِ ایران از سید وہاج الدین کشوری جلد ۴ ص ۱۱ مطبوعہ دہلی

2۔ ابراؤن جلد ۳ ص ۱۷۳   3۔ براؤن جلد ۳ ص ۴۲۴

4۔ ایضاً جلد ۱ ص ۲۲۸ مطبوعہ دکن

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''ایرانیوں نے مذہب میں جتنے بدعتی فرقے پیدا کیے غالباً دنیا کی کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔''[4]

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے اسباب میں ہمارے نزدیک پہلا اور بنیادی سبب وہی ہے جو ایک غیر جانبدار تنقیدی نگاہ کا فیصلہ ہے۔ یہ فاضل روزگار ایڈورڈ براؤن کی رائے ہے:

''راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ سے جو اہلِ عجم متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ غارت گرِ عجم تھے، اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا، لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے۔''[1]

پھر اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمرؓ سے جو عداوت ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حقوق کو غصب کیا، بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کیا''۔

مرزا حسین دانش ؔ نے اپنے ایک مکتوب میں ایرانی شاعر رضائے کردکے یہ دو شعر نقل کیے ہیں:

بشکست عمر پشت ہژبران اجم را
برباد فنا داد رگ و ریشۂ جم را
ایں عربدہ بر غصبِ خلافت زِ علی نیست
با آلِ عمر کینہ قدیم است عجم را

ترجمہ: ''عمر فاروق ؓ نے جنگل کے شیروں یعنی ایرانیوں کی پشت توڑ دی، اور جمشید (مورثِ اعلیٰ شاہانِ ایران) کے خاندان کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ (ایرانیوں) کا یہ سارا جھگڑا اس لیے نہیں کہ عمرؓ نے حضرت علیؓ سے خلافت چھین لی تھی بلکہ (یہ تو اس لیے ہے کہ) اہلِ عجم کی ساری آلِ عمرؓ سے پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔''[2]

1۔ ایضاً جلد ا ص ۲۱۷ مطبوعہ دکن

2۔ تاریخ ادبیاتِ ایران در عہدِ جدید۔ ج ۴ ص ۴۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دوسرا باب:

عبداللہ بن سبا کی تحریک

اور

سیدنا عثمان غنیؓ کا قتل

سیدنا عثمان ذوالنورین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد، ایک عظیم صحابیٔ رسول اور تیسرے خلیفۂ راشد تھے۔ جن کا دورِ خلافت ۲۴ھ کے آغاز ہی سے شروع ہو کر ۳۵ھ کے آخر تک محیط ہے۔ خلفائے راشدین میں سے انہوں نے سب سے زیادہ عرصہ حکومت کی اور انہوں نے اپنی اقتصادی اور معاشی پالیسیوں اور عسکری نظام کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ کو وہ قوت و ہمت بخشی کہ مسلمانوں کی فتوحات نے زمین کی طنابیں کھینچ لیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ساسانی اور بازنطینی حکومتوں پر مسلمانوں نے لشکر کشی کی تھی۔ اوران دونوں سلطنتوں کا کچھ کچھ حصہ فتح ہوا تھا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قریباً قریباً ان دونوں سلطنتوں کا سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگین ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا سچا ہونا لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جس میں آپ نے فرمایا تھا:

هلك كسرى ولا كسرى بعده وهلك قيصر ولا قيصر بعده۔

''کسریٰ ہلاک ہو گیا اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں، قیصر ہلاک ہو گیا اور اب اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔''

گویا کہ قیصریت اور کسرویت کا دنیا سے خاتمہ ہو گیا۔ یہ کسریٰ وہ تھا جس نے ۶۱۳ء میں دمشق اور ۶۱۴ء میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے نوّے ہزار (۹۰۰۰۰) انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ مقدس کلیساؤں کو منہدم کر دیا تھا اور کبر و نخوت اور تکبر و غرور کی وجہ سے وہ بجائے زمین پر چلنے کے آسمان پر اڑنے لگا تھا۔ اس کے اس تکبر کا اندازہ اس کے اس خط سے بھی ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے بازنطینی سلطنت کے سربراہ ہرقل کو لکھا تھا کہ:

''سب خداؤں سے بڑا خدا، سب معبودوں سے بڑا معبود اور تمام کرۂ ارض کا مالک و حاکم خسرو کی طرف

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے اس کے کمینہ، ذلیل اور بے عقل بندے ہرقل کے نام"

"تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر اعتماد اور بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے غارت گرانہ ہاتھ سے بچالیا۔"

اس مغرور و متکبر کسریٰ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مجاہدینِ اسلام نے قادسیہ کے میدان میں شکستِ فاش دی۔ ۱۶ھ میں مسلمان فاتحانہ طور پر اس کے پایہ تخت مدائن میں داخل ہو گئے اور کسریٰ ایران ایک ٹوکری کے ذریعہ مدائن کے قصر ابیض سے نیچے اتر کر فرار ہو گیا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

فسماه النبط برزبيلا . . . (فتوح البلدان: ص ۲۷۱)

"اور نبطیوں نے اس کا نام برزبیل (ٹوکری کا بیٹا) رکھ دیا"۔

مدائن سے بھاگ کر وہ حلوان پہنچا اور پھر کئی سال تک وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہی رہا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسی بھاگ دوڑ میں وہ اتنا بے حال ہو گیا کہ ایک روز وہ ۱۴ میل کا پیدل سفر کر کے ایک آسیابان (چکی والے) کے گھر میں جان بچانے کے لئے داخل ہوا۔ درماندگی اور بھوک پیاس کی شدت نے اس کے تمام جسمانی قویٰ کو مضمحل کر دیا ہوا تھا۔ اس کی شکل و صورت دیکھ کر وہ آسیابان سمجھا کہ کوئی کھاتا پیتا شخص ہے، لیکن مصائب کے تھپیڑوں نے اسے خستہ حال بنا دیا ہے۔ اس نے اس کی عزت و تکریم کی۔ کھانا کھلایا اور سونے کے لیے بستر دیا۔ کسریٰ ایران ایک روز وہاں ٹھہرا، جب جانے لگا تو اپنا زریں کمر بند جس میں قیمتی جواہرات لگے ہوئے تھے، حقِ خدمت کے طور پر آسیابان کو دیا۔ اس نے وہ کمر بند لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ مجھے حقِ خدمت کے طور پر صرف چار درہم دے دیں۔ لیکن کسریٰ ایران جس کے پاس چند سال قبل کھربوں دینار تھے، کہنے لگا:

لا ورق معه . . .

"اس کے پاس کوئی نقدی نہیں"۔

اس اثناء میں ایک شخص نے کسریٰ کو اس آسیابان کے گھر میں دیکھ لیا۔ کسریٰ نے اس خیال سے کہ یہ شخص کہیں میرا تعاقب کرنے والوں کو اطلاع نہ دیدے، اسے اپنی انگوٹھی، کمر بند اور کنگن دیا، لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے یہ چیزیں لینے سے انکار کر دیا کہ مجھے صرف چار درہم چاہئیں۔ کسریٰ نے کہا کہ میں جو انگوٹھی تمہیں دے رہا ہوں اس کی قیمت کا کوئی حدو شمار نہیں۔ لیکن اس نے چار درہم پر اصرار کیا۔ کسریٰ نے کہا کہ مجھے نجومیوں نے بتایا تھا کہ میں کبھی چار درہم کا محتاج ہوں گا اور میں اضطرار کی اس حالت کو پہنچ جاؤں گا کہ میری خوراک بلی کی خوراک ہو گی۔ چنانچہ میں نے اپنی اس حالت کو دیکھ لیا کہ آج میرے پاس تمہیں دینے کے لئے چار درہم بھی نہیں۔ (طبری ج ۳ ص ۳۴۶۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۶۱)

بعض روایات میں ہے کہ اس چکی والے نے اپنے کلہاڑے سے کسریٰ کا سر کاٹ کر اس کے ناپاک جسم کو دریا میں پھینک دیا اور اس کا پیٹ چاک کر کے دریا میں اُگے ہوئے ایک درخت کی جڑیں اس کے پیٹ میں بھر دیں تاکہ اس کی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لاش پانی میں ڈوبی رہے اور اوپر نہ آئے۔ (طبری ج ۳ ص ۳۴۸)

کسریٰ ایران کو اس ذلت کا منہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کے جرنیلوں کی وجہ سے دیکھنا پڑا، کسریٰ کی اس ذلت کے علاوہ ان کے ہزار ہا سال پرانے آتش کدے سرد ہو گئے جس سے ایرانیوں کی آتشِ انتقام بھڑک اٹھی اور ان کے ایک ایک فرد کے سینہ میں غضب وانتقام کا لاوا اُبلنے لگا۔ انہوں نے سیدنا عثمان کے خلاف بالخصوص اور تمام بنواُمیہ کے خلاف بالعموم الزام تراشیاں شروع کر دیں۔

مسئلہ بداء، عقیدۂ رجعت آئمہ کرام کے علم غیب کا مسئلہ اور تحریف قرآن کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں جو احادیث نبویہ وارد ہوئی تھیں ان کے علاوہ اور بہت سی موضوعات مکذوبات نے اسی دور میں جنم لیا اور شیعیت کی بنیاد اسی دور میں رکھی گئی۔

اکثر مورخین شیعیت کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا کو قرار دیتے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں علاقہ صنعاء سے ایک یہودی عبداللہ بن سبا (جسے اس کی ماں کی طرف منسوب کر کے ابن سوداء بھی کہتے ہیں) منافقت سے مسلمان ہو گیا۔ اس نے مسلمانوں میں ضلالت وفساد پھیلانے کی خاطر مختلف بلادِ اسلامیہ میں گشت کرنے شروع کیے، پہلے حجاز میں آیا لیکن اس کی پاک زمین نے اس کے تخمِ فساد کو قبول نہ کیا تو بصرہ میں چلا گیا، وہاں بھی مقصود حاصل نہ ہوا تو شام (دمشق) میں آ گیا۔ یہاں سے بھی نکالا گیا، تو سیدھا مصر کا راستہ لیا۔ یہاں کی زمین نے اس کے تخم فساد کو قبول کر لیا۔

ابن سباء نے موقع غنیمت جان کر اور زمینِ مصر کو قابل دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمال پر طعن، تشنیع اور اعتراض کر کے آپ کے برخلاف ایجی ٹیشن (تحریک بغاوت) پھیلا دی اور یہ جادو چل نہیں سکتا تھا۔ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کسی مقدس ہستی کو قوم کے سامنے پیش نہ کیا جاتا، تا کہ انقلاب کے لئے تخریب وتعمیر ہر دو پہلو درست رہیں۔ لہٰذا اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری میں (بغیر اس کے کہ حضرت علیؓ اس کو اپنا وکیل مقرر کر کے یہ ڈیوٹی اس کے سپرد کریں) مسائل اختراع کرنے شروع کر دیئے۔ جس سے اس کے اثر میں بہت سے لوگ آ گئے اور دن بدن زیادہ ہوتے گئے، حتیٰ کہ فساد کی آگ عام ہو گئی اور مسلمانوں میں ایک فتنہ عظیم برپا ہو گیا۔

مشہور مؤرخ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

کان عبداللہ بن سبا یھودیًا من اھل صنعاء امۃ سوداء فاسلم زمان عثمان رضی اللہ عنہ ثم تنقل فی بلدان المسلمین یحاول ضلالتھم فبدء بارض الحجاز ثم الکوفۃ ثم الشام فلم یقدر ما یرید عند احدٍ من اھل الشام فاخرجوہ حتّی اتی مصر فاعتمر فیھم فقال لھم فیما یقول العجب ممّن یزعم ان عیسٰی یرجع ویکذب بانّ محمدًا: یرجع وقد قال اللہ عزّوجل انّ الّذی فرض علیک القراٰن لرادّک الٰی معادٍ فمحمّد احقّ بالرّجوع من عیسٰی قال فقبل ذالک عنہ ووضع لھم الرجعۃ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فتکلّموا فیھا ثم قال لھم بعد ذالک ان عثمان اخذھا بغیر حقّ وھذا وصی رسول اللّٰہ فانھضوا فی ھذا الامر فحرّکوہ وابدوا بالطّعن علی امرائکم واظھروا الامر بالعروف والنھی عن المنکر تستمیلوا الناس وادعوھم الٰی ھذا الامر فبعث دعاتہ وکاتب من کان استفسد فی الامصار وکاتبوہ ودعوا فی السّر الی ماعلیہ دائیھم واظھروا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر وجعلوا یکتبون الی الامصار بکتب یصنعونھا فی عیوب ولاتھم ویکاتب اخوانھم بمثل ذالک ویکتب اھل مصر منھم الٰی مصر اخر بما یصنعون فیقرءہ اولٰئک فی امصارھم وھٰؤلاء فی امصارھم حتیٰ تنالوا بذالک المدینۃ واوسعوا الارض ادعۃ وھم یریدون غیر مایظھرون ویسرون غیر ما یبدون فیقول اھل کلّ مصر انّالفی عافیۃ ممّا ابتلٰی بہ ھٰؤلاءِ الا اھل المدینۃ فانّھم جاءھم ذالک عن جمیع الامصار فقالوا انّالفی عافیۃ ممّا فیہ الناس۔" (تاریخ طبری جلد پنجم ص ۹۸،۔واقعات ۳۵ھ مطبوعہ مصر)

تاریخ طبری کی مذکورہ عبارت سمیت دیگر کتبِ تاریخ سے ابن سبا کے متعلق جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا☆ ایک یہودی آدمی تھا۔ اس کی ماں کا نام سوداء تھا، عہدِ عثمانی میں (بظاہر) اسلام لایا اور کتبِ سابقہ و مصاحفِ گزشتہ سے خوب واقف تھا۔ جب مسلمان ہوا تو حضرت عثمان ﷛ کی خلافت اس کو اچھی نہ لگی چنانچہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ محافل میں بیٹھتا اور حضرت عثمان ﷛ کے متعلق جتنا کچھ قبیح افعال کا ذکر کر سکتا کرتا رہتا تھا۔ عثمان (رضی اللہ عنہ) کو یہ خبر ملی تو حیران ہوئے اور کہا الٰہی یہ یہودی کون ہے؟ چنانچہ حکم دیا کہ اسے مدینہ شریف سے نکال دیا جائے۔ عبداللہ بن سبا مصر آ پہنچا چونکہ عالم و دانا آدمی تھا اس لیے لوگ اس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے اور اس کی باتیں قبول کرنے لگے، تب اس نے مرحلہ وار لوگوں کے عقائد پر نقب زنی شروع کی، پہلے مرحلے میں اس نے کہا: اے لوگو! تم نے سنا نہیں کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں واپس آئیں گے اور ہماری شریعت کے مطابق بھی یہ بات درست

☆...... مشہور شیعی مصنف و پیشوا، نعمت اللہ جزائری انوار نعمانیہ میں لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن سبا نے حضرت علی ﷛ کے بارے میں "اِلٰہ" ہونے کا عقیدہ ایجاد کیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جلاوطن کر دیا اور کہا گیا ہے کہ یہ اصل میں یہودی تھا پھر مسلمان ہو گیا۔ یہودیت کے دوران حضرت یوشع بن نون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے بارے میں اسی قسم کی باتیں کیا کرتا تھا جیسی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "وجوبِ امامت" کا عقیدہ اسی کی اختراع و ایجاد ہے۔ (انوار نعمانیہ بیان فرقہ سبائیہ)

علامہ کشی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ پھر مسلمان ہوا اور حضرت علی سے دوستی کی۔ دورانِ یہودیت حضرت یوشع بن نون کو حضرت موسیٰ کا وصّی بطورِ غلو کہا کرتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اس نے اسی طرح کی بات کہی۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے کا عقیدہ مشہور کیا۔ اور حضرت علی کے مخالفوں سے بیزاری کا اظہار کیا اور انہیں عوام میں مشتہر کیا۔ اسی وجہ سے شیعہ لوگوں کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ شیعیت اور رافضیت کی اصل جڑ یہودیت ہے اور یہ مذہب یہودیت سے اخذ کیا گیا ہے۔ (رجال کشی تذکرہ عبداللہ بن سبا)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔اگر عیسیٰؑ واپس آ سکتے ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جواُن سے افضل ہیں کیوں واپس نہیں آ سکتے۔اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے:(ترجمہ)''جس خدا نے تجھے قرآن دیا وہ تجھے لوٹنے کے وقت پر لوٹائے گا''۔

جب یہ بات لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوگئی (رجعت کا عقیدہ پختہ ہوگیا) تو دوسرے مرحلے میں ابن سبا نے کہا اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اس زمین پر بھیجے اور ہر پیغمبر کا ایک وزیر اور خلیفہ ہوا ہے۔یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا سے جائے جب کہ وہ صاحب شریعت نبی ہو مگر اپنا خلیفہ و نائب لوگوں میں نہ چھوڑ جائے۔اپنی امت کا معاملہ (مسئلہ خلافت) مہمل چھوڑ جائے؟ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علی رضی اللہ عنہ وصی اور خلیفہ ہیں، جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو خود فرمایا کہ تو میرے لیے یوں ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام۔اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور عثمان (رضی اللہ عنہ) نے یہ منصب (خلافت) غصب کر کے اپنے اوپر چسپاں کر رکھا ہے۔عمر (رضی اللہ عنہ) نے بھی کسی حق کے بغیر یہ شوریٰ پر ڈال دیا اور عبدالرحمن بن عوف نے نفسانی ہوس سے عثمان (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لی اور علی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ بھی اس نے پکڑ رکھا تھا۔جب علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی تھی تو اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اب شریعتِ محمدی کی رُو سے ہم پر واجب ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے سستی نہ کریں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:(ترجمہ) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے لائی گئی تا کہ انہیں نیکی کا حکم کرے، برائی سے روکے۔

ابن سبا کی اس تبلیغ سے لوگوں میں حضرت عثمان غنی کے بارے میں بغض و عداوت کے جذبات پروان چڑھتے گئے، اور لوگوں نے اسی سے یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ کوئی ایسا طریقۂ کار وضع کیا جائے تا کہ خلافت کی زمامِ کار عثمان (رضی اللہ عنہ) سے چھین کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی جا سکے، چنانچہ ابن سبا نے لوگوں سے کہا ابھی ہم میں یہ طاقت نہیں کہ عثمان کو خلافت سے اتار سکیں۔البتہ یہ ہم پر ضروری ہے کہ جتنا ہو سکے عثمان کے عُمّال (گورنروں) کو، جنہوں نے ظلم و ستم روا رکھے ہیں کمزور کر ڈالیں اور ان کے قبیح اعمال کی کہانیاں اہلِ دنیا پر واضح کریں اور لوگوں کے دل عثمان (رضی اللہ عنہ) اور اس کے عُمّال سے متنفر کر ڈالیں چنانچہ انہوں نے کئی خطوط لکھے اور والیٔ مصر عبداللہ بن سعد (کے ظلم) کی شکایت کرتے ہوئے مملکتِ اسلامیہ میں ہر طرف ارسال کر دیے اس طرح اس نے لوگوں کو اس بات پر متفق کر دیا کہ وہ مدینہ میں جمع ہو کر عثمان (رضی اللہ عنہ) کو امر بالمعروف کریں اور اسے خلافت سے اتار دیں۔ [1]

یہ مضمون دیگر مورخین ابن اثیر و ابن خلدون وغیرہما نے بھی باختصار عبارت بیان کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن سبا کا اصل مقصود فتنہ و فساد برپا کرنا اور خلافت کے خلاف ایک انقلاب پسند جماعت کا قائم کرنا تھا۔جس کے لئے اس نے دو قسم کے کام کئے، اول یہ کہ حکامِ خلافت پر طعن و تشنیع کرنا شروع کیا دوم یہ کہ مسئلہ رجعت و وصیت جاری کیا۔

---

[1] ناسخ التواریخ بحوالہ تاریخ الخلفاء جلد سوم ص ۲۴۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علیؓ اور وصیتِ خلافت

یہی وہ پہلا موقع تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت کا مسئلہ گھڑا گیا۔ ورنہ اس سے پہلے صحابہ میں اس کا کبھی ذکر نہیں آیا، نہ تو ثقیفہ بنی ساعدہ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی، نہ حضرت ابوبکرؓ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کے وقت اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چھ شخصوں میں سے ایک کو مقرر کرنے کا حکم دینے کے وقت۔ اور نہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کے وقت۔

حدیث وصیت کے پیش ہونے کے یہ بہت ضروری مواقع تھے۔ ان میں سے کسی موقع پر بھی اس کا ذکر نہیں آیا۔ یہ حدیث نہ تو حضرت علیؓ نے خود پیش کی اور نہ کسی دیگر صحابی نے اس کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے یہ مسئلہ ابن سبا نے اس امت میں فتنہ ڈالنے کے لئے گھڑا، جب چرچا عام ہو گیا اور دو محارب فریقوں میں امر فارق قرار پایا تو یہ بھی تھوڑے عرصہ کے بعد ایک نظریہ ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے متعلق کسی کے حق میں وصیت کی تھی یا نہیں؟ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

> عن ابراهيم عن الاسود قال ذكروا عند عائشة رضي الله عنها ان عليًا كان وصيًا فقالت متى اوصى اليه وقد كنت مسندته علٰى صدرى او قالت حجرى فدعا بطست فلقد انخنث فى حجرى فما شعرت انهٗ مات فمتى اوصى اليه۔ (بخاری کتاب الوصایا جزو ۱۱ ص ۱۹، ۱۸)

> "ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے وہ اسود سے روایت کرتے ہیں کہ اسود نے کہا (کوفہ کے) لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ذکر کیا کہ حضرت علیؓ وصی تھے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وقت ان کے حق میں وصیت کی تھی؟ (وفات کے وقت تو) آپ میرے سینے سے ڈھاسنا (تکیہ) لگائے ہوئے تھے پس آپ نے (پیشاب کرنے کیلئے) طست طلب کیا۔ آپ کی روح (پاک) تو اس طرح چپکے سے قبض ہو گئی کہ مجھے بھی آپ کی موت کا پتہ نہ لگا تو ان کے لئے وصیت کب کی تھی؟ (یعنی نہیں کی)
>
> اس حدیث کو امام بخاریؒ کے علاوہ امام نسائیؒ اور امام مسلمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری میں طلحہ بن مصرف تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ صحابی سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی تھی؟ تو حضرت عبداللہ نے کہا، نہیں۔

ابن سبا اہل بیت کے داعی کے لباس میں تھا۔ اس لیے سرزمین عجم میں اس کی تحریک کو بڑا فروغ ہوا۔ گو عجمیوں کا نقطۂ نظر اس سے مختلف تھا، ابن سبا کا مقصد مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم کرنا تھا، اور اہل عجم چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت ایسے موروثی قالب میں ڈھل جائے کہ ان کی خدمات یعنی حمایت اہل بیت کے صلہ میں ان کو حکومت میں زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل ہو جائیں اس لیے عراق وغیرہ میں ابن سبا کی تحریک زیادہ بارآور ہوئی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان طبقوں کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب میں آ گئے۔

ابن سبا نے اپنے مبلغین کے ذریعہ اور تحریری پروپیگنڈہ کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ میں جا کر خفیہ جماعتیں قائم کیں۔ سب سے اول ۳۳ھ میں عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا، انہوں نے اس کو اپنے یہاں سے نکالا، یہاں سے نکل کر وہ کوفہ پہنچا، کوفہ سے بھی نکالا تو آخر میں مصر کو اپنا مستقر بنایا۔

غرض مذکورہ اسباب کی بنا پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبا کے پروپیگنڈا کا کچھ نہ کچھ اثر پڑا۔ خصوصاً عراق، جس میں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی کی وجہ سے شر و فساد کی فطری صلاحیت تھی، اس فتنہ کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں اعلانیہ حضرت عثمانؓ کے مخالف پیدا ہو گئے۔

کوفہ میں مخالفت

کوفہ میں سازشیوں کے سرغنہ اشتر نخعی، جندب بن کعب، ابن ذی الحنکہ صعصہ، ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن صابی تھے۔ ان کا کام حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنا تھا۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے۔ ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص اور اشراف کوفہ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ اہلِ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے انہیں یہاں سے نکال دیا جائے۔ آپ نے قیامِ امن کے خیال سے ان لوگوں کو امیر معاویہؓ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کرو، اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیج دو۔ ❶

حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام

حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہو گئی تھی، لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سبائیوں کی قوت مضبوط ہونے کے بعد سب سے اول ۳۴ھ میں کوفہ کے ایک شخص یزید بن قیس نے اس کی جرأت کی اور سبائیوں کو لے کر حضرت عثمانؓ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ چلا۔ لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا۔ گرفتار ہو جانے کے بعد اس نے کہا میں صرف سعید بن العاص والی کا تبادلہ چاہتا ہوں۔ اس لیے قعقاع نے اسے چھوڑ دیا اور یزید نے خط لکھ کر کوفہ کے سب سے بڑے سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا۔ اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں شورش شروع ہو گئی۔ اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے ایک غلام کو قتل کر دیا۔ سعید نے جب دیکھا کہ مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انہوں نے خود جا کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے بجائے ابو موسیٰ اشعری کو چاہتے ہیں، حضرت عثمانؓ امن و امان کے خواہاں تھے اس لیے سعید کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کر دیا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے سعید کو معزول کر کے جس کو تم چاہتے ہو اس کو مقرر کر دیا، خدا کی قسم میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا۔ تمہارے مقابلہ میں صبر سے کام لوں گا اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔ ❷

---

❶ ابن اثیر ج ۳ ص ۵۳ ❷ ابن اثیر ج ۳ ص ۵۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عثمانؓ کا حکام سے مشورہ

لیکن مفسدین کی اصل غرض انقلاب برپا کرنا تھا، اور کوفہ، بصرہ اور سارے عراق میں یہی حال تھا، اس لیے کوئی اصلاح کارگر نہ ہوسکتی تھی۔ جب ہر طرف سے اس قسم کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ، عبداللہ ابن سعد، سعیدؓ بن العاص، عبداللہؓ بن عامر اور عمروؓ بن العاص وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر ان سے موجودہ صورت حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا۔

عبداللہ بن عامرؓ نے کہا لوگوں کو جہاد میں لگا دیجیے۔ اس کی مشغولیت میں ان سب کی توجہ دوسری طرف بٹ جائے گی۔

سعید بن العاص نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے اگر ان کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ امیر معاویہ ؓ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے صوبہ میں امن و امان کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ عبداللہ بن سعد نے رائے دی کہ یہ سب بندۂ زر ہیں، روپیہ دے کر ان کا منہ بند کر دیجیے۔

عمرو بن العاص ؓ بولے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کی منشاء کے خلاف کام کرتے ہیں۔ عدل وانصاف سے کام لیجیے، یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجیے۔ ورنہ پھر ہمت کر کے جو دل میں آئے کیجیے۔

حضرت عثمان ؓ نے متعجب ہو کر ان سے پوچھا تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے۔ عمرو خاموش رہے۔ جب لوگ چلے گئے تو کہا: امیر المؤمنین میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ دراصل میرا خیال نہیں ہے، آپ کی ذات اس سے بلند ہے۔ یہ میں نے اس مصلحت کی بناء پر کہا تھا، کہ مخالفین پس پردہ ہماری گفتگو کے تجسس میں تھے۔ اس لیے میں نے یہ باتیں کیں تاکہ وہ لوگ مجھے اپنا ہم خیال سمجھ کر راز دار بنائیں اور مجھے، آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقع ملے۔ (1)

حضرت علی ؓ کا مشورہ

حقیقت یہ ہے کہ عثمانی عمال سنگین قسم کی بدعنوانیوں میں قطعاً ملوث نہیں تھے بلکہ ان کی ہلکی پھلکی کمزوریوں اور لغزشوں پر شکایات کا طومار کھڑا کر دیا گیا تھا اور محض بہتان طرازی کے ذریعے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کی جا رہی تھی۔ ہلکی پھلکی غلطیاں تو بہرحال قابلِ گرفت ہونے سے زیادہ قابلِ اصلاح اور قابلِ معافی ہوتی ہیں، لیکن عبداللہ بن سباء اور اس کے پیروکاروں کا مقصد ''اصلاح'' تھا ہی نہیں! چنانچہ صحابہ کرامؓ نے جب اس مذموم مہم کو روز افزوں ترقی پذیر دیکھا تو انہوں نے حضرت عثمان غنی ؓ سے ملاقات کر کے عمال سے متعلق شکایات کے ضمن میں اپنی اصلاحی آراء پیش کیں، لیکن معاملات تیزی کے ساتھ بگڑتے چلے جا رہے تھے۔

---

(1) طبری اور ابن اثیر میں اس گفتگو کی پوری تفصیل ہے۔ دیکھئے واقعات ۳۴ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت زید بن ثابت انصاری ؓ، ابواسید ساعدی ؓ، کعب بن مالک ؓ اور حسان بن ثابت ؓ نے حضرت علی ؓ کو حضرت عثمان ؓ کے پاس صورت حال پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں۔ آپ خود کسی چیز سے ناواقف نہیں ہیں۔ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آپ ؓ کی صحبت اٹھائی ہے، آپ ؓ کی باتیں سنی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب ہیں۔ ان ؓ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے جو ابن ابی قحافہ ؓ اور ابن خطاب ؓ کو بھی حاصل نہیں تھا۔ کسی امر میں ان کو آپ پر تقدم حاصل نہیں ہے اس لیے آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہیں۔ اس خوش آئند طریقہ سے حضرت علی ؓ نے اپنے خیالات پیش کیے اور اصلاح حال کے متعلق مفید مشورے دیئے۔ حضرت عثمان ؓ نے ان کا مناسب جواب دیا اور عام مسلمانوں کے سامنے مسجد میں موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی۔ [1]

تحقیقاتی کمیشن

اس گفتگو کے بعد ۳۵ ھ میں اہل مدینہ کے مشورہ سے حضرت عثمان ؓ نے اکابر صحابہ ؓ کا ایک کمیشن مقرر کیا، کہ وہ ملک کا دورہ اور موجودہ حالات کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ چنانچہ علی الترتیب کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کی تحقیقات محمد ؓ بن مسلمہ، اسامہ ؓ بن زید، عمار بن یاسر ؓ اور عبداللہ بن عمر ؓ کے متعلق ہوئی۔

ان بزرگوں نے یہاں کے اکابر اور عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور حضرت عمار بن یاسر ؓ کے علاوہ سب نے بالاتفاق یہ بیان دیا کہ ما انکرنا شیئا ولا انکرہ، اعلام المسلمین ولا عواھم "یعنی ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عام مسلمانوں نے تحقیقات کیں، انہوں نے کوئی قابل اعتراض بات نہیں پائی۔ حضرت عمار بن یاسر ؓ سادہ دل بزرگ تھے وہ سبائیوں کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے۔ استمالہ قوم بمصر و قد انقطوا الیہ منھم عبداللہ بن السوداء و خالد بن ملجم و غیرھم "یعنی (سبائی) لوگوں نے مصر میں انہیں پھسلا لیا اور عبداللہ ابن السوداء اور خالد بن ملجم وغیرہ ان کے ساتھ ہو گئے۔ [2]

اعلانِ عام

حضرت عثمان ؓ نے تنہا اس تحقیقات پر بس نہیں کیا، بلکہ تمام ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ "میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے۔ اس وقت سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات

1۔ طبری، ابن اثیر۔ حالات وواقعات ۳۴ھ

2۔ طبری اور ابن اثیر۔ حالات ۳۵ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پہنچائے جاتے ہیں ان کا تدارک کرتا ہوں۔ رعایا کے اسی مال میں میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے، جو اس کے مصارف سے بچ رہے۔ جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے یا صدقہ کر دے کہ خدا صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہ اعلان ایسا مؤثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے اور حضرت عثمانؓ کے حق میں دعا کی۔ (ایضاً)

عمال کی طلبی

اس اعلان کے ساتھ ہی آپ نے تمام عمال کو حج کے موقع پر طلب کیا، امیر معاویہؓ، عبداللہ بن عامرؓ وغیرہ تمام بڑے عمال حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آتی ہیں؟ خدا کی قسم مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری کرنے والے تم ہی لوگ نہ ہو۔ ان بزرگوں نے جواب دیا کہ آپ خود ان کی افواہوں کی تحقیقات کرا چکے ہیں اور تحقیق کرنے والوں کا بیان بھی آپ کے سامنے ہو چکا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہیں پیش کی۔ یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔ محض افواہ اور شہرت عام پر مؤاخذہ کرنا جائز نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے۔ سعید بن العاصؓ نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ بن سعد نے مشورہ دیا کہ جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجیے۔ امیر معاویہؓ نے کہا میرے رقبۂ حکومت میں سب امن وامان ہے۔ وہاں آپ کو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں، لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ عمرؓ سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں۔ ابوبکرؓ وعمرؓ کے طریقہ کو اختیار کیجیے۔ سختی کے موقع پر سختی کیجیے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجیے۔

یہ مشورہ سن کر پیکر حلم وعفو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے، اس امت کے لیے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آکر رہے گا۔ اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا، لیکن میں اس کو نرمی سے بند کروں گا۔ البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتوں گا۔ اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت باقی نہ رہ جائے گی، خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کوتاہی نہیں کی۔ فتنہ کی چکی چلنے والی ہے۔ اگر عثمانؓ اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے بشارت ہے۔ تم لوگ لوگوں میں سکون پیدا کرو ان کے حقوق پورے کرو، خدا کے حقوق میں کسی قسم کی مداہنت نہ کرو۔[1]

غرض آپ نے فتنہ رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن یہ تباہ کن فتنہ شمع خلافت کو بجھا کر رہا۔ اس حادثہ عظمیٰ کے حالات لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ان اعتراضات پر ایک نظر ڈال لی جائے، جن کی بناء پر حضرت

1۔ طبری ص ۲۹۴۵، ۲۹۴۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عثمانؓ کو مورد طعن بنایا جاتا ہے۔

مخالفین کے اعتراضات اور ان کی حقیقت

حامیان انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمانؓ کے خلاف کیے جاتے تھے وہ یہ ہیں:

1۔ کبار صحابہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا۔ مثلاً مغیرہؓ بن شعبہ، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔

2۔ بعض اکابر صحابہؓ مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ، عمارؓ بن یاسر اور عبداللہؓ بن مسعود کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔

3۔ بیت المال کا روپیہ بے جا طور سے صرف کیا گیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں مثلاً مردان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا۔ عبداللہؓ بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا۔ عبداللہ بن خالدؓ کو پچاس ہزار دیئے۔

4۔ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔

5۔ اموی عمال کی بدعنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا۔

6۔ حدود کے اجراء میں تغافل برتا۔

7۔ ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے۔

8۔ بعض نئی بدعتیں جاری کیں۔ مثلاً سنت رسولؐ اور سنت شیخینؓ کے خلاف منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی۔

9۔ فرائض میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا، حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایتوں کو قبول نہ کرتے تھے۔

10۔ حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا، دوبارہ مدینہ بلا لیا۔

11۔ مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین کی جانب سے آپ پر کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض تو بالکل غلط ہیں، بعض میں واقعات کو مسخ کر کے بدنما شکل میں پیش کیا گیا ہے اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔ ان کی اصل حقیقت یہ ہے:

(1) پہلے اعتراض کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ اکابر صحابہؓ کو معزول کیا۔ دوسرے یہ کہ ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا۔ لیکن ان میں سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہیں۔ اگر کسی صحابیؓ کی معزولی کے معقول اسباب ہوں تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہیں۔ حضرت عمرؓ نے جن کا عدل و تدبر مسلم ہے، خالدؓ سیف اللہ کو معزول کر دیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور مغیرہ بن شعبہ ؓ جیسے مدبر کی معزولی کی وصیت کرتے گئے۔

حضرت عثمان ؓ نے جن صحابہؓ کو معزول کیا ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی معزولی کے متعلق حضرت عمرؓ کی وصیت تھی۔ ابو موسیٰؓ اشعری کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ بصرہ سے معزولی کے چند برسوں کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنا دیا۔ (طبری) سعدؓ بن ابی وقاص کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی۔ جس کو ادا نہ کر سکے۔ مہتمم بیت المال حضرت ابن مسعودؓ کے تقاضے پر سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی۔ (طبری) حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا، جس کی تصریح عزل کے وقت کر دی تھی۔ پھر ان کی جگہ ایک صحابی ہی حضرت زیدؓ بن ثابت کا تقرر کیا۔ [1] عمرو بن العاص ؓ کی معزولی کا سبب یہ ہوا کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی۔ حضرت عثمان ؓ حکم پر بھی عمرو بن العاص ؓ نے اضافہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ درآنحالیکہ اس کی گنجائش موجود تھی۔ چنانچہ ان کے جانشین عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے چند دنوں میں بڑھا کر دوگنا کر دیا۔ [2]

دوسرا الزام عمرو بن العاصؓ پر یہ تھا کہ انہوں نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں پر بعض ناروا زیادتیاں کی تھیں اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو آزاد کر کے پھر واپس کر دیا۔ (طبری)

اس اعتراض کا دوسرا ٹکڑا کہ صحابہ کی بجائے اپنے نوجوان اور ناتجربہ کار اعزہ کو مقرر کیا، محض ایک بے معنی مغالطہ ہے، عمال کے عزل و نصب کا اصل معیار حکومت و جہانبانی کی صلاحیت ہے اس اعتبار سے حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کا انتخاب کیا وہ ان عہدوں کے لیے موزوں ترین تھے۔ ان کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے اسپین، چین اور ہندوستان سے ملا دیئے۔

یہ صحیح ہے کہ شرف صحابیت بھی ایک بڑا معیار ہے، لیکن مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر سے بھی عمال کے لیے صحابیت کی شرط ضروری نہیں تھی، پھر حضرت عثمانؓ کے عہد میں اکثر اکابر صحابہ عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے تھے، جب کہ ضعف پیری کی وجہ سے وہ کسی بڑی خدمت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق نہ رہ گئے تھے، پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ صحابہ کو معزول کر کے تمام نوجوانوں کو مقرر کیا۔ اس کے خلاف مثالیں بھی ہیں، مثلاً کوفہ سے سعید بن العاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کیا، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اس لیے یہ اعتراض کہ اکابر صحابہؓ کی جگہ نوجوانوں کا تقرر کیا، کسی حیثیت سے بھی قابل توجہ نہیں رہتا۔

(2) اکابر صحابہؓ سے بدسلوکی کے سلسلہ میں شہرت ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلاوطن کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ زیادتی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ بند کر دیا۔

پہلا واقعہ بالکل غلط ہے، حضرت ابوذر غفاری ؓ کو حضرت عثمان ؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود ایک

1۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۳۲ 2۔ یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ویرانہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری ﷺ جائز سرمایہ داری کے بھی خلاف وعظ کہتے پھرتے تھے۔ اس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے امیر معاویہ ﷺ نے حضرت عثمان ﷺ کو لکھ بھیجا کہ ان کو شام سے بلا لیجیے۔ حضرت عثمان ﷺ نے امن عامہ کے خیال سے اپنے پاس بلا لیا۔ اور فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیے۔ آپ کی کفالت میں کروں گا، لیکن وہ ایک بے نیاز بزرگ تھے۔ جواب دیا مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے اور خود مدینہ کے قریب ایک ویرانہ ربذہ میں سکونت اختیار کر لی۔ [1]

حضرت عمار بن یاسر ﷺ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی، لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس لیے حضرت عثمان ﷺ نے ان کی فہمائش ضرور کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے سیاسی مصالح کی بناء پر عمال کو اعلانیہ سزا دی ہے۔

عبداللہ بن مسعود کا وظیفہ ضرور بند کیا، لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لیے عہد صدیقی کے مصحف کے سوا باقی تمام مصاحف ضائع کرا دیئے تھے۔ عبداللہ بن مسعود ﷺ کا علیحدہ ایک مصحف تھا، اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ نے ان کا مصحف بھی طلب کیا، لیکن وہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے اس لیے حضرت عثمان ﷺ کو سختی سے کام لینا پڑا۔ درحقیقت تمام امت کو ایک قرآن پر متحد کر دینا حضرت عثمانؓ کی ایسی خدمت ہے جس کے احسان سے امت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ہے۔ ابن مسعودؓ کا مصحف خواہ انہیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو، لیکن جس مصلحت کی بناء پر حضرت عثمانؓ نے اسے طلب کیا تھا اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا انکار کرنا قطعاً نامناسب تھا۔

(3) بیت المال میں تصرف کرنے کا الزام بالکل غلط بلکہ مہمل ہے۔ جس فیاض غنی نے اسلام کے عہد عسرت میں اس کے مصالح کے لیے اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال پر کیا نگاہ ڈالتا۔ حضرت عثمانؓ اپنے عہد خلافت میں بھی بڑے صاحب ثروت تھے۔ انہیں بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج ہی نہ تھی۔ بلکہ خلفاء میں وہی ایک ایسے بزرگ تھے، جو اپنے واجبی مصارف کے لیے بھی بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔

اس شہرت کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ حضرت عثمانؓ بڑے صاحب ثروت تھے اور ثروت کے ساتھ خدا نے فیاض بھی بنایا تھا۔ اس لیے وہ اپنی ذاتی روپیہ سے اپنے غریب اعزہ کی مدد کرتے تھے اسے مخالفین دوسرے رنگ میں مشہور کرتے تھے۔ اس غلط فہمی کو آپ نے خود ایک تقریر میں دور فرمایا تھا، وہ تقریر یہ ہے:

> "لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو دیتا لیتا ہوں، لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں، جو کچھ میں ان کو دیتا ہوں وہ اپنے ذاتی مال سے، مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کے لیے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کے زمانہ میں بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیتا تھا،

1۔ ابن سعد ج اول ص ۱۶۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حالانکہ اس زمانہ میں بخیل و حریص تھا۔ اور اب جب کہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں زندگی ختم کے قریب ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل وعمال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید بار نہیں ڈالا ہے، کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے۔ جو آمدنی ہوئی وہ انہی لوگوں کی ضرورت وفلاح میں صرف ہوئی، میرے پاس صرف خمس آتا ہے اس میں سے بھی میں کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا۔ اسے مسلمان جس مصرف میں مناسب سمجھتے ہیں صرف کرتے ہیں اس میں میرا مشورہ تک نہیں ہوتا۔ خدا کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا، حتیٰ کہ میں کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہوں۔"[1]

بیت المال میں تصرف کے سلسلہ میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں وہ نہایت مسخ شدہ شکل میں ہیں، اصلی شکل میں وہ قابل اعتراض نہیں، مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہیں کیا تھا، بلکہ اس نے پانچ لاکھ میں خریدا تھا۔[2]

عبداللہ بن ابی سرحؓ کو خمس کا پانچواں حصہ البتہ دیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو آپ نے واپس کرا دیا۔ اس کی شکل بھی یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی سرحؓ نے جب طرابلس پر فوج کشی کی تو حضرت عثمانؓ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے وعدہ فرمالیا کہ اگر تم نے یہ مہم سر کی تو تم کو مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا۔ چنانچہ طرابلس کی فتح کے بعد یہ وعدہ پورا کیا۔ لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا، آپ نے فرمایا اگر تم لوگ رضامند ہو تو رہنے دیا جائے، ورنہ واپس کر دیا جائے۔ لوگ راضی نہ ہوئے تو آپؓ نے اسی وقت عبداللہ بن ابی سرحؓ کو واپس کرنے کا حکم لکھ دیا۔ (طبری)

عبداللہ بن خالدؓ کو بھی ان کی خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا، تو اسے بھی واپس کرا دیا۔ (طبری)

(4) بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کرنے کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بعض چراگاہیں عہد فاروقی سے بیت المال کے مویشی کے لیے مخصوص تھیں۔ اس کی تصریح خود حضرت عثمانؓ نے ایک بیان میں فرمائی ہے:

"میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص کر دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں۔ میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہیں، حالانکہ خلافت سے پہلے میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج دو اونٹوں کے سوا جو حج کے سفر کے لیے رکھ چھوڑے ہیں میرے پاس ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے۔ (طبری)"

(5) یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اموی عمال کی غلطیوں یا "بدعنوانیوں" کا تدارک نہیں کیا، آپ کے علم میں جو

1۔ طبری۔ حالات ۳۵ھ ج ۳ ص ۳۷۲

2۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"بدعنوانی" آتی تھی آپ اس کا تدارک فرماتے تھے۔ چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکایتیں پہنچیں تو آپ نے ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ "ہر سال حج کے موقع پر اپنے تمام عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا، میں نے آغاز خلافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ میرے یا میرے عمال کے پاس جو شکایت پہنچتی ہے، میں اس کا پورا تدارک کرتا ہوں، میرے پاس یہ شکایت پہنچی ہے کہ کچھ لوگوں کو مارا جاتا ہے اور گالی دی جاتی ہیں اس خفیہ ضرب وشتم پر مجھ کو افسوس ہے، جس کو اس قسم کی کوئی شکایت ہو وہ میرے پاس حج کے موقع پر پیش کرے اور مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق لے یا معاف کر دے کہ خدا معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (ایضاً)

جب کسی عہدہ دار کے خلاف لوگوں کو شکایت ہوئی اور انہوں نے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فوراً معزول کر دیا، چنانچہ اہل کوفہ کی شکایت پر سعیدؓ بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ صحابی کو مقرر کیا۔

(6) اجرائے حدود میں تغافل کے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبید اللہؓ سے ہرمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا۔ دوسرے ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد میں تاخیر کی گئی۔

پہلے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے سامنے عبید اللہؓ کا مقدمہ پیش ہوا تو آپؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے قصاص لینے کی رائے دی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا اور کہا یہ مناسب نہیں ہے کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے۔ عمروؓ بن العاص نے عرض کیا۔ امیر المؤمنین! اگر آپ عبید اللہؓ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ سے اس کا مؤاخذہ نہ کرے گا۔ اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت سے بدلے دیتا ہوں اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا فرمائی۔ (طبری)

ظاہر ہے کہ اس خاص شکل میں سب سے زیادہ دانشمندانہ فیصلہ یہی ہو سکتا تھا، جو حضرت عثمانؓ نے کیا۔ ولید بن عقبہؓ کی حد میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن غفلت نہیں برتی گئی۔ اس تاخیر کا سبب یہ تھا کہ پوری شہادت مہیا نہیں ہوئی تھی، شہادت ملنے کے فوراً بعد حد جاری کی گئی۔ [1]

(7) ساتواں اعتراض کہ آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف ضائع کر دیئے۔ نہایت لغو اور مہمل ہے یہ تو حضرت عثمانؓ کی سب سے بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے پوری امت کو ایک قرآن پر متحد کر دیا۔ ورنہ دوسرے اہل کتاب کی طرح ان کا بھی حشر ہوتا۔

(8) بدعات میں صرف یہ بدعت بیان کی جاتی ہے کہ منیٰ میں خلاف سنت دو رکعت نماز پڑھنے کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں۔ اس کی وجہ خود حضرت عثمانؓ نے بیان فرما دی تھی کہ جب میں مکہ پہنچا تو یہاں قیام کی نیت کر لی تھی، اور میں

1۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲   2۔ اصابہ تذکرہ حکم بن العاص

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کرے تو اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہیے۔[2]

(9) نویں الزام کے ثبوت میں کوئی واقعہ نہیں پیش کیا جاتا۔ آپ نے کسی مسئلہ میں متواتر روایات کو چھوڑ کر شاذہ پر عمل نہیں کیا، ممکن ہے کسی اجتہادی مسئلہ میں آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو، اور یہ کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے۔

(10) حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا، لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے آپؐ سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی۔ جس کا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا۔

(11) مصریوں کے ساتھ بدعہدی کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

ان الزامات کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں لیکن وہ لائق اعتنا نہیں ان الزامات کی حقیقت ظاہر ہو جانے کے بعد ناظرین کو انقلاب کے حالات کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

اکابر صحابہؓ سے مشورہ اور جوارِ رسول ﷺ کو چھوڑنے سے انکار!

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حج کے موقع پر تمام عمال کو طلب کر کے فتنہ کے انسداد کی آخری کوشش کی تھی۔ پھر مدینہ آنے کے بعد حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو بلا کر ان سے رائے لی۔ ان بزرگوں نے خیر خواہانہ مشورے دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا اور ان بزرگوں نے بھی اظہار طمانیت کیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ سے ساتھ آئے تھے، شام واپس جاتے وقت انہوں نے عرض کیا کہ یہاں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔ آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے، وہاں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے، لیکن میں جوار رسول نہیں چھوڑ سکتا۔'' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کے لیے وہاں سے فوجیں بھیج دوں؟ فرمایا میں ہمسائیگان رسولؐ کو فوج کے مصائب میں مبتلا نہ کروں گا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چلتے چلتے پھر کہا کہ مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے، فرمایا حسبی اللہ و نعم الوکیل[1]

اس جواب کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر تنہا شام واپس ہو گئے۔

مدینہ پر باغیوں کی یورش اور حضرت عثمانؓ پر حملہ

ادھر ابن سباء نے اپنی چالاکی سے اس مہم کو مزید خوفناک بنا دیا اور مختلف شہروں کے عوام کو مختلف صحابہ کرامؓ کی طرف سے جعلی خطوط لکھے گئے تھے، جن کا عوام میں زبردست اثر پیدا ہوا اور حالات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے نکلتے چلے گئے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

تکاتب اهل مصر واهل الكوفة واهل البصرة وتراسلوا وزورت كتب على لسان الصحابة

1۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۶۰

2۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۳ ذکر مجی الاحزاب الی عثمان للمرۃ الثانیہ من مصر۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الذین بالمدینة وعلی لسان علی وطلحة والزبیر یدعون الناس الی قتال عثمان ونصر الدین وانه اکبر الجهاد الیوم۔[2]

"(عبداللہ بن سبا کے پیروکار) مصری، کوفی اور بصری لوگوں نے ایک دوسرے کو خطوط لکھے اور ان خطوط کی نسبت مدینہ منورہ میں مقیم صحابہ کرام اور حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف کر دی، (یعنی ان حضرات کا نام لے کر لوگوں کو اُکسانے کی کوشش کی) ان خطوط کا مضمون یہ تھا کہ لوگو! اٹھو اور عثمان کے خلاف صف آراء ہو جاؤ، اور دین کی مدد کرو، آج یہی جہادِ اکبر ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ عثمانی کے دور میں کسی شہر میں کوئی گڑبڑ نہ تھی۔ بلکہ عبداللہ بن سباء اور اس کے ہم خیال لوگوں نے یہ سکیم چلائی تھی کہ صحابہ کرامؓ کے نام سے مختلف شہروں میں خطوط تقسیم کیے جائیں۔ جن میں لوگوں کو یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ حضرت عثمان کے خلاف اگرچہ عوام نہیں، لیکن بڑے بڑے صحابہ کرامؓ ان کی خلافت کو پسند نہیں کرتے۔ اور خلافِ شریعت سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ان کو معزول کرنے کے لیے محاذ آرائی سے بھی اجتناب نہ کیا جائے۔ لیکن اس تمام سازش کا صحابہ کرام کو پتہ بھی نہ تھا کہ ہمارے نام سے لوگوں کو خط لکھ کر اُکسایا جا رہا ہے۔

ان جعلی اور فرضی خطوط کے نتیجے میں بصرہ، کوفہ اور مصر وغیرہ کے لوگ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ تو ہر طرف سے تقریباً چار چار ہزار افراد پر مشتمل قافلہ ترتیب دیا گیا۔ تاکہ مدینہ منورہ پر حملہ کیا جائے۔ ان میں عبداللہ بن سباء بھی تھا۔ انہوں نے روانگی سے قبل باہم یہ طے کر لیا کہ کچھ لوگ مقام ذی خشب پر، کچھ مقامِ اعوص اور کچھ مقام ذی مروہ پر جمع ہوں گے۔ پھر وہاں سے اکٹھے مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ اپنے اپنے مقرر مقام پر پہنچے۔ پھر انہوں نے اپنے اپنے آدمی مدینہ منورہ میں مقیم صحابہ کرامؓ کے پاس بھیجے، تاکہ خفیہ طریقے سے اُن کو اعتماد میں لیا جائے۔

مصری گروہ کے آدمی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت مقام "احجار زیت" میں تلوار لٹکائے کھڑے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنے بیٹے حسن کو حضرت عثمان کی طرف بھیجا۔ اور ان لوگوں کے جمع ہونے کی اطلاع فراہم کرنا چاہی۔ ان نمائندوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور کچھ معروضات پیش کیں۔ آپ نے ان کو ڈانٹ پلائی اور باہر نکال دیا۔ اور فرمایا، کہ صالحین یہ جان چکے ہیں کہ مقامِ ذی مروہ، ذی خشب اور اعوص پر اکٹھے ہونے والے لشکر ملعون ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنتی کہا۔ یہ سن کر وہ نمائندے واپس لوٹ گئے۔ بصری لشکر کے نمائندے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، یہاں سے بھی انہیں وہی جواب ملا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ کوئی نمائندے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ یہاں سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا ہی جواب ملا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تھا۔ (تاکہ باغیوں کی انہیں اطلاع کر دی

1۔ الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۱۵۹ حالات ۳۵ھ۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ حالات ۳۵ھ، تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰۴، حالات ۳۵ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جائے، اوران کے متعلق آپ کا ارشاد معلوم کریں) 1

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ یہ منصوبہ عبداللہ بن سباء یہودی کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تھا، اور یہ بھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سن چکے تھے کہ جو لشکر مقام ذی مروہ، ذی خشب اوراعوص پر جمع ہوگا وہ ملعون ہے۔ تو اس ملعون لشکر کے ہاتھوں جس کی موت آئے، وہ یقیناً شہید ہوگا۔ اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والا یہی گروہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نبوت سے دیکھ کر دی ہوئی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ ایک برحق خلیفہ کو کہ جس کی خلافت میں کسی کو کوئی شکایت نہ تھی، اس سبائی لشکر نے کس طرح ظلماً شہید کیا۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا سبب، مروان کا خط یا ابن سباء کا؟

سبائی لشکر کو ہر جلیل القدر صحابی نے ملعون قرار دے کر واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ ان کے بھیجے ہوئے نمائندوں نے واپس لشکر میں پہنچ کر صورتِ حال بیان کی۔ لہٰذا اب ایک اور چال چلی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے مل کر سوچا، اتنی دور سے جس مقصد کے لئے آئے ہیں ناکام واپس لوٹنا مناسب نہیں۔ چنانچہ حالات کا جائزہ لیا گیا۔ مدینہ منورہ کی اکثریت حج پر چلی گئی۔ کچھ لوگ اپنی زمینوں اوراپنے مکانات کی طرف چلے گئے۔ کیونکہ ان تمام کو معلوم ہو چکا تھا کہ سبائی لشکر واپس چلا گیا ہے، لہٰذا اب خطرہ ٹل گیا ہے۔ اِدھر یہ اطمینان تھا اور اُدھر سبائی لشکر نے موقعہ دیکھا کہ اب بہت کم لوگ مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ کیوں نہ ہو، اچانک ان پر حملہ کر دیا جائے۔ مدینہ کا محاصرہ کر لیا جائے اور اس کے ساتھ یہ بھی طے کر لیا کہ اگر مدینہ میں موجود حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اس بارے میں پوچھیں گے کہ ہم نے تمہیں مدینہ سے چلے جانے کو کہہ دیا تھا، پھر یہ معاملہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہمارے پاس یہ ہوگا کہ ہم تو واپس جا رہے تھے، ہم میں سے جو گروہ مصر سے آیا تھا، واپسی پر اُسے حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کا ایک غلام ملا، جو اتفاق سے انہی کی اونٹنی پر سوار تھا۔ جب اس کو پکڑ کر تلاشی لی گئی تو ایک خط نکلا۔ جس پر حضرت عثمان غنی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اور وہ خط مصر کے گورنر عبدالرحمن بن ابی سرح کی طرف لکھا گیا تھا۔ مضمون یہ تھا کہ یہ مصری جتھ جونہی واپس پہنچے، ان کی گردنیں اڑا دی جائیں، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ ہم نے یہ رقعہ پڑھا تو ہم واپس پلٹ پڑے۔ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے جب کوفیوں اور بصریوں سے پوچھا: تم کیوں واپس ہوئے؟ تو کہنے لگے، مصری ہمارے ساتھی ہیں، انہوں نے مدد کے لئے پکارا لہٰذا ہم بھی ان کی مدد کی خاطر واپس آ گئے۔

چنانچہ اس ترکیب پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا، اور یوں مصری وفد اس جعلی اور خودساختہ خط کے ہمراہ مدینہ پہنچا۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

قال علی لاھل مصر ما ردّکم بعد ذھابکم و رجوعکم من رّاٴیکم فقالوا وجدنا مع برید کتاباً بقتلنا وکذالک قال البصریون لطلحة والکوفیون للزُّبیر وقال اھل کل مصر انما جئنا لننصر

1۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۴، مطبوعہ بیروت طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اصحابنا فقال لهم الصحابة کیف علمتم بذالک من اصحابکم وقد افترقتم وصار بینکم مراحل انما ھذا امر انفقتم علیه فقالوا ضعوه علی ما اردتُم لا حاجة لنا فی ھذا الرجل لیعتزلنا ونحن نعتزله یعنون انّه ان نزل عن الخلافة ترکوه امنًا۔[1]

”حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مصریوں سے پوچھا: جب تم واپس جا چکے تھے اور تمہارے ارادے تبدیل ہو چکے تھے تو پھر واپسی کیوں ہوئی؟ کہنے لگے، ہم نے ایک چٹھی رساں سے ایک خط پایا۔ جس میں ہمارے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ یہی بہانہ کوفیوں نے حضرت زبیر سے اور بصریوں نے حضرت طلحہؓ سے کہا۔ ہر شہر کے آدمیوں نے کہا کہ ہم اپنے دوستوں کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ اس پر حضرات صحابہ کرامؓ نے ان سے پوچھا، تمہیں اپنے ساتھیوں کی یہ خبر کیسے ملی؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے بہت دور جا چکے تھے۔ کئی منزلوں کی مسافت طے کر چکے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ سب کچھ تم نے ایک منصوبہ کے تحت کیا ہے۔ وہ بولے اچھا جو تم سمجھو، لیکن ہمیں اس شخص (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) سے کوئی سروکار نہیں۔ تاکہ وہ ہم سے الگ ہو جائے۔ اور ہم اس سے جدا ہو جائیں۔ ان الفاظ سے ان (سبائیوں) کا مقصد یہ تھا کہ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو ہم انہیں کچھ نہیں کہیں گے، وہ امن میں ہوں گے۔“

مؤرخ طبری نے اس واقعہ کی خوب منظر کشی کی ہے، ان کے بقول مصری وفد راضی خوشی روانہ ہوا، دورانِ سفر راستہ میں انہیں ایک اونٹنی سوار ملا، یہ سوار کبھی ان کے سامنے آ جاتا کبھی دائیں بائیں ہو جاتا، کبھی ان کے پیچھے ہو لیتا۔ ان مصریوں نے اُسے روک کر پوچھا ہمیں دال میں کالا کالا نظر آتا ہے۔ تو کون ہے اور کیا کام ہے؟ اس نے کہا، میں امیر المومنین حضرت عثمان کا قاصد ہوں اور ان کے گورنر کی طرف جا رہا ہوں جو اس وقت مصر میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ ان مصریوں نے اس کی تلاشی لی، تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک رقعہ نکلا جس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مہر لگی تھی۔ ان کی طرف سے مصر کے گورنر کو لکھا تھا کہ یہ مصری قافلہ جونہی وہاں پہنچے اسے سولی چڑھا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں برخلاف کاٹ دیئے جائیں۔ (یہ دیکھ کر) مصری واپس مدینہ لوٹ آئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا آپ اللہ کے اس دشمن (حضرت عثمان) کو نہیں دیکھتے کہ اُس نے ہمارے متعلق یوں لکھا ہے۔ یقیناً اللہ نے اس کا خون گرانا ہم پر مباح کر دیا ہے۔ اُٹھیے اور اس کی طرف ہمارے ساتھ چلئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

واللّٰہ لا اقوم معکم الی ان قالوا فلم کتبت الینا فقال واللّٰہ ما کتبت الیکم کتابًا قطُّ قال فنظر بعضھم الی بعضٍ ثم قال بعضھم لبعضٍ الھٰذا تقاتلون او لھٰذا تغضبون قال فانطلق علیٌ فخرج من المدینة الی قریةٍ۔[1]

1۔ تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰۷، ۱۰۸ مطبوعہ مصر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس پر انہوں نے (ایک اور خط نکالا جو حضرت علیؓ کی طرف سے ان کے نام لکھا گیا تھا، اور) کہا، تو پھر ہماری طرف یہ کیوں لکھا گیا؟ کہنے لگے۔ اللہ کی قسم! میں نے تمہاری طرف ہرگز کوئی رقعہ نہیں لکھا۔ یہ سُن کر بعض نے بعض کی طرف دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کو کہا، کیا اس شخص کے لئے لڑ رہے ہو؟ کیا اس کے لئے غضب ناک ہو رہے ہو؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وہاں سے چل دیئے اور مدینہ منورہ سے باہر ایک بستی کو روانہ ہو گئے۔" 1

مذکورہ عبارات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ مصری لوگ جس خط کو لے کر واپس مدینہ لوٹے، وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا نہ تھا، اور نہ ہی مروان بن الحکم کی طرف سے تھا، بلکہ یہ تانا بانا عبداللہ بن سباء کا بُنا ہوا تھا۔

۲۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم چونکہ اس خط کی حقیقت جان چکے تھے، اس لئے ان حضرات نے عبداللہ بن سباء کے پیروکاروں سے دریافت کیا کہ خط تو صرف مصریوں کے ہاتھ لگا، دوسری طرف کے جانے والوں کو اس خط کا کیسے علم ہو گیا؟ حالانکہ یہ ایک دوسرے سے منزلوں پر دور ہو چکے تھے۔ پھر اکٹھے ہی واپس لوٹے ہو؟ لیکن اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ چکے تھے کہ خط جناب عثمان یا مروان کا نہیں، اِن کی اپنی سازش ہے۔

۳۔ پھر جب ان سبائیوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہو کر ساتھ چلنے کو کہا، اور یہ بھی کہا کہ حضرت عثمان غنی اس خط کی تحریر کی بناء پر مباح الدم ہو چکے ہیں، تو حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ نے قسمیہ فرمایا، کہ میں ہرگز چلنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ آپ جان چکے تھے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بے قصور ہیں، یہ ان سبائیوں کی شرارت ہے۔

۴۔ سبائیوں کی سازش اس طرح شروع ہوئی کہ انہوں نے صحابہ کرام کی طرف سے فرضی خطوط مختلف ممالک کے باشندوں کو لکھے۔ جن میں ایک ہی بات پر زور دیا گیا وہ یہ کہ حضرت عثمان خلافت کے اہل نہیں۔ لہٰذا تم اکٹھے ہو کر مدینہ منورہ آؤ، تا کہ اُن سے خلافت چھینی جائے۔ لوگوں نے ان خطوط کو صحیح جانا اور سبائیوں کے پروپیگنڈا میں آ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ جب یہ لوگ یہاں پہنچے تو حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی تا کہ اپنی آمد کی اطلاع کر دیں۔ یہاں معاملہ اُلٹ تھا۔ ان صحابہ کرامؓ نے آنے والوں سے پوچھا، تمہارا اس طرح مسلح ہو کر آنا کس لیے ہے؟ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اُن کو کوئی خط نہیں لکھا، تو بڑے پشیمان ہوئے۔ اور افسوس بھی ہوا، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے خطوط لکھ کر بلوایا اور اب صاف صاف انکار کر رہے ہیں۔ آخری حربہ کے طور پر کہا، اے علی! دیکھئے عثمان

1۔ تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰۷، ۱۰۸ مطبوعہ مصر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے ہمارے قتل کا حکم لکھ دیا۔ یہ رقعہ ان کا غلام مصر کے گورنر کے پاس لے جا رہا تھا۔ اتفاقیہ ہم نے اسے پکڑ لیا، ورنہ مصر پہنچ کر ہمارا خاتمہ کر دیا جاتا۔ تو آپ نے خود خط لکھ کر بلایا اور عثمان نے قتل کا حکم صادر کر دیا ہے۔ اب آپ اٹھیں اور ہمارے ساتھ چلیں تاکہ حضرت عثمان کو دستبردار کر سکیں۔ اور اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کس نے تمہیں خطوط لکھے؟ خدا کی قسم! میں نے تمہیں ایک بھی خط نہیں لکھا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانِ اقدس سے ان سبائیوں نے یہ سنا تو ششدر رہ گئے، اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، اور کہنے لگے: اچھا یہ ہے وہ معاملہ کہ جس کی خاطر تم لڑنے آئے ہو؟؟

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب خطوط عبداللہ بن سباء اور اس کے کارندوں کے لکھے ہوئے تھے۔ انہی خطوط میں ایک خط یہ بھی تھا، جو مصریوں کے واپس آنے کا بہانہ بنا۔ اس خط کو نہ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا تھا اور نہ ہی مروان بن حکم کی یہ تحریر تھی۔ اس کے باوجود بھی باغیوں کا یہ مطالبہ تھا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ حضرت عثمان ﷺ نے جواب دیا ''خدا نے مجھے جو خلعت پہنایا ہے اسے میں اپنے ہاتھوں سے نہ اتاروں گا۔''

انہوں نے کہا: ''اگر تم خلافت سے دستبردار نہ ہوئے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔'' اور جو شخص مزاحم ہوگا اس کا مقابلہ بھی کریں گے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ''میں سر دے دوں گا لیکن خدا کی بخشی ہوئی خلافت کو نہ چھوڑوں گا۔'' تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میں کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دوں گا، جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا۔ اگر میں جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا ہجوم ہو جاتا یا میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا۔ [2]

امامِ مظلومؓ کا محاصرہ

اس مرتبہ پھر حضرت علی ﷺ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا لیکن ان سب کے سروں پر خون سوار تھا، اس لیے آپ کے واپس جاتے ہی اتنی سختی سے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا کہ باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے پاتی تھی۔ اس وقت بھی جان نثاروں کی ایک جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی، لیکن آپ نے بااصرار سب کو واپس کر دیا۔ چند نوجوان حضرت امام حسینؓ، ابن عباسؓ، محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ واپس نہ گئے۔

آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا۔ حضرت علی ﷺ اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لیے گئے۔ لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا، ان میں خطا و ثواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی۔ حرم نبوی کا بھی ادب و احترام نہ کیا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نا ملائم الفاظ استعمال کئے

1۔ تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰۷، ۱۰۸ مطبوعہ مصر

2۔ طبری و ابن اثیر ج ۳ ص ۶۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا۔ چند آدمیوں نے آپ کو وہاں سے علیحدہ کیا۔ (طبری واقعات شہادت سیدنا عثمانؓ)

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی، باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا، ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی، صحابہؓ بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے۔ یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے۔ کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے، لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا اور آپ نے جانے کا قصد کیا تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا، آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا: جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر امیر المومنین کو آگاہ کر دو۔ [1]

اتمام حجت کے لیے تقریریں

درحقیقت یہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمان ؓ کے خلاف نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تھی۔ حضرت عثمان ؓ کو مسلمانوں کے لیے اس کے تباہ کن نتائج نظر آ رہے تھے۔ اس لیے محاصرہ کی حالت میں بھی آپؓ نے ان کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی، چنانچہ ایک دن قصر خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی۔

"لوگو! تم میرے قتل کے کیوں درپے ہو، میں تمہارا اوالی اور مسلمان بھائی ہوں۔ خدا کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی، لیکن بہر حال میں انسان ہوں اس لیے اصابت رائے کے ساتھ لغزشیں بھی ہوئیں۔"

"یاد رکھو! بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔" (ایضاً)

یہ تقریر درحقیقت پیشین گوئی تھی، چنانچہ حضرت عثمان ؓ کی شہادت سے وحدت اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

ایک دن آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

"میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو مسجد بہت تنگ تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس زمین کے قطعہ کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے۔ اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی اس وقت میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا، آج تم اسی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو، میں خدا کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے

1۔ ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۷

2۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۰، ۷۵، ۷۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پانی کا دوسرا کنواں نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا، تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا اور آج تم مجھے اسی کنویں کا پانی پینے سے روکتے ہو؟ کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے ہی جیش عسرت کا پورا سامان کیا تھا۔ سب نے کہا ہاں سچ ہے۔" [2]

لیکن کسی پر اس کا اثر نہ ہوا، اس لیے آپ نے پھر ایک دن تقریر فرمائی:

"میں ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، قسم دے کر پوچھتا ہوں، کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ حرا پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا، آپؐ نے ٹھوکر مار کر فرمایا: حرا ٹھہر جا! کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور میں آپؐ کے ساتھ تھا، لوگوں نے اس کی تصدیق کی، پھر آپ نے فرمایا: میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، جو بیعت رضوان میں موجود تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تھا تو اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی؟ سب نے کہا ہاں سچ ہے۔" [1]

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے تو آخری تقریر فرمائی:

"اے لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں، اسلام کے بعد جو مسلمان مرتد ہو جائے، یا پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو، یا کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے، خدا کی قسم جب سے خدا نے مجھے ہدایت دی میں نے اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا، نہ زمانہ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام کے بعد کسی کو قتل کیا، پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو؟" [2]

جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لیے اجازت طلبی

جب باغیوں پر کسی افہام و تفہیم کا اثر نہ ہوا اور وہ اپنی خیرہ سری پر اڑے رہے تو ہوا خواہان امت نے حاضر ہو کر جان نثاری کی اجازت طلب کی، حضرت زید بن ثابتؓ انصار کی جماعت کو لے کر پہنچے اور عرض کیا کہ انصار دروازہ پر حاضر اجازت کے منتظر ہیں کہ دوبارہ اپنے "انصار اللہ ہونے کا ثبوت دیں۔" حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا۔ [3]

1۔ مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۵۹

2۔ ایضاً ص ۶۱

3۔ ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۸

4۔ ایضاً ص ۴۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عرض کیا، قصر خلافت میں ہم لوگوں کی خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو میں جان بازی کے جوہر دکھاؤں، فرمایا: خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لیے خونریزی نہ کی جائے۔ [4]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ امام امت ہیں اور اس حالت میں مبتلا ہیں۔ اس لیے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمائیے۔ آپ کے پاس کافی قوت ہے، ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلئے اور مقابلہ کیجئے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، یا پھر صدر دروازہ کو، جس پر باغیوں کا ہجوم ہے، چھوڑ کر ہم آپ کے لیے عقب سے دروازہ توڑ دیتے ہیں۔ آپ سواری پر بیٹھ کر مکہ نکل جائیے۔ وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے، یا پھر شام چلے جائیے۔ وہاں کے لوگ وفادار ہیں، اور معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا، جس کے ہاتھوں آپؐ کی امت کی خونریزی کا آغاز ہو، مکہ بھی نہ جاؤں گا، کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا اور اس پر ساری دنیا کا آدھا عذاب ہوگا، شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود ہیں، لیکن دار الہجرۃ اور جوار رسول کو نہ چھوڑوں گا۔ [1]

غرض ہر خواہ امت نے کسی درجہ پر بھی اپنے بچاؤ کے لیے مسلمانوں کی خونریزی پسند نہ کی بلکہ فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روکے رکھے۔ [2]

شہادت کی تیاری

جتنا وقت گزرتا جاتا تھا حاجیوں کی واپسی کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ بعض مقامات سے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی، اس لیے باغیوں نے جلد سے جلد حضرت عثمانؓ کی شمع حیات بجھا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت عثمانؓ کو اپنی شہادت کا پورا یقین تھا، اور آپ صبر و استقامت کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے۔ اس لیے باغیوں کی سرگرمی دیکھ کر آپ نے شہادت کی تیاری شروع کر دی، جمعہ کے دن سے روزہ رکھا ایک پائجامہ جسے آپ نے پہلے کبھی نہ پہنا تھا، زیب تن کیا (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷) بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت تک قصر خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، محمد بن مسلمہؓ اور بہت سے صحابہ زادے باغیوں کو روکے ہوئے تھے، کچھ معمولی سا کشت و خون بھی ہوا، جب انہیں اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے پھاٹک میں آگ لگا دی اور کچھ لوگ قصر خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ تلاوت میں مصروف تھے، لیکن ہمت

1۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷

2۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۸

3۔ طبری۔ واقعاتِ شہادت عثمانؓ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نہ پا کر لوٹ آئے۔ اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے بڑھ کر ریش مبارک پکڑ لی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا بھتیجے! ''اس کو چھوڑ دو تمہارے والد کبھی ایسا نہ کرتے تھے اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمہارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا۔'' ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہ کلمات سن کر شرمندہ ہو کر لوٹ گئے۔ [3]

شہادت

ان کے بعد ایک غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ (ایضا)

ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹھ ماری کہ حضرت عثمان ﷺ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے۔ زبان مبارک سے بسم اللہ تو کلت علی اللہ نکلا اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہو گیا۔ اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کیے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا سے نہ دیکھا گیا، وہ بے تابانہ بچانے کے لیے دوڑیں، ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا، شہادت کے وقت آپ یہ تلاوت فرما رہے تھے۔ فسیکفیکھم اللہ و ھو السمیع العلیم۔ [1]

تجہیز و تکفین

یہ حادثہ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحج ۳۵ھ کو پیش آیا، مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ دو دن تک لاش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی، دوسرے دن ہفتے کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز و تکفین کی شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی، چنانچہ انہی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا، باختلاف روایت حضرت زبیرؓ بن عوام یا جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا۔ [2]

شہادت کے وقت 82 سال کی عمر شریف تھی، مدت خلافت چند دن کم بارہ سال۔

صحابہؓ پر اس سانحہ کا اثر

حضرت عثمانؓ کی شہادت عظمیٰ معمولی واقعہ نہ تھا۔ آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ پر نکتہ چینیاں بھی کیں اور مخالفتیں بھی ہوئیں، لیکن اس حادثہ کے پیش آ جانے کے بعد ہر مسلمان دم بخود، صحابہ مضطرب و بیقرار اور مخالفین نادم و پشیمان تھے۔ حضرت علیؓ نے جس وقت یہ خبر سنی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا: ''خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔'' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ''اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر

1۔ ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۵۱ و ۵۲

2۔ ایضا و طبری و ابن اثیر وغیرہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

برستے۔"

حضرت سعیدؓ بن زید نے فرمایا: "لوگو! اگر تمہاری بداعمالی کی سزا میں کوہ احد تم پر پھٹ جائے تو بھی بجا ہے۔" حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: "عثمانؓ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہوگیا ہے، جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتا۔" حضرت عبداللہؓ بن سلام نے فرمایا: "آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا۔"

ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار رو کر کہا: "آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا خاتمہ ہوگیا، اب بادشاہت کا دور شروع ہوگا۔" حضرت زیدؓ بن ثابت کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ حادثہ کا ذکر کر کے زار وزار روتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ "عثمانؓ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک صاف ہوگئے۔"

جن لوگوں نے کسی اثر کے ماتحت مخالفت بھی کی تھی وہ بھی منفعل وپشیمان تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے کہتے تھے کہ "ہم نے ابن عفانؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، اور ان سے راضی تھے، تم لوگوں نے ان کو شہید کیوں کیا۔"

ایک شخص عبداللہ بن حکیم جو آپ کی زندگی میں آپ کی برائی کر کے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا، شہادت کے بعد اتنا نادم وشرمسار ہوا کہ اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی خلیفہ کے قتل میں معاون نہ ہوگا۔ [1]

شہادت کے نتائج

حضرت عثمانؓ کی شہادت سبائی تحریک کی ایک زبردست کامیابی تھی، جس نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو لرزا کر رکھ دیا، یہ واقعہ درحقیقت تنہا آپؓ کی شہادت کا واقعہ نہ تھا، بلکہ وحدت اسلامی کی شکست اور مسلمانوں کی شیرازہ کی برہمی کا حادثہ تھا، اس حادثہ سے مسلمانوں میں جو تفریق پیدا ہوئی وہ تا قیامت نہ مٹے گی اور اس وقت جو تلوار بے نیام ہوئی تھی، وہ ہمیشہ بے نیام رہے گی، مسلمانوں کو، شیعہ، سنی خارجی اور عثمانی فرقوں میں بانٹ دیا گیا اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی، وہ ایک دوسرے کے خلاف ہونے لگی۔ اور عہد صحابہؓ سے جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔

1۔ یہ تمام اقوال ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۶، ۵۷ سے ماخوذ ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تیسرا باب:

شیعیت
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتلِ ناحق کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالی تو حالات انتہائی نازک تھے۔ صحابۂ کرام کی اکثریت قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کر رہی تھی، جبکہ قاتلینِ عثمان، شیعانِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے روپ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گھس گئے تھے، اور ان کو نکال کر حوالۂ شمشیر کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بس میں نہیں رہا تھا۔ چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں ہوں، لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا کوئی قابو نہیں ہے۔ [1]

بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غالباً یہ سوچ کر ان کی بیعت قبول کی کہ یہ لوگ میرے انتہائی عقیدتمند اور محبت کا دم بھرنے والے ہیں، لہٰذا ان کو گرفت میں لے کر مسلمانوں کے ملّی مسائل کو سلجھانے کا موقع ملے گا لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے بہت جلد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بے بس کر دیا، اور آپ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلہ پر بھی بے اختیار دکھائی دینے لگے۔ اس لیے آگے چل کر صحابہ کو خود اپنے طور پر اس سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگِ جمل واقع ہوئی،

1۔ تاریخ طبری اردو، ج ۳۔ واقعات ۳۶ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور امتِ مسلمہ روز بروز مسائل کی دَلدل میں دھنستی چلی گئی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی اور بعد کے حالات

حضرت علیؓ کے لئے یہ ایک دشوار مرحلہ تو تھا ہی کہ آپ کی بعض سیاسی فروگذاشتوں سے ایک دوسری نازک صورت پیدا ہوگئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپؓ نے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عمال کو معزول کردینے کا فیصلہ کرلیا۔ آپ کے عاقبت اندیش خیر خواہوں نے اس کی مخالفت کی۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جو سیاست و تدبر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم پایہ تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ ابھی آپ معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے عثمانی عمال کو ان کے عہدوں سے نہ ہٹایئے۔ جب وہ بیعت کرکے آپ کی خلافت تسلیم کرلیں، اس وقت جو دل میں آئے کیجئے گا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی سے انکار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہ کیجئے۔ اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو پھر انہیں اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ کون خلیفہ ہے، لیکن اگر وہ معزول کردیئے گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ انہیں بیٹھنے نہ دے گا اور وہ سارے شام و عراق کو اپنا ہمنوا بنا کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا مشورہ بھی قبول نہ فرمایا [1] اور ۳۶ھ میں تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کیے، اسی سلسلہ میں شام پر سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا اور وہ شام روانہ ہوگئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود بڑے مدبر تھے۔ پھر بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آرہے تھے۔ یہاں ان کا بڑا اثر تھا۔ انہیں معزول کرنا آسان نہ تھا، چنانچہ انہوں نے سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو شام کی حدود میں نہ داخل ہونے دیا اور شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس کردیا۔[2]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بیعت کے لیے علیحدہ ایک خط لکھا تھا۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت خصوصاً آپ کے قاتلوں کے بے لگام پھرنے سے سخت متاثر تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود پیراہن اور ان کی زوجہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگوا کر دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرادیں۔ اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد کو روک لیا تھا۔ یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اس کے ہمراہ اپنا ایک قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے کھولا تو اس پر کچھ بھی تحریر نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو حالات کا کچھ اندازہ ہو چلا تھا۔ قاصد سے پوچھا شام میں کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہاں کے ستر ہزار شیوخ

۱۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۷۷۔۵، اخبار الطوال ص ۱۵۱

۲۔ طبری ص ۲۰۸۳، ۲۰۸۴

۳۔ تاریخ طبری اردو، ج ۳ ص ۷۴، ۴، مطبوعہ الفیصل لاہور۔ حالات ۳۶ھ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عثمان ؓ کے پیراہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حقیقت واضح ہوئی۔ آپ نے فرمایا خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔ [3]

امیر معاویہ ؓ کے مقابلہ کی تیاریاں

حضرت علی ؓ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا اور آپ نے امیر معاویہ ؓ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں بے نیام ہونے والی تھیں، اس لئے اکثر صحابہؓ اس میں شرکت کے بارہ میں متردّد تھے۔ بہت سوں نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ ابن عمر اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں۔ کیا واقعہ ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر اس جنگ میں آپ میری شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجئے جو کافر و مسلم میں امتیاز کرے''۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ایسی چیز میں شرکت کے لئے مجھ کو مجبور نہ کیجئے جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلہ میں استعمال کروں، اور جب مسلمانوں سے جنگ کا وقت آئے تو اس کو کوہِ اُحد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دوں، چنانچہ کل میں نے اس کو توڑ دیا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس میں شرکت سے معاف رکھا جائے۔ میں نے عہد کیا ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کروں گا۔ [1]

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے۔ غرض بہت سے محتاط صحابہؓ نے اس میں شرکت سے احتراز کیا۔ تاہم بعضوں نے اپنی خدمات بھی پیش کیں۔

اصلاح وقصاص کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمادگی

ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہؓ سے مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دوسری طرف اس سے بھی زیادہ سخت اور خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج کے لئے تشریف لے جایا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ میں ہی تھیں۔ یہیں آپ کو واقعۂ شہادت کی اطلاع اور اس کے بعد پیہم مدینہ میں بدامنی کی خبریں ملیں۔ مکہ سے واپسی پر راستہ میں آپؓ کے ایک قریبی عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

1۔ اخبار الطوال: ص ۱۵۲

2۔ تاریخ طبری اردو جلد ۳: ص ۴۸۰۔ حالات ۳۶ھ

3۔ طبری: ایضاً

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شہید کردیئے گئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مدینہ میں بدامنی بپا ہے۔ 2

یہ اطلاع پاکر آپ ؓ مکہ لوٹ گئیں۔اس کے بعد ہی حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما پہنچ گئے۔انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگے چلے آرہے ہیں۔مدینہ میں لوگ حیران وسرگرداں ہیں۔ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ باطل سے گریز کرسکتے ہیں اور نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے۔ 3

یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان ﷺ کے خونِ بے گناہی کے قصاص اور فتنہ وفساد کی اصلاح کی دعوت دی۔آپ ؓ کے واپس آنے کی خبر سن کر بہت سے مسلمان جمع ہوگئے تھے۔آپ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی:

"لوگو! مختلف ملکوں کے عوام، اجنبیوں اور اہلِ مدینہ کے غلاموں نے چند معمولی باتوں پر اس شخص (حضرت عثمان ﷺ) کو مظلوم شہید کردیا۔ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی۔انہوں نے سرکشی کرکے ناحق خون بہایا۔بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا۔ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا۔خدا کی قسم عثمان ؓ کی ایک انگلی ان جیسے سارے روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے۔

میں اس لیے واپس آئی ہوں کہ عثمان ﷺ مظلوم شہید کردیئے گئے،اس شوروغوغا اور فتنہ فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہوگی۔عثمان کے خون کا قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو۔" 1

اُم المومنین کی زبان سے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کی دعوت پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان سرفروشی کے لیے آمادہ ہوگئے۔سب سے پہلے عبداللہ بن عامر حضرمی ؓ والیٔ مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا۔اُموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے، ساتھ ہوگئے۔ایک رئیس یعلیٰ بن اُمیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کئے۔عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اعلان کرادیا کہ جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زادِراہ کا سامان نہ ہو، اس کو پورا سامان دیا جائے گا۔چنانچہ چھ سو سواریوں اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا۔حرمین کے ایک ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا اور شرکاء کی مجموعی تعداد تین ہزار ہوگئی۔ان کے علاوہ تمام امہات المومنین ؓ ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہوگئیں۔ 2

حضرت عائشہ ؓ کی رائے تھی کہ اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح ہے اور سبائی جماعت اور قاتلین عثمان ؓ کا گروہ بھی وہیں ہے، اس لیے سیدھے مدینہ چلنا چاہئے۔کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا۔لیکن آخر میں بصرہ جانے کی رائے قرار پائی۔مدینہ جانے میں امہات المومنین بھی ساتھ دینے کے لئے آمادہ تھیں۔لیکن بصرہ کا ارادہ ہونے کے بعد انہوں نے ارادہ ترک کردیا۔صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہاں بھی ساتھ دینا چاہا، لیکن ان کے بھائی حضرت

1۔طبری اردو ملخص۔حالات ۳۶ھ

2۔ابن اثیر ج ۳ ص ۹۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عبداللہ بن عمرؓ نے روک دیا۔

درحقیقت مسلمانوں کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ یہ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ محتاط لوگ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف اُم المومنین رضی اللہ عنہا تھیں، مظلوم اور شہید خلیفہ کے خونِ بے گناہی کی دعوت تھی، دوسری طرف خلیفۂ وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔

اُم المومنینؓ کی بصرہ کو روانگی

غرض صفر ۳۶ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے روانہ ہوگئیں۔ رخصت ہوتے وقت مسلمان اس نازک گھڑی پر زار و زار روتے تھے۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں کہ "اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے"۔ اور اس دن کا نام ہی "یوم الخیب" یعنی یومِ گریہ پڑ گیا۔ [1]

جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے روانہ ہوئیں، دائیں بائیں مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ [2]

اُم المومنین جب بصرہ کے قریب پہنچیں تو عثمان بن حنیفؓ نے جو حضرت علیؓ کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا، عمران بن حصین اور ابو الاسود دوئلی کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے حاضر ہو کر والئ بصرہ کی جانب سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ ان کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے یہ تقریر فرمائی:

"خدا کی قسم میرے رتبہ کے لوگ اپنے ارادہ کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے (اس قسم کا) کوئی حال چھپاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگوں نے حرمِ رسول (مدینہ) پر حملہ کیا اور اس میں فتنہ و فساد برپا کر کے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے کر اپنے کو خدا اور رسول ﷺ کی لعنت کا مستحق بنا لیا۔ انہوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا۔ معصوم خون بہایا، اس مال کو لوٹا، جو اُن کے لئے حرام تھا۔ مقدس شہر اور مقدس مہینہ کی بے حرمتی کی۔ لوگوں کی آبروریزی کی۔ مسلمانوں کو مارا۔ ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے، جو اُن کے رکھنے کے روادار نہ تھے انہوں نے نقصان پہنچایا، مسلمانوں میں نہ ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ ان سے محفوظ ہیں، میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے۔ خدا فرماتا ہے "لا خیر فی کثیرٍ مّن نّجواھمِ الّا من امر بصدقةٍ او معروفٍ اَوْ اِصلاحٍ بین الناس" (لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دیں اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں) ہم اصلاح کے لیے اٹھے ہیں جس کا خدا اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی

1۔ طبری اردو جلد ۳ ص ۴۹۵

2۔ اخبار الطوال ص ۱۵۳

3۔ تاریخ طبری اردو ج ۳ ص ۴۹۶، الفیصل لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں۔" [3]

یہ جواب سن کر عثمان بن حنیف ؓ کے ایک قاصد عمران بن حصین ؓ ان جھگڑوں سے الگ ہو کر گھر بیٹھ گئے، اور عثمان نے بزور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو روکنے کا ارادہ کیا۔ بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہارے اس طرزِ عمل سے ایسی نازک صورت پیدا ہو جائے گی کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ جب تک علی رضی اللہ عنہ نہ آ جائیں اس وقت تک نرمی اور صلح و آشتی سے کام لینا چاہئے، لیکن عثمان ؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کے لئے نکلا، حضرت طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) بھی مقابلہ کے لیے بڑھے اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر ایک تقریر کی:

"لوگ عثمان ؓ پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدیداروں کی برائیاں بیان کرتے تھے اور مدینہ آ کر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے۔ ہم ان شکایتوں پر غور کرتے تو عثمان ؓ کو نیکوکار، پرہیزگار اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار، غدار اور جھوٹا پاتے تھے، ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ، جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو عثمان ؓ کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے معصوم خون بہایا قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی۔

خبردار ہو جاؤ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا نا سزا ہے، وہ عثمان ؓ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجراء ہے۔ خدا فرماتا ہے "الم تر الی الذین او توا نصیبًا مّن الکتاب یُدعون الٰی کتاب اللہ" (یعنی کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دی جاتی ہے)۔ [1]

سامعین کے دلوں پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ خود عثمان بن حنیف ؓ کی فوج کے ایک حصہ نے یہ کہہ کر کہ اُم المومنین سچ فرماتی ہیں، اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ [2]

لیکن عثمان اس وقت بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور حضرت علی ؓ کے آنے سے پہلے ہی جنگ ہو گئی۔ عثمان شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ عثمان کے شکست کھانے کے بعد اس کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلینِ عثمان ؓ کی جماعت کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے اعلان کرا دیا کہ جن جن قبائل کے گھروں میں قاتلینِ عثمان ؓ گھسے ہوئے ہیں انہیں ہمارے پاس لے آؤ۔ چنانچہ لوگ دوڑ پڑے اور قاتلینِ عثمان ؓ کو کتوں کی طرح گھسیٹ کر لے آئے، اور ان سب کو قتل کر دیا گیا، اب اہلِ بصرہ میں حرقوص بن زہیر کے علاوہ تمام قاتلین کا صفایا ہو گیا۔ اس سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہو گئی۔

1۔ طبری اردو ج ۳ ص ۵۰۰ مطبوعہ الفیصل لاہور۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۸۳

2۔ ایضاً ص ۳۱۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

(اس جنگ کی تفصیلات طویل ہیں ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصاصِ عثمانؓ کی دعوت اور آپؓ کے بصرہ جانے کی خبر ملی۔ یہ اطلاع پا کر آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی یہ مسئلہ نہایت نازک تھا۔ اگر وہ خاموش رہتے تھے تو نظامِ خلافت پر اثر پڑتا تھا اور نکلتے تھے تو اُم المومنینؓ کا مقابلہ تھا، لیکن قیامِ نظم کے لیے نکلنا ناگزیر تھا، لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا آخر تک آپ صلح و آشتی کے خواہاں رہے۔ جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی کوشش تھی۔

محتاط صحابہ کرامؓ کی روش

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہلِ مدینہ اور اکابر صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے اور کم از کم خود اس میں شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جس وقت آپ نے بصرہ جانے کا عزم کیا تو اہلِ مدینہ نے اس میں شرکت سے اپنا پہلو بچایا۔ فاشتدّ الامر علی اھل المدینة فتشاقلوا "یعنی اہل مدینہ کے لئے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے پہلو بچایا"۔[1]

حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرا ساتھ دو۔ انہوں نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں جو وہ کریں گے وہی میں بھی کروں گا۔ اہلِ مدینہ کہتے تھے کہ یہ مسئلہ مشتبہ ہے، ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا جب تک بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔[2]

مدینہ سے روانگی

تاہم کچھ انصار اور چند بدری صحابہؓ نے ساتھ دیا اور حضرت علیؓ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا امیر المومنین! آپ مدینہ سے نہ نکلئے، اگر اس وقت نکلے تو خدا کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا۔ لیکن اب صورت حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔[3]

1۔ طبری اردو جلد ۳ حالات ۳۶ھ

2۔ طبری: ایضاً

3۔ طبری ایضاً

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ادھر آپ ﷺ کے حامی جن میں قاتلینِ عثمانؓ اور سبائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد شامل تھی، آپؓ کو مسلسل اور فی الفور مدینہ سے نکلنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ چنانچہ آپؓ کو نکلتے ہی بنی، مدینہ سے روانگی کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سات سو آدمی تھے، جن میں زیادہ تعداد کوفہ اور بصرہ کے "شیعانِ علیؓ" کی تھی، لیکن راستہ میں برابر لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

کوفہ اور بصرہ کی مدد

ذی قار پہنچ کر آپ نے منزل کی اور کوفہ اور بصرہ سے مدد کے لئے دعاۃ بھیجے اور اہلِ کوفہ کو لکھا کہ ہمارا مقصد اصلاح ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس امت میں پھر قوت و وحدت پیدا ہو جائے۔ (ایضاً)

حضرت حسنؓ، عمارؓ بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں کہ "لوگو! میرا کہنا مانو، تم عرب کی بیخ و بنیاد بن جاؤ کہ مظلوم تمہارا سہارا پکڑیں اور خوف زدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں، لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا، جب گزر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، معلوم نہیں کہ اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹا ہے، اپنی تلواروں کو نیام میں کر لو، نیزوں کے پھل اُتار ڈالو، کمانوں کی تانت کاٹ دو، لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑا ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا اس میں پڑ جانے والے سے بہتر ہے۔

ان کے اس وعظ کا بڑا اثر پڑ رہا تھا، اس لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں مسجد سے نکال دیا اور خود لوگوں کو تقریر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد پر آمادہ کیا، آپ کی تقریر پر دس ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا۔ (اخبار الطوال: ص ۱۵۴)

حضرت عائشہؓ سے مصالحت

کوفہ کے رؤساء میں ایک بزرگ قعقاع بن عمرو ﷺ صحابی اور خیر خواہِ اُمت تھے۔ حضرت علی ﷺ نے انہیں طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس مفاہمت کی گفتگو کیلئے بھیجا، انہوں نے بصرہ جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا:

اماں جان! آپ کس غرض سے یہاں تشریف لائی ہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بیٹا! لوگوں میں اصلاح کے لئے، قعقاع نے کہا تو ذرا طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما) کو بلا لیجئے کہ وہ بھی میری اور آپ کی گفتگو سن لیں۔ یہ دونوں بزرگ بلا کر لائے گئے۔

قعقاع نے ان سے کہا کہ میں نے اُم المومنینؓ سے دریافت کیا کہ وہ کس غرض سے تشریف لائی ہیں، انہوں نے فرمایا اصلاح کے لئے، اب آپ دونوں کیا کہتے ہیں؟ اُم المومنینؓ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں یا مخالفت؟

انہوں نے کہا، تعمیل!

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قعقاع نے کہا تو پھر بتایئے اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ہم کو معلوم ہو جائے تو ضرور اصلاح کریں گے اور اگر ہمیں نہ معلوم ہو سکا تو کبھی اصلاح نہ ہو سکے گی۔

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا، قاتلینِ عثمانؓ کا قصاص، اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا، اور اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا۔

اس کے جواب میں قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلینِ عثمانؓ کو قتل کر چکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار بصریوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پھر جب آپ لوگوں نے حرقوص بن زبیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہی چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے۔ اگر آپ لوگوں نے جنگ کا خیال ترک نہ کیا تو وہی لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں آپ کے خلاف لڑیں گے۔

غرض قعقاع نے حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما کو جنگ سے روکنے کی پوری کوشش کی، ان کی باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

”پھر تمہاری کیا رائے ہے؟“......

انہوں نے کہا میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن وسکون ہے، جب حالات سکون پذیر ہو جائیں گے تو قاتلینِ عثمانؓ کو بھی پریشانی ہوگی اور ان سے قصاص بھی لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ لوگ بیعت کر لیجئے کہ یہ اُمت کے لئے فال نیک اور رحمت ہے اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے اور اگر اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ تو امن وامان قائم ہوگا اور نہ قصاص لیا جا سکے گا، جس طرح آپ لوگ ہمیشہ اُمت کے لئے امن وعافیت کی کنجی تھے ویسے ہی اب بھی بنئے، ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے کہ آزمائش دونوں کو برباد کر دے گی، یہ ایک آدمی یا چند آدمی یا ایک جماعت کے قتل کا معاملہ نہیں، بلکہ ساری امت کا سوال ہے۔

قعقاع کی یہ تقریر اتنی مؤثر اور معقول تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما تینوں نے اسے پسند کیا اور فرمایا تم بالکل بجا کہتے ہو۔ علیؓ کے پاس جا کر ان کی بھی رائے لو، اگر وہ بھی تمہارے ہم خیال ہوں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔

قعقاعؓ نے واپس ہو کر حضرت علیؓ کو یہ مژدہ سنایا، آپ سن کر بہت مسرور ہوئے اور مخلص مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت کے لئے تیار ہو گئی اور قعقاع نے مسلمانوں کے سامنے تقریر کی اور ان سے کہا اب معاملات روبہ اصلاح ہو گئے ہیں اس لیے میں کل لوٹ جاؤں گا تم لوگ بھی واپس جاؤ، لیکن جن لوگوں نے عثمانؓ کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے انہیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہئے اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہئے۔ [1]

---

[1] طبری میں یہ واقعات زیادہ تفصیل سے ہیں ہم نے صرف ضروری حصے نقل کیے ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

یہ رنگ دیکھ کر وہ لوگ، جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا اور دوسرا فتنہ اُبھارنا چاہتے تھے، سخت مضطرب ہوئے۔ چنانچہ ان کے چند سراغنہ اشتر نخعی، عبداللہ ابن السوداء، خالد بن ملجم، علبا بن ہیثم، شریح بن ابی اوفیٰ وغیرہ، سبائی جماعت کے افراد نے باہم مشورہ کیا، اشتر نخعی نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ مدعیانِ قصاص سے کتاب اللہ سے زیادہ واقف اور اس پر عامل بھی ہیں، یعنی وہ یقیناً خونِ عثمانؓ کا قصاص لیں گے، طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) کی رائے ہم لوگوں کے بارہ میں کھلی ہوئی ہے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کی رائے اب تک نہیں معلوم۔ اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم لوگوں کی خیر نہیں۔ ہم میں سے کسی کی جان نہ بچے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سب مل کر علی رضی اللہ عنہ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں:

وان یصلحوا مع علی رضی اللہ عنہ فعلی وماثنا فھلموا انثار ب علی علی رضی اللہ عنہ فنلحقہ بعثمان۔

لیکن اس رائے سے لوگوں نے اختلاف کیا اور دوسرے ارکان نے مختلف رائیں دیں، کسی پر اتفاق نہ ہوا۔ آخر میں ابن السوداء نے کہا کہ علی، طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) کو مزید غور و فکر کا موقع ہی نہ دو اور مصالحت کی تکمیل سے پہلے فوج کے عوام کو ملا کر جنگ چھیڑ دو، جب ایک مرتبہ شعلہ بھڑک جائے گا تو پھر علی رضی اللہ عنہ اپنے بچاؤ کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ 1

مخالفینِ صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کی مصالحانہ روش

سبائیوں کے علاوہ بھی دونوں طرف سے کچھ لوگ تھے جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے۔ ان کی کوششیں الگ جاری تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ذی قار میں تھے اور بصرہ آنے کا قصد کر رہے تھے کہ ایک شخص ابو الجرباء نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے، علیؓ اپنی فوج سے ملیں ایک ہزار آدمی انہیں روکنے کے لیے بھیج دینے چاہئیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنگ کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا ہوں لیکن انہوں نے ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے، پھر یہ ایک نئی صورتحال ہے جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں ہے اس لیے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کرے گا، قیامت کے دن وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے اور اُمید ہے کہ اس کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آئند وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے شخص صبرہ ابن یشمان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کا شر انگیز مشورہ

1۔ طبری اردو ج ۳ ص ۵۵۱۔ مطبوعہ الفیصل لاہور

2۔ طبری اردو ج ۳ ص ۵۳۸۔ مطبوعہ الفیصل لاہور

3۔ طبری اردو ج ۳ ص ۵۳۹۔ مطبوعہ الفیصل لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دیا۔اس کو بھی آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ [2]

حضرت علیؓ کی فوج کے جنگجو بھی پیش دستی کے لئے بے چین تھے۔ چنانچہ کوفیوں کی جماعت نے جنگ کی اجازت طلب کی، آپؓ نے فرمایا کہ "ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنا چاہئے، وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہیں ممکن ہے خدا ہمارے ہی ذریعہ جنگ ختم کر کے اس اُمت کا شیرازہ مجتمع کر دے"۔اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا، اگر وہ پیامِ صلح کا جواب نہ دیں؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کریں گے جو وہ ہمارے ساتھ کریں گے۔اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمیں نہ چھوڑیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، تو ہم بھی مدافعت کریں گے۔ ابوسلامہ دولانی نے کہا اگر ان لوگوں کے دعوئ قصاص میں اخلاص اور حسنِ نیت ہو تو کیا وہ خدا کے نزدیک قابلِ قبول ہوگا؟ فرمایا، کیوں نہیں! ابوسلامہ نے کہا، تو اس کی تاخیر میں آپ کے لیے کیا حجت ہے؟ فرمایا، جس چیز میں کچھ پتہ نہ چلتا ہو اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہئے جو زیادہ وسیع ہو اور اس کا فائدہ زیادہ عام ہو۔ابوسلامہ نے کہا کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا، دونوں میں سے جو بھی خالصتاً للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ [3]

اپنی جماعت کو پُرامن رکھنے کے لیے ایک دن آپؓ نے تقریر فرمائی کہ ان لوگوں (حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو اور پیش دستی سے بچو۔آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔ [1]

غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہوگئے۔چنانچہ احنف بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہوگئے۔

اب حضرت علیؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے۔آپ کے آنے کے بعد آپ اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث ومباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے۔مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر مسرور ومطمئن واپس گئے اور اطمینان وسکون کے ساتھ سوئے۔ (ایضاً)

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

سبائیوں کے لیے یہ صلح بڑی شاق تھی اور وہ برابر اندر اندر فتنہ انگیزی میں مصروف تھے۔انہوں نے دیکھا کہ اگر یہ شب بخیر گزر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہو جائے گا اور لوگ اپنا اپنا راستہ لیں گے۔اس لیے انہوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے۔دونوں فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے۔چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا [2] اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ برپا ہو

1۔طبری اردو ج ۳ ص ۵۴۸۔مطبوعہ الفیصل لاہور

2۔ طبری اردو ج ۳ ص ۵۵۱۔مطبوعہ الفیصل لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

گیا۔

اس غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا۔ کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا واقعہ ہے۔ تاہم حضرت علی اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو رک جاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لیے پہنچیں۔ لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنتا۔ اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی۔

غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دل آویز خواب پریشان ہو گیا اور امن و صلح کے پیامی فوج کی قیادت پر مجبور ہو گئے۔ فریقین اپنی اپنی فوجیں لے کر صف آراء ہو گئے اور خون ریز جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی علیحدگی اور شہادت

عین ہنگامۂ کارزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ انہوں نے ان سے کہا، ابو عبد اللہ تم کو یاد ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دن تم سے پوچھا تھا کہ تم علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا، ہاں یا رسول اللہ!

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں مجھے یاد آ گیا۔ [1]

آنحضرت ﷺ کی یہ پیشگوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کر لیا اور اپنے صاحبزادے عبد اللہ سے جو اس جنگ میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت میں پیش پیش تھے، فرمایا کہ اس جنگ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ اور علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی بات یاد دلا دی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی۔ اس لیے اب میں واپس جاتا ہوں تم بھی لوٹ چلو۔ لیکن انہوں نے انکار کیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تنہا لوٹ گئے۔ [2]

واپسی میں ایک سبائی عمرو بن جرموز آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔ وادی سباع میں نماز کا وقت آ گیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہر گئے۔ ابن جرموز نے بھی اقتداء کی۔ جیسے ہی آپ رضی اللہ عنہ سجدہ میں گئے ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے آپ رضی اللہ عنہ کا سر، گھوڑا اور زرّہ کو لے کر خوش خوش حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو۔ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ بارہا رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور سے حزن و ملال کے آثار دور کیے۔ یہ سن کر ابن جرموز بولا، کیا میری جاں نثاری کا یہی صلہ ہے کہ میں

1۔ مستدرک حاکم ج ۳ فضائل زبیرؓ

2۔ اخبار الطوال ص ۱۵۷

3۔ اخبار الطوال ص ۱۵۸ و طبری

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تو آپؓ کے دشمنوں کا خاتمہ کروں اور آپؓ مجھے دوزخ کی بشارت دیں؟؟

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو واپس جاتا دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے واپسی کا قصد کر لیا تھا۔ لیکن کسی سبائی نے انہیں اپنے تیر کا نشانہ بنا کر شہید کر ڈالا اور بعد کے مؤرخین نے اس قتلِ ناحق کو مروان بن حکم کے کھاتے میں ڈال دیا، چنانچہ صاحبِ اخبار الطوال کے مطابق مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر میں آپ کا کام تمام ہو گیا۔[3]

جبکہ یہ روایت غلط ہے، علامہ بدرالدین عینی" فرماتے ہیں "قتل یوم الجمل اتاہ سھم لا یدری من رماہ واتھم بہ مروان" (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج۱ ص ۲۶۵)

اُم المومنینؓ کے اونٹ کے گرد جاں نثاروں کی جانبازی

لیکن ان دونوں بزرگوں کے بعد بھی لڑائی کا زور ختم نہ ہوا۔ فریقین نے نہایت پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی ہوئی جان نثاروں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ تیروں کی کثرت سے محمل سیاہی بن گیا تھا۔ جاں نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ نے جانیں فدا کیں۔[1] اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا لیکن جان نثاروں نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا۔ جیسے ہی ایک گرتا تھا، فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا، اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔[2]

جنگ کا خاتمہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا اس وقت تک یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے۔ اس حکم پر چند آدمی بڑھے اور ایک شخص اعین بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیئے۔ وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج کی ہمت جواب دے گئی۔[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کرا دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے نہ کسی کا

1۔ اخبار الطوال ص ۱۵۷ 2۔ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۲

3۔ طبری میں جنگِ جمل کی تفصیلات بہت طویل ہیں انہیں غیر ضروری سمجھ کر صرف نتیجہ لکھ دیا گیا ہے۔

4۔ اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۳ ص ۲۱۳

5۔ خبار الطوال: ص ۱۶۱ 6۔ طبری: ج ۱۳ ایضاً

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مال لوٹا جائے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کرے وہ مامون ہے۔ [4]

یہ اعلان ہوتے ہی آپ کی فوج نے ہاتھ روک لیے۔ بعض آدمیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، امیر المومنین! جب ان کا مال ہمارے لیے جائز نہیں تو پھر ان سے جنگ کیسے جائز ہوئی؟ فرمایا کسی مسلمان کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کے مال کو غنیمت۔ ہاں جن اسلحہ سے جنگ کی ہے ان پر قبضہ کر سکتے ہو۔ تم کو جو حکم دیا گیا اس کی تعمیل کرو اور جس بات کو نہیں جانتے اسے چھوڑ دو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاضری

اختتامِ جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کو زخم تو نہیں پہنچا اور انہیں لے کر عبداللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں۔ [5]

اس کے بعد خود مزاج پُرسی کے لیے حاضر ہوئے اور پوچھا اماں مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اچھی ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے۔ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ [6]

چند دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آرام کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عزت واحترام کے ساتھ آپ (رضی اللہ عنہا) کو مکہ پہنچا دیں اور سواری، زادِ راہ، نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا انہیں اجازت دی۔ بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ہمرکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔

رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے فرمایا: میرے بچو! یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہئے۔ میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو ساس داماد میں کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی۔ وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں۔

اُم المومنین رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ام المومنینؓ سچ فرماتی ہیں، خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے نبی ﷺ کی حرم ہیں۔

1۔ طبری: حالات ۳۶ھ و ابن اثیر ج ۳

2۔ مسند احمد بن حنبلؒ

3۔ طبری اردو ج ۳ ص ۵۸۴۔ مطبوعہ الفیصل لاہور

☆ کوفہ ایرانی غلاموں کا مرکز تھا کیونکہ "جلولاء" کے معرکہ میں بہت سے ایرانی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، خاص کر عورتیں اور جب اس واقعہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر آیا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ میں جلولیات کی غلام عورتوں کی اولاد سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، چنانچہ انہی جلولیات کی اولاد جنگِ صفین میں شریک ہوئی۔ (الاخبار الطوال للدنیوری ص ۱۲۹) ......بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر......

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس خوش آئند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند میل تک خود مشایعت کی۔ اس کے بعد حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھیجا [1] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔

جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اس جنگ کی تمہید غلط اطلاعات اور غلط فہمی سے شروع ہوئی۔ آغاز سبائیوں کی فتنہ انگیزی سے ہوا اور خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر۔ دونوں بزرگوں کی نیت نیک تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تاعمر اس کی ندامت رہی۔ جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زار و زار رونے لگتی تھیں اور فرماتیں کہ کاش آج سے بیس

......حاشیہ متعلقہ گذشتہ صفحہ......کوفہ میں بعض موالی فرس وہ تھے جو جنگ میں قید کر لیے گئے تھے اور جب وہ اسلام لائے تو عرب مسلمانوں نے ان کو آزاد کر دیا اور وہ ان کے موالی کہلائے اور بعض وہ تھے جو کوفہ آ کر اس میں آباد ہو گئے اور بعض نے عرب قبائل سے معاہدہ کر لیا اور بعض وہ جنگجو تھے جنہوں نے عربوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ اور یہ لوگ ویلم کے حمراء تھے اور کچھ اساورہ تھے جو ویلم کے سامنے آباد تھے اور مسلمان ہو کر کوفہ آ گئے اور وہیں کوفہ میں رہنے لگے۔ (فتوح البلدان للبلاذری ۲۷۹)
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ میں موالی لوگوں کی تعداد اتنی ہو گئی کہ کوفہ کے اصلی باشندوں کی تعداد ۱۰/۱ یا ۲۰/۱ ہو کر رہ گئی۔
(الکوفہ فی القرن الاوّل۔ ڈاکٹر محمد حسین الزبیدی ۷۵)
اس مخلوط آبادی کا اثر یہ ہوا کہ کوفہ ایک پُرفتن اور شور و شغب کا شہر بن کر رہ گیا اور اس کا کھلا ہوا ثبوت ان کا وہ رویہ تھا جو کوفہ کے گورنروں کی مخالفت کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا، جنہیں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اپنی طرف سے مقرر کر کے بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کے خلاف انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے شکایت کی کہ نہ تو یہ ٹھیک طرح سے نماز ادا کرتے ہیں اور نہ مال کی تقسیم میں مساوات کا خیال رکھتے ہیں اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ شکایت کی کہ یہ کمزور ہیں، سیاست نہیں جانتے۔
(فتوح البلدان البلاذری ص ۲۷۷، ۲۷۸۔ الیعقوبی ۲/۱۵۵)
اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فاسق اور زانی ہونے کی تہمت لگائی۔ (الیعقوبی ۲/۱۴۶)
اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر ان پر کسی مضبوط شخص کو گورنر مقرر کرتا ہوں تو اس پر فسق و فجور کی تہمت لگاتے ہیں اور اگر کسی نرم اور کمزور کو مقرر کرتا ہوں تو اسے حقیر سمجھتے ہیں۔" (فتوح البلدان البلاذری ص ۲۷۸)
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فارسیوں کے ان اثرات کو جان چکے تھے، اسی لیے انہوں نے ان کوفہ والوں سے جنہیں شام بلایا تھا، فرمایا: "تم حدود پر رہنے والے اور فارسیوں کے کارندے ہو۔" اور عبدالرحمن بن خالد بن الولید نے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے وہ جماعت جن کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ عرب ہیں یا عجم ہیں۔ (الطبری ۴/۳۲۰، ۳۲۱) اور صعصعہ بن صوحان نے کوفہ کے معاشرے کی اس طرح پہچان کرائی ہے۔ اس میں وہ احمق رہتے ہیں، جو حکمرانوں کے نافرمان ہیں اور انہیں مسلمانوں کی جماعت سے نکالتے ہیں۔ (الاخبار الطوال للدینوری ۲۸۸)
کوفہ میں توابین کے قائد اور شیخ الشیعہ سلیمان بن صرد نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: ہم اہل بیت کے آنے پر اپنے اشتیاق کا اظہار کرتے ہیں۔ ان سے اپنے تعاون کا وعدہ کرتے ہیں۔ انہیں اپنے پاس آنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اور جب وہ ہمارے پاس آ جاتے ہیں تو ہم سست پڑ جاتے ہیں، عاجز ہو جاتے ہیں، مداہنت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے حق میں مصائب کا انتظار کرتے ہیں۔ (الانساب للبلاذری ۵/۳۰۵، ۳۰۶)
کوفہ کے یہی فارسی موالی ہمیشہ اس طاق میں رہتے تھے کہ عربوں کو نقصان پہنچانے کا انہیں کوئی موقع ملے اور اس سے وہ اپنے کینہ اور بغض کی آگ کو ٹھنڈا کریں۔ چنانچہ جب کوئی تحریک حکومت وقت کے خلاف اٹھتی تو یہ اس کے ساتھ ہوتے اور شیعیت کے پردہ میں اور شیعیت کے نام سے لڑتے۔ دلوں میں کچھ ہوتا، ظاہر کچھ کرتے، مقصد کچھ ہوتا اور کچھ کرتے۔ (شیعیت، ڈاکٹر محمد البنداری، اردو ترجمہ ص ۸۹ تا ۹۱)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

برس پہلے دنیا سے اٹھ گئی ہوتی۔[2]

مورخ طبری نے یہی الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی نقل کیے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۳۸۳)[3]

کوفہ ☆ کا دارالخلافہ قرار پانا

جنگِ جمل کے اختتام کے بعد رجب ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ واپس تشریف لائے اور مدینہ کی بجائے اس کو مرکزِ خلافت قرار دیا۔ بظاہر اس تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حرمِ نبوی کی بڑی توہین ہوئی تھی۔ اس لئے جہاں آئندہ اس کو شر وفتن سے بچانے کے لئے آپ نے سیاسی مرکز یہاں سے ہٹا دینا مناسب سمجھا۔ وہاں دوسرا اہم سبب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ''شیعوں'' کی بڑی تعداد عراق میں تھی، جنہوں نے باور کرایا کہ سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لئے زیادہ اہم ہے اور یوں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مدینہ ہمیشہ کیلئے چھڑوا دیا گیا۔

اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہو گیا اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے، ان کا مرکز عراق رہا۔ تاہم اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت بھی جاتی رہی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے۔ جس کے نتائج ان کے لیے بھی کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے۔

جنگِ صفین اور ''شیعانِ علی'' کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انحراف

جنگِ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی نے ''شیعانِ علی'' کو بہت مسرور کیا اور انہوں نے اس فتح کی سرشاری کے عالم میں شام پر حملہ کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نمٹنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اَسّی ہزار کے لشکر کے ہمراہ صفین کے میدان میں دریائے فرات کے کنارے پر ڈیرے ڈال دیئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب خبر ہوئی تو وہ بھی ساٹھ ہزار شامیوں کے ہمراہ مقابلے پر آ گئے۔ اپریل ۶۵۶ء میں یکم صفر ۳۷ھ کو منگل کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ہفتہ تک لڑائی کی صورت یہ رہی کہ دونوں طرف سے ایک ایک سردار اپنے اپنے حصۂ فوج کو لے کر میدان میں نکلتا۔ سارا دن دادِ شجاعت دیتا اور شام کو واپس آ جاتا۔ ان مقابلوں میں کبھی ایک فریق غالب آتا اور کبھی دوسرا۔ اس طرح لڑائی کسی فیصلہ کن مرحلہ پر نہ پہنچ سکی۔

۸ صفر ۳۷ھ منگل کی رات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج میں ایک پُرجوش خطبہ دیا اور عام مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما بنفس نفیس مقابلہ کے لیے نکلے اور دونوں لشکر اپنی پوری طاقت سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ سارے دن گھمسان کی جنگ رہی۔ رات کو دونوں فریق اپنی اپنی فرودگاہ کو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

واپس آئے لیکن فتح وشکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

۹ صفر بدھ کی صبح کو سورج کی کرنوں کے ساتھ ساتھ پھر تلواریں نیام سے نکل آئیں۔ صبح سے شام تک ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شکست کی صورت پیدا ہوئی، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود شمشیر زنی کے جوہر دکھائے اور اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا کر لڑائی کے نقشہ کو بگڑنے سے بچا لیا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر آثارِ ہزیمت طاری ہوئے۔ اشتر نخعی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمہ تک پہنچ گیا، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رکابی فوج نے اپنی جان کی بازی لگا کر اسے پیچھے دھکیلا۔

آخر اسی حالت میں رات کی تاریکی چھا گئی مگر فریقین کے بہادروں کی تلواریں اسی طرح چمکتی رہیں۔ قادسیہ کی لیلۃ الہریر کی طرح ساری رات ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ تلواروں کی کھڑکھڑاہٹ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور بہادروں کے نعروں سے شورِ قیامت برپا رہا۔ سپیدۂ صبح کے چاکِ گریباں سے سورج نے منہ نکالا تو مسلمانوں کو بدستور دست وگریباں پایا۔ مسلسل چوبیس گھنٹے کی لڑائی کے بعد دونوں طرف تکان کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ مگر لڑائی کا آخری فیصلہ کئے بغیر کوئی میدانِ جنگ سے ٹلنے کے لئے تیار نہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد نوے ہزار تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد اسی ہزار۔ اس طرح دس ہزار کا فرق پہلے ہی تھا۔ رات کی لڑائی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کا زیادہ نقصان ہوا۔ اس طرح ۱۰ صفر جمعرات کی صبح کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا پلہ نمایاں طور پر بھاری نظر آنے لگا۔

اشتر نے موقع دیکھ کر پوری طاقت کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلسل اس کی مدد کرتے رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج اپنے سے دوگنی طاقت کے اس زبردست ریلے کو نہ روک سکی اور اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ نزاکت دیکھ کر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا، یکا یک اہل شام نے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے پکارنا شروع کر دیا:

> ”یہ خدائے عزوجل کی کتاب ہے اپنے اور ہمارے درمیان اس کے فیصلہ کو منظور کرو۔ اگر اہل شام نہ رہے تو مغربی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟ اور اگر اہلِ عراق نہ رہے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟“

”شیعانِ علی“ کی برسرِ میدان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھمکی

حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یہ ایک جنگی چال ہے، انہوں نے اعلان کیا:

> ”اے خدا کے بندو! لڑائی جاری رکھو اور دھوکہ میں نہ آؤ فتح بہت قریب ہے۔ میں معاویہؓ، عمرو بن عاصؓ، حبیب بن مسلمہؓ، ابن ابی سرح اور ابن ابی معیط کو بچپن سے جانتا ہوں۔ انہوں نے تمہیں دھوکہ دینے کے لئے یہ چال چلی ہے“۔

ا۔ محاضرات خضری جلد ۲ صفحہ ۹۹ بحوالہ تاریخ ملت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مگر "شیعانِ علی ؓ" کی بہت بڑی اکثریت نے آپؓ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اشعث بن قیس کندی، مسعر بن فدکی، ابن کواء اور دوسرے سردارانِ فوج نے جو فرقہ سبائیہ سے تعلق رکھتے تھے اور لڑائی کے فیصلہ کن خاتمہ کو اپنی مصالح کے خلاف سمجھتے تھے، کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جائے اور ہم اس سے انکار کر دیں"۔

حضرت علی ؓ نے جب جنگ جاری رکھنے کے لیے زیادہ اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا:

"یا تو آپ لڑائی بند کرنے کا حکم دیجئے ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو عثمانؓ کے ساتھ کر چکے ہیں"۔

حضرت علی ؓ نے اپنوں کے یہ تیور دیکھے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اشتر کے پاس پیغام بھیجا کہ لڑائی کو بند کر کے فوراً واپس آ جاؤ اپنی ہی جماعت میں فتنہ پھیل گیا ہے۔ اشتر بادلِ نخواستہ واپس آیا اور لڑائی بند ہو گئی۔ [1]

عہد نامہ تحکیم

حضرت علی ؓ نے اشعث کو حضرت معاویہ ؓ کے پاس بھیج کر معلوم کیا کہ قرآن مجید کے فیصلہ کو قبول کرنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟

حضرت معاویہ ؓ نے جواب دیا: "ہمارا مقصد یہ ہے کہ فریقین ایک ایک شخص کو پنچ نامزد کریں اور ان سے عہد لیں کہ وہ کتاب اللہ سے باہر نہ جائیں گے۔ پھر قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ دونوں ہمارے نزاع کا فیصلہ جس صورت سے کریں اسے ہم قبول کر لیں گے"۔

شیعانِ کوفہ و عراق نے کہا: "ہمیں یہ تجویز منظور ہے"۔

حضرت معاویہ ؓ نے اہلِ شام کی طرف سے عمرو بن عاص ؓ کو نامزد کیا اور کسی نے اس نامزدگی سے اختلاف نہ کیا۔ لیکن شیعانِ علیؓ اس معاملہ میں بھی متفق نہ ہو سکے۔ اشعث اور اس کے ساتھیوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کا نام تجویز کیا، حضرت علی ؓ نے فرمایا: "مجھے ابوموسیٰ اشعری ؓ کی رائے پر اعتماد نہیں ہے تم عبداللہ بن عباس ؓ کو حکم بنا لو۔" لیکن شیعوں نے حضرت علیؓ کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا:

"حکَم غیر جانبدار ہونا چاہیے عبداللہ بن عباس ؓ تو آپ کے عزیز ہیں۔"

حضرت علی ؓ نے فرمایا: "اہلِ شام نے بھی تو کسی غیر جانبدار کو منتخب نہیں کیا ہے"۔

شیعانِ علیؓ بولے: "اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں"۔

حضرت علی ؓ نے فرمایا: "اچھا اشتر کو حکم بنا لو"۔

1۔ تاریخ ملت جلد اوّل۔ واقعاتِ صفین

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان لوگوں نے کہا: ''خوب! یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی لگائی ہوئی ہے۔''

آخر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ شیعانِ علیؓ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو منظور نہیں کرتے تو فرمایا: ''جو تم چاہو کرو''۔

عمرو بن عاص ؓ حضرت علی ؓ کی فرودگاہ میں آئے اور مندرجہ ذیل عہدنامہ لکھا گیا:

''یہ وہ عہدنامہ ہے جس پر علی ؓ بن ابی طالب نے اہل کوفہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے، اور معاویہ بن ابی سفیان ؓ نے اہلِ شام اور ان کے حامیوں کی طرف سے اتفاق کیا ہے۔ طے یہ پایا ہے کہ ہم دونوں صرف خدا اور کلامِ خدا کے فیصلہ کو منظور کریں گے۔ کتاب اللہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان فیصلہ کن ہو گی۔ وہ جس بات کا حکم دے گی اس کی تعمیل کریں گے اور جس بات سے منع کرے گی اس سے رُک جائیں گے۔ ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس (اشعری) اور عمرو بن عاص حَکَم مقرر کئے گئے ہیں۔ وہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنتِ عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا کی طرف رجوع کریں گے۔

علی ؓ اور معاویہ ؓ کی طرف سے دونوں حَکَموں کو ان کی جان و مال کی حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جاتا ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ ان کے فیصلہ کو نافذ کرانے میں امت ان کی مدد کرے گی۔ انہیں فیصلہ کرنے کے لئے رمضان تک مہلت دی جاتی ہے۔ یہ اپنے فیصلہ کا اعلان کسی ایسے مقام پر کریں گے جو عراق اور شام کے وسط میں ہو۔'' [1]

اس عہدنامہ پر فریقین کی طرف سے متعدد ذمہ دار لوگوں کے دستخط ہوئے اور طے پایا کہ حکمین دومۃ الجندل میں آ کر اپنے فیصلہ کا اعلان کریں۔ عہدنامہ پر ۱۳ صفر ۳۷ھ کی تاریخ ثبت کی گئی۔

اس عہدنامہ کی تکمیل کے بعد دونوں فریق نوّے ہزار جانبازوں کو میدانِ صفین میں ابدی نیند سوتا چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ مسلمان شہداء کی یہ وہ تعداد تھی جو تاریخ اسلام کے تمام محاربات کے شہداء کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔

میدانِ جنگ میں ''شیعانِ علیؓ'' کا کردار

جمل اور صفین کی جنگوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور یہ مصیبت ''غیروں'' کی طرف سے نہیں بلکہ ''شیعانِ علی'' ہی کی طرف سے تھی، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عین حالتِ جنگ میں آپ ؓ کی پریشانیوں میں روز افزوں ترقی کا حقیقی سبب خود ''شیعانِ علی'' ہی تھے جنہوں نے تسلسل کے

1۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۶۹ ص ۹۹ (مطبوعہ بیروت فی توبیخ بعض اصحابہ

2۔ نیرنگ فصاحت ص ۸۰ مطبوعہ یوسفی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ساتھ اپنی کارستانیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زچ کئے رکھا۔ یہ لوگ اطاعتِ امیر سے بالکل بے بہرہ اور روشِ نفاق سے مملو تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ اپنے خطبات میں اپنی پریشانی کا اظہار کرتے اور انہیں شدید سرزنش کرتے دکھائی دیتے ہیں اور بعض اوقات یہ سرزنش خوفناک بددعاؤں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) الذلیل و اللّٰہ من نصر تموہ و من رمی بکم فقد بافوق ناصل انکم و اللّٰہ کثیر فی الباحات قلیل تحت الرایات و انی لعالم بما یصلحکم و یقیم اودکم و لکنی لا ازی اصلاحکم بافساد نفسی اضرع اللّٰہ حدودکم و اتعس جدودکم لا تعرفون الحق کمعرفتکم الباطل و لا تبطلون الباطل کابطالکم الحق۔ [1]

”خدا کی قسم جس کی تم مدد اور نصرت کردو۔ وہ ذلیل ہے۔ تم اسے لڑائی میں چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے۔ اور مغلوب ہو کر اسے خواہ مخواہ ذلت نصیب ہوگی۔ اور جس شخص نے تمہیں دشمن کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اس نے ایک تیرِ بے پیکاں چلایا۔ قسم خدا کی تم اپنے مکانوں کی فضا میں تو بہت جچتے ہو۔ مگر میدان میں علم کے نیچے تمہاری تعداد بہت ہی قلیل ہوتی ہے۔ بے شک میں اس چیز سے خوب واقف ہوں جو تمہارے فتنہ وفساد کی اصلاح کر سکتی ہے۔ تمہاری کجی کو سیدھا کر سکتی ہے۔ جابر اور ظالم بادشاہوں کی سیاستوں کا تمہارے ساتھ عمل درآمد ہو سکتا ہے۔ مگر میں اپنے نفس کو فاسد کر کے تمہاری اصلاح نہیں چاہتا۔ خدا تمہارے چہروں کو ذلیل و رُسوا کرے۔ تمہارے نصیب اور مقدر کو پست کر دے۔ تم بدبخت ہو جاؤ۔ کیا تم حق کو اتنا بھی نہیں جانتے جتنا کہ باطل کو پہچانتے ہو۔ کیا تم ابطال باطل میں اتنی کوشش بھی نہیں کر سکتے جتنی کہ حق کو چھپانے کے لیے کوشش میں لاتے ہو۔“ [2]

اس خطبہ سے ماخوذ نتائج

اس خطبہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے شیعوں کی حقیقت کو وضاحت سے بیان فرماتے ہوئے قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ جس کے تم مددگار بنو۔ وہ ذلیل ہے۔ کیونکہ میدان جنگ میں اُسے چھوڑ کر بھاگ جانا تمہاری دیرینہ عادت ہے۔ تمہارے گھروں میں اگر لاف زنی دیکھنی ہو تو ہر شخص رستم زمان نظر آئے گا۔ لیکن جب میدانِ جنگ میں نکلنے کا وقت آتا ہے تو پھر چھپتے پھرتے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ بیتی فرماتے ہیں کہ شیعو! میرے ساتھ گھر میں بیٹھ کر محبت و اطاعت کی باتیں ہوتی ہیں اور جب میدانِ جنگ میں تمہاری محبت و اطاعت کا امتحان ہونے لگتا ہے تو نو دو گیارہ ہو جاتے ہو۔ تمہارے اس منافقانہ رویہ سے بیزار ہو کر اور تنگ آ کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو ذلیل

1۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۹۷ ص ۱۴۲ مطبوعہ بیروت چھوٹا سائز

2۔ نیرنگ فصاحت ص ۱۳۱ مطبوعہ یوسفی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وخوار اور تمہارے مقدر کو پست اور تمہیں بد بخت کرے۔

یہ تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیزاری اور بد دعا جو آپ نے اپنے شیعوں سے ظاہر فرمائی۔ چنانچہ اس کی قبولیت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

(۲) ایک اور مقام پر حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

لوددت واللہ ان معاویة صارفنی بکم صرف الدینار بالدرھم فاخذ منی عشرة منکم واعطانی رجلا منھم یا اھل الکوفة منیت منکم بثلاث واثنین صم ذوو السماع وبکم ذوو کلام وعمی ذوو ابصار لا احرار صدق عند اللقآء ولا اخوان ثقة عند البلآء تربت ایدیکم۔ [1]

"قسم خدا کی تمہارے ان افعال سے بیزار ہو کر میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ معاویہ مجھ سے اس طریقہ سے تمہارا معاوضہ کرے کہ دینار طلائے مسکوک کے عوض درہم نقرہ مسکوک مجھے میسر ہو۔ اور دس مرد تم سے لے لے اور فقط ایک مرد شامی میرے حوالے کر دے۔ اے اہل کوفہ میں تمہاری تین خصلتوں اور دو خصلتوں کے سبب سے تم میں مبتلا رہا ہوں۔ حالانکہ تم صاحب گوش ہو، مگر امر حق کے سننے سے تمہارے کان بہرے ہیں۔ سچی بات میں تمہاری زبان گنگ ہے، حالانکہ تم صاحب زبان ہو۔ تم دیکھتے ہو صاحب ابصار ہو، اور اندھے بنے ہوئے ہو۔ نہ تم دوستوں کی ملاقات کے وقت مردانِ راست گو اور آزاد ہو۔ اور نہ بلاؤں کے وقت موثق اور معتمد بھائی تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں۔ تم ہمیشہ فقیر رہو۔" [2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب اپنے شیعوں کی کذب بیانیاں اور بد عہدیاں دیکھیں تو اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگے:

اے "محبان علی" تمہارے دس کے بدلے میں مجھے اگر ایک شامی مل جائے اور امیر معاویہ یہ سودا مجھ سے کر لے تو مجھے منظور ہے۔ کیونکہ "شیعان علی" ہوتے ہوئے تمہارے کان حق سننا، تمہاری آنکھیں حق دیکھنا تمہارے ہاتھ حق کی خاطر اٹھنا گوارا نہیں کرتے۔ تم زندگی کے کسی موڑ پر قابل اعتماد اور دوستی کے لائق نہیں۔ تم پر ہرگز بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے تمہارے لیے میری دعا ہے کہ تمہاری زندگی فقر و غربت میں بسر ہو۔ اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔ یہ بد دعا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیزاری کی علامت ہے جو شیعوں کی کذب بیانی اور بد عہدیوں سے پیدا ہوتی تھی۔

حضرت علیؓ کی شیعوں سے جدائی اور خلفاء راشدین سے جا ملنے کی دعا

(۳) چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ولوددت ان اللہ فرق بینی وبینکم والحقنی بمن ھو احق بی منکم قوم واللہ میامین الرای مراجیع الحلم مقاویل بالحق متاریک للبغی مضوا قدما علی الطریقة واوجفوا علی المحجة فظفروا

1۔ نہج البلاغہ ص ۷۴ خطبہ نمبر ۱۱۶ مطبوعہ بیروت طبع جدید

2۔ نیرنگ فصاحت ص ۱۶۸ مطبوعہ یوسفی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بالعقبی الدائمۃ و الکرامۃ البار دۃ۔[1]

''اب تو میری دعا ہے اور میں اسی بات کو دوست رکھتا ہوں کہ پروردگار عالم میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کر دے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ ملحق فرما دے۔ جو تم سے زیادہ میرے لیے سزاوار ہوں۔ وہ ایسے لوگ تھے قسم خدا کی ان کی آراء اور تدبیریں میمون اور مبارک تھیں۔ وہ دانشمندانہ اور حکیمانہ بردباریوں کے مالک تھے۔ وہ راست گفتار تھے۔ وہ بغاوت اور جور وستم کے ترک کرنے والے تھے۔ گزر گئے۔ درآنحالیکہ ان کے پاؤں طریقہ اسلام پر مستقیم تھے۔ وہ راہ واضح پر چلے اور ہمیشہ رہنے والی سرائے عقبہ میں فتح و فیروزی حاصل کی۔ نیک اور گوارا کرامتوں سے فیض یاب ہو گئے۔''[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان خطبات کے اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے شیعوں کی بدعہدیوں اور نافرمانیوں کو دیکھا۔ تو آپ نے خواہش فرمائی کہ اے اللہ! مجھے میرے ان ساتھیوں سے ملا دے۔ جو اس دارِ فانی سے راہیٔ بقا ہوئے۔ وہ راست گو، صراط مستقیم پر چلنے والے اور اچھی عاقبت والے تھے اور اے اللہ! میرے اور ان شیعوں کے درمیان جدائی ڈال دے۔ یعنی مجھے خلفائے راشدین سے ملا دے۔ اور ان نام نہاد ''محبان اہل بیت'' ''شیعان علی'' سے جدا کر دے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس دوران اپنے نام نہاد محبین سے کچھ ایسے دُکھ پہنچے کہ آپؓ بے حد دُکھی اور ملول ہو کر رہ گئے اور اکثر و بیشتر آپؓ کی زبانِ مبارک سے اپنے شیعوں کے بارے میں ایسے کلمات بلند ہوتے کہ جنہیں بہر حال مبارک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ افسوسناک صورتحال کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ شیعوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں تک دیں، اور کذاب بھی کہا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یا اھل الکوفۃ اخبر کم بما یکون قبل ان یکون لتکونوا امنہ علی حذر ولتنذروا بہ من اتعظ و اعتبر کانی بکم تقولون ان علیًا یکذب کما قالت قریش لنبیّھا صلی اللہ علیہ وسلم وسیدھا نبی الرحمۃ محمد فیا ویلکم فعلی من اکذب علی اللہ فانا اول من عبدہٗ و وحدہ ...... اصبحت لا اطمع فی نصرتکم ولا اصدقکم فرق اللہ بینی و بینکم۔''[1]

''اے اہل کوفہ میں تم کو اس چیز کی خبر دیتا ہوں۔ جو ابھی ہونے والی ہے۔ تاکہ تم اس سے اپنا بچاؤ کر سکو۔ اور پھر اس آدمی کو جو عبرت اور نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے ڈرا سکو۔ اور گویا کہ اس ڈرانے اور واضح نصیحت کرنے میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن کہتے ہو کہ علی (رضی اللہ عنہ) جھوٹ بولتا ہے۔ جیسا کہ قریش نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے (معاذ اللہ) اے اہل کوفہ تمہارے لیے ہلاکت۔ پس میں کس پر جھوٹ بولوں گا۔ کیا میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہوں۔ حالانکہ میں ہی وہ پہلا آدمی

1۔ احتجاج طبرسی قدیم مطبوعہ نجف ص ۹۴) (احتجاج طبرسی مطبوعہ قم ص ۲۵۵ جلد اول جدید تو بیخہ الخ

2۔ عقائد جعفریہ جلد اول ص ۳۹۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہوں کہ جس نے شریعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اس کو وحدہٗ لاشریک کہا۔ یا اس کے رسول پر جھوٹ کہوں گا۔ حالانکہ سب سے پہلے میں ہی اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی اور اس کی مدد کی۔ میں نے اس حال میں صبح کی۔ نہ تو میں تمہاری مدد کی طمع کرتا ہوں اور نہ تمہاری بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ بلکہ میری تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کر دے۔

مولانا محمد علی کے بقول: اس خطبہ سے بالکل وضاحت سے یہ بات سامنے آ گئی کہ "شیعان علی" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سخت نافرمان تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو "کذاب" کہتے تھے۔ اسی باطل عقیدہ کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ہلاکت کی دعا کی۔ اور صاف صاف فرما دیا: مجھے تم منافقوں کی مدد کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہاری بات پر یقین ہی نہیں۔ لہٰذا اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی ڈال دے۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بہت تنگ تھے اور بددعا تک کر بیٹھے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار) [2]

شیعانِ علیؓ خوارج کے روپ میں

عہد نامہ صلح کی تکمیل ہو گئی تو اشعث بن قیس مختلف قبیلوں میں اسے سنانے پر مامور ہوئے۔ شیعانِ علیؓ کے ایک مشہور قبیلہ عنزہ کے چار ہزار آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اشعث نے جب اس قبیلہ میں عہد نامہ سنایا تو دو بھائیوں نے کھڑے ہو کر کہا:

"خدا کے سوا کسی اور کا فیصلہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ کیا دینِ الٰہی کے فیصلہ کے ہوتے ہوئے تم انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ اگر تم ایسا کرتے ہو تو بتاؤ ہمارے مقتولین کا کیا حشر ہو گا؟"

قبیلہ مراد بنی راسب اور بنی تمیم نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا۔ محرز بن خنیس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا:

"اس فیصلہ سے رجوع کر لیجئے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا انجام آپ کے حق میں اچھا نہ ہو گا"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم لوگوں نے اصرار کر کے تو مجھے اس فیصلہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا اور جب قبول کر لیا تو اسے رَد کرنے کے لیے کہتے ہو، اب ایسا نہیں ہو سکتا۔"

غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس ہوئے تو ان کے شیعوں میں زبردست تفریق پیدا ہو گئی تھی۔ ایک گروہ تحکیم کو پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمانوں کا بکھرا ہوا شیرازہ اس طرح مجتمع ہو جائے گا۔ دوسرا گروہ اسے ناپسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ شریعت کے معاملہ میں انسانوں کو حَکَم بنانا جائز نہیں۔ اس اختلاف کا اظہار زبانوں سے گزر کر نوکِ خنجر سے بھی ہونے لگا۔ چنانچہ شام سے عراق تک برابر یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو بارہ ہزار شیعوں کی جماعت جو تحکیم کے خلاف تھی کھلم کھلا ان سے علیحدہ ہو گئی۔ اس جماعت نے شیث بن ربعی کو اپنا امیر اور عبداللہ بن کواء یشکری کو امامِ نماز منتخب کیا اور مقامِ حروراء میں قیام کیا۔ اس جماعت نے اپنے نظریہ کی توضیح اس طرح کی:

''حکم صرف خدائے عزّ و جل کا مانا جا سکتا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا فرض ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں خطا کار ہیں۔ حضرت معاویہؓ اس لیے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو جو خلیفۂ برحق تھے خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کیا اور حضرت علیؓ اس لئے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ جو واجب القتل تھے مصالحت کی گفتگو کی اور قرآن کے حکم صریح کو چھوڑ کر ان کے معاملہ میں انسانوں کو حَکَم تسلیم کیا۔ ہم پہلے ان دونوں سے جنگ کریں گے اور فتح کے بعد مشورہ سے ایسا نظام قائم کریں گے جو کتاب اللہ کے مطابق ہو''۔

خوارج کا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مباحثہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کو دبانے کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیجا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے ان سے مباحثہ شروع کر دیا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تمہیں انسانوں کو حَکَم مقرر کرنے میں کیا اعتراض ہے؟ خداوند تعالیٰ نے میاں بیوی کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حَکَم بنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِن خفتم شقاقَ بینِھما فابعثوا حکمًا مّن اھلہٖ و حکمًا مّن اھلھا اِن یُّرِیدا اصلاحًا یّوفِّقِ اللّٰہُ بینھما۔

(النساء:۳۵)

''اور اگر تمہیں میاں بیوی میں تفرقہ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ شوہر کے کنبہ میں سے اور ایک بیوی کے کنبہ میں مقرر کرو اور دونوں پنچ چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ ضرور میاں بیوی میں موافقت پیدا کر دے گا۔''

جب میاں بیوی کے جھگڑے کو دور کرنے کے لئے حَکَم مقرر کئے جا سکتے ہیں تو اُمت کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حَکَم بنانے میں کیا حرج ہے؟

خوارج نے جواب دیا:

''میاں بیوی کے اختلاف پر باغیوں کے معاملہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، وہاں خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو فیصلہ کا اختیار دے دیا ہے۔ لیکن یہاں اپنی طرف سے زانی اور سارق کی طرح حکم قطعی بیان فرمایا ہے

1۔ تاریخ ملت ج اول۔ واقعات بعد صفین

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انسانوں کے ہاتھ میں کچھ نہیں رکھا۔ معاویہؓ اور ان کے اصحاب نے جماعت مسلمین سے علیحدہ ہو کر بغاوت اختیار کی۔ ان کے متعلق خدا کا ایک ہی حکم تھا یا وہ توبہ کریں اور یا انہیں قتل کیا جائے۔ تم نے ان سے صلح کی گفتگو کر کے خدا کے اس حکم کو ٹھکرا دیا۔ لہٰذا تم بھی کافر اور وہ بھی کافر"۔ [1]

ابھی ان کا مباحثہ جاری ہی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود پہنچ گئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ یزید بن قیس کا ان پر اثر ہے۔ چنانچہ آپ یزید بن قیس ہی کے خیمہ میں اترے۔ پہلے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر یزید بن قیس کو اصفہان اور رے کا والی مقرر کیا۔ اس کے بعد آپ ان کی مجلس میں تشریف لے گئے اور پوچھا تمہارا دینی پیشوا کون ہے؟ خوارج نے ابن کواء کا نام لیا۔ آپ نے ابن کواء کو بلا کر پوچھا:

"تم لوگوں نے میری بیعت میں داخل ہونے کے بعد اس سے خروج کیوں کیا؟"

ابن کواء نے جواب دیا:

"اس لئے کہ آپ نے اللہ کے حکم کو چھوڑ کر انسانوں کو حَکَم مانا"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہم نے دونوں ثالثوں سے عہد لے لیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا تو ہم اسے قبول کر لیں گے ورنہ رد کر دیں گے"۔

ابن کواء نے پوچھا:

"اچھا یہ بتائیے کیا خون کے معاملہ میں آپ انسانوں کے فیصلہ کو جائز سمجھتے ہیں؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"میں نے انسانوں کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا بلکہ قرآن کے فیصلہ کو قبول کیا ہے البتہ اس فیصلہ کا اعلان یہ دونوں ثالث کریں گے۔ قرآن تو ایک کتاب ہے وہ خود نہیں بول سکتا۔"

ابن کواء نے پوچھا:

"پھر اس کام کے لیے چھ مہینے کی طویل مہلت کی کیا ضرورت تھی؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تا کہ عالم اور جاہل سب قرآن کے حکم کو سمجھ سکیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس دوران میں مصالحت کے لیے فضا زیادہ سازگار ہو جائے۔"

اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھا بجھا کر خوارج کو کوفہ میں واپس لے آئے اور حَکَمین کے فیصلہ کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خارجیوں کے اعتراضات

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس سلسلہ کی ایک اور روایت ملاحظہ ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق جو اعتراض تراشے وہ کل تین ہیں۔ عبد الرزاق اور حاکم اور بیہقی (رحمہم اللہ) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب حروریہ (خارجی) الگ ہو گئے اور وہ ایک مکان پر علیحدہ تھے تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نماز (ظہر) کو ٹھنڈا کریں تا کہ میں اس قوم کے پاس جا کر ان سے بات چیت کروں۔ میں ان کے پاس آیا اور اچھے سے اچھے حلے پہنے۔ انہوں نے کہا مرحبا یا ابن عباس، یہ حلہ کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ تم اس میں مجھ پر کیا عیب پکڑتے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اچھے سے اچھا حلہ پہنا، اور یہ آیت اُتری قُل من حرّم زینة اللّٰہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبات من الرزق، الآیۃ۔ انہوں نے کہا (اچھا) فرمایئے۔ آپ کیسے تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا، مجھے بتاؤ کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور آپ کے داماد اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب میں جو اُن کے ساتھ ہیں کیا برائی پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم ان میں تین باتیں بُری پاتے ہیں۔ میں نے کہا وہ کونسی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ پہلی ان میں سے یہ ہے کہ اس نے خدا کے دین میں آدمیوں کو حَکَم مانا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ یعنی "نہیں حکم مگر واسطے اللہ کے"...... میں نے کہا اور کیا؟ انہوں نے کہا اس نے قتال کیا اور نہ ان کو گالیاں دیں اور نہ ان کا مال لوٹا۔ اگر وہ کافر تھے تو ان کے مال حلال تھے۔ اور اگر وہ مومن تھے تو ان کے خون حرام تھے۔ میں نے کہا اور کیا؟ انہوں نے کہا اس نے (تحریک صلح والے کاغذ پر سے) مان لیا کہ امیر المومنین نہیں تو کیا وہ امیر الکافرین ہے؟

میں نے ان سے کہا (اچھا) اگر میں تم پر قرآنِ محکم پڑھوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے جس میں تم شک نہ کر سکو حدیث بیان کروں تو کیا تم رجوع کر لو گے؟ انہوں نے کہا نعم یعنی ہاں۔

میں نے کہا تمہارا یہ قول کہ اس نے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے دین میں آدمیوں کو حَکَم مانا ہے۔ (اس کا جواب یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یاایھا الذین امنوا لاتقتلوا الصید و انتم حرم (الیٰ قولہٖ) یحکم بہٖ ذوا عدلٍ منکم۔ الآیۃ ، نیز بیوی اور اس کے خاوند کے بارے میں فرمایا: "وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکمًا من اھلہٖ و حکمًا من اھلھا"۔ الآیۃ میں تم سے اللہ تعالیٰ کے نام پوچھتا ہوں کہ (مسلمان کو) لوگوں کے خونوں اور جانوں کی حفاظت میں اور ان کے آپس کے معاملات کی اصلاح میں حَکَم مقرر ہونا بہتر ہے یا ایک خرگوش کے بارے میں جس کی قیمت ایک درہم کا چوتھا حصہ ہے؟ (یعنی ایک آنہ) انہوں نے کہا ان کے خون میں اور ان کے آپس کے معاملات کی اصلاح میں حَکَم مقرر ہونا بہتر ہے۔ میں نے کہا کیا میں اس (دلیل) سے (پہلے اعتراض سے) نکل گیا؟ انہوں نے کہا اللّٰھم نعم۔

(پھر میں نے کہا) اور تمہاری یہ بات کہ اس نے قتال کیا اور (فریق مخالف کو) گالیاں نہیں دیں اور نہ ان کا مال لوٹا (سو اس کا جواب یہ ہے) کہ کیا تم اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دو گے؟ اور اس کے متعلق بھی اس امر کو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حلال جانو گے؟ جو اس کے سوا سے حلال جانتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو تم نے کفر کیا۔ اور اگر تم گمان کرو کہ وہ تمہاری ماں نہیں ہے تو بھی تم کافر ہو گئے۔ اور اسلام سے خارج ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالمومنین من انفسھم وازواجہٗ اُمَّھٰتھم۔ الاٰیۃ پس تم دو گمراہیوں میں ڈگمگا رہے ہو، پس جس کو چاہو اختیار کر لو، کیا میں اس سے بھی نکل گیا؟ انہوں نے کہا اللّٰھم نعم۔

(پھر حضرت ابن عباسؓ نے کہا) لیکن تمہارا یہ قول کہ اس نے اپنا نام امیر المومنین (کے لقب) سے مٹا دیا (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صلح) حدیبیہ کے روز قریش کو دعوت دی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک نوشت ہو جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا لکھو "یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔ قریشیوں نے کہا اللہ کی قسم اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو ہم آپ کو بیت اللہ شریف سے نہ روکتے اور نہ آپ سے لڑائی کرتے لیکن آپ محمد بن عبداللہ لکھوائیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم میری تکذیب کرتے ہو۔ اے علی! لکھو محمد بن عبداللہ اور (معلوم ہے کہ) رسول اللہ حضرت علیؓ سے افضل ہیں۔ کیا میں اس سے بھی نکل گیا؟ انہوں نے کہا اَللّٰھم نعم۔ پس ان میں سے بیس ہزار آدمی تائب ہو گئے اور چار ہزار باقی رہ گئے۔ جو قتل کیے گئے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مطبوعہ مصر مع مستصفیٰ للامام الغزالیؒ جلد ۲ ص ۳۸۸، ۳۸۹)

نتیجۂ تحکیم

جنگ صفین کے اختتام اور تحکیم کو جب چھ مہینے کی مدت گزر گئی تو حسب قرارداد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاصؓ دومۃ الجندل میں جمع ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ چار سو آدمیوں کی جماعت تھی جس کے سردار شریح بن ہانی اور امام حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ اسی طرح عمرو بن عاصؓ کے ساتھ چار سو آدمیوں کی جماعت جس کے افسر شرحبیل بن صمہ تھے۔ ان کے علاوہ حضرت معاویہؓ کی درخواست پر بعض غیر جانبدار بزرگ عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، ابوالجہم بن حذیفہ، عبدالرحمن بن یغوث، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی اصلاحِ اُمت کے نیک کام میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔

دونوں ثالثوں نے مسئلہ زیر بحث پر گفتگو شروع کی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلے امت مسلمہ کے افسوسناک اختلاف اور اس کے مہلک اثرات کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا:

"اے عمرو! بہت جوتیوں میں دال بٹ چکی۔ اب کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہئے کہ مسلمان آپس میں گلے مل جائیں اور آپس کی نااتفاقی دور ہو۔"

عمرو بن عاصؓ نے کہا: "مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمارے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

درمیان طے ہوتا جائے، کاتب اسے لکھتا جائے کیونکہ جو بات تحریر میں آجاتی ہے اس میں بھول چوک نہیں ہوتی۔"

ابوموسیٰ اشعری ؓ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کاتب کو بلوایا گیا۔ کاتب کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ وہی الفاظ قلمبند کرے جس پر فریقین متفق ہو جائیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص ؓ نے کاتب سے کہا لکھو:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس پر ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص باہم متفق ہوئے ہیں۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ خدا نے انہیں ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اس کی حقانیت کے سبب اسے تمام ادیان پر غالب کر دیں اگرچہ مشرکین کو یہ ناگوار ہو۔"

عمرو بن عاص: ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے تا زندگی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ پر عمل کیا۔ اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دیا۔"

ابوموسیٰ (کاتب سے): "بجا، درست ہے، لکھو"۔

عمرو بن عاص: یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر بھی رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے، انہوں نے بھی حضرت ابوبکر ؓ کے طرزِ عمل کو برقرار رکھا۔

ابوموسیٰ: یہ بھی صحیح ہے، لکھو"۔

عمرو بن عاص: یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر ؓ کے بعد عثمان ؓ مسلمانوں کے اتفاق اور صحابہ ؓ کے مشورے اور ان کی رضامندی سے منصبِ خلافت پر فائز ہوئے اور وہ سچے اور پکے مسلمان تھے"۔

ابوموسیٰ: یہ مسئلہ اس وقت زیرِ بحث نہیں ہے۔

عمرو بن عاص: اگر آپ ان کو مومن تسلیم نہیں کرتے تو پھر کیا وہ کافر تھے؟

ابوموسیٰ: "اچھا لکھو"۔

عمرو بن عاص: اب دو ہی باتیں ہیں یا انہیں ظالم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا یا مظلوم ہونے کی حیثیت سے؟"

ابوموسیٰ: انہیں مظلوم ہونے کی حیثیت سے ہی قتل کیا گیا۔

عمرو بن عاص: "جسے مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا ہو خدا نے اس کے ولی کو قاتلوں سے طلبِ قصاص کا حق دیا ہے۔"

ابوموسیٰ: "ہاں دیا ہے"۔

عمرو بن عاص: "کیا آپ جانتے ہیں کہ معاویہ ؓ ہی عثمان ؓ کے والیٔ اقرب ہیں"۔

ابوموسیٰ: "یہ بھی درست ہے"۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عمرو بن عاص: تو اسی صورت میں معاویہ کو حق ہے کہ وہ قاتلین عثمانؓ کا مطالبہ کریں۔ وہ جو کوئی ہوں اور جہاں کہیں ہوں اور اس کام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔"

ابو موسیٰ: "یہ بھی ٹھیک ہے۔"

عمرو بن عاص: (کاتب سے) "یہ سب باتیں لکھ لو۔"

ابو موسیٰ: "اے عمرو! یہ نزاع اُمت مسلمہ کے لئے بڑی مصیبت ہے۔ کوئی ایسی تجویز سوچیں کہ اس مصیبت سے چھٹکارا ہو اور ملت کی بہبودی کی صورت پیدا ہو۔"

عمرو بن عاص: "ایسی کیا تجویز ہو سکتی ہے؟"

ابو موسیٰ: "مجھے یقین ہے کہ اہلِ عراق کبھی معاویہ ؓ کو پسند نہ کریں گے۔ اور اہلِ شام کبھی علی ؓ سے راضی نہ ہوں گے۔ لہٰذا دونوں کو اس منصب سے علیحدہ کر کے عبداللہ بن عمر ؓ کو خلیفہ بنایا جائے۔"

عمرو بن عاص: "کیا عبداللہ بن عمر ؓ اس منصب کو قبول کر لیں گے؟"

ابو موسیٰ: "اُمید تو ہے بشرطیکہ سب مسلمان بالاتفاق ان سے درخواست کریں۔"

عمرو بن عاص: "سعد بن ابی وقاص ؓ کو کیوں نہ منتخب کیا جائے؟"

ابو موسیٰ: "وہ موزوں نہیں۔"

اس کے بعد عمرو بن عاص ؓ نے اور متعدد بزرگوں کے نام لئے، لیکن ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ انکار کرتے رہے اور عبداللہ بن عمر ؓ کے علاوہ اور کے لیے رضامند نہ ہوئے۔ یہاں آ کر گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا اور جو کچھ طے پایا تھا اس پر

ا۔ یہ روایت "مسعودی" کی ہے دوسرے مورخین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص ؓ کی یہ گفتگو قلم بند نہیں ہوئی، اور دونوں گفت و شنید کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ "حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور اُمت کو اختیار دیا جائے کہ نئے سرے سے جس کو چاہے خلیفہ منتخب کرے۔" دونوں حَکَم اس فیصلہ کا اعلان کرنے مجمع عام میں آئے۔ پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: "ہم حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو معزول کرتے ہیں اور آئندہ خلیفہ کو منتخب کرنے کا حق اُمت کے سپرد کرتے ہیں۔"

پھر عمرو بن عاص ؓ آئے، انہوں نے کہا: "جہاں تک حضرت علیؓ کی معزولی کا تعلق ہے مجھے ابو موسیٰ ؓ کی رائے سے اتفاق ہے لیکن حضرت معاویہ ؓ کو میں معزول نہیں کرتا، ان کو ان کے منصب پر قائم رکھتا ہوں۔"

عمرو بن عاص ؓ کے اس اعلان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی اور دونوں حَکَموں میں سخت کلامی ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت بوجوہِ ذیل ناقابل قبول ہے:

(۱) "ثالثی نامہ" کی کتابت اور اس پر باقاعدہ شہادتوں کا ذکر سب مورخین نے کیا ہے۔ تعجب ہے کہ ثالثی نامہ تو قید تحریر میں لایا جائے اور اصل فیصلہ زبانی ہو۔

(۲) عمرو بن عاص ؓ کو اس عیاری اور دروغ بیانی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ صرف اپنی رائے کا اظہار تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کی طرف سے اسے منسوب نہ کیا حالانکہ طے شدہ شرائط کی رو سے صرف متفقہ فیصلہ ہی قابلِ قبول ہو سکتا تھا۔ نہ ایک حَکَم کی تنہا رائے۔ (تاریخ ملت ج ۱ ص ۲۴۴۔ حاشیہ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فریقین کے دستخط ثبت ہو گئے۔

اس فیصلے کا خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی معزولی میں دونوں کا اتفاق ہو گیا لیکن یہ طے نہ ہوا کہ یہ منصب کس کے سپرد ہو۔ لہٰذا یہ کام امتِ محمدیہ کی رائے عامہ کے سپرد کر دیا گیا۔ جو کچھ تجویز قلمبند ہوئی تھی وہ مجمع عام میں پڑھ کر سنادی گئی اور فریقین اپنے اپنے مقامات کو روانہ ہو گئے۔[1]

یہ فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ اس کی رو سے حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ ایک سطح پر آ گئے۔ پھر چونکہ انہیں کل اہلِ شام کی تائید حاصل تھی اور انتخابِ خلافت کا معاملہ رائے عامہ کے سپرد ہوا تھا۔ اس لیے انہیں منصبِ خلافت کی آرزو پوری کرنے کے لیے مناسب موقعہ ہاتھ آ گیا۔ حضرت علی ؓ کے حق میں یہ فیصلہ مضر ہوا۔ مدینۃ الرسول کی بیعت جو ان کے لیے بڑی حجت تھی اس فیصلہ کی رُو سے باطل ہو گئی اور آئندہ انتخاب میں کامیاب ہونے میں مزید مشکلات پیدا ہو گئیں۔ اہلِ شام تو ان کے مخالف تھے ہی اہلِ عراق کی امداد بھی تحکیم کو قبول کرنے کی وجہ سے منقسم ہو گئی۔ شیعانِ علی کا وہ گروہ جو بگڑ کر "خوارج" کے نام سے علیحدہ شناخت قائم کر چکا تھا، فیصلہ تحکیم کے اعلان سے پہلے دب گیا تھا، ایک بار پوری قوت کے ساتھ اُبھرا اور انکے لیے مارِ آستین بن گیا۔

عمرو بن عاص ؓ اپنی جماعت کے ساتھ شام پہنچے تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کی مبارکباد دی۔ اہلِ شام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں "خلیفۃ المسلمین" کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔

حضرت علی ؓ کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپؓ نے فرمایا چونکہ دونوں ثالثوں نے کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی شرط کو پورا نہیں کیا اس لئے یہ ناقابل قبول ہے۔ آپؓ نے جامع کوفہ میں ایک تقریر کی اور ملک شام پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔

شورشِ خوارج

حضرت علی ؓ ملکِ شام پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ بگڑے ہوئے شیعانِ علیؓ نے خوارج کے روپ میں پھر سر اٹھایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے حضرت علی ؓ سے تحکیم کو دور کرنے کے لئے کہا تھا مگر وہ نہ مانے۔ اب وہ حکمین کے فیصلہ کو کتاب وسنت کے خلاف بتا رہے ہیں اور جو بات ہم نے کہی تھی اسے تسلیم کر رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ قبولِ تحکیم کے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو تب تو ہم ان کا ساتھ دیں گے ورنہ ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔

ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر منتخب کیا اور کوفہ سے نکل کر جسر نہروان میں مجتمع ہو گئے۔ یہاں ان لوگوں نے بصرہ اور انبار اور مدائن سے بھی اپنے ہم خیال لوگوں کو بلایا اور اپنی جمعیت کو خوب منظم کر لیا۔ اب خوارج نے اپنے عقیدہ کی زبردستی تبلیغ شروع کر دی۔ ذمیوں سے وہ تعرض نہ کرتے اور کہتے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری کو پورا کرنا چاہئے۔ لیکن کسی مسلمان کو جو ان کی رائے سے اتفاق نہ کرتا نہ بخشتے اور اُسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیتے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عبداللہ بن خباب ایک بزرگ اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ان لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور کہا یہ قرآن جو آپ کی گردن میں لٹکا ہوا ہے آپ کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ عبداللہ بن خباب نے کہا بھائی میں تو مسلمان ہوں اور پھر اپنا نام بتایا۔ انہوں نے کہا:

''ہمیں کوئی حدیث سنایئے جو آپ کے والد کی سند سے آپ تک پہنچی ہو۔''

عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے باپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ایک ایسا فتنہ نمودار ہوگا جس میں آدمی کا دل مرجائے گا جیسا کہ اس کا بدن مرجاتا ہے۔ انسان رات کو مسلمان سوئے گا اور صبح کو کافر اٹھے گا ایسے فتنہ میں مقتول ہونا، قاتل نہ ہونا''۔

خوارج نے پوچھا: حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

عبداللہؓ نے ان کی تعریف کی۔

خوارج نے کہا: آپ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

عبداللہ نے اسے بھی بہتر بتایا۔

خوارج نے پوچھا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق قبولِ تحکیم سے قبل و بعد آپ کی کیا رائے ہے؟

عبداللہ نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ تمہارے مقابلہ میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔''

خوارج نے کہا: ''بس تم راہِ ہدایت سے دور اور شخصیت پرستی میں گرفتار ہو۔''

پھر انہوں نے عبداللہ بن خباب کو نہر کے کنارے لے جا کر ذبح کر دیا۔ اور ان کی حاملہ بیوی کا بھی پیٹ چاک کر کے شہید کر دیا۔

ان کی باطنی شقاوت کی تو یہ حالت تھی اب ظاہری حالت بھی ملاحظہ ہو۔

ایک نصرانی سے انہوں نے کھجوروں کا معاملہ کرنا چاہا۔ نصرانی نے کہا: آپ لے لیجئے میں آپ سے قیمت نہ لوں گا۔ خارجی نے کہا ہم تو بغیر قیمت ادا کئے تمہاری کھجوروں کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ ایک خارجی نے ایک کھجور منہ میں رکھ لی تو سب چیخ اٹھے اور اسے منہ میں سے نکلوا کر چھوڑا۔

ان میں سے ایک شخص کے سامنے سے ایک سؤر گزرا، اس شخص نے اسے مار ڈالا۔ اس پر دوسرے خارجی اسے لعنت ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تو خدا کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔ وضع قطع یہ تھی کہ نیچے نیچے کرتے پہنے ہوئے تھے اور لمبی لمبی نمازوں کی وجہ سے ہاتھوں پر گٹے پڑ گئے تھے اور گھٹنے اور کہنیاں جھانویں کی طرح کھردری ہو گئی تھیں۔[1]

جنگ نہروان

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۸۷ و اتمام الوفاء ص ۲۳۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علی ؓ ملک شام پر حملہ کرنے میں تاخیر پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر جب خوارج کے ان مظالم کی خبریں پہنچیں تو شیعانِ علیؓ نے کہا: یا امیر المومنین! پہلے اس فتنہ کا سر کچل دیجئے ایسا نہ ہو کہ ہم ملک شام پر حملہ آور ہوں اور یہ ہمارے اہل و عیال کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ حضرت علی ؓ نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اپنی جمعیت کو لے کر نہروان کی طرف کوچ کیا۔

نہروان پہنچ کر حضرت علی ؓ نے خوارج سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر قیام کیا۔ آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا تاکہ سمجھا بُجھا کر انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ مگر ان بزرگوں کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور خوارج اپنی رائے پر اڑے رہے۔

اب حضرت علی ؓ نے پیغام بھیجا:

"تمہاری جماعت میں سے جن لوگوں نے خباب اور دوسرے مسلمانوں کو شہید کیا ہے انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم صرف ان قاتلین کو اپنے بھائیوں کے قصاص میں قتل کر دیں گے اور فی الحال تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر شام کی مہم پر چلے جائیں گے۔ ممکن ہے ہماری واپسی تک خدا تمہارے دلوں کو پھیر دے اور تم دوبارہ راہِ ہدایت قبول کر لو۔"

مگر خوارج نے جواب دیا:

"ہم سب نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور ہم سب تمہارے اور تمہارے ہم عقیدہ لوگوں کے خون کو مباح سمجھتے ہیں۔"

اب حضرت علی ؓ کے لیے لڑائی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ آپ نے اپنی فوج کو اصولِ جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ مگر چونکہ آپ حتی الامکان خونریزی سے بچنا چاہتے تھے اس لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو سفید جھنڈا دے کر بھیجا اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے پناہ لے گا یا میدانِ جنگ کو چھوڑ کر کوفہ یا مدائن چلا جائے گا ہم اس سے تعرض نہ کریں گے۔ یہ اعلان سن کر خوارج کی جماعت میں سے فروہ بن نوفل پانچ سو آدمیوں کے ساتھ نکل آیا اور بندنجین کی راہ لی۔ کچھ لوگ کوفہ کی طرف نکل گئے اور کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آ کر شامل ہو گئے۔ اب خوارج کے لشکر میں دو ہزار آٹھ سو آدمی رہ گئے۔

آخر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا، خارجیوں کی مختصر جماعت بڑی بے جگری کے ساتھ لڑی۔ تمام بڑے بڑے سردار اور اکثر سپاہی شمشیر حیدری کا شکار ہوئے۔ جو باقی بچے وہ زخمی ہو کر گرفتار ہوئے۔

ان لوگوں کی بہادری کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک خارجی سردار شریح بن ابی اوفی کی ایک ٹانگ کٹ گئی تو وہ صرف ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر تلوار چلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ "نر اونٹ کھونٹے سے بندھا ہوا بھی اپنی مادہ کی حفاظت کرتا ہے۔"

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آخر کار قیس بن سعد نے اس کا کام تمام کر دیا۔

لڑائی کے خاتمہ کے بعد حضرت علیؓ نے زخمیوں کو جن کی تعداد چار سو تھی علاج کے لیے ان کے اعزہ کے سپرد کر دیا اور مقتولین کے گھوڑے اور ہتھیار اپنی فوج میں تقسیم کر دیئے۔ اس کے علاوہ ان کا دوسرا سامان ان کے وارثوں کے حوالہ کر دیا۔

فتنہ خریت

نہروان کی اس شکست کے بعد اگرچہ خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا تاہم وہ جا بجا فتنہ و فساد میں مصروف رہے اور حضرت علیؓ کو اطمینان کا سانس نہ لینے دیا۔ خریت ابن راشد ناجی نے بنی ناجیہ کے تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر "اِنِ الحکمُ اِلَّا لِلّٰہِ" کی دعوت دینی شروع کی اور ملک کے مختلف حصوں میں قتل و غارت گری شروع کر دی۔

حضرت علیؓ نے زیاد بن حفصہ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ مقامِ مذار پر زیاد کا خریت سے مقابلہ ہوا۔ سارا دن لڑائی جاری رہی۔ رات کی تاریکی میں خریت اپنے بقیۃ السیف ہمراہیوں کو لے کر بھاگ نکلا۔ زیاد بصرہ لوٹ آیا اور حضرت علیؓ کو حالات کی اطلاع دی۔ حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ خریت کے تعاقب میں بھیجا۔ معقل نے خریت کو رامہرز کی پہاڑیوں میں جا پکڑا۔ خریت قتل ہوا اور اس کے ساتھ کچھ قتل ہوئے کچھ منتشر ہو گئے۔

خریت کے علاوہ دوسرے خارجی سرداروں نے بھی جا بجا فتنہ پردازی جاری رکھی اور حضرت علیؓ کسی وقت بھی ان کی طرف سے مطمئن نہ ہو سکے۔

حضرت علیؓ کی شہادت

خوارج مذکورہ بالا لڑائیوں میں کثیر تعداد میں مارے گئے اور جو بچ گئے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سخت دشمن ہو گئے۔ خوارج کے گروہ میں سے عبدالرحمن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر التیمی نے ایک جگہ جمع ہو کر معاملات پر غور اور آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے مشورہ کیا اور انہوں نے حضرت علیؓ، امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو سلطنتِ اسلامیہ میں انتشار اور خانہ جنگی کا ذمہ دار ٹھہرایا اور یہ طے کیا کہ ان تینوں شخصیات کے خاتمے کے بغیر امن و امان ممکن نہیں ہے اور باہم مشورہ کے بعد عبدالرحمن بن ملجم نے حضرت علیؓ، برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ اور عمرو بن بکر التیمی نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا ذمہ لیا اور ان تینوں شخصیات پر بیک وقت حملہ کا منصوبہ بنایا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے روانہ ہوئے۔

عبدالرحمن بن ملجم نے کوفہ پہنچ کر بنو اشجع کے ایک شخص شبیب بن شجرہ نامی شیعہ کو اپنے منصوبہ میں شریک کر لیا اور طے شدہ وقت پر جب حضرت علیؓ نمازِ فجر کے لئے نکلے تو انہوں نے حضرت علیؓ پر حملہ کیا، آپ اس قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہوئے اور آپ کی جگہ جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی۔ ابن ملجم گرفتار ہوا، آپ نے اسے آرام سے رکھنے کا حکم دیا اور لوگوں سے کہا میں خود اس معاملے پر غور کروں گا اور اگر جانبر نہ ہو سکوں تو اسے قصاص میں قتل کر دینا اور اپنے اہل خانہ کو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وصیت کی کہ میرے بعد ایک خون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا صرف میرا قاتل ہی قتل کیا جائے۔ آپ چونکہ شدید زخمی ہوئے تھے جانبر نہ ہو سکے اور ۲۱/رمضان المبارک ۴۰ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خارجیوں کی سازش کا شکار ہو گئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کی اس درخواست کو رد کر دیا اور عبداللہ بن جعفر کو قتل کا حکم دیا۔ ابن ملجم کو اپنے عقیدۂ باطل پر اس قدر یقین تھا کہ وہ قتل کے وقت سورۂ اقراء کی تلاوت کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس وقت زبان کو ذکراللہ سے غافل نہیں کرنا چاہتا۔

ابن ملجم کا دوسرا ساتھی برک بن عبداللہ دمشق پہنچا اور اس نے بھی اسی دن، اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جب کہ وہ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے حملہ کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معمولی زخم آیا جو جلد اچھا ہو گیا۔ برک گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے مسجد میں مقصورہ بنوا لیا اور ایک محافظ دستہ مقرر کیا جو نماز کے وقت ان کی حفاظت کرتا تھا۔

ابن ملجم کا تیسرا ساتھی عمرو بن بکر مصر پہنچا اور اس نے بھی وقت معینہ پر اپنا عہد پورا کرنے کی کوشش کی۔ حسنِ اتفاق سے اس روز عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیماری کی وجہ سے مسجد نہ آ سکے اور ان کی بجائے خارجہ ابن حبیبہ نے امامت کی۔ عمرو بن بکر نے خارجہ کو عمرو بن عاص سمجھ کر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ عمرو بن بکر بھی گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

علی المرتضیٰؓ کے جنازہ میں شیعانِ علی کی عدمِ شرکت

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا، اور کوفہ میں اس وقت تمام تر آبادی "شیعانِ علیؓ" ہی کی تھی، بعد کی چودہ صدیوں کے شیعوں کو اس بات پر انتہائی تفاخر کا احساس رہا ہے، چنانچہ مجالس المؤمنین میں قاضی نوراللہ شوستری کا یہ قول مرقوم ہے:

"وبالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامۂ دلیل ندارد وسُنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل محتاج بدلیل است واگرچہ ابوحنیفہ کوفی باشد۔" 1

"خلاصہ کلام یہ کہ کوفہ والوں کا مذہباً شیعہ ہونا کسی دلیل کا پابند نہیں۔ یعنی وہ شیعہ الاصل ہیں اور کسی اصل کوفی کا اہل سنت ہونا چونکہ خلاف اصل ہے۔ لہٰذا اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہو گی۔ چاہے وہ کوفی امام اعظم ابوحنیفہ ہی کیوں نہ ہوں۔"

یہ تھی اس کوفہ کی مذہبی تصویر جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس شیعی شہر میں صبح کے

1۔ مجالس المؤمنین جلد اول ص ۵۶ مطبوعہ تہران ذکر کوفہ
2۔ اصول کافی جلد اول ص ۴۵۸ باب ذکر مولد امیر المؤمنین کے آخر میں (کتاب الحجۃ مطبوعہ تہران طبع جدید)
3۔ الشافی ترجمہ اصول کافی ص ۵۶۷ باب ۱۱۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ اور جب آپ کی نماز جنازہ کا وقت آیا تو سوائے حسنین کریمین اور ''فرشتوں'' کے کوئی بھی شریک جنازہ نہ ہوا۔ اس سلسلہ میں ''اصولِ کافی'' کی گواہی ملاحظہ ہو!

عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام انسمعیقول لمقبض امیر المؤمنین علیہ السلام خرجالحسن و الحسین و رجلان آخران حتّٰی اذا اخرجوا من الکوفۃ ترکوھا عن ایمانھم ثم اخذوا فی الجیانہ حتّٰی مروا بہ الی الغرٰی فدفنوہ وسووا قبرہ فانمرفوا۔[2]

''امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حسنین کریمین اور دو اور مرد (فرشتے) جنازہ لے کر نکلے۔ تو چلتے ہوئے کوفہ کو داہنی طرف چھوڑا۔ پھر بلند زمین کی طرف آئے اور مقام غزی میں دفن کر کے لوٹ آئے۔ اور قبر کا نشان مٹا دیا۔''[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سے شیعوں کا سلوک

جب حضرت سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اپنے والد بزرگوار کو دفن کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے تو راستہ میں انہیں ''شیعہ'' ملے اور پھر ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی اور جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر سے ان لوگوں نے سلوک کیا۔ ''شیخ مفید'' اسے بیان کرتے ہیں:

''جب ہم جنازہ سے واپس لوٹے۔ تو شیعوں کی ایک جماعت ہمیں ملی۔ جس نے جنازہ میں شرکت نہ کی تھی۔ ہم نے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم کے بارے میں آگاہ کیا جس کا ہم معائنہ کر چکے تھے۔ ہماری باتیں سن کر انہوں نے کہا کہ ہم بھی وہ سب کچھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس کا تم معائنہ کر چکے ہو۔ ہم نے انہیں کہا ہم تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کی قبر کو زمین کے برابر کر چکے ہیں۔ اور اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہوگا۔ (لیکن وہ ضدی نکلے اور ہم سے اس مقام تدفین کی بابت معلومات حاصل کر کے) اُدھر چل پڑے۔ جب واپس پلٹے تو انہوں نے آ کر ہمیں بتلایا کہ جب ہم وہاں گئے تھے تو ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر مل گئی پھر جب ہم نے اُسے کھودا۔ تو اندر کچھ بھی نہ پایا۔''[1]

شیعیت کی ان دو معتبر اور مستند کتابوں کے حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شیعوں میں سے کسی ایک نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ بلکہ جب حسنین کریمین نماز جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے تو کچھ شیعہ راستہ میں ملے۔ کیونکہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ پھر اُن کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ بھی ''شیخ مفید'' نے ذکر کی، قبر پر پہنچے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعد شہادت بھی انہیں چہرہ دکھانا گوارا نہ کیا۔

1۔ ارشاد شیخ مفید ص ۱۹ مطبوعہ قم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق

1۔جلاء العیون جلد دوم اردو ص ۶۰، ۶۱ مترجمہ ظہور الحسن کوثر بریلوی مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شیعوں کے متضاد عقائد کی جھلک

اس حقیقت پر تاریخ کی مسلسل گواہی ثبت ہوتی چلی آئی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جن عقیدتمندوں سے واسطہ پڑا، انہوں نے آپؓ کو ایک عجیب وغریب، مافوق الفطرت اور کم از کم انسانیت سے ماوراہستی بنا کر پیش کیا۔ ان لوگوں نے آپؓ کی ذات میں الٰہی صفات کے دعوے کئے اور بالکل بعینہٖ انہیں انسان کے روپ میں خدا کے مثل بنا ڈالا۔ حتیٰ کہ کائنات کے حقیقی خالق کو بھی آپ کی ذات سے مشاورت اور اجازت کا محتاج ثابت کیا، ایسی بے شمار کتب آج بھی موجود ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ خدا کی ہستی در حقیقت علیؓ کی ہستی ہی سے قائم ہے، اگر علیؓ نہ ہوتے تو خدا کو اپنی مخلوق کی تخلیق اور بعد ازاں ان مخلوقات میں اپنا تعارف کرانا ممکن نہ ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ”شریکِ خدا“ ہیں

چنانچہ صاحبِ جلاء العیون ملا باقر مجلسی نے حضرت علیؓ کی طرف درج ذیل خطبہ منسوب کیا ہے:

قال علی علیہ السلام فی بعض خطبہٖ انا عندی مفاتیح الغیب لا یعلمھا بعد رسول اللہ الا انا انا ذوالقرنین المذکور فی صحف الاولٰی انا صاحب خاتم سلیمان انا والی الحساب انا صاحب الصراط والموقف انا قاسم الجنۃ والنار انا أدم الاول انا نوح الاول انا أیت الجبار انا حقیقۃ الاسرار انا مورق الاشجار انا مولغ الاثمار انا مفجر العیون انا مجری النھار انا خازن العلم انا طور الحلم انا امیر المؤمنین انا عین الیقین انا حجۃ اللہ فی السمٰوٰت والارض۔ الخ۔ [1]

”جناب علی علیہ السلام نے اپنے بعض خطبات میں ارشاد فرمایا ہے۔ میں وُہ ہوں جس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ جنہیں بعد رسول اللہ، میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں وہ ذوالقرنین ہوں۔ جس کا ذکر صحف اولیٰ میں ہے۔ میں خاتم سلیمان کا مالک ہوں۔ میں قاسم جنت ونار ہوں۔ میں اول آدم ہوں۔ میں اول نوح ہوں۔ میں جبار کی آیت ہوں۔ میں اسرار کی حقیقت ہوں۔ میں درختوں کو پتوں کا لباس دینے والا ہوں۔ میں پھلوں کا پکانے والا ہوں۔ میں چشموں کو جاری کرنے والا ہوں۔ میں نہروں کو بہانے والا ہوں۔ میں علم کا خزانہ ہوں۔ میں علم کا پہاڑ ہوں۔ میں امیر المؤمنین ہوں۔ میں سرچشمۂ یقین ہوں۔ میں زمینوں اور آسمانوں میں حجتِ خدا ہوں۔

میں متزلزل کرنے والا ہوں۔ میں صاعقہ ہوں۔ میں حقانی آواز ہوں۔ میں قیامت ہوں۔ ان کے لیے جو

1۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۶۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قیامت کی تکذیب کریں۔ میں وُہ کتاب ہوں۔ جس میں کوئی ریب نہیں۔ میں وُہ آسمائے حسنہ ہوں جن کے ذریعہ خدا نے دعا قبول کرنے کا حکم دیا۔ میں وُہ نور ہوں جس سے موسیٰ نے ہدایت کا اقتباس کیا۔ میں صور کا مالک ہوں۔ میں قبروں سے مُردوں کو نکالنے والا ہوں۔ (زندہ کرنے والا ہوں) میں یوم النشور کا مالک ہوں میں نوح کا ساتھی اور اس کو نجات دینے والا ہوں۔ میں ایوب بلا رسیدہ کا صاحب اور اس کو شفا دینے والا ہوں۔ میں نے اپنے رب کے امر سے آسمانوں کو قائم کیا۔ میں صاحب ابراہیم ہوں۔ میں حکیم کا بھید ہوں۔ میں ملکوت کو دیکھنے والا ہوں۔ میں وہ حی ہوں جسے موت نہیں میں تمام مخلوقات پر ولی حق ہوں۔ میں وہ ہوں جس کے سامنے بات نہیں بدل سکتی۔ مخلوق کا حساب میری طرف سے ہے۔ میں وہ ہوں جسے امر مخلوق تفویض کیا گیا۔ میں خلیفہ اللہ ہوں۔" 1

یہ خطبہ "سید ظہور الحسن شیعی ملتانی" کی کتاب جلاء العیون اردو سے نقل کیا گیا ہے۔ جہاں اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ شمار کیا گیا ہے۔ ہم اس پر یہی عرض کر سکتے ہیں کہ اگر یہ خطبہ بالفرضِ محال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے تو آپ اس میں مذکور دعاوی کی بناء پر دوسرے خدا بن بیٹھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات من وعن انہوں نے اپنے لیے لازم قرار دیں۔ نہ ان میں کوئی تاویل کی گئی نہ ہی ان میں حقیقت و مجاز کا سہارا لیا گیا۔ اور اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے کو اس کی صفات میں مثل اور مساوی جاننا شرک صریح ہے۔ اور شریک ہی ایک ایسا عظیم گناہ ہے جو نا قابلِ معافی ہے۔ کل قیامت کو اللہ چاہے گا تو بقیہ تمام گناہ معاف کر دے گا لیکن شرک قطعاً قابل معافی نہیں ہوگا۔

یقیناً کوئی مسلمان تصور نہیں کر سکتا کہ یہ خطبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہی ہو، بلکہ شیعوں نے اس قسم کے بیسیوں دعوے وضع کر کے کتابوں میں شامل کئے ہیں اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس طرح کی ایک اور مثال "مناقب آل ابی طالب" کا درج ذیل اقتباس ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفات بمقابلۂ صفاتِ باری تعالیٰ

قال اللّٰہ تعالٰی لنفسہٖ (وھو العلی العظیم) وفیہ (وجعلنا لھم لسان صدقا علیا) وقال لنفسہٖ (وھو یطعم ولا یطعم) وفیہ (ویطعمون الطعام) وقال لنفسہٖ (لاتأخذہٗ سنۃ ولا نوم) وفیہ (امن ھو قانت)

1۔ مناقب آل ابی طالب مصنفہ ابن شہر آشوب جلد سوم ص ۲۳۸ باب النکت والا طائف مطبوعہ قم چناباں طبع جدید

2۔ مولانا محمد علی مذکورہ عبارات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: جتنی آیات "ابن شہر آشوب" نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے کسی نہ کسی صفت کو ثابت کرنے کے لیے ذکر کی ہیں۔ ان آیات کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہونا صرف "ابن شہر آشوب" کا اپنا اجتہاد ہے۔ ورنہ یہ تمام آیات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں خاص طور پر نازل نہیں ہوئیں۔ اور دوسری بات یہ بھی کہ ان آیات سے جو مفہوم اس مجتہد نے نکالا۔ وہ اسی کا خاصہ ہے۔ اس طرح اس مصنف نے قرآن پاک کی تفسیر اپنی رائے سے کی اور تفسیر بالرائے کرنے والے کیلئے متفقہ قانون ہے کہ ایسا شخص عند الشرع مسلمان نہیں۔ (عقائد جعفریہ ج ۱ ص ۴۸)

3۔ نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغۃ ص ۱۸۰ مطبوعہ یوسفی دہلوی طبع قدیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وقال لنفسہ (وھو اللّٰہ الواحد القھار) وفیہ (قل انما اعظکم بواحدۃ) قال الرضا علیہ السلام قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعلی بک وعظت قریش وقال لنفسہ (قل اللّٰھم مالک الملک) وفیہ (واذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا) وقال لنفسہ (یحبھم ویحبونہ) وفیہ (علی حبہ مسکینا ویتیما) الخ۔[1]

''اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''العلی'' بیان کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی (علی) کہا۔ اللہ نے اپنے کو ''کھانا کھلانے والا'' کہا۔ اور یہی صفت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی عطا فرمائی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ''شب بیداری کرنے والا کہا'' اللہ نے خود کو ''واحد'' اور ادھر علی کو ''واحد'' کہا۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ قریش کو تمہاری وجہ سے نصیحت حاصل ہوئی۔ اللہ نے اپنے آپ کو ''مالک الملک'' کہا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''ملک کبیر'' کا مالک فرمایا۔ اللہ نے اپنے لیے ''یحبھم ویحبونہ'' کہا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''علی حبہ مسکیناً'' کہنا۔''

''ابن شہر آشوب'' شیعہ قبیلہ کے ایک بہت بڑے اور بلند پایہ مجتہد ہیں، انہوں نے اس مقام پر پوری پوری کوشش کی کہ قرآن پاک میں جو صفات جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ذکر فرمائیں وہ تمام صفات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت کی جائیں۔ اور اس طرح اللہ اور اس کے ایک بندے کے درمیان صفات میں مساوات و برابری دکھائی جائے۔ کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ اور اس کے بندے کو ایک کر دیا جائے۔[2]

جبکہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشادِ گرامی ہے:

''بالتحقیق میری شان پر نظر کر کے دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک تو محبِ مُفرط جس کو بے اندازہ اور بے جا محبت اُسے غیر حق کی طرف لے جاتی ہے۔ دوم مبغض مفرط جس کا میرے ساتھ حد سے بڑھا ہوا بغض اسے حق پر

1۔ بصائر الدرجات کے حاشیہ پر مرقوم ہے
افراط جمع الفرط ای مجاوزۃ الحد من جانب الزیادۃ والکمال۔ (حاشیہ بصائر الدرجات جز ثالث ص ۱۳۹)
''افراد'' فرط کی جمع ہے اور زیادتی و کمال میں حد سے بڑھ کر بیان کرنا اور تجاوز کرنا ''فرط'' کہلاتا ہے۔

☆...... اس روایت میں جہاں شیخ صدوق نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ درجات و منازل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ وہاں دو دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بھی کی۔ ایک تو یہ کہہ کر کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے من وجہ افضل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ بھی سہی آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی تو ہیں۔ اور امتی کو نبی سے افضل قرار دینا توہین نبی ہے۔ اس لیے کفر ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ اس روایت میں ''شیخ صدوق'' نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ نسبت کی کہ آپ نے فرمایا: جیسی بیوی (فاطمۃ الزہرا) علی کو ملی۔ مجھے نہیں ملی۔ ان الفاظ میں مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی گستاخی کرتے ہوئے گویا آپ پر بے شرمی کا الزام لگایا۔ کیونکہ کوئی باضمیر اور شرم و حیاء والا انسان اپنے داماد کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ جیسی بیوی (یعنی میری بیٹی) تم کو ملی ویسے مجھے نہیں مل سکی۔ گویا میری بیٹی تیری زوجیت میں ہے۔ میری زوجیت میں نہیں۔ (معاذ اللہ استغفر اللہ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قائم رہنے نہیں دیتا۔ اور میرے بارے میں بہترین مردم لوگ وہ ہیں۔ جو درمیان راستے کو اختیار کر رہے ہیں۔" 3

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی وضاحت حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے یوں فرمائی "وافرا طنا افراط الانبیاء[1]"

ان عبارتوں کے مطالعہ سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شیعوں کے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ عقائد کھلم کھلا افراط ہیں۔ اس طرح کی ایک اور روایت بھی پیشِ خدمت ہے:

رسول اللہ ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ میں فرق

"شیخ صدوق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپ نے فرمایا: مجھے تین چیزیں دی گئیں اور ان میں "علی" میرے ساتھ شریک ہے۔ اور علی کو تین چیزیں اور دی گئیں جن میں مَیں شریک نہیں ہوں۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ تین چیزیں کیا ہیں۔ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ فرمایا: ایک لواء الحمد مجھے دی گئیں۔ اور علی اس کے اٹھانے والا ہے دوسرا کوثر مجھے عطاء ہوئی۔ اور علی اس کا ساقی ہے۔ تیسرا جنت دوزخ مجھے دی گئی۔ اور علی ان کا قاسم (تقسیم کرنے والا) ہے۔ اور وہ تین چیزیں جو علی کو دی گئیں۔ لیکن ان میں مَیں بھی شریک نہیں۔ پہلی یہ کہ علی کو شجاعت ایسی ملی جیسی مجھے بھی نہیں ملی۔ دوسری علی کو فاطمۃ الزہرا بیوی ملی اس جیسی مجھے بیوی نہ ملی۔ تیسری علی کے دو فرزند حسن وحسین ہیں مجھے ان دونوں جیسے بیٹے نہیں ملے۔" ☆

(انوار النعمانیہ ج ۱ ص ۱۷ امناقب شہر آشوب ج ۳ ص ۳۶۲)

ایک طرف تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکورہ اعتقادات، دوسری طرف مسئلہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بے بسی کہ:

"بروایتے عباس بن عبدالمطلب کو معلوم ہوا کہ علی علیہ السلام تلواروں کے نیچے بیٹھے ہیں، اور روتے ہوئے

1۔ (۱۔ تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین، جلد اول ص ۲۷۶ مطبوعہ مطبع یوسفی۔ دہلی)
(۲۔ بیت الاحزان ۶۶۔ فیما قال ابو عبیدا بن جراح۔ مطبوعہ قم)
(۳۔ احتجاج طبرسی بالفاظ ص ۵۴ طبع قدیم وطبع جدید جلد اول ص ۱۱۱۰ کراہ علی علی البیعۃ)

2۔ (۱۔ جلاء العیون جلد اول ص ۲۱۹۔ زندگانی فاطمہ مطبوعہ طہران طبع جدید)
(۲۔ رجال کشی ص ۱۴ مطبوعہ کربلا۔ ذکر سلمان فارسی)
(۳۔ فیما وقع علی باب بیت فاطمہ مطبوعہ قم طبع جدید)
(۴۔ حملہ حیدری ص ۲۸۲ مطبوعہ تہران ماجزی بردن امیر المومنین را مسجد)

3۔ (۱۔ مجالس المومنین جلد اول ص ۵۴، مطبوعہ تہران۔ سنہ طباعت ۱۳۷۵ھ در ذکر فدک)
(۲۔ انوار نعمانیہ جلد اول ص ۴۶ نور مرتضوی مطبوعہ تبریز ایران طبع جدید وطبع قدیم ص ۱۵)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آئے اور غل مچاتے تھے۔ لوگو! میرے برادر زادے سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اور رفق و مدار کرو اس کے ساتھ۔ میں اس سے بیعت کرادوں گا۔ پس انہوں نے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر خلیفۂ اوّل کے ہاتھ سے مَس کر دیا، اور وہ اس پر رضامند ہو گئے۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین نے بیعت نہیں کی۔ تاوقتیکہ آنحضرت کے گھر سے دھواں بلند نہیں ہوا۔" 1

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

پس آں کافران ریسمانی در گردن امیر المومنین انداختند و بسوئے مسجد کشیدند۔ 2

"پس وہ کافر امیر المومنین کے گلے میں رسی ڈال کر مسجد کی طرف کھینچ لے گئے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت میں بھی دباؤ کا شکار رہے

قاضی نور اللہ شوستری بحثِ فدک کو نمٹاتے ہوئے اس سوال پر کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں باغِ فدک کو واپس کیوں نہ لیا، دوسرا جواب درج ذیل الفاظ میں لکھتے ہیں:

دیگر آنکہ چوں حضرت امیر در ایامِ خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق می دانند۔ قدرت برآں نداشت کہ کاری کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں داشتہ باشد بنا بر آنکہ مخالفت قول و فعل ایشاں دلیل است بر آنکہ ایشاں ظالم بودہ اند۔ ولیاقت خلافت حضرت پیغمبر نداشتند۔ وچوں نہ قدرت برآں داشتہ باشد و حال آنکہ اکثر اہل زمان را اعتقاد آن بود کہ امامتِ حضرتِ امیر مبنی بر امامت ایشاں است۔ وفسادِ امامت ایشاں را دلیل فساد امامت او می دانند و مشہور است کہ حضرت امیر در ایامِ خلافت مردم را از نماز تراویح کہ بدعت عمر است منع کرد و ایشاں بفریاد آمدند و آوازہا بلند کردند۔ کہ واعمرہ تا آنکہ آنحضرت بنا بر مصلحت وقت ایشاں را بحال خود داشت۔ 3

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں دیکھا کہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کی حسن سیرت کے انتہائی معتقد ہیں اور انہیں حق پر سمجھتے ہیں، تو اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ کوئی ایسا کام کریں جو ان کی خلافت کے فاسد ہونے پر دلالت کرتا ہو۔ کیونکہ شیخین کے قول و فعل کی مخالفت ان کے ظالم ہونے کی دلیل بنتی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بننے کی عدمِ اہلیت اس سے ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اتنی ہمت کیونکر تھی، اس لیے کہ حالت یہ تھی کہ اس دور کے اکثر لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علی کی خلافت ان کی خلافت پر مبنی ہے۔ اور لوگ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اگر (بالفرض) شیخین کی امامت ناجائز تھی تو اس سے حضرت علیؓ کی امامت بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔ اور مشہور

1۔ جلاء العیون جلد اول ص ۱۲۳ مطبوعہ تہران۔ تذکرہ مشاہدہ غرائب احوال از روضۂ منورہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کو نمازِ تراویح سے جو کہ حضرت عمر کی بدعت (شروع کردہ) تھی، روکا، تو لوگوں نے "واعمراہ" کا شور مچا دیا۔ اور اس وقت تک لوگ خاموش نہ ہوئے جب تک حضرت علیؓ نے مصلحتِ وقت کے تحت فیصلہ واپس لے کر لوگوں کو اپنے حال پر نہ چھوڑا۔"

جلاء العیون کی ایک عبارت ملاحظہ ہو:

در کتاب اختصاص و بصائر الدرجات و سائر کتب بسند ہائے معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ اند کہ چوں گریبان امیر المومنین علیہ السلام را گرفتند وایستادو گفت آنچہ ہارون در جواب موسیٰ گفت کہ "یَابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ" من واے فرزند مادرِ من بدرستیکہ قوم مرا ضعیف کردانیدند۔ ونزدیک شد کہ مرا بکشند۔ 1

ترجمہ:۔ "کتاب اختصاص، بصائر الدرجات اور تمام کتابوں میں معتبر سند کے ساتھ حضرت صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گریبان لوگوں نے پکڑا، اور اٹھا کر انہیں ابو بکر صدیق کی بیعت کے لئے مسجد میں لے گئے، راستہ میں قبر رسول پر کھڑے ہو کر انہوں نے وہ کہا جو حضرت موسیٰ کے سخت لہجہ کے وقت حضرت ہارون نے کہا تھا یعنی اے میرے بھائی، میری ماں جائے، بے شک قوم نے مجھے کمزور اور بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔"

اب ایک معمولی سی جھلک ان روایات کی بھی دیکھ لیجئے جن میں بطورِ خاص سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خانہ اطہر کے مناظر پیش کئے گئے ہیں:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے با دلِ نخواستہ امام حسین کو جنا (معاذ اللہ)

ملا باقر مجلسی جلاء العیون میں لکھتے ہیں:

"پس حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ را خبر داد بولادتِ حسین وشہید شدن واپس حاملہ شد با کراہت پس حضرت فرمود کہ ہرگز دیدۂ کسی را کہ بشارت دہند اور ابہ پسری و حاملہ شود با وبا کراہت یعنی او مغموم شد و کراہت داشت از وا بسبب شنیدن قتل او در وقت وضع حمل نیز کراہت داشت۔" 1

1۔ (ا۔جلاء العیون جلد اول ص ۴۳۵ ولادت سعادت آنحضرت مطبوعہ تہران طبع جدید)
(۲۔مناقب ابن شہر آشوب جلد چہارم ص ۵۰ / فصل فی معجزانہ مطبوعہ قم طبع جدید بالفاظ مختلفہ)

2۔جلاء العیون جلد اول ص ۱۹۳ شرح شب زفاف ونثار بہشتی۔ مطبوعہ تہران۔ جدید

3۔جلاء العیون ترجمہ اردو جلد اول ص ۲۵۰ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی

4۔جلاء العیون جلد اول ص ۱۹۴۔ تہران جدید زندگی فاطمۃ زہرا علیہا السلام

5۔ جلاء العیون اردو ص ۲۵۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو امام حسین کی پیدائش اور ان کی شہادت کی خبر دی۔ پھر وہ ان کے ساتھ بادل نخواستہ حاملہ ہوئیں۔ حضرت نے فرمایا: کیا کبھی کسی کو تو نے دیکھا ہے کہ اُسے بچہ ہونے کی خوشخبری دی جائے اور وہ اس سے باکراہت حاملہ ہو۔ یعنی اس کے قتل ہونے کی وجہ سے مغموم ہو۔ اور ایسے بچے کے جننے کو اچھا نہ سمجھتی ہو۔ اور وضع حمل کے وقت بھی آپ ناخوش تھیں۔''

سیّدہ کی شبِ زفاف کو ستّر ہزار فرشتوں نے تکبیر کہی

یہی ملا باقر مجلسی جلاء العیون میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''چوں شب زفاف شد جبرئیل و میکائیل و اسرافیل باہفتاد ہزار ملک بزیر آمدند دلدل را برائے فاطمہ آوروندو جبرئیل لجام آنرا بگرفت و اسرافیل رکاب را گرفت و میکائیل ایستادہ بودور پہلوئے دلدل و حضرت رسول جامہائے او راو رست میکرو پس جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و جمیع ملائکہ تکبیر گفتند وسنت جاری شد ور تکبیر گفتن ورزفاف تا روز قیامت۔'' 2

''جب شبِ زفاف آئی جبرئیل و میکائیل و اسرافیل مع ستر ہزار فرشتوں کے زمین پر آئے۔ اور دُلدل جناب فاطمہ کے لیے لائے۔ جبرئیل نے لگام اس کی پکڑی۔ اور اسرافیل نے رکاب تھامی۔ اور میکائیل پہلوئے دُلدل میں تھے۔ اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جامہائے فاطمہ دست مبارک سے تھامے ہوئے تھے۔ پس جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و جمیع ملائکہ نے تکبیر کہی اور تکبیر کہنا سنت شبِ زفاف ہوا۔'' 3

شبِ زفاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کو حکم

''ایضاً بسند حسن از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ غیرتے درحلال روانیست۔ بعد از آنکہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بعلی و فاطمہ علیہا السلام در شبِ زفاف گفت کہ کاری مکنید تا من نزد شما بیایم۔'' 4

''ایضاً بسند حسن جناب (جعفر) صادق سے روایت کی ہے کہ حلال چیز بیان کرنے میں غیرت نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ زفاف جناب علی اور جناب فاطمہ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں کام نہ کرنا۔'' 5

چوتھا باب:

1۔ دیکھئے ناسخ التواریخ زندگانی امام حسن جلد اول ص ۱۸۷، ۱۸۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شیعیت

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں

۴۰ھ میں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں وصال فرمایا اور وصال سے قبل اپنی جگہ اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا۔ اس وقت علاقہ شام اور مصر وغیرہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن نہایت مستحکم تھی اور وہ علی مرتضیٰؓ کے دور سے ہی آزادانہ حکومت کر رہے تھے۔ چونکہ آپ ہر حال میں داد انصاف دیتے اور رعایا کے حقوق کا خیال رکھتے تھے اس لئے رعایا میں آپ کا گہرا اثر و رسوخ تھا۔

شیعہ کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی جانشینی سنبھالی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند آدمی اس غرض سے کوفہ بھیجے کہ وہ حالات کا جائزہ لیں، جب یہ آدمی کوفہ پہنچے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پکڑ انہیں قتل کر دیا اسی طرح گورنر بصرہ عبداللہ بن عباس کو بھی یہی حکم دیا کہ ایسا جو شخص ملے قتل کر دو چنانچہ انہوں نے بھی بصرہ میں آئے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شخص کو تلوار کا لقمہ بنا دیا۔ [1]

ادھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو "شیعانِ علی" مسلسل اصرار کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ جلدی کریں اور کوئی مہلت دیئے بغیر شام پر چڑھائی کر دیں، تاکہ امیر معاویہؓ کی حکومت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا جائے۔ مگر آپ اس چیز کو پسند نہیں فرماتے تھے اور شاید حالات و واقعات کے تسلسل اور شیعانِ علیؓ کی کہہ مکرنیوں نے آپؓ کو انتہائی محتاط کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شام پر حملے کے بجائے آپؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے خط و کتابت کے ذریعے افہام و تفہیم کی کوششیں جاری رکھیں۔ حضرت حسنؓ کے ساتھ شیعان علیؓ کا رویہ ایسا تھا کہ آپؓ قطعاً نہ تو اس سے کچھ امیدیں وابستہ کر سکتے تھے اور نہ ہی طبعاً ان کے ساتھ آپ کا گزارہ ممکن تھا۔ حالت یہ تھی کہ وہ زیادہ بن سمیہ جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعر مذلت سے اٹھا کر گورنری کی مسند پر بٹھایا تھا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بدتمیزی کیا کرتا تھا۔ چنانچہ "ناسخ التواریخ" میں مرقوم ہے کہ:

> "زیاد بن ابیہ اس وجہ سے کہ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض و کینہ تھا۔ آپ کے شیعوں سے بھی ناخوش تھا۔ اس وجہ سے جتنا ممکن ہوا اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شیعوں کو تنگ کیا۔ کسی کو قتل کیا، کسی کو لوٹا اور کسی کو شکنجے میں کسا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شیعوں میں سے ایک شیعہ سعید بن ابی سرح تھا جو کہ حبیب بن عبدالشمس کا مولیٰ تھا۔ اس کی رہائش کوفہ میں تھی جب زیاد کوفہ میں آیا تو اس کے دل میں تھا کہ وہ سعید بن ابی سرح سے مواخذہ کرے گا اور اسے ہو سکا تو قتل کرے گا۔ سعید نے اس

1۔ ناسخ التواریخ حالات حضرت امام حسن جزء دوم از کتاب پنجم ص ۱۰۷ مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ارادے کو بھانپ لیا۔لہٰذا کوفہ سے بھاگ کر مدینہ آ گیا اور تمام حالات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سنائے۔
اُدھر جب زیاد کو سعید کے فرار ہو جانے کا پتہ چلا تو اس نے حکم دیا کہ سعید کے گھر کو زمین بوس کر دیا جائے۔
اس کے بھائی، بیوی اور بچوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جائے۔اس کا مال متاع لوٹ لیا جائے۔"

یہ سعید ابن ابی سرح ان حضرات میں سے ایک تھا کہ حضرت حسن اور امیر معاویہ کے درمیان طے پانے والے سمجھوتے میں جن کو امان دی گئی تھی اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی گئی تھی۔ چنانچہ مجبور ہو کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے زیاد کی طرف یہ خط لکھا:

من جانب حسن بن علی بطرف زیاد۔

امابعد! تو نے اس شخص کو ستانے کا تہیہ کیا ہے۔جو مسلمانوں کے نفع و نقصان میں برابر کا شریک ہے۔تو نے اس کے گھر کو منہدم کر دیا۔اس کا مال و متاع قبضہ میں لے لیا۔اس کے اہل و عیال کو قید کر لیا۔اگر تیرے پاس میرا یہ رقعہ پہنچے تو سعید مذکور کے گھر کو تعمیر کروا دینا۔اس کے بال بچوں کو واپس لوٹا دینا۔میری سفارش اس کے حق میں قبول کر لینا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بڑے حسن ظن کے ساتھ اس کو یہ خط لکھا۔کیونکہ آپ یہ جانتے تھے کہ یہ شخص میرے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقرر کردہ گورنر رہ چکا ہے لہٰذا میرا رقعہ اس کے لیے بطور حکم نامہ کے ہو گا اور فوراً عمل بجالائے گا۔لیکن اس نے جو جواب دیا۔وہ کچھ یوں تھا:

زیاد کا خط حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نام

من زیاد بن ابی سفیان الی الحسن ابن فاطمۃ امابعد!

فقد اتانی کتابک تبدء فیه بنفسک قبلی و انت طالب حاجة و انا سلطان و انت سوقة و تأمرنی فیه بامر المطاع المسلط علی رعیته کتبت الی فی فاسق اٰویتهٔ اقامة منک علی سوء الرای و رضا منک بذٰلک و ایم اللہ لا تسبقنی به و لو کان بین جلدک و لحمک فان احب لحم علی ان اٰکله اللحم الذی انت منه فسلمه بجریریة الی من هو اولی به منک فان عفوت عنه لم اکن شفعتک فیه فان قتلتهٔ لم اقتله الا لحبه اباک الفاسق۔ و السلام۔[1]

"از زیاد بن ابوسفیان بطرف حسن بن فاطمہ۔امابعد!

تمہارا خط مجھے ملا۔تم نے اس میں میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا ہے۔حالانکہ تم ضرورت مند ہو اور میں بادشاہ ہوں۔تم ایک بازاری آدمی ہو اور مجھے یوں حکم دے رہے ہو جس طرح کوئی رعایا پر مسلط حاکم حکم دیتا ہے تم نے مجھے ایک بدکردار اور فاسق شخص کے بارے میں لکھا، جو تمہاری پناہ میں ہے۔لیکن یہ تمہاری بری رائے

1۔ناسخ التواریخ حالات امام حسن جزو دوم ص ۱۰۸ / مطبوعہ تہران، طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے اور تمہاری خوشنودی بھی غلط ہے۔ خدا کی قسم! تم اس کے متعلق زبردستی فیصلہ نہیں کروا سکتے۔ اگر وہ شخص تمہارے گوشت پوست میں بھی سما جائے۔ تو مجھے اس گوشت سے بڑھ کر کوئی دوسرا گوشت مرغوب نہ ہوگا۔ لہٰذا یہی بہتر ہے کہ تم اُسے اپنے سے بہتر (یعنی مجھ) کو سپرد کر دو۔ اگر میں نے اُسے معافی دے دی تو یہ اس وجہ سے نہ ہوگی کہ تمہاری سفارش مانی گئی اور اگر میں نے اُسے جان سے مار ڈالا۔ تو یہ اس لیے ہوگا کہ وہ تیرے فاسق...... باپ سے محبت کرتا ہے۔"

یہ خط جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ملا تو آپ ﷛ نے حضرت امیر معاویہ ﷛ کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں اس زیاد کی زیادتیوں کا ذکر تھا۔ اِس کے ساتھ ہی حضرت موصوف نے زیاد کی طرف سے ملنے والا مندرجہ بالا خط بھی روانہ کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پڑھ کر زیاد پر سخت غصہ آیا۔ پھر آپ نے زیاد مذکور کو درج ذیل الفاظ پر مشتمل خط لکھا:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زیاد ابن سمیہ کی طرف خط

اما بعد! فان الحسن بن علی بعث الی بکتابک الیہ جوابا عن کتاب کتبہٗ الیک فی ابن سرح فاکثرت العجب منک و علمت ان لک رأیان احدھما من ابی سفیان و الاٰخر من سمیۃ فاما الذی من ابی سفیان فحلم و حزم و اما الذی من سمیۃ فمایکون من رأی مثلھا من ذٰلک کتابک الی الحسن تشتم اباہ و تعرض لہٗ بالفسق و لعمری انک اولٰی بالفسق من ابیہ فاما ان الحسن بدء بنفسہٖ ارتفاعا علیک فان ذٰلک لایضعک لو عقلت و اما تسلطہٗ علیک بالامر فحق لمثل الحسن ان یتسلط و اما قولک فیما شفع فیہ الیک فحظ دفعتہٗ عن نفسک الٰی من ھو اولٰی بہٖ منک فاذا ورد علیک کتابی فخل ما فی یدیک لسعد بن ابی سرح و ابن لہٗ دادہٗ و اردد علیہ ما لہٗ و لا تعرض لہٗ فقد کتبت الی الحسن ان یخیرہٗ ان شآء اقام عندہٗ و ان شآء رجع الٰی بلدہٖ و لا سلطان لک علیہ لا بید و لا لسان اما کتابک الی الحسن باسمہٖ و اسم امہٖ و لا تنسبہٗ الٰی ابیہ فان الحسن ویحک من لا یرمی بہ الرامون و الٰی ای ام و کلتہٗ لا ام لک اما علمت انھا فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ و سلم) فذٰلک افخر لہٗ لو کنت تعقلہٗ۔ [1]

"امابعد! حسن بن علی نے تیرا وہ رقعہ میرے پاس بھیجا جو تو نے ان کے خط کے جواب میں انہیں لکھا تھا۔ جس میں ابن سرح کے متعلق لکھا تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا میں نے جان لیا کہ تو دوغلہ آدمی ہے۔ تیرے اندر ایک رائے ابوسفیان کی اور دوسری سمیہ کی ہے۔ ابوسفیان کا حلم اور پختہ ارادہ تجھ میں ہے۔ اور سمیہ کا حصہ وہ ہے جو حسن کی طرف لکھے گئے خط سے نظر آتا ہے۔ تو نے ان کے والد کو فاسق کہا اور انہیں گالیاں بکیں۔ خدا کی قسم!

1۔ ناسخ التواریخ زندگانی امام حسنؓ جلد اول ص ۲۰۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان کے باپ کی بہ نسبت تو فسق کا زیادہ حق دار ہے۔ رہا یہ کہ حسن نے اپنا نام تجھ سے قبل کیوں لکھا۔ تو اس سے تیرا کیا نقصان ہو گیا۔ رہا ان کا تجھ پر تسلط تو یہ ان کو ہی شایان ہے۔ اور ابن سرح کے بارے میں تو نے جو کچھ ان پر چھوڑ دیا۔ تو تو نے اپنے سے بہتر شخص کے معاملہ سپرد کر دیا ہے۔ جب میرا خط تجھ تک پہنچے تو سعد بن ابی سرح کی تمام اشیاء کی خلاصی کر دینا اس کا گھر بنوا دینا اور اس کا مال و متاع اس کو واپس کر دینا اس میں رکاوٹ مت بننا۔ میں نے حسن کو لکھ دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ابن سرح کو اپنے پاس رکھیں یا واپس گھر بھیج دیں۔ تجھے اس پر کوئی حکمرانی نہیں، نہ ہاتھ کے ذریعہ اور نہ زبان کے ذریعہ۔ تیرا رقعہ امام حسن کے نام اس طرح لکھنا کہ ان کو ان کی والدہ کی نسبت سے لکھا۔ حالانکہ ہم سب ان کو باپ کی طرف نسبت کر کے بلاتے ہیں تو سن لے، حسن ان لوگوں میں سے ہے جن پر کوئی حرف زنی نہیں کر سکتا، تیری ماں برباد ہو، تو تجھے پتہ ہے انہیں کس ماں کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کیا تجھے پتہ ہے، وہ فاطمہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر ہیں۔ یہ رشتہ حسن رضی اللہ عنہ کے لیے قابلِ فخر ہے۔ لیکن تجھے عقل آئے تو۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب گرامی کا بہر حال اثر ہوا ہوگا۔ تاہم ابن سمیہ کا معاملہ تو ایک طرف رکھئے کیونکہ ان دنوں وہ حضرت حسنؓ کے "مخالف کیمپ" یعنی حضرت معاویہؓ کے حلقہ میں نہ صرف شامل تھا بلکہ حضرت معاویہؓ نے بھی اسے گورنری سونپ رکھی تھی اصل مسئلہ تو ان شیعان علیؓ کا ہے جنہوں نے اپنی عجیب و غریب حرکتوں اور کھلم کھلا نافرمانیوں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے شیعوں نے آپ کو جنگ پر مجبور کر دیا اور آپ بادل نخواستہ تیاری کر کے نکلے اور نکلنے سے پہلے آپ نے کوفہ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ ناسخ التواریخ میں مرزا تقی شیعی نے بایں الفاظ لکھا ہے:

اما بعد فان اللّٰہ کتب الجهاد علٰی خلقه......... فلستم ایها الناس نائلین ما تحبون الا بالصبر علٰی ما تکرھون بلغنی ان معاویة بلغه انا کنا ازعمنا علی المصیر الیا فتحرک لذٰلک اخرجوا رحمکم اللّٰہ۔[1]

"اما بعد! بے شک اللہ نے اپنی مخلوق پر جہاد فرض کیا ہے۔ لہٰذا اے لوگو تم اپنا مقصد صبر کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے، مجھے پتہ چلا ہے کہ معاویہ کو خبر ہو گئی ہے کہ ہم نے اس پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا ہے چنانچہ وہ بھی حرکت میں آ چکے ہیں۔ اس لیے اب نکل پڑو! اللہ تم پر رحم کرے۔"

چنانچہ چالیس ہزار کوئی مرد جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ جس میں سے بارہ ہزار مردوں کو آپ نے عبیداللہ بن عباس کے ساتھ آگے بھیج دیا کہ تم نہر فرات کو عبور کر کے علاقہ مسکن میں پڑاؤ کرو اور امیر معاویہ کے لشکر کا انتظار کرو اور معاویہ کے لشکر کا مقابلہ کرو میں بھی تمہارے پیچھے پہنچ رہا ہوں۔"

1۔ ناسخ التواریخ زندگی امام حسن ص ۲۰۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شیعوں کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے غداری

صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں:

"اما ازاں سو چنانکہ یاد کردیم چوں عبید اللہ بن عباس با دوازدہ ہزار تن مرد سپاہی در مسکن فرود شد و معاویہ ایں بدانست با لشکر ہائے خود طی مسافت کردہ در اراضی مسکن در قریہ کہ آنرا۔ حیوضہ مینا میدند در آمد و لشکر گاہ کرد۔" 1

"اس طرف جیسا کہ ہم نے لکھا ہے عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بارہ ہزار سپاہی لے کر علاقہ مسکن میں فروکش ہو گیا۔ اور امیر معاویہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ اپنا لشکر لے کر منزلیں طے کرتے ہوئے علاقہ مسکن میں حیوضہ نامی بستی کے قریب آئے اور پڑاؤ کیا۔"

چنانچہ دونوں لشکروں میں کچھ لڑائی ہوئی اور اگلی رات کو عبید اللہ امیر معاویہ کے ساتھ جا ملا، اور یوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا لشکر پراگندہ ہو گیا۔ جس کا آپ کو بڑا رنج ہوا اور آپ خود لشکر لے کر نکلے اور حال یہ تھا کہ دل کوفیوں کی بدعہدی اور بے وفائی سے پورا پورا خائف تھا تاہم پھر بھی ان لوگوں کے مجبور کرنے پر نکل کھڑے ہوئے اور جب کچھ منزلیں طے کر کے ساباط نامی بستی جو مدائن کے مضافات میں ہے میں پہنچے تو رات وہاں گزاری اور صبح کو اس غرض سے کہ پتہ چلے ان لشکریوں میں سے کون مخلص اور کون بے وفا ہے آپ نے نماز فجر کے بعد تمام تر لشکر جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

اما بعد فو اللہ انی لارجو آن اکون قد اصبحت بحمد اللہ ومنہ وانا انصح خلق اللہ لخلقہ وما اصبحت متحملا علٰی امر مسلم ضغینة ولا مریدا لہ بسوء ولا غائلة وان ما تکرھون فی الجماعة خیر لکم مما تحبون فی الفرقة وانی ناظر لکم خیرا من نظرکم لانفسکم فلا تخالفوا امری ولا ترددوا علٰی رایٔ غفر اللہ لی ولکم وارشدنی وایکام لما فیہ المحبة والرضآء قال فنظر الناس بعضھم الٰی بعض وقالوا ما ترونہ یرید بما قال قالوا نظن انہ یرید ان یصالح معاویة ویسلم الامر الیہ فقالوا اکفر واللہ الرجل وشدوا علٰی فسطاطہ فانتھبوہ حتّٰی اخذوا مصلاہ من تحتہ ثم شد علیہ رجل یقال لہٗ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن جعال الازدی فنزع مطرفہٗ عن عاتقہ فبقی جالسا متقلدہ السیف بغیر ردآئہ ثم دعا بفرسہ فرکبہٗ واحدق بہ طوائف من خاصتہ وشیعتہ ومنعوا منہ من ارادہٗ ودعا ربیعة وھمدان فاطافوا بہ ومنعوہ فسار ومعہٗ شوب من غیرھم فلما مر فی مظلم ساباط بدر الیہ رجل من بنی اسد اسمہ الجراح بن سنان واخذ بلجام فرسہ وبیدہ مفول قال اللہ اکبر اشرکت یا حسن کما اشرک ابوک من قبل وطعنہٗ فی فخذہ فشقہٗ حتّٰی بلغ العظم فاعتنقہ الحسن علیہ السلام وخرا جمیعا الی الارض۔ 1

1۔ (ا۔ کشف الغمہ فی معرفة الائمہ جلد اول ص ۵۳۹ مطبوعہ تبریز طبع جدید)
(۲۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۳۲ مطبوعہ قم فی صلحہ علیہ السلام مع معاویہ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"امابعد! خدا کی قسم! میں امید کرتا ہوں کہ میں صبح کروں اللہ کی حمد واحسان کے ساتھ اور اللہ کی مخلوق کی بہتری میرے پیش نظر ہو۔ اور کسی مسلمان کے ساتھ کینہ پروری کے ساتھ میری صبح نہ ہو۔ اور نہ ہی کسی کی برائی اور دھوکہ میرے پیش نظر ہو۔ اتفاق کہ جس کو تم اچھا نہیں سمجھتے وہ اس انتشار وافتراق سے بہتر ہے۔ جو تم بہتر سمجھتے ہو۔ میں خود تم سے تمہارے لیے بہتر سوچتا ہوں۔ لہٰذا میرے حکم کی مخالفت نہ کرو۔ اور میری رائے رد نہ کرو۔ اللہ تمہیں اور مجھے بخشے۔ اور اپنی رضا ومحبت کی طرف راہنمائی کرے۔"

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ جو کچھ امام نے کہا تم اس سے کس نتیجہ پر پہنچے ہو۔ انہوں نے کہا ہمارا خیال ہے کہ وہ معاویہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اور خلافت انہیں سونپنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! اس نے کفر کیا۔ یہ کہہ کر آپ کے خیمہ پر حملہ آور ہوئے اور آپ کے سامان کو لوٹنے کے بعد آپ کے نیچے سے مصلیٰ بھی کھینچ لیا۔ پھر ایک شخص "عبدالرحمن بن عبداللہ بن جعال ازدی" نے آپ کے کندھے سے چادر اتار لی۔ آپ برہنہ تن تلوار پہنے ہوئے رہ گئے۔ پھر امام نے گھوڑا منگوایا۔ سوار ہوئے اور اپنے چند خادم اور ساتھیوں کے گھیرے میں روانہ ہوئے۔ وہ آپ کو حفاظت میں لیے ہوئے جا رہے تھے۔ امام نے "ربیعہ اور ہمدان" کو طلب کیا۔ یہ بھی امام کے اردگرد آ کر دشمنوں کے لیے ڈھال بن گئے۔ ان چند لوگوں کے علاوہ کچھ اور آدمی بھی آپ کے ساتھ تھے جب یہ چھوٹا سا قافلہ "ساباط" کے سایوں میں پہنچا تو بنی اسد کے ایک آدمی جراح بن سنان نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا کہنے لگا: اللہ اکبر! اے حسن! تم بھی اپنے باپ کی طرح شرک میں گرفتار ہو گئے۔ یہ کہہ کر اس نے آپ کی ران میں نیزہ مارا۔ جس کا گھاؤ ہڈی تک پہنچ گیا۔ امام حسن نے ایک آدمی کا سہارا لیا اور دونوں زمین پر گر گئے۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر شیعانِ علیؓ کا حملہ

آپ نے یہ حالات دیکھ کر جنگ کا ارادہ ترک کر کے مدائن شہر میں چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب مدائن کو چلے تو ایک شخص نے اچانک آ کر آپ کے ران میں اس زور سے نیزہ مارا کہ ہڈی باہر نکل آئی آپ نڈھال ہو کر گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور آپ کو چارپائی پر لٹا کر مدائن شہر میں سعید بن مسعود ثقفی کے مکان میں لا کر لٹا دیا گیا۔

جب آپ زخمی ہو کر مدائن میں پڑے تھے اور بے وفا کوفی شیعہ پراگندہ ہو گئے تھے اس وقت آپ نے ایک شخص کے سوال پر کہ اب کیا ارادہ ہے آپ کا؟ فرمایا:

"اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ معاویہ میرے حق میں ان لوگوں سے بہتر ہے جو کہتے ہیں کہ ہم تیرے شیعہ ہیں مگر انہوں نے مجھے مار ڈالنے کا ارادہ کیا میرا اثاثہ لوٹ لیا اور میرا مال چھین لیا۔ قسم بخدا اگر میں معاویہ سے

1۔ ناسخ التواریخ زندگانی حسن مجتبیٰ احتجاج طبرسی طبع قم جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عہد کرلوں جس سے میرا خون بچ جائے اور میرے گھر والے لوگ امن حاصل کرلیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ شیعہ مجھے مار ڈالیں اور میرا گھرانہ برباد ہو جائے، اللہ کی قسم! اگر میں معاویہ سے جنگ کروں تو یہی شیعہ میری گردن دبوچ کر مجھے معاویہ کے سپرد کردیں گے۔" 1

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے اظہار ہمدردی

"دوسری طرف جب امیر معاویہ کو حضرت حسن ؓ کے لشکر کے منتشر ہو جانے کی خبر ملی تو مہر و محبت کے پے بہ پے خطوط لکھے۔ چنانچہ یہ الفاظ بھی امیر معاویہ کے ہیں جو انہوں نے حضرت حسن ؓ کو لکھے۔ "اے میرے چچا کے بیٹے میرے اور آپ کے درمیان جو رشتہ داری ہے اسے نہ کاٹو! ان لوگوں نے آپ ہی سے نہیں آپ کے والد حضرت علی ؓ سے بھی غداری کی تھی۔" اس کے ساتھ ہی امیر معاویہ نے کوفی لشکر کے سرداروں کے وہ خطوط بھی جو انہوں نے امیر معاویہ کو لکھے تھے، حضرت حسن ؓ کو بھیج دیئے۔ "ان میں یہ لکھا تھا اے معاویہ ہماری طرف کوچ کرو جب تم پہنچو گے ہم حضرت حسن ؓ کو ہاتھ گردن سے باندھ کر انہیں تمہارے سپرد کردیں گے نہیں تو انہیں قتل ہی کردیں گے" اس کے ساتھ ہی امیر معاویہ ؓ نے اپنے خطوط میں صلح کی درخواست کی۔"

(ایضاً)

ناسخ التواریخ کی گزشتہ دونوں عبارتوں سے یہ امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جن لوگوں نے سیدنا حسن ؓ کا مال لوٹا اور نیزے کے زخم سے ران پھاڑ ڈالی اور آپ کو قتل کرنا چاہا ان کا تعارف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ کرایا ہے کہ یہ لوگ خود کو میرے شیعہ کہتے ہیں۔ معلوم ہوا جو لوگ خود کو سیدنا حسن کے شیعہ کہتے تھے انہوں نے آپ کو خوار کیا اور جو زخم لگائے وہ بہت گہرے تھے۔

(۲) شیعوں نے بظاہر امیر معاویہ کی دشمنی کا اظہار کیا اور حضرت حسن ؓ کو ان سے جنگ پر اکساتے رہے اور در پردہ امیر معاویہ کو خط لکھتے رہے کہ تم لشکر لے کر آؤ ہم امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ باندھ کر انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے۔" دیکھئے یہ کتنا ذلیل جملہ ہے آپ کو امام حسن علیہ السلام بھی کہتے ہیں اور باندھ کر حوالے کر دینے بلکہ قتل کر دینے کا عہد بھی کر رہے ہیں۔

(۳) امیر معاویہ کو حضرت حسن سے مخلصانہ محبت تھی اسی لیے کوفی شیعوں کی غداری کے خطوط حضرت حسن تک پہنچا دیئے اور محبت بھرے الفاظ کہے کہ اے میرے چچا کے بیٹے ہماری آپس کی رشتہ داری کو ضائع نہ کیجئے۔ یہ لوگ غدار ہیں ان کی نہ مانئے۔ ان کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اسی لیے امام حسن نے بھی فرما دیا کہ ان غدار شیعوں سے میرے حق میں معاویہ بہت اچھا ہے۔

مختصر یہ کہ امام حسن نے چھ ماہ تک مذکورہ حالات میں حکومت کی، غدار شیعوں نے آپ کو امیر معاویہ سے جنگ

1۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج ۱ ص ۵۷۰ مطبوعہ تبریز تذکرہ امام حسن فی کلامہ و مواعظہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کرنے پر آمادہ کیا مگر جنگ سے قبل ہی آپ کو زخمی کر کے لاچار کر دیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے شام پہنچ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح نامہ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں سے یہ بھی تھا۔ اور یہ تحریر اس کتاب الصلح میں تھی جو ان دونوں کے درمیان تحریر ہوئی۔ جب کہ آپ نے ضروری سمجھا کہ فتنہ فرو ہو جائے اور خون محفوظ ہو جائیں۔ اور وہ مضمون یہ تھا:

معاویة ابن ابی سفیان صالحہٗ علٰی ان یسلم الیہ ولایة امر المسلمین علٰی ان یعمل فیھم بکتاب اللّٰہ تعالٰی وسنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وسیرت الخلفاء الراشدین ولیس لمعاویة بن ابی سفیان ان یعھد الٰی احدٍ من بعدہٖ عھدًا بل یکون الامر من بعدہٖ شوریٰ بین المسلمین وعلٰی انَّ الناس امنون حیثُ کانوا من ارض اللّٰہ شامھم وعراقھم وحجازھم ویمنھم۔ [1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ”یہ وہ صلح نامہ ہے جو حسن بن علی بن ابوطالب اور معاویہ بن ابوسفیان کے درمیان طے پایا۔ وہ صلح یہ تھی۔ مسلمانوں کی ولایت میں تمہیں اس شرط پر سپرد کرتا ہوں کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفائے راشدین کے مطابق عمل کرو گے اور معاویہ بن ابوسفیان کو اس بات کی قطعاً اجازت نہ ہوگی کہ وہ اس کے بعد کسی سے اس قسم کا معاہدہ کرے۔ بلکہ پھر معاملہ مسلمانوں کی باہمی مشاورت سے ہوگا اور اس بات پر بھی کہ مسلمان شام، عراق، حجاز اور یمن میں جہاں کہیں ہوں اُن سے ہوں گے۔“

اس صلح نامہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاملۂ خلافت اور مسلمانوں کی ولایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔

۲۔ اس معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے درمیان کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرۃ صحابہ سے حکمرانی کریں گے۔

۳۔ دوسری شرط یہ تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد امر خلافت کے سلسلہ میں مسلمانوں کی مشاورت کے پابند ہوں گے۔

۴۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمان سمجھتے ہوئے مسلمانوں کی ولایت ان کے سپرد کی تھی۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس صلح نامہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ خلفاء اربعہ (اور بالخصوص خلفاء ثلاثہ) ان کے نزدیک خلفائے راشدین تھے۔ کیونکہ ان کی سیرت کی پابندی کو بطورِ شرط رکھا۔ اگر خاص کر خلفائے ثلاثہ معاذ اللہ مسلمان نہ ہوتے تو ان کی سیرت کو اپنانے کا حکم نہ دیتے۔ تو اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک

1۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج ۱ ص ۵۷۱ طبع تبریز

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خلیفہ کا انتخاب مجلس شوریٰ کو کرنا چاہیے۔ جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب مشاورت سے ہوا۔ اگر ان کے نزدیک خلافت ''منصوص من اللہ'' ہوتی تو مومنین کی مجلس مشاورت کی شرط بے سود تھی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ کا ''منصوص من اللہ'' ہونا درست نہیں سمجھتے تھے۔

صلح کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا خطبہ

جب صلح مکمل ہوئی اور کام ختم ہو گیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے التماس کی کہ لوگوں کے مجمع میں بتلائیں کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے اور امامت کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا ہے۔ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول فرما کر خطبہ دیا۔ لوگ جمع ہو چکے تھے۔ اللہ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے بعد فرمایا:

> ''سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو متقی ہو۔ اور سب سے زیادہ بے وقوف وہ جو فاجر ہو۔ اگر تم پوری دنیا میں ایسا آدمی تلاش کرو گے کہ جس کے نانا رسول خدا ہوں تو میرے اور میرے بھائی حسین کے بغیر تمہیں کوئی نہیں ملے گا اور تم بخوبی جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں میرے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت دی۔ پھر تمہیں گمراہی سے نکالا، جہالت دور کی، ذلت کے بعد عزت دلائی، قلت کے بعد بہتات بخشی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے اس بارے میں اختلاف کیا کہ خلافت میرا حق ہے اُن کا نہیں تو میں نے اُمت کی بہتری کو دیکھا اور فتنہ کو ختم کرنا چاہا۔ تم نے مجھ سے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ جس سے میری مصالحت ہو گی اس سے تمہاری بھی صلح ہو گی اور جس سے میں لڑوں گا وہ تمہارا بھی دشمن ہو گا۔ تو میں نے سوچا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لوں۔ اور لڑائی ختم کر دوں۔ میں ان کی بیعت کر چکا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ خونریزی سے حفاظت خون بہتر ہے۔ یہ سب کچھ میں نے تمہاری بہتری کی خاطر ہی کیا ہے۔'' 1

صلح کے بعد شیعانِ علیؓ کا سیدنا حسنؓ سے سلوک

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اس وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے۔ تو ''سلیمان'' نامی ایک شخص حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، اے بنتِ رسول کے فرزند! ہم امیر معاویہ کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لینے سے بڑے حیران ہیں چالیس ہزار کوفی جنگ جو آپ کے ساتھ ہیں۔ سب کے سب آپ کے وظیفہ خوار ہیں۔ اور اتنی ہی تعداد میں ان کے بیٹے بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سب ان حضرات کے علاوہ ہیں جو بصرہ اور حجاز میں آپ کے جانثار ہیں۔ تو اتنی قوت کے ہوتے ہوئے آپ نے نہ کوئی اپنی خاطر مضبوط عہد لیا۔ اور نہ ہی اپنے جانثار وظیفہ

1۔ جلاء العیون ج ۱ ص ۳۹۵

2۔ مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب جلد چہارم ص ۳۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خواروں سے کوئی صلہ حاصل کیا۔ (اس کے جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا) ٹھیک ہے۔ امیر معاویہ قوت میں مجھ سے زیادہ نہ تھے لیکن جو مجھے نظر آ رہا ہے تم اُس سے اندھے ہو اور قسمیہ کہتا ہوں کہ تمہارے خون کی حفاظت کے سوا میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور تمہارے معاملات کی اصلاح ہی میرے پیشِ نظر تھی۔ تو تم اللہ کی قضا پر راضی ہو جاؤ۔ اور اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دو۔ اور اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کی کوئی ضرورت نہیں)۔

جلاء العیون میں ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

”قیس نے چار ہزار آدمیوں کے ساتھ علیحدہ جنگ کے مقام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور جب دیکھا کہ امام حسن صلح کر چکے ہیں مجبوراً معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ان سے پوچھا کہ میں بیعت کر لوں؟ آپ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ میرے امام ہیں۔ اور اس معاملہ میں اختیار انہیں کو ہے۔ لوگوں نے بہت کہا لیکن ”قیس“ نے بیعت کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا۔ حتیٰ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کرسی سے نیچے اُترے۔ اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ”قیس“ نے اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ جب کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں بیعت کر لینے کا حکم دیا تھا۔“ [1]

شیعوں کی طرف سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ”مذل المومنین“ کا خطاب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان وحشیوں کے غول میں تنہا دکھائی دیتے ہیں، اور آپ کو قدم قدم پر توہین و تذلیل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ مناقب آلِ ابی طالب اور رجال کشی...... نامی کتابوں کی درج ذیل گواہی ملاحظہ ہو!

(۱) قال ماذن الراسبی انہ لما صالح الحسن بن علی و عزل و قیل لہ یا مذل المؤمنین و مسود الوجوہ فقال لا تعدلو ننی فان فیہا مصلحۃ۔ [2]

”ماذن راسی کہتا ہے جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ آپ کو ملامت کی گئی اور کہا گیا اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے اور ان کے مُنہ کالے کرنے والے تو آپ نے فرمایا: مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ اس میں مصلحت ہے (یعنی صلح میں بہتری ہے)۔“

(۲) روی عن علی بن الحسن الطویل عن علی بن النعمان عن عبداللہ بن مسکان عن ابی حمزۃ عن ابی جعفر علیہ السلام قال جآء رجل من اصحاب الحسن علیہ السلام یقال لہ سفیان بن ابی

1۔ رجال کشی ص ۱۰۳ مطبوعہ کربلا تذکرہ سفیان ابن ابی لیلی الہمدانی
2۔ رجال کشی ص ۱۰۲ مطبوعہ کربلا ذکر قیس ابن سعد

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لیلٰی وھو علٰی راحلۃ لہٗ فدخل علی الحسن علیہ السلام وھو مختب فی فنآء دارہٖ فقال لہٗ السلام علیک یامذل المؤمنین فقال لہ الحسن علیہ السلام انزل ولا تعجل فنزل فعقل راحلتہٗ فی الدار واقبل یمشی حتّٰی انتھی الیہ قال فقال لہ الحسن علیہ السلام ما قلت؟ قال قلت السلام علیک یا مذل المؤمنین۔ [1]

"(بحذف اسناد) امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام حسن کے ساتھیوں میں ایک شخص سفیان بن ابی لیلی اونٹنی پر سوار ہو کر آپ کے پاس آیا۔ اس وقت امام اپنے گھر گوٹھ مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آ کر کہنے لگا اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے تم پر سلام۔ اُسے امام حسن نے نیچے اترنے کو کہا اور فرمایا جلد بازی نہ کرو۔ اس نے سواری کو باندھ دیا اور آپ کے پاس چل کر آ گیا۔ تو آپ نے اُسے پوچھا تو نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ کہنے میں نے یہ کہا تھا السلام علیکم! اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کو آپؓ کے حقیقی محبین نے بسر و چشم قبول کیا، آپؓ کے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے برادرِ اکبرؓ کی اتباع میں فوری طور پر بلا تردّد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کر لی۔ چنانچہ راوی محمد بن راشد کہتا ہے کہ:

"میں نے جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سُنا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی کی طرف رقعہ لکھا۔ جس میں تحریر تھا کہ تم (حسن) حضرت حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں کو لے کر میرے ہاں تشریف لاؤ۔ امام حسن جب انہیں لے کر نکلے تو ان کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری بھی تھے۔ شام پہنچے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی اور ان کے لیے خطیب مقرر کیے۔ پھر کہا اے حسن! اٹھئے اور بیعت کیجئے۔ وہ اٹھے اور بیعت کی۔ پھر سیدنا حسین کو کہا آپ اٹھئے اور بیعت کیجئے۔ تو انہوں نے اٹھ کر بیعت کر لی۔ پھر قیس کو کہا تم بھی اٹھو اور بیعت کر لو۔ تو اس نے امام حسین کی طرف اس ارادے سے دیکھا کہ آپ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیس! امام حسین رضی اللہ عنہ میرے امام ہیں (یعنی ان کی بیعت کر لینے کے بعد ہمیں تردد نہیں ہونا چاہئے)۔" [1]

شیعوں کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑنے پر اُکسانا

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح اور ان کی بیعت سے شیعانِ علی اس قدر

1۔ الاخبار الطوال مطبوعہ بیروت ص ۲۲۰

2۔ مقتل ابو مخنف ص ۶، مطبوعہ نجف اشرف

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خائف اور برہم تھے کہ انہوں نے فرزندانِ علی المرتضیٰؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں سے نہ صرف توہین آمیز سلوک روا رکھا بلکہ انہیں بیعت توڑنے پر بھی اُکساتے رہے، اس سلسلہ کی ایک روایت ملاحظہ ہو!

"حجر بن عدی امام حسن رضی اللہ عنہ کو سخت ملامت کرنے کے بعد جب باہر نکلا اور عبیدہ بن عمرو کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حضور آیا۔ ان دونوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو عبداللہ! تم نے عزت کے بدلے ذلت کے گھونٹ پی لئے اور کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو منظور کر لیا۔ آج ہماری مان لیجئے۔ پھر تمام عمر کبھی نہ ماننا۔ ہمیں اور امام حسن رضی اللہ عنہ کو میدان میں چھوڑ دیں اور اُن کے ساتھ ہر وہ شخص جوان کی امیر معاویہ سے صلح کو درست کہتا ہو وہ کوفی ہوں یا کہیں اور جگہ کے۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کے یہ معاملہ سپرد کر دیجئے۔ تو ابن ہند (امیر معاویہ ﷺ) کو اس وقت پتہ چلے گا جب ہم تلواروں کو اس کے سامنے لہرا رہے ہوں گے۔ یہ سن کر امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا دیکھو ہم نے ان کی بیعت کر لی ہے اور باہم معاہدہ کر لیا ہے اور اس بیعت کو توڑنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔" 1

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیت اور ان کی پختگیٔ ایمان کی بہت بڑی دلیل یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے بلا جبر و اکراہ ان کی بیعت کی اور تا دمِ آخر اس بیعت پر قائم رہے۔ بلکہ اگر کسی وقت شیعوں نے انہیں امیر معاویہ کے خلاف اُکسانے کی کوشش کی اور بیعت توڑنے پر زور دیا اور اپنی طرف سے ان کے ساتھ جنگ کرنے کی پیش کش کی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انکار کیا بلکہ فرمایا کہ ہم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور درست کیا ہے۔ لہٰذا اب ہم سے یہ توقع نہ کریں۔ اور اس پر مزید یہ کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قسم کی باتوں کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں خط لکھا تو آپؓ نے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو درج ذیل جواب دیا:

"اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ امابعد! آپ کا نامہ مجھ تک پہنچا اور اس کی تحریر کو میں نے خوب جانا خدا کی پناہ میں اس معاہدہ کو ہرگز توڑنے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔ جس کو میرے بھائی حسن نے آپ سے کیا تھا اور رہی یہ بات کہ وہ باتیں جو آپ نے میری طرف سے سنیں تو وہ جھوٹے چغلخوروں نے آپ تک پہنچائیں۔ وہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں خدا کی قسم! وہ سب بکتے ہیں۔" 2

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کسی طور بھی امیر معاویہ کی بیعت توڑنے کے لیے تیار نہ تھے اور جن لوگوں نے خفیہ طور پر ان دونوں حضرات کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے انہیں چغلخور، جھوٹے اور انتشار پسند قرار دیا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ اور انداز اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امت مسلمہ کا خلیفہ اور خیر خواہ تصور کرتے تھے اور ان کے خلاف بغاوت وغیرہ کو قابلِ مذمت فعل سمجھتے تھے۔

1۔ الاخبار الطوال ص ۲۲۵ ذکر امیر معاویہ و عمرو بن العاص

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ خود مخالفت کی اور نہ کسی مخالف کی بات پر اعتماد کیا۔ اُدھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی ان کا بے حد احترام تھا۔ جس کا ثبوت کتب شیعہ میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے کوئی ایسی بات نہ دیکھی جوان کے لیے پریشانی کا باعث بنے۔ نہ کوئی ناپسندیدہ امر دیکھنے میں آیا اور نہ ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی چیز بچا کر اور چھپا کر رکھی۔ جوان کے مابین بطور معاہدہ طے پائی۔ اس کے علاوہ کسی قسم کی بھلائی سے انہیں محروم نہ کیا۔'' 1

ان تاریخی حوالہ جات سے جہاں شیعوں کی حضرت حسنؓ سے بدسلوکی معلوم ہوتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کسی قسم کی کوئی ناراضگی نہ تھی اور نہ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان سے کوئی بیر اور دشمنی تھی۔ بلکہ طرفین میں مکمل ہم آہنگی اور خیر خواہی کے جذبات کارفرما تھے۔ حسنین کریمین نے اپنی تمام زندگی ان کی خلافت کو حق سمجھ کر ان کے ماتحت گزار دی اور اُدھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے دورِ خلافت میں ان سے کوئی اچھائی اور بہتری چھپا کر نہ رکھی۔ اس سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت صدق دل اور اسے حق سمجھ کر کی۔ ورنہ یہی حسینؓ ہیں کہ یزید کو غلط سمجھا تو بیعت کرنے پر اپنی اور اپنے بہتر ساتھیوں اور رشتہ داروں کی جانیں تو سپرد خدا کر دیں۔ لیکن بیعت کرنے کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا۔

لہٰذا یہ بات قطعاً درست نہیں ہو سکتی کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت دل سے نہ کی تھی۔ بلکہ محض وقت گزارنے کے لیے از روئے تقیہ کی تھی۔ حضرات حسنین کریمین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس قسم کی گھٹیا بات ان کی گستاخی اور ان کی عزت و وقار سے کھیلنے کے مترادف ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے اور ان کی بیعت کو صحیح اسلامی بیعت گردانتے تھے اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ یہ کہ کامل الایمان ہیں بلکہ وہ امور مملکت اور سیاست ملکی و ملّی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے نبی اکرم ﷺ کو مسجد نبوی کے منبر پر اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف، پھر فرمایا: ''ان ابنی هذا سید لعلّ اللّٰہ ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین'' یقیناً میرا یہ نواسہ سید ہے، اور مجھے امید ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح باب قول النبی للحسن بن علی ﷺ ابنی هذا سید

2۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۴۳ ج ۸ بحوالہ شیعیت تاریخ وافکار

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔“ 1

شیعانِ علیؓ کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی ان دو بڑی جماعتوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع کر دیا جو چھ سال تک باہم برسرِ پیکار رہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شیعہ کو نہ تو مسلمانوں کا باہمی اتحاد ایک نظر بھاتا ہے اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور ان کی عظمت کا سامنا کرنے کی وہ طاقت رکھتے ہیں۔

شیعوں کی تو دراصل خواہش یہ تھی کہ کسی طرح مسلمان باہم قتل و جدال میں مصروف رہیں اور بڑی حد تک وہ اس سازش میں کامیاب بھی ہوئے لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی ساری سازشوں پر پانی پھیر دیا جس کا صلہ پھر اس گروہ نے یہ دیا کہ بطور مجبوری حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دوسرا امام تو مان لیا مگر آئندہ کے لئے ان کی اولاد سے امامت کا حصہ بھی ختم کر دیا اور خود انہیں ان کی زندگی میں بھی حد درجہ اذیتیں پہنچانے اور یا مذل المومنین (اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے) کے القاب سے نوازا۔ آپ کے پہلو میں نیزہ مار کر زخمی کرنے آپ کے بازوں کے نیچے سے مصلی کھینچنے اور آپ کو زہر تک دینے سے گریز نہ کیا۔

قاضی طاہر الہاشمی لکھتے ہیں:

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت کر لی تھی جس پر اُمتِ مسلمہ نے سکھ و اطمینان کا سانس لیا مگر یہ مصالحت شیعوں (قاتلینِ عثمانؓ) کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ شیعانِ علیؓ کا ایک گروہ خوارج کے نام سے الگ ہو گیا تھا لیکن دوسرا سبائی گروہ منافقانہ طور پر حضرت حسنؓ کے ساتھ چمٹا رہا، ان ہی فتنہ پردازوں نے ایک اور صفین برپا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر لے کر نکلے تو راستے میں افواہ اڑ گئی کہ حضرت حسنؓ کے لشکر کے ہراول دستے کو شکست ہو گئی ہے اور قیس بن عبادہ امیر لشکر قتل ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ”شیعہ“ خود حضرت حسنؓ کی جان کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے اعلانیہ اپنے امام سے بغاوت کر کے ان پر حملہ کر دیا، چادر اتار لی، مصلیٰ کھینچ لیا اور جراح بن قبیصہ نے ران مبارک کو زخمی کر دیا۔ حضرت حسنؓ اسی زخمی حالت میں مدائن کے قصر ابیض میں مقیم ہو گئے۔ شیعہ لیڈر مختار بن ابی عبید ثقفی نے اپنے چچا سعد بن مسعود (گورنر مدائن) سے کہا: کیا تم کو دولت و عزت حاصل کرنے کا راستہ بتاؤں؟ اس نے کہا، کیا مطلب؟ کہا حسن ﷛ کو پکڑو اور قید کر کے معاویہؓ کے پاس بھیج دو۔ سعد بن مسعود نے کہا کہ خدا تجھے غارت کرے، کیا میں نواسۂ رسول ﷺ سے دھوکہ بازی کروں؟ 2

سیدنا حسن ﷛ کی اپنے شیعوں سے مایوسی

1۔ شیعیت، تاریخ و افکار۔ ص ۱۳۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے شیعوں سے بیزار اور مایوس ہو گئے اور ان پر بالکل اعتماد نہ رہا اور حق یہ ہے کہ یہ لوگ اعتماد کے قابل ہی نہ تھے کیونکہ یہ لوگ بارہا زبان سے وفادار اور عمل سے بے وفا ثابت ہو چکے تھے۔ جلد ہی حضرت حسنؓ پر ان کی سازش اور ان کے اصلی مقاصد کھل گئے۔ لہٰذا آپؓ نے اپنا تاریخی رول ادا کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور معقول و مناسب شرائط طے کر کے حضرت معاویہ ؓ کے حق میں رضا کارانہ اور برضا و رغبت خلافت سے ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تاریخ اسلام میں صلح و جنگ کے بہت سے واقعات ہیں۔ لیکن یہ صلح بڑی تاریخی، یادگار اور بہت ہی اہم تھی جس کی پیشین گوئی اللہ کے رسول ﷺ نے دی تھی اور حضرت حسن ؓ کی سعادت اور خوش بختی کہ اس کی تکمیل کا شرف انہیں حاصل ہوا۔

حضرت حسن ؓ کا یہ کارنامہ یقیناً لائق صد آفرین و صد تحسین ہے جنہوں نے بالکل صحیح سوچا کہ خلیفہ ہاشمی ہو یا اُموی، عربی ہو یا عجمی، گورا ہو یا کالا، اس کو کوئی اہمیت حاصل نہیں، اصل مقصد ملتِ اسلامیہ کا اتحاد، قیامِ امن، خلافت استحکام اور اشاعت و تحفظِ اسلام ہے۔ آپؓ کے اس اقدام سے اب سارے مسلمان ایک خلیفہ اور ایک ہی مرکز کے تحت دوبارہ اکٹھے ہو گئے، اس لئے اس سال کا نام ہی "عام الجماعۃ" رکھا گیا یعنی وہ سال جس میں شیعوں کا پیدا کردہ تشتت و افتراق ختم ہوا، بچھڑے ہوئے گلے ملے، جہاد کا تلپٹ شدہ فریضہ از سرِ نو شروع ہوا۔

لیکن دوسری طرف یہ صلح شیعوں کے لئے پیغامِ موت تھی۔ اس عظیم الشان صلح سے یہودیوں، مجوسیوں، منافقوں، تفرقہ بازوں، ابن اُبی اور ابن سبا کے تربیت یافتہ مفسدوں کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی جو اُمتِ مسلمہ میں انتشار و خلفشار باقی رکھنے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو محض نام کا خلیفہ بنا کر دولت اور اقتدار پر قابض رہنے کے خواہش مند تھے۔ ان شیعوں نے اپنے امام پر حملوں کے علاوہ ان کی شدید ترین توہین و تحقیر بھی کی۔ ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ انہیں مسود وجوہ المسلمین، مذل المومنین اور عار المومنین کے خطابات سے نوازا۔ 1

ملامت کا سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہا

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہو گئی اسی سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر افرادِ خاندان کے ساتھ واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب بھی ان محلوں سے گزرتے جوان کے "شیعوں" کے تھے تو وہ ان پر ملامت آمیز جملے کہتے کہ آپ کیوں حضرت معاویہ کے حق میں دستبردار ہوئے، یہ ملامت کا سلسلہ عرصہ کے بعد پھر شروع ہوا اور آج تک بہت سے دلوں اور دماغوں میں یہ کھٹک ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) کا یہ طرزِ عمل قابلِ قدر اور جن کو ان حالات کا سامنا کرنا پڑے ان کے لئے قابلِ

1۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۹ جلد ۸

2۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵ مقاتل الطالبین لابی الفرج ج ۲ ص ۵۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تقلید نمونہ ہے، وہ بلاشبہ تعریف کے مستحق تھے اور ہیں کہ امت کو خون ریزی سے بچالیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ 1

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے مخلص رفقاء کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ میں شامل ہو گئے جبکہ آپ کے اس اقدام کی مخالفت کرنے والے شیعہ خلافتِ اسلامیہ اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کس نے دلوایا؟

چونکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے گرد شیعوں کا گھیرا آخری وقت تک رہا، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کے ذریعے شہید کرنے کا الزام بھی شیعوں پر ہی آتا ہے، جبکہ شیعوں نے یہ بات بہت مشہور کر رکھی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہؓ نے زہر دلا کر شہید کرادیا تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے ذمہ یہ بات لگانا کہ آپؓ نے حضرت حسنؓ کو زہر دلوایا تھا ایک بڑا بہتان ہے اور کذبِ محض...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی ضرورت کیا پڑی تھی؟ حضرت حسینؓ تاحیاتِ امیر معاویہؓ زندہ رہے، انہوں نے امیر معاویہؓ کا کیا بگاڑا تھا جو حضرت امام حسنؓ اگر زندہ رہتے تو امیر معاویہؓ کو کسی خطرے کا سامنا کرنا پڑتا۔ علم سے نابلد لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کیا ضرورت تھی جو وہ اس کا ارتکاب کرتے؟ خلافت حضرت حسنؓ ان کو دے چکے تھے۔ دونوں بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو چکے تھے۔ ان کے وظائف لیتے رہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی تک فدک کی آمدنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کو ملتی رہی۔ حضرت حسنؓ نے مسلمانوں کی دو جماعتوں کو ایک کیا، سلطنتِ اسلام متحد ہوئی اور پھر تاحیات امیر معاویہؓ اور ان حضرات کے مابین کوئی دلخراش واقعہ پیش نہیں آیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت امیر معاویہؓ کے گورنر سعید بن العاصؓ اموی نے پڑھائی اور انہیں اس کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آگے کیا۔ شہادتِ حسنؓ میں اگر کسی طرح امیر معاویہؓ ملوث ہوتے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر کو کبھی نماز جنازہ کے لئے آگے نہ کرتے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو آگے کرتے ہوئے فرمایا:

لو لا السنة لما قدمتک... 1

"اگر سنت طریقہ نہ ہوتا تو میں تجھے کبھی آگے نہ کرتا (سنت یہ کہ حاکمِ وقت امامت کرائے)۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس کے بعد ہر سال امیر معاویہؓ کے پاس جاتے رہے۔ وہ پوری طرح ان کا اکرام

1۔ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۵۰۔ تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۳۱۱

2۔ الاخبار الطوال ص ۲۲۵

3۔ منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۲۵

4۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کرتے اور انہیں بڑے تحفے اور ہدایا دے کر رخصت کرتے۔ یہ صورتِ حال بتاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر زہر خورانی کا الزام کذبِ محض ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویة فی کل عام فیعظّمه ویکرّمه۔ [1]

"جب حضرت امام حسنؓ فوت ہوئے تو حضرت حسینؓ ہر سال حضرت امیر معاویہؓ کے پاس وفد بن کر جاتے، آپ انہیں (حضرت حسینؓ کو) بہت سے عطیے دیتے، اور ان کا بڑا اکرام فرماتے۔"

مشہور شیعی مؤرخ احمد بن داؤد الدینوری (۲۸۲ھ) لکھتا ہے:

ولم یر الحسن ؓ ولا الحسین ؓ طول حیاة معاویة منه سوءً فی انفسهما ولا مکروهًا ولا قطع عنهما شیئًا مما کان شرط لهما ولا تغیر لهما عن برّ۔ [2]

"حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے پوری زندگی حضرت معاویہؓ سے اپنے حق میں کوئی بدخواہی نہیں دیکھی، نہ ان کا اپنے بارے میں کوئی ناپسندیدہ عمل دیکھا، نہ حضرت معاویہؓ نے کوئی بات جس پر آپؓ نے انہیں عہد دیا تھا توڑی اور نہ ان دونوں کے ساتھ آپ نے کسی نیکی میں دریغ کیا۔"

پہلے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری (۳۱۰ھ)، خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) وغیرہما میں سے کوئی اس واقعہ کو نقل نہیں کرتا۔ حاکم (۴۰۵ھ) نے زہر دیئے جانے کا واقعہ تو نقل کیا ہے مگر زہر دینے کے مجرمین کی کوئی نشاندہی نہیں کی۔ سب سے پہلے ابن اثیر الجوزی (۶۳۰ھ) نے اس زہر دینے کی نسبت آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کی طرف کی ہے اور پھر صیغہ تمریض سے کہا ہے کہ کچھ لوگ اسے امیر معاویہؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس پر ابن اثیر نے کوئی صحیح روایت پیش نہیں کی، نہ اس الزام کی کہیں توثیق کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۱۸ھ) لکھتے ہیں:

ان معاویة سمّ الحسن فهذا ممّا ذکره بعض النّاس ولم یثبت ذالک ببیّنة شرعیّة او اقرار معتبر ولا نقل یجزم به۔ [3]

"امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کو زہر دیا ہے، یہ وہ بات ہے جو بعض لوگوں نے ذکر کی ہے اور یہ بات کسی واضح شرعی دلیل یا اقرار معتبر سے ثابت نہیں۔ اس پر کوئی نقل نہیں ملتی جس پر یقین کیا جاسکے۔"

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے حضرت حسنؓ سے اُن کے آخری وقت میں پوچھا کہ آپ کو زہر کس نے دیا ہے؟ حضرت حسنؓ نے نام بتانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اس کو ترک کردیں، اس کا فیصلہ اللہ کے ہاں ہوگا۔ [4]

1۔ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۱۳۹

2۔ المصنف لابن شیبہ ج ۵ ص ۲۵۴

3۔ عبقات اوّل ص ۱۳۹۱ از علامہ خالد محمود

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

ومایںقل ان معاویۃ دس الیہ السّم مع زوجتہ جعدہ بنت اشعث بن قیس فھو من احادیث الشیعہ وحاشا لمعاویۃ من ذلک۔ [1]

"اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ساتھ مل کر زہر دلایا تھا یہ شیعوں کی باتیں ہیں، حاشا وکلا امیر معاویہؓ نے ایسا کیا ہو۔"

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں، یہ سوال کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دشمنی کن سے تھی، یہ ضرور غور طلب ہے۔ حضرت علیؓ کے ایک بیان سے اس کا کچھ اشارہ ملتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نئی شادیوں کا بہت شوق تھا۔ اسی بناء پر آپ کو حسن مطلاق کہا جانے لگا تھا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مازال الحسن یتزوّج ویطلق حتّٰی حسبت ان یکون عداوۃ فی القبائل۔ [2]

"حضرت حسنؓ متواتر شادیاں کرتے رہے اور طلاقیں دیتے رہے، یہاں تک کہ مجھے خدشہ گزرا کہ اس اندازِ عمل سے کہیں قبائل میں عداوت کی آگ نہ بھڑک اُٹھے۔"

اس پس منظر میں یہ تو گمان کیا جاسکتا ہے کہ یہ آپ کی کسی بیوی ہی کی سازش ہوگی (اور ظاہر ہے کہ آپ کی بیویاں بھی تو شیعانِ علیؓ کی لڑکیاں ہی تھیں) لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ قرائن سے ملتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس الزام سے بالکل پاک ہے۔ محض مخالفین کی اختراع سے کسی مسئلے کا اثبات نہیں ہوسکتا۔ [3]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعزیت

جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، آپ ہاشمی ہونے کے ناطے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اقرباء میں سے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنتے ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی بہت اچھے کلمات جواباً کہے۔

حافظ ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) جو اہلِ دمشق کو زیادہ جاننے والے ہیں، روایت کرتے ہیں:

فلما جاء الکتاب بموت الحسن بن علی رضی اللہ عنہ اتفق کون ابن عباس عند معاویۃ وعزّاہ فیہ باحسن تعزیۃ وردّ علیہ ابن عباس ردّا حسنًا کما قدمنا۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۳۰۴)

"جب حضرت حسن بن علیؓ کی وفات کا خط آیا تو اتفاق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، حضرت معاویہؓ نے ان سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر بڑے اچھے الفاظ میں تعزیت کی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی نہایت اچھے الفاظ میں اس کا جواب دیا۔"

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ بھی کہا:

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لا یسؤک اللّٰہ ولا یحزنک فی الحسن بن علی فقال ابن عباس لمعاویۃ لا یحزننی اللّٰہ ولا یسؤنی ما ابقی اللّٰہ امیر المومنین۔ (ایضاً)

”تمہیں خدا تکلیف سے بچائے اور حسن بن علیؓ کے بارے میں غمگین نہ ہونے دے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے غمگین نہ ہونے دیں گے اور مجھے کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے جب تک امیر المومنین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) زندہ ہیں۔“

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پانچواں باب:

شیعیت
سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عالمِ اسلام کے متفقہ خلیفہ مقرر ہو گئے۔ تمام صحابہؓ و تابعینؒ نے برضا ورغبت ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس طرح امتِ مسلمہ کی خانہ جنگی اور انتشار و خلفشار کا دور ختم ہو کر امن و سلامتی میں تبدیل ہو گیا۔ ملتِ اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا اور اس بات کی خوشی منائی گئی کہ اب اسلامی سلطنت کا ہر مسلمان ایک اللہ، ایک رسول ﷺ، ایک کتاب، ایک کعبہ، ایک دار الخلافہ اور ایک ہی خلیفہ کے دامن سے وابستہ ہے۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالی تو اس وقت عالمِ اسلام تین گروہوں میں تقسیم تھا۔

پہلا گروہ شیعوں (سبائیوں) کا تھا۔ چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق خاندانِ بنو اُمیہ کے ساتھ تھا، اس لئے شیعوں (یہودیوں، مجوسیوں، ایرانیوں) کی سازشوں کا رُخ بھی اسی خاندان کی طرف پھر گیا، مگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری اور بیعت کے بعد ان کی ہمت پست ہو گئی اور وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سر نہ اٹھا سکے، لہٰذا انہوں نے زیر زمین اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔

دوسرا گروہ (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے گروہ پر مشتمل) مخلص مسلمانوں کا تھا، جنہوں نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر با قاعدہ بیعت کر لی تھی۔

تیسرا گروہ شیعوں کی دوسری شاخ خوارج کا تھا۔ یہ لوگ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے متبعین کو گمراہ اور کافر یقین کر کے ان کے مقابلے میں ہر قسم کی قوت و شدت کام میں لاتے تھے۔ نیز منافق اور سازشی لوگ (شیعہ) بھی ان میں ملے جلے رہتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی اسلام دشمن قوتوں نے سر اٹھایا اور کئی طرح کے فتنوں اور شورشوں کا آغاز ہو گیا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام اندرونی اور بیرونی بغاوتوں، شورشوں اور سازشوں کا قلع

1۔ شیعیت، تاریخ وافکار ص ۱۳۴

2۔ ''شیعہ'' ص ۴۴

3۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۵۱ ج ۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قمع کر کے مکمل امن وسکون قائم کر دیا۔ توسیع انقلاب کا جو عمل اندرونی سازشوں اور فتنہ وفساد کے نتیجے میں بالکل رک گیا تھا، پھر سے اس کا آغاز ہوا اور اسلامی حکومت کا رقبہ ۶۵ لاکھ مربع میل تک بڑھ گیا۔ [1]

شیعوں کے لئے سب سے مشکل زمانہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پورے بیس سالہ (۴۱ھ تا ۶۰ھ) دور میں شیعہ اپنے اسلام دشمن منصوبے کو بروئے کار لانے میں بُری طرح ناکام رہے۔ جس کا اعتراف عظیم شیعہ سکالر علامہ سید محمد طباطبائی بالفاظِ ذیل کرتے ہیں:

"شیعہ افراد اور شیعہ مذہب کے لئے تاریخ میں سب سے مشکل حالات معاویہ کی بیس سالہ حکومت کے دوران تھے۔ جس وقت شیعوں کے لئے کسی قسم کا امن وچین موجود نہ تھا۔ اسی دوران میں اکثر شیعہ حضرات معروف اور مشہور ہو چکے تھے۔ ادھر شیعوں کے دو امام (امام دوم اور امام سوم) معاویہ کے زمانے میں حالات کو بہتر بنانے اور خلافت کو لوٹانے میں بے بس اور بے اختیار تھے حتیٰ کہ شیعوں کے تیسرے امام (امام حسین رضی اللہ عنہ) یزید کی سلطنت کے پہلے چھ مہینوں کے دوران ہی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے دوستوں اور اصحاب واولاد کے ساتھ یزید کی مخالفت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آخری دس سالہ خلافت کے دوران اس کام کا امکان بھی نہ تھا کہ خلافت پھر دوبارہ اہل بیت کو واپس مل جائے۔" [2]

موصوف کی یہ بات تو درست ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت شیعوں کے لئے سب سے مشکل زمانہ ثابت ہوا، کیونکہ وہ دوبارہ امتِ مسلمہ میں کوئی خانہ جنگی اور داخلی انتشار وخلفشار پیدا نہیں کر سکے۔ لیکن ان کی یہ بات تاریخ کا ایک عظیم جھوٹ ہے کہ امام دوم اور سوم خلافت کو لوٹانے میں بے بس اور بے اختیار تھے، اگر وہ خلافت کے خواہش مند ہوتے تو پھر اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے ہی کیوں کرتے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کی۔ ان کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو گئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ ان دونوں کی بہت زیادہ تکریم کرتے، نہایت خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرتے اور گراں قدر عطیات سے انہیں نوازتے اور بعض اوقات ایک دن میں دو دو لاکھ درہم بھی پیش کر دیتے تھے۔ [3]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات (۵۰ھ) کے بعد بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہر سال ملاقات کے لئے شام تشریف لے جاتے

1۔ کشف المحجوب ص ۹۲
2۔ شرح ابن ابی الحدید جلد دوم
3۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد
4۔ مقتل ابی مخنف
5۔ شیعیت، تاریخ وافکار سے بتغیر یسیر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رہے اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے دادو دہش کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

حضرت شیخ علی ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ:

ایک دن حضرت حسینؓ کے پاس ایک سائل آیا اور درخواست کی کہ میں ایک فقیر ہوں اور کثیر العیال ہوں، آپ مجھے آج کا کھانا عنایت فرمائیں۔ حضرت حسین ؓ نے فرمایا آپ ذرا انتظار کریں ہمارا وظیفہ پہنچنے والا ہے، تو آپ کو دے دیں گے۔ کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی کہ حضرت معاویہ ؓ کی طرف سے پانچ عدد تھیلیاں (جن میں ایک ایک ہزار دینار تھے) پہنچ گئیں اور پہنچانے والے نے یہ پیغام دیا کہ حضرت معاویہ ؓ معذرت کرتے تھے کہ یہ قلیل سی مقدار ہے اسے صرف فرمادیں۔ حضرت حسینؓ نے وہ تھیلیاں سائل کو دے دیں اور معذرت بھی کی۔ 1

نہج البلاغہ کے شارح ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ:

معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کئے اور ان کے فرزند پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسے دوگنا کردیا۔ یہ عطایا حضرت علیؓ کے دونوں بیٹوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ہر سال عطا ہوتے تھے۔ 2

صرف یہی نہیں بلکہ سیدنا حسین ؓ نے غزوۂ قسطنطنیہ میں حضرت معاویہ ؓ کے بیٹے یزید کی سپہ سالاری میں جہاد کیا، یہ وہی جہاد ہے جس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی بشارت ہے:

اوّل جیش یغزو مدینۃ قیصر مغفور لھم۔ 3

"میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر جہاد کرے گا اُس کے تمام (سابقہ) گناہ معاف ہوجائیں گے۔"

حضرت معاویہ ؓ کے دور میں شیعہ حضرات حسینؓ کو ان کی بیعت توڑنے پر اُکساتے رہے لیکن دونوں بھائی اپنے موقف پر جرأت و بہادری کے ساتھ قائم رہے۔ حضرت حسن ؓ کی وفات کے بعد ایک دفعہ پھر کوفیوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بیعت توڑنے پر اُکسایا جب یہ بات حضرت معاویہ ؓ تک پہنچی تو انہوں نے وضاحت طلب کی۔ حضرت حسین ؓ نے جواب دیا کہ مجھے آپ کا خط ملا، میرے بھائی حضرت حسن ؓ نے آپ سے جو معاہدہ کیا تھا اللہ کی پناہ میں اس کو نہیں توڑوں گا، جو باتیں آپ تک پہنچیں وہ چغل خوروں، غیبت کرنے والوں اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والوں نے کیں۔ 4

شیعہ مورخ ابوحنیفہ دنیوری لکھتا ہے کہ:

جب حضرت حسین ؓ کو نقض بیعت پر آمادہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "انا قد بایعنا و عاھدنا و لا سبیل الی نقض بیعتنا" (اخبار الطوال) یقیناً ہم بیعت اور معاہدہ کرچکے ہیں اور بیعت توڑنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ 5

مختصر یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکمل کامیابی کے ساتھ نظامِ خلافت اور امورِ مسلمین سرانجام دیتے رہے اور شیعانِ علیؓ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے!

1۔ تاریخ ابن خلدون (واقعات ۴۱ھ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خوارج کی بغاوتیں اور شورشیں

گذشتہ صفحات میں بگڑے ہوئے "شیعانِ علی" جنہوں نے حضرت علیؓ سے بال آخر بغاوت کی اور خوارج کا نام پا کر تاریخ میں مرقوم ہوئے...... کا بقدرِ ضرورت کردار پیش کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے دور میں فتنہ انگیزیاں کیں۔ حضرت علیؓ نے انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ باز نہ آئے اور حضرت علیؓ کو ان کے خلاف قدم اٹھانا پڑا اور نہروان کا معرکہ پیش آیا اور انہی خارجیوں کی سازش کے نتیجے میں حضرت علیؓ نے شہادت پائی تھی۔

خارجی اپنے عقائد میں بڑے پختہ، بہادر اور نڈر تھے۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں بھی خارجیوں نے سر اٹھایا اور حسب ذیل واقعات پیش آئے۔

(الف) فروہ بن نوفل اشجعی خارجی

۴۱ھ میں حضرت حسنؓ کی امیر معاویہؓ کے حق میں دستبرداری کے بعد فروہ بن نوفل اشجعی پانچ سو خارجیوں کی جمعیت کو لے کر علیحدہ ہو گیا اور اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کر کے کہا:

"اب اظہارِ حق کا وقت آ گیا ہے، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جہاد کرو"۔ 1

اور اس نے زبردست شورش برپا کر دی۔ امیر معاویہؓ نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر کوفہ بھیجا، مگر فروہ بن نوفل اشجعی کے مقابلے میں اس لشکر کو شکست ہوئی۔ جس سے امیر معاویہؓ کو گمان ہوا کہ کہیں اس کے پس پردہ اہلِ کوفہ کا ہاتھ تو نہیں ہے اور انہوں نے اہل کوفہ کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

"اگر تم لوگ فروہ بن نوفل کو گرفتار نہ کرا سکے تو تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا"۔

اہلِ کوفہ اس سے مرعوب ہوئے اور انہوں نے فروہ بن نوفل اشجعی کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

(ب) دیگر خارجی سرداروں کی فتنہ انگیزیاں

خارجیوں نے فروہ بن نوفل اشجعی کے مارے جانے کے بعد عبداللہ بن ابی الحوساء خارجی کو اپنا امیر بنا لیا۔ لیکن وہ

1۔ ابن خلدون۔ دوم (واقعات ۴۱ھ)

2۔ ابن اثیر جلد سوم (واقعات ۴۳ھ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بھی ۴۲ھ میں اہل کوفہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد حوثرہ بن وداع خارجی نے خارجیوں کی قیادت سنبھالی۔ امیر معاویہ ؓ نے عبداللہ بن عوف کو ایک لشکر دے کر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ خارجیوں اور ان کے درمیان ایک معرکہ ہوا، جس میں حوثرہ بن وداع خارجی سمیت اس کے ساتھیوں کی بڑی اکثریت مرگئی، صرف پچاس خارجی زندہ بچے۔ [1]

خارجیوں کی پے در پے ناکامی کے باوجود ان کے عزائم میں کوئی کمی نہ ہوئی، ایک کے مارے جانے کے بعد دوسرا ان کی قیادت سنبھال لیتا تھا۔ حوثرہ بن وداع کے بعد شبیب بن بجرہ خارجی، معین بن عبداللہ خارجی اور ابومریم خارجی کی قیادت میں خوارج فتنہ انگیزیاں کرتے رہے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے سرداروں کی قیادت میں ان کی شورشوں کا سلسلہ قائم رہا۔

امیر معاویہ ؓ نے خوارج کی شورش کے سدباب کے لئے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ ان کی تقرری کے بعد بھی شبیب بن بجرہ، معین بن عبداللہ، ابومریم اور ابولیلیٰ کی قیادت میں خارجیوں کی شورش کا سلسلہ جاری رہا۔ مغیرہ ؓ بن شعبہ ایک سال تک مسلسل خارجیوں کے خلاف مہم جوئی میں مصروف رہے اور بالآخر وہ ان کی شورشوں کو دبانے میں کامیاب رہے۔

مستورد بن علقمہ خارجی

۴۳ھ میں کچھ عرصہ بعد پھر خوارج نے کوفہ میں سر اٹھایا اور انہوں نے باہم جمع ہو کر آئندہ خروج اور قیادت کے لئے مشورہ کیا اور کافی بحث کے بعد قبیلہ تیم الرباب میں سے مستورد بن علقمہ کو اپنا سردار منتخب کرلیا اور انہوں نے خفیہ طور پر یہ پروگرام بنایا کہ یکم شوال کو جب لوگ عید کی نماز ادا کرنے جائیں گے تو ان پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ والیٔ کوفہ مغیرہ بن شعبہ ؓ کو جب خارجیوں کی اس سازش کا علم ہوا تو انہوں نے اس کا تدارک کرنے کے لئے فوراً اس مکان کا محاصرہ کرلیا، جس میں یہ سازش ہو رہی تھی۔ اس محاصرہ سے مستورد بن علقمہ نکل کر فرار ہو گیا۔ اس کی جماعت کے چند لوگ جو سازش میں شریک تھے انہیں گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔

مغیرہ بن شعبہ ؓ نرم طبیعت کے مالک تھے، وہ خونریزی کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ خوارج کی اس سازش کے ظاہر ہونے کے بعد مغیرہ بن شعبہ ؓ نے اہل کوفہ کو جمع کر کے تنبیہ کی اور انہیں مجبوراً سخت لہجہ اختیار کرنا پڑا۔ انہوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

> "لوگو! میں تمہارے لئے ہمیشہ عافیت کو پسند کرتا ہوں اور تکلیفوں اور مصیبتوں کو تم سے روکتا ہوں، مجھ کو خطرہ ہے کہ میرے اس طرزِ عمل سے احمق لوگ بدآموز نہ ہو جائیں۔ البتہ اچھے اور حلیم آدمیوں سے اس کی امید نہیں ہے۔ خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ، بھلے اور ناکردہ گناہ لوگوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں۔ اس سے پہلے کہ تم پر کوئی مصیبت آئے اپنے احمقوں کو اس سے باز رکھو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ نفاق اور مخالفت کا بیج بو رہے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ عرب کے کسی بھی قبیلے سے ہوں، میں ان کو ہلاک کر دوں گا اور انہیں ان کے بعد کے لئے عذاب کا نمونہ بناؤں گا۔" [2]

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی اس پُر اثر تقریر کو سن کر تمام قبیلوں کے سردار مرعوب ہوگئے۔ ان میں سے ایک سردار معقل بن قیس نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ وہ کون ہیں، ہمیں ان کا پتہ بتائیں اگر ان کا تعلق ہماری جماعت سے ہے تو ہم خود ان کا تدارک کریں گے اور اگر وہ ہماری جماعت سے نہیں ہیں تو ان قبائل کو جن سے ان کا تعلق ہوگا اس بات کا حکم دیں گے کہ وہ انہیں پکڑ کر آپ کے حوالے کر دیں۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے ان کے متعلق علم نہیں ہے۔ اس پر معقل نے یہ تجویز پیش کی کہ ہر سردارِ قبیلہ اس کی ذمہ داری لے اور میں اپنے قبیلے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے تمام قبیلوں کے سرداروں کو ذمہ دار بنایا اور شورش کی صورت میں اس قبیلے کے سردار کو اس کا خمیازہ بھگتنے کی تنبیہ کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کو ہر طرح کی شورش میں شرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مستورد بن علقمہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو وہ اپنے قبیلے کو چھوڑ کر چند ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو گیا۔ مغیرہ نے اس کے تعاقب میں معقل بن قیس کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ مستور اور معقل کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی رہی اور کئی معرکے ہوئے۔ جس میں خارجیوں کا پلہ بھاری رہا۔ آخر کار مستور بن علقمہ اور معقل بن قیس نے ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا۔ ان معرکوں میں خارجیوں کی بڑی اکثریت ماری گئی اور کافی حد تک ان کا زور ٹوٹ گیا۔

والیٔ بصرہ زیاد بن ابوسفیان نے خوارج کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا۔ خوارج نے بصرہ میں بھی شورش پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن زیاد نے سختی سے کچل دیا۔ اس طرح کوفہ اور بصرہ میں خوارج کی کافی تعداد کام آئی اور ان کی قوت ختم ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں خارجیوں کی شورش کا کوئی بڑا واقعہ رونما نہ ہوا۔

اس کے بعد انہوں نے چھاپہ مار (گوریلا) طرزِ جنگ اختیار کر لیا۔ وہ آناً فاناً جمع ہو جاتے اور کسی علاقے میں تیزی سے یلغار کرتے، غیر محفوظ علاقوں میں اچانک حملہ کر دیتے، اس کے بعد وہ اسی تیزی سے واپس چلے جاتے تاکہ سرکاری فوج کے تعاقب سے بچ نکلیں۔

خوارج کے اجتماع کے مراکز بصرے کے اطراف میں بطائح کا دلدلی علاقہ تھا۔ یا دریائے دجلہ کے بائیں کنارے پر ''جُوْخا'' کے اطراف کا علاقہ تھا۔ جہاں ان کی تحریک کی ابتداء ہوئی تھی۔ شکست کی صورت میں وہاں سے یہ لوگ بسرعت تمام ایرانی سطحِ مرتفع کے پہاڑی علاقوں میں واپس چلے جاتے تھے۔

یزید بن معاویہؒ کے انتقال کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی اس کے خلفشار میں خارجی تحریک نے بہت زیادہ زور پکڑا، اور ملک کی صورتحال نازک ہوگئی۔ ان کی وجہ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قبضہ اس علاقے پر مخدوش ہو گیا۔ جسے انہوں نے پہلے فتح کر لیا تھا۔ ان کی شکست کے بعد اموی گورنروں کو ان ناقابلِ تسخیر باغیوں کے خلاف سخت جدوجہد کرنی پڑی۔ جو فاتح اور مفتوح دونوں کے یکساں دشمن تھے۔ تاہم خارجی اپنی ریشہ دوانیوں سے بنوعباس کو بنواُمیہ پر فتح دلانے میں کامیاب ہو گئے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خوارج کے عقائد وافکار

خوارج کے افکار ونظریات بے حد سادہ اور سطحی تھے۔ یہ قریش اور تمام مضری قبائل سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ان کے چند مخصوص معتقدات وافکار درج ذیل ہیں:

۱۔ خلیفہ کا تقرر آزادانہ اور منصفانہ انتخاب سے ہونا چاہیے جس میں تمام مسلمان حصہ لیں اور کسی ایک گروہ پر اکتفا نہ کیا جائے۔

خلیفہ اس وقت تک اپنے منصب پر قائم رہے گا۔ جب تک وہ عدل پر قائم رہے۔ شریعت کے احکام نافذ کرے۔ خطا اور کج روی سے کنارہ کش رہے۔ اگر ان چیزوں کو چھوڑ دے تو اس کا معزول کر دینا بلکہ قتل کر دینا جائز ہے۔

۲۔ خلافت کسی عرب خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ قریش کی بھی اس میں کوئی تخصیص نہیں جیسا کہ دوسرے (اہل سنت) کہتے ہیں۔

یہ بھی غلط ہے کہ عجمی خلیفہ نہیں ہوسکتا صرف عرب ہی اس منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔ تمام مسلمان خلیفہ ہونے کا یکساں حق رکھتے ہیں۔ بلکہ افضل یہ ہے کہ خلیفہ کسی غیر قریشی کو بنایا جائے تا کہ اگر وہ راہِ حق سے منحرف ہو یا خلافِ شرع حرکات کا ارتکاب کرے تو اسے معزول کرنا یا قتل کر دینا آسان ہو۔ کیونکہ غیر قریشی خلیفہ کو معزول یا قتل کر دینے کے باعث قبائلی عصبیت آڑے نہیں آئے گی، نہ خاندانی جذبہ روک بن سکے گا۔

۳۔ اسی نقطۂ نظر کے ماتحت خارجیوں نے اپنا امیر عبداللہ بن وہب الراسبی کو بنایا اور اسے امیر المومنین کہنے لگے۔ یہ شخص قریشی نہیں تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خارجیوں کا نجدات نام کا فرقہ اس کا قائل تھا کہ کسی امام یا خلیفہ کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ آپس میں اپنے معاملات خوش اسلوبی کے ساتھ نپٹا لیا کریں۔ تاہم اگر ایسا نہ ہوسکے اور امام کے بغیر کام نہ چلے تو امام کو منتخب کر لینے میں بھی مضائقہ نہیں ہے۔ گویا ان کے نزدیک اقامت امام واجب نہیں مصلحت وضرورت پر منحصر ہے۔

۴۔ خوارج ہر گناہ گار کو کافر سمجھتے تھے خواہ یہ گناہ ارادۂ گناہ اور بُری نیت سے ہو یا غلط فہمی اور خطاء اجتہادی سے۔ یہی وجہ تھی کہ تحکیم کے معاملہ میں وہ حضرت علی کو (معاذ اللہ) کافر کہتے تھے۔ حالانکہ حضرت علیؓ تحکیم کے لیے اپنے طور پر تیار نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اگر وہ از خود بھی تیار ہو گئے تھے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تحکیم درست امر نہ تھا تو بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کی یہ خطاء اجتہادی تھی۔ مگر خارجیوں کا حضرت علیؓ کی تکفیر پر اصرار اس امر کا غماز تھا کہ وہ خطاء اجتہادی کو دین سے خارج ہونے کا سبب اور فسادِ عقیدہ کی علامت جانتے تھے۔ یہی وطیرہ ان کا حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ اکابر صحابہ کے بارے میں تھا جن سے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خارجیوں کو جزئیات ہی میں اختلاف تھا لیکن ان کی مزعومہ خطاء اجتہادی بھی ان کے نزدیک موجب کفر تھی۔

خوارج کے دلائل و براہین

انہی افکار و عقائد کی بناء پر خوارج جمہور اہلِ اسلام کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ اور انہیں مشرک قرار دیتے تھے۔ انہوں نے مسلم حکام کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔

درج ذیل سطور میں ہم خوارج کے دلائل ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کے رجحانات و میلانات کا پتہ چل سکے اور معلوم ہو سکے کہ ان کا اندازِ فکر کیا تھا جس سے ظاہر ہو جائے کہ ان کے فکر و نظر میں کس قدر سطحیت پائی جاتی تھی۔ خوارج کثرت سے دلائل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ آیت کریمہ:

(۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔ (۳:۹۷)

"اللہ تعالیٰ نے حج کو فرض قرار دیا ہے بشرطیکہ استطاعت ہو اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔"

اس آیت سے خوارج نے تارکِ حج کو کافر قرار دیا کیونکہ ترکِ حج گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ان کے نزدیک کافر ہے۔

(۲) ارشاد ہوا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ۔ (۵:۴۴)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ کافر ہیں۔"

اس آیت سے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ چونکہ ہر وہ شخص جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ خدا کے فرمان کے بغیر فیصلہ کرتا ہے اس لیے وہ کافر ہے۔

(۳) اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ (۳:۱۰۶)

"قیامت کے روز کچھ لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے کچھ کے سیاہ، جن کے سیاہ ہوں گے ان سے پوچھا جائے گا کیا تم ہی لوگ ہو جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا؟ اب وہ عذاب چکھو جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔"

اس آیت سے خوارج نے یہ نتیجہ نکالا کہ فاسق کا چہرہ تو سفید نہیں ہو سکتا لہٰذا سیاہ ہو گا، اس لئے وہ بما کنتم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تکفرون کے مطابق کافر ہوا۔

(۴) اسی طرح یہ آیت:

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ وَّوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْھَا غَبَرَۃٌ تَرْھَقُھَا قَتَرَۃٌ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَفَرَۃُ الْفَجَرَۃُ۔ (عبس:۳۸تا۴۲)

''کچھ چہرے روزِ قیامت خنداں ودرخشاں ہوں گے اور کچھ غبار سے اَٹے ہوئے، جن پر سیاہی چھائی ہوگی، یہ کافر اور گنہ گار لوگ ہوں گے۔''

اس سے خوارج یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ چونکہ فاسقوں کے چہرے غبار آلود ہوں گے لہٰذا ان کا کفار میں سے ہونا ضروری ہے۔

(۵) نیز ارشاد فرمایا:

وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ۔ (۶:۳۱)

''ظالم خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔''

اس سے ثابت کرتے تھے کہ ظالم جاحد ہوتا ہے اور جحود ایک کافر کا وصف ہے۔ خوارج کے یہ متمسکات نصوص کے سطحی معنوں پر مبنی ہیں۔ اکثر نصوص جس میں مشرکین مکہ کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، آیتِ حج میں حج نہ کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا گیا بلکہ حج کا انکار کرنے والے کو۔

ردّ خوارج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہم عصر خوارج کے مزعومات کے دندان شکن اور مدلل جواب دیے۔ ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ میں خطاوار ہوں اور گمراہ ہوں تو میری گمراہی اور غلطی کی سزا اُمتِ محمد ﷺ کو کیوں دیتے ہو، میری خطا پر انہیں کیوں پکڑتے ہو؟ میرے گناہ پر انہیں کیوں کافر قرار دیتے ہو؟ تم نے اپنے کندھوں پر تلواریں لٹکا رکھی ہیں اور انہیں موقع بے موقع بے نیام کر لیتے ہو، تم یہ نہیں دیکھتے کہ گنہ گار کون ہے اور بے گناہ کون ہے؟ دونوں کو تم نے ایک ساتھ ملا رکھا ہے۔

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا، پھر اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی، اس کے اہلِ خانہ کو اس کا وارث بھی تسلیم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قاتل کو جرمِ قتل میں قتل کیا، لیکن اس کے اہل کو اس کی میراث سے محروم نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے ہاتھ کاٹے اور غیر شادی شدہ زانی کو دُرّے مارے۔ لیکن دونوں کو مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔ آپ نے گناہ گاروں کے مابین

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اللہ تعالیٰ کا حکم قائم کیا، لیکن اسلام نے مسلمانوں کو جو حصہ دیا تھا اس سے ان گناہ گاروں کو محروم نہیں کیا، نہ ان کا نام دائرہ اسلام سے خارج کیا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس مدلل اور عمدہ تقریر کا خوارج کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ حضرت علیؓ نے اس موقع پر کتاب الٰہی سے دلیل لانے کی بجائے عملِ رسولؐ سے دلیل پیش کی کیونکہ عمل کی تاویل نہیں ہوسکتی۔ اس کو درست طریقے سے سمجھا جاسکتا ہے اور جس میں خوارج کے سطحی نظریات اور فکرِ خام کے لیے کوئی گنجائش نہ نکل سکتی تھی۔ سطحی فکر تصویر کا ایک ہی رُخ دیکھتا ہے۔ اس کی نظر ایک جزیئے پر ہوتی ہے اور فہم عبادات و اسالیب میں جزئی میلان سے گمراہی تو حاصل ہوسکتی ہے مقصد تک پہنچنا مشکل ہے۔ امورِ کلیہ پر نظر رکھنے سے حق کا ادراک کیا جاسکتا ہے اور درست فیصلہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔ نظر بریں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا عمل پیش کیا تاکہ ان پر تاویل کے دروازے بند کردیے جائیں بغیر اس کے کہ ان کی تلبیسات فاسدہ کے لئے حیرت واضطراب کا کوئی رخنہ باقی نہ رہنے دیا جائے۔

خوارج کا باہمی اختلاف

یہ تو تھے خوارج کے متفقہ عقائد، اس کے علاوہ جو ان کے دوسرے افکار ونظریات تھے، ان پر وہ خوارج جمع نہ ہو سکے۔ بلکہ ان میں بہت اختلاف پایا جاتا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے امور میں آپس میں جھگڑتے رہتے تھے اور یہی تشتّت و افتراق ان کی ہزیمتوں کا سبب ہوا۔ عہد اُموی میں مہلب بن ابی صفرہ نے جو خوارج کے شر سے بچانے کے سلسلہ میں عامۃ المسلمین کے لیے ایک ڈھال کا کام دے رہے تھے خارجیوں کے اختلافات کو ان کی جمعیت توڑنے، ان کی قوت کے پارہ پارہ اور ان کی تیزی کے کم کرنے کا ذریعہ بنایا بلکہ ان میں اختلاف نہ بھی ہوتا تو ان میں سے ایسے اشخاص بھیج دیتا جو ان کے اندر اختلاف رونما کرادیتے۔ ابن ابی الحدید نے ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے:

"خارجیوں کے فرقہ ازارقہ کا ایک لوہار زہر آلود تیر تیار کیا کرتا تھا، خوارج انہی تیروں کی بارش اصحابِ مہلب پر کیا کرتے تھے۔ یہ معاملہ جب مہلب کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے کہا میں اس کا تدارک کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ایک آدمی کو ایک خط دیا اور ایک ہزار درہم دیے اور اسے قطری بن الفجاءۃ کے لشکر کی طرف جانے کی ہدایت کی اور کہا کہ یہ خط اور یہ درہم چپکے سے دشمن کے لشکر میں پھینک آؤ اور وہاں اپنے بچاؤ کا خیال رکھنا۔ وہ تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہوگیا۔

اس خط کی عبارت یہ تھی:

امابعد "آپ کے تیر مجھے مل گئے ہیں۔ میں ایک ہزار درہم بھیج رہا ہوں، یہ رقم قبول کیجئے اور مزید تیر بنا کر مجھے بھیج دیجئے۔"

1۔ شرح نہج البلاغۃ ج ا ص ۴۰۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یہ خط قطری تک پہنچا دیا گیا۔ قطری نے لوہار کو بلایا اور اس سے پوچھا یہ خط کیا ہے؟

اس نے کہا: ”مجھے نہیں معلوم!“

قطری نے کہا: ”یہ درہم کیسے ہیں؟“

اُس نے کہا: ”مجھے کچھ خبر نہیں“

قطری نے حکم دیا اسے قتل کر دو، فوراً وہ قتل کر دیا گیا۔

یہ خبر سن کر بنو قیس بن ثعلبہ کا ایک مولیٰ عبدربہ آیا۔ اُس نے قطری سے کہا:

”آپ نے ایک شخص کو بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے قتل کر دیا، یہ کیا کیا؟“

قطری نے جواب دیا: ”مفادِ عامہ کے لیے کسی شخص کا قتل کر دینا معیوب نہیں ہے، اور امام کو یہ حق حاصل ہے کہ جو مناسب سمجھے کرے اور رعیت کے لئے اس پر اعتراض جائز نہیں۔“

عبدربہ کو یہ بات بہت گراں گزری تاہم جماعت سے علیحدگی نہیں اختیار کی۔ یہ بات جب مہلب کو معلوم ہوئی تو اس نے خوارج کے پاس ایک نصرانی بھیجا اور اس سے کہا:

”جب تم قطری کے پاس پہنچو تو سجدے میں گر پڑو۔ وہ منع کرے تو کہنا میں آپ کو سجدہ کرتا ہوں۔“

نصرانی نے ایسا ہی کیا۔ قطری نے اسے سربسجود دیکھ کر کہا: ”سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے زیبا ہے۔“

نصرانی نے کہا: ”میں آپ کو سجدہ کرتا ہوں۔“

ایک خارجی نے قطری سے کہا: ”یہ خدا کو چھوڑ کر آپ کی پوجا کرتا ہے۔“

پھر اس نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ۔ (۲۱:۹۸)

قطری نے کہا: ”عیسائی عیسیٰ بن مریم کو پوجتے ہیں لیکن اس سے عیسیٰ علیہ السلام کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے؟ یہ سن کر خارجی اٹھا اور اس نے نصرانی کو قتل کر دیا۔ یہ بات قطری کو ناگوار گزری اور قطری کی یہ ناگواری بہت سے خوارج کو ناپسند آئی۔ مہلب کو پتہ چلا تو اس نے دریافتِ احوال کے لئے ایک آدمی بھیجا، وہ شخص خوارج کے یہاں حاضر ہو کر پوچھنے لگا:

”اچھا یہ بتایئے کہ بالفرض دو شخص آپ کی طرف ہجرت کر کے آئے، ایک راستہ میں فوت ہو جائے اور دوسرا آپ کے یہاں پہنچ گیا، تم نے اسے آزمایا مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا، اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟“

بعض کہنے لگے فوت شدہ آدمی یقیناً جنتی ہے اور دوسرا کافر۔

دیگر خوارج بولے: ”وہ دونوں کافر ہیں تاوقتیکہ آزمائش میں کامیاب ہوں“۔

اس مسئلہ پر بڑا اختلاف رونما ہوا۔ قطری حدود اصطخر میں پہنچ گیا اور ایک ماہ وہاں قیام پذیر رہا۔ اس کی عدم

1۔ اسلامی مذاہب، از ابو زہرہ مصری۔ ترجمہ غلام احمد حریری

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

موجودگی میں خوارج میں یہ جھگڑا چلتا رہا۔" [1]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہلب ایسے سپہ سالارِ اعظم نے کس طرح حکمتِ عملی سے کام لے کر خوارج میں اختلاف کی آگ بھڑکائی اور ان کی سادہ لوحی اور کم عقلی سے پورا فائدہ اٹھایا اور کس آسانی سے ان کے ضعفِ ادراک کے باعث انہیں آپس میں برسرِ پیکار کر دیا، جس کے نتیجے میں ان کی قوت کمزور پڑ گئی اور وہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی سکت سے محروم ہو گئے اور سچ پوچھئے تو ان میں اندرونی طور پر اختلافات بہت زیادہ تھے جو کسی دوسرے کے پیدا کردہ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ [1]

خوارج کے فرقے

مرورِ زمانہ کے ساتھ خوارج بھی مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان کا مختصر تعارف ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

۱۔ بیہسیہ:۔ یہ لوگ بیہس بن ہیصم بن جابر کی طرف منسوب ہیں جو قبیلہ بنی سعد بن ضبہ سے تھا۔ اس فرقے کو "ہیصمیہ" بھی کہتے ہیں۔ ابن خلدون کے نزدیک بیہسیہ فرقہ اباضیہ سے ہے۔

۲۔ مرداسیہ:۔ یہ فرقہ ابو بلال مرداس حنظلی کی طرف منسوب ہے جو قبیلہ بنی تمیم سے تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا اور بوجہ "تحکیم" کے ان سے علیحدہ ہو گیا تھا۔

۳۔ ازارقہ:۔ یہ ابی راشد نافع بن ازرق کے پیرو ہیں۔ یہ جوش اور تعداد میں سب فرقوں سے زیادہ تھا۔ قوت و شوکت میں بھی سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ نافع کی سرکردگی میں ازارقہ نے امویوں اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے پورے اُنیس سال تک نہایت پامردی کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے اور حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ہمراہیوں پر تبرا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۴۔ نجدات:۔ یہ لوگ نجدہ بن عامر (عمیر، عویمر) کے پیرو ہیں۔ جو قبیلہ بنو حنفیہ کی طرف منسوب تھا۔ نجدات ایک نظریہ میں خوارج سے بالکل منفرد تھے اور وہ تقیہ کا اعتقاد تھا۔ تقیہ کے پیشِ نظر جہاں ضرورت ہوتی وہ تحفظِ مال و جان کے لئے کہہ دیتے کہ وہ خارجی نہیں۔ مناسب وقت آنے پر اپنے خارجی ہونے کا اظہار کر دیتے۔ اس فرقہ کے لوگ یمامہ میں رہتے تھے۔ پہلے اس جماعت کا سردار ابو طالوت خارجی تھا۔ پھر نجدہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس فرقہ نے بڑا عروج حاصل کیا۔ چنانچہ بہت جلد یہ لوگ بحرین، عمان، حضر موت، یمن اور طائف پر قابض ہو گئے۔

۵۔ اصفریہ:۔ یہ زیاد بن اصفر کی طرف منسوب ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ نعمان بن اصفر کے اصحاب ہیں۔ بعض کے نزدیک عبداللہ بن صفار کے پیرو ہیں۔ کسی کے نزدیک ان کا یہ نام "صفرت" (زردی) مرض کے پڑا ہے اور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بعض نے کہا کہ چونکہ کثرتِ عبادت کی وجہ سے وہ زرد رنگ ہو گئے تھے اس وجہ سے انہیں اصفریہ یا صفریہ کہا جانے لگا۔ صفریہ کو "زیادیہ" بھی کہتے ہیں۔

۶۔ اباضیہ:۔ یہ لوگ عبداللہ بن اباض کی طرف منسوب ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ فرقہ "اُباض" کی طرف منسوب ہے جو یمامہ میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہ لوگ غلو اور انتہا پسندی سے بالکل الگ تھے۔ میانہ روی، توسط اور اعتدال ان کا شعار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسلام کے بعض اطراف میں یہ اب بھی موجود ہے۔ ان کے نزدیک غیر خارجی مسلمان نہ مشرک ہیں نہ مومن، البتہ انہیں کفرانِ نعمت کی وجہ سے کافر کہا جائے گا۔ ان کے نزدیک حضرت علیؓ اور اکثر صحابہ کافر ہیں۔ اگر یہ اعتدال ہے تو معلوم نہیں کہ شدت کس کا نام ہے! تاہم خوارج کے دیگر فرقوں کے مقابلے میں یہ معتدل ہیں۔ آگے چل کر اباضی مزید چار فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

۱۔ حفصیہ:۔ یہ ابوحفص بن ابی مقدام کی طرف منسوب ہیں۔

۲۔ یزیدیہ:۔ یہ یزید بن انیسہ کے اصحاب ہیں، اس کا شمار غالی فرقوں میں ہوتا ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول عجم سے مبعوث کرے گا اور اس پر یکبارگی کتاب نازل ہوگی جو شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دے گی۔

۳۔ حارثیہ:۔ یہ لوگ ابوحارث اباضی کے پیرو ہیں۔

۴۔ عبادیہ:۔ یہ فرقہ ایک بدعتِ قبیحہ کے ساتھ منفرد ہوا۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ جو عبادت "ریاء" کے ساتھ کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس سے مقصود نہ ہو وہ بھی اطاعت ہے۔

۷۔ عجاردہ:۔ اس فرقے کے لوگ عبدالرحمن بن عجرد کے پیرو تھے۔ شہرستانی نے عبدالکریم بن عجرد لکھا ہے۔ ان کو "عجردیہ" بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ مذہباً نجدات سے بہت قریب تھے۔ ان کے نزدیک بیٹی، پوتی، نواسی، بھتیجی اور بھانجی وغیرہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ فرقہ مزید دس گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔

۱۔ میمونیہ۔ ۲۔ حمزیہ، ۳۔ شعیبیہ، ۴۔ حازمیہ، ۵۔ خلفیہ، ۶۔ اطرافیہ، ۷۔ معلومیہ، ۸۔ مجہولیہ، ۹۔ صلتیہ، ۱۰۔ ثعالبہ یا ثعلبیہ۔ ثعالبہ کے پھر پانچ فرقے ہو گئے:

(۱) اخنسیہ (۲) معبدیہ (۳) رشیدیہ (۴) شیبانیہ (۵) مکرمیہ۔

۸۔ ضحاکیہ:۔ یہ خوارج کا آٹھواں فرقہ ہے جو ضحاک بن قیس کا پیرو ہے۔

۹۔ شبیبیہ:۔ یہ فرقہ شبیب بن یزید بن نعیم شیبانی کی طرف منسوب ہے۔

۱۰۔ کوزیہ:۔ اس فرقہ کے لوگ طہارت میں مبالغہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بدن کی مالش غسل کے وقت فرض ہے۔

۱۱۔ کنزیہ:۔ یہ لوگ مال جمع کرتے ہیں، زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر ہیں۔

1۔ البدایہ والنہایہ (واقعات بیعت یزید ۶۰ھ)

2۔ البدایہ والنہایہ (ایضاً)

3۔ البدایہ والنہایہ (ایضاً)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۱۲۔ شمراخیہ :۔ یہ فرقہ عبداللہ بن شمراخ کی طرف منسوب ہے،اس کے نزدیک ماں باپ کا قتل حلال ہے اور وطی بلا نکاح بھی حلال ہے۔

۱۳۔ بدعیہ:۔ یہ فرقہ ازارقہ کے موافق ہے مگر اس بات میں متفرد ہے کہ نماز میں صرف دو رکعت صبح کو اور دو رکعت شام کو پڑھنا چاہئے۔ (بحوالہ مذاہب الاسلام اور تاریخ تفسیر و مفسرین۔ مصنف ابوزہرہ مصری)

چھٹا باب:

شیعیت کا کردار

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عہد میں

جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یزید کو بلا کر بہت سی وصیتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی فرمایا کہ: حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جگر گوشۂ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال رکھنا، وہ اس زمانے میں لوگوں کے محبوب ترین انسان ہیں، ان سے صلہ رحمی کرنا، انتہائی نرمی برتنا تیرا معاملہ درست رہے گا۔ [1]

یہ وصیتیں فرمانے کے بعد ۲۲/رجب المرجب ۶۰ھ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔

یزید نے تختِ خلافت پر مسند نشین ہونے کے بعد مدینہ کے امیر ولید بن عتبہ کو خط لکھا جس میں اپنے والد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر تھی اور یہ حکم تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان تینوں حضرات سے فی الفور میری بیعت لے لو اور اس معاملے میں سختی سے نمٹو، ذرا مہلت نہ دو۔ [2]

ولید بن عتبہ نے ان تینوں حضرات کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کے لئے مروان کو خط لکھا، اس نے جواب دیا کہ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر دینے سے قبل ہی ان سے بیعت لی جائے اور اگر انکار کریں تو انہیں قتل کر دو۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ والئ مدینہ ولید کے دربار میں

ولید نے مروان کے مشورہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو انہیں بلانے بھیج دیا۔ یہ دونوں حضرات مسجد میں تھے، اس نے کہا امیر نے آپ حضرات کو بلایا ہے، یہ فرمانے لگے آپ چلیں ہم آتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ اٹھے اور اعوان و انصار کو ساتھ لے کر امیر کے دروازے پر جا پہنچے، اجازت چاہی تو اندر بلا لیا گیا، اندر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اکیلے ہی داخل ہوئے انصار کو دروازے پر ہی بٹھا دیا اور فرمایا کہ کچھ مشکوک معاملہ سنائی دے تو اندر چلے آنا، اندر گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، مروان بھی وہیں موجود تھا۔ (البدایہ والنہایہ)

ولید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا خط دکھایا اور یزید کی بیعت کرنے کو کہا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے وفات کی خبر پر انا للہ پڑھا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی، پسماندگان کے لئے اجر کی دعا کی۔ اس کے بعد فرمایا میں خفیہ بیعت نہیں کر سکتا، اور نہ ہی یہ کچھ کارگر ہو سکتی ہے، ہاں جب سب لوگ جمع ہو جائیں پھر ہمیں بلا لیجئے تا کہ ایک ہی دفعہ معاملہ نمٹ جائے ولید طبعاً عافیت پسند تھا اسلئے کہنے لگا اللہ کا نام لے کر چلے جایئے پھر سب لوگوں کے ساتھ تشریف لے آئیں۔ (البدایہ والنہایہ)

مروان نے ولید سے کہا: اللہ کی قسم اگر یہ اس وقت بیعت کئے بغیر چلے گئے تو تمہارے اور ان کے درمیان خوب قتل و غارت ہوگا، انہیں بیعت کئے بغیر نہ نکلنے دو، انکار کریں تو قتل کر دو۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا: "نیلی آنکھوں والی عورت کے لونڈے تو مجھے قتل کرے گا، واللہ تو کذاب و مجرم ہے" یہ کہہ کر اپنے گھر چلے آئے۔ مروان ولید کو کہنے لگا واللہ تو آئندہ اسے کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ (البدایہ والنہایہ)

ولید نے کہا: مروان! اللہ کی قسم مجھے ساری دنیا پورے ساز و سامان سمیت مل جائے تب بھی حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا پسند نہ کروں گا۔ سبحان اللہ! عجیب بات ہے صرف بیعت کے انکار پر انہیں قتل کر دوں، غور سے سن جو حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا وہ قیامت کے روز بڑے نقصان میں ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ)

محمد بن حنفیہ کی نصیحت کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مکہ کا رُخ کرنا

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کو جمع فرمایا اور ۲۸ رجب اتوار کی رات کو مدینہ سے مکہ کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا جبکہ ایک رات قبل ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی مکہ کی طرف نکل چکے تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے تمام اقارب سوائے محمد بن حنفیہ کے ساتھ تھے، وہ کہنے لگے، میرے بھائی! روئے زمین کے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ قابل احترام میرے نزدیک آپ ہیں، انتہائی خیر خواہانہ طور پر درخواست کرتا ہوں کہ آپ کسی شہر میں سکونت اختیار نہ کیجئے بلکہ جنگلات و دیہات کا رخ کیجئے، وہیں سے مختلف علاقوں میں اپنے وفود بھیجتے رہیے، اگر لوگ آپ کی بیعت کر لیتے ہیں اور آپ پر متفق ہو جاتے ہیں تو پھر کسی شہر میں تشریف لے جایئے، اگر آپ کسی شہر میں ہی سکونت اختیار کرنے پر مصر ہیں تو پھر مکہ مکرمہ چلے جایئے، وہاں اگر مقصود حاصل ہوتا نظر آئے تو ٹھیک ورنہ پہاڑوں اور ٹیلوں میں بسیرا کیجئے! سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے جزاک اللہ فرمایا اور فرمایا کہ آپ نے انتہائی خیر خواہانہ نصیحت فرمائی یہ کہہ کر مکہ کی طرف سفر شروع فرما دیا۔ (البدایہ والنہایہ)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ پہنچنے پر لوگ وفد در وفد آپ کی خدمت میں آنے لگے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال و

1۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۱۸۔ ۵۱۰ مطبوعہ تہران زندگانی سید الشہدا۔ طبع جدید ۱۳۹۸ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خلافتِ یزید کی خبر سن کر کثرت سے لوگ آپ کے پاس بیٹھتے، آپ کی باتیں سنتے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کوفی شیعوں کے خطوط کی آمد

اہل کوفہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کی خبر ہوئی تو انہوں نے کثرت سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام خطوط لکھے جن میں انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ سب سے پہلے ۱۱ر رمضان المبارک کو عبداللہ بن سبع ھمدانی اور عبداللہ بن وال عراق سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر ایک وفد بھیجا جس میں مندرجہ ذیل حضرات تھے:

(۱) قیس بن مسہر صیدائی

(۲) عبدالرحمن بن عبداللہ بن الکواالارجی

(۳) عمارہ بن عبداللہ سلولی

ان کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام اہل کوفہ کے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط تھے، اس کے بعد ہانی بن سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی ایک خط لے کر آئے جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جلد سے جلد عراق آنے کی دعوت تھی۔ شیث بن ربعی اور حجاز بن ربعی تمیمی نے تو ایک خط میں یہاں تک لکھا کہ: اما بعد: باغات سرسبز وشاداب، پھل پکے ہوئے تیار اور دریا موجزن ہیں، آپ تشریف لائیں تو ایک جانثار لشکر آپ کو تیار ملے گا۔ والسلام علیک

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام شیعانِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے خطوط

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں آنے کی دعوت دینے والے آپ کے مخلص شیعہ تھے۔ اس سلسلہ میں جلاء العیون کا مصنف لکھتا ہے:

> "شیعانِ کوفہ درخانہ سلیمان بن صرد خزاعی جمع شدند وحمد وثنائے حق تعالیٰ ادا کردند ودر بابِ موتِ معاویہ و بیعت یزید سخن گفتند سلیمان گفت کہ چوں معاویہ بجہنم واصل شدہ وحضرت امام حسین علیہ السلام از بیعت یزید امتناع نمودہ و بجانب مکہ معظمہ رفتہ است وشما، شیعان او وپدر بزرگوار او قاید گرمیداینکہ او را یاری خواہید کرد و بادشمنانِ او جہاد خواہید کرد۔ وبجان ومال در نصرت او کوشش خواہید نمود نامہٗ بادنویسید داو را طلب نمائید واگر در یاری او سستی خواہید وازید وآنچہ شرط نیک خواہی ومتابعت است بعمل نخواہید آورد او را فریب مدہید ودر مہلکہ میفگنید۔ ایشاں گفتند کہ چوں ایں دیار را بنورِ قدوم خود منور گردان ہمگی بقدم اخلاص بسوئے او می شتابیم و بدست ارادت با او بیعت می نمائیم ودر یاریٔ او دفع شر اعادی او جان افشانیاں بظہور میرسانیم پس عریضہ باایں مضمون بخدمت آنحضرت قلمی نمودند۔" 1

1۔ (۱۔ مقتل ابی مخنف طبع الحیدریہ قدیم فی النجف ص ۱۸ فی خروج الحسین علیہ السلام) (۲۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد چہارم ص ۹۰۔ فی قتلہ علیہ السلام۔ طبع قم جدید) (۳۔ اخبار الطوال ص ۲۲۹۔ اہل کوفہ والحسین مطبوعہ بیروت طبع جدید)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''کوفہ کے شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے۔ اللہ کی حمد وثنا کے بعد معاویہ کی موت اور بیعتِ یزید کے بارے میں گفتگو چل نکلی۔ سلیمان کہنے لگا جب معاویہ (معاذ اللہ) جہنم پہنچ گیا ہے۔ اور حضرت حسین نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ اور مکہ روانہ ہو گئے ہیں۔ تم لوگ جو اُن کے اور اُن کے والد گرامی کے شیعہ ہو، خوب جان لو کہ ان کی امداد کرو گے۔ اور ان کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرو گے۔ جان و مال سے ان کی مدد کی کوشش کرو گے۔ ان کو رقعہ لکھنا چاہئے اور انہیں بلانا چاہئے۔ اگر تم نے ان کی مدد میں سستی دکھلائی اور ان کی متابعت کو عمل میں نہ لائے تو ان کو فریب دو گے۔ اور اُن کو ہلاکت میں ڈالو گے۔ ان سب نے کہا کہ جب حضرت ہمارے اس شہر کو اپنی آمد سے منور کریں گے، ہم سب مخلصانہ طور پر ان کی طرف بھاگیں گے۔ اور ان کی بیعت کر لیں گے۔ ان کی مدد میں ان کے دشمنوں کو اپنی جانیں قربان کر کے دفع کریں گے۔ پھر اسی مضمون کا رقعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الی الحسین بن علی بن ابی طالب من سلیمان بن صرد الخزاعی والمسیب بن نجیة ورفاعة بن شدادِ البجلی وحبیب بن مظاهر الاسدی ومن معه من المسلمین سلام علیک ورحمة اللہ وبرکاته۔ اما بعد فانا نحمد اللہ الذی لا اله الا هو ونصلی علی محمد وآل محمد واعلم یا ابن محمد ِالمصطفی وابن علی ِالمرتضی ان لیس لنا حضرت غیرک فاقدم الینا لنا ما لک وعلینا ما عدیک فلعل اللہ ان یجمعنا بک علی الحق والهدی واعلم انک تقدم علی جنود مجندة وانهار متوفقة وعیون جاریة فان لم تقدم علی ذالک فابعث الینا احدامن اهل بیتک یحکم بیننا بحکم اللہ تعالی وسنة جدک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واعلم ان النعمان بن بشیر فی قصر الامان ولسنا نشهد معه جمعة ولا جماعة ولو انک اقبلت الینا لکنا اخرجناه الی الشام والسلام۔......... (الخ)[1]

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) بن علی بن ابی طالب کو سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجیہ، رفاعہ بن شداد البجلی، حبیب بن مظاہر اسدی اور ان کے تمام ساتھیوں نے کوفہ سے یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، امابعد۔ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد کرتے ہیں اور محمد وآلِ محمد پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کے بغیر ہمارا کوئی حضرت نہیں۔ اس لیے ہمارے ہاں تشریف لائیے۔ ہم نفع ونقصان میں مشترکہ رہیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی برکت و سبب سے ہمیں ہدایت وحق پر جمع کر دے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ آپ جب آئیں گے تو ایک مضبوط لشکر آپ کی خاطر تیار ہوگا۔ اس وقت نہریں جاری ہیں، چشمے پھوٹ رہے ہیں، اگر آپ خود تشریف نہ

1۔ ذبح عظیم ص ۱۴۷۔ مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشریہ لاہور۔ طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لاسکیں تو اہل بیت میں سے کسی کو بھیج دیجئے تا کہ وہ ہمارے درمیان اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرے۔

آپ کو علم ہوگا کہ کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر انصاری قصر دار الامارۃ میں ہے اور ہم نہ جمعہ پڑھنے اس کے ہاں جاتے ہیں اور نہ نماز باجماعت میں اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اگر آپ تشریف لائیں تو ہم اُسے فوراً نکال کر شام بھیج دیں گے۔ والسلام

کوفہ کے شیعانِ علیؓ کی طرف سے بارہ ہزار خطوط کی آمد

ابومخنف کہتا ہے کہ پے درپے رقعہ جات پہنچنے لگے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایلچیوں سے کوفہ کے حالات دریافت فرماتے تھے۔ ایلچیوں نے کہا۔ حضرت! وہ سب آپ کے ساتھ ہیں۔ جلاء العیون ملا باقر مجلسی کے مطابق حضرت حسینؓ نے اِن خطوط کے جواب میں کوئی جلدی نہ کی حتیٰ کہ ایک دن میں چھ سو خطوط ان مکاروں اور غداروں کے آپؓ کو پہنچے اور ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا۔ بہت سے ایلچی بھی آپ کے پاس پہنچ گئے۔ خطوط متواتر پہنچ رہے تھے حتیٰ کہ ان خطوط کی تعداد بارہ ہزار تک جا پہنچی۔

پھر اس کے بعد ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ الحنفی کے ہاتھ رقعہ بھیجا۔ کوفیوں کی طرف سے یہ آخری ایلچی تھا۔ جب حضرت موصوف نے تمام رقعہ جات پڑھے تو پھر جواب تحریر فرمایا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا جوابی خط کوفہ کے شیعانِ اہل بیتؓ کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم من الحسین بن علی الی الملاء من المومنین و المسلمین اما بعد۔ فان هانیا و سعیدا قدما علی بکتبکم و کان أخر من قدم علی من رسلکم و قد فهمت کل الذی اقتصصتم و ذکرتم و مقالة جلکم انه لیس علینا حضرت فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الحق و الهدی و انا باعث الیکم اخی و ابن عمی و ثقتی من اهل بیتی مسلم بن عقیل فان کتب الی انه قد اجتمع رای ملاء کم و ذوی الحجج و الفضل منکم علی مثل ما قدمت به رسلکم و قرأت فی کتبکم فانی اقدم الیکم وثیکا ان شاء اللہ تعالیٰ فلعمری ما الحضرت الا الحاکم بالکتاب القائم بالقسط الدائن بدین الحق الحابس نفسه علی ذالک للہ۔ و السلام [1]

مکتوب ہذا کا فارسی اور اردو ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایں نامہ ایست از حسین بن علی بسوئے گروہِ موسناں و مسلماناں و شیعاں۔ اما بعد

1۔ جلاء العیون ص ۲۵۰ جلد دوم مطبوعہ تہران طبع جدید۔ درخواست کردن اہل کوفہ برائے ورود آنحضرت را

2۔ ترجمہ جلاء العیون جلد دوم ص ۱۹۰ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی۔ انصاف پریس لاہور۔ طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بدرستیکہ ہانی وسعید نامہ از شما آوردند بعد از رسولان بسیار مکاتیب بے شمار از شما بمن رسیدہ بود و بر مضامین ہمہ اطلاع بہم رسانیدم ودر جمیع نامہا نوشتہ بودید۔ کہ ما امامی نداریم۔ بزودی بیائزد ما شائد کہ حق تعالیٰ مارا ببرکت تو برحق وہدایت مجتمع گرواند۔ اینک می فرستم بسوئی شما برادر و پسر عم ومحل اعتماد خود پسر عقیل راپس اگر او بنویسد بسوئی من کہ مجتمع شدہ است رای عقلاء ودانایاں واشراف وبزرگاں شما برآنچہ در نامہا درج کردہ بودید۔ انشاء اللہ بزودی بسوئ شما می آیم پس بجان خود سوگند یاد می کنم کہ امامی نیست مگر کسی کہ حکم کند درمیان مردم۔ بکتاب خدا وقیام نماید درمیان مردم بعدالت وقدم از جادۂ شریعت مقدسہ بیرون نگزارد و مردم را بر دین حق مستقیم بدارد۔ والسلام! [1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علی کا شیعوں، مومنوں، مسلمانوں اہل کوفہ کی طرف ہے۔ اما بعد۔ بہت سے قاصدوں اور خطوط آنے کے بعد جو تم نے خط ہانی وسعید کے ہاتھ مجھے بھیجا، مجھے پہنچ گیا۔ سب تمہارے خطوط مجھے پہنچے۔ اور سب کے مضامین سے مطلع ہوا کہ تم نے سب خطوط میں میرے پاس لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ بہت جلد آپ ہمارے پاس تشریف لایئے۔ خدا آپ کی برکت سے ہم کو بحق ہدایت کرے۔ واضح ہو کہ میں بالفعل تمہارے پاس اپنے برادر پسر عم ومحل اعتماد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ اگر مسلم مجھے لکھے جو کچھ خطوط میں تم نے مجھے لکھا، بمشورہ عقلاء ودانایان واشراف وبزرگان قوم لکھا ہے، اس وقت میں ان شاء اللہ بہت جلد تمہارے پاس چلا آؤں گا۔ میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ امام وہی ہے جو درمیاں مردم بکتاب خدا حکم اور بعدالت قیام کرے۔ اور قدم جادۂ شریعت مقدسہ سے باہر نہ رکھے۔ اور لوگوں کو دین حق پر مستقیم رکھے۔

والسلام۔ حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام

مسلم بن عقیلؒ کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار شیعوں کی بیعت

چنانچہ حضرت حسینؓ کے حکم پر حضرت مسلم بن عقیلؒ کوفہ پہنچے اور اٹھارہ ہزار کوفیوں شیعوں نے ان کی بیعت کی تو انہوں نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ آپ جلدی کوفہ آ جائیں۔ جلاء العیون کی عبارت ملاحظہ ہو:

"چوں داخل شہر کوفہ شد۔ درخانہ مختار بن ابی عبید ثقفی نزول اجلال فرمود و مردم کوفہ از استماع قدوم مسلم اظہار سرور بسیار نمودند۔ وفوج فوج بخدمت اوی آمدند۔ ونامۂ حضرت حضرت حسین رابرایشاں می خواند از استماع آن نامہ گریاں گردیدہ بیعت میکردند۔ تاآنکہ بردست مسلم ہجدہ ہزار نفر از اہل کوفہ بشرف بیعت آنحضرت سرفراز کردیدند۔ پس مسلم عراضیہ بخدمت آں حضرت نوشت کہ تا حال ہجدہ ہزار نفر از اہل کوفہ در بیعت شما درآمدہ اند۔ اگر متوجہ ایں طرف گردید۔ مناسب است۔ چوں تردد شیعاں ....

1۔ جلاء العیون جلد ۲ ص ۵۲۱۔ فرستادن مسلم

2۔ جلاء العیون مترجم اردو۔ جلد دوم ص ۱۹۳۔ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی۔ انصاف پریس لاہور۔ طبع جدید

3۔ مقتل ابی مخنف فی دخول مسلم بن عقیل الکوفۃ۔ ص ۲۰۔ ۲۲ طبع قدیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بخدمت مسلم بسیار شد۔ نعمان بن بشیر کہ از جانب معاویہ ویزید والی بود بر حقیقتِ حال مطلع شدہ بمسجد در آمد۔ و بر منبر بعد از حمد وثنائی الٰہی و درود بر حضرت رسالت پناہی گفت۔ اما بعد۔ اے بزرگانِ خدا۔ از حق تعالیٰ بترسید و بسوئی فتنہ و افتراق امت مسارعت منمائید کہ موجب کشتن مرداں و ریختن خون مسلمانان ونہب و غارت اموال ایشاں میر گردد.......... عبداللہ بن مسلم بیزید نام نوشت و در نامہ درج نمود کہ مسلم بن عقیل بکوفہ آمدہ وشیعان برائے حسین بن علی باد بیعت مینمانید اگر کوفہ را می خواہی کسی را بحکومت کوفہ بفرست کہ در امر دشمنان تو اہتمام نماید۔ زیرا کہ نعمان بن بشیر یا تاب مقاومت ندارد یا دانستہ مسامحہ می نماید۔ 1

ترجمہ:۔ ”لوگ فوج درج فوج خدمت حضرت مسلم میں آتے تھے۔ اور مسلم بن عقیلؓ حضرت حسین کا خط پڑھتے تھے اور وہ لوگ سن کر روتے تھے اور بیعت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اٹھارہ ہزار کوفی شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت ایک عریضہ حضرت مسلم نے خدمتِ حضرت حسین میں لکھا کہ اس وقت اٹھارہ ہزار آدمی آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اگر آپ یہاں تشریف لائیں تو مناسب ہے۔ جب بہت سے شیعہ حضرات حضرت مسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ اور نعمان بن بشیر جو کہ معاویہ اور یزید کی طرف سے حاکم کوفہ تھا حقیقتِ حال سے مطلع ہوا مسجد میں آ کر منبر پر گیا اور بعد حمد وثنائے الٰہی و درودِ حضرت رسالت پناہی نعمان نے کہا۔ اما بعد۔ اے بزرگانِ خدا۔ لازم ہے کہ حق تعالیٰ سے ڈرو اور امت میں فتنہ نہ کرو۔ کہ موجب قتل وخون ریزی مسلمانان وغارتِ اموال بزرگان نہ ہو...... خطبہ کے بعد بنو امیہ کے ایک حلیف عبداللہ بن مسلم ربیعہ نے یزید کو خط لکھا۔ اور اس خط میں درج کیا کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں آئے اور شیعانِ کوفہ مسلم بن عقیل سے حضرت حسین کی بیعت کرتے ہیں۔ اگر کوفہ کی ریاست منظور ہے۔ کسی کو حاکمِ کوفہ بنا کر بھیج دو کہ دشمنوں کے حق میں مثل تمہارے اہتمام کرے۔ اس لیے کہ نعمان بن بشیر کو تابِ مقابلہ نہیں۔ یا دانستہ تساہل کرتا ہے۔“ 2

اَسّی ہزار شیعوں کی بیعت

کوفی شیعہ فوج در فوج حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کی بیعت کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ اَسّی ہزار شیعوں نے حضرت مسلم کی بیعت کی، اس پر ایک شخص عبداللہ بن شعبہ یزیدی نے یزید کو خط لکھا۔

اما بعد۔ فان مسلم بن عقیل ورد الکوفۃ وقد بایعہ شیعۃ الحسین فان کان لک فی الکوفۃ حاجۃ فانفذ الیھا رجلا قویا فان النعمان ضعیف ویتضاعف۔“ 3

ترجمہ:۔ اما بعد، مسلم بن عقیل کوفہ آ چکا ہے۔ اور حضرت حسین کے شیعوں نے اس کی بیعت بھی کر لی ہے۔

1۔ مقتل ابی مخنف ص ۲۵۔۲۶ طبع قدیم فی ذہاب ابن زیاد من البصرۃ للکوفۃ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اگر تمہیں کوفہ کی ضرورت ہے تو یہاں کسی مضبوط آدمی کو بھیجو۔ کیونکہ نعمان کمزور ہے اور بہت ہی کمزوری ظاہر کرتا ہے۔

کوفہ پر ابن زیاد کی تقرری اور شیعوں کی حسین رضی اللہ عنہ سے بدعہدی

چنانچہ یزید نے فوری طور پر ابن زیاد کو گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا اور نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا۔ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی صرف ایک دھمکی آمیز تقریر کی جس سے اہل کوفہ کے اوسان خطا ہو گئے اور انہوں نے حضرت حسینؓ کی بیعت توڑ دی۔

ثم نزل عن المنبر و امر منادیه ینادی فی قبائل العرب ان اثبتوا علی بیعة یزید من قبل ان یبعث الیکم من الشام رجالا یقتلون رجالکم ویسبون حریمکم قال ابو مخنف فلما سمع اهل الکوفة جعل ینظر بعضهم الی بعض ویقولون ما لنا و الدخول بین السلاطین و نقضوا بیعت الحسین و بایعوا یزید قال ابو مخنف و کان مسلم قد اصبح فی ذالک الیوم موء و قا فلم یخرج للصلوة فلما کان وقت الظهر خرج الی المسجد فاذن و اقام و صلی و حده و لم یصل معه احد فلما فرغ من صلوته اذ هو بغلام فقال له یا غلام ما فعل اهل المصر فقال یا سیدی انهم نقضوا بیعة الحسین و بایعوا یزید۔[1]

ترجمہ:۔ ابن زیاد خطبہ دے کر جب منبر سے اترا۔ اور منادی کرنے والے کو قبائل عرب میں منادی کرنے کو کہا کہ ’’یزید کی بیعت پر پختہ رہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ شام سے تمہاری خاطر کچھ لشکر بھیجے۔ پھر وہ تمہارے مردوں کو قتل کر دیں اور تمہاری آزاد عورتوں کو قیدی بنا لیں۔‘‘ ابو مخنف کہتا ہے جب کوفیوں نے یہ سنا تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اور کہنے لگے ہمیں دو حکمرانوں کے درمیان مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ انہوں نے حضرت حسین کی بیعت توڑی اور یزید کی بیعت کر لی۔ ابو مخنف کہتا ہے۔ اس دن حضرت مسلم نے پریشانی میں صبح کی۔ نماز صبح پڑھنے کے لئے مسجد بھی نہ گئے۔ ظہر کے وقت مسجد میں جا کر اذان اور اقامت کہی۔ اور تنہا نماز پڑھی۔ کوئی بھی نمازی نہ آیا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی ایک غلام سے ملاقات ہوئی۔ پوچھا اے غلام! شہر والوں نے کیا کیا؟ غلام نے کہا، میرے مولا! ان کوفیوں نے حضرت حسین کی بیعت توڑ کر یزید کی بیعت کر لی ہے۔‘‘

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی

کوفی شیعوں نے جب کثرت سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام خطوط لکھے اور بار بار قاصد آتے رہے، جبکہ مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کا خط بھی مل چکا کہ اہل وعیال کے ساتھ جلد تشریف لے آؤ، اس کے بعد ان کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا۔ حضرت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حسین ؓ کو جس کا مطلقاً علم نہ تھا، بلکہ وہ تو سفر کا عزمِ مصمم کر چکے تھے، تو سیدنا حسین ؓ ۸ ذی الحجہ کو مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے ایک روز قبل مکہ سے عراق کی طرف نکلے، ان کی شہادت عرفہ کے روز ۹ ذی الحجہ کو ہوئی، لوگوں کو آپ کے خروج کا علم ہوا تو اہل محبت ومودت اور صائب الرائے لوگوں نے بہت کوشش کی کہ آپ کو عراق نہ جانے دیا جائے اس سلسلے میں انہوں نے آپ کے والد حضرت علی ؓ اور بھائی حضرت حسن ؓ کے ساتھ اہل کوفہ کا برتاؤ اور معاملات کو بھی آپ کے سامنے پیش کیا اور خوفناک انجام سے ڈرایا اور مکہ ہی میں اقامت پر اصرار کیا۔ (مگر تقدیر کا لکھا ٹل نہیں سکتا!)

سفیان بن عیینہ ابراہیم بن میسرہ سے اور وہ طاؤس سے وہ ابن عباس ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس ؓ نے فرمایا: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے عراق جانے کے بارے میں مشورہ کیا تو میں نے عرض کیا آپ کی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنے دنوں ہاتھوں سے آپ کے سر کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھتا اور ہرگز عراق نہ جانے دیتا، تو وہ فرمانے لگے: میں فلاں فلاں علاقے میں شہید ہو جاؤں یہ مجھے مکہ میں شہید ہونے سے زیادہ پسند ہے، ان کی اس بات سے مجھے بڑی تسلی ہوئی۔

ابو مخنف حارث بن کعب سے روایت کرتے ہیں، وہ عقبہ بن سمعان سے کہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت کوفہ روانگی کا عزمِ مصمم فرمالیا تو ابن عباس ؓ ان کے پاس آئے اور فرمایا: لوگوں میں مختلف افواہیں گردش کر رہی ہیں اور آپ عراق کا قصد کئے ہوئے ہیں، بتایئے آپ کا کیا ارادہ ہے؟ فرمانے لگے: میں آج کل میں سفر کا عزم کر چکا ہوں۔ انشاء اللہ

ابن عباس ؓ فرمانے لگے! بتایئے کیا انہوں نے اپنے امیر کو قتل کر دیا ہے؟ دشمن کو ملک بدر کر دیا ہے؟ شہروں پر قبضہ کر چکے ہیں؟ ہاں اگر ایسا کر چکے ہیں تو ضرور تشریف لے جایئے! اور اگر ان کا امیر زندہ ان میں اقامت پذیر ہے اس کا لوگوں پر تسلط ہے، اس کے متعین کردہ عمال شہروں میں آتے جاتے ہیں تو پھر یاد رکھو انہوں نے آپ کو صرف اور صرف فتنہ برپا کرنے اور قتل کرنے کے لئے بلایا ہے! مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ عوام میں اشتعال پیدا کر کے انہیں آپ کے خلاف نہ کر دیں، اور جنہوں نے آپ کو بلایا ہے وہی دشمن نہ بن جائیں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں استخارہ کروں گا پھر دیکھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے چلے آئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر فرمانے لگے: بھائی! میں صبر کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر مجھ سے صبر ہوتا نہیں، مجھے اس سفر میں آپ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، عراق والے بڑے غدار لوگ ہیں، آپ کبھی ان کے دھوکہ میں نہ آئیں! وہ لوگ جب تک اپنے ملک سے دشمن کو نہ مار بھگائیں آپ یہیں اقامت پذیر رہیں اس کے بعد وہاں تشریف لے جایئے، اگر وہ ایسا نہ کریں تو یمن چلے جایئے، اس ملک میں قلعے اور غاریں بے شمار ہیں آپ کے والد گرامی ؓ کے محبین کی ایک بڑی جماعت بھی وہاں موجود ہے، لوگوں سے کنارہ کش رہ کر انہیں خطوط

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لکھتے رہیں اور اپنے نمائندے بھیجتے رہیں، مجھے امید ہے کہ ایسا کرنے پر اپنے مقصد میں سو فیصد کامیاب رہیں گے۔

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: میرے عم زاد! مجھے یقین ہے کہ آپ انتہائی مخلصانہ نصیحت فرما رہے ہیں مگر میں تو سفر کا عزم کر چکا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: اگر آپ کا جانا ہی ضروری ہے تو خدارا اہل و عیال کو ساتھ نہ لے جائیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح آپ کو بھی بیوی بچوں کے ساتھ نہ قتل کر دیا جائے۔

دیگر بہت سے حضرات شبانہ بن سوار سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن اسماعیل بن سالم اسدی نے فرمایا کہ میں نے امام شعبی سے سنا وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ (ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مکہ میں مقیم تھے، انہیں اچانک اطلاع ملی کہ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عراق کے ارادے سے نکل چکے ہیں، تین رات کی مسافت پر انہیں جا ملے اور فرمایا: کہاں جا رہے ہو؟ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عراق جا رہا ہوں! اہل عراق کے صحائف و خطوط نکال کر دکھائے کہ دیکھو یہ ان کے خطوط میرے نام آئے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مت جایئے۔ وہ جانے پر مصر رہے تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں، وہ یہ کہ جبریلؑ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دنیا و آخرت دونوں کے متعلق اختیار دیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آخرت کو اختیار فرمایا اور دنیا کو ٹھکرا دیا، آپؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے جسد اطہر کا حصہ ہیں، اللہ کی قسم! آپ حضرات میں سے کوئی بھی اسے نہ پا سکے گا اللہ تعالیٰ نے آخرت ہی کی وجہ سے جو تمہارے لئے بہتر ہے دنیا کو تم سے ہٹا دیا۔ مگر پھر بھی سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی سے انکار کر دیا۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا اور رونے لگے اور فرمایا: شہید کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو عبیدہ نے بتایا انہیں سلیم بن حیان نے وہ سعید بن مینا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تقدیر ہی لے چلی، جانے سے قبل مجھے علم ہو جاتا تو انہیں کبھی نہ جانے دیتا، ہاں مجھے پچھاڑ کر ہی جاتے تو اور بات ہوتی۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض کیا: ابو عبداللہ! میں آپ کا خیر خواہ ہوں، آپ پر انتہائی شفیق ہوں، مجھے اطلاع ملی ہے کہ کوفہ سے آپ کے چاہنے والوں نے خط و کتابت کر کے آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی ہے؟ آپ ہرگز نہ جائیں۔ میں نے آپ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خود سنا وہ کوفہ میں فرمایا کرتے تھے: اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے اُکتا گیا ہوں اور یہ لوگ مجھے بُرے لگنے لگے ہیں، یہ بھی مجھ سے اُکتا گئے اور عداوت رکھنے لگے ہیں، یہ کبھی وفادار نہیں ہو سکتے، ان سے کام نکالنا ردی اور بیکار تیر سے کام نکالنے کی طرح ہے، اللہ کی قسم ان لوگوں کی نیتیں اچھی نہیں۔

1۔ البدایہ والنہایہ واقعات ۶۰ ھ

2۔ مقتل ابی مخنف ص ۴۰۔ مسیر الحسین الی العراق۔ طبع قدیم، نجف اشرف

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عمرہ بنت عبدالرحمن نے بھی آپ کے عراق کی طرف نکلنے کو گراں سمجھتے ہوئے آپ کی طرف خط لکھا کہ اطاعت اختیار کر کے جماعت کے ساتھ رہیے، ورنہ تو آپ اپنے مقتل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اور لکھا کہ میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا ہے کہ وہ فرما رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسین رضی اللہ عنہ سرزمین بابل میں شہید ہوگا۔

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکا خط پڑھ کر فرمایا: اگر میرا یہ جانا مقتل کی طرف جانا ہے تو پھر میں جا کر ہی رہوں گا۔

اسی طرح بکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام آئے اور کہا: عم زاد عراقیوں نے آپ کے والد رضی اللہ عنہ اور بھائی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ آپ کے سامنے ہی ہے۔ آپ دنیا کے پجاریوں کے ہاں جا رہے ہیں، جنہوں نے آپ سے نصرت ومدد کا وعدہ کیا ہے وہی لوگ آپ کو قتل کریں گے۔ جو آپ سے محبت کرتے ہیں وہی آپ کو رسوا کریں گے، میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بھائی اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ فرمالیتے ہیں تو وہ ہو کر رہتا ہے، اس پر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور کہنے لگے: اللہ کے ہاں اجر وثواب کے امیدوار ہیں۔

عبداللہ بن جعفر نے بھی خط لکھا جس میں اہل عراق کے مکر وفریب سے ڈرایا اور اللہ کا واسطہ دے کر وہاں جانے سے روکا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب لکھا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے آپ ﷺ نے مجھے ایک کام سونپا ہے میں اسے کر کے رہوں گا اور اسے انجام دینے سے پہلے کسی کو نہ بتاؤں گا۔ [1]

ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفیوں کی سابقہ غداریاں یاد دلائیں اور بہت روکا مگر آپ نے شیعوں کے خطوط پر اعتماد کیا اور روانہ ہوئے۔ مقتل ابی مخنف کی عبارت ملاحظہ ہو:

فقال محمد بن الحنفية ناشدتک الله یا اخی ان لا تسیر الی قوم قتلوا اباک وغدروا باخیک فاقم عند حرم جدک والا فارجع الی حرم الله فان لک فیه اعوانًا کثیرة فقال له لابد من المسیر الی العراق . . . فقال له ابن عباس یا بن العم قد بلغنی انک یرید العراق فقال له الحسین قد اجمع رای علی المسیر فقال یا بن العم تسیر الی قوم قتلوا اباک وغدروا باخیک فلست اء من علیک ان یغروک فانشدتک الله ان لا تخرج فابی الحسین ودخل علیه عبدالله بن الزبیر فحدثه ساعة ثم قال لست ادری لای حال ترکنا هذا الامر یتو لاه غیرنا فقال الحسین قد کتب الی شیعتی واشراف اهل الکوفة بالقدوم۔ [2]

ترجمہ:۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محمد بن حنفیہ نے کہا۔ آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، آپ ایسی قوم کے پاس نہ جائیے جس نے آپ کے والد کو قتل کیا اور آپ کے بھائی سے غداری کی۔ آپ اپنے نانا جان کے حرم مدینہ منورہ میں ٹھہر جائیں ورنہ مکہ تشریف لے جائیں۔ کیونکہ وہاں آپ کے بہت سے معاونین ہیں۔ یہ سن کر

1۔ البدایہ والنہایہ۔ ج ۸ ص ۱۵۲

2۔ البدایہ والنہایہ۔ ج ۸ ص ۱۵۴۔ ۱۵۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا۔ مجھے عراق جانا ہی ہے............ پھر حضرت حسینؓ کو ابن عباسؓ نے کہا۔اے میرے چچا کے بیٹے مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ عراق جانے کی تیاری میں ہیں۔حضرت حسینؓ نے کہا، میری رائے اسی پر جمی ہے کہ میں وہاں جاؤں۔تو ابن عباسؓ نے عرض کی، ایسی قوم کے پاس جانا چاہتے ہو جس نے تمہارے والد مکرمؓ کو شہید کیا اور تمہارے بھائی سے دھوکہ کیا۔ مجھے آپ کے بارے میں خطرہ ہے کہ وہ آپ کو بھی دھوکہ دیں گے۔تو تمہیں اللہ کی قسم دلاتا ہوں وہاں نہ جایئے۔حضرت حسینؓ نہ مانے۔ عبداللہ بن زبیرؓ آئے، کچھ باتیں کیں پھر کہا، مجھے معلوم نہیں کہ ہم نے کس حال میں اس معاملہ کو چھوڑا اور اغیار اس پر قبضہ کر بیٹھے۔حضرت حسینؓ نے کہا، مجھے میرے شیعوں اور کوفہ کے کرتے دھرتے لوگوں نے وہاں آنے کو کہا ہے (لہٰذا میں جاؤں گا)۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے اہلِ خاندان کے ہمراہ کوفہ کو چل دیئے۔ یہاں تک کہ آپؓ کو زبالہ کے مقام پر خبر ملی کہ کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

حضرت مسلم کوفہ آئے تو کوفیوں نے ان کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی امارت پر بیعت کی، اور قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے جان و مال سے مدد کریں گے، ان کی بیعت پر بارہ ہزار اور پھر بڑھ کر اٹھارہ ہزار جمع ہو گئے تو حضرت مسلمؒ نے حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ تشریف لے آئیں، ان کے لئے تمام معاملات اور بیعت کی راہ ہموار ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ سے کوفہ کا قصد کیا اور یزید نے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا کہ اس کا موقف حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کمزور تھا، اور اس جگہ پر عبیداللہ بن زیاد بن سمیہ کو مقرر کیا اور بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری بھی ملا دی۔ [1]

اہل کوفہ کا حضرت مسلمؒ کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا

حضرت مسلم بن عقیلؒ سوار ہوئے اور اپنا شعار جو ''یا منصور اُمت'' تھا، کا آوازہ بلند کیا، چنانچہ چار ہزار کوفی جمع ہوئے۔عبیداللہ بن زیاد اپنے انصار و اعوان کے ساتھ قصر میں داخل ہوا، اور دروازے بند کر لئے۔جب حضرت مسلمؒ اپنی فوج کے ساتھ قصر کے دروازہ پر پہنچے تو امرائے قبائل نے (جو عبیداللہ کے ساتھ قصر میں تھے) اپنے قبائلی قوم کے لوگوں کو (جو مسلمؒ کے ساتھ تھے) اشارہ کیا کہ مسلم کو چھوڑ کر چلے جائیں اور ان کو دھمکیاں دیں اور ڈرایا، بعض حکام کو عبیداللہ نے نکالا کہ کوفہ میں گشت کریں اور لوگوں کو مسلم بن عقیلؒ سے علیحدہ ہونے پر مائل کریں، لوگوں نے یہی کیا، عورتیں آ کر اپنے بھائیوں اور بیٹوں سے کہنے لگیں کہ گھر چلو، اور مرد آ کر اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے کہتے کہ نکل بھاگو، ورنہ کل شام کی فوج آ پہنچے گی تو پھر کیا کرو گے، لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑا اور تتر بتر ہو گئے، اور مسلم بن عقیلؒ سے پھر گئے، یہاں تک کہ ان کے پاس صرف پانچ سو آدمی رہ گئے، پھر اور کم ہوئے یہاں تک کہ تین سو رہ گئے، پھر اور گئے یہاں تک کہ صرف

1۔ الاخبار الطوال للدینوری ۲۳۵۔۲۴۱، مقاتل الطالبین للاصفہانی ۱۰۲

2۔ طبری ۵/۳۵۷۔ الاحتجاج للطبرسی ۲/۲۹۱ 3۔ البدایہ والنہایہ۔ ج ۷ ص ۱۵۶، ۱۵۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تیس رہ گئے، انہوں نے مغرب کی نماز پڑھائی اور کندہ کے دروازوں کی طرف بڑھے یہاں ان کے ساتھ صرف دس آدمی تھے، پھر وہ لوگ بھی پھر گئے، اور وہ تنہا رہ گئے، یہاں تک کہ کوئی راستہ بتانے والا بھی نہیں تھا، یا جوان سے موانست کرتا، یا اپنے گھر میں پناہ دیتا، وہ جیسا سمجھ میں آیا ایک طرف چل پڑے، تاریکی پھیل گئی تھی، وہ تن تنہا پھر رہے تھے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جائیں۔ 2

حضرت مسلم بن عقیلؒ کا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خط

ابو جعفر محمد باقرؒ سے ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بیس ہزار عراقیوں نے بیعت کی اور پھر ان کے ساتھ غدر کے مرتکب ہوئے اور حضرت حسینؓ کے فرستادہ قاصد مسلم بن عقیلؒ کی اٹھارہ ہزار عراقیوں نے بیعت کی، لیکن جب ابن زیاد کے خلاف انہوں نے بغاوت کا اعلان کیا تو عشاء کی نماز میں ان کے ساتھ اٹھارہ ہزار میں سے صرف تیس افراد باقی رہ گئے تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا کہ "اہل کوفہ غدار ہیں جو شیعانِ اہل بیت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، لہٰذا ان سے آپ دھوکہ نہ کھائیں۔" 1

جو خط انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"آپ اپنے اہل بیت کو لے کر واپس چلے جائیں اور کوفہ والوں سے دھوکا نہ کھائیں۔ آپ کے والد کے یہ وہی ساتھی ہیں جن سے وہ فراق کی تمنا کرتے تھے چاہے موت ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔" 2

اہل کوفہ نے حضرت مسلمؒ کا جس طرح ساتھ چھوڑا یہ حکایت بہت طویل اور دردناک ہے۔ انجام یہ ہوا کہ حضرت مسلم بن عقیل ایک گھر میں پناہ گزیں ہوئے، اس گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا، اور ان پر لوگ حملہ آور ہوئے، یہ بھی تلوار سونت کر کھڑے ہوئے، انہوں نے ان کو گھر سے تین مرتبہ نکالا، ادھر سے ان لوگوں نے پتھر پھینکنا شروع کئے اور پھر بانسوں کے ڈھیر میں آگ لگا دی، جس سے ان کا دم گھٹنے لگا، مجبور ہو کر وہ تلوار لے کر نکلے اور ان سے دست بدست جنگ کی، عبدالرحمن نے جن کے گھر میں وہ تھے، امان دیا۔ انہوں نے اپنے کو اس کے حوالے کر دیا، مگر اس نے دشمنوں کے سپرد کر دیا، اور وہ لوگ ان کو ایک خچر پر سوار کر کے لے گئے، تلوار بھی چھین لی، اب ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا تھا، اس وقت وہ رو پڑے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے جائیں گے۔

حضرت مسلمؒ کا پیغام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام

اسی دن یا اس سے ایک دن پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے نکل چکے تھے، حضرت مسلمؒ نے محمد بن اشعثؒ سے کہا کہ اگر تم سے ہو سکے تو میری زبانی حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیج دو کہ وہ واپس جائیں۔ محمد بن اشعثؒ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کہلایا کہ واپس جائیں، لیکن انہوں نے اس پیغام رساں کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا جو بھی اللہ نے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے

1۔ مقتل حسین ص ۴۲۔ مصنفہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

گا۔

حضرت مسلمؒ کو ابن زیاد کے پاس لایا گیا اور ان کے اور ابن زیاد کے درمیان سخت باتیں ہوئیں، حضرت مسلمؒ ابن عقیل کو زیاد کے حکم سے محل کی چوٹی پر چڑھایا گیا، اور وہ تکبیر و تہلیل، تسبیح و استغفار اور اللہ کے ملائکہ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہے کہ اتنے میں ایک شخص جس کا نام بکیر بن عمران تھا، اس نے ان کی گردن ماردی اور ان کا سر قصر کے نیچے پھینک دیا، پھر جسم بھی گرادیا۔ [3]

مسلم بن عقیل کی ابتلاء اوران کی شہادت کی خبر

سیدنا حسین ؓ نے پھر کوفہ کا رخ کیا کیونکہ آپ تازہ ترین حالات سے یکسر لاعلم تھے۔ ابومخنف فرماتے ہیں کہ ابوعلی انصاری نے بکر بن مصعب مزنی سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جن دیہات سے گزر ہوتا وہاں کے لوگ آپ کے ساتھ ہولیتے۔

ابومخنف ابوجناب سے وہ عدی بن حرملہ وہ عبداللہ بن سلیم اور منذر بن مشمل سے روایت کرتے ہیں، یہ دونوں حضرات اسدی ہیں، فرماتے ہیں کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد ہماری مہم یہ تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آ ملیں۔ چنانچہ ہم ان کے پاس پہنچ گئے، راستے میں بنو اسد کا ایک شخص کوفہ سے آتا ہوا ملا، سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے حالات دریافت کرنا چاہے مگر پھر رک گئے۔ ہم دونوں اس شخص کے پاس گئے اور کوفہ کے حالات معلوم کئے اس نے کہا: اللہ کی قسم میں جس وقت کوفہ سے نکلا اس وقت تک مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو قتل کیا جاچکا تھا اور ان کی نعشوں کو بازاروں میں گھسیٹا جارہا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آکر سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا، وہ حالات سن کر بار بار اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے لگے، ہم نے عرض کیا: آپ اپنے بارے میں اللہ سے ڈریں! فرمانے لگے: ان کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں، ہم نے کہا: اللہ آپ کے لئے بہتری فرمائے، بعض ساتھیوں نے کہا: آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں، اللہ کی قسم آپ کو دیکھ کر تمام لوگ آپ کے گرد جمع ہوجائیں گے۔ [1]

دوسری روایت میں یوں ہے کہ جب مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملی تو بنوعقیل کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم ہم تو واپس نہیں لوٹیں گے یا تو ہم قصاص لیں گے یا پھر اپنے بھائی کی طرح موت کو گلے لگائیں گے۔ چنانچہ ان حضرات نے پھر سفر شروع کردیا، مقامِ ''بزرود'' میں پہنچے تو وہاں انہیں قیس کی شہادت کی خبر ملی، جنہیں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقامُ 'حاجز' سے خط دیکر کوفہ روانہ فرمایا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''قد

1۔ البدایہ والنہایہ
2۔ البدایہ والنہایہ (مقتل ابی مخنف ص ۴۳۔ مسیر الحسین الی العراق مطبوعہ حیدریہ نجف اشرف ۱۳۷۵ھ)
3۔ مقتل ابی مخنف ص ۵۶ مضایقۃ القوم للحسیوح مطبوعہ مطبع حیدریہ نجف اشرف

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خذلنا شیعتنا" (ہمارے شیعوں نے ہمیں رسوا کر دیا)۔ اس کے بعد ساتھیوں میں اعلان فرمایا: جو شخص واپس جانا چاہے وہ بلا عذر جا سکتا ہے! ہماری طرف سے اس پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔ یہ اعلان سنتے ہی تمام لوگ دائیں بائیں منتشر ہو گئے، صرف وہ لوگ باقی رہے جو مکہ سے ساتھ آئے تھے۔

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اعلان اس لئے فرمایا کہ بہت سے بدوی لوگ یہ سمجھ کر ساتھ ہو گئے تھے کہ ہم ایسے شہر جا رہے ہیں جہاں ان کی خلافت قائم ہو چکی ہے۔ حالات پلٹنے کا انہیں علم نہیں تھا اس لئے سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مناسب نہ سمجھا کہ یہ لوگ حالات سے بے خبر ہو کر ساتھ چلتے رہیں۔ اس لئے صاف اعلان فرما دیا اب اعلان کے بعد صرف وہی لوگ ساتھ رہیں گے جو شہادت میں ان کے شریک ہونا چاہتے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ سحر کے وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساتھیوں کو فرمایا کہ اچھی طرح سیراب ہو جائیں۔ پھر سفر کرتے کرتے بطن عقبہ میں پڑاؤ ڈالا۔ [1]

مقتل حسینؓ کی عبارت

لوط بن یحییٰ لکھتے ہیں:

حتی انتھی الی زبالة فنزل بھا ثم قام خطیبا فحمد اللہ و اثنی علیه و ذکر النبی فصلی علیه و ذکر النبی فصلی علیه ثم نادی باعلی صوته ایھا الناس انما جمعتکم علی ان العراق فی قبضتی و قد جاء نی خبر صحیح ان مسلم بن عقیل و ھانی بن عروة قتلا و قد خذلتنا شیعتنا فمن کان منکم یصبر علی ضرب السیوف و طعن الرماح و الا فلینصرف مکن موضعه ھذا فلیس علیه من زمانی شیء فسکتوا جمیعا و جعلوا یتفرقون یمینا و شمالا حتی لم یبق عنده الا اھل بیته و موالیه و قالوا واللہ ما نرجع حتی ناخذ بثارنا او نذوق الموت غصة بعد غصة وھم ینف و سبعون رجلا وھم الذین خرجوا معه من مکة۔ [2]

ترجمہ:۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زبالہ کے مقام پر پہنچے۔ سواری سے اترے اور خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ پھر بلند آواز سے کہا، لوگو! میں نے تمہیں اس لئے جمع کیا کہ عراق میری مٹھی میں ہے۔ اور ابھی ابھی صحیح خبر آئی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ شہید کر دیئے گئے۔ ہمیں ہمارے شیعوں نے رسوا کر دیا ہے۔ تم میں سے جو تلواروں اور نیزوں کے زخم برداشت کر سکتا ہے تو بہتر ورنہ اسی مقام سے واپس ہو جاؤ۔ واپس جانے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ سب خاموش ہو گئے اور دائیں

1۔ البدایہ والنہایہ (واقعات ۶۱ھ)

2۔ البدایہ والنہایہ " " "

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بائیں کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ اہل بیت اور غلاموں کے علاوہ کوئی شیعہ نہ رہا۔ ان لوگوں نے کہا، خدا کی قسم! ہم حضرت مسلم کا بدلہ لیے بغیر نہیں جائیں گے یا مر جائیں گے۔ یہ لوگ ستر سے کچھ اوپر (بہتّر) تھے اور یہی تھے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے آئے تھے۔

کوفی شیعوں کی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دھمکی

کوفی شیعوں نے کہا یزید کی بیعت پر آمادہ ہو جاؤ ورنہ ہم قتل کر دیں گے۔ مقتل ابی مخنف کی عبارت ملاحظہ ہو:

"فلما سمعوا کلام زهير قالوا لن نبرح حتى نقتل صاحبكم ومن يبايعه او يبايع ليزيد۔"[3]

ترجمہ:۔ جب کوفیوں نے میدانِ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی زہیر سے گفتگو سنی۔ (جس میں انہوں نے ان کوفیوں کو خطوط لکھنے اور ان میں وعدے کیے جانے کا ذکر کیا تھا) تو انہوں نے جواب دیا۔ ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیے بغیر نہیں جائیں گے۔ یا یزید کی بیعت پر آمادہ ہو جاؤ۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا جنگ کیلئے تیار ہونا

ابو مخنف ابو جناب سے روایت کرتے ہیں وہ عدی بن حرملہ سے اور وہ عبداللہ بن حرملہ سے اور وہ عبداللہ بن سلیم اور منذر بن مشمل سے، جو اسدی ہیں، یہ دونوں فرماتے ہیں کہ: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام "شرف" میں قیام کیا اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے چلنے لگے علی الصبح اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ: خوب اچھی طرح پانی پی لو پھر دوپہر تک سفر کرنا ہے، اتنے میں آپ نے ایک شخص کی تکبیر سنی، پوچھا کہ کس بات پر تکبیر کہی ہے؟ وہ کہنے لگا، کھجور کا باغ دکھائی دے رہا ہے۔ وہ اسدی حضرات کہنے لگے: اس علاقے میں کوئی کھجور کا باغ نہیں! حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ اچھا تمہیں کیا نظر آتا ہے؟ وہ غور سے دیکھ کر کہنے لگے لشکر چلا آرہا ہے! حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: یہاں کوئی ایسی پناہ گاہ ہے جسے ہم اپنی پشت کی طرف رکھیں اور لشکر سامنے ہو؟ وہ بولے ہاں ذوحسم ایسی جگہ ہے، چنانچہ یہ لوگ اس مقام کے بائیں جا کر ٹھہرے اور خیمے لگا لئے، اتنے میں حر بن یزید تمیمی کی سرکردگی میں ایک ہزار کا لشکر آپہنچا جو ابن زیاد کے روانہ کردہ لشکر کا مقدمۃ الجیش تھا، انہوں نے آکر ان کے مقابل پڑاؤ ڈال دیا، یہ وقت دوپہر کا تھا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھی عمامہ باندھے تلواریں سجائے ہوئے تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پانی خوب سیراب ہو کر پی لو اور اپنے گھوڑوں کے ساتھ مدمقابل لشکر کے گھوڑوں کو بھی پلاؤ کہ دوپہر میں چل کر آئے ہیں۔[1]

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا شیعوں پر اتمامِ حجت

جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو حجاج بن مسروق جعفی نے سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے اذان کہی، اس

1۔ البدایہ والنہایہ (واقعات شہادت حسین ۶۱ھ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے بعد آپ رضی اللہ عنہ ایک ازار اور ایک رداء (اوپر کی چادر) اور جوتے پہنے ہوئے خیمے سے تشریف لائے اور دوست و دشمن سب کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں اپنے آنے کی وجہ بیان فرمائی کہ کوفہ والوں نے خط لکھے کہ اسوقت ہمارا کوئی امیر نہیں لہٰذا آپ تشریف لے آئیں ہم آپ کی بیعت بھی کریں گے اور ہر ممکن مدد و نصرت بھی کریں گے۔ اس کے بعد نماز پڑھی آپ نے حر بن یزید سے پوچھا: آپ اپنے لشکر کو علیحدہ نماز پڑھائیں گے؟ وہ کہنے لگا: نہیں ہم بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے، آپ کے تمام ساتھی بھی وہاں جمع ہوگئے، حر اپنے لشکر اور ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ [2]

عصر کے وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی اور خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں لوگوں کو اپنی طاعت و فرمانبرداری اور ظالم و جابر حکمران کی بیعت ختم کرنے کی ترغیب دی۔ حر بن یزید نے کہا: ہمیں نہ تو خطوط کا علم ہے، اور نہ ہی لکھنے والوں کا۔ اس پر سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے منگوا کر اس کے سامنے ڈال دیئے، کچھ ان میں سے پڑھ کر سنائے۔ حر کہنے لگا: خطوط لکھنے والا ہم میں سے کوئی نہیں ہے، ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو ابن زیاد کے دربار میں پہنچائے بغیر نہ چھوڑیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے تو موت زیادہ آسان ہے۔

حُر کا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے معاملہ

اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو واپسی کا حکم دیا، جب سب کے سب سوار ہو کر جانے لگے تو ان لوگوں نے ان کا راستہ روک لیا، سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حُر کو کہا: تیری ماں تجھے روئے، تو کیا چاہتا ہے؟ حر کہنے لگا: اللہ کی قسم اگر آپ کے علاوہ کوئی اور آپ جیسی حالت میں ہو کر مجھے یہ کلمات کہتا تو میں اسے بدلہ لئے بغیر نہ چھوڑتا، مگر ہم سے جہاں تک ہو سکے گا آپ کی والدہ محترمہ کا ذکر تو خیر سے ہی کریں گے۔ فریقین کا زبانی کلامی تبادلہ ہونے لگا۔ حر نے کہا: مجھے آپ سے جنگ کا حکم نہیں ملا، میں تو آپ کو ابن زیاد تک پہنچانے پر مامور ہوں، اگر یہ بات آپ کو ناگوار ہے تو کوئی ایسا راستہ اختیار کر لیجئے جو کوفہ اور مدینہ دونوں سے جدا ہو اور اس عرصے میں آپ یزید کو خط لکھیں اور میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ کوئی عافیت کی راہ پیدا فرما دیں اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔ [1]

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عذیب و قادسیہ کے بائیں طرف کا راستہ اختیار کیا، حر بن یزید بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا، چلتے چلتے حسین رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: حسین! میں آپ کو اللہ واسطہ دیتا ہوں کہ اپنے آپ پر رحم کھایئے اگر آپ نے جنگ کی تو مارے جاؤ گے اور قتل کے بعد ہلاکت کا سامنا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے موت سے خوفزدہ کر رہے ہو! میں تو وہ بات کہتا ہوں جو اوسی شخص نے اپنے عم زاد کو اسوقت کہی تھی جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کے ارادے سے جا رہا تھا اور اس کے عم زاد نے اسے موت سے ڈرایا تھا تو اس نے کہا: میں ضرور جاؤں گا جب نیت درست ہے اور اسلام کے لئے لڑے تو موت نوجوان کے لئے کوئی عار کی بات نہیں، اور موت و حیات سے بے خوف ہو

1۔ البدایہ والنہایہ (واقعات ۶۱ھ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کر نیک لوگوں کی پیروی کر کے ان تک پہنچوں گا۔

قیس بن مسہر کی شہادت اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ردِّ عمل

حُر یہ سن کر کنارہ کش ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کچھ فاصلے پر چلنے لگا، عذیب الہجانات نامی مقام پر پہنچے تو کوفہ کی طرف سے چار افراد آتے دکھائی دیئے جو نافع بن ہلال کے کامل نامی گھوڑے کو ہانکتے اور دوڑاتے ہوئے لا رہے تھے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ملنا چاہتے تھے، طرماح بن عدی نامی شخص ان کی رہبری کے فرائض انجام دے رہا تھا اور یہ اشعار کہہ رہا تھا:

یا ناقتی لاتذعری من زجری وشمری قبل طلوع الفجر
بخیر رکبان وخیر سفر حتّٰی تحلی بکریم النجر
الماجد الحر رحیب ا لصدر اتی به الله لخیر امر
ثمت ابقاه بقاء الدهر

ترجمہ: ”اے میری اونٹنی میری ڈانٹ سے مت گھبرا، اور کوشش کر کے طلوع فجر سے پہلے پہلے پہنچ جا۔ ان لوگوں کے ہاں جو بہترین سوار اور بابرکت مسافر ہیں اور عمدہ حسب ونسب والے کے پاس پہنچ جا جو بزرگوار، آزاد اور کشادہ دل ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ایک بہترین کام کے لئے لایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں طویل زندگی بخشے۔“

کوفہ کے شیعانِ علی بکاؤ مال نکلے!

حر نے ان لوگوں کو روکنا چاہا مگر سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرما دیا، یہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کوفہ کے حالات معلوم کئے ان میں سے مجمع بن عبداللہ عامری نامی شخص نے جواب دینا شروع کیا، کہنے لگا: وہاں کے رؤسا اور خواص آپ کے دشمن ہو چکے ہیں، کیونکہ بھاری بھاری رشوتیں لینے کی وجہ سے ان کے تھیلے دراہم سے بھرے ہوئے ہیں، اسی پر ان کی محبت اور خیر خواہی کی بنیاد ہے چنانچہ وہ سب کے سب آپ کی عداوت پر متفق ہیں، باقی رہے عوام الناس، تو ان کے دل آپ کی طرف ہیں مگر ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف استعمال ہوں گی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہیں میرے قاصد کا بھی کچھ علم ہے؟ وہ بولے آپ کا قاصد کون تھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ قیس بن مسہر صیدادی! انہوں نے کہا کہ ہاں ہوا ایسا کہ حصین بن نمیر نے اسے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ محل پر چڑھ کر آپ اور آپ کے والد پر لعنت بھیجے، تو اس نے اوپر چڑھ کر آپ اور آپ والد کے لئے دعا کی، لوگوں کو آپ کی نصرت و مدد کی دعوت دی اور انہیں آپ کے آنے کی اطلاع دی۔ اس پر اسے محل سے نیچے گرا دیا گیا

1۔ البدایہ والنہایہ (واقعات ۶۱ھ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وہ گرتے ہی شہید ہو گئے، یہ سن کر حضرت حسین ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آپ یہ آیت پڑھنے لگے:

"فمنھم من قضٰی نحبہٗ و منھم من ینتظر" یعنی "ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض اس کے مشتاق ہیں۔" اس کے بعد فرمایا: اے اللہ جنت میں ان کا مہمان خانہ بنا اور ہم سب کو اپنی رحمت کے مقام اور چاہت بھرے اجر کے ذخائر میں جمع فرما۔ [1]

"طرماح" بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر چلا گیا

اس کے بعد (کوفہ میں سے آنے والے وفد کے راہنما) طرماح نے سیدنا حسین ﷺ سے عرض کیا: غور کیجئے آپ کے پاس کیا سامانِ حرب ہے؟ یہ تو ایک مٹھی بھر جماعت ہے، اور یہ لوگ جو آپ کے ساتھ چل رہے ہیں آپ کے ساتھیوں کیلئے بہت کافی ہیں؟ اور جبکہ کوفہ کے میدان لاؤلشکر سے اٹے پڑے ہیں اور آپ پر حملہ کرنے کے لئے صرف اشارے کے منتظر ہیں۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ ایک قدم بھی ان کی طرف نہ بڑھیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی غیر معروف شہر میں ٹھہر جائیں جہاں ملوک غسان وحمیر، نعمان بن منذر اور روم فارس کی بھی رسائی نہ ہو سکے۔ اگر وہاں کسی قسم کا خطرہ محسوس ہوا تو آپ کو دیہات لے چلوں گا، وہاں سے آپ قبیلہ طے کے لوگوں کے پاس جو اجا اور سلمی نامی پہاڑوں میں بستے ہیں۔ اپنے نمائندے بھیج کر اپنا کام کرتے رہیں اس طرح آپ جتنا عرصہ چاہیں ہمارے ساتھ رہیں اور میں بنو طے کے دس ہزار ایسے جانباز پیش کرنے کی ضمانت دیتا ہوں کہ جو ماہر سیف وسنان ہوں گے، اور ان کے زندہ ہوتے ہوئے کوئی بھی آپ تک پہنچ نہ سکے گا۔

حضرت حسین ﷺ نے جزاک اللہ فرماتے ہوئے ان کی پیشکش رد فرمادی، اس کے بعد طرماح نے آپ کو الوداع کہا اور چلتا بنا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے سفر پر رواں دواں ہو گئے، رات آئی تو اپنے ساتھیوں کو بقدر ضرورت پانی ساتھ لینے کو کہا اور پھر سفر شروع فرمادیا۔ دوران سفر آپ ﷺ پر نیند کا غلبہ ہوا اور قدرے آنکھ لگ گئی، آپ انا للہ و انا الیہ راجعون اور الحمد للہ رب العالمین کہتے ہوئے بیدار ہوئے، اس کے بعد ارشاد فرمایا: میں نے خواب میں ایک گھڑسوار دیکھا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ قوم سفر پر رواں دواں ہے اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے، تو مجھے یقین ہو چکا کہ یہ ہماری موت کا اعلان ہے۔ [1]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر طلوع ہوتے ہی نماز فجر پڑھائی اور پھر سفر شروع فرمادیا اور نینویٰ میں جا کر پڑاؤ ڈالا، وہاں پہنچتے ہی تیر کمان سے لیس ایک شخص کوفہ سے آیا، اس نے حر کو سلام کیا، سیدنا حسین ﷺ کو سلام نہیں کیا، اور ابن زیاد کا ایک خط حر کو دیا جس کا مضمون یوں تھا:

عراق پہنچنے تک حسین ﷺ کے ساتھ ساتھ رہیں، کسی قلعہ یا دفاعی لحاظ سے محفوظ بستی میں نہ ٹھہرنے دیں، اسی

1۔ البدایہ والنہایہ (واقعات ۶۱ھ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طرح انہیں ان کے ساتھیوں سمیت مجھ تک پہنچائیں۔ یہ ۲ محرم ۶۱ھ جمعرات کے دن کا واقعہ ہے، اگلے روز عمر بن سعد بن ابی وقاص ۴ ہزار کا لشکر جرار لیکر آ پہنچا، اس لشکر کو ابن زیاد نے دیلم پر فوج کشی کے لئے تیار کیا تھا، مگر ابھی اپنی مہم پر روانہ نہیں ہوا تھا بلکہ کوفہ سے باہر ہی خیمہ زن تھا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اطلاع پا کر ابن زیاد نے اسے آپؓ کے مقابلے میں بھیج دیا اور ہدایت کی کہ یہاں سے فارغ ہو کر دیلم کا رخ کرنا، عمر بن سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں جانے سے معذرت چاہی تو ابن زیاد نے کہا: اس شرط پر معذرت قبول ہے کہ تمام علاقوں کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا جائے! عمر نے کہا مجھے سوچنے کا موقع دیا جائے، انہوں نے اس بارے میں جس سے بھی مشورہ لیا اس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں نکلنے سے منع فرمایا، ان کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے تو کہا کہ: حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ہرگز نہ نکلنا، ورنہ خدا کے نافرمان اور قطع رحمی کرنے والے کہلاؤ گے۔ اللہ کی قسم روئے زمین کی حکومت جاتی رہے، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اللہ کے حضور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا داغ لے کر جاؤ: اس پر اس نے کہا: انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔[1]

عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو معزولی اور قتل کی دھمکی دی تو وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں چل نکلے۔ اور مقابل آ کر پڑاؤ ڈالا، پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ کس ارادے سے آئے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اہل کوفہ نے خط لکھ کر بلایا ہے، اگر تمہیں میرا آنا ناگوار ہے تو واپس مکہ چلا جاتا ہوں۔ عمر بن سعد یہ جواب سن کر کہنے لگا: مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ مجھے جنگ سے عافیت بخشیں گے، انہوں نے یہی جواب ابن زیاد کے پاس لکھ بھیجا۔ ابن زیاد نے انہیں لکھا کہ: جس طرح امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا پانی بند کر دیا گیا تھا اسی طرح ان کا بھی پانی بند کر دیا جائے اور انہیں یزید بن معاویہ کی بیعت پر مجبور کیا جائے، اگر وہ اس پر آمادہ ہیں تو آئندہ کے بارے میں پھر سوچیں گے۔ چنانچہ ایک جماعت اس پر مقرر کر دی گئی کہ انہیں پانی نہ لینے دیا جائے، اس جماعت کے امیر عمرو بن حجاج تھے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں پیاس کی بددعا فرمائی چنانچہ وہ شدت عطش (پیاس) کی وجہ سے ہلاک ہوا۔

ابو مخنف عبد الرحمن بن جندب سے روایت کرتے ہیں اور عقبہ بن سمعانی سے وہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے شہید ہونے تک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اللہ کی قسم انہوں نے جہاں کہیں جو بات بھی فرمائی وہ میں نے اچھی طرح سنی، انہوں نے نہ تو یزید کی بیعت پر آمادگی ظاہر فرمائی اور نہ ہی ملک بدر ہونے کی درخواست کی۔ بلکہ انہوں نے دو ہی باتیں رکھیں، یا تو وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں یا پھر حالات پلٹنے کا انتظار کریں اور اس وقت تک بادیانہ زندگی بسر کریں۔ اس کے بعد ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو بھیجا اور اسے کہا کہ: اگر حسینی قافلہ میری اطاعت پر آ جائے تو ٹھیک ورنہ عمر بن سعد کو کہو کہ ان سے جنگ شروع کرے اور اگر وہ اس سے پس و پیش کریں تو اسے قتل کر دو، اور تم لشکر کی کمان سنبھال لو۔ اور عمر بن سعد کے نام بھی ایک خط لکھا جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے میں ٹال مٹول اور تاخیر کرنے

1۔ البدایہ والنہایہ (واقعات ۶۱ھ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پر دھمکی دی اور لکھا کہ: اگر وہ میرے پاس آئیں تو ٹھیک ورنہ ان سے جنگ کرو۔

عبیداللہ بن ابو المحل نے اپنے پھوپھی زاد بھائیوں عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان کے لئے ابن زیاد سے امان حاصل کر لی، ان کی پھوپھی ام البنین بنت حزام بن علی تھیں، انہوں نے یہ امان نامہ اپنے کرمان نامی غلام کے ذریعے ان حضرات کے پاس بھیجا (یہ چاروں حضرات سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے) وہ امان نامہ دیکھ کر کہنے لگے: ہمیں ابن سمیہ کی امان کی کوئی ضرورت نہیں، ہمیں تو ان سے کہیں بہتر امان کی امید ہے۔ شمر ابن زیاد کا حکم لے کر آ چکا تھا، عمر بن سعد سے کہنے لگا: بتاؤ آپ جنگ کرتے ہو یا لشکر ہمارے حوالے کرتے ہو؟ عمر نے کہا یہ اعزاز تمہیں کیوں ملے؟ میں خود جنگ کروں گا، شمر کو پیادہ لشکر کا امیر بنا دیا، اب ۹ محرم کی شام کو یہ لوگ جنگ کے لئے اٹھے، شمر نے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا ہمارے بھانجے کہاں ہیں، تمہیں امان ہے، وہ کہنے لگے اگر نواسۂ رسول ﷺ کو بھی امان ہو تو ٹھیک ورنہ ہمیں تمہاری امان کی کوئی ضرورت نہیں۔ (البدایہ والنہایہ)

اس کے بعد عمر بن سعد نے لشکر میں اعلان کیا کہ حملے کے لئے تیار ہو جاؤ اور فتح و نصرت کی بشارت سن لو! لشکر نے تیار ہو کر اسی روز نماز عصر کے بعد حملہ کر دیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے شیعوں سے کیا کہا!

عباس بن علیؓ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: بھائی وہ آ رہے ہیں! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ ان سے پوچھو کیا مقصود ہے؟ یہ ۲۰ سواروں کے ساتھ ان کی طرف بڑھے اور پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ امیر کا حکم آیا ہے یا تو اطاعت اختیار کر لیں ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ! وہ کہنے لگے: تم یہیں ٹھہرو، میں ابو عبداللہ کو اس کی اطلاع کر دوں، یہ کہہ کر وہ چلے گئے ان کا آپس میں زبانی کلامی تبادلہ ہوا اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا: تم بدترین لوگ ہو! اپنے نبی کی اولاد اور اس زمانے کے سب سے بہتر انسان کا خون کرتے ہو!

(البدایہ والنہایہ)

اس رات سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل و عیال کو وصیت فرمائی اپنے ساتھیوں کو ابتدائے شب میں جمع فرما کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں یہ بات بھی فرمائی کہ تم میں سے جو شخص جانا چاہے اسے میری طرف سے اجازت ہے ان کا مقصد صرف مجھے قتل کرنا ہے۔ مالک بن نضر نے کہا: میں مقروض اور عیال دار آدمی ہوں! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رات آ چکی ہے اسے غنیمت سمجھو، ہر شخص میرے اہل بیت میں سے ایک فرد کو اپنے ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں اپنے شہر اور علاقے کی طرف نکل جائے، کیونکہ ان کا مطلوب تو صرف میں ہی ہوں، تمہارا تعاقب کرنے کی

1۔ البدایہ والنہایہ (واقعات ۶۱ھ)
2۔ مقتل ابی مخنف ص ۴۴۔ ملاقات الحر مع الحسین۔ مطبع حیدریہ نجف اشرف

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بجائے مجھ ہی سے جھڑپیں کرتے رہیں گے، تم لوگ حالات بدلنے تک وہیں رہنا۔ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل نکالیں گے۔ [1]

آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے، بھتیجے اور بہنیں کہنے لگیں، آپ کے بعد ہمارا زندہ رہنا بے کار ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے مصائب نہ دکھائے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو عقیل! تمہارے بھائی مسلم کی شہادت ہی تمہارے لئے کافی ہے، تمہیں میری طرف سے بخوشی اجازت ہے، وہ کہنے لگے: لوگ کیا کہیں گے کہ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے کارزارِ سیف وسنان آزمائے بغیر اپنے سردار، شیخ اور چچا کی اولاد کو تنہا چھوڑ کر چل دیئے! اللہ کی قسم ایسا نہیں کر سکتے، بلکہ اپنے اہل وعیال اور جان ومال کو آپ پر قربان کر دیں گے اور لڑتے لڑتے آپ کے ساتھ فنا ہو جائیں گے۔ اللہ آپ کے بعد زندگی کو مکدر کر دے۔ ایسی ہی باتیں مسلم بن عوسجہ اسدی نے بھی کیں۔ سعید بن عبداللہ حنفی نے کہا اللہ کی قسم آپ کو تنہا نہ چھوڑیں گے، ہم اللہ تعالیٰ کو دکھائیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم نے آپ کی حفاظت میں اپنی جان قربان کر دی، اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے سو بار قتل کر کے آپ رضی اللہ عنہ کی اور اہل بیت کی جان بخشی ہو جائے تو میں اسے ترجیح دوں گا، مگر کیا کروں میری تو ایک ہی جان ہے، باقی حضرات نے بھی ایسی ہی باتیں کیں۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے، ہم اپنے جسموں، چہروں، سینوں اور ہاتھ پاؤں سے آپ کی حفاظت کریں گے، اپنی جان آپ پر قربان کر کے سمجھیں گے کہ ہمارے ذمہ آپ کا جو حق تھا اس کا ذرہ ادا ہوا ہے۔ آپ کے بھائی عباس نے کہا: اللہ ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ آپ موجود نہ ہوں، آپ کے بعد ہمیں زندگی کی کوئی چاہت نہیں۔ اسی طرح تمام حضرات نے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ [1]

سیدنا حسین، میدانِ کربلا میں شیعوں کے خطوط دکھاتے ہیں

جنگ سے پہلے میدانِ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے شیعوں کو وفاداری وجاں نثاری کے دعوے یاد دلائے مگر وہ ہر چیز سے مُکر گئے۔

ثم قام الحسين في ازار ونعلين فحمد الله واثنى عليه وذكر نبيه فصلى عليه ثم قال ايها الناس معذرة الى الله واليكم حتى اتتنى كتبكم ان اقدم علينا لک ما لنا وعليک ما علينا ليس لنا حضرت سواک فان كنتم لقدومى كارهين رجعت عنكم الى ما شئت من الارض فقال الحر انا والله لست ممن كتب اليک فقال الحسين لعقبة بن سمعان اخرج الخرجين المملوئين كتبا فاخرجهما وقرأها عليهم۔ [2]

ترجمہ:۔ پھر حضرت حسینؓ چادر ونعلین پہنے کھڑے ہوئے۔ اللہ کی حمد وثنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا۔ پھر کہا۔ لوگو! میں اللہ اور تم سے معذرت خواہ ہوں حتیٰ کہ میرے پاس تمہارے رقعہ جات

1۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۵۶۔ خطبہ آنسرور در برابر سپاہ کوفہ، مطبوعہ تہران طبع جدید

2۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۴۶ مطبوعہ تہران طبع جدید۔ زندگانی سید الشہداء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آئے۔ جن میں مجھے یہاں آنے کو کہا گیا تھا۔ اور تمہارا وعدہ تھا۔ ہم خوشی غمی سب میں تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اور آپ کے بغیر ہمارا کوئی حضرت نہیں۔ اگر تم میرے یہاں آنے سے بیزار ہو، میں واپس چلا جاتا ہوں۔ جہاں میری مرضی ہو۔ حُر نے کہا۔ خدا کی قسم! میں رقعہ لکھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ پھر حضرت حسینؓ نے عقبہ بن سمعان کو فرمایا۔ خطوں سے بھرے ہوئے دو تھیلے لاؤ۔ اور ان میں سے رقعہ جات نکالو۔ اس نے رقعہ جات نکالے اور ان (شیعوں) کو پڑھ کر سنائے۔

میدان کربلا میں سیدنا حسینؓ کی شیعوں پر لعنت

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں

”آنحضرت در خطبہ فرمود حمد میکنم خداوندرا کہ دنیارا آفرید۔ وخانہ فنا ونیستی گردانید۔ واہش را بتغیر احوال ممتحن ساخت پس فریب خوردہ کسی است کہ ازآں بازی خوردہ بدبخت کیست کہ مفتون آں گردد۔ پس فریب نہ دہد شمارا ایں غدار بدرستیکہ قطع میکند امید امیدواران خودو نا امید میگرداند طمع کنندگان، خودراوی بینم شمارا کہ جمع شدہ اید برائے امری کہ خدارا بخشم آوردہ اید برخود وغضب اورا متوجہ بخود گردانیدہ واز رحمت او خودرا محروم ساختہ اید پس نیکو پروردگاریست پروردگار ماو بد بندگانیسد شما برائے اواوّل اقرار کردید بفرمان برادری اوو ایمان آوردید درظاہر بہ پیغمبر اوواکنوں جمیعت کردہ اید برائے کشتن ذریت وعزت اوشیطان برشما غالب گردیدہ ایست ویاد، خدارا از خاطر شما محو کردہ است۔ پس لعنت برشما باد۔ وبرارادت شما باداے بیوفایان جفا کار غدار مارا درہنگام اضطرار بمددویاری خودطلبید یدچوں اجابت شما کردویم وبہدایت ونصرت شما آمدیم شمشیر کینہ بروئے ما کشید ید۔“ 1

ترجمہ:۔ ”حضرت حسینؓ نے خطبہ فرمایا: میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس نے دنیا کو پیدا کیا اور خانہ فنا ونیستی بنایا اور اہالیانِ دنیا کا بتغیر احوال امتحان کیا واضح ہو کہ فریب خوردہ وہی شخص ہے جس نے دنیا سے فریب کھایا اور بدبخت وہی ہے جو دنیا کا مفتون وگرویدہ ہوا۔ اے گروہِ اشرار تم کو دنیا غدار فریب نہ دے۔ بتحقیق کہ دنیا اپنے امیدواروں کی امید کو قطع اور اپنے طمع کرنے والوں کو نا امید کر دیتی ہے۔ میں تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم اس کام جمع ہوئے ہو کہ خدا کو تم نے اپنے اوپر خشمگین کیا ہے اور اس کی رحمت سے محروم ہوئے ہو۔ واضح ہو کہ ہمارا پروردگار نیکو کار ہے اور تم اس کے خراب اور بدکار بندے ہو۔ پہلے تم نے اس کی فرمانبرداری کا اقرار کیا اور بظاہر اس کے پیغمبر پر ایمان لائے اور آپ ہی اس پیغمبر کی ذریت اور عترت کو قتل کرنے پر جمع ہوئے ہو۔ شیطان تم پر غالب ہوا ہے اور اس نے یاد خدا تمہارے دلوں سے محو کر دی ہے۔ تم پر اور تمہارے ارادے پر

1۔ جلاء العیون اردو۔ ص ۲۲۰ جلد دوم مطبوعہ لاہور۔

2۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۲۲۔ مطبوعہ الفیصل لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لعنت ہو اے بیوفایاں جفا کاراں خدا کی تم پر وائے ہو۔تم نے ہنگام اضطراب اور اضطرار اپنی مدد کو مجھے بلایا اور جب میں نے تمہارا کہنا قبول کیا اور تمہاری نصرت اور ہدایت کرنے کو آیا اس وقت تم نے شمشیر کینہ مجھ پر کھینچی۔“

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلانے والے ہی آپ کے قاتل بنے

جلاء العیون میں ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

”چوں روز دیگر شد عمر بن سعد با چہار ہزار منافق عنید بکربلا رسید و در برابر لشکر حضرت سعید فرود آمدند۔ پس عمر، عروہ بن قیس احمسی را طلبید و خواست کہ نامہ ب آں حضرت نوشتہ بودند قبول رسالت نکرد۔ و بہر یک از رؤسائے لشکر کہ میگفت بایں علت ابا میکردند۔ زیرا کہ اکثر از آنہا بودند کہ نامہ بحضرت نوشتہ بودند۔“ 2

ترجمہ:۔ جب حضرت حسینؓ کو کربلا میں پہنچے ہوئے دوسرا دن ہوا۔ عمر بن سعد لعین مع چہار ہزار منافقین داخل کربلا اور مقابل لشکر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اترا۔ اور عروۃ بن قیس احمسی کو بلا کے چاہا بطور قاصدی حضرت حسینؓ کے پاس بھیجے۔ مگر چونکہ وہ نامرادان میں سے تھا۔ جنہوں نے خطوط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھے تھے۔ اُس نے قاصدی قبول نہ کی۔ اور جس امیر و رئیس لشکر سے کہتا تھا۔ کوئی قبول نہ کرتا تھا۔ اس لیے کہ ان میں اکثر وہی لوگ تھے جنہوں نے خطوط لکھے اور عراق میں بلایا تھا۔ 1

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعانِ علی کا کردار

چونکہ ان صفحات میں واقعاتِ شہادت پیش کرنا مقصود نہیں، صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ”شیعانِ علی“ ہی نے دھوکہ سے بلایا اور ان کی شہادت کے سانحۂ فاجعہ تک اپنا گھناؤنا کردار ادا کرتے رہے، بالآخر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ھ کی شام جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے بہتر ساتھیوں سمیت جامِ شہادت نوش کر چکے تو افسوس صد افسوس کہ اہلِ کوفہ نے پھر بھی انہیں معاف نہیں کیا بلکہ ان مظلومین شہداء کے اموال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔ حتیٰ کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے وجود سے لباس تک اتار لیا۔ بحر بن کعب نے پائجامہ اتارا، قیس بن اشعث نے چادر اتار لی، اسود ملعون نے آپ کے نعلین (جوتے) اتار لیے۔ بنی نہشل کے ایک بدنصیب نے آپؓ کی تلوار لوٹ لی، پھر یہ بدبخت لوگ اہلِ حرم کے مال و متاع کو لوٹنے لگے۔ حال یہ تھا کہ ایک بی بی کے سر سے چادر کوئی اتارتا تھا، دوسرا اس سے چھین کر لے جاتا تھا۔ عمر بن سعد کو جب معلوم ہوا تو اس نے اعلان کیا کہ دیکھو! عورتوں کے خیمے میں کوئی نہ جائے اور اس بیمار لڑکے سے کوئی تعرض نہ کرے۔ اور جس نے ان کا اسباب لوٹا ہو واپس کر دے، لیکن کسی نے کچھ واپس نہ کیا۔ 2

1۔ (۱۔ نور العین ص ۱۳۸) (۲۔ مقتل ابی مخنف ص ۹۷۔ ہجوم القوم علیٰ خیم الحسین۔ طبع قدیم۔ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف) (۳۔ ذبح عظیم ص ۳۰۶۔۳۰۷ غارت خیام اہل بیت علیہم السلام۔ مطبوعہ لاہور) (۴۔ انوارِ نعمانیہ جلد سوم ص ۲۴۶ تذکرہ نورنی بعض اقوال الطواف)

2۔ ترجمہ جلاء العیون جلد دوم ص ۲۷۰ مطبوعہ لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اہلِ بیت کو لوٹنے والے "شیعانِ علی"

میدان کربلا میں شہادتِ حسین کے بعد اہل بیت کو لوٹنے اور رونے والے کوفی تھے۔

ملا ابو اسحاق اسفرائنی حضرت زینب علیہا السلام کی زبانی لکھتے ہیں کہ ہم ایک خیمہ کے اندر بیٹھے تھے۔ کہ ناگاہ بہت سے مرد خیموں کے اندر چلے آئے۔ ازانجملہ ایک شخص ازرق چشم تھا۔ اس نے خیمہ کا کل اسباب لے لیا۔ اور پھر اُس نے جناب حضرت زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا۔ کہ وہ ایک چمڑے پر پڑے ہیں۔ وہ چمڑا بھی اُس نے ان کے نیچے سے نکال لیا۔ ان کو زمین پر ڈال دیا۔ بعد اس کے میرے سر سے اس نے مقنع لے لیا۔ اور پھر اُس نے میرے گوشواروں کی طرف دیکھا وہ بھی اتار لیے کہ میرا کان بھی کسی قدر پھٹ گیا۔ کیونکہ اس نے ان کو کھینچ لیا تھا اور خون میرے کانوں سے بہنے لگا تھا۔ وہ باوجود اس ظلم کے روتا بھی جاتا تھا۔ پھر اُس نے اس خلخالی کی طرف نظر کی جو فاطمہ صغریٰ کے دونوں پیروں میں تھیں۔ اس کو اُتارنے لگا۔ جب نہ اتریں تو اُس نے ان دونوں خلخالوں کو توڑ ڈالا۔ اور توڑ کر پیروں سے اتار لیا۔ پس میں نے اس سے پوچھا کہ تو ہم کو لوٹتا بھی ہے۔ تو روتا کیوں ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ کہ میں اس مصیبت پر روتا ہوں، جو تم اہل بیت پر نازل ہوئی ہے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے کان کے درد سے اور حضرت فاطمہ صغریٰ سلام اللہ علیہا کے رونے سے اور زیادہ رونے لگی۔ اور میں نے کہا۔ کہ خدا تیرے ہاتھوں کو قطع کر دے۔ بعض کتابوں میں اتنا اضافہ اور ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اس کا جواب سن کر اُس سے کہا۔ کہ جب تجھ کو ہماری ان مصیبتوں پر اتنا رحم آتا ہے۔ تو پھر یہ زیور کیوں لیے لیتا ہے؟ اُس نے کہا۔ کہ اس وجہ سے یہ زیور لیے لیتا ہوں کہ اگر میں اس کو چھوڑ دوں گا تو کوئی دوسرا انہیں ضرور لے لے گا۔ اس لیے اس سے بہتر یہی ہے کہ میں ہی لے لوں۔ بہرحال ہمارے معزز مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ یہ شخص جس کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ "خولی ابن یزید الاصبحی" تھا۔ [1]

سیدہ زینبؓ کا شیعوں کو یادگار خطاب

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

> "بشیر بن جزیم اسلامی کہتا ہے کہ اس وقت حضرت زینب دختر امیر المؤمنین نے اشارۃً کہا خاموش رہو۔ اس حالت اضطراب وشدت میں اس طرح کلام کرتی تھیں۔ گویا امیر المؤمنین کلام فرماتے ہیں۔ پس بعد ادائے حمد الٰہی و درود سید مختار و اہل بیت اخیار و عترت اطہار فرمایا۔ امابعد! اے اہل کوفہ اے اہل مکر وغدر وحیلہ تم ہم پر گریہ کرتے ہو اور خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے۔ ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا اور تمہارے ستم سے ہمارا فریاد و نالہ ساکن نہیں ہوا۔ تمہاری مثل اس عورت کی ہے جو اپنی رسی کو مضبوط بٹتی اور کھول ڈالتی تھی۔

1۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۹۴۔ ۵۹۵ خطبہ حضرت فاطمہ بنت حسین۔ مطبوعہ تہران طبع جدید

2۔ جلاء العیون مترجم جلد دوم ۲۷۲ تا ۲۷۳ مطبوعہ لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تم نے بھی اپنے ایمان کی رسی کو توڑا اور اپنے کفر کی طرف پھر گئے۔ نہیں تمہارا دعوی مگر سراسر بے اصل اور ایک فن باطل اور مانند خوشامد کنیزاں وعیب جوئی دشمنان اور مثل ایسی ہے جیسے گھاس گھوڑے پر اُگی ہو۔ قبر سیاہ و تیرہ تار پر آرائش نقرہ کاری کی گئی ہو۔ تم نے اپنے لیے آخرت کا توشہ وذخیرہ بہت خراب بھیجا اور اپنے آپ کو ابد الاباد سزاوار جہنم کیا۔ تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو۔ حالانکہ تم ہی نے ہم کو قتل کیا ہے۔ سچ ہے واللہ لازم ہے کہ تم بہت گریہ کرو اور کم خندہ کرو۔ تم نے عیب و عار ابدی خود خرید کیا۔ اس عار کا دھبہ کسی پانی سے تمہارے جامہ سے زائل نہ ہوگا۔ جگر گوشۂ ختم پیغمبراں وسیّد جوانان بہشت کے قتل کرنے کا کس چیز سے تدارک کر سکتے ہو۔ تم نے اس شخص کو قتل کیا جو تمہارے پیشواؤں کا جائے پناہ اور تمہاری حجتوں کا روشن کرنے والا تھا اور ہر مصیبت و بلا میں تم اس سے پناہ چاہتے تھے۔ دین وشریعت کو اس سے اخذ کیا۔ تم پر لعنت خدا ہو۔ تم نے وہ گناہ کیا جس سے رحمت خدا سے ناامید ہو گئے اور گنہگار دنیا و آخرت ہو کے مستحق غضب الٰہی ہوئے اور اپنے لیے ذلت وخسران مول لیا تمہارے یہ ہاتھ قطع کیے جائیں۔ اے اہل کوفہ تم پر وائے تم نے کن جگر گوشہائے رسول کو قتل کیا اور کن پردگیان اہل بیت رسول کو بے پردہ کیا۔" 2

سیدہ فاطمہؓ بنت حسینؓ کا شیعوں کو خطاب

"اما بعد! اے اہل کوفہ واہل مکر وغدر وتکبر وحیلہ حقتعالی ما اہل بیت رسالت را بشما مبتلا گردانیدہ وشما را بما ممتحن ساختہ و ابتلائے ما را بر ما نعمت گردانیدہ وعلم خود را بما دادہ وفہم ومعارف را بما عطا کردہ ما ئیم صندوق علم خدا و مخزن، حکمت خدا و حجت خدا در زمین بر جمیع عباد وبلاد گرامی داشتہ است ما را بکرامت خود و تفصیل دادہ است ما را برکت پیغمبر خود بر بسیاری از مخلوقات بفضیلت بسیار ظاہر پس شما تکذیب کردید ما را و ما را کافر شمردید۔ وقتال ما را حلال دانستید واموال ما را غارت کردید۔ وما را اسیر کردید مانند اولاد ترک وکابل چنانچہ دیروز جد ما را کشید و پیوستہ خون ما اہل بیت از دم شمشیر ہائے شما میچکد برائی کینہائی دیرینہ و دیدہائی و دلہائی شما شاد شد بکشتن ما شما فخر کردید ما کشتیم علی وفرزندان علی وابشمشیر ہائی ہندی وزنان ایشاں را اسیر کردیم اے گوئندہ خاک وخاشاک در دہان تو باد۔" 1

ترجمہ:۔ "اما بعد! اے اہل کوفہ واہل غدر ومکر وتکبر وحیلہ حق تعالیٰ نے ہم اہل بیت رسالت کو تمہارے ہاتھ مبتلا کیا ہے اور تم کو ہم سے امتحان لیا ہے اور ہماری بلاؤں کو ہم پر نعمت کیا ہے اور اپنا علم ہم کو دیا ہے اور فہم وادراک

1۔ عقائدِ جعفریہ ج ۱ ص ۴۱۲

2۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۹۵ تا ۵۹۶ مطبوعہ تہران طبع جدید۔ ذکر خطبہ حضرت ام کلثوم در کوفہ

3۔ ترجمہ جلاء العیون جلد دوم ص ۲۷۳ مطبوعہ لاہور

4۔ مروج الذہب ۲/۹۱ 5۔ لاسنۃ ولا شیعۃ، محمد علی زعبی ۳۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہم کو عطا کی ہے اور ہم ہی زمین خدا صندوق علم خدا، مخزن حکمت خدا جمیع عباد و بلاد پر داشت ہیں اور ہم کو اپنی کرامات سے بزرگ کیا اور ہم کو اپنے پیغمبر کی برکت سے تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ تم نے ہماری تکذیب کی اور کافر سمجھا اور ہم پر قتال کرنا حلال سمجھا اور ہمارا مال غارت کیا اور ہم کو مانند اسیرانِ ترک و دیلم اسیر کیا۔ کل کے روز تم نے ہمارے پدرِ بزرگوار کو قتل کیا اور بسبب کینہ ہائی دیرینہ ہر وقت ہم اہل بیت کا خون تمہاری تلواروں سے ٹپکا اور ہمارے قتل کرنے سے تمہارے دل شاد ہوئے............ اور تم میں سے فخر کرنے والے نے فخر کیا کہ میں نے علی اور ان کے فرزندان کو شمشیر ہائی ہندی سے قتل کیا اور ان کی عورتوں کو اسیر کیا اے فخر کرنے والے تیرے منہ میں خاک ہو۔" [2]

امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس خطبہ سے "شیعان علی" کی حقیقت بالکل سامنے آجاتی ہے۔ ان کے اوصاف نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یعنی (۱) اہل بیت کی تکذیب کرنے والے (۲) اہل بیت کو کافر سمجھنے اور کہنے والے (۳) انہیں قتل کرنے والے (۴) ان کے مال لوٹنے والے (۵) انہیں قیدی بنانے والے (۶) امام حسین کو شہید کرنے والے (۷) اہل بیت سے دیرینہ حسد و کینہ رکھنے والے (۸) ان کی مستورات کو بے پردہ کرنے والے (۹) اور پھر ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اپنے کیے پر تا قیامت رونے پیٹنے والے (۱۰) اور ان تمام "افعال حسنہ" پر دل شاد کرنے والے۔

میں امید کرتا ہوں کہ اب ان "شیعان علی" کی پہچان سیدہ فاطمہ بنت حسین نے اتنی آسان کر دی ہے کہ اگر کسی بچہ کو بھی پوچھا جائے تو وہ فوراً ان کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ ان تمام باتوں کے اعتبار سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صرف ان کے لیے یہی کہا۔ تمہارے منہ پر خاک۔ [1]

بازارِ کوفہ میں ماتمی شیعوں سے سیدہ ام کلثوم کا خطاب

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"پس ام کلثوم دختر دیگر حضرت سیدۃ النساء صدا بگریہ کرو۔ واز ہودج محترم ندا کرد حاضرانرا کہ ای اہل کوفہ بدا بحال شما و ناخوش باد روبہائی شما بچہ سبب برادرم حسین را خواندید و یاری او نکردید و او را بقتل آوردید و اموال اور اغارت کردید و پردگیانِ حرم سرائی او را اسیرا کردید وائی برشما و لعنت بر روبہائی شما مگر نمیدانید کہ چار کردید و چہ گناہان و اوزار بر پشت خود بار کردید و چہ خونہائی محترم ریختید و چہ دخترانِ محترم و مکرم را نالال کردید و مال چہ

1۔ تحفۃ العقول، الحرانی ۱۷۳

2۔ العقد الفرید، ابن عبدربہ ۶/ ۲۵۰

3۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۱۸ طبع جدید ارشاد شیخ مفید میں یہ الفاظ ہیں کہ سلیمان نے کہا انتم شیعتہ و شیعۃ ابیہ تم اس کے اور اس کے باپ کے شیعہ ہو۔ ارشاد شیخ مفید ص ۲۰۲ مطبوعہ قم۔ مقتل ابی مخنف ص ۱۷ طبع نجف میں ہے و نحن شیعتہ، ہم حسینؓ کے شیعہ ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جماعت رابغاوت بر دید کشتید بہترین خلق را بعد از حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم۔" [2]

ترجمہ:۔ "بعد اس کے ام کلثوم دوسری دختر جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صدائے گریہ وزاری بلند کی اور رو رو کر آواز دی کہ اے اہل کوفہ تمہارا حال اور مال برا ہو اور تمہارے منہ سیاہ ہوں۔ تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسین علیہ السلام کو بلایا اور اُن کی مدد نہ کی اور انہیں قتل کر کے مال و اسباب لوٹا اور ان کے پردگیان عصمت وطہارت کو اسیر کیا۔ وائے ہو تم پر اور لعنت ہو تم پر کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا ظلم و ستم کیا ہے اور گناہوں کا اپنی پشت پر انبار کیا ہے اور کیسے خونہائے محترم کو بہایا ہے اور دختران محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نالاں کیا اور کن بزرگوں کے مال کو تم نے لوٹا۔ بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم نے بہترین خلق خدا کو قتل کیا۔" [3]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بددعا

مشہور مورخ مسعودی لکھتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تحریک میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ سے جنگ کی اور آپ کے قتل کے مرتکب ہوئے وہ اہلِ کوفہ تھے [4] اور یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں بددعا کرتے ہوئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے اللہ! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے جنہوں نے ہمیں اس لیے یہاں بلایا کہ وہ ہماری مدد کریں گے پھر ہم پر چڑھائی کی اور ہمیں قتل کیا۔" [5]

اور انہی کے بارے میں فرمایا:

"تباہی اور دوری ہو اُمت کی اس طاغوتی اور فرقہ باز جماعت کے لئے جو اللہ کی کتاب کو چھوڑنے والی، شیطان کے پجاری، کتاب اللہ میں تحریف کرنے والی اور سنتوں کو مٹانے والی ہے۔ لعنت ہو اللہ کی ان قسمیں توڑنے والوں پر جو قسمیں کھا کر انہیں توڑتے ہیں۔ [1]

آپ نے دیکھ لیا شیعانِ اہل بیت کا حال؟......

1۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۱۹ طبع تہران جدید

2۔ مقتل ابی مخنف ص ۱۸

3۔ ذبح عظیم ص ۱۴۶

4۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۲۵۰

5۔ جلاء العیون اردو جلد دوم ص ۱۹۰

6۔ جلاء العیون ص ۱۹۳

7۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۲۱

8۔ جلاء العیون اردو جلد دوم ص ۱۹۳

9۔ مقتل ابی مخنف ص ۲۰ طبع قدیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان ہی کے بارے میں حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''یہ اہلِ کوفہ ہم پر گریہ وزاری کرتے ہیں، بتاؤ ان کے سوا ہمیں کس نے قتل کیا ہے؟''

نیز حضرت سکینہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے اپنے شوہر مصعب بن زبیر کے قتل کے بعد جب کوفہ سے مدینہ منورہ جانے کا قصد کیا تو اہلِ کوفہ ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور ان سے کہنے لگے: ''رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی! آپ یہاں ہی ٹھہر جائیں۔''

تو وہ فرمانے لگیں: ''تم تو وہ لوگ ہو جنہیں اللہ جزائے خیر نہ دے اور نہ تم پر کوئی نیک خلیفہ مقرر فرمائے۔ تم میرے والد، میرے دادا، میرے چچا اور میرے شوہر کے قاتل ہو، تم نے مجھے بچپن میں یتیم کر دیا اور جب بڑی ہوئی تو بیوہ بنا دیا۔'' [2]

خلاصۂ کلام

کوفہ میں سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر وفاتِ امیر معاویہؓ کے بعد ہونے والی شیعوں کی میٹنگ سے لے کر بازارِ کوفہ میں قافلۂ اہل بیت کے گرد اہلِ کوفہ کے ماتم تک تمام واقعات کی تفصیل کے بعد ان کا خلاصہ ہم اختصار کے ساتھ پیش کیے دیتے ہیں تا کہ مذکورہ تاریخی گواہیاں قارئین کے ذہن میں دوبارہ تازہ ہو جائیں۔ یہاں حوالہ جات بالالتزام شیعہ کتب سے ماخوذ ہیں۔

☆ پہلے مرحلے پر سلیمان بن صرد نے اپنے گھر میں ہونے والے اجتماع سے کہا: معاویہ جہنم واصل ہو گیا ہے (معاذ اللہ) ''وشما شیعان اود پر ابزرگوار اوید'' یعنی تم حسین اور اس کے والد علیؓ کے شیعہ ہو۔ اگر مدد کر سکتے ہو تو حسینؓ کو دعوت دو۔ سب نے کہا ہم ان کی بھر پور مدد کریں گے۔ [3]

☆ دوسرے مرحلے پر جب کوفیوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دی اور خطوط لکھے تو ان کے بعض چیدہ چیدہ الفاظ یہ تھے:

''از جانب سائر شیعان و مومنان و مسلمان اہل کوفہ'' [1]

یعنی یہ خط کوفہ کے تمام شیعوں کی طرف سے ہے۔

لیس لنا امام غیرک [2]

1۔ مقتل ابی مخنف ص ۴۰

2۔ مقتل ابی مخنف ص ۴۳ اور ارشاد شیخ مفید ص ۲۲۳

3۔ دیکھئے مقتل ابی مخنف ص ۴۴ اور جلاء العیون ص ۵

4۔ وبہر یک از روسائے لشکر کہ میکفت باین علت ابا میکردند زیرانکہ اکثر از آنہا بودند کہ نامہ بحضرت نوشتہ بودند۔ (جلاء العیون ج ۲ ص ۵۴۶)

5۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۹۳۔ احتجاج طبرسی جلد دوم ص ۱۲۶ اور ۳۱ ابن شہر آشوب ص ۱۱۵ جلد چہارم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaqi

یعنی اے حسین ہم آپ کے سوا کسی کو امام نہیں مانتے۔

وان لم تقبل الینا فانت آثم۔ [3]

"اگر آپ کوفہ نہ آئے تو آپ (روزِ قیامت) اس کے ذمہ دار ہوں گے۔"

☆ تیسرے مرحلے پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفیوں کے بارہ ہزار خطوط کا جواب بقولِ شیعہ کتب ان الفاظ میں لکھا: "بسوئے گروہ موموناں و مسلماناں وشیعاں" [4] یعنی یہ خط حسین بن علی کا شیعوں مومنوں مسلمانوں کی طرف ہے۔ [5]

☆ چوتھے مرحلہ پر جب امام مسلم کوفہ میں آ گئے تو شیعہ کتب کے مطابق آپ کی بیعت کرنے والے شیعہ ہی تھے۔

"چوں تردِدِ شیعاں بخدمت مسلم بسیار شد" [6]

تو ایسے میں ایک "یزیدی" نے مسلم بن عقیلؓ کی کوفہ میں سرگرمیوں کی مخبری یزید کو ان الفاظ میں کی:

"شیعان برائے حسین بن علی بیعت مے نمایند"۔ [7]

یعنی شیعانِ کوفہ مسلم بن عقیل سے حضرت حسینؓ کی بیعت کرتے ہیں۔ [8]

وقد بایعه شیعة الحسین [9] یعنی حسینؓ کے شیعوں نے مسلم کی بیعت کر لی ہے۔"

☆ پانچویں مرحلہ پر حضرت مسلم بن عقیلؓ کا خط پا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کی تیاری کر لی، صحابہ کرامؓ نے آ کر کوفہ جانے سے منع کیا تو حضرت حسینؓ نے یہ جواب دیا:

"قد کتب الی شیعتی" [1]

یعنی مجھے میرے شیعوں نے خطوط لکھ دیے ہیں (اس لیے میں ضرور جاؤں گا) اس کا جواب حضرت حسینؓ کے سگے بھائی محمد بن حنفیہ نے آپ کو یہ دیا کہ ان (شیعوں) کے دھوکہ میں نہ آئیں قَوْمٌ قَتَلُوْا اَبَاکَ وَغَدَرُوْا بِاَخِیْکَ اس قوم نے آپ کے والد کو قتل کیا اور آپ کے بھائی (حضرت حسنؓ) سے دھوکہ کیا۔

☆ چھٹے مرحلہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کو چل پڑے، راستہ میں حضرت مسلمؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپؓ نے فرمایا قد خذلتنا شیعتنا [2] یعنی ہمیں ہمارے شیعوں نے رسوا کر دیا (کہ دھوکہ سے بلایا بے وطن کیا، سفر میں ڈالا اور میرے پہنچنے سے پہلے میرے بھائی کو مار ڈالا)

☆ ساتویں مرحلے پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں کوفی فوج کے سامنے وہ خط انڈیل دیے جو انہوں نے آپ کو لکھے تھے، مگر کوفی صاف منکر ہو گئے کہ ہمیں ان خطوط کا کوئی علم نہیں۔ [3] بعد ازاں گورنر کوفہ عمر بن سعد جس یعنی کوفی سردار کو امام حسینؓ کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجنا چاہتا وہی مارے شرم کے جانے سے انکار کر دیتا، کیونکہ تمام نے خطوط لکھے ہوئے تھے۔ [4]

1۔ عقائدِ جعفریہ جلد اوّل ص ۲۹۷ تا ۳۰۱۔ بتغیر یسیر   2۔ تلخیص از فرق الشیعہ علامہ نوبختی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

☆ آٹھویں مرحلہ پر میدانِ کربلا کا خونی طوفان گزر جانے کے بعد اسیرانِ اہل بیت پابجولاں زن و مرد اونٹوں کی ننگی پشتوں پر باندھ کر بازارِ کوفہ سے گزارے گئے تو اہلِ کوفہ یہ دیکھ کر نوحہ کرنے لگے۔ اور نوحہ ماتم کی ایک نوع ہے۔ چنانچہ جلاء العیون جلد دوم ص ۵۹۳ پر ہے:

''چوں داخل کوفہ حضرت زین العابدین علیہ السلام دیدند...... صدائے بنوحہ وشیعون وگریہ بلند کردند حضرت ب آواز ضعیف گفت کہ شمار برمانوحہ وگریہ مے کنید پس کہ مارا کشتہ است''

یعنی جب کوفیوں نے امام زین العابدین کو بازار میں دیکھا تو نوحہ اور آہ وبکا کی آوازیں بلند کرنا شروع کر دیں۔ امام نے یہ دیکھ کر فرمایا، تم ہم پر نوحہ (ماتم) کرتے ہو، بتلاؤ ہمیں تمہارے سوا کس نے مارا ہے؟

سیدہ زینبؓ نے فرمایا:

''خود مارا کشتہ اید وبرما میگر پید بلی واللہ باید کہ بسیار میگر یید۔'' 5

یعنی خود تم نے ہمیں قتل کیا اور خود ہی نوحہ کر رہے ہو اسی طرح ہمیشہ نوحہ ہی کرتے رہو گے۔

ان تمام مراحل کے اجمالی تذکرہ سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شیعوں نے بلایا خطوط لکھے اور ان میں اپنا تعارف شیعہ کے لفظ سے کرایا۔

(۲) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بلانے والوں کو جوابی خط لکھتے ہوئے انہیں شیعہ کہہ کر پکارا، اور فرمایا کہ مجھے شیعوں نے خط لکھے ہیں۔

(۳) مسلم بن عقیلؓ کے کوفہ وارد ہونے پر شیعوں نے آپ کی بیعت کی کیونکہ یہ شہر ہی شیعوں کا تھا۔

(۴) حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہادتِ مسلمؒ کی خبر پہنچی تو آپؓ نے اس شہادت کا ذمہ دار شیعوں کو قرار دیا، اور فرمایا کہ ہمیں شیعوں نے رُسوا کیا ہے۔

(۵) حضرت حسینؓ کا کوفی فوج کے سامنے خطوط انڈیلنا اور عمر بن سعد کے کہنے کے باوجود کوفی سرداروں کا مارے شرم کے حضرت حسینؓ کے سامنے نہ آنا یہ کھلی شہادتیں ہیں اس بات کی کہ جنہوں نے آپؓ کو دعوت دی انہوں نے آپ کو شہید کیا اور یہ کہ بلانے والے پکے شیعہ تھے۔

(۶) کوفی شیعوں نے قتلِ حسینؓ جیسا جرم چھپانے کے لیے بازارِ کوفہ میں قافلۂ اہل بیتؓ کے گرد ماتم شروع کر دیا، جو اہلِ بیتِ رسول کو سخت ناگوار گزرا، اور انہوں نے شیعوں کی سازش کو ناکام بناتے ہوئے فرمادیا کہ ماتم مت کرو تم ہی ہمارے قاتل ہو، اور ہماری بددعا ہے کہ تا روزِ ابدیوں ہی ماتم کرتے رہو گے۔ خدا تمہارے چہرے سیاہ کرے۔ اللہ نے مظلوموں کی آہ سن لی اور آج تک قاتلانِ حسینؓ اپنے جرم کی دنیوی سزا حاصل کرتے ہوئے ماتم کر کر کے اپنا حال تباہ کر رہے ہیں۔

قتلِ حسینؓ جیسے جرم کی سزا تو ہے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تا حشر قاتلوں میں یہ ماتم بپا تو ہے [1]

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعان علی پانچ گروہوں میں بٹ گئے

(۱) پہلا گروہ: حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے سبب سے عقیدہ امامت بھی چھوڑ گیا۔

(۲) دوسرا گروہ: حضرت محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل ہوگیا۔ مختار ثقفی اس گروہ میں شامل تھا۔

(۳) تیسرا گروہ: امام زین العابدین کی امامت کا قائل ہوا۔

(۴) چوتھا گروہ: امام حسین رضی اللہ عنہ پر امامت ختم ہونے کا قائل ہوا اور کہا امام صرف تین ہی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔

(۵) پانچواں گروہ: اس بات کا قائل ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے جو بھی امامت کیلئے کھڑا ہو کر دعوت دے وہ امام ہے اور جو گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے وہ اور اس کا پیروکار مشرک ہیں۔[2]

ساتواں باب:

شیعانِ اہل بیت

''توابین'' کے روپ میں

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حسرت ناک شہادت کے بعد کچھ اہلِ کوفہ کو حضرت حسین ﷺ کے ساتھ اپنی بے وفائی اور بدعہدی پر سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے طے کیا کہ اس گناہِ عظیم کا کفارہ یہی ہوسکتا ہے کہ قاتلین حسینؓ کو قتل کیا جائے یا اس کوشش میں اپنی جانیں قربان کردی جائیں۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو منظم کیا اور کوفہ کے مشہور شیعہ راہنما سلیمان بن صرد خزاعی کو اپنی تحریک کا رہنما قرار دیا۔

کوفہ کے حاکم عبداللہ بن یزید انصاری کو جب اس تحریک کا علم ہوا تو انہوں نے توابین سے تعرض نہ کیا بلکہ ان کی ہمت افزائی کی اور کہا اگر تم قاتلِ حسین، ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے نکلو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ حکومت کا ایماء پاکر

1۔ تاریخ طبری اردو ج ۳ ص ۲۹۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان لوگوں نے کھلم کھلا خونِ حسینؓ کے انتقام کی دعوت دینی شروع کر دی اور دھڑا دھڑ ہتھیار خریدے جانے لگے۔

ربیع الاوّل ۶۵ ہجری کا چاند دیکھ کر پانچ ہزار توابین کوفہ سے نکل کر میدان نخیلہ میں جمع ہوئے۔ سلیمان بن صرد نے ایک پُر جوش تقریر میں کہا:

"لوگو! جس شخص کو اللہ کی رضا اور روزِ قیامت کی بہتری مطلوب ہو تو ہمارے ساتھ چلے جسے دنیا درکار ہو تو وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے۔"

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ ہمارا مقصد صرف اپنے گناہ کی توبہ اور خونِ حسینؓ کا انتقام ہے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ یہاں سے سولہ ہزار کا لشکر روانہ ہوا۔

عبداللہ بن سعد بن نفیل نے کہا: "بھائیو! ہمارا مقصد قاتلینِ حسینؓ سے انتقام لینا ہے جن کی اکثریت تو کوفہ میں موجود ہے انہیں چھوڑ کر کسی اور طرف جانے کے کیا معنی؟ لوگوں نے کہا بات تو ٹھیک ہے مگر سلیمان بن صرد نے جواب دیا قاتلینِ حسینؓ کا سرگروہ عبیداللہ بن زیاد ہے جو سب سے زیادہ واجب القتل ہے، اور میرے نزدیک فاسق ابن فاسق ابن زیاد سے پہلے لڑنا چاہئے جو فساد کا بانی اور گمراہوں کا سردار ہے۔ پہلے اسے کیفر کردار تک پہنچانا چاہئے۔ اہل کوفہ سے بعد میں نمٹیں گے۔ یہ سن کر تمام لوگ مطمئن ہو گئے۔

الحاصل یہ لوگ نخیلہ سے شام کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ پہلے میدانِ کربلا میں حضرت حسینؓ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے۔ وہاں خوب گریہ وبکا کی اور چیختے چلاتے، روتے اور توبہ کرتے، فرزندِ رسول کا ساتھ چھوڑ دینے اور مدد نہ کرنے پر روتے اور پچھتاتے رہے، پھر یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! حسین شہید پر رحمت نازل فرما۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم اس کے دین اور اس کے طریقہ پر ہیں۔ اس کے قاتلین کے دشمن اور اس کے محبین کے دوست ہیں۔ اے اللہ! ہم نے جگر گوشۂ رسول سے بے وفائی کی تو ہمارے اس گناہ کو معاف کر دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔"

کربلا سے رخصت ہو کر یہ لوگ قرقیسیا پہنچے۔ وہاں زفر بن حارث کی مدد حاصل کر کے عین الوردہ کی طرف بڑھے۔ یہاں ابن زیاد کے ایک افسر شرحبیل بن کلاع سے مقابلہ ہوا۔ توابین نے شرحبیل کے لشکر کو شکست دی۔ ابن زیاد نے پھر حصین بن نمیر کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ عین الوردہ کے مقام پر ایک زوردار معرکہ میں توابین کو شکست ہوئی، تاہم توابین بڑی بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے۔ ابن زیاد ان کے مقابلہ کے لئے مزید تازہ دم فوج بھیجتا رہا۔ آخر سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی قتل ہوئے اور جو باقی بچے وہ کوفہ واپس چلے آئے۔

خروجِ مختار ثقفی

1۔ عماد الدین زندگانی ص ۲۴۵

2۔ مروج الذہب المسعودی۔ ذکر مختار ثقفی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس زمانہ کی بدنظمی وطوائف الملوکی کو دیکھ کر ایک چالاک اور بلند ہمت شخص مختار بن ابی عبید ثقفی کے سر میں بھی حکومت کا سودا سمایا۔

مختار بن ابوعبید ثقفی کا تعلق قبیلہ بنوثقیف سے تھا، اس کا بچپن طائف اور مدینہ میں گزرا تھا، اس کے والد ابوعبید ثقفی ۱۳ھ میں ایرانیوں کے خلاف لڑائی میں شہید ہو گئے تھے، اس کے بعد مختار ثقفی کی پرورش اس کے چچا سعد بن مسعود ثقفی نے کی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدائن کے حاکم تھے۔ اور جب سعد بن مسعود خارجیوں کی سرکوبی کے لئے نکلے تو انہوں نے مختار کو مدائن میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ مختار ثقفی بھی اپنی پرانی روش پر بدستور قائم رہتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرفدار رہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان سے اپنا دامن وابستہ رکھا۔ ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد اس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر برچھی سے وار بھی کیا۔ 1

بعد میں وہاں سے مدائن میں سعد بن مسعود کے پاس جا کر شامل ہو گیا، یہی وہ مختار ثقفی تھا جس نے اپنے چچا کو مشورہ دیا تھا کہ "اگر وہ دولت و شرف چاہتا ہے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دے۔"

اہل کوفہ کی دعوت پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی آمد سے پہلے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا تو مسلم بن عقیلؒ نے مختار ثقفی کے گھر قیام کیا تھا اور مختار ثقفی نے کوفہ کے سربرآوردہ لوگوں کو مسلم بن عقیلؒ کی بیعت پر آمادہ کیا اور اس حمایت کی وجہ سے مختار کو کوفہ میں قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی اور کوفہ میں مسلم بن عقیلؒ کی شہادت اور ۶۱ھ میں واقعہ کربلا کے وقت بھی وہ کوفہ میں قید تھا۔ کوفہ میں کثیر نامی شخص قاتلینِ حسینؓ کو برا بھلا کہنے کے جرم میں گرفتار ہوا تو قید خانے میں اس نے مختار ثقفی کو باہر رونما ہونے والے واقعات سے آگاہ کیا۔ 1

مختار ثقفی کے چچازاد بھائی اور کوفہ کے بااثر شخص زائد بن قدامہ بن مسعود ثقفی نے مختار کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں پیغام بھیجا کہ مختار کوفہ میں قید ہے۔ صفیہ بنت عبید کو جب اپنے بھائی مختار ثقفی کا حال معلوم ہوا تو انہیں بہت صدمہ ہوا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سفارش پر مختار کو رہائی نصیب ہوئی۔ والیانِ کوفہ عبیداللہ بن یزید اور ابراہیم بن محمد نے اس شرط پر رہا کیا کہ وہ آئندہ کسی قسم کی بغاوت نہ کرے گا اور نہ ہی سازش کرنے والوں کے ساتھ شریک ہو گا۔ 2

مختار کوفہ سے نکل کر حجاز چلا گیا اور مکہ معظمہ میں پہنچ کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آمد و رفت شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خفیہ طور پر اپنی بیعت لے رہے تھے۔ مختار نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا، میں آپ کی بیعت

۱۔ ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۶۷

۲۔ مروج الذہب مسعودی برحاشیہ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۵۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ کوئی کام میرے مشورہ کے بغیر انجام نہ دیں اور جب کامیاب ہو جائیں تو مجھے کوئی اہم ترین خدمت سپرد فرمائیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کسی قدر تامل کے بعد اس کی شرط قبول کر لی۔

مختار، ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور حصین بن نمیر کی مکہ معظمہ کی لشکر کشی کے زمانہ میں ان کی طرف سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جب یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور اہلِ حجاز و عراق و مصر نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو وہ ان کے پاس پانچ مہینے اور مقیم رہا، مگر وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بددل ہو گیا۔ کیونکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے اسے جو توقعات تھیں وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں۔

عراق کا ملک ہمیشہ سے شورش و ہنگامہ کی آماجگاہ رہا ہے۔ کسی انقلابی تحریک کے لیے اس سے موزوں تر کوئی اور علاقہ نہ تھا لہٰذا مختار کی نگاہیں اسی طرف اٹھیں اور ہر آتے جاتے سے وہاں کے حالات کی کھود کرید کرتا رہا۔

ایک مرتبہ ہانی بن جبۃ الوداعی ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حسبِ معمول مختار بھی اس سے ملا اور کوفہ کے حالات پوچھے۔ ہانی نے کہا: ''اہل کوفہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی اطاعت پر ثابت قدم ہیں مگر وہاں ایک بڑی جماعت ایسی بھی ہے کہ کوئی انہیں ایک نظام میں منسلک کر دے تو ساری دنیا کو اپنے جھنڈے تلے لا سکتا ہے۔''

مختار نے کہا: ''واللہ میں انہیں حق پر جمع کروں گا اور انہیں لے کر حامیانِ باطل سے مقابلہ کروں گا اور ہر ظالم اور دشمنِ حق کو ہلاک کر دوں گا''۔

اس عزم کے ساتھ مختار نے کوفہ کی طرف کوچ کیا۔ جب وہ کوفہ پہنچا تو وہاں ''تحریک توابین'' کا زور تھا اور ''انتقامِ حسین رضی اللہ عنہ'' کی آوازیں دلوں کو گرما رہی تھیں۔

مختار نے بھی یہی نعرہ بلند کیا۔ مگر وہ سلیمان بن صرد کی رہنمائی کو اپنے مقصد کے خلاف سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی گروہ بندی علیحدہ کرنی شروع کر دی۔

اس نے شیعانِ علی سے کہا:

''سلیمان ناتجربہ کار آدمی ہے وہ جنگ کے ڈھنگ سے واقف نہیں۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ خود بھی قتل ہو اور تمہیں بھی قتل کرائے۔ میں ایک طے شدہ سکیم کے مطابق کام کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے مہدی بن وصی محمد بن حنفیہ نے اپنا وزیر اور تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ تمہاری مدد سے ملحدوں کو قتل کروں اور اہل بیت کے خون کا انتقام لوں۔'' 1

مختار ثقفی کا دعوئ نبوت

مختار نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ جہاں موقعہ دیکھا اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے بھی پیش کیا اور کہا کہ جبریل اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں اور اسے غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ 2

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

چنانچہ سلیمان بن صرد کی جماعت سے علیحدہ مختار ثقفی کی ایک علیحدہ پارٹی بن گئی۔

سلیمان بن صرد کی روانگی کے بعد بعض لوگوں نے عبداللہ بن یزید خطمی اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے کہا کہ مختار بہت خطرناک آدمی ہے اس کے ارادے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ چنانچہ عبداللہ بن یزید نے مختار کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔

مختار کچھ عرصہ قید خانہ میں رہا مگر اس نے پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سفارشی خط لکھوا کر اسی وعدہ پر رہائی حاصل کر لی کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرے گا اور اگر وہ بدعہدی کرے تو اس کے سب غلام اور باندیاں آزاد ہو جائیں گی اور خانہ کعبہ پہنچ کر ایک ہزار اونٹنیاں قربان کرنا پڑیں گی۔

مختار کا کوفہ پر قبضہ

مختار رہا ہوتے ہی پھر اپنے کام میں لگ گیا اور اس نے زور شور کے ساتھ حکومت کے خلاف بغاوت کی تحریک شروع کر دی اور اس کے حامیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ مختار کی تحریک کو محمد بن حنفیہؒ کی تائید سے بہت فائدہ پہنچا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ کوفہ کے بعض شیعانِ علی نے مشورہ کیا کہ مختار نے یہ تحریک محمد بن حنفیہؒ کے نام پر شروع کر رکھی ہے ہمیں خود ابن حنفیہؒ کے پاس جا کر اس معاملہ کی تحقیق کرنی چاہئے۔ عراق سے ایک وفد مدینہ منورہ پہنچ کر محمد بن حنفیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں تمام واقعات سنا کر ان کی رائے معلوم کی۔

محمد بن حنفیہؒ نے اوّل اہل بیت کے مناقب بیان کئے پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حسرتناک شہادت کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا: تم لوگ مجھ سے ایک شخص کے متعلق پوچھتے ہو جو اہل بیت کے خون کا قصاص لینا چاہتا ہے تو بھائیو میری دلی آرزو یہ ہے کہ خدا ہمارے دشمنوں سے ان کے مظالم کا انتقام لے خواہ کسی شخص کے ذریعہ سے لے۔

اسی وفد کے جانے سے مختار کو بڑی تشویش ہو گئی تھی کہ دیکھئے محمد بن حنفیہ کیا جواب دیتے ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ لوگ واپس آئے، مختار نے گھبرا کر ان سے پوچھا کہ "کہو کیا معلوم ہوا؟ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ تم شک میں مبتلا ہو گئے۔"

مگر جب انہوں نے ابن حنفیہؒ کے جواب کو نقل کیا تو اس نے بے اختیار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فوراً ایک جلسہ منعقد کر کے کہا:

> "یہ لوگ امام مہدی کے پاس گئے تھے، انہوں نے ان کو بتایا ہے کہ میں ان کا وزیر، مددگار اور پیامبر ہوں اور تمہیں حکم دیا ہے کہ بدعہدوں سے جنگ اور اہل بیت کے خون کے قصاص کے معاملہ میں تم میرا ساتھ دو۔"

مختار کی ابن حنفیہؒ کے نام سے جعل سازی

1۔ مسعودی برحاشیہ ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۵۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس دوران میں عبداللہ بن مطیع کوفہ کے نئے والی مقرر ہو کر آ گئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی مختار کی تحریک کو دبانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ مختار نے اب کھل کر میدان میں آنے اور کوفہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعض مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ اس قسم کے اقدام سے پہلے کوفہ کے بااثر رئیس اور اہل بیت کے محب ابراہیم بن اشتر کی حمایت حاصل کرنی ضروری ہے۔ مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر ابراہیم کے سامنے پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

> ''محمد مہدی کی طرف سے ابراہیم بن اشتر کے نام۔ امابعد!
>
> میں تمہارے پاس اپنا وزیر اور معتمد بھیج رہا ہوں۔ میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمنوں سے جنگ کرے اور اہل بیت کے خون کا انتقام لے۔ جہاں تک ممکن ہو تم اس کی مدد کرو۔ کوفہ سے شام تک جس قدر علاقہ تمہاری مدد سے فتح ہو گا تم اس کے حاکم بنا دیئے جاؤ گے۔''

ابراہیم نے خط کا عنوان دیکھ کر کہا میرے پاس محمد بن حنفیہ کے خط آتے رہتے ہیں انہوں نے کبھی اپنے آپ کو مہدی نہیں لکھا۔ مختار نے کہا اب نیا زمانہ ہے اور نئے حالات ہیں۔

ابراہیم کے چند ساتھیوں نے گواہی دی کہ یہ خط ہمارے سامنے امام محمد بن حنفیہ نے لکھا ہے۔ ابراہیم بن اشتر نے مختار کو تعظیم کے صدر میں بٹھایا اور مختار کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

کوفہ اور دیگر شہروں پر مختار کا قبضہ

ابراہیم بن اشتر کی شمولیت سے مختار کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ ابراہیم اپنے مسلح ساتھیوں کی جماعتیں لے کر مختار سے ملنے جایا کرتے۔ ایک دن ابراہیم اپنے سو مسلح ساتھیوں کے ساتھ بازار کے بیچ میں سے گزر کر مختار کے پاس جا رہے تھے کہ کوتوالِ شہر ایاس بن مضارب نے انہیں راستہ میں روک لیا اور ان سے امیر کوفہ عبداللہ بن مطیع کے پاس چلنے کے لیے کہا۔ ابراہیم بن اشتر نے ایاس سے راستہ چھوڑ دینے کے لیے کہا اور جب وہ نہ مانا تو اسے قتل کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۶۶ ہجری کو مختار نے کوفہ میں علمِ بغاوت بلند کر دیا اور قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن مطیع نے جہاں تک ممکن ہو سکا مقابلہ کیا لیکن آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اور کوفہ سے جان بچا کر نکل گیا۔ کوفہ پر قابض ہونے کے بعد مختار عراق کے دوسرے شہروں پر بھی قابض ہو گیا اور وہاں اس نے اپنے حاکم مقرر کئے۔ البتہ بصرہ ابن زبیر ہی کے ماتحت رہا۔

انتقامِ حسینؓ

1۔ الصلۃ بین التصوف والتشیع للدکتور کامل مصطفٰی الشیبی ص ۱۰۸

2۔ الاخبار الطوال للدنیوری ۲۸۸

3۔ الطبری ج ۶ ص ۲۴، ۲۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کوفہ پر جب مختار کا تسلط ہو گیا تو اس نے قاتلینِ حسینؓ کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ جو کسی طرح جان بچا کر بھاگ گیا اس کے مکان کو کھدوا کر پھینک دیا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن، عمر بن سعد، عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بدی، حمل بن مالک محاربی، خولی، اصبحی، زیاد بن مالک ضبعی، عمران بن خالد قشیری، عبدالرحمن بن ابی فشار وبجلی، عبداللہ بن قیس خولانی، عثمان بن خالد جہنی، بشیر بن شمیط قانصی وغیرہ کو قتل کرا دیا اور بعض کی لاشوں کو آگ میں جلا دیا۔ شمر ذی الجوشن کی لاش کو کتوں سے پھڑوا دیا گیا۔

محمد بن حنفیہؒ قید میں

عبداللہ بن زبیرؓ عرصہ سے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اور عبداللہ بن عباسؓ پر بیعت کے لئے زور دے رہے تھے، مگر یہ دونوں بزرگ کہتے تھے کہ جب تک عالم اسلام آپ کی خلافت پر متفق نہ ہو جائے گا ہم بیعت نہ کریں گے۔

جب مختار کا کوفہ پر قبضہ ہو گیا تو اس نے محمد بن حنفیہ سے باقاعدہ بیعت خلافت لینے کی اجازت طلب کی۔ اس سے پہلے مختار اسی قسم کی درخواست حضرت زین العابدین سے بھی کر چکا تھا۔ مگر آپ اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے تھے اس لیے آپ نے علی الاعلان مسجد نبویؐ میں اس کی قلعی کھولی اور اس کی محبتِ اہل بیت کی حقیقت ظاہر کی۔ ادھر سے مایوس ہو کر جب مختار نے محمد بن حنفیہؒ کی طرف رجوع کیا تو موصوف نے محمد بن حنفیہ کو بھی یہی رائے دی کہ وہ اس کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ وہ محض اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اہل بیت کا نام استعمال کرنا چاہتا ہے مگر محمد بن حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشورہ سے ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں اس کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اس کی درخواست کو منظور کر لیا۔[1]

اب عبداللہ بن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہ پر بیعت کے لئے سختی شروع کر دی اور جب وہ نہ مانے تو انہیں زمزم کی چار دیواری میں قید کر دیا۔ محمد بن حنفیہ نے مختار کو اپنے حال سے مطلع کیا۔ مختار نے ایک فوج بھیج کر انہیں قید سے چھڑا لیا اور چار لاکھ کی رقم بھی ان کے اخراجات کے لئے بھیج دی۔

مختار کی عرب دشمنی

مختار کے ساتھی زیادہ تر عجمی غلام تھے۔ اس کی تحریک عام طور پر انہی میں مقبول ہوئی تھی۔ کوفہ پر قابض ہونے کے بعد اس نے ان کو اعزازات و مناصب پر سرفراز کیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ ان غلاموں نے اپنے آقاؤں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں عربوں کو قتلِ حسینؓ کا الزام رکھ کر قتل کرا دیا اور ان کا مال و دولت خود حاصل کر لیا۔

۱۔ الطبری ۶/ ۴۴
۲۔ مروج الذہب للمسعودی ج ۳ ص ۹۹
۳۔ الاخبار الطوال للدینوری ۲۲۳
۴۔ الاخبار الطوال للدینوری ۲۹۲
۵۔ ایضاً ص ۲۹۹
۶۔ الکوفۃ فی القرن الاوّل ڈاکٹر محمد حسین الزبیدی۔ ۸۰
۷۔ الطبری ج ۶ ص ۴۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عربوں کو قدرتی طور پر مختار کا یہ طرزِ عمل سخت ناگوار گزرا۔ جب مختار نے ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے پہلی مرتبہ فوج بھیجی تو عربوں نے اس کے خلاف سخت بغاوت کی مگر ابن اشتر کی مدد سے یہ بغاوت فرو کر دی گئی۔

اس کے بعد مختار نے عربوں کے خلاف سخت بغاوت کا رویہ اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں اشرافِ کوفہ بھاگ بھاگ کر بصرہ چلے گئے۔ جہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی۔

ڈاکٹر محمد البنداری لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے مختار ثقفی نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے شیعیت کو وسیلہ بنایا، وہ پہلے خارجی تھا، پھر زبیری بنا، پھر شیعہ اور کیسانی بن گیا، اس طرح اس نے غالی شیعہ فرقوں کے لیے ایک ایسی منصوبہ بندی کی جس کی بنا پر آئندہ چل کر انہوں نے شیعیت میں بہت سے عجیب و غریب افکار داخل کر دیے اور اس نئی اتجاہ کی ابتداء کے ساتھ تحریف کی ابتداء بھی شروع ہوئی جو حقیقت میں شیعہ عقائد میں تفریط تھی۔ [1]

ادھر فارسی موالی نے دیکھا کہ مختار ثقفی کی تحریک میں ان کی کھوئی ہوئی امید ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے مقاصل حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی جماعت نے اس تحریک پر لبیک کہا اور مختار کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان کی تعداد مختار کے لشکر میں عربوں کی تعداد سے دوگنی تھی اور یہ کوفہ میں بیس ہزار کے لگ بھگ تھے۔ [2]

طبری نے لکھا ہے شیث بن ربعی جب مختار سے لڑنے کے لئے نکلا اور اپنے اتباع کے ساتھ اس نے نماز ادا کی اور اس میں دو چھوٹی سورتیں تلاوت کیں اور اس پر جب اس کے ساتھیوں نے اس سے بحث کی تو اس نے جواب میں کہا: دیکھتے ہو کہ دیلم تمہارے شہر میں پہنچ چکے ہیں۔ اور جب اس کے ساتھیوں کو شکست ہو گئی اور وہ اپنے گھروں میں چھپ گئے تو اس نے انہیں آواز دے کر پکارا، اے برائی کے محافظو! تم حقیقت میں بہت ہی بُرے شہسوار ہو، کیا تم اپنے غلاموں سے بھاگتے ہو۔ [3]

کوفہ کے عرب باشندوں کو تنبیہ کرتے ہوئے عبدالرحمن بن مخنف نے کہا تھا: بخدا اس شخص (مختار) کے ساتھ تم ہی میں سے تمہارے بہادر اور شہسوار ہیں، نیز اس کے ساتھ تمہارے غلام اور موالی بھی ہیں اور ان سب کی ایک ہی بات اور رائے ہے اور تمہارے غلام اور موالی تمہارے دشمن سے بھی زیادہ تم سے بغض رکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ شخص (مختار) تم سے عربوں کی شجاعت اور عجمیوں کی عداوت کے ساتھ لڑے گا۔ [1]

مورخین نے لکھا ہے کہ مختار کے ساتھ کثیر مقدار میں شیعہ تھے جو کیسانیہ فرقہ کی ایک شاخ خشبیہ کہلائے۔ [2]

اور ان کی اکثریت فارسیوں کی اولاد پر مشتمل تھی اور ''حمراء'' کے نام سے مشہور تھے۔ مختار اہلِ فارس کے

۱۔ الاخبار الطوال للدینوری ۳۰۱،

۲۔ الطبری ۶/ ۴۴

۳۔ الطبری ۶/ ۹۴

۴۔ الانساب للبلاذری ۶/ ۲۵۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''اساورہ'' اور ''مرزابہ'' قبائل کے لشکر کو ساتھ لے کر لڑ رہا تھا اور اس لشکر میں ایک بھی عربی لفظ نہیں سنا گیا۔ چنانچہ عمیر بن الحباب نے مختار کے لشکر کے قائد ابراہیم بن الاشتر سے افسوس کے ساتھ کہا کہ جب سے میں تیرے لشکر میں آیا ہوں میرے غم میں اضافہ ہوا ہے کیونکہ آپ تک پہنچنے تک میں نے ایک لفظ بھی عربی کا نہیں سنا۔ [3]

مختار ثقفی نے اپنے باڈی گارڈ کی قیادت کیسانیہ فرقہ کے سردار کیسان ابوعمرہ کو سونپی اور اس سے یہ مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کا پتہ چلائے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ اس سے کیسان نے خوب فائدہ اٹھایا اور بہت سے گھروں کو تباہ کر دیا اور بہت سے عربوں کو قتل کر دیا اور ان کے اموال اور تنخواہیں ابناء عجم پر تقسیم کر دیں۔ [4] مختار نے عجمیوں کو اپنے قریب کیا اور عربوں کو دور رکھا کیونکہ اس کے بقول ابناء عجم زیادہ فرمانبردار، وفادار اور مقصد کو پورا کرنے میں جلد باز ہوتے ہیں۔ [5]

اہل فارس نے عربوں کا مقابلہ نہ صرف عسکری اور سیاسی اعتبار سے کیا بلکہ اپنے باپ دادوں کے کارناموں کا پروپیگنڈا کرنے لگے اور عربوں کے بالمقابل ان کو افضل ثابت کر کے ان پر فخر کرنے لگے۔ [6]

یہی وجہ ہے کہ جب عربوں نے فارسیوں کے اس خطرے کو محسوس کیا تو وہ مختار کے خلاف جنگ کے لیے متحد ہو گئے۔ جن میں کندہ، ازد، بجلیہ، نخع، خثعم، تمیم الرباب اور ربیعہ قابل ذکر ہیں۔ ان قبائل کی جو گفتگو مختار سے ہوئی اس میں خاص طور پر یہ بات بھی تھی کہ تو نے ہمارے آزاد کردہ غلاموں کو اپنے ساتھ جمع کر لیا ہے جن کو اللہ نے اس ملک کی فتح کے ساتھ ہمارے قبضہ میں دیا تھا اور ہم نے ان کو نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اجر و ثواب کی نیت سے آزاد کر دیا تھا۔ تو نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں ہمارے ساتھ مالِ غنیمت میں شریک کر دیا۔ [7]

پھر انہوں نے مختار کے خلاف عربوں کو بھڑکانے کے لئے کہا کہ اس نے ہمارے شرفاء کو قتل کر دیا ہے، ہمارے مکانات گرا دیے ہیں، ہماری جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور عجمیوں کو ہماری گردنوں پر سوار کر دیا ہے اور ہمارے مال لوٹ لیے ہیں۔ [1]

نیز انہوں نے یہ بھی الزام لگایا کہ مختار نے ہمارے آزاد کردہ غلاموں کو ہمارا مال کھلا دیا ہے اور ہمارے غلاموں کو لے کر ہمارے یتیم بچوں اور بیواؤں کے خلاف جنگ کی ہے اور اس نے اور اس کے ساتھ سبائی جماعت نے ہمارے سلف صالحین سے برأت کا اعلان کیا ہے۔ [2]

کوفہ کے عربوں کو اس سے جو دکھ اور صدمہ پہنچا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مہلب کے پاس محمد بن الاشعث، مصعب بن زبیر کا خط لے کر پہنچا تو مہلب نے خط پڑھنے کے بعد اس سے تعجب سے کہا کہ آپ جیسا آدمی ڈاک لے کر آتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں کسی کا ڈاکیا نہیں لیکن ہماری عورتوں اور ہمارے بچوں پر ہمارے غلام اور موالی نگران ہیں [3] اور دوسری روایت میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں:

۱۔ ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۰۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

”اے ابو سعید! بخدا میں اپنی خواتین اور بچوں کی طرف سے ڈاک لے کر آیا ہوں۔“ 4

کرسئ علی رضی اللہ عنہ کا قصہ

اس کے علاوہ مختار نے اپنی تحریک کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے کرسئ علیؓ کا ڈھونگ رچایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک بھانجے جعدہ بن ہبیرہ رہا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مختار نے ان کے بیٹے طفیل بن جعدہ سے کہا کہ تمہارے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک کرسی ہے وہ مجھے دے دو۔ ابن جعدہ نے انکار کیا۔ لیکن جب مختار نے بہت اصرار کرنا شروع کیا تو انہوں نے ایک روغن فروش پڑوسی کے ہاں سے ایک پرانی کرسی لا کر مختار کے حوالے کر دی۔ مختار نے اس کرسی پر ریشمی غلاف چڑھا کر اور ایک خوبصورت صندوق میں رکھ کر عام زیارت کے لئے جامع مسجد میں رکھا اور اعلان کیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے تابوتِ سکینہ فتح ونصرت کی نشانی کے طور پر بھیجا تھا اسی طرح اس امت کے لیے یہ کرسی بھیجی ہے۔ ابن زیاد کے مقابلہ کے لیے جو فوج گئی اس کے ساتھ بھی برکت کے لئے ایک خچر پر لاد کر اور پردے ڈال کر یہ کرسی بھیجی گئی۔ جب میدانِ جنگ میں اہلِ کوفہ کو فتح ہوئی تو اسے اس کرسی ہی کی کرامت قرار دیا گیا۔

سادہ لوح دماغ اس قسم کے ہتھکنڈوں کا بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کرسی کے متعلق عوام میں مشرکانہ عقیدے پھیل گئے اور اس کے گرد خانہ کعبہ کی طرح طواف ہونے لگا۔

صحیح العقیدہ مسلمان اس بدعقیدگی پر کڑھے اور انہوں نے مختار کی حرکتوں پر بیزاری کا اظہار کیا، چنانچہ اعشیٰ ہمدانی کہتے ہیں:

شهدت عليكم انكم سبيئه — وانى بكم يا شرطة الشرک عارف

فاقسم ما كرسيّكم بسكينة — وان كان قد لفت عليه للفائف

وان ليس كالتابوت فينا وان — شيام حواليه ونهد وخارف

وانى امراء احبت آل محمدؐ — وتابعت و حيا ضمنته المصاحف

”میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سبائی مذہب کے ہو اور شرک کے پاسبان! میں تم کو خوب جانتا ہوں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوتِ سکینہ نہیں خواہ اس پر تم کتنے ہی غلاف چڑھاؤ اور نہ یہ تابوتِ سکینہ کی مانند ہے خواہ شیام اور نہد اور خارف اس کے گرد چکر لگائیں۔ میں تو محب آلِ محمدؐ ہوں اور صرف اس وحی کو مانتا ہوں جو کلامِ پاک میں محفوظ ہے۔“ 1

مصعب اور مختار کا مقابلہ

کوفہ پر مختار کے قبضہ کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ انہوں نے جامع کوفہ میں قرآن کریم کی ان آیات کے ذریعہ اپنا پیغام اہلِ کوفہ کو پہنچایا:

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طٰسٓمٓ ۚ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ○ نَتْلُوْا عَلَیْکَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ○ (پ ۲۰ ع ۴)

"یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ہم آپ کو موسیٰ اور ہارون کا کچھ حقیقی احوال سناتے ہیں اور ان لوگوں کے اطمینان کے لیے جو ایمان لائے ہیں اور درحقیقت فرعون ملک میں چڑھ رہا تھا اور اس نے اہلِ ملک کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا تھا اس نے ان میں ایک فرقہ کو کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا، درحقیقت وہ فسادی تھا۔"

یہ بنی امیہ اور ان کے غیر امویوں کے ساتھ مظالم کی طرف اشارہ تھا۔

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ وَنُمَکِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ۔ (پ ۲۰ ع ۴)

"ہم چاہتے تھے کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور بنائیں ان کو سردار اور ملک کا وارث اور جمادیں ان کو ملک میں۔"

یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کی متوقع کامیابی کی طرف اشارہ تھا۔

وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ۔ (ایضا)

"اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کے سامنے وہی خطرہ لائیں جس کا انہیں ڈر تھا۔"

یہ مختار ثقفی اور اس کی ہزیمت کی طرف اشارہ تھا۔

پھر کہا: اے اہل کوفہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے امراء کے لیے لقب تجویز کرتے ہو تو سن لو میں نے اپنا لقب جزار (قصائی) تجویز کیا ہے۔

مختار ثقفی کا قتل

اشرافِ کوفہ جو بصرہ میں آ آ کر جمع ہو گئے تھے انہوں نے مصعب رحمہ اللہ پر زور دیا کہ مختار پر جلد حملہ کیا جائے۔

۱۔ اخبار الطوال ص ۲۹۸۔ تاریخ ملت ج ا ص ۳۳۶

۲۔ الطبری ۵/۱۵۹۔ الانساب للبلاذری ۳/۳۶۔ ۵/۲۱۴

۳۔ الانساب للبلاذری ۵/۲۱۵

۴۔ الاخبار الطوال للدینوری ص ۳۰۶۔ الانساب ج ۵ ص ۲۶۰

۵۔ الانساب للبلاذری ج ۵ ص ۲۶۹

۶۔ الانساب للبلاذری ج ۵ ص ۲۳۳، ۲۶۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مصعبؓ نے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو جو فارس کا عامل تھا بصرہ بلالیا اور اس کو اور دوسرے سردارانِ کوفہ کو اپنے ساتھ ملا کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ مختار کو خبر ہوئی تو اس نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار کا لشکر دے کر مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ مقامِ مذار پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، مہلب فتح یاب ہوئے اور مختار کے آدمیوں کا پیچھا کرتے ہوئے کوفہ کے قریب پہنچ گئے۔

کوفہ میں مختار خود مقابلہ کے لیے نکلا۔ مگر اب وہاں کا رنگ بدل چکا تھا جب مختار اور اس کے ساتھی بازاروں میں گزرتے تو مکانوں کی چھتوں پر سے ان پر تیر برسائے جاتے اور گندگی پھینکی جاتی۔ مختار مجبور ہو کر قلعہ بند ہو بیٹھا۔
مصعب نے محاصرہ کو سخت کر دیا۔ جب مختار کو مایوسی ہوئی تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''اس طرح بھوکوں مرنے سے لڑتے ہوئے مرجانا بہتر ہے''۔ مگر اس کے ساتھی اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ آخر مختار انیس ساتھیوں کے ساتھ قصر کا دروازہ کھول کر نکلا اور لڑتا ہوا مارا گیا۔

مختار اور حُبّ دنیا کا اقرار

قتل ہونے سے پہلے مختار نے اپنے ایک معتمد ساتھی سائب بن مالک اشعری کو بلایا اور کہا: ''اے شیخ قصر سے نکلو کہ ہم دین کے لیے نہیں بلکہ حُبِ دنیا کے لئے اپنے دشمن کا مقابلہ کریں۔''
سائب نے کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون اے ابو اسحاق! لوگ تو یہ سمجھتے تھے کہ تم دین کی خاطر اس کام کے لیے کھڑے ہوئے ہو؟

مختار نے جواب دیا: ''میری جان کی قسم! نہیں، یہ سب طلبِ دنیا کے لئے تھا۔ میں نے دیکھا کہ شام عبدالملک کے قبضہ میں ہے، حجاز عبداللہ بن زبیرؓ کے زیرِ حکومت ہے، عروض پر نجدہ حروری کا تسلط ہے اور خراسان پر عبداللہ بن حازم حکمران ہے، میں ان میں سے کسی سے کم نہ تھا۔ میرے دل میں بھی حکومت کی آرزو نے چٹکیاں لیں۔ اس آرزو کو پورا کرنے کے لیے میں نے انتقامِ حسینؓ کو وسیلہ بنایا۔''
مصعب بن زبیرؓ نے مختار کا سر عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس مکہ معظمہ بھیج دیا اور اس کے ہاتھ کٹوا کر کوفہ کی جامع مسجد میں آویزاں کر دیئے۔ یہ واقعہ ۶۷ ہجری کا ہے۔ [۱]

مختار کے بارے میں تاریخ کے مسلّمات

۱۔ مروج الذہب مسعودی ج ۳ ص ۹۳۔ الانساب بلاذری ج ۵ ص ۲۰۸ ۲۔ الاخبار الطوال الدینوری ص ۳۰۷
۳۔ الطبری ج ۶ ص ۳۴۷ ۴۔ عباس قمی سنتہی ال آمال تہران ۱۳۷۹ھ صفحہ ۴۵۱ جلد ۱۔ علی نقی شہید انسانیت ص ۶۳۱
۵۔ رجال کشی بحوالہ مختار نامہ ص ۳۴۹
۶۔ تلخیص از تقریظ سید محمد ابراہیم قبلہ مجتہد العصر بحوالہ مختار نامہ صفحہ ۴۹۔ ۳۴۷، حقیقت مذہب شیعہ ص ۲۵۱۔ بحوالہ ''شیعیت تاریخ و افکار'' ص ۱۶۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آٹھواں باب:

شیعیت کا کردار

حضرت زین العابدینؒ کے دور میں!

سیدنا زین العابدینؒ کا تعارف

آپ کا اسم گرامی علیؓ بن حسینؓ اور لقب زین العابدین ہے۔ آپ کی کنیت ابو محمد، ابوالحسن اور ابوبکر ہے اور سجاد لقب ہے اور زین العابدین مشہور لقب ہے۔ ہجرت کے ۲۳ ویں سال مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق آپ کا سنِ پیدائش ۳۶ یا ۳۸ ہجری مذکور ہے۔ والدہ کا نام شہر بانو ہے۔ [1]

"حضرت محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ جب بنت یزدجرد حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آئیں تو مدینہ کی باکرہ لڑکیاں ان کا حسن و جمال دیکھنے بالائے بام آئیں۔ جب مسجد میں داخل ہوئیں تو چہرہ کی تابندگی سے مسجد روشن ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے جب ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے اپنا چہرہ چھپالیا اور کہا برا ہو ہرمز کا کہ اس کے سوئے تدبیر سے یہ روز بدنصیب ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مجھے گالی دیتی ہے۔ (کہ میرے دیکھنے کو روزِ بد کہا) اور ان کی اذیت کا ارادہ کیا۔ امیر المؤمنین (حضرت علی المرتضیٰؓ) نے کہا ایسا نہیں ہے اس کو اختیار دو کہ یہ مسلمانوں میں سے کسی کو اپنے لیے منتخب کرلے۔ اس کے حصہ غنیمت میں اس کو سمجھ لیا جائے۔ جب اختیار دیا گیا تو وہ لوگوں کو دیکھتی ہوئی چلیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ امیر المؤمنین نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے کہا جہان شاہ۔ حضرت نے فرمایا نہیں بلکہ شہر بانو۔ پھر حضرت حسین سے فرمایا اے ابوعبداللہ! تمہارا ایک بیٹا اس کے بطن سے پیدا ہوگا جو اہل زمین میں سب سے بہتر ہوگا۔ چنانچہ علی بن الحسین پیدا ہوئے۔ پس وہ بہترین عرب ہاشمی ہونے کی وجہ سے اور بہترین عجم تھے ایرانی ہونے کی وجہ سے اور مروی ہے کہ ابوالاسود دئلی شاعر نے حضرت زین العابدین کی شان میں یہ شعر کہا:

وہ ایسے لڑکے ہیں جن کا تعلق کسریٰ اور ہاشم دونوں سے ہے۔ جن بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالے جاتے ہیں اُن میں وہ سب سے بہتر ہیں۔" [2]

1۔ شواہد النبوۃ تصنیف علامہ عبدالرحمن جامی ص ۳۰۹ تذکرہ علی ابن حسین

2۔ اصول کافی ترجمہ جلد اول ص ۵۷۹ مطبوعہ کراچی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

واقعۂ کربلا کے بعد......

آپ چونکہ اپنے جدامجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بچہ تھے اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ لائق ذکر نہیں ہے، سن رشد کو پہنچنے کے بعد کربلا کا واقعہ ہائلہ پیش آیا، اس میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے، لیکن علالت کی وجہ سے شریکِ جنگ نہ ہوسکے، تاہم آپ واقعۂ کربلا کے عینی شاہد ہونے کی حیثیت سے اس کے سب سے معتبر راوی بھی ہیں۔

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کرادینا چاہا، لیکن خود اس کے ایک ساتھی کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا سبحان اللہ ہم اس نوخیز اور بیمار نوجوان کو جس نے جنگ میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا قتل نہیں کرسکتے، عمرو بن سعد بھی پہنچ گیا، اس نے شامیوں کو روک دیا کہ اس بیمار اور عورتوں سے کوئی شخص تعرض نہ کرے۔[1]

اہل بیتؓ کا ایک عقیدت مند شامی آپ پر بہت مہربان ہوگیا تھا، اس نے آپ کو چھپالیا، وہ آپ کی بڑی خدمت کرتا تھا، اس درجہ اس کو آپ کے ساتھ تعلق خاطر تھا کہ آپ کے پاس روتا ہوا آتا تھا اور روتا ہوا واپس جاتا تھا، اس کے اس شریفانہ برتاؤ سے آپ بہت متاثر ہوئے، لیکن عام شامیوں کی طرح دولت کے مقابلہ میں اس کی عقیدت بھی شقاوت سے بدل گئی، ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لئے تین سو اشرفی کا انعام مقرر کیا تھا، اس کے طمع میں شامی نے آپ کو باندھ کر ابن زیاد کے آدمیوں کے حوالہ کردیا۔[2]

ابن زیاد سے مکالمہ

گرفتاری کے بعد دوسرے حسینی قیدیوں کے ساتھ آپ بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے۔

اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا علی۔ نام سن کر اس نے کہا کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کردیا؟

آپ خاموش رہے، ابن زیاد نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام علی تھا، ان کو لوگوں نے قتل کیا۔

ابن زیاد بولا لوگوں نے نہیں بلکہ خدا نے قتل کیا، حضرتؒ خاموش رہے۔ ابن زیاد نے پھر پوچھا تو آپ نے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت فرمائیں:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا O (الزمر۔۴۲)

''اللہ ہی نفوس کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے۔''

وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ (آل عمران۔۱۵)

''اور کسی نفس کو بغیر خدا کے اذن کے مرنے کا اختیار نہیں ہے۔''

1۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷

2۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یہ آیت سن کر ابن زیاد نے کہا تم بھی انہی لوگوں میں ہو اور آپ کے قتل کا حکم صادر کر دیا، یہ حکم سن کر حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے؟

آپ کی پھوپھی حضرت زینبؓ یہ ظالمانہ حکم سن کر تڑپ گئیں اور حضرت زین العابدینؒ سے چمٹ کر ابن زیاد سے بولیں اگر تو انہیں بھی قتل کرنے پر آمادہ ہے تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے، لیکن حضرت زین العابدینؒ پر مطلق کوئی خوف وہراس طاری نہ ہوا۔

آپ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرتا ہے تو کم از کم کسی متقی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو جو انہیں حفاظت کے ساتھ وطن پہنچا دے، ان کا یہ استقلال دیکھ کر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا اور اس کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، چنانچہ اس نے عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے آپ کو چھوڑ دیا۔[1]

شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ

اس کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو یزید کے پاس شام بھجوا دیا، شام پہنچنے کے بعد یہ حضرات یزید کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیکھ کر حضرت زین العابدینؒ سے کہا، علی! جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ اس کا نتیجہ ہے کہ تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا، میرے حق سے غفلت کی اور حکومت میں جھگڑا کیا۔ حضرت ممدوح نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا۔ (حدید۔ ۲۲)

”تم کو زمین اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے۔“

یزید نے اپنے لڑکے خالد سے جو پاس بیٹھا تھا کہا کہ تم اس کو جواب دو، مگر وہ نہ دے سکا، تو یزید نے خود بتایا کہ تم یہ آیت پڑھو:[2]

وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ۔ (شوریٰ۔ ۴)

”اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتوں سے معاف کر دیتا ہے۔“

اس مجلس میں ایک شامی نے کہا کہ یہ قیدی ہمارے لئے حلال ہیں، حضرت علیؒ بن حسینؓ نے فرمایا تو جھوٹ بکتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تب بھی تیرے لئے یہ جائز نہیں، جب تک کہ تو ہمارے مذہب سے نکل نہ جائے، (یعنی اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے مسلمان قیدی عورت جائز نہیں ہے) یزید نے شامی کو خاموش کر کے بٹھا دیا۔[3]

1۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷ وابن اثیر ج ۴ ص ۷۰، ۷۱

2۔ طبری ج ۷ ص ۳۷۶

3۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اہل بیت کا معائنہ کرنے کے بعد یزید نے ان کو شاہی حرم سرا میں ٹھہرا دیا، یہ سب عورتیں ان کی عزیز تھیں، اس لئے تین دن تک یزید کے محل میں ماتم بپا رہا، جب تک یہ لوگ مقیم رہے یزید ان کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کرتا رہا، زین العابدینؒ کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھلاتا تھا۔[1] زین العابدینؒ نے واپس جانے کی خواہش کی۔[2] ان کی خواہش پر یزید نے سرکاری فوج کی نگرانی میں انہیں بحفاظت واپس کر دیا اور رخصت کرتے وقت زین العابدینؒ سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو حسین جو کہتے اسے مان لیتا اور ان کی جان نہ جانے دیتا، خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی بہر حال اب تو قضائے الٰہی پوری ہو چکی آئندہ جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے مجھے فوراً لکھنا۔[3]

حضرت زین العابدین کا شیعانِ کوفہ سے خطاب

کربلا سے واپسی پر جب کوفیوں نے آواز گریہ و نوحہ بلند کی تو حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ اب ہم پر نوحہ اور گریہ کرتے ہو۔ یہ تو بتاؤ تمہارے علاوہ ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟

سیدہ زینب بنت علیؓ نے بھی انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

> ”اے اہل کوفہ اے اہل مکر و غدر! تم ہم پر گریہ کرتے ہو تم ہی نے ہمیں قتل کیا ہے اور اپنے آپ کو ابدالآباد تک سزاوار جہنم کیا ہے۔“

سیدہ فاطمہ بنت حسینؓ نے فرمایا:

> ”اے اہل کوفہ اے اہل مکر و غدر! تم نے ہماری تکذیب کی اور ہم پر قتال کرنا حلال سمجھا کل کے روز تم نے علیؓ کو قتل کیا اور بسبب کینہ ہائے دیرینہ ہر وقت ہم اہل بیت کا خون تمہاری تلواروں سے ٹپکتا رہا اور ہمارے قتل کرنے سے تمہارے دل شاد ہوتے رہے۔“ (جلاء العیون)

حضرت زین العابدینؒ کی شیعیت سے بیزاری

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نام نہاد محبانِ اہل بیت کے کردار سے بخوبی واقف تھے اور ساتھ ہی وہ محبت اہل بیت میں بھی غلو کے سخت مخالف تھے، تمام غالی فرقوں سے انہوں نے برأت کا اظہار فرمایا اور فرماتے تھے:

> ”لوگو! ہمارے ساتھ اسلام والی محبت کرو، وگرنہ جس محبت کا تم ہم سے اظہار کرتے چلے آ رہے ہو، وہ تو ہمارے لیے باعث عار اور شرم ہو چکی ہے۔“

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

1۔ طبری ج ۷ ص ۳۷۸

2۔ طبری ج ۳ ص ۳۷۹

3۔ طبری ج ۳ ص ۳۷۹

4۔ ڈاکٹر مصطفیٰ شیبی کی کتاب: الصلۃ وبین التصوف والتشیع ۱۶۲۔ طبقات ابن سعد ۵ / ۱۵۸، الانساب، البلاذری ۳ / ۳۰۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"بخدا جس محبت کا تم ہم سے اظہار کرتے چلے آئے ہو اس سے تو تم نے لوگوں کو ہم سے متنفر کر دیا ہے۔" [1]

اور جب مختار ثقفی نے ان کو خط لکھا تو مسجد نبوی میں لوگوں کے سامنے آپ نے اسے بُرا بھلا کہا اور اس کے جھوٹ اور فسق و فجور کو کھول کر بیان کیا۔ [2]

نیز آپ نے فرمایا: "کچھ لوگ ہماری جماعت میں سے ہماری محبت میں اتنے بڑھ جائیں گے کہ ہمارے بارے میں ویسا ہی کہنا شروع کر دیں گے جیسا کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اور انصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا۔ ایسے لوگوں کا ہم سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے۔" [3]

ایک جماعت آئی اور حضرت علی بن حسین کی تعریف کی تو آپ نے ان پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا:

"تم کتنے جھوٹے اور اللہ کے مقابلہ میں جری ہو ہم تو اپنی قوم کے اچھے لوگوں میں سے ہیں اور ہمارے لیے یہی بس ہے کہ ہم اپنی قوم کے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔" [4]

حضرت زین العابدین کی صلح جو طبعیت

"اصمعی کہتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد صرف ان کے ایک ہی بیٹے علی بن الحسین (زین العابدین) سے تھی اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی نسل صرف آپ کے چچا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے ہی چلی تھی۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ مروان بن الحکم نے کہا آپ کسی لونڈی سے نکاح کر لیں۔ شائد آپ کی اولاد بکثرت ہو جائے۔ آپؒ نے فرمایا: میرے پاس اتنا روپیہ کہاں کہ میں لونڈیاں خریدوں۔ اس کے بعد مروان نے آپؒ کو ایک لاکھ درہم بطور قرض دیا۔ آپؒ نے ایک لونڈی خرید لی۔ اس سے اللہ نے آپ کو اولاد عطا فرمائی اور نسل بکثرت ہوگئی۔ پھر جب مروان بیمار پڑا تو وصیت کر گیا کہ میرے مرنے کے بعد حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ایک درہم بھی واپس نہ لینا۔ تمام حسینی حضرت زین العابدین کی ہی اولاد ہیں۔" [5]

"حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو قرض دیا۔ یہ واقعہ ان کے والد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا ہے۔ حضرت زین العابدین واپس مدینہ لوٹ آئے۔ یہ قرضہ چھ ہزار دینار تھا۔ پھر جب مروان مرنے لگا تو اپنے بیٹے عبدالملک کو وصیت کی کہ

1۔ طبقات ابن سعد ۵/ ۱۵۸

2۔ مروج الذہب، المسعودی ۳/ ۷۴۔ طبقات ۵/ ۱۵۸

3۔ رجال کشی ص ۱۱۱

4۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۸

5۔ البدایہ والنہایہ ج ۹ تذکرہ علی بن الحسینؒ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آپؒ سے ایک درہم بھی واپس نہ لینا۔ عبدالملک نے وصیت کے مطابق ایک آدمی کے ذریعہ آپؒ تک قرضے کی معافی کا پیغام پہنچایا تو آپؒ نے اس رعایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اصرار کرنے پر آپ راضی ہو گئے۔" 1

مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی

اعزہ کی شہادت، گھر کی بربادی اور اپنی بے کسی پر زین العابدینؒ کا دل ایسا ٹوٹ گیا تھا کہ مدینہ آنے کے بعد انہوں نے عزلت نشینی اختیار کر لی، اور آئندہ کسی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا، اور ہر فتنہ انگیز تحریک سے اپنا دامن بچاتے رہے۔ یزید نے بھی ہر موقع پر ان کا بڑا لحاظ رکھا۔

ابن زبیرؓ کا ہنگامہ اور زین العابدینؒ کی کنارہ کشی

حضرت سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد ہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اہلِ حجاز نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے اپنے یہاں سے اُموی عمّال کو نکال دیا۔ یزید نے حرمین کے باشندوں کی تنبیہ کے لئے مسلم بن عقبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا، اور امیر عسکر کو ہدایت کر دی کہ زین العابدینؒ کو گزند نہ پہنچنے پائے۔ اہلِ مدینہ مقابلہ میں آئے، لیکن نہایت فاش شکست کھائی، ہزاروں آدمی مارے گئے اور یزیدی فوج کئی دن تک مدینۃ الرسول ﷺ کو لوٹتی رہی، اس جنگ میں زین العابدینؒ اور ان کے اعزہ نے کوئی حصہ نہ لیا، بلکہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے، مدینہ کو ویران کرنے کے بعد جب مسلم 2 عقیق گیا تو زین العابدینؒ کو پوچھا، معلوم ہوا موجود ہیں۔ زین العابدینؒ کو خبر ہوئی تو وہ خود اس سے ملنے کے لئے آئے، اور اپنے ساتھ اپنے چچا زاد بھائیوں، ابو ہاشم عبداللہ اور حسن بن محمد بن حنفیہ کو بھی لیے آئے، مسلم بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ان سے ملا، انہیں اپنے تخت پر بٹھا کر مزاج پرسی کے بعد کہا، امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی تھی۔ آپؒ نے فرمایا، خدا ان کو اس کا صلہ دے۔ مسلم نے دونوں لڑکوں کے متعلق پوچھا، زین العابدینؒ نے کہا میرے چچیرے بھائی ہیں، یہ معلوم کر کے مسلم نے ان سے ملنے پر بھی مسرت ظاہر کی، اس خوش آئند ملاقات کے بعد زین العابدینؒ واپس گئے۔ 3

سیدنا زین العابدینؒ کے حالات و واقعات کے بغور مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ ایک سلیم الطبع، ذہین و متین اور معتدل مزاج شخص تھے۔ خود نمائی اور خود ستائی سے کوسوں دور۔ چنانچہ یزید بن معاویہؓ کی موت کے بعد جب شیعانِ علیؓ نے انہیں ورغلا کر "امامت" کے منصب پر بٹھانے کی کوشش کی تو زین العابدینؒ ہرگز ان کے بہکاوے میں نہیں

1۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۵۸ ترجمہ مروان بن الحکم

2۔ ابن سعد میں "مسرف" لیکن اور تمام تاریخوں میں مسلم نام ہے۔

3۔ اخبار الطوال ص ۲۷۵، ۲۷۶۔ و ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آئے، اور اپنے دامن کو شیعوں سے چھڑانے میں کامیاب ہو گئے۔

شیعہ مجتہد علامہ سید محمد طباطبائی لکھتے ہیں:

''امامِ چہارم مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے، اور گھر کے دروازے تمام لوگوں پر بند کر کے خدا کی عبادت میں مشغول ہو گئے، اور اپنے خاص شیعوں مثلاً ابوحمزہ ثمالی، ابوخالد کابلی، اور ایسے ہی چند دوسرے افراد کے سوا کسی اور سے نہیں ملتے تھے۔ البتہ یہ خاص لوگ اپنے امام سے جو تعلیمات حاصل کرتے آپ کے پیروکاروں تک پہنچادیتے تھے، اور اس طرح مذہب شیعہ روز بروز ترقی کرتا چلا گیا، جس کے بیشتر اثرات پانچویں امام (جعفر صادقؒ) کے زمانے میں رونما ہوئے۔'' 1

محمد بن حنفیہؒ اور زین العابدین میں اختلاف کی کہانی

سیدنا زین العابدینؒ ایک صلح جو انسان تھے، لیکن شیعہ مورخین نے آپؒ کی جو تصویر پیش کی وہ حقیقت کے بالکل برعکس ایک جاہ طلب انسان کی ہے، چنانچہ احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے:

''ابوجعفر یعنی حضرت باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب سیدنا حسین بن علی شہید ہو گئے تو محمد بن حنفیہ نے حضرت زین العابدین کو بلوا بھیجا اور ان سے تنہائی میں ملاقات کی پھر ان سے کہا کہ اے میرے بھائی کے لڑکے تم جانتے ہو کہ رسول خدا نے وصیت و امامت اپنے بعد علی بن ابی طالب کے لئے مقرر کی تھی، پھر علی کے بعد حسن کے لئے پھر حسین کے لئے اور تمہارے والد (حسینؓ) شہید ہو گئے اللہ ان سے راضی ہو اور ان پر اپنی رحمت نازل کرے اور انہوں نے کسی کو اپنا وصی نہیں بنایا اور میں تمہارا چچا ہوں اور تمہارے باپ کے برابر ہوں اور میری پیدائش علی سے ہے اور میرا سن بھی تم سے زائد ہے میں امامت کا بہ نسبت تمہارے زیادہ حق دار ہوں تم ابھی نوعمر بھی ہو لہٰذا وصیت و امامت کے متعلق مجھ سے نزاع نہ کرو اور میری مخالفت نہ کرو تو ان سے علی بن حسینؓ (زین العابدین) علیہ السلام نے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اس چیز کا دعویٰ مت کرو، جس کا تم کو حق نہیں ہے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے مت بنو اے میرے چچا بہ تحقیق میرے باپ نے اللہ کی رحمتیں ان پر ہوں مجھے وصی بنا دیا تھا، قبل اس کے کہ عراق کی طرف جائیں اور شہید ہونے سے کچھ پہلے مجھے احکام بھی دے دیئے تھے اور یہ ہتھیار ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میرے پاس لہٰذا (اے چچا) تم اس معاملہ کو نہ چھیڑو ورنہ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تمہاری عمر کم ہو جائے گی اور تم پریشان حال ہو جاؤ گے، بہ تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم کھالی ہے کہ وصیت اور امامت سوا اولاد حسین کے اور کسی کو نہ دے گا۔

1۔ ''شیعہ''۔ ص ۲۰۰۔ بحوالہ شیعیت تاریخ وافکار ص ۱۴۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پھر اگر تم اس بات کو جاننا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ حجر اسود کے پاس چلو ہم دونوں اس کو حکم بنائیں اور اس سے اس معاملہ کو پوچھیں۔ حضرت باقر علیہ السلام فرماتے تھے کہ یہ گفتگو ان دونوں کے درمیان میں جب ہوئی تو وہ دونوں مکہ میں تھے پس وہ دونوں حجر اسود کے پاس گئے تو زین العابدین نے محمد سے کہا کہ تم ابتداء کرو اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور یہ درخواست کرو کہ تمہارے لئے حجر اسود کو گویائی عطا فرمائے پھر حجر اسود سے (اس معاملے کو) پوچھو چنانچہ محمد بن حنفیہ نے دعا میں بہت گریہ وزاری کی اور اللہ سے درخواست کی پھر حجر اسود کو پکارا لیکن حجر اسود نے جواب نہ دیا تو حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ اے چچا اگر تم وصی اور امام ہوتے تو حجر اسود ضرور تم کو جواب دیتا پھر محمد بن حنفیہ نے کہا کہ اچھا اے بھتیجے تم تو اللہ سے دعا کرو، چنانچہ حضرت زین العابدین نے اللہ سے جو ان کی مراد تھی دعا مانگی پھر فرمایا کہ اے حجر اسود تجھ سے پوچھتا ہوں اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تیرے اندر نبیوں کا عہد و پیمان اور وصیوں کا عہد و پیمان اور تمام لوگوں کا عہد و پیمان رکھا ہے کہ تو ہم کو صاف عربی زبان میں بتا دے کہ حسین بن علی کے بعد وصی اور امام کون ہے؟ پس حجر اسود نے جنبش کی یہاں تک کہ قریب تھا کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، پھر اس کو اللہ نے صاف عربی زبان میں گویائی عطا فرمائی اور اس نے کہا کہ بار خدایا تحقیق وصیت اور امامت اور امامت حسین ابن علی بن ابی طالب کے بعد علی کے لئے ہے جو بیٹے ہیں حسین بن علی بن ابی طالب کے اور بیٹے ہیں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس محمد بن حنفیہ لوٹ گئے، اس حال میں کہ وہ حضرت زین العابدین سے محبت کرتے تھے۔ 1

اس روایت سے جس حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ مسئلہ امامت سے بے خبر نہ تھے، اس کے باوجود بھی انہوں نے حضرت زین العابدین کی بجائے خود پسند امامت پر فائز ہو کر انہیں اپنے تعاون پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اصول کافی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مسئلہ امامت بطور راز کے اللہ نے جبرائیل سے بیان کیا اور جبرائیل نے بطور راز کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا اور اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور راز کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس سے چاہا یعنی جس کو اہل دیکھا اس سے بطور راز کے بیان کیا۔ اس روایت زیر بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہل تھے۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ سے ان کو باخبر کر دیا تھا، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ صرف حضرت حسین تک کے اماموں سے واقف تھے آگے ہونے والے آئمہ کی ان کو خبر نہ تھی نیز اس سے بھی ناواقف تھے کہ خدا قسم کھا چکا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کے سوا کسی کو امامت نہ دے گا، ورنہ وہ نہ اپنے لئے امامت کا دعویٰ ان غلط دلائل کی بناء پر کرتے کہ میں علی کا بیٹا ہوں۔ کبیر السن اور تجربہ کار ہوں اور نہ حضرت زین العابدین کی امامت سے انکار کرتے یا یہ بات ہو کہ محمد بن حنفیہ جانتے سب کچھ تھے مگر جس طرح حضرت حسن کی اولاد حاسد تھی اور حسن کی وجہ سے

1۔ احتجاج طبرسی ص ۱۶۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت حسین کی اولاد سے بغض و عناد رکھتی تھی، آئمہ کی امامت کا انکار کرتی تھی۔ اسی طرح محمد بن حنفیہ حسد کی وجہ سے بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے تھے۔

دوسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت زین العابدین نے اپنے والد کی وصیت کی رو سے خود کو امام قرار دیا یہ کیوں نہ کہا کہ خدا کی طرف سے بارہ اماموں کا تقرر ہو چکا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی یہ مسئلہ طے ہو چکا تھا بارہ اماموں کے نام سربمہر لفافے خدا کی طرف سے جبرائیل نے لاکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے تھے اور رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کئے تھے ان لفافوں میں میرے نام کا بھی ایک لفافہ ہے۔

بہرحال اس روایت سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لخت جگر محمد بن حنفیہ امام چہارم کی امامت کے منکر تھے اور اپنی امامت کے مدعی تھے اور کتب شیعہ میں یہ بات مسلم طور پر مذکور ہے کہ جو شخص امامت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے خواہ علوی یا فاطمی ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا محمد بن حنفیہ کا کفر تو قابل انکار نہ رہا اب اس کفر کے بعد ان کا تائب ہونا صراحۃً کہیں منقول نہیں۔ اس روایت کے آخری لفظ سے استنباط کر لینا قابل التفات نہیں ہو سکتا۔

اس پوری روایت کا مطالعہ کرنے والا شخص اس بات کو بہرحال سوچنے پہ مجبور ہو جاتا ہے کہ حضرت زین العابدین نے اپنے چچا کو نہ تو قرآن و حدیث کے ذریعہ قائل کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی وہ تختی پڑھائی جس پر آئمہ کے نام تھے اور نہ انہیں کسی ایسی نشانی کا کوئی ٹکڑا دکھایا جو آئمہ کو ایک دوسرے سے وراثتاً ملتی ہے تاکہ وہ اسے دیکھتے اور مطمئن ہو جاتے اور انہیں حجر اسود سے فیصلہ ہی نہ لینا پڑتا۔

> ''ادھر روضہ کافی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید دوران خلافت حج کی غرض سے جب مدینہ منورہ پہنچا تو ایک قریشی کو بلوا کر اس سے اپنی فضیلت کا اقرار کروانا چاہا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا جس پر اسے قتل کروا دیا۔ پھر یزید نے حضرت زین العابدین کو بلوایا اور انہیں بھی وہی کچھ کہا جو قریشی نوجوان کو کہا تھا۔ زین العابدین نے یزید کو جواب دیا کہ اگر میں تیری فضیلت کا اقرار نہ کروں تو کیا مجھے بھی قریشی کی طرح قتل کروا دے گا؟ یزید بولا ہاں۔ تو حضرت زین العابدین نے کہا، اچھا میں تمہاری خواہش کا اقرار کرتا ہوں۔ میں مجبور غلام ہوں اگر چاہے تو مجھے رکھ لے اور چاہے تو بیچ ڈال۔ یہ سن کر یزید نے کہا، تو نے بہت اچھا کیا۔ اپنا خون بھی بچا لیا اور تمہاری بزرگی پر بھی کوئی حرف نہیں آیا۔'' 1

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے جب یزید کی فضیلت کا اقرار کیا۔ تو یہ بعینہٖ اس کی خلافت و امامت کو تسلیم کرنا ہے۔ اگر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ خلافت و امامت کو اپنے حق میں منصوص من اللہ یا منصوص من الرسول سمجھتے تو پھر یزید جیسے شخص کو فضیلت کا اقرار کیوں کرتے؟ اگر اس بیعت و اقرار کو تقیہ پر محمول کیا جائے اور مجبوری اور ڈرپوکی کی

1۔ (ا۔ الروضہ من الکافی جلد ۸ ص ۶۷۸ حدیث یزید لعنہ اللہ مع علی بن الحسین الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۶۷۸ زندگی امام سجاد و مصائب و احزان آنحضرت۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایک تصویر سمجھی جائے تو یہ غلط ہوگا۔ کیونکہ کتب شیعہ اس بات کی بھرپور تائید وتوثیق کرتی ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں آنے والے تمام امام جس طرح علم وفضل میں تمام لوگوں پر سبقت لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح شجاعت وجوانمردی میں بھی ان کی کوئی نظیر نہیں ہوتی۔ [1]

جیسا کہ اصول کافی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلم نحن فی الامر والفہم والحلال والحرام نجری مجریٰ واحدٍ۔ [2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (یعنی ائمہ اہل بیت) علم اور شجاعت میں برابر ہوتے ہیں۔ نیز فرمایا: کہ ہم حکومت دانائی اور حلال وحرام کے معاملہ میں ایک دوسرے کے قائم مقام ہوتے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق ہر امام کا بہادر ہونا ضروری ہے۔ تو پھر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بارے میں "ڈر کے مارے" بیعت کرنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ بالفرض ایسا ہوا ہو تو بھی امامت وخلافت کے منصوص ہونے کی گپ فاش ہو جائے گی۔ کیونکہ ان قائلین سے پوچھا جا سکتا ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ایک شخص کو امام وخلیفہ مقرر کریں تو اس کا اس تقرری سے ہٹ جانا دو اعتبارات سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو ہٹنے والے کو اللہ اور اس کے رسول کے عجز کا اقرار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ اس کا دفاع نہ کر سکے۔ یا اس کے منصوص ہونے کی تردید ہوگی۔ ان دونوں اعتبارات میں سے دوسرے اعتبار کے شواہد موجود ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت زین العابدین نے نذر مان رکھی ہے کہ میں خلافت وامامت ظاہری قبول نہ کروں گا۔ حالانکہ اس نذر پر کوئی خوف ورعب طاری نہ تھا۔ اب فیصلہ کیجئے کہ حضرت زین العابدین تو خلافت وامامت ظاہر نہ کرنے کی نذر مان رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تا عمر آپ خلیفہ اور امام نہیں بنیں گے اور شیعہ آپ کو ظاہری خلیفہ وامام ماننے پر مصر ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی نذر پوری نہ کی۔ اب کس کی بات قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے؟

ادھر حضرت زین العابدین قولاً اور فعلاً امامت کی تردید فرما رہے ہیں۔ قولاً اس طرح کہ میں نے نذر مان لی ہے کہ امامت قبول نہیں کروں گا اور فعلاً اس طرح کہ یزید کی بیعت قبول کر رہے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ خود حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے نزدیک امامت وخلافت میں "منصوص من اللہ" کا تصور ہونا ناقابل قبول ہے۔ آپ نے ساری زندگی نہ امامت قبول کی اور نہ خلافت سنبھالی۔

حضرت زین العابدینؒ کی "امامت" سے عدم دلچسپی اور لاتعلقی

یزید کی موت کے بعد ایک موقع پر حصین بن نمیر سے آپ کی ملاقات ہوئی، حصین نے حضرت سے پوچھا، تم کون

1۔ عقائدِ جعفریہ جلد دوم ص ۲۷۱

2۔ اصول کافی جلد اول ۲۷۵ کتاب الحجہ باب فی ان الائمۃ فی العلم والشجاعۃ والطاعۃ سواء مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہو؟ حضرت نے فرمایا میں علی بن الحسین ہوں۔ پھر حضرت نے اس سے پوچھا، کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حصین بن نمیر ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرت اس کو پہچان گئے کہ یہ کربلا میں لشکر یزید کے ساتھ تھا اور بڑے بڑے ظلم کیے تھے۔ مگر حضرت نے ان باتوں کا کوئی خیال نہ کیا اور اس سے پوچھا اب میں جاؤں؟ اس نے کہا نہیں یزید مر گیا اور دنیا بے خلیفہ کے ہو گئی ہے۔

لوگ ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جس کی بیعت کریں۔ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلئے۔ تا کہ پوری دنیا کو آپ کا تابع کر دوں۔ کیونکہ اس وقت روئے زمین پر آپ کے سوائے کوئی امام برحق نہیں ہے۔ آپ ہی مسلمانوں کے بادشاہ ہوں۔ حضرت نے فرمایا میں نے خدائے عزوجل سے نذر کی ہے کہ (ظاہری) بادشاہت قبول نہیں کروں گا۔ یہ فرما کر حضرت نے اپنا اونٹ بڑھایا اور حصین بن نمیر کے خیمہ کے دروازے پر وہ کل سامان اتار کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔[1]

مختار کا خروج اور زین العابدینؒ کی علیحدگی

ایسے زمانے میں مختار بن ابی عبید ثقفی حصولِ حکومت کی طمع میں محب اہل بیت کے روپ میں خونِ حسینؓ کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا، ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے، اس نے مقصد برآری کے لئے زین العابدینؒ کے پاس ایک گرانقدر رقم نذر بھیج کر درخواست کی، کہ آپ ہمارے امام ہیں، ہم سے بیعت لے کر ہماری سرپرستی قبول فرمائیے۔ لیکن آپ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے، اس لئے اس کی درخواست ٹھکرا دی، اور مسجد نبوی میں جا کر اس کے فسق و فجور اور کفر و الحاد کا پردہ فاش کر کے فرمایا کہ اس نے محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہلِ بیت کو آڑ بنایا ہے، اس کے فریب میں نہ آنا، ان سے مایوس ہو کر مختار نے محمد بن حنفیہؒ کی طرف رجوع کیا، یہ اس کے فریب میں آ گئے۔ زین العابدینؒ نے انہیں بھی روکا کہ اہل بیتؓ کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے مختلف ہے، وہ محض محبانِ اہل بیتؓ کو مائل کرنے کے لئے محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، اس لئے میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے۔ ابن حنفیہؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت سے تمام محبانِ اہل بیتؓ خصوصاً اہل ہاشم کے دل زخمی تھے، اور ایسی حالت میں جذبات، واقعات اور حقیقت دونوں پر غالب آ جاتے ہیں، اس لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی مختار کی حمایت کی اور ابن حنفیہؒ کو زین العابدینؒ کا کہنا ماننے سے روکا۔[2]

اس کے بعد مختار اٹھا اور بنی اُمیہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، لیکن حضرت زین العابدینؒ ان سب سے کنارہ کش رہے اور مختار کے قتل ہو جانے کے بعد بھی اس پر لعنت بھیجتے رہے۔ ابو جعفر کا بیان

1۔ تاریخ ائمہ ص ۲۹۴ چوتھا باب، حالات حضرت زین العابدین۔ مطبوعہ لاہور

2۔ مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۷۹، ۴۸۰، ۴

3۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے کہ علی بن حسین بابِ کعبہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے۔ ایک شخص نے کہا، خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت میں مارا گیا؟ فرمایا: وہ کذاب تھا اور خدا اور رسول ﷺ پر بہتان باندھتا تھا۔[3]

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس عزلت نشینی اور کنارہ کشی کے باوجود ابتداء میں عبدالملک کو آپ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا، چنانچہ اس نے آپ کو مدینہ سے شام جبراً بلوالیا تھا، لیکن پھر امام زہری نے آپ کی جانب سے صفائی پیش کی کہ زین العابدینؒ کی جانب سے آپ کی بدگمانی غلط ہے، انہیں دن رات اپنے نفس اور خدا کی عبادت سے کام ہے، وہ کسی جھگڑے میں نہ پڑیں گے، زہری کی اس سفارش پر اس نے رہا کر دیا۔[1]

لیکن غالباً یہ بالکل ابتدا کا واقعہ ہے، ورنہ بعد میں دونوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے تھے۔ مروان اور عبدالملک دونوں انہیں بہت مانتے تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ زین العابدینؒ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ سلامت رو اور مطیع تھے، مروان اور عبدالملک تمام اہل بیتؓ میں ان کو سب سے زیادہ مانتے تھے۔[2]

خلفائے ثلاثہ کے گستاخوں کو حضرت زین العابدینؒ کی بددعا

حضرت زین العابدینؒ عقائد کے حوالے سے نہایت حساس تھے اور اپنے شیعوں کے روز بروز بگڑتے عقائد پر از حد متفکر بھی، بالخصوص محبتِ اہل بیتؓ کی آڑ لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہنے والوں کے بارے میں آپ کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے، چنانچہ صاحبِ کشف الغمہ لکھتے ہیں:

وقدم الیہ نفر من العراق فقالوا فی ابی بکر وعمر وعثمان رضی اللّٰہ عنھم فلما فرغوا من کلامھم قال لھم الا تخبرونی انتم "المھاجرون الأولون الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللّٰہ ورضوانا وینصرون اللّٰہ ورسولہ اولٰئک ھم الصادقون؟" قالوا لا قال فانتم "الذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" قالوا لا قال اما انتم قد تبرأتم ان تکونوا من احد ھذین الفریقین وانا اشھد انکم لستم من الذین قال اللّٰہ فیھم والذین جآء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا، اخرجوا عنی فعل اللّٰہ بکم۔[3]

"حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس عراقی وفد آیا اور اس نے ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی

1۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۵

2۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹

3۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد دوم ص ۷۸ مطبوعہ تبریز فی فضائل الحضرت زین العابدین

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رضی اللہ عنہم کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ کہے۔ جب وہ تبرہ بازی کر چکے تو حضرت زین العابدین نے انہیں کہا: کیا تم مجھے اس کی خبر نہیں دیتے کہ بقول قرآن جو لوگ ''پہلے پہل مہاجرین جنہیں ان کے گھروں اور اموال سے دور کر دیا گیا۔ وہ اللہ سے اس کا فضل اور رضامندی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ وہی سچے ہیں'' کیا تم ان میں سے ہو۔ انہوں نے کہا، نہیں۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا: کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کی شان یہ ہے وہ لوگ جو ہجرت کرنے والوں سے پہلے دارالہجرت میں مقیم اور ایمان پر قائم ہیں اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں کو دوست رکھتے ہیں اور جو کچھ ہجرت کرنے والوں کو دیا گیا اس کے متعلق اپنے دلوں میں خواہش نہیں رکھتے اور اپنی ذات پر مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ انہیں اس کی خود بھی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ (القرآن)

کہنے لگے ہم ان میں سے بھی نہیں۔ پھر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ تم خود ہی ان دو فریقوں میں سے ہونے کا انکار کر بیٹھے اور میں تمہارے بارے میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تم اس فریق میں بھی نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے حق میں کھوٹ نہ رکھ۔ یہ فرما کر انہیں حکم دیا کہ میرے سامنے سے دور ہو جاؤ اور اللہ تمہاری بدکلامی کی تمہیں سزا دے۔''

شیعوں (سبائیوں، مجوسیوں اور یہودیوں) کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ عالم اسلام میں امن نہ ہو اور امت مسلمہ باہم دست و گریباں رہے تا کہ فتوحات اسلامی کا سیلاب جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں امڈ آیا تھا وہ رک جائے اور عالم کفر و شرک اور یہودیت و مجوسیت سکھ کا سانس لے۔ جنگ جمل و صفین کے بعد سانحہ کربلا کے ذریعے انہوں نے پھر اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ لیکن حضرت زین العابدینؒ ان ساری کارستانیوں کو سمجھ گئے تھے اور شیعہ بزعمِ خود انہیں منصبِ امامت پر فائز کرنے کے باوجود بھی ان سے کوئی کام نہ لے سکے!!

علامہ طباطبائی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ''کربلا کا واقعہ ایک اہم عنصر تھا۔ جس کے فوری اثر نے بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور مذہب شیعہ کی بنیاد بہت مضبوط ہو گئی اس واقعہ کا فوری اثر یہ ہوا کہ انقلاب اور شورشیں شروع ہو گئیں اور ساتھ ہی خون ریز جنگوں کا ایک طویل سلسلہ بھی شروع ہو گیا جو بارہ سال تک جاری رہا۔''[1]

سوال یہ ہے کہ شیعوں نے کس کی ہدایت پر یہ شورشیں شروع کی تھیں؟ حضرت زین العابدین تو بقول ان کے گوشہ نشین ہو گئے۔ انہوں نے اپنے گھر کے دروازے شیعوں کے لئے بند کر دیئے اور انہیں ملاقات تک کا شرف نہیں بخشا۔ کیونکہ وہ ان کے کردار سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے۔ جس طرح حضرت حسنؓ نے شیعوں سے تنگ آ کر خلافت حضرت

1۔ ''شیعہ'' صفحہ ۱۹۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

معاویہؓ کے حوالے کر دی تھی۔ اسی طرح حضرت زین العابدین نے داخلی انتشار و خلفشار کے باوجود خلفائے بنوامیہ کی حمایت جاری رکھی۔

زین العابدین رحمہ اللہ سے شیعوں کا حسنِ سلوک

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ اپنے حسنِ کردار کی بدولت شیعوں کے دامِ فریب میں نہ آئے تو شیعوں نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر انہیں بدنام کرنے اور ان کے مقام سے گرانے کیلئے لایعنی روایات کا ایک طومار وضع کیا اور ان کے سر تھوپ دیا۔ آج کم و بیش چودہ صدیوں بعد ایسی بیسیوں یا شاید سینکڑوں روایات حضرت زین العابدین رحمہ اللہ سے منسوب ہو کر شیعوں کی امہات الکتب کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ اور شیعیت کے عقائد کا درجہ رکھتی ہیں۔ بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

(۱) ''ابوحمزہ الثمالی نے کہا کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عمر، حضرت زین العابدین کے پاس تشریف لائے اور کہا اے ابن الحسین! تم یہ کہتے ہو کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے عذاب میں اس لیے مبتلا کیے گئے کہ انہیں تمہارے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت پیش کی گئی۔ تو انہوں نے توقف کیا۔ (کیا یہ درست ہے؟) حضرت زین العابدین نے فرمایا: تمہاری ماں تمہیں گم پائے یہ بات حق ہے۔ اس پر ابن عمر نے کہا آپ مجھے اس بارے میں کوئی نشانی دکھلائیں۔ حضرت زین العابدین نے کہا کہ میری اور اپنی آنکھیں پٹی سے باندھ لو جب باندھ دیں ایک ساعت کے بعد فرمایا: کھول دو۔ جب کھولا تو دیکھا کہ ہم تو ٹھاٹھیں مارتے دریا (سمندر) کے کنارے کھڑے ہیں۔ ابن عمر نے کہا یا سیدی! میرا خون آپ کی گردن پر ہے۔ یہ کلمہ اپنے دل میں کہا پھر حضرت زین العابدین نے مچھلی کو بلایا تو فوراً ایک مچھلی نے پانی میں سے پہاڑ کی طرح سر نکالا اور کہنے لگی اے اللہ کے ولی! میں آ گئی ہوں۔ میں حاضر ہوں حضرت زین العابدین نے کہا تو کون ہے۔ کہنے لگی وہی مچھلی ہوں جس نے یونس کو نگلا تھا۔ آدم سے لے کر تمام انبیاء کرام حتیٰ کہ آپ کے جدامجد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ نے تم اہل بیت کی ولائت پیش کی جس نے وہ قبول کر لی سلامتی میں رہا اور جس نے اس کے قبول کرنے میں توقف کیا تو اسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پریشانی، نوح علیہ السلام کو ڈوبنے کا خطرہ، ابراہیم علیہ السلام کو نار نمرود سے واسطہ، یوسف علیہ السلام کو اندھے کنوئیں میں گرانا، ایوب علیہ السلام کو تکالیف کا سامنا، داؤد علیہ السلام کو غلطی اور گناہ سے واسطہ پڑنا یہاں تک کہ یونس علیہ السلام کی طرف اللہ نے وحی کی کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت اور ائمہ راشدین جو ان کی پشت سے آنے والے ہیں۔ ان کی ولایت کا اقرار کرو۔ تو انہوں نے کہا۔ یا اللہ! میں نے جسے دیکھا نہیں، جسے جانتا نہیں، اس سے کیسے دوستی کروں۔ غصہ ہو کر چل پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے (مچھلی کو) کہا، یونس کو نگل جا لیکن اس کی ہڈیاں نہ ٹوٹنے پائیں۔ میں نے نگل لیا۔ وہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

چالیس دن میرے پیٹ میں رہے۔ میں انہیں تین اندھیروں میں مختلف سمندروں میں لئے پھرتی رہی۔ وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ" پڑھتے رہے اور جب یہ کہا کہ میں نے حضرت علی اور ائمہ راشدین کی ولایت کو قبول کیا تو اللہ نے مجھے حکم دیا اسے اُگل دو۔ میں نے سمندر کے کنارے اُگل دیا اس کے بعد حضرت زین العابدین نے اس مچھلی کو چلے جانے کا حکم دیا۔ مچھلی پانی میں چلی گئی اور پانی برابر ہو گیا۔ انتہیٰ۔

یعنی ان تمام انبیاء کرام کو جو مصائب درپیش آئے ان کا ایک ہی سبب تھا کہ انہوں نے ولایت علی اور ولایت آل علی کے ماننے میں توقف کیا۔ جب مصیبت پڑی تو پھر اس کا اقرار کر کے رہائی حاصل کی۔ ورنہ ان کا توقف ناقابل معافی جرم تھا۔ جس کی سزا میں تخفیف بھی نہیں ہو سکتی تھی۔"[1]

(۲) وقال علی بن الحسین ع یغفر اللہ للمؤمنین کل ذنب ویطهر منه فی الاٰخرة ما خلا ذنبین ترک التقیة وتضییع حقوق الاخوان۔[2]

"حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کو اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے تمام گناہ معاف کر دے گا اور ان سے پاک کر دے گا مگر دو گناہ ہرگز معاف نہ ہوں گے۔ 1۔ تقیہ نہ کرنے کا گناہ۔ 2۔ اپنے بھائیوں کے حقوق کو ضائع کرنے کا گناہ۔

اس "حدیث" سے معلوم ہوتا ہے کہ بروز حشر قتل، زنا، شراب نوشی اور بڑے سے بڑا گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ لیکن جس نے تقیہ نہ کیا۔ یعنی صریح جھوٹ نہ بولا۔ اس کا یہ گناہ ناقابلِ معافی ہے۔ گویا باقی گناہ تو اس کے مقابلہ میں گناہ ہی نہیں۔ اور اگر یوں کہہ دیا جائے تو بھی مفہوم یہی ہوگا کہ مذہب شیعہ میں حق وصداقت پہ قائم رہنا ایک جرم ہے۔ اور یہ جرم اللہ کے حضور سب سے بڑا جرم وگناہ ہے۔ لہٰذا اس کی ضد تقیہ (صریح جھوٹ بولنا) اللہ کے نزدیک تمام نیکیوں سے اعلیٰ اور ارفع نیکی ہے۔

شیعوں کا فرقۂ کیسانیہ

حضرت زین العابدین کی گوشہ نشینی یا شیعوں سے بیزاری کی وجہ سے شیعوں میں ایک نئے فرقے کی بنیاد پڑ گئی۔ جس کا نام فرقہ کیسانیہ ہے۔

کیسانیہ فرقہ کے لوگ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ حضرت محمد کی والدہ کا تعلق قبیلہ بنو حنفیہ سے تھا اور اس نسبت سے انہیں محمد بن الحنفیہ کہا جانے لگا۔ یہ ۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ عہد عثمان غنیؓ میں

1۔ انوار النعمانیہ ص ۸ مطبوعہ ایران طبع قدیم بحث تعداد حروف اسم اعظم

2۔ جامع الاخبار ص ۱۰۸ فصل ثالث واربعون فی التقیہ مطبوعہ نجف اشرف

3۔ برھان اپریل ۱۹۶۰ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

باشعور تھے۔ ۳۵ھ میں حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوئے۔ یہ ان کے ہوش کا واقعہ ہے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ بصرہ آئے جنگ جمل میں حضرت علیؓ نے علَم انہیں دیا تھا اور اس طرح ان کو حضرت علیؓ سے براہِ راست امامت ملی۔ اس کے بعد جنگ صفین میں بھی یہ علَمبردار تھے۔ [3]

واقعہ کربلا کے بعد محمد بن حنفیہؒ دمشق گئے۔ یزید نے الگ محل رہائش کے لیے دیا اور ان کی نہایت ہی تکریم کی۔

جب ذی الحجہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور محمد بن حنفیہؒ سے بھی بیعت توڑنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ: میں یزید کی صحبت میں رہا ہوں میں نے اسے نماز و نیکی کا پابند اور متبع سنت پایا اور لوگ اس سے فقہی مسائل دریافت کرتے تھے۔ [1]

محمد بن حنفیہؒ نے عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلے میں عبدالملک بن مروانؒ کی بیعت کی اور وظائف و تحائف لے کر مدینہ واپس آ گئے۔ جہاں ۸۱ھ میں ان کا وصال ہوا۔

محمد بن حنفیہؒ سے عقیدت نے یہ رخ اختیار کیا کہ ان کے پیروؤں نے ان کی وفات ۸۱ھ کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ وہ مستور ہو گئے ہیں اور عنقریب ظاہر ہوں گے۔ [2]

کیسان کے متعلق ارباب تحقیق میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیسانیہ کی نسبت کیسان کی طرف ہے...... بعض کہتے ہیں مختار ہی کا نام کیسان تھا۔ بعض کی رائے میں کیسان حضرت علیؓ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ بعض کے نزدیک آپ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے شاگرد کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بجیلہ کا آزاد کردہ غلام تھا اور اس کا نام زاذان فارس تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مختار نے اس کا یہ لقب رکھا ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے اس کو فرمایا تھا: یا کیس، یا کیس۔ اس کا تثنیہ کیسان بنا دیا گیا۔

تیسری صدی ہجری کے مشہور رافضی مؤرخ النوبختی کے بیان کے مطابق کیسان مختار کا لقب تھا۔ اس نسبت سے اس کا پیدا کردہ گروہ فرقہ کیسانیہ اور مختاریہ کہلاتا تھا۔ [3]

لیکن شہرستانی کے بیان کے مطابق یہ دونوں فرقے ہیں۔ کیسانیہ حضرت علیؓ کے ایک ساتھی یا غلام کی طرف منسوب ہے۔ [4]

علامہ محمد طباطبائی لکھتے ہیں کہ!

1۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۳۳ جلد ۸

2۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ ''کیسانیہ'' بحوالہ شیعیت تاریخ وافکار ص ۱۵۲

3۔ فرق الشیعہ صفحہ ۲۶، ۲۴

4۔ الملل والنحل صفحہ ۱۹۶ جلد ۱

5۔ ''شیعہ'' صفحہ ۵۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"دنیا کے تمام ادیان و مذاہب میں بہت سے فرقے موجود ہیں خصوصاً چار آسمانی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور اسلام میں...... مذہب شیعہ میں پہلے تین اماموں کے زمانوں میں کوئی فرقہ موجود نہیں تھا۔ لیکن امام سوم کی شہادت کے بعد شیعوں کی اکثریت حضرت علی بن حسین کی پیروکار اور قائل ہوگئی۔ جبکہ اقلیت نے جس کو کیسانیہ کہا جاتا ہے، حضرت علیؑ کے تیسرے بیٹے محمد بن حنفیہ کو اپنا امام بنالیا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق محمد بن حنفیہ چوتھے امام ہیں اور وہی امام مہدی ہیں۔ جو کوہ رضویٰ میں غائب ہوگئے تھے اور آخری زمانے میں امام مہدی کے نام سے ظاہر ہوں گے۔[5]

موصوف نے کیسانی شیعوں کو اقلیتی اور امام چہارم کے پیروکاروں کو اکثریتی گروہ قرار دیا۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ امام کی گوشہ نشینی کے بعد سارے شیعہ مختار کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے تھے۔ جو اپنے آپ کو محمد بن حنفیہ کے نائب کے طور پر متعارف کراتا تھا۔

سید علی حیدر نقوی لکھتے ہیں کہ!

کیسان حضرت علیؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کیسان کی نسبت سے یہ فرقہ کیسانیہ کہلاتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ اس بات کے معتقد تھے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کے بعد حضرت علیؑ کے سب سے بڑے بیٹے محمد بن حنفیہ امام تھے اور حضرت زین العابدینؓ امام نہیں تھے۔ وجہ یہی تھی کہ حضرت زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد مظالم بنی امیہ کے باوصف خاموش تھے اور عبادت و درس میں مصروف رہتے۔ انتقام کے لئے تلوار نہیں اٹھائی لیکن محمد بن حنفیہ نے ان مظالم کے خلاف تلوار اٹھائی اور شہید ہوئے۔ آپ علم، زہد، تقویٰ میں مشہور تھے۔ یہ فرقہ اب بھی موجود ہے۔[1]

کیسان کے لفظ کا استعمال سب سے پہلے اس شیعہ گروہ "الموالی" کے لئے ہوا جن کا سرگروہ کیسان ابوعمرہ تھا۔ جس کی حمایت مختار ثقفی نے کی لیکن بعد میں اس کا مصداق وسیع تر ہوگیا اور اس میں وہ لوگ بھی شامل کر لئے گئے۔ جنہوں نے ان خیالات کو تسلیم کیا جو مختار کے زیر قیادت شیعہ گروہ میں پھیل چکے تھے اور جن کا اثر بعد میں بھی بہت عرصہ تک رہا۔ جب کچھ مدت گزرنے پر گمنام شخص کیسان عملاً بھلا دیا گیا تو کیسان کی توجیہ یہ کی جانے لگی کہ یہ مختار کا لقب تھا قدیم تر طبقۂ کیسانیہ کا دوسرا نام اس وجہ سے "مختاریہ" ہوگیا۔

اس کے علاوہ کیسانیہ کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ کیسان کی طرف جو حضرت علیؓ کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھا۔ منسوب ہے۔ یہ غلام جنگ صفین میں قتل ہوا۔ کہا گیا ہے کہ مختار نے اپنے عقائد اسی سے اخذ کئے تھے۔

کیسانیہ کو خشبیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک خاص قسم کی لکڑی (خشب) کا ڈنڈا ہتھیار کے طور پر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ "خشبیہ" (لٹھ باز) دراصل کوفے کے ان موالی کا اہانت آمیز نام تھا۔ جو لاٹھیوں سے مسلح تھے اور مختار ثقفی کے

1۔ ادیان عالم اور فرقہ ہائے اسلام کا تقابلی مطالعہ صفحہ ۱۳۷

2۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ صفحہ ۹۴۳ جلد ۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ساتھیوں کا جزوِ غالب تھے اور اس کے سپہ سالاروں مثلاً ابراہیم بن مالک الاشتر کی سرکردگی میں جنگ میں شریک ہوئے۔ جن سپاہیوں نے مختار کے حکم سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور محمد بن الحنفیہ کو عبداللہ بن زبیرؓ کی قید سے رہائی دلوائی انہیں خشبیہ کہا گیا۔ بظاہر وہ خود اپنے ڈنڈوں کو "کافرکوبات" کہتے تھے۔ بعد کے زمانے میں اس قسم کے ہتھیار ابومسلم خراسانی کے ساتھیوں کے پاس بھی پائے گئے اور ۲۵۱ھ میں بغداد کی خانہ جنگی کے زمانے میں انہیں عوام میں تقسیم کیا گیا تھا۔ [2]

بہر حال یہ فرقہ واقعہ کربلا کے بعد حضرت زین العابدین کی شیعوں سے بیزاری اور علیحدگی کے بعد پیدا ہوا۔ جس نے محمد بن حنفیہ کی طرف دعوت دی اور مختار ثقفی کی زیر قیادت اسلام کے خلاف اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

الشہرستانی کے بیان کے مطابق کیسانی محمد بن الحنفیہ کو تمام علوم کا مالک مانتے تھے اور کہتے تھے کہ انہوں نے دو سیدوں (یعنی الحسنؓ اور الحسینؓ) سے تمام باطنی، تاویلی اور مخفی علوم نیز کرہ ہائے افلاک اور ارواح کا علم حاصل کر لیا تھا۔ کچھ زمانے کے بعد ایسے کیسانی پیدا ہوئے جنہوں نے ابن الحنفیہ کو اپنے والد (حضرت علیؓ) کا بلاواسطہ جانشین امام قرار دیا اور اس طرح حضرات حسنینؓ کو درمیان سے بالکل خارج کر دیا۔ اس کے ثبوت میں انہوں نے ایک روایت پیش کی کہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ نے جھنڈا ان کے سپرد کیا تھا۔ غالباً یہ عقیدہ امامیوں اور زیدیوں کے مقابلے میں پیدا ہوا۔ محمد بن حنفیہ کی وفات کے بعد کیسانیوں میں پھوٹ پڑ گئی اور یہ فرقہ حسب ذیل فرقوں میں بٹ گیا۔

کیسانیہ کے فرقے

۱۔ **کریبیہ**......کیسانیہ کا یہ فرقہ ابوکریب ضریر سے منسوب ہے غالباً یہ وہی شخص تھا۔ جس نے اس نظریہ کی (جو کریبیہ کا امتیازی عقیدہ ہے) اشاعت کی کہ ابن حنفیہ مسیح علیہ السلام کی طرح پھر ظہور کریں گے۔ الاشعری نے مقالات الاسلامیہ میں ان کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ ان کے امام محمد بن الحنفیہ ابھی زندہ ہیں وہ مدینہ منورہ کے مغرب میں رضویٰ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ جہاں دائیں جانب ایک شیر اور بائیں جانب ایک چیتا ان کی حفاظت کرتا ہے اور صبح وشام ان کے لئے کھانا آجاتا ہے۔ چنانچہ اپنے خروج کے وقت تک وہ وہیں رہیں گے۔

کریبیہ کے نزدیک امام کو اس طرح چھپا رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک خاص کام تجویز کر رکھا ہے۔ عبدالقاہر البغدادی نے بھی اپنی کتاب "اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْفِرَقْ" میں ان کے قیام "رضویٰ" کا حال انہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ بقول ان کے امام کے قریب ہی ایک چشمہ پانی کا اور ایک شہد کا موجود ہے اور یہی چشمے ہیں جن سے وہ ہر روز اپنی خوراک حاصل کر لیتے ہیں۔ الشہرستانی نے بھی اگرچہ اس بات کا ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلے میں خاص طور سے کریبیہ کا حوالہ نہیں دیا۔

المنصور باللہ عبداللہ بن حمزہ نے (العقد الثمین میں) اس خیال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رضویٰ میں امام فرشتوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں (جیسا کہ ابن حزم نے بھی لکھا ہے) اور یہ کہ بزمان غیبت کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی آنکھ کی ہے جو اس

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کی مخلوقات کو دیکھ رہی ہے ان میں سے کئی ایک باتوں کا سلسلہ ظہور مسیح کے قدیم عقیدے سے جاملتا ہے اور تقریباً سب کے سب کثیر اور السید الحمیری کے اشعار میں ملتے ہیں چنانچہ ملاحدہ کے مختلف فرقوں میں جس کسی نے قلم اٹھایا اس نے اپنی معلومات انہیں سے حاصل کیں۔

شیعوں میں عبداللہ بن سبا کے بعد ابو کریب وہ پہلا شخص ہے جس نے عقیدہ غیبت اور رجعت (یعنی امام صاحب الزمان کے غائب ہو جانے اور پھر دوبارہ واپس آنے) کی دعوت دی۔ شیعوں کے تمام فرقوں نے امام غائب کے بارے میں دل کی تسلی کے لئے یہ سبق اسی ابو کریب سے سیکھا ہے۔

۲۔ **بیانیہ** ...... بیان بن سمعان تمیمی کے ماننے والے اس فرقے والے لوگ حضرت زین العابدینؒ (۶۱ھ تا ۹۴ھ) کے زمانے تک رہے۔ یہ بیان سید زین العابدین پر جھوٹ بولتا تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ امامت محمد بن حنفیہ سے ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ بن محمد کی جانب منتقل ہو گئی تھی۔ پھر ابو ہاشم نے بیان بن سمعان تمیمی کے حق میں وصیت کر دی تھی۔ بیان بن سمعان کے بارے میں اس فرقے کے لوگ مختلف الخیال ہیں۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ نبی تھا اور اس نے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منسوخ کر دیا۔ بعض اس کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۳۸ "هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ" (عام لوگوں کے لئے تو یہ قرآن بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے) کے متعلق اس فرقہ کا بانی بیان بن سمعان کہا کرتا تھا کہ میرا ہی نام "بیان ھدی اور موعظت" ہے وہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نور سے بنا ہوا ایک آدمی ہے۔ چہرہ کے سوا اس کا سب بدن فنا ہو جائے گا۔ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" (القصص نمبر ۸۸) (اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے)۔[1]

......☆......

1۔ بحوالہ تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۳۶۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عبدالملک بن مروان کے خالص عہد حکومت میں

خوارج کی شورشیں اوران کا استیصال

۷۳ھ تا ۸۶ھ

عبدالملک بن مروان کا عہد دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا دور ۶۵ھ تا ۷۲ھ، آٹھ سالوں پر محیط ہے۔ یہ زمانہ باہمی خانہ جنگی میں گزرا اور دنیائے اسلام پر عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیرؓ کی متوازی حکومتیں قائم رہیں۔ دوسرا دور عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد ۷۳ھ تا ۸۶ھ، یہ عرصہ عبدالملک بن مروان کا خالص دور تھا اور تمام دنیائے اسلام پر عبدالملک بن مروان کا اقتدار قائم رہا اس دور میں حسب ذیل واقعات پیش آئے۔

خارجیوں کی بغاوت

خوارج کا گروہ پہلی مرتبہ حضرت علیؓ کے عہد میں اُبھر کر سامنے آیا تھا، اس کے بعد سے وہ مسلسل فتنہ انگیزیاں کرتے چلے آ رہے تھے۔ عبدالملک کو بھی ان کی شورشوں کا سامنا کرنا پڑا، عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانے میں خارجیوں میں شدید اختلافات ظاہر ہوئے اور وہ چار گروہوں فرقہ ازارقہ، نجدیہ، ایاضیہ اور صفریہ میں تقسیم ہو گئے تھے۔

خارجی بڑے بہادر اور جانباز تھے۔ متعدد مرتبہ ان کی سرکوبی کی مہم شروع ہوئی، جس وجہ سے عارضی طور پر ان کا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شیرازہ بکھر جاتا تھا، لیکن مکمل طور پر ان کا خاتمہ نہ ہوتا اور جب بھی انہیں موقعہ ملتا اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ عبداللہ بن زبیر ﷺ کی شہادت کے بعد عبدالملک کے عہد میں مختلف حصوں میں خارجیوں کی بغاوت رونما ہوئی۔

ابوفدیک خارجی

عبدالملک کے عہد میں ایک خارجی سردار ابوفدیک جس کا تعلق قبیلہ بنوقیس بن ثعلبہ سے تھا، اس نے ۷۳ھ میں بحرین میں شورش کی اور وہ بحرین پر قابض ہو گیا۔ عبدالملک کو جب بحرین میں ابوفدیک کی شورش کی اطلاع ملی تو عمر بن عبیداللہ بن معمر کو اس کی سرکوبی پر مامور کر کے بھیجا۔ ابوفدیک اور اس کے چھ ہزار ساتھی مارے گئے اور آٹھ سو گرفتار ہوئے۔

صالح بن مسرح تمیمی خارجی

قبیلہ بنوامراء القیس کے صالح بن مسرح تمیمی خارجی نے ۷۶ھ میں موصل اور جزیرہ میں شورش کی، صالح بن مسرح خارجی فرقے صفریہ کے عقائد کا ماننے والا بڑا عابد وزاہد تھا۔ جزیرہ اور موصل میں تعلیم دیتا تھا۔ اس وجہ سے یہاں اس کا اثرورسوخ تھا۔ اس نے یہاں لوگوں کو خروج پر اُبھارا اور شبیب بن یزید بن نعیم شیبانی خارجی سردار نے بھی خط لکھ کر صالح بن مسروح کو بغاوت پر اُکسایا، صالح بن مسروح نے جواب میں شبیب بن یزید خارجی کو لکھا کہ "میں تمہارے ہی انتظار میں ہوں، جتنی جلدی ممکن ہو پہنچ جاؤ تا کہ ایک ساتھ خروج کر سکیں"۔ شبیب بن یزید اپنے ساتھیوں اور بھائی مضاد بن یزید کے ہمراہ اس کے پاس پہنچ گیا اور وہ مل کر مقابلے کے لئے نکلے اور انہوں نے والئ جزیرہ میں محمد بن مروان کے سواری کے جانوروں کو پکڑ کر ان پر قبضہ کر لیا۔ محمد بن مروان کو خارجیوں کی اس حرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے عدی بن عدی کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ عدی مزاجاً صلح جو تھے وہ معرکہ آرائی سے گریز کرتے رہے، اور وہ انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا، جس میں عدی کو شکست ہوئی اس کے بعد محمد بن مروان نے خالد بن جزر کو خارجیوں کے مقابلے میں بھیجا جس میں صالح اور شبیب کو شکست ہوئی اور صالح مارا گیا اور شبیب بن یزید نے راہِ فرار اختیار کی۔

خارجی شبیب بن یزید کی شورش

صالح بن مسروح تمیمی کے مارے جانے کے بعد خارجیوں نے شبیب بن یزید کے ہمراہ بھاگ کر ایک قلعہ میں پناہ لے لی تھی۔ حجاج نے حارث بن عمیرہ کی قیادت میں ایک لشکر اس کے مقابلے میں بھیجا۔ حارث نے رات کی تاریکی کی وجہ سے لڑنا مناسب نہ تھا اور قلعہ کے دروازہ پر آگ جلوادی تا کہ محصورین رات کو باہر نہ نکل سکیں اور صبح ہوتے ہی ان سے مقابلہ کیا جائے گا۔ شبیب نے رات کی تاریکی میں حارث پر حملے کا ارادہ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ کے پھاٹک پر جلنے والی آگ سے بچ کر باہر نکل آیا اور حارث کے لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ حارث کا لشکر رات کی تاریکی میں اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکا، حارث بھی زخمی ہوا اور انہیں شکست ہوئی۔ شبیب بن یزید مال واسباب لوٹ کر موصل چلا گیا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور اس کے بعد شبیب نے عام لوٹ مار اور قتل و غارت گری شروع کر دی۔ حجاج کو جب اس کی ان سرگرمیوں کا علم ہوا تو اس نے سفیان بن ابی العالیہ کو مقابلے کے لئے بھیجا، لیکن شبیب کے مقابلے میں سفیان بن ابی العالیہ کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان پے در پے شکستوں کے بعد حجاج نے جنرل بن سعید کندی کو چار ہزار کی جمعیت کے ہمراہ شبیب کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور ایک لشکر سعید بن مجالد کی قیادت میں اس کی مدد کو روانہ کیا۔

قطیطیا کے مقام پر شبیب بن یزید سے معرکہ ہوا۔ جس میں جنرل بن سعید زخمی ہوا اور سعید بن مجالد مارا گیا یہ صورتحال حجاج کے لئے پریشان کن تھی۔ کیونکہ اس کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجے گئے۔ لیکن انہیں شبیب کے مقابلے میں ناکامی ہوئی، بالآخر حجاج نے عبدالملک کو شبیب کی قیادت میں خارجیوں کی یلغار اور عراق کے حالات کے متعلق لکھا اور امدادی فوج طلب کی۔

عبدالملک بن مروان نے سفیان بن ابرد کلبی اور حبیب بن عبدالرحمن کی قیادت میں پچاس ہزار کا لشکر روانہ کیا۔ لیکن امدادی فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی حجاج نے عتاب بن ورقاء کو پچاس ہزار کا لشکر دے کر شبیب کی جانب روانہ کر دیا تھا۔ ساباط کے قریب عتاب بن ورقاء اور خارجیوں کے درمیان معرکہ ہوا۔ خارجیوں کی تعداد صرف ایک ہزار تھی اس کے باوجود عتاب کے لشکر کو شکست ہوئی اور عتاب بن ورقاء بھی مارا گیا۔ اس شکست سے حجاج سخت پریشان ہوا اور وہ خود مقابلے کے لئے نکلا۔ اس مرتبہ بھی خارجی بڑی بہادری سے لڑے اور دو روز تک مسلسل لڑائی ہوتی رہی، آخر کار خارجیوں کے قدم اکھڑ گئے اور شبیب نے راہِ فرار اختیار کی اور بھاگ کر کرمان پہنچ گیا۔ حجاج نے اس کے تعاقب میں سفیان بن البرد کلبی کو بھیجا اور والیٔ بصرہ حکم بن ایوب کو مدد کے لئے لکھا، سفیان بن ابرد کلبی اور شبیب بن یزید خارجی کے درمیان اہواز میں معرکہ ہوا۔ سفیان بن البرد کلبی نے نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور جب شبیب بن یزید کو اپنی کامیابی کا امکان نظر نہ آیا تو اس نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دجلہ عبور کر کے فرار ہونے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر پل کے وسط میں پہنچا تو گھوڑا بدک گیا اور شبیب خارجی گھوڑے کے ساتھ دریا میں گر گیا اور مر گیا اور اس طرح شبیب کی شورش کا خاتمہ ہو گیا۔

خارجی سردار قطری اور عبدربہ

قطری بن فجاءۃ خارجی فرقہ ازارقہ کا پیروکار اور سردار تھا۔ خارجیوں نے اس سے ایک خارجی کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ جو اس کے پیروکار کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ قطری نے قصاص سے انکار کر دیا اس سے خارجیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ گروہ جو قصاص کے لئے بضد تھا قطری کے خلاف ہو گیا۔ مہلب کو جب خارجیوں کے باہمی اختلاف کا علم ہوا تو اس نے خارجیوں کے اختلافات کو مزید ہوا دینے کے لئے ایک نصرانی کو قطری کے پاس بھیجا اور یہ ہدایت دی کہ پہنچتے ہی قطری کے سامنے سجدہ کرنا۔ اس نصرانی نے قطری کے سامنے سجدہ کیا تو خارجیوں نے مشتعل ہو کر اس نصرانی کو قتل کر دیا اور ان کے اختلافات میں شدت آ گئی اور ایک گروہ نے قطری سے علیحدگی اختیار کر کے عبدربہ ابکیر کو سردار بنایا، قطری اس واقعہ سے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بدظن ہوکر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ طبرستان چلا گیا اور عبدربہ ابکیر کرمان میں رہ گیا۔

مہلب بن ابی صفرہ نے خارجیوں کے اختلافات سے فائدہ اٹھایا اور قطری کے چلے جانے کے بعد فوراً عبدربہ ابکیر پر حملہ آور ہوا، عبدربہ اور اس کے ہمراہیوں نے مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں بالآخر عبدربہ ابکیر اور اس کے ساتھی مارے گئے۔ اس کے بعد حجاج نے سفیان بن البرد کلبی کی قیادت میں ایک لشکر قطری بن فجاءۃ کی سرکوبی کے لئے طبرستان بھیجا۔ طبرستان میں ایک پہاڑی کے مقام پر قطری سے مقابلہ ہوا اس دوران اس کے بہت سے ساتھی اس سے علیحدہ ہو گئے اور قطری بھی گھوڑے سے گر کر شدید زخمی ہو گیا اور ایک غار میں جا گرا اس دوران ایک اجنبی شخص یہاں سے گزر رہا تھا، جس سے قطری نے پانی مانگا۔ قطری کا لباس اور قیمتی ساز و سامان کی تمنا میں اس اجنبی شخص نے قطری کو مارنے کی کوشش کی، جس کا شور و غل سن کر شامی سپاہی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے پہچان کر قطری کو قتل کر دیا۔ سفیان بن البرد کلبی کی یلغار سے خارجیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور خوارج کی شورشوں کا خاتمہ ہو گیا۔

نواں باب:

شیعیت کا کردار

حضرت محمد باقرؒ کے دور میں

حضرت محمد باقرؒ کا مختصر تعارف

حضرت محمد باقرؒ کی کنیت ابوجعفر اور لقب باقر ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ آپ مختلف علوم میں یدطولیٰ اور مہارت کاملہ کے مالک تھے۔ ان کی تشریح و تفسیر پر مکمل دسترس تھی۔ آپ کی والدہ فاطمہ نامی ہیں جو حسن بن علی کی بیٹی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں بروز جمعہ صفر کی ۱۳ تاریخ ۵۷ھ میں ہوئی۔ یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تین سال پہلے۔ ۱۱۴ھ میں ستاون برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ جنت البقیع میں اپنے والد محترم کے پہلو میں مدفون ہیں۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا، جب ان کی بصارت ختم ہو چکی تھی۔ میں نے انہیں سلام عرض کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر پوچھا، تم کون ہو؟ میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں محمد بن علی بن

1۔ الکشی ۲۰۸۔ ۲۵۵۔ الملل والنحل ۲/ ۷۷

2۔ الفکر السلفی، الجابری ۹۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حسین ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے میرے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور میرے پاؤں چومنے کا ارادہ کیا، لیکن میں ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

محبت اہل بیت میں غلو کرنے والوں کے متعلق آپؒ کا موقف

حضرت محمد باقرؒ علم وتقویٰ کے بلند مقام پر فائز تھے اور محبتِ اہل بیت میں غلو کرنے کو قطعاً ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپؒ نے ان غلات کے بارے میں فرمایا: ''انہوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے۔'' اور آپ نے ''بیان'' نامی ایک غالی شیعہ راوی اور اس کے اتباع پر لعنت بھیجی، نیز ابو منصور پر لعنت بھیجی اور اسے اپنی مجلس سے بھگا دیا۔ [1]

ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا: ''بخدا ہمارے اور اللہ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں۔ نہ ہی ہمارے لیے اللہ پر کوئی حجت ہے اور اللہ سے تقرب کا طریقہ ہمارے پاس سوائے اس کی اطاعت کے اور کچھ نہیں۔'' [2]

اور فرمایا ''جو لوگ اس کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں یہ جھگڑالو ہیں اور جس نے بھی سنت سے تجاوز کیا اس نے سنت پر رد کیا۔''

محمد باقر اور ان کے بھائی کے درمیان ''امامت'' کا جھگڑا

''ابان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے احول نے بیان کیا کہ زید فرزند حضرت زین العابدین نے مجھے بلا بھیجا ایسے وقت میں کہ وہ (بادشاہِ وقت کے خوف سے) روپوش تھے، چنانچہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ کے والد یا آپ کے بھائی ہوتے تو میں ان کے ساتھ نکلتا۔ زید نے کہا (اچھا اب میں صاف کہتا ہوں) میں خود خروج کا اور اس قوم سے جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں تم میرے ساتھ نکلو۔ احول صاحب فرماتے ہیں میں نے کہا نہیں، میں ایسا نہ کروں گا۔ زید نے مجھ سے کہا کہ کیا تم جان کو مجھ سے عزیز رکھتے ہو؟ میں نے ان سے کہا کہ میری جان تو ایک جان ہے (اس کا عزیز رکھنا ہی کیا) مگر بات یہ ہے کہ اگر زمین میں اللہ کی کوئی حجت موجود ہے تو پھر جو تمہارے ساتھ نہ جانے والا ہلاک ہو گا اور اگر اللہ کی کوئی حجت زمین میں نہیں تو پھر تمہارے ساتھ جانے والا اور نہ جانے والا دونوں یکساں ہیں۔''

احول کہتے ہیں پھر مجھ سے زید نے کہا، اے احول میں اپنے والد مکرم کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتا تھا تو وہ مجھے چکنی روٹی کھلاتے تھے اور میرے لئے گرم لقمے کو ٹھنڈا کرتے تھے تا کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے، یہ شفقت ان کو مجھ پر تھی، مگر انہوں نے دوزخ کی آگ کا خوف میرے لئے نہ کیا کہ دین سے تجھ کو باخبر کیا اور مجھے خبر نہ دی۔

مسئلہ امامت پر حضرت باقر اور زید بن علی کا اختلاف

حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لوگوں کے کچھ خطوط لئے امام ابوجعفر کے پاس آئے۔ ان خطوط میں انہوں نے جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہاں آنے کی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دعوت دی اور اپنے جمع ہونے کی اطلاع کی تھی اور خروج کا حکم دیا تھا۔ یہ دیکھ کر امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، کیا یہ خطوط ابتداءً ان کی طرف سے ہیں یا تمہارے کسی خط کے جواب میں لکھے گئے، یا تم نے اس امر کی انہیں دعوت دی؟ اس کے جواب میں جناب زید نے کہا، ان کی ابتداء ان کی طرف سے ہے، کیونکہ وہ لوگ ہمارے حقوق سے بخوبی واقف ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری قرابت کا انہیں بخوبی علم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہمارے ساتھ دوستی کے وجوب کو اور اطاعت کے فرض کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں اور اس لئے کہ انہوں نے ہماری تنگدستی، پریشان حالی اور مصائب کو بخوبی جانا ہے۔ یہ سن کر حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، بے شک اللہ کی طرف سے اطاعت فرض کی گئی ہے۔ اور یہ ایسا طریقہ ہے جو پچھلے گزرے لوگوں میں چلا آ رہا ہے اور اسی طرح بعد میں آنے والوں میں بھی جاری رہے گا اور ہم میں سے کسی ایک کی اطاعت لازم ہے، اور ہم تمام سے محبت ومودت لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے اولیاء میں جاری ہوتا ہے یہ حکم متصل جاری ہے۔ (حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے امام مہدی تک) یہ رجوع ان کی طرف فیصل شدہ ہے اور یقینی امر ہے، اور ایک وقت مقررہ تک اس کی مدت معین ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پر یقین نہ رکھنے والے کہیں تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دیں۔ (چونکہ تم امام منصوص من اللہ ہونے کا ارادہ رکھتے ہو لہٰذا) یہ لوگ تمہیں عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتے۔ لہٰذا تم جلد بازی سے کام نہ لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کی جلد بازی کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا اور تم اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ ورنہ مصیبت تمہیں عاجز کر دے گی اور نیچے گرا دے گی۔ یہ سن کر جناب زید بن علی کو غصہ آ گیا اور کہا، ہم میں سے امام ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور مکان کے سامنے پردے ڈالے رکھے۔ اور جہاد سے روگردانی کر کے بیٹھ جائے۔ بلکہ ہمارا امام ایسا ہوتا ہے جو اسلامی حدود سے لوگوں کو روکے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرے جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اور رعایا سے ظالموں کے ظلم کو دور کرے اور اپنے حرم (مستورات) کی حفاظت کرے۔ [1]

اس روایت کی تشریح وتفصیل کرتے ہوئے ملا قزوینی وضاحت وصراحت سے لکھتے ہیں کہ:

"جناب زید بن علی حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی بات سن کر غصہ میں آ گئے اور کہا، امام تم نہیں بلکہ میں ہوں۔ اس لئے کہ تلوار ہاتھ میں لے کر جہاد کرنا امامت کی شرائط میں سے ایک شرط ہے، تم میں نہیں بلکہ مجھ میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت زید نے مزید فرمایا کہ ہم اہل بیت رسول میں سے وہ شخص امام نہیں ہو سکتا جو گھر میں بیٹھ رہے اور پردہ ڈال کر خود جہاد سے روگردانی کرے اور دوسروں کو بھی اس سے روگردانی کی ترغیب دے۔ البتہ ہم میں سے امام وہ ہے جو اپنے ملک کو دشمن کے نقصان سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے اور اس سے اس کی دلچسپی ہو۔ اپنی رعیت کے نقصان کو ختم کرنے کی کوشش کرے اور اپنی حفاظت سے نقصان کو ختم کر دے۔" [2]

1۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۵۶ کتاب الحجۃ

2۔ الصافی شرح اصول کافی ج ۲ جزء سوم، حصہ اول، کتاب الحجۃ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت زیدؒ نے حضرت باقرؒ کی امامت کو دلائل قاہرہ سے رد کر دیا

ابان سے مروی ہے کہ خبر دی مجھے احول نے کہ زید بن علی بن حسین نے کسی کو ان کی تلاش میں بھیجا۔ اس زمانہ میں زید چھپا ہوا تھا۔ پس میں ان کے پاس آیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا، اے ابو جعفر! اگر ہم میں سے کوئی آنے والا تمہارے پاس آئے تو کیا تم اس کے ساتھ خروج کرو گے؟ میں نے کہا، اگر آپ کے باپ یا بھائی ہوں گے تو میں ان کے ساتھ خروج کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اس قوم سے جہاد کرنے کو نکلوں۔ لہٰذا تم میرے ساتھ ہو۔ میں نے کہا ایسا نہ کروں گا۔ انہوں نے کہا، کیا تم مجھ سے نفرت کرتے ہو؟ میں نے کہا میری ایک اکیلی جان ہے، آپ کو اس سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے اگر روئے زمین پر خدا کی کوئی حجت (منصوص من اللہ امام) ہے تو آپ سے روگردانی کرنے والا ناجی ہے، اور آپ کے ساتھ نکلنے والا ہلاک ہونے والا ہے اور اگر روئے زمین پر کوئی حجت خدا نہ ہو تو آپ سے روگردانی کرنے والا اور آپ کے ساتھ خروج کرنے والا دونوں برابر ہیں۔ انہوں نے کہا اے ابو جعفر! تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب میں دستر خوان پر کھانا کھاتا تھا، تو میرے پدر بزرگوار میرے منہ میں لقمہ دیتے تھے اور عمدہ گوشت کی بوٹیاں مجھے کھلاتے تھے اور گرم لقموں کو پھونک کر ٹھنڈا کرتے تھے تاکہ گرم نہ کھاؤں۔ یہ شفقت تھی میرے حال پر، تو جب کھانے کی گرمی میرے لیے برداشت نہ کرتے تھے، تو کیا دوزخ میں میرا جانا برداشت کر لیتے بایں طور کہ جس امر سے تم کو آگاہ کیا مجھے اس کی خبر نہ دی۔" [1]

ذکر شدہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا قزوینی حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "احول نے کہا: پس زید نے مجھے کہا، اے ابو جعفر! میں اپنے والد گرامی کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتا تھا، وہ موٹے گوشت میں سے ایک ٹکڑا توڑ کر مجھے کھلاتے تھے اور میرے لیے گرم لقمہ کو ٹھنڈا کرتے تاکہ میں اس کو بغیر تکلیف کے کھالوں۔ تو جو میری خاطر اتنا غم کیا کرتے تھے وہ دوزخ کی آگ کی گرمی کا میرے لیے غم نہ کھائیں گے؟ پس جب انہوں نے تجھے اس بات کی خبر دی جس میں آخرت کی نجات ہے اور مجھے اس کی خبر نہ دی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جو کچھ تو کہتا ہے حق تھا، تو وہ مجھ سے کہہ دیتے۔" [2]
>
> میں نے زید سے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لئے انہوں نے آپ کو اس مسئلہ کی خبر نہ دی، ان کو اندیشہ ہوا کہ اگر آپ قبول نہ کریں گے تو دوزخ میں جائیں گے اور مجھے اس

1۔ الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اول مترجم ظفر حسن نقوی شیعی ص ۲۰۰، ۲۰۱ مطبوعہ کراچی

2۔ الصافی شرح اصول کافی ج ۱، جزء سوم حصہ اول ص ۲۳

3۔ احول کے اس جواب سے ایک نفیس بات یہ معلوم ہوئی کہ آئمہ معصومین علیہم السلام جس سے محبت رکھتے تھے اس کو مسئلہ امامت کی تعلیم نہ دیتے تھے کہ کہیں وہ انکار کر کے دوزخی نہ ہو جائے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مسئلہ کی خبر دی کہ اگر قبول کرلوں تو نجات پاؤں اور نہ قبول کروں تو میرے دوزخ میں جانے کی ان کو کچھ پرواہ نہ تھی۔[3]

حضرت زید بن علیؒ کا تقویٰ وطہارت میں بلند مقام

حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں، میں نے محمد بن خالد سے پوچھا کہ جناب زید بن علی کے بارے میں اہل عراق کے کیا خیالات وجذبات ہیں؟ کہنے لگے، میں تمہیں عراقیوں کی بات نہیں بتا رہا بلکہ مدینہ میں رہنے والے ایک نازلی نامی شخص کی زبانی یہ بات بتا رہا ہوں۔ وہ فرماتے تھے کہ میں مدینہ اور مکہ کے درمیان سفر کے دوران زید بن علی کے ساتھ شریک سفر تھا۔ وہ فرضی نماز ادا فرماتے، پھر ایک نماز کے بعد دوسری نماز تک درمیانے وقت میں نوافل کے اندر مشغول رہتے۔ اور رات بھر اسی طرح نماز پڑھتے گزار دیتے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح بکثرت کرتے اور یہ آیت بار بار پڑھتے:

وَ جَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنۡتَ مِنۡهُ تَحِيۡدُ O

”اور آئی سکراتِ موت حق کے ساتھ اور یہ وہی ہے جس سے تو کتراتا تھا“۔

انہوں نے ایک رات ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر یہی آیت لوٹاتے رہے، اور اس وقت آدھی رات ہو چکی تھی۔ میں جب جاگا، تو دیکھا انہوں نے ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں: ”اے میرے اللہ! دنیا کا عذاب قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں بہت آسان اور نرم ہے“۔

پھر میں اٹھا اور ان کے قریب جا کر عرض کیا، اے رسولِ خدا کے بیٹے! آپ نے آج کی رات اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی عاجزی اور انکساری کی کہ میں نے ایسی عاجزی کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ کہنے لگے، اے نازلی! تجھ پر افسوس، میں نے آج رات بحالت سجدہ دیکھا، خدا کی قسم! میں کل تک زندہ نہ رہوں کیا دیکھتا ہوں، کہ لوگوں کی ایک جماعت میرے سامنے پیش کی گئی، ان کے کپڑے ایسے تھے کہ جنہیں دیکھ کر آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس جماعت نے میرے گرد گھیرا ڈال لیا، اور میں سجدہ میں ہوں۔ تو ان میں سے ایک بڑے نے کہا کہ جس کی باتوں پر وہ سبھی عمل کرتے اور کان لگا کر اس کی باتوں کو سنتے ہیں۔ کیا یہ وہی ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں وہی ہے۔ اس سردار نے کہا، اے زید! تجھے خوشخبری ہو، تو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے گا، سولی چڑھایا جائے گا اور آگ میں جلایا جائے گا۔ پھر اس کے بعد تجھے کبھی بھی آگ نہ چھوئے گی۔ میں اٹھا اور میں ڈرا ہوا تھا۔ خدا کی قسم اے نازلی! میں چاہتا ہوں کہ مجھے آگ میں جلایا جائے پھر دوبارہ (جسم کو تندرست کر کے) آگ میں جلایا جائے، اور اللہ تعالیٰ اس امتِ محمدیہ کا حال بہتر فرما دے۔

حضرت زیدؒ کو قرآنِ کریم میں اس قدر دلچسپی تھی کہ خود فرماتے ہیں: ”خلوت بالقرآن ثلاث عشر سنةً“ میں نے تیرہ سال قرآن کریم کے مطالعہ کے لئے خلوت اختیار کئے رکھی۔[1]

1۔ الروض الانف: ص ۵۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت زیدؒ کے سامنے دو مسئلے بہت اہم تھے، ایک تو خلفاء بنو اُمیہ کی روش، دوسرے خوارج کے مختلف متشدد فرقے جو بات بات پر مسلمانوں کی گردنیں اڑا دینا، ان کے جان و مال کو حلال سمجھ لینا، عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لینا اسی کو بطور پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ جن کی جرأتیں اس حد تک پہنچی ہوئی تھیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک سے توبہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے کہ: "تُبْ کَمَا تُبْنَا" (تم بھی اسی طرح توبہ کرو جس طرح ہم نے توبہ کی ہے)

حضرت زیدؒ کی ایک تقریر

یہاں اجمالاً ان کی اس تقریر کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے جو اس زمانہ کے مختلف اعتقادی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شہیدؒ نے فرمائی، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"میں ان لوگوں سے بھی بَری ہوں جو حق تعالیٰ کو اس کے مخلوقات جیسی ہستی خیال کرتے ہیں۔ اور ان جبریوں سے بھی بَری ہوں جنہوں نے اپنی ساری شرارتوں اور بداعمالیوں کی گٹھڑی خدا پر لاد دی ہے (یعنی ہم کچھ نہیں کرتے سب خدا کرتا اور کراتا ہے) اور میں اُن لوگوں سے بھی بَری ہوں جنہوں نے بدکاروں اور شریروں کے دل میں یہ توقع پیدا کر دی ہے کہ خدا ان کو یوں ہی چھوڑ دے گا (یعنی صرف ایمان کا دعویٰ کافی ہے، نجات کے لئے عمل صالح کی ضرورت نہیں جو مرجیہ کا عقیدہ ہے) اور میں ان دین باختوں سے بھی بَری ہوں جو حضرت علیؓ کو کافر کہتے ہیں اور ان رافضیوں سے بھی جدا ہوں جو ابوبکرؓ و عمرؓ کی تکفیر کرتے ہیں۔"

خیر! ان باتوں کا تعلق تو دینی اور مذہبی عقائد و خیالات سے تھا، حکومت جن نا کردنیوں کا ارتکاب کر رہی تھی اور اس کے حکام جن ناگفتنیوں پر مسلمانوں کے حق میں جری ہو گئے تھے، اُن کے مقابلہ میں کیا طریقۂ عمل اختیار کیا جائے؟...... یقیناً اس خلوت بالقرآن کے تیرہ سالوں میں یہ سوال بھی ان کے سامنے رہا ہوگا۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی شکست کا جب آپ کو یقین ہو گیا تو اس وقت فرمایا کہ:

"شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اپنے دین کو حدِ کمال تک پہنچانے کا اس وقت موقع عطا فرمایا، جب کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سخت شرمندہ تھا کہ اُن کی امت کو معروف کا حکم میں نے کیوں نہیں دیا اور منکر سے کیوں نہیں روکا"۔

دوسری روایت کے الفاظ اسی کے قریب قریب ہیں یعنی آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم مجھے یہ چیز سخت ناگوار تھی کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کروں اور اس حال میں ملاقات کروں کہ ان کی امت کو نہ معرفت کا میں حکم دیئے ہوتا اور نہ منکر سے منع کئے ہوتا۔"

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ:

1۔ مقدمہ روض النضیر   2۔ المسعودی بر حاشیہ کامل ابن اثیر ج ۷ ص ۱۴۴، ۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کو جب میں نے درست کرلیا تو اس کے بعد مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہے کہ میرے لئے آگ جلائی جائے اور مجھے اس میں جھونک دیا جائے۔'' 1

شاید ان کا یہی جذبہ تھا جس کی چنگاری ان کے اندر سلگتی اور بھڑکتی رہتی تھی۔ مشہور محدث ابوعوانہ نے حضرت شہیدؒ کے متعلق لکھا ہے کہ:

کان زید بن علی یری الحیاۃ غرامًا و کان ضجرًا بالحیاۃ۔ (ص ۵۵ مقدمہ روض النضیر)

''زید بن علی کے لئے زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی، زندگی سے وہ تنگ آچکے تھے۔''

یہی خیال کہ اپنے نانا محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا، اسی چیز نے شاید ان کی زندگی کو ان پر دوبھر کردیا تھا، اور اسی فکر میں وہ سرگرداں اور پریشان تھے کہ اچانک ابن النصرانیہ کو بات سوجھی یا سُجھائی گئی۔ وہ حضرتؒ کے پاس مال کے رکھوانے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہشام کے لئے ''مال'' کی آواز سے زیادہ دلچسپ آواز کوئی نہ تھی۔ المسعودی نے اس کی خصوصیت ہی یہ لکھی ہے کہ کان یجمع الاموال (یعنی مال جمع کرنے کا اس کو بہت ڈھب تھا) حتیٰ کہ اسی کا بیان ہے کہ ''ہشام کے عہد میں لوگ اسی کی روش پر چلنے لگے، جس کے پاس جو کچھ تھا اس کے دبا لینے کی فکر میں ڈوب گیا۔ حسنِ سلوک کے راستے مسدود ہوگئے اور مہمان نوازی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ 2

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں، بھلا جس بادشاہ کا حال یہ ہو کہ رعایا پر خواہ کچھ ہی گزر جائے لیکن اپنے غلہ کی فروخت کی فکر دوسروں کے غلوں کی بکری سے پہلے ہو، یہ بادشاہ ہوا یا کوئی اور...... بہر حال ہوا یہی جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ سننے کے ساتھ ہشام نے اُسی وقت مدینہ کے والی کے نام فرمان روانہ کیا کہ زید اور جن جن لوگوں کا نام خالد نے اس سلسلے میں لیا ہے ان کو میرے پاس دمشق بھیج دو، فرمان مدینہ آتا ہے، والی ان سب کو واقعہ سے مطلع کرتا ہے۔ حضرت زیدؒ حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ کہاں خالد اور کہاں اس کا مال۔ والی نے بھی سن کر یہی کہا کہ آپ لوگ سچ کہتے ہیں، مگر میں مجبور ہوں دمشق جانا پڑے گا۔ ولے برندش روانہ ہوئے، دمشق پہنچے، ہشام نے پہلے خود پوچھ گچھ کی، طبری نے لکھا ہے کہ بیان سننے اور کافی جرح وسوال کے بعد ہشام کو حالانکہ اطمینان بھی ہوگیا خود اس نے اعتراف کیا کہ انتما عندی اصدق من ابن النصرانیۃ (ص ۲۶۱) نصرانیہ کے لڑکے (خالد) سے آپ لوگ میرے نزدیک زیادہ سچے ہیں۔''

حضرت زیدؒ کوفے میں

چاہیے تھا کہ اب ان حضرات کو مدینہ منورہ واپس کردیتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مال کی محبت میں اسے وسوسہ ہوا کہ شاید بر سرزمین خالد کے روبرو ہونے کے بعد کوئی ایسی بات معلوم ہو جس سے مال کا پتہ چلے، اس نے دونوں کو حکم دیا کہ:

''آپ دونوں یوسف (گورنر کوفہ) کے پاس جائیے، تاکہ یوسف خالد سے آپ کے سامنے معاملہ دریافت کرے اور منہ پر اس کے دعوے کو جھٹلائے۔'' (ص ۲۶۱ کامل)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور یوں خود ہشام نے کوفہ پہنچنے کا حضرت زیدؓ کے لئے ایک ذریعہ پیدا کر دیا۔ تقدیر اسی کا نام ہے، افراد بنی امیہ ہمیشہ اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ اہل بیت کا کوئی آدمی کوفہ پہنچنے نہ پائے۔ یا پہنچے بھی تو اس کی باضابطہ نگرانی رکھی جاتی تھی، لیکن مال کی محبت میں ہشام کچھ ایسا اندھا ہو رہا تھا کہ خود ہی قدغن کر کے بااصرار تمام حضرت شہیدؓ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے داؤد بن علیؒ کو زبردستی کوفہ پہنچا دیا۔ خالد اور حضرت زیدؓ کی دوبدو گفتگو جب ہوئی تو خود خالد نے اعلان کیا کہ میں نے مال ان حضرات کے پاس نہیں رکھوایا ہے اور حضرت زیدؓ کے یہ دریافت کرنے پر کہ پھر تو نے ہمارا نام کیوں لیا اس نے جو بات جواب میں کہی تھی کہ آپ کے آنے سے مجھے توقع ہے کہ شاید نجات کی کوئی راہ نکل آئے، وہی بات سامنے آ گئی۔

کوفہ جہاں گزشتہ دنوں میں جو کچھ گزر رہی چکا تھا، وہ تو گزر ہی چکا تھا لیکن مسلمانوں کی مسجدوں کے مینارے جو ڈھائے گئے تھے اور ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کے لئے گرجا بنایا گیا تھا۔ ایمان والوں پر شرک و کفر کا تسلط قائم کیا گیا تھا، بادشاہ کی آمدنی میں تا کہ کمی نہ ہو رعایا کو بھوکوں مرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا، خالد کے بیٹے کے بعد جو دوسرے صاحب گورنر بن کر آئے وہ بھی سگِ زرد کے بھائی شغال ہی نکلے "صدق ابن اللخناء" جس کا تکیہ کلام تھا سچ بھی ان کے نزدیک جھوٹ تھا اور جھوٹ بھی جھوٹ تھا۔ دن کو رات کہنا بھی جرم تھا اور دن کہنا بھی گناہ، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں ہرے زخم تھے جن میں کوفہ والے تڑپ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ظلم و ستم کی ان ہی تاریکیوں میں اچانک خانوادۂ نبوت کے ایک چشم و چراغ کا ان تمام ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ ان لوگوں میں آ جانا جن کی ہر مومن قلب کو تلاش رہتی ہے، رحمت کے ایک فرشتہ ہی کا آ جانا تھا نہ صرف عوام بلکہ کوفہ میں خواص کا جو طبقہ تھا، اس میں بھی ایک ہل چل پیدا ہو گئی۔ اتفاق کی بات دیکھیے کہ احمق یوسف نے بجائے کوفہ کے ایسے خطرناک دنوں میں حیرہ کو اپنا مُستقر بنا لیا۔ حضرت زیدؓ چونکہ خود خلیفہ کی طرف سے کوفہ تشریف لائے تھے۔ اس لئے اہل بیت کی آمد و رفت پر جو نگرانی حکومت کی رہتی تھی، اس نگرانی میں بھی قدرتاً نگرانوں نے تساہل سے کام لیا۔

کوفہ میں حضرت زیدؓ کے معتقدین

بہر حال نتیجہ ان باتوں کا جو کچھ ہو سکتا تھا، وہی سامنے پیش آیا، عوام کو تو جانے دیجئے، خواص کے طبقات میں بھی یہ بات محسوس ہونے لگی کہ حضرت زیدؓ کا اتفاقی طور پر کوفہ آ جانا ایک مغتنم ہے، خواص سے میری مراد اہل علم و تقویٰ کا گروہ ہے جن کی کوفہ میں ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ پھر ان میں بعض جو زیادہ جوشیلے تھے انہوں نے تو اعلانیہ حضرت زیدؓ کی طرف سے لوگوں سے بیعت تک لینی شروع کر دی۔ اس طبقہ کے سرکردہ وہی منصور بن المعتمر تھے جن کے متعلق آتا ہے کہ حضرت امام

1۔ ص ۱۵۵ الروض

2۔ منصور ابن المعتمر اور سلمہ بن کہیل کا مقام کوفہ میں کیا تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ عبدالرحمن بن مہدی مشہور ناقد محدث کا قول تھا لم یکن بالکوفة أثبت من أربعة منصور و عمرو بن مرة و سلمة و ابو حصین (تہذیب) یعنی منصور اور سلمہ عمرو بن مرہ اور ابو حصین سے حدیث میں استوار ترین محدث کوئی دوسرا کوفہ میں نہ تھا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ابوحنیفہ اور ابن معتمر خلوت میں مل مل کر باتیں کرتے اور روتے تھے لکھا ہے کہ:

کان منصور بن المعتمر یدور علی الناس یأخذ البیعة لزید بن علی رضی اللہ عنہ۔[1]

''منصور بن معتمر گشت کر کر کے لوگوں سے حضرت زید بن علیؓ کے لئے بیعت لیتے تھے۔''

بظاہر ابن معتمر اور ان ہی جیسے بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ جیسا کہ تاریخوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسانوں نے حضرت زیدؓ کے ساتھ مل کر بنی امیہ کی حکومت سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اسی کے مقابلہ میں خواص ہی کا ایک دوراندیش طبقہ تھا جس کے سامنے کوفہ کی گزشتہ تاریخ کے اوراق کھلے ہوئے تھے، کوفہ والوں ہی نے انہی زیدؓ کے دادا حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ بلکہ خود حضرت علیؓ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ سب ان کے سامنے تھا اس طبقہ کے سرخیل مشہور محدث سلمہ بن کہیل تھے۔[2] انہوں نے صحابہ کی آنکھیں دیکھی تھیں اور اہل بیت کے ساتھ خاص تعلق رکھنے کی وجہ سے کچھ تشیع میں بدنام بھی تھے، انہوں نے حضرت زیدؓ کو بہت سمجھایا پچھلے تاریخی واقعات بھی یاد دلائے لیکن سلمہ گفتگو کامیابی اور ناکامی کے نتائج کو پیش نظر رکھ کر کر رہے تھے اور شہید کے سامنے صرف ایک بات تھی۔ حضرت کی زبان مبارک پر چند اشعار بھی اس زمانہ میں جاری تھے ایک مصرعہ یہ بھی تھا۔

انی امرؤ سأَموتُ ان لَّم أُقتل۔

''میں ایک شخص ہوں بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہو سکا۔''

کہتے ہیں کہ سلمہ بن کہیل نے جب دیکھا کہ حضرت اپنے ارادہ پر مستقل ہیں تو عرض کیا مجھے کوفہ سے باہر نکلنے کی اجازت دیجئے شاید کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو مجھ سے دیکھا نہیں جا سکے (کامل ص ۸۷ ج ۷) اور واقعی کوفہ سے نکل کر یمامہ چلے گئے لیکن جیسا کہ طبقات میں ہے۔

سلمہ بن کہیل کا ۱۲۲ھ میں انتقال اسی زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں حضرت زید بن علیؓ کوفہ میں شہید ہوئے۔ اور حضرت شہید کی وہی بات

انی امرؤ سأموت ان لم أقتل۔

''میں ایک شخص ہوں، بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہو سکا۔''

پوری ہوئی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ موت کے معمہ کا حل ''شہادت'' کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

جاں بجاناں دہ وگرنہ از تو بستاند اجل
خود تو منصف باش اے ایں مکن یا آں مکن

مگر ظاہر ہے کہ دونوں طبقہ ہی کا تھا جو کچھ بھی یہ لوگ کہہ رہے تھے، اخلاص و صداقت اور وفاداری ہی کے تحت کہہ اور کر رہے تھے۔ پھر ان ہی مخلصین میں ایک اور طبقہ نظر آتا ہے جو ایک طرف کوفہ والوں کی تاریخی بے وفائیوں کو دیکھتے ہوئے کھل کر مقابلہ کا مشورہ دیتا ہے اور چونکہ بنی امیہ کے ظلم کا پانی لوگوں کے سر سے اونچا ہو چکا تھا اس لئے اس مغتنم موقعہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے ضائع ہو جانے پر اپنے آپ کو اس نے راضی نہیں پایا۔ اس گروہ کے سرخیل (جہاں تک میرا خیال ہے) کوفہ کے محدث جلیل اور امام نبیل الاعمشؒ ہیں تاریخوں میں ان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ ایک طرف وہ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ:

واللہ لیخذلنّہ واللہ لیسلمُنَّہ کما فعلوا بجدِّہ وعمِّہ۔

''خدا کی قسم یہ لوگ زید کو چھوڑ دیں گے، دشمنوں کے سپرد کر دیں گے جیسے ان کے دادا اور چچا کے ساتھ بھی ان ہی لوگوں نے یہی سلوک کیا۔''

اسی کے ساتھ بے چارے یہ بھی کہتے کہ:

واللہ لولا ضرارۃ لی لخرجتہ معہ۔ (مقدمہ روض)

''خدا کی قسم اگر (آنکھ میں) میرے ہرج نہ ہوتا تو ان کے ساتھ میں نکل کھڑا ہوتا۔''

یہ اعمش کے شاگرد رشید امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ کی روایت ہے، کچھ یہی حال کوفہ کے دوسرے امام سفیان ثوری کا معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت کے ساتھ جنگ میں بھی شریک نظر نہیں آتے لیکن اسی کے ساتھ ابوعوانہ کی روایت ہے کہ:

اذا ذکر زید بن علی یقول بذل مھجۃ لربہ وقام بالحق لخالقہ والحق بالشھداء المرزوقین من آبائہ (ص ۵۵، مقدمہ روض)

''جب سفیان ثوری حضرت زیدؒ کا ذکر کرتے، تو کہتے اپنی جان اللہ کی راہ میں نثار کر دی اور اپنے خالق کی مرضی کی پابندی میں حق کو لے کر کھڑے ہوئے اور اپنے ان گزشتہ آباؤ اجداد میں شریک ہو گئے جنہیں خدا نے شہادت روزی کی تھی۔''

امام ابوحنیفہؒ کی حضرت زیدؒ سے عقیدت

مخلصین کے اسی طبقہ میں مجھے حضرت امام ابوحنیفہ بھی نظر آتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ امام کے متعلق بعض خصوصی واقعات بھی اسی سلسلے میں بیان کئے جاتے ہیں، جن میں سے بڑی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کو خود حضرت شہید نے یاد فرمایا اور اپنا ایک خاص قاصد جس کا نام فضیل بن زبیر تھا اُس کو حضرت امام کے پاس روانہ فرمایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو امام کے سوا اکابر کوفہ کے ساتھ جہاں تک روایات کا تعلق ہے حضرت شہید نے غالباً اختیار نہیں فرمائی۔ خود فضیل بن زبیر کا بیان ہے۔

کنتُ رسولَ زید بن علی الی أبی حنیفۃ (ص ۵۵ روض)

''میں امام ابوحنیفہ کے پاس حضرت زیدؒ کا قاصد بن کر گیا تھا۔''

1۔ روض الانف۔ ص ۲۶۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فضیل کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے سوال اس سلسلہ میں مجھ سے جو کیا وہ یہ تھا کہ:

"فقہاء (جو اس زمانہ میں طبقہ اہل علم کی تعبیر تھی) ان لوگوں میں سے حضرت زیدؓ کے پاس کن کن لوگوں کی آمدورفت ہے۔"

فضیل نے چند ممتاز ہستیوں کے نام گنوائے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ امام ابوحنیفہ کی غرض اس سوال سے کیا تھی؟ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ذریعہ سے تحریک کے انجام کے متعلق کچھ رائے قائم کرنا چاہتے تھے۔

حضرت زیدؓ کی حمایت میں امام ابوحنیفہؒ کا ایک تاریخی بیان

اور غالباً فضیل کے اسی جواب کے بعد امام نے اپنا وہ تاریخی بیان دیا جو چند معمولی الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ حضرت امام کے سوانح عمریوں میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ مختلف مواقع پر اس بیان کے بعض اجزاء کا ضمنی ذکر میں نے پہلے بھی کیا ہے لیکن وقت آ گیا ہے کہ حضرت امام کے اس بیان پر اب ذرا تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ اس بیان کے چند اجزاء ہیں:

پہلا جز یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فتویٰ دیا ہے کہ:

خروجه يضاهيي خروج رسول اللهﷺ يوم بدر۔[1]

"حضرت زیدؓ کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف لانے کے مشابہ ہے۔"

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضیل بن زبیر کو ایلچی بنا کر حضرت شہید نے امام کے پاس جو بھیجا تھا تو گو لکھنے والوں نے صرف یہی لکھا ہے کہ:

أرسل الى أبي حنيفة يدعوه اعلى نفسه[1]

"حضرت زیدؓ نے فضیل کو ابوحنیفہ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اپنی ذات کی طرف امام ابوحنیفہ کو دعوت دینا چاہتے تھے۔ (یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرو)۔"

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں:

لیکن جہاں تک میرا خیال ہے۔ ممکن ہے اسی کے ساتھ امام سے اس باب میں حضرت شہید نے اگر یہ شرعی مشورہ بھی حاصل کیا ہو کہ موجودہ حالات میں بنی امیہ کی حکومت کے مقابلہ میں کھڑا ہونا شرعاً آپ کے نزدیک کس قسم کی بات ہے؟ تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی کو جواب امام نے ان الفاظ میں دیا یعنی قریش کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صف آرا ہو جانا جیسے، ایک غیر مشتبہ فیصلہ تھا۔ اسی طرح گو اس وقت مقابلہ میں بجائے کافروں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اپنے طریقہ عمل سے بنی امیہ کی حکومت جن نتائج تک پہنچ چکی ہے، ان کو دیکھتے ہوئے اس حکومت کے الٹ دینے کی کوشش قطعاً ایمان و اسلام کا اقتضا ہے گویا امام نے ان الفاظ میں حضرت زیدؓ کے

1۔ روض الانف۔ ص ۲۶۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خروج کی شرعی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم بھی ہوگا کہ اس قسم کے مواقع میں حضرت امام کا جو مسلک کا اظہار ایک خاص قسم کی تعبیر کے ذریعے فرمایا ہے بلکہ اسے خوش اعتقادی نہ قرار دیا جائے تو ایک طرح سے ان ہی الفاظ سے حضرت امام نے اس انجام کی پیش گوئی بھی کر دی تھی جو آخر حضرت شہید کے سامنے آیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت فضیل حضرت شہید کا پیغام لے کر امام ابوحنیفہ کے پاس آئے تھے۔

حضرت زیدؒ کی دعوت جہاد

جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، بجز "الرافضہ" کے قریب قریب سارے اہل کوفہ امام کے ساتھ ہو کر حکومت سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے تیاری کا وعدہ کر چکے تھے بلکہ لکھا ہے کہ چالیس ہزار آدمیوں نے تو حضرت شہید کے ہاتھ پر اس معاہدے کے متعلق باضابطہ بیعت بھی کی تھی جو حضرت شہید لوگوں سے لے رہے تھے، یعنی حضرت زیدؒ فرماتے تھے:

"ہم تم لوگوں کو اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تمہیں بلاتے ہیں کہ آؤ اور ظالموں سے جہاد کرو، جو کمزور ہو گئے ہیں اُن کو ظلم سے بچاؤ اپنے حقوق سے جو محروم کیے گئے ہیں ان کے حقوق ان تک پہنچاؤ اور مسلمانوں کا یہ مال جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے اس کو مساوی طور پر مسلمانوں میں تقسیم کرایا جائے"۔

لوگ جواب میں جب نعم (ہاں) کہتے تب آپ ہر بیعت کرنے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پھر فرماتے کہ:

"یہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ معاہدہ ہے کہ تم میرے ساتھ وفادار رہو گے اور میرے دشمن سے لڑو گے اور ظاہر و باطن، خلوت و جلوت میں میری بہی خواہی کرو گے"۔

کہ جب اس کے جواب میں بھی نعم (ہاں) کی آواز آتی تب آپ ہاتھ پر ہاتھ کو پھیر کر فرماتے:

اللّٰھم اشھد... (اے اللہ گواہ رہ)

جہاد کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی حضرت زیدؒ کو مالی امداد

میں تو سمجھتا ہوں اسی ظاہر کے اقتضا کی رعایت کا نتیجہ تھا کہ سب کچھ کہلانے کے بعد آخر میں حضرت امام نے دس بیس روپے نہیں بلکہ ان ابتدائی دنوں میں جب بظاہر ان کے کاروبار کا آغاز ہی ہوگا کیونکہ اس وقت تک زیادہ وقت ان کا حماد بن ابی سلیمان اپنے استاد کے پاس حصولِ علم ہی میں گزرتا تھا ہزار ہزار روپے کی دس تھیلیاں گھر سے لا کر فضیل بن زبیر کے حوالے کیں اور فرمایا:

أعینهٔ بمالي فیتقوّی به علی من خالفه۔ (ص ۲۶۰ ج ۱)

میں حضرت کی خدمت اس مال سے کرتا ہوں، حضرت سے عرض کرنا اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے بھی

1۔ ماخوذ از "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی"

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فائدہ حاصل کریں۔[1]

شیعوں کے لئے ''روافض'' کا لقب

ان ہی کوفہ والوں میں ایک اور گروہ بھی تھا جو اہل بیت کے محبت کے دعوے میں آگے آگے تھا، حضرت کے ارادے سے مطلع ہونے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ جواب میں فرمایا اللہ کی کتاب کی طرف اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کو زندہ کیا جائے۔ اگر میری بات سنتے ہو تو سعادت حاصل کرو گے اور انکار کرتے ہو تو میں تم پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا ہوں۔ کہتے ہیں کہ اس پر ان لوگوں نے سوال اٹھایا کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ دونوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ کوشش کی جتنی کوشش کہ ممکن تھی اور میں نے اپنے گھر کے لوگوں میں کسی سے نہیں سنا کہ ان دونوں سے تبرا اور جدائی انہوں نے اختیار کی بلکہ جس کسی سے سنا ہمیشہ خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہ سنا، تب ان لوگوں نے کہا کہ پھر تم اپنے خاندان کے خون کا اور مظالم کا بدلہ لینا نہیں چاہتے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ نے تمہارے خاندان کی حکومت پر قبضہ جما لیا اور دنیا کو تم لوگوں کی پیٹھ پر سوار کر دیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے کہ لوگ تم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ حضرت زیدؒ نے سن کر فرمایا بلاشبہ ان لوگوں کے وہ حکم ہوئے اور ہم لوگوں کے بھی لیکن کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور طریقے پر عمل کرنے میں ان لوگوں نے قطعاً کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تب ان لوگوں نے کہا اگر ابوبکرؓ و عمرؓ نے تم لوگوں پر ظلم نہیں کیا تو پھر بنی اُمیہ بھی ظلم نہیں کر رہے ہیں اور جب واقعہ یہی ہے تو بنی اُمیہ سے مقابلہ کرنے کی دعوت ہم لوگوں کو کیوں دیتے ہو کیونکہ ایسی صورت میں تو وہ بھی ظالم نہیں کیونکہ بنی امیہ والے تو ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کے طریقے کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت زیدؒ نے فرمایا کہ بنی اُمیہ والے قطعاً ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے نہیں ہیں، بنی اُمیہ والے تو تم پر بھی ظلم کر رہے ہیں، اور خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے گھرانے والوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ یہی موقعہ تھا جس پر ان لوگوں نے مشہور لفظ استعمال کیا۔ یعنی بولے کہ ''ان برئت منهما وإلّا رفضناک'' (یا تو ابوبکرؓ و عمرؓ سے بیزاری کا تم اعلان کرو ورنہ ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے) یہ سننے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ حضرت زیدؒ نے زور سے اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے والد فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ ایک قوم ہوگی جو ہم لوگوں (اہل بیت) سے محبت کرے گی، لیکن ان کا ایک لقب ہوگا، اسی سے وہ پہچانی جائے گی جاؤ تم لوگ ''الرافضہ'' ہو۔[1] کہتے ہیں کہ یہی پہلا دن تھا جس دن سے ''رافضہ'' کا لفظ دنیا میں چل پڑا۔

1۔ مقدمہ روض بحوالہ مقریزی وغیرہ

2۔ تاریخ ائمہ ص ۳۰۱، ۳۰۲۔ چوتھا باب مطبوعہ لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تاریخ ائمہ میں مرقوم ہے اس وقت آپ کی عمر ۴۳ سال کی تھی۔اس حساب سے آپ کی ولادت ۸۰ھ میں معلوم ہوتی ہے۔مورخین نے لکھا ہے کہ جب جناب زیدؒ کا بدن دار پر چڑھایا گیا،تو مکڑی نے جالا لگا کر ان کی شرمگاہ کو چھپا دیا۔آپ کی شہادت پر مضحکہ کرتے ہوئے ایک شخص نے دو شعر کہے،جس سے آپ کی مذمت مقصود تھی۔حضرت جعفر الصادق رحمہ اللہ نے ان شعروں کو سنا،تو دعا فرمائی کہ اے خدا! اگر شعر کہنے والا جھوٹا ہے تو اس پر تو اپنے درندے کو مسلط فرما۔اس کے کچھ دنوں بعد وہ شخص کوفہ کی طرف جانے لگا تو راستہ میں ایک شیر آیا،اور اس کو پھاڑ ڈالا۔حضرت جعفر صادق نے سنا تو فرمایا:

الحمدللہ الذی انجز لنا ما وعدنا۔۔۔[2]

"اس خدا کا شکر جس نے وہ بات پوری کر دی جس کا مجھ سے وعدہ کیا تھا۔"

فرقہ زیدیہ

شیعوں کی ایک شاخ جسے سید زید بن علیؓ کو امام تسلیم کرنے کی بناء پر اثنا عشریہ اور سبعیہ سے ممتاز کیا جاتا ہی فرقہ زیدیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔علامہ سید محمد طباطبائی لکھتے ہیں کہ:

زیدیہ حضرت امام سجاد زین العابدینؒ کے فرزند زید شہید کے پیروکار ہیں،زید نے ۱۲۱ھ میں اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف تحریک چلائی اور ایک بڑی جماعت نے ان کی بیعت کر لی تھی،لیکن شہر کوفہ میں ان کے مریدوں اور پیروکاروں اور اُموی خلیفہ کی فوج کے درمیان جنگ ہوئی اور حضرت زیدؒ بھی اس جنگ میں شہید ہو گئے۔زید شہید اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کے لئے اہل بیتؓ کے پانچویں امام شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ بن زیدؒ جنہوں نے اُموی خلیفہ ولید بن یزید کے خلاف تحریک چلائی تھی اور شہید ہو گئے تھے،آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ان کے بعد محمد بن عبداللہ جنہوں نے عباسی خلیفہ منصور کے خلاف مہم شروع کی تھی اور یکے بعد دیگرے دونوں شہید ہو گئے تھے فرقہ زیدیہ کے امام سمجھے جاتے ہیں،اس کے بعد کچھ مدت کے لئے زیدیہ فرقہ غیر منظم رہا۔یہاں تک کہ ناصر اطروش نے جو حضرت زیدؒ کے بھائی کی اولاد میں سے تھا،خراسان میں اپنی امامت کا اعلان کر دیا۔وہاں کی حکومت نے اس کو گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھاگ کر مازندران پہنچ گیا۔جہاں کے لوگوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔وہاں اس نے تیرہ سال اسلام کی تبلیغ کی اور بہت زیادہ افراد کو مسلمان بنا کر زیدیہ مذہب کا گرویدہ بنا لیا تھا۔اس کے بعد ان ہی افراد کی مدد سے طبرستان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اپنی امامت کا اعلان کر دیا۔اس کے بعد اس کی اولاد میں سے بعض افراد نے کافی عرصے تک اس علاقے میں اپنی حکومت اور امامت جاری رکھی۔

زیدیہ فرقے کے عقیدے کے مطابق ہر وہ شخص جو فاطمی نسل سے ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عالم،فاضل،زاہد، پارسا اور سخی بھی ہو اور حق کی خاطر ظلم وستم کے خلاف اٹھے اور ظلم وستم کو ختم کرنے کی تحریک چلائے وہ امام ہو سکتا ہے۔

1۔شیعہ۔صفحہ ۵۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شروع شروع میں زیدی لوگ خود حضرت زید کی طرح پہلے دو خلفاء حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو اپنے ائمہ میں شمار کیا کرتے تھے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد بعض لوگوں نے ان خلفاء کے نام اپنے اماموں کی فہرست سے نکال دیئے اور اپنی امامت کو حضرت علیؓ سے شمار کرنا شروع کیا۔ [1]

موصوف نے اس کی وجہ نہیں بتائی کہ متاخرین زیدیہ نے شیخینؓ کے ناموں کو سلسلۂ امامت سے کیوں خارج کیا؟

اس کی وجہ یہی ہے کہ بعد کے زیدیوں پر دوسرے شیعہ فرقے غالب آ گئے۔ جس کے نتیجے میں زیدیہ فرقے والے اپنی خصوصیات کو کھو بیٹھے، یہ مفضول کی امامت کے عقیدہ سے منحرف ہو گئے اور ان روافض میں شمار ہونے لگے جو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے، اس سے ان کی عظیم ترین خصوصیت جاتی رہی۔ اس بناء پر بعض حضرات نے زیدیہ کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔

۱۔ متقدمین، جو روافض میں شمار نہیں ہوتے اور شیخینؓ کی امامت کے قائل ہیں۔

۲۔ متاخرین، جو رافضی ہیں اور شیخینؓ کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔

شیعہ مصنف سید علی حیدر نقوی فرقہ زیدیہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہ فرقہ امام زین العابدینؒ کے دوسرے صاحبزادے حضرت زیدؒ بن علیؒ کی نسبت سے زیدیہ کہلاتا ہے۔ حضرت زیدؒ عالم، زاہد، عابد اور بہادر انسان تھے۔ ائمہ اثنا عشریہ میں کسی امام نے بھی نہ اپنی امامت تلوار کے ذریعے منوائی اور نہ حکومت حاصل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی۔ بے پناہ مصائب بھی برداشت کئے لیکن نہ بددعا کی اور نہ ہی انتقام لیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ دورِ ثلاثہ میں بالکل خاموش رہے۔ امیر معاویہ (ؓ) نے بغاوت کر کے حکومت حاصل کر لی۔ امام حسنؓ خاموش ہو گئے۔

امام حسینؓ بھی مدینہ میں خاموش رہے اور خاموش ہی رہتے اگر یزید آپ سے بیعت طلب کرنے کے لئے آپ کی شہادت پر آمادہ نہ ہوتا اور واقعہ کربلا نہ ہوتا۔ چنانچہ یزید نے آپ کو مع خاندان بیعت نہ کرنے پر شہید کرا دیا۔ حضرت زین العابدینؒ نے اپنے خاندان پر مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے لیکن تلوار نہیں اٹھائی اور ساری زندگی عبادت اور درس میں خاموشی سے گزار دی۔ حالانکہ واقعہ کربلا کے بعد مسلمان یزید سے بیزار ہو چکے تھے۔ آپ کے لئے حجاز کی حکومت حاصل کرنا آسان کام تھا۔

آپ کے صاحبزادے حضرت امام محمد باقرؒ نے بھی کبھی تلوار نہیں اٹھائی اور اسی طرح دیگر ائمہ اثنا عشریہ نے بھی تلوار نہیں اٹھائی لیکن حضرت امام زین العابدینؒ کے دوسرے صاحبزادے حضرت زیدؒ (جو امام نہیں تھے) نے بنی اُمیہ کے مظالم کے خلاف تلوار اٹھائی جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ آپ بڑی جرأت اور بہادری سے جنگ کر کے شہید ہو

1۔ ادیانِ عالم اور فرقہ ہائے اسلام کا تقابلی مطالعہ ص ۱۳۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

گئے۔آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے یحییٰ بن زید نے آپ کی پیروی کی وہ بھی ہشام کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد محمد بن عبداللہ المعروف نفس زکیہ نے خلیفہ منصور عباسی کے خلاف تلوار اٹھائی اور شہید ہو گئے۔ان کے بعد ابراہیم نے مقابلہ کیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر سرداری ابراہیم سے ادریس کو منتقل ہوئی بعد میں حضرت زید کے ماننے والوں نے اپ کو امام مان لیا۔ چنانچہ زیدیہ فرقہ میں پہلا عقیدہ یہ ہوگیا کہ امام کو لوگ بنائیں گے، جو آلِ رسولؐ سے ہوگا اور دوسرا عقیدہ یہ ہوا کہ افضل کی موجودگی میں مفضول امام بن سکتا ہے۔زیدیہ فرقہ کے لوگ افریقہ اور ایشیا میں موجود ہیں۔[1]

موصوف نے یحییٰ بن زید کے متعلق لکھا وہ بھی ہشام کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے، یہ تاریخی طور پر غلط ہے۔ یحییٰ بن زید ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک کے دور میں شہید ہوئے، ان کے قتل کا واقعہ اس طرح ہے کہ ولید کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد یحییٰ بن زید خراسان میں اٹھے، وہ اپنے والد زید بن علیؒ کے خروج میں ان کے ساتھ تھے۔ان کے قتل کے بعد خراسان چلے گئے تھے اور بلخ کے ایک محب اہل بیت حریش بن عمرو بن داؤد کے یہاں مقیم تھے۔ ولید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حفظ ماتقدم کے خیال سے نصر بن سیار والئ خراسان کو لکھا کہ حریش سے فوراً یحییٰ کو حوالے کرنے کا مطالبہ کرو۔اس نے اس حکم کی تعمیل کی، حریش نے لاعلمی ظاہر کی۔ نصر نے سختی سے کام لیا اس کی سختی دیکھ کر حریش کے لڑکے نے بتا دیا اور نصر نے یحییٰ کو گرفتار کر کے ولید کو اطلاع دی۔ وہ یحییٰ کو صرف شیعوں کے دام سے الگ کرنا چاہتا تھا اور ان کو نقصان پہنچانا مقصود نہ تھا۔اس لئے لکھا کہ انہیں وہاں سے ہٹا کر چھوڑ دو۔نصر نے انہیں دو ہزار درہم دے کر شام جانے کی ہدایت کی۔لیکن بلخ سے نکلنے کے بعد ان کے پیروؤں نے انہیں یہ کہہ کر پھر ورغلایا کہ ہم لوگ کب تک ذلت برداشت کرتے رہیں گے۔اس لئے یحییٰ شام جانے کی بجائے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ نیشاپور چلے گئے، یہاں کے حاکم عمرو بن زرارہ کو ان کے ارادہ کا علم ہوا تو اس نے مقابلہ کیا۔یحییٰ نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا اور پھر بلخ لوٹ گئے۔نصر کو اس کا علم ہوا تو اس نے سلمہ بن احوز بلالی کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا اور خود بھی نکلا۔جوزجان میں دونوں کا مقابلہ ہوا، اس میں یحییٰ بن زید قتل ہوئے اور ان کی پوری جماعت کام آئی۔

بہر حال زید بن علیؒ کی وفات کے بعد زیدیہ نے علویوں کی بہت سی بغاوتوں میں حصہ لیا لیکن ان کی کوئی متحد جماعت نہ تھی چنانچہ ملل ونحل پر کتابیں لکھنے والوں نے انہیں آٹھ مختلف ملل میں تقسیم کیا ہے۔یہ ملتیں ابوالجارود سے شروع ہو کر (جس کے ہاں جنگی سرگرمیوں کے ساتھ عقیدہ الوہیت امام اور مہدی پر اعتقاد، دونوں جمع ہیں) سلمہ بن کُہَیل پر (جس کی زیدیت گھٹتے گھٹتے صرف سادہ شیعی نظریہ رہ گئی ہے) ختم ہوتی ہیں۔بعض دینی مسائل میں متاخرین زیدی اور شیعہ دونوں ایک ہیں۔جیسے اذان میں "حی علیٰ خیر العمل" کہنا، نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنا، مسح علی الخفین کا انکار، نماز کے لئے غیر متقی امام کو قبول نہ کرنا۔زیدیہ کا تشیع اس بنا پر ثابت ہے کہ وہ امامت کو حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ پھر ان کی

1۔ثورہ زید بن علیؒ ص ۶۹۔۱۶۸ از ناجی حسن

2۔الاشعری کتاب المقالات والفرق

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اولاد میں مختص مانتے ہیں۔ان کے خیال میں حضرت حسینؓ کے بعد حسنی وحسینی سادات میں جو شخص شرائطِ امامت کا حامل ہو وہ امام ہوگا۔ان کے نزدیک شرائطِ امامت درج ذیل ہیں:

بالغ، عاقل مرد، زندہ، مسلمان، عادل، مجتہد، صاحبِ تقویٰ، سخی، سیاست دان، منتظم جو حقوق میں تبدیلی نہ کرے، رعایا کے معاملات خود انجام دے، صائب الرائے، بہادر، جرأت منداور سامعہ وباصرہ سے درست ہو۔[1]

زیدیہ کے نزدیک امام کے لئے جہاد کرنا اور فقیہ ہونا لازمی ہے۔وہ زید بن علیؒ کو اصول وفروع کا سرچشمہ مانتے ہیں۔توحید میں ان کے بیشتر عقائد شیعہ اثنا عشریہ ومعتزلہ کے مطابق ہیں۔مثلاً وہ ذات الٰہی کو منزہ عن الجسم والجسمانیات اور صفات کو عین ذات مانتے ہیں۔رؤیت کی نفی کرتے ہیں۔عدل کے قائل ہیں اور وعدہ ووعید میں شفاعت کو خلف وعدہ کہتے ہیں۔ان کے خیال میں جس کو جو سزا ہے وہ ضرور ملے گی اور اصحاب کبائر کی شفاعت ماننے سے اللہ کا وعدہ وعید باطل ہو جائے گا۔"المنزلة بین المنزلتین" یعنی اصحابِ کبائر فاسق ہیں۔نہ انہیں کافر کہنا چاہئے نہ مومن۔نبوت کے بارے میں ان کے امتیازی مسائل کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔گویا اس منزل میں وہ عام مسلمانوں کے ہم عقیدہ ہیں۔

امامت میں ان کا مسلک بنیادی طور پر حکومت جور کے خلاف عملی اقدام کے مترادف ہے،ان کے نزدیک امام کے معنی ہیں "من دعا الی اللہ عزّ وجل من آل محمدٍ فھو مفترض الطّاعة" (النوبختی،فرق الشیعہ ص ۷۸)

صاحبِ سیف ہی واجب الاطاعت وحاکم شرعی ہے،خانہ نشین امام نہیں ہوتا،امام برحق حضرت علیؓ، پھر حضرت حسنؓ وحسینؓ ہیں۔پھر حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ اور بعض لوگوں کے عقیدے میں حضرت زین العابدینؒ اور ان کے بعد زیدؒ،ان کے بعد حسنی وحسینی سادات میں جو بھی صاحبِ سیف ہو،یہ بھی ممکن ہے کہ بیک وقت دو امام ہوں۔[2]

بقول شہرستانی (م ۵۴۸ھ) چھٹی صدی میں زیدیوں کی اکثریت اور معتزلہ کے عقائد میں بال برابر بھی اختلاف نہیں تھا۔زیدی فقہ میں عموماً امام ابوحنیفہؒ سے اور بعض مسائل میں امام شافعیؒ سے متفق ہیں۔[1]

زیدیہ کے فرقے

کتبِ تاریخ وفرق میں زیدیوں کے حسبِ ذیل فرقے بتائے گئے ہیں:

الجارودیہ۔ السلیمانیہ۔ البتریة۔ الیعقوبیہ۔

النعیمیہ۔المطرقیة، الزیدیہ والامامیة،

الابرئیة، العقبیة، الجریریة۔

1۔ابوزہرہ الامام زید ص ۲۰۱

2۔ثورۃ زید ص ۱۸۴، از ناجی حسن

3۔تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الصالحیة، الصباحیة، المحمدیہ۔

الطالقانیة، العمریة۔ الرکبیة۔

الخشبیة۔ الحلسفیةاور القاسمیة۔ [2]

یہاں ان میں سے چند مشہور فرقوں کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

فرقہ جارودیہ:۔ زیدیہ کا یہ فرقہ ابوالجارود زیاد بن المنذر الہمدانی کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔ ان کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کے بعد بدلیل وصف نہ بدلیل تعینِ نام، حضرت علیؓ امام ہیں اور صحابہ کرامؓ نے چونکہ ان کی اقتدا نہیں کی اس لئے ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔ [3]

حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدینؓ، حضرت زید بن علیؓ اور یحییٰ بن زیدؒ کو امام مانتے ہیں۔ امامت و مہدی المنتظر اور علوم اہل بیت کے بارے میں ان کے عقائد امامیہ اثنا عشریہ سے قریب ہیں۔ امام منتظر کے بارے میں مختلف نظریات کے حامل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن ہیں جو عہد منصور میں مدعی امامت ہوئے اور مقتول ہوئے، ان کے اعتقاد میں یہ ابھی زندہ ہیں قتل نہیں ہوئے۔ بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ وہ محمد بن حسن طالقانی ہیں، جو معتصم کے عہد میں اٹھے، قتال کیا اور قید ہوئے اور حالتِ اسیری میں ہی وفات پائی، مگر ان کی وفات کے منکر ہیں۔

ان کی ایک دوسری جماعت کے نزدیک امام منتظر یحییٰ بن عمر ہیں جو جناب زید بن علی بن حسینؓ کے پوتوں میں سے ہیں، جنہیں صاحب الکوفہ بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مستعین کے عہد میں قتال کیا اور مقتول ہوئے مگر یہ جماعت ان کے قتل کی بھی منکر ہے۔

فرقہ جریریہ:۔ اس فرقہ کو سلیمانیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ سلیمان بن جریر کے معتقد و پیروکار ہیں۔ یہ بھی امامت کو شوریٰ سے مانتے ہیں۔ ان کے خیال میں مفضول شخص ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ شیخینؓ (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کی خلافت کو صرف اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں اور ان کی بیعت کرنے والوں کو خطا کار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے حضرت علیؓ کی موجودگی میں ان حضرات کی بیعت کی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کافر بتاتے ہیں۔ (معاذاللہ)

صفاتِ باری تعالیٰ اور خلافتِ اولیٰ میں اس فرقہ کے خیالات الگ ہیں۔ سلیمانیہ کی ایک شاخ تبریہ کہلائی، انہوں نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں توقف کیا۔ ان میں سے بعض اصولی ہیں۔ اعتزال کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور بعض نے فروع میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کی کیونکہ ان کے بقول امام ابوحنیفہ محمد نفس زکیہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ مگر تحقیقی طور پر یہ قول غلط ہے۔ اسی فرقہ کی ایک شاخ نعیم بن الیمان کے نام پر نعیمیہ کہلائی۔

فرقہ نعیمیہ:۔ یہ نعیم بن الیمان کے اصحاب کا گروہ ہے۔ یہ شیخینؓ کی خلافت کو مبنی بر خطا نہیں سمجھتے کیونکہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علیؓ نے اس پر سکوت فرمایا تھا اور جس بات پر معصوم سکوت اختیار کرے وہ حق ہوتی ہے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کی امامت تسلیم کرنے میں ان کو تامل ہے کہ حضرت علیؓ کی رضامندی وسکوت اس معاملہ میں حسب دلخواہ ثابت نہیں اور خود حضرت علیؓ کو بیعت کے وقت سے امام مانتے ہیں۔

فرقۂ وکینیہ:۔ یہ فرقہ فضل بن وکین کی طرف منسوب ہے، ان کا مذہب جارودیہ سے ملتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کافر کہتے ہیں اور ان پر تبریٰ بھی کرتے ہیں، لیکن باقی صحابہ کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔

فرقہ خشبیہ:۔ شیعہ فرقہ کیسانیہ کی ایک شاخ بھی خشبیہ کہلاتی تھی لیکن وہ محمد بن حنفیہ کی امامت کے قائل تھے۔ زیدیہ فرقہ کی شاخ خشبیہ خلف بن عبدالصمد کی طرف منسوب ہے۔ یہ اولادِ فاطمہ میں امامتِ شوریٰ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کوئی غیر مستحق خلافت پر قابض ہو جائے تو اس کی مخالفت واجب ہے۔ ان کو خشبیہ اس لئے کہتے ہیں کہ جب یہ اپنے وقت کے بادشاہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو تیر وتلوار کی بجائے لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مسلح تھے۔ چونکہ لغت عرب میں خشب لکڑی کو کہتے ہیں، اس لئے ان کا نام خشبیہ (لٹھ بردار) پڑ گیا۔

فرقۂ یعقوبیہ:۔ یہ یعقوب نامی ایک شخص کے پیروکار تھے۔ یہ مسئلہ رجعت کے قائل ہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کو نہیں مانتے بلکہ ہر دو حضرات گرامی پر تبریٰ کرتے ہیں۔

فرقہ صالحیہ:۔ حسن بن صالح حیّ (م ۱۶۷ھ) کے متبعین اور پیروکار۔

یہ بھی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں امامت شوریٰ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں فاطمیوں میں جو بھی صفات علم، شجاعت اور سخاوت سے متصف ہو کر اُبھرے وہ امام ہے۔ ان کے نزدیک ایک زمانہ میں ایک ملک میں بیک وقت کئی اماموں کا ہونا ممکن ہے۔ یعنی وقتاً فوقتاً کسی ضد امام کا ظہور اگر یہ مخالف اپنے پیشرو امام کو نکال کر خود اس کی جگہ امام بن جائے تو اس پیشرو کی معزولی یا امامت سے کنارہ کشی قانوناً جائز قرار دی جائے گی اور اگر پانسا پھر پلٹ جائے تو وہ پیشرو دوبارہ امام بن کر آ سکتا ہے۔

فرقہ زیدیہ کے ہاں اگر امام میں شرائط امامت مکمل طور پر نہ پائی جاتی ہوں تو اسے مکمل امام تسلیم نہیں کیا جا سکتا البتہ وہ خاص شعبوں کا امام ہو سکتا ہے۔ جیسے جنگ میں ماہر صرف امامِ حرب اور علم میں ماہر صرف امامِ علم ہوگا۔ ایسے رہنما جن میں فقط اتنی قوت ہے کہ زیدی ادعا کو برقرار رکھ سکتے ہیں، داعی، محتسب، مقتصد وغیرہ کہلاتے ہیں۔ اس امر میں تذبذب کہ درحقیقت کس شخص کو امام سمجھا جائے ان علوی مدعیانِ خلافت کی فہرست سے ظاہر ہوتا ہے جنہیں متاثر زیدیوں نے اس لئے منتخب کر لیا تھا کہ اصلی شیعی فرقے کے ساتھ ان کا تعلق قائم رہے۔ ان میں سب سے پہلی فہرست میں جو آج موجود ہے اور یمن میں زیدی حکومت کے بانی کی بنائی ہوئی ہے حسب ذیل نام ہیں:

1۔ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰ تحت الزیدیہ، اسلامی مذاہب، تاریخ تفسیر ومفسرین

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

(۱) علیؓ (۲) الحسنؓ (۳) الحسینؓ (۴) زید بن علی (۵) یحییٰ بن زید (۶) محمد بن عبداللہ (۷) ابراہیم (۸) یحییٰ (۹) الحسین بن علی بن الحسن

(۱۰) محمد بن ابراہیم طباطبا جنہوں نے ابوالسرایا کے ساتھ مل کر بغاوت کی۔

(۱۱) القاسم الرّسی بن ابراہیم طباطبا بن اسمٰعیل الدّیباج بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب (۲۴۶ھ)

اس کے بعد کی فہرستوں میں مزید نام دیئے گئے ہیں جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے۔ دو مقامات پر زیدیوں کے سیاسی ارمان پورے ہوئے۔ الحسن بن زید سے لے کر ۵۲۰ھ تک بحر خزر کے علاقے میں بے قاعدہ وقفوں سے اور بعض اوقات ایک دوسرے کے مخالف تقریباً بیس امام اور داعی ظاہر ہوئے بعد میں وہاں کے زیدی "نُکتَوِیَۃ" میں جو ایک چھوٹا سا فرقہ تھا مدغم ہو گئے۔ یمن میں زیدی حکومت کا بانی القاسم الرّسی کا پوتا الہادی الی الحق یحییٰ بن الحسین (م ۲۹۸ھ) تھا۔ یمن کی تمام سلطنتوں میں سے صرف یہی اب تک باقی ہے۔ یحییٰ بن حسین بن قاسم الرّسی کے نام سے ایک فرقہ بھی موجود ہے۔ جو "القاسمیہ" کہلاتا ہے۔ اس فرقہ کے لوگ امامت کے لئے نص کے قائل ہیں اور کبھی امامت مفضول بھی مان لیتے ہیں۔ وہ اللہ کی رضا اور ناراضگی میں بندے کے فعل کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔[1]

زیدیہ کے افکار و عقائد

زیدیہ کے افکار و عقائد کا اوپر کسی قدر ذکر آ گیا ہے۔ لیکن یہاں ایک مستقل عنوان کے تحت ان کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ بعض سنی مؤلفین زیدیہ کو اہلسنت کے زیادہ قریب اور مبنی بر اعتدال سمجھتے ہیں، ان کا موقف ہے کہ زیدیہ ائمہ کو منصب نبوت پر فائز نہیں کرتے اور نہ ہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ یہ ائمہ کو عام لوگوں کی طرح انسان مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل سمجھتے ہیں اور یہ اصحاب رسولؐ کی تکفیر بھی نہیں کرتے، خصوصاً وہ صحابہ جن کی امامت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا تھا۔

لیکن زیدیہ کے متعلق یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ زید بن علیؓ اور زیدیوں کے عقائد و نظریات ایک جیسے نہیں تھے۔ پیچھے ہم دیکھ چکے ہیں کہ زیدیہ اپنے اس اعتقاد پر قائم نہیں رہے اور دوسرے شیعہ فرقے (اثنا عشری وغیرہ) اس فرقہ پر غالب آ گئے اور متاخر زیدی تو کھلم کھلا اپنے اسلاف کے بعض عقائد سے منحرف ہو کر باقاعدہ روافض میں شمار ہونے لگے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ زیدیہ اہل تشیع ہی کا ایک فرقہ ہے۔ حضرت زین العابدینؒ کی امامت تک یہ باہم متحد و متفق رہے اور ان میں کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا صرف فرقہ کیسانیہ یعنی محمد بن حنفیہ کے پیروکار دیگر شیعوں سے الگ ہوئے، محمد بن حنفیہ کا تعلق غیر فاطمی اولاد سے ہے۔ جبکہ زیدیہ کے نزدیک امام کا بنو فاطمہ سے ہونا لازمی شرط ہے۔ اس فرقہ کے بانی جناب زیدؒ اپنے والد حضرت زین العابدینؒ اور اپنے بڑے بھائی محمد باقرؒ کی آغوشِ شفقت و سایۂ رحمت میں پروان

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

چڑھے، بعد میں انہوں نے اپنے بھائی محمد باقرؒ کی امامت سے اختلاف کرتے ہوئے خود اپنی امامت کا اعلان کیا تو ہزاروں کی تعداد میں شیعہ ان کے پیروکار بن گئے۔فرقہ زیدیہ کے افکار و معتقدات حسب ذیل ہیں:

۱۔ زیدیہ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کے بعد بدلیل وصف حضرت علی رضی اللہ عنہ امام تھے۔یعنی آپ ﷺ نے امام کے متعلق کچھ اوصاف بیان فرمائے تھے جن کے حامل آپ ﷺ کے بعد صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔اس طرح وہ افضل الصحابہ اور خلیفہء بلافصل ثابت ہوئے مگر صحابہؓ نے امام متعین کرنے میں ٹھوکر کھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو امام مقرر کر دیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان اوصاف کی رو سے امام کا اہل بیت (خواہ حسنی ہو یا حسینی) یعنی اولادِ فاطمہؓ سے ہونا لازمی شرط ہے۔

۲۔ دوسروں کو اپنی امامت کی طرف دعوت دینا امام کا فرض ہے۔اس میں حصولِ مقصد کے لئے حکومتِ وقت کے خلاف خروج بھی شامل ہے۔یعنی امام ایسے شخص کو ہونا چاہئے جو اپنا حق منوانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

۳۔ زیدیہ ایک وقت میں الگ الگ امام کے بھی قائل ہیں اور امام کے معزول و دست بردار ہونے کی بھی ان کے ہاں گنجائش ہے۔

۴۔ زیدیہ کے نزدیک مفضول کی امامت جائز ہے۔حضرت علیؓ شیخینؓ (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) سے اگرچہ افضل اور امامت و خلافت کے زیادہ حق دار تھے، لیکن ان کی خلافت بھی مفضول ہونے کی بنا پر جائز تھی۔غالباً یہ "تقیہ شریفہ" کا سہارا ہے۔زیدیہ کے عقیدۂ امامت میں امام کے لئے اپنی امامت کا اعلان اور اس کی طرف دعوت دینا ضروری اور لازمی ہے۔تو اس شرط کی رو سے حضرت علیؓ اور زین العابدینؒ کا امام ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا (حضرت حسنؓ کچھ عرصہ کے لئے امام بن گئے تھے جب کہ حضرت حسینؓ نے خروج کر کے اپنی امامت بچالی تھی) کیونکہ حضرت علیؓ نے نہ صرف شیخینؓ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اور حضرت زین العابدینؒ نے یزید، ابن زبیرؓ، معاویہ ثانی، مروانؒ، عبدالملک اور ولید کے دور میں نہ کبھی اپنی امامت کا اعلان کیا نہ اس کی طرف دعوت دی اور نہ ہی انہیں کبھی خروج کی ضرورت محسوس ہوئی۔پھر فرقہ زیدیہ کے بانی کا سب سے پہلے اختلاف اپنے گھر میں اپنے بڑے بھائی اور استاد کے ساتھ ہوا۔

کیا زیدؒ افضل تھے یا ان کے بھائی محمد الباقرؒ اور بھتیجے جعفر صادقؒ؟ اگر یہ حضرات زیدؒ سے افضل تھے تو پھر زید کا دعویٰ امامت بالکل ہی باطل ثابت ہو جاتا ہے اور اگر محمد الباقر اور جعفر صادق مفضول تھے تو پھر بھی جب ان کے اعتقاد میں شیخینؓ کی خلافت مفضول ہونے کی بناء پر درست اور صحیح ہے تو محمد الباقر اور جعفر صادق کی امامت کیوں صحیح نہیں؟

اسی طرح دیگر خلفاءِ وقت کی خلافت بھی مفضول ہونے کی بناء پر صحیح اور درست ہونی چاہئے تھی۔لیکن زیدیہ کا

1۔ابوزہرہ۔الامام زیدؒ

2۔ثورۃ زید صفحہ ۱۸۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس عقیدہ پر عمل نہیں رہا بلکہ خود بنو ہاشم (بنو عباس) کے خلاف بھی خروج کرتے رہے۔

۵۔ زیدیہ کے بعض فرقے امام منتظر کے بھی قائل ہیں کہ مختلف امام دوبارہ ظاہر ہوں گے ان کے ناموں کی تعیین میں بھی یہ باہم مختلف ہیں۔

۶۔ زیدیہ کے بعض فرقے تکفیر صحابہؓ کے بھی قائل ہیں۔ جیسے فرقہ جارودیہ اور فرقہ جریریہ وسلیمانیہ حضرت عثمان ﷺ، حضرت طلحہ ﷺ حضرت زبیر ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علی الاعلان کافر کہتے ہیں۔

۷۔ زیدیہ کے نزدیک ائمہ میں اجتہاد کی شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسی لئے ان کے یہاں اجتہاد کا بڑا چرچا ہے۔

۸۔ کوئی حدیث ان کے نزدیک صرف اسی صورت میں قابل اعتماد ہوتی ہے جب اہل بیت سے مروی ومنقول ہو۔ چنانچہ فرقہ زیدیہ کی کتاب ''المجموع'' صرف ان ہی احادیث پر مشتمل ہے جو حضرت زید بن زین العابدینؒ سے منقول ہیں اور وہ ائمہ اہل بیت کے واسطے سے نبی اکرم سے روایت کرتے ہیں۔

زیدیہ لٹریچر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی حد تک معتزلہ کے افکار وعقائد سے متاثر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے امام زید بن علیؒ بانی اعتزال واصل بن عطا کے تلمیذ عزیز تھے۔

الشہرستانی (م ۵۴۸ھ) کے قول کے مطابق چھٹی صدی میں زیدیوں کی اکثریت اور معتزلہ کے عقائد میں بال برابر بھی اختلاف نہیں تھا۔ [1]

ناجی حسن کے خیال میں زیدی چونکہ معتزلہ سے مقدم ہیں اس لئے کیا بعید ہے کہ معتزلہ نے افکار میں قیدیوں سے تاثر قبول کیا ہو۔ [2]

یحییٰ بن حسین بن قاسم الرسی کی طرف منسوب زیدی فرقہ ''القاسمیہ'' جو آج کل زیدیوں کا تنہا ایک باقی ماندہ فرقہ ہے عقیدۂ توحید کے اعتبار سے معتزلی ہے۔ اخلاقیات میں مرجیہ کے خلاف ہے اور ساتھ ہی تصوف کو رد کرتا ہے جس سے ان کی سلفیت سے وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ زیدی مملکت میں صوفیوں کے مشہور سلسلوں میں سے کسی میں شامل ہونا قطعاً ممنوع ہے۔

بہرحال اتنی بات واضح ہے کہ معتزلہ اور زیدی افکار میں کافی مماثلت ومشابہت پائی جاتی ہے۔ جہاں تک معتزلہ کی تاریخ کا تعلق ہے تو اس فرقہ نے بنواُمیہ کے عہد خلافت میں بال و پر نکالے اور خلافتِ عباسیہ میں عرصۂ دراز تک اسلامی فکر پر حاوی اور چھایا رہا، اس فرقے کا بانی واصل بن عطا ہے۔ جو غزال (سوت کاتنے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں ہشام بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں فوت ہوا۔ [1]

اگر واصل بن عطا کی سنِ وفات کے متعلق پروفیسر غلام احمد حریری صاحب کا یہ قول صحیح ہے تو پھر ان کا ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں فوت ہونا یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ خود ہشام ۶ ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں وفات پا گئے تھے۔ تو

1۔ بحوالہ تاریخ تفسیر ومفسرین ص ۳۱۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وفات کے بعد بھی ٦ سال تک ہشام کا برسر اقتدار رہنا کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ۱۳۱ھ میں بنواُمیہ کے آخری خلیفہ مروان ثانی بن محمد بن مروان الاکبر منصب خلافت پر فائز تھے۔

فرقہ معتزلہ کے ظہور میں اختلاف ہے ایک گروہ کا خیال ہے کہ جب حضرت حسنؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے تو اصحاب علیؓ کی ایک جماعت سیاست سے بالکل کنارہ کش ہوگئی اور اس کی سرگرمیاں صرف عقائد تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ چنانچہ ابوالحسن الطرائفی اپنی کتاب ''اہل الاہواء والبدع'' میں لکھتے ہیں کہ:

> انہوں نے اپنا نام معتزلہ رکھا اس لئے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور خلافت انہیں تفویض کردی تو ان لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے کنارہ کشی کرلی بلکہ سب سے الگ ہوگئے۔ یہ لوگ شیعانِ علیؓ میں سے تھے۔

علماء کا دوسرا بڑا گروہ معتزلہ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ رئیس معتزلہ واصل بن عطا تھے۔ یہ حسن بصریؒ کے حلقہ درس میں حاضر ہوا کرتے تھے اس زمانے میں مختلف سوال زور و شور سے اٹھا کرتے تھے اور اسی نے اذہان کو اپنی طرف متوجہ کرلیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ہے یا نہیں؟ حضرت حسن بصریؒ کی مخالفت کرتے ہوئے واصل نے کہا: ''میں کہتا ہوں کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب علی الاطلاق مسلمان نہیں ہے بلکہ وہ کفر و ایمان کی درمیانی منزل میں ہے''۔ اس اختلاف کے بعد واصل نے حضرت حسن بصریؒ کے حلقہ سے علیحدگی اختیار کرلی اور اسی مسجد میں ایک علیحدہ حلقہ قائم کر کے بیٹھ گیا۔

جبکہ فرقۂ معتزلہ کے علماء نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ واصل بن عطاء سے پہلے کا ہے وہ بہت سے اہل بیت کو معتزلی المسلک قرار دیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حسن بصریؒ بھی معتزلی تھے۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حسن افعال العباد کے مسئلہ میں قدریہ کے ہمنوا تھے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ کا نظریہ بھی یہی ہے۔ مرتکب کبائر کے بارے میں حسن بصریؒ نے جو رائے ظاہر کی ہے وہ معتزلہ کے عقیدے کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ وہ اسے منافق قرار دیتے ہیں۔ منافق دائمی جہنمی ہوتا ہے اور اہلِ ایمان کے زمرہ میں شامل نہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ حسن بصریؒ مرتکب کبائر کے مسئلہ میں بھی ان کے ہم خیال ہیں۔ مشہور عالم المرتضیٰ نے اپنی کتاب ''المنیۃ والامل'' میں معتزلہ کے تمام طبقات کا ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ فرقہ معتزلہ واصل سے پہلے کا ہے کیونکہ بہت سے اہل بیت یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ مثلاً زیدؒ بن علیؒ جو واصل کے گہرے دوست تھے۔ اس فرقہ کو واصل کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہی تھی کہ واصل نے اس کی تبلیغ و اشاعت میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ لہٰذا بہت سے لوگ اسے معتزلہ کا بانی تصور کرنے لگے۔ 1

یہ لوگ دین کی عجیب توجیہات کرتے تھے۔ حتیٰ کہ قرآن پاک کے مخلوق یا غیر مخلوق یعنی حادث یا قدیم ہونے پر بحث کرتے، اس فرقہ کے نمایاں ہو جانے کا سبب عباسی خلیفہ مامون الرشید کا معتزلہ خیالات اختیار کرنا اور باقاعدہ

1۔ بحوالہ اسلامی مذاہب ص ۲۱۲

2۔ الفہرست لابن الندیم ص ۲۵۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سر پرستی کرنا ہے۔ مامون اپنے زمانہ خلافت میں مختلف مکاتب فکر کو مباحث و مناظروں کی دعوت دیتا تھا اور ایک عرصہ تک امورِ حکومت سے بے نیاز ہو کر اپنا زیادہ وقت مطالعہ اور بحث کے سننے میں صرف کرتا رہا، اس نے معتزلہ افکار قبول کر کے انہیں دنیائے اسلام میں زبردستی منوانے کی بھی کوشش کی اور نہ ماننے والوں پر جبر و تشدد بھی کیا۔ مامون کے بعد معتصم باللہ اور واثق باللہ نے بھی سر پرستی کی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کوڑے تک لگوائے گئے، جب متوکل خلیفہ بنا تو اس نے اس جھگڑے کو ختم کیا۔

معتزلہ کا ایک عقیدہ قرآن کو مخلوق ماننا ہے۔

دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت کے روز انسان اپنے جسم کے ساتھ قبروں سے نہیں اٹھائے جائیں گے۔

تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے۔

چوتھا یہ کہ انسان اگر گناہ کبیرہ کرے تو نہ کافر ہے اور نہ ہی مومن۔

معتزلہ اور شیعہ دونوں کا خمیر ایک ہی ہے اور دونوں ایک ہی وادی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب زیدیہ بھی شیعہ ہی کا ایک مسلمہ فرقہ ہے تو پھر وہ ''اعتزال'' سے کیونکر دور رہ سکتے تھے؟ فرقہ زیدیہ میں جس طرح ''فقہاء محدثین'' کا طبقہ پایا جاتا ہے اسی طرح اس میں ''مفسرین'' کا طبقہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ ابن ندیم لکھتے ہیں کہ مقاتل بن سلیمان زیدیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور موصوف نے ''التفسیر الکبیر'' اور ''کتاب نوادر التفسیر'' قلم کی تھیں۔ [2]

حضرت محمد باقرؒ سے شیعہ راویوں کا سلوک

جیسا کہ گذشتہ سطور سے معلوم ہوا حضرت محمد باقرؒ خاندانِ نبوت کے ایک گل سرسبد اور علم و فضل، صلاح و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ لیکن افسوس کہ آپؒ سے عقیدت و محبت کا دم بھرنے والے نام نہاد شیعانِ اہل بیتؓ نے آپؒ کی جو تصویر پیش کی ہے وہ کسی صاحبِ تقویٰ ''متقی'' کی نہیں ''متکی'' کی تصویر ہے جو مختلف اوقات میں دین کی مختلف اور متضاد تعبیرات پیش کرتا ہے، احکامِ دینیہ کو اپنی نامعلوم اغراضِ فاسدہ کی بھینٹ چڑھاتا اور لوگوں کے ڈر سے غلط مسئلے بتاتا ہے۔ دین کو چھپاتا اور محض اپنے خیالات اور اوہام کی تبلیغ کرتا ہے، جس کے ذاتی کردار کا یہ عالم ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے عریاں ہونے کو معیوب نہیں سمجھتا اور اس کی تاویلیں پیش کر کے اپنے پیروؤں کو عریانی اور فحاشی کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو متعہ جیسی بے حیائی کی طرف راغب کرتا اور اس کی فضیلتیں بتاتا ہے۔ اور تقیہ و متعہ جیسی قباحتوں کو اپنا اور اپنے آباء و اجداد (معاذ اللہ) کا دین بتاتا ہے۔

شیعیت کی اُمہات الکتب میں موجود ان بیشمار روایتوں سے چند روایتیں بطور مشتِ نمونہ از خروارے قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں تاکہ تاریخ کا یہ پہلو بھی قارئین کی نظروں سے اوجھل نہ رہے، کہ ائمہ کی معصومیت کے دعویداروں نے ان کی معصومیت کا کیا معیار پیش کیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دادا کی میراث کے متعلق ایک سوال کا جواب

”زرارہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت باقر علیہ السلام سے دادا کی میراث کی بابت پوچھا تو امام نے فرمایا، میں سوا امیر المومنین علیہ السلام کے اور کسی کو نہیں پاتا کہ اس مسئلہ میں اس نے اپنی رائے سے نہ بیان کیا ہو۔ میں نے کہا اللہ آپ کی اصلاح کرے بتایئے کہ امیر المومنین نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے؟ امام نے کہا کہ کل مجھ سے ملنا تو تمہیں یہ مسئلہ ایک کتاب میں پڑھا دوں گا۔ میں نے کہا اللہ آپ کی اصلاح کرے مجھ سے آپ زبانی بیان کیجئے آپ کی بات مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے مجھے آپ کسی کتاب میں یہ مسئلہ پڑھائیں۔ امام نے مجھ سے دوبارہ کہا کہ جو میں تم سے کہتا ہوں اس کو سنو کل تم مجھ سے ملنا تاکہ میں تم کو ایک کتاب پڑھا دوں۔ چنانچہ میں ان کے پاس دوسرے دن بعد ظہر گیا اور ظہر عصر کے درمیان کا وقت وہ تھا کہ میں ان سے تنہائی کی ملاقات کیا کرتا تھا، میں اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ بغیر تنہائی کے ان سے کچھ پوچھوں، اس خوف سے کہ کہیں مجھے وہ تقیہ کے ساتھ فتویٰ نہ دے دیں، بہ سبب ان لوگوں کے جو اس وقت موجود ہوں۔

چنانچہ جب میں حضرت باقرؒ کے پاس پہنچا تو وہ اپنے بیٹے جعفر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ زرارہ کو علم فرائض کا صحیفہ پڑھا دو اس کے بعد وہ خود سونے کے لئے اٹھ گئے، اب میں اور جعفر (صادقؒ) گھر میں باقی رہے۔ جعفر اٹھے اور انہوں نے میرے سامنے ایک کتاب نکالی جو اونٹ کی ران کی طرح موٹی تھی اور کہنے لگے یہ کتاب میں تمہیں نہ پڑھاؤں گا، یہاں تک کہ تم اللہ کو ضامن دو کہ جو کچھ اس صحیفہ میں پڑھو گے اس کو کسی سے بیان نہ کرنا تاوقتیکہ میں تم کو اجازت نہ دوں۔ جعفر صادق نے اپنے باپ کی اجازت کی شرط نہ لگائی تو میں نے کہا کہ اللہ تمہاری اصلاح کرے تم کیوں مجھ پر تنگی کرتے ہو تمہارے باپ نے تو تم کو اس کا حکم نہ دیا تھا۔ تو جعفر نے کہا کہ تم اس کتاب کو نہیں دیکھ سکتے مگر اسی شرط کے ساتھ جو میں نے بیان کی، تو میں نے کہا اچھا یہ شرط بھی تمہاری خاطر منظور ہے۔ اور میں ایک شخص تھا علم فرائض اور وصایا کا جاننے والا اور ان علوم میں بصیرت رکھنے والا۔ جب جعفر صادق نے اس صحیفہ کا ایک کنارہ میری طرف ڈالا تو دیکھا میں نے کہ ایک موٹی کتاب ہے اور معلوم ہوا کہ اگلوں کی کتابوں میں سے ہے، میں نے اس کو دیکھا تو اس میں وہ مسائل ملے جو تمام لوگوں کے خلاف تھے، صلہ اور امر معروف جس میں کوئی اختلاف نہیں (اس کتاب میں ان مسائل کے بھی خلاف تھا) وہ پوری کتاب ایسی ہی تھی میں نے شروع سے آخر تک خباثتِ نفس کے ساتھ پڑھا، اور یاد کرنے کا ارادہ کم کیا اور اس کے متعلق بُری رائے قائم کی، میں اس کو پڑھتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کتاب بالکل باطل ہے، یہاں تک میں نے اس کو ختم کر کے لپیٹ کر جعفر صادق کے حوالہ کر دیا، پھر میں حضرت باقرؒ سے ملا تو انہوں

1۔ اصول کافی ج ۳ کتاب المواریث

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے مجھ سے پوچھا کہ کیا فرائض کے صحیفہ کو تم نے پڑھ لیا، میں نے کہا ہاں! امام نے پوچھا کہ جو کچھ تم نے پڑھا اس کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے؟ میں نے کہا وہ بالکل باطل ہے، کچھ نہیں ہے، تمام لوگوں کا جن امور میں اتفاق ہے ان کے خلاف ہے۔

امام نے فرمایا (یہ تو سچ ہے) مگر جو کتاب تم نے دیکھی ہے اے زرارہ! اللہ کی قسم وہ حق ہے جو کتاب تم نے دیکھی وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی ہوئی اور حضرت علیؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ پھر شیطان میرے پاس آیا اور اس نے مجھے وسوسہ دلایا کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی بولی ہوئی اور حضرت علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے؟ تو حضرت باقرؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں فرمایا کہ شیطان کا دوست بن کر شک نہ کر۔ واللہ تو نے شک کیا، بھلا مجھے کیسے نہ معلوم ہوگا کہ یہ کتاب رسول اللہ کی بولی ہوئی اور حضرت علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ بہ تحقیق مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کر کے بیان کیا کہ امیر المومنین نے ان سے یہ بات بیان کی تھی۔''[1]

اس روایت کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضرت باقرؒ نے اول تو یہ بتایا کہ سوائے حضرت علیؓ کے سب لوگ دادا کی میراث کے مسئلہ میں اپنی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں دین کے مطابق نہیں۔ دوسرے انہوں نے زرارہ کو خاص وقت پر بلایا تا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرائیں جو رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی لفظ بہ لفظ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحریر کی تھی۔ تیسرے زرارہ بھی کہتا ہے کہ میں ایسے وقت میں ان کے پاس جاتا تھا جب عام لوگ نہ ہوتے تھے تا کہ مجھے وہ حقیقی شریعت سے آگاہ کریں عام لوگوں کی طرح مجھے بھی تقیہ کی مار نہ ماریں اب جب زرارہ نے حضرت جعفر کے مطالبہ پر کسی سے اس کتاب کا تذکرہ نہ کرنے کے وعدہ پر کتاب دیکھی تو زرارہ جیسا جہاندیدہ شخص بھی حیران رہ گیا کہ اس کتاب کا تو ایک مسئلہ بھی شریعت و اسلام کے مطابق نہ تھا۔

خلاصۂ کلام: یہ کہ بقول زرارہ یہ پوری کتاب ہی ایسی تھی کہ جسے خود زرارہ کو خباثتِ نفس کے ساتھ پڑھنا پڑا۔ تو ثابت یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) اہل بیتِ رسول یعنی شیعہ کے بارہ اماموں کے پاس جو دین کا ذخیرہ تھا جو اسلام کی تعلیمات تھیں وہ سید الانبیاء والمرسلین کے فرامین پر مبنی احادیث کے ذخیرہ اور دین اسلام کے برعکس تھیں۔

اب دو باتوں میں سے ایک بات تو ماننا پڑے گی کہ اگر وہ تعلیمات دین ہیں جو زرارہ جیسے لوگوں نے اماموں کے پاس دیکھی ہیں اور خفیہ ملاقاتوں میں سنی ہیں اور حاصل کی ہیں تو پھر موجودہ قرآن و سنت پر مبنی تعلیمات کفر ہیں اور اگر یہ اصل دین ہے تو پھر شیعہ کے آئمہ خالص کفر پر مبنی کس مذہب کے پیروکار ثابت ہوتے ہیں؟؟ (استغفر اللہ معاذ اللہ)

1۔(۱) البرہان فی تفسیر القرآن علامہ حسین البحرانی طبع قم سورۃ النساء ص ۳۶۰ جلد پنجم)
(۲) فروع کافی جلد پنجم مطبوعہ تہران طبع جدید کتاب النکاح ابواب المتعہ ص ۴۴۹)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''متعہ'' کے بارے میں آپؒ کا موقف

عن زرارة قال جاء عبدالله بن عمير اللَّيثى الى ابى جعفر عليه السلام فقال له ما تقول فى متعة النساء فقال احلّها اللهُ فى كتابه وعلى لسان نبيه واله صلّى اللهُ عليه وسلم فهى حلال الى يوم القيامة فقال يا ابا جعفر مثلك يقول هذا وقد حرَّمها عمر ونهى عنها فقال وان كان فعل قال انى اعيذك بالله من ذالك ان تحل شيئًا حرّمه عمر قال فقال له فانت على قول صاحبك وانا على قول رسول اللهِ صلى الله عليه واله وسلم فهلم الاعنك ان القول ما قال رسول اللهِ صلى اللهِ عليه وآله وسلم وان الباطل ما كان صاحبك قال فاقبل عبد اللهِ بن عميرٍ فقال يسرك ان نساءك وبناتك واخواتك وبناتِ عمّك يفعلن فاعرض عنه ابو جعفر عليه السلام حين ذكر نساءهٗ وبنات عمّهٖ۔[1]

زرارہ نے کہا کہ عبداللہ بن عمیر اللیثی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے ہاں آیا، اور عورتوں کے متعہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا، تو امام باقر نے کہا متعہ اللہ نے اپنی کتاب میں اور اپنے پیغمبر کی زبان سے حلال قرار دیا ہے۔ تو وہ قیامت تک حلال رہے گا۔ سائل نے عرض کیا: اے ابوجعفر! آپ یہ کہہ رہے ہیں، حالانکہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے اس کو حرام کر دیا ہے، اور اس سے روک دیا ہے۔ امام باقر نے کہا: اگرچہ انہوں نے ایسا کیا ہو، (ان کے حرام کرنے سے متعہ تھوڑا ہی حرام ہو گیا ہے؟) عبداللہ بن عمیر نے کہا: میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، جس چیز کو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) حرام قرار دیں، آپ اُسے حلال سمجھ رہے ہیں؟ تو امام باقر نے کہا: تمہیں اپنے صاحب (عمرؓ) کا قول مبارک ہو اور مجھے اللہ کے رسول (ﷺ) کا ارشاد منظور ہے۔ آؤ میں اور تم اس بات پر مباہلہ کریں۔ کہ جو کچھ متعہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میں نے پیش کیا اور جو تم نے حضرت عمر کی روایت بیان کی ان میں سے میں سچا اور تم جھوٹے ہو۔ عبداللہ بن عمیر یہ سن کر کچھ آگے بڑھا، اور کہنے لگا کہ اگر آپ کی اپنی عورتیں، بیٹیاں، اور چچازاد ہمشیرگان متعہ کریں تو کیا آپ خوش ہوں گے؟ یہ سن کر امام باقرؒ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ (اور کچھ جواب نہ بن پڑا)۔''

فروعِ کافی کی مندرجہ ذیل روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعوتِ مباہلہ دینے والے بھی خود امام باقر رحمہ اللہ ہیں۔ اور اس سے فرار بھی آپ نے ہی کیا۔ اگر واقعہ (روایت) کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو اسی سے متعہ کے ناجائز اور فعلِ بد ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ جب امام باقر رحمہ اللہ کو سائل نے دوٹوک الفاظ میں یہ کہا کہ اگر آپ کی اپنی عورتیں، مائیں بہنیں وغیرہ متعہ کریں تو اسے پسند کریں گے؟ اور ایک حکم شرعی پر عمل پیرا ہوتا دیکھ کر مسرت محسوس کریں گے؟

1۔ فروع کافی جلد پنجم کتاب الجہاد و باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ص ۵۵ تا ۵۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تو آپؒ نے کراہت سے منہ پھیر لیا۔ اگر واقعی تا قیامت متعہ معروفہ جائز اور حلال ہوتا تو امام موصوف کا اس پیش کش کے جواب میں خوشی و مسرت کا اظہار فرمانا ایک دین دار کی علامت ہوتی۔ اور آپ قطعاً مباہلہ سے نہ کتراتے۔ لہٰذا آپ کا اعراض کرنا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ اس فعل کو شریفانہ اور مسلمانہ فعل نہیں سمجھتے تھے۔

رہا یہ معاملہ کہ اسی روایت کے ابتدائی الفاظ میں راوی نے حضرت باقر رحمہ اللہ سے متعہ کی حلّتِ ابدی کا ذکر فرمایا، اور اس کی حلّت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، اور اس کی کیا حقیقت ہے؟

تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ امام موصوف کی طرف یہ واقعہ ان لوگوں نے خود گھڑ کر منسوب کر دیا ہے، ورنہ آپؒ حلت و حرمت کے مسائل میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی سے عمل پیرا تھے، اور اس بارے میں کسی قسم کی شرم و ملامت کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔

چنانچہ فروعِ کافی میں آپؒ سے مروی یہ روایت اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے:

ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فریضۃ عظمۃ بھما تقام الفرائض۔ ھنالک غضب اللّٰہ عزّوجل علیھم فیعمّھم بعقابہ فیھلک الارض فی دائر الفجّار والصّغار فی دار الکبار...... ولا تخافوا فی اللّٰہ لومۃ لائم۔[1]

"امام باقر رحمہ اللہ نے فرمایا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک ایسا عظیم فرض ہے کہ اسی کی وجہ سے فرائض کا قیام ہوتا ہے (اگر اس فریضہ میں کوتاہی اور غفلت آن پڑے) تو اللہ کا غضب ایسے لوگوں پر مکمل طور پر آتا ہے اور بُروں کے گھروں میں نیک لوگ اور بڑوں کے گھروں میں چھوٹے سب ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آپؒ نے فرمایا، اللہ کے دین میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر کسی کی ملامت کی پرواہ تک نہ کرو اور اس فریضہ کو انجام دیتے رہو۔"

امام باقر رحمہ اللہ کے اس ذاتی ارشاد کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر آپؒ واقعی متعہ کی حلّتِ ابدی کے قائل ہوتے تو عبداللہ بن عمیر کے ساتھ دعوتِ مباہلہ میں مستورات کے متعلق باتوں سے شرم کھا کر کبھی اعراض نہ کرتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ واقعہ اوّل تا آخر سراسر من گھڑت ہے، اور حرام کاری کی لت اور بدکاری کی عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان ظالموں نے امام باقر رحمہ اللہ کو درمیان میں لا کھڑا کرنے میں ذرا بھی شرم و حیا نہ کی۔

؎ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن [1]

1۔ فقہ جعفریہ ج ۲ ص ۲۷۹

2۔ فروع کافی ج ۶ کتاب الزیّ والتجمل

3۔ فروع کافی ج ۶ کتاب الزیّ والتجمل

4۔ وسائل الشیعہ کتاب الطہارۃ۔ کتاب الطہارۃ باب اجزاء ستر العورۃ بالنورہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت امام باقرؒ کا ذاتی کردار

عبداللہ الرافقی کہتا ہے کہ میں مدینہ منورہ کے ایک حمام میں گیا، مجھے حمام کے مالک نے بتلایا کہ حضرت باقر رضی اللہ عنہ بھی یہاں آیا کرتے ہیں، آپ سب سے پہلے اپنی ناف کے نیچے والے بالوں وغیرہ پر چونے کا لیپ کرتے، پھر ایک کپڑا اپنے آلۂ تناسل پر لپیٹ کر مجھے بُلاتے، میں ان کے بقیہ جسم پر لیپ کرتا۔ ایک دن میں نے عرض کیا وہ خاص عضو کہ جس کو آپ مجھے دکھانا پسند نہیں فرماتے، میں نے تو اسے یقیناً دیکھ لیا ہے۔ فرمانے لگے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ چونے نے اُس کو چھپا رکھا ہے اور چونا بھی پردہ کا کام دے دیتا ہے۔ [2]

حضرت باقر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو۔ راوی کہتا ہے کہ ایک دن حضرت باقر رحمہ اللہ حمام میں تشریف لے گئے اور چونا لگایا تو اپنا تہبند اُتار پھینکا۔ یہ دیکھ کر ان کے ایک غلام نے عرض کیا، میرے ماں باپ قربان! آپ ہمیں تہبند کے بارے میں وصیت فرماتے ہیں اور اس کی پابندی کی تاکید کرتے ہیں، اور خود آپ نے اپنے جسم سے اُتار پھینکا ہے؟ فرمایا، تمہیں پتہ نہیں کہ چونا نے شرمگاہ کو ڈھانپ لیا ہے۔"[3]

حنان بن سدید اپنے والد سے روایت کرتا ہے کہ جب میں حمام میں داخل ہوا۔ تو میں نے اچانک دیکھا کہ حمام میں حضرت زین العابدین اور ان کے فرزند حضرت باقر موجود ہیں۔ صدوق نے اپنی اسناد کے ساتھ اس کو روایت کیا۔ پھر لکھا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امامِ وقت کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ اپنے ساتھ حمام میں اپنے بچے کو لے جائے، لیکن کوئی دوسرا اندر نہیں جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام چھوٹی عمر اور بڑی عمر دونوں میں معصوم ہوتا ہے۔ اس لئے اُس سے یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ حمام یا کسی اور جگہ شرمگاہ کی طرف دیکھے گا۔" [4]

اہل تشیع کی ان معتبر کتابوں سے ہم نے جو چند حوالہ جات پیش کیے ہیں، ان میں ان کے ہاں پردہ اور اس کے اعضاء کی تصریح ملتی ہے۔ پردہ ان کے ہاں برائے نام ہے، وہ اس طرح کہ اگر اعضائے پردہ پر چونا لگا ہو یا اپنا ہاتھ رکھا ہو یا اپنی بیوی کا ہاتھ رکھا ہو تو پردہ کی آیات واحادیث پر عمل ہوگیا۔ ایسے میں اگر کسی کی نظر پڑ جائے تو نہ دیکھنے والا گناہ گار اور نہ دکھانے والا بے شرم! ابھی حضرت جعفر صادق کے والد گرامی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے صرف عضو مخصوص پر چونا لگا کر پردہ کرلیا تھا۔ ان کے دیگر جسم کے حصوں پر چونا لگانے والا حقیقت بیان کررہا ہے کہ جس کا پردہ کیا جا رہا ہے اور جسے دیکھنے سے احتراز کی خاطر کچھ وقت کے لیے مجھے باہر بھیج دیا گیا، وہ تو مجھے نظر آرہا ہے لیکن امام صاحب پھر بھی بضد ہیں کہ بے وقوف! بکتے ہو، کچھ اور نظر آیا ہوگا۔ اس پر تو چونا لگا ہوا ہے اور وہ پردے میں چھپا بیٹھا ہے۔ بے چارہ چُپ ہوگیا اور اپنا کام انجام دیتا رہا۔ خدا لگتی کہیئے کہ حضرات ائمہ اہل بیتؓ کے پردے کا یہ عالم تھا کہ صرف آلۂ تناسل کا پردہ کرنا ضروری فرماتے رہے، اور دُبر کا اگرچہ پردہ ہے لیکن اس کا خود بخود بندوبست کردیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بقیہ

1۔ رجال کشی ص ۲۵۵۔ مطبوعہ کربلا تذکرہ ابوالخطاب　　2۔ رجال کشی ص ۱۳۴۔ مطبوعہ کربلا۔ تذکرہ زرارۃ بن ایمن

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اعضاء کا کوئی پردہ نہیں...... حاشا وکلا...... یہ شرم وحیا کے پیکر اس قدر بے حیائی کی تعلیم ہرگز نہیں دے سکتے۔ یہ روایات و احادیث دراصل زرارہ اور ابوبصیر ایسے خناس لوگوں کی اختراع ہیں جو اپنے دور میں ائمہ کے مبغوض وملعون تھے۔

حضرت باقر کی جانب سے دروغ گوئی کی بناء پر اپنے باپ کے راویوں پر لعنت

(۱) عَنِ ابْنِ بُکَیْرٍ عَنْ زُرَارَۃَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰہُ بَنَانَ الْبَیَانِ وَاِنَّ بَنَانًا لَعَنَہُ اللّٰہُ کَانَ یَکْذِبُ عَلٰی اَبِیْ اَشْھَدُ اَنَّ اَبِیْ عَلِیَّ بْنَ حُسَیْنٍ کَانَ عَبْدًا صَالِحًا۔ [1]

"ابی بکیر زرارہ سے روایت کرتا ہے کہ حضرت باقر رضی اللہ عنہ کو فرماتے میں نے سنا، اللہ "بنان البیان" پر لعنت کرے، کیونکہ بنان ملعون میرے والد زین العابدین پر جھوٹ باندھا کرتا تھا، حالانکہ میرے والد ایک نیک آدمی تھے۔"

(۲) حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عِیْسٰی عَنْ یُوْنُسَ عَنْ مُسْمَعِ کردبْنِ اَبِیْ سَیَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامِ یَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰہُ بَرِیْدًا لَعَنَ اللّٰہُ زُرَارَۃَ۔ [2]

"(بحذف اسناد) ابی سیا نے کہا، میں نے حضرت جعفر صادق ؓ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے، برید اور زرارہ پر اللہ کی لعنت ہو"

حضرت باقر کے بعد شیعہ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے

پہلا گروہ:۔ حضرت باقر ہی کو حی لا یموت (یعنی وہ زندہ ہیں مرے نہیں) سمجھتا ہے اور انہی کو امام مہدی مانتا ہے کہ اب کوئی اور مہدی نہیں۔

دوسرا گروہ:۔ حضرت باقر کے صاحبزادہ زکریا کو آخری امام مہدی وآخری امام مانتا ہے۔

تیسرا گروہ:۔ حضرت جعفر کی امامت کا قائل ہوا۔

نوٹ:۔ اس زمانہ میں حضرت حسن ؓ کے پڑپوتے محمد نفس زکیہ بھی امامت کے دعویٰ دار تھے اور ان کا منصور عباسی کے خلاف خروج معروف ومشہور ہے۔ نیز حضرت محمد باقر کے بھائی حضرت زید ؒجن کے حالات گذشتہ صفحات میں بیان کئے جاچکے ہیں، کے نام سے شیعیت مستقل کئی فرقوں میں بٹی، ان کے احوال بھی پیش کیے جاچکے ہیں۔

دسواں باب:

۱۔ ام فروہ ؓ کی والدہ، اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق ؓ تھیں۔

۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰

۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۱ ۴۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شیعیت

سیدنا جعفر الصادق رح کے عہد میں

(ولادت ۸۰ھ......تفویضِ امامت ۱۱۲ھ......وفات ۱۴۸ھ)

نام ونسب

جعفر نام، ابوعبداللہ کنیت، صادق لقب، آپ امام محمد المقلب بہ باقر کے صاحبزادے اور فرقہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں، نسب نامہ یہ ہے: جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ آپ کی ماں اُم فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کی لڑکی تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے: اُم فروہ[1] بنت قاسم بن محمد ابن ابی بکر، اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا۔

پیدائش

۸۰ھ میں مدینہ میں ہوئی۔[2]

فضل وکمال

آپ اس خانوادۂ علم وعمل کے چشم و چراغ تھے، جس کے ادنیٰ خدام مسندِ علم کے وارث ہوئے۔ آپ کے والد حضرت محمد باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ باقر آپ کا لقب تھا، آپ کے حلقۂ درس سے امام اعظم ابوحنیفہ النعمان جیسے اکابر امت نکلے، اس لئے جعفر صادق کو علم گویا وراثۃً ملا تھا۔ فضل وکمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے۔ حافظ ذہبی آپ کو ''امام'' اور ''احد السادۃ الاعلام'' لکھتے ہیں۔[3] اہل بیت کرام میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ

۱۔ تہذیب الاسماء ص ۱۵۰

۲۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴ بحوالہ ابن سعد

۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰

۴۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۳

۵۔ ایضاً ص ۱۰۵

۶۔ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فقہ، علم اور فضل میں سادات اہل بیت میں تھے۔ [4]

امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے۔ [1]

خدمتِ حدیث

حدیث آپ کے جد امجد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اقوال ہیں۔ اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا، چنانچہ آپ مشہور حفاظِ حدیث میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان کثیر الحدیث [2]۔ حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں۔ [3] حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت باقرؒ، محمد بن منکدر، عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء، عروہ، قاسم بن محمد، نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا۔ شعبہ، دونوں سفیان، ابن جریج، ابو عاصم، امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔ [4]

احترامِ حدیث

حدیثِ رسول ﷺ کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے۔ [5]

فقہی کمال

فقہ میں آپ کو اتنا کمال حاصل تھا کہ افقہ الفقہاء، امام زمن، امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ [6]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نواسے حضرت عبداللہ محضؒ جن کی والدہ فاطمہ بنت حسین تھیں اور بڑے متقی اور زاہد اور بڑے عالم دین تھے، اس مسئلہ امامت کی بدولت ان سے اور حضرت جعفر صادق سے خوب چلی، یہ اپنے بیٹے محمد کو جو بوجہ اپنے تقدس کے نفس زکیہ کے لقب سے ملقب تھے، امام بنانا چاہتے تھے اور حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ شیعہ مورخین کے بقول خود اپنی امامت قائم کرنا چاہتے تھے۔ (حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں جیسا کہ آئندہ حوالہ جات سے معلوم ہوگا)

حضرت عبداللہ محض نے بار بار حضرت جعفر صادق سے جا کر کہا کہ تم میرے بیٹے کی بیعت کرلو، مگر حضرت جعفر صادق نے نہ مانا، آخر حضرت عبداللہ کو غصہ آیا اور انہوں نے فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امامت اپنی اولاد کو نہ دی، بلکہ اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو دی تو حسین رضی اللہ عنہ کو کیا حق تھا کہ وہ امامت کو اپنی اولاد کی طرف منتقل کریں۔ یہ پورا قصہ اصول کافی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ میں منقول ہے۔

1۔ اصول کافی جلد اول ص ۳۶۲ کتاب الحجۃ مایفصل بہ بین دعوی المحق الخ مطبوعہ تہران طبع جدید

2۔ مقاتل الطالبین لابی الفرج ص ۲۵۴ تذکرہ محمد بن عبداللہ بن الحسن مطبوعہ بیروت طبع جدید

3۔ مرأۃ العقول تصنیف ملا باقر مجلسی شیعی جلد ۴ ص ۱۸۱۔ کتاب الحجہ باب کراہیۃ التوقیت، مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عبداللہ محض کے ساتھ حضرت حسن ﷛ کی تمام اولاد متفق تھی، اور دوسری طرف حضرت جعفر صادق اکیلے تھے، حضرت حسین ﷛ کی اولاد بھی سب ان کے ساتھ نہ تھی حتیٰ کہ ان کے بھائی اور چچا بھی ان کے خلاف تھے۔

جعفر صادقؒ کا امامت وخلافت کے منصوص من اللہ ہونے سے انکار

اصول کافی کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

قال له ابو عبداللہ علیه السلام انی لم انازعک و لم اجیئ لا تقدّم علیک فی الّذی انت فیه۔ [1]

"حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے زید بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمہارے ساتھ نہ تو جھگڑا کرنا چاہتا ہوں اور نہ مقابلہ میں آنا چاہتا ہوں اور نہ ہی تمہارے کام (امامت وخلافت) میں پیش قدمی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفر صادقؒ نہ تو خود کو منصبِ امامت پر فائز سمجھتے تھے اور نہ ہی شیعہ امامیہ کے عقیدے کے مطابق امامت کو منصوص من اللہ سمجھتے تھے۔

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے عبداللہ محض کی بیعت کرنا چاہی

"مقاتل الطالبین" میں یہ تفصیل موجود ہے کہ:

"(محمد بن عبداللہ) نفس زکیہ کی بیعت کے لیے جمع ہونے والے لوگ کہتے ہیں کہ) پھر ہم ان کے والد کے پاس اکٹھے ہو کر آئے۔ وہاں ہمیں محمد بن عبداللہ کی بیعت کی دعوت دی گئی۔ یہ سن کر حضرت جعفر صادقؒ نے کہا، آپ (عبداللہ) بزرگ آدمی ہیں، اگر آپ اپنی بیعت کروانا چاہیں تو میں تیار ہوں، لیکن تمہارا بیٹا (محمد)......تو خدا کی قسم! میں اس کی بیعت نہ کروں گا، اور تمہیں الوداع کہہ دوں گا۔" [2]

حضرت جعفر صادقؒ کا اپنی بیعت لینے سے انکار

صاحبِ مرآۃ العقول لکھتے ہیں:

وَالْاَظْهَرُ عَلٰی هٰذَا اَنْ یَکُوْنَ اِشَارَةً اِلٰی اِنْقِرَاضِ دَوْلَةِ بَنِیْ اُمَیَّةِ اَوْ ضُعْفِهِمْ وَاِسْتِیْلَآئِ اَبِیْ مُسْلِمٍ عَلٰی خُرَاسَانَ وَقَدْ کَتَبَ اِلَی الصَّادِقِ عَلَیْهِ السَّلَامُ کُتُبًا یُرِیْدُ الْبَیْعَةَ لَهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَلَمْ یُقْبَلْ لِمَصَالِحِ کَثِیْرَةٍ۔ [3]

"(امام مہدی کے ظہور سے مراد حق کے ظہور کا زمانہ ہے، اور یہی زیادہ ظاہر ہے جو کہ حضرت جعفر کا زمانہ بنتا ہے) اس تاویل کے مطابق اس کا ظاہر تر اشارہ یہ ہوگا کہ بنی اُمیہ کی حکومت ختم ہونے کو ہے، یا وہ کمزور پڑنے والی ہے، یا جڑ سے اُکھڑنے والی ہے، اور ابو مسلم کے خراسان پر قبضہ کی طرف اشارہ ہے۔ ابو مسلم نے حضرت

1۔ بصائر الدرجات الکبریٰ فی فضائل آل محمد تصنیف ابو جعفر محمد بن حسن فروخ شیعی ص ۱۹۵ تا ۱۹۶ جزء رابع باب ماعند الائمۃ مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف بہت سے رقعہ جات لکھے، جن میں ان سے بیعت کا اظہار کیا گیا تھا۔ تو آپؒ نے بہت سی مصلحتوں کے پیش نظر اس کی بیعت نہ لی (یعنی اپنے لیے امامت وخلافت کو قبول نہ کیا)۔

حضرت جعفر صادقؒ کا اپنے امام منصوص من اللہ ہونے سے صاف صاف انکار

بصائر الدرجات کی عبارت ملاحظہ ہو:

عن سليمان خالد قال بينا مع ابى عبدِ الله عليه السلام فى ثقيفةٍ لهٗ استأذن عليه أناس من اهلِ الكوفة فاذِنَ لهم فدخلوا عليه وقالوا يا ابا عبدِ الله انَّ أناسًا يَاتونا يزعُمون ان فيكم اهل البيت امامٌ مفترَضُ الطّاعة فقال ما اَعْرِفُ ذالك فى اهلِ بيتى قالوا يا ابا عبدِ الله يزعمون انك انت هو قال ما قُلتُ لهم ذالك قالُوا يا اَبا عبدِ الله انهم اصحابُ خَلوَةٍ واصحابُ ورعٍ وهم يزعُمون اِنَّك انت هو قال هم اعلَمُ وما قالوا قال فلمّا راَوْهُ انَّهم قد اغضَبوه فخرجوا۔[1]

"سلیمان خالد سے روایت ہے کہ ہم حضرت جعفر صادق کے ہمراہ ان کے باغ میں تھے، تو کوفہ کے کچھ لوگوں نے ان سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ حاضر ہو کر کہنے لگے، اے ابوعبداللہ! کچھ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم اہل بیت میں ایک امام ہیں جن کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہے۔ حضرت جعفر نے فرمایا، میں اپنے اہل بیت میں ایسا کوئی آدمی نہیں پاتا۔ انہوں نے عرض کیا، اے ابوعبداللہ! لوگوں کا آپ کے متعلق خیال ہے۔ فرمایا، میں نے تو انہیں ایسا کہنے کو نہیں کہا۔ انہوں نے پھر عرض کیا، ابوعبداللہ! وہ لوگ صاحب مشورہ، تنہائی پسند اور صاحبِ تقویٰ ہیں، ان کا خیال آپ کے متعلق ہے۔ فرمایا، وہ اپنے قول کو زیادہ جاننے والے ہیں؟ (یا میں اپنے متعلق زیادہ جانتا ہوں) جب ان کوفیوں نے دیکھا کہ حضرت جعفر رحمہ اللہ ان کی گفتگو کی وجہ سے غصہ میں آگئے ہیں تو وہاں سے چل دیئے۔"

حضرت جعفر صادقؒ کے دور میں مخلص شیعوں کی کل تعداد

شیعہ حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ کو حکومت کے خلاف اُکساتے بھڑکاتے اور خروج کے لئے مجبور کرتے رہتے تھے لیکن حضرت جعفر صادقؒ ان کے چکمے میں نہ آتے تھے۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے؟...... اس سلسلہ میں ایک روایت ملاحظہ ہو:

"سدید صیرفی بیان کرتا ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے حضور گیا اور عرض کی، خدا کی قسم! اب آپ کے لئے گھر میں بیٹھ رہنا درست نہیں۔ حضرت نے فرمایا یہ کیوں؟ میں نے کہا آپ کے دوستوں

1۔ کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص ۲۶۷ باب ۱۰۰ مطبوعہ شمیم بکڈپو

2۔ مقاتل الطالبین لابی الفرج ص ۲۵۴ تذکرہ محمد بن عبداللہ بن الحسن مطبوعہ بیروت طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شیعوں اور انصار کی کثرت کی وجہ سے، واللہ اگر امیر المومنین کے پاس اتنے شیعہ اور انصار ہوتے تو تیم اور عدی والے ان سے خلافت لے نہ سکتے تھے۔ فرمایا اے سدید! تم سب بھلا کتنے ہو؟ میں نے کہا ایک لاکھ۔ فرمایا ایک لاکھ؟ میں نے کہا جی ہاں بلکہ دو لاکھ۔ فرمایا دو لاکھ؟ میں نے کہا جی ہاں، بلکہ نصف دنیا۔ یہ سن کر حضرت خاموش ہو گئے اور فرمایا، کیا تیرے لیے یہ آسان ہے کہ تو ہمارے ساتھ چشمہ ینبع تک چلے؟ میں نے کہا ضرور۔ آپ نے حکم دیا کہ گدھے اور خچر پر زین رکھیں۔ میں نے جلد یہ خدمت انجام دی۔ اور میں گدھے پر سوار ہوا۔ فرمایا، اے سدید! حمار پر مجھے سوار ہونے دے۔ میں نے کہا خچر زیادہ شاندار اور شریف طبیعت ہے۔ فرمایا گدھا رفتار میں میری موافقت کرتا ہے۔ یہ سن کر میں اُتر آیا اور خچر پر سوار ہوا، اور حضرت حمار پر سوار ہوئے۔ ہم دونوں چلے، جب وقتِ نماز آیا تو فرمایا اُترو تا کہ نماز ادا کریں۔ اس کے بعد فرمایا یہ زمین شور ہے، یہاں نماز جائز نہیں۔ ہم پھر چلے، یہاں تک کہ ایک سرسبز اور سرخ رنگ کے خطہ پر پہنچے۔ ایک لڑکے کو بکریاں چراتے دیکھا، فرمایا اے سدید! اگر میرے شیعہ بقدر ان بکریوں کے ہوتے تو میں خروج کرتا۔ ہم وہاں اُترے اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد میں نے اُن بکریوں کو شمار کیا تو ان کی تعداد سترہ تھی۔" [1]

راوی کہتا ہے کہ ہم تمام بنی ہاشم کے ساتھ اکٹھے ہو کر چل پڑے۔ حتیٰ کہ جناب عبداللہ محض کے پاس آ گئے۔ (یہاں پہنچنے پر ہمیں) محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کی بیعت کرنے کی دعوت دی گئی۔ تو اس کے جواب میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے کہا، اے عبداللہ! آپ بزرگ ہیں، اگر ارادہ ہو تو میں آپ کی بیعت کر سکتا ہوں، لیکن آپ کا بیٹا (محمد بن عبداللہ نفس زکیہ) تو خدا کی قسم! میں اس کی بیعت نہ کروں گا اور تمہیں تمہارے حال پر چھوڑتا ہوں۔" [2]

اس قضیہ کو مزید سمجھنے کے لئے ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

"محمد بن عبداللہ نے ظاہر ہو کر لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ موسیٰ کا بیان ہے، اول بیعت کرنے والوں میں مَیں تین میں کا تیسرا تھا اور لوگوں نے پکی بیعت کی، نہ کسی قرشی نے اختلاف کیا نہ انصاری نے نہ عربی نے، اور مشورہ دیا کہ محمد کو عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین نے اور وہ ان کے لشکر کے افسر تھے، کہ آپ لوگوں کو اپنے رشتہ داروں کے پاس بیعت کے لیے بھیجیں۔ اگر آپ نے نرمی سے دعوت دی تو وہ قبول نہ کریں گے۔ لہٰذا سختی سے کام لیجئے اور ان کا معاملہ میرے سپرد کیجئے۔ محمد نے کہا، میں نے اختیار دیا جو چاہو کرو۔

اُس نے کہا پہلے ان کے سردار اور بزرگ یعنی حضرت جعفر صادق کے پاس بھیجئے جب آپ ان پر سختی کریں گے تو لوگ سمجھ جائیں گے کہ تم ان کے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کرو گے جیسا ابو عبداللہ (حضرت جعفر صادق) کے ساتھ کیا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ تھوڑی دیر کے بعد محمد کے پاس امام علیہ السلام کو لایا گیا اور عیسیٰ نے انہیں کہا آپ محمد کی بیعت کر لیجئے جان کی سلامتی اسی میں ہے۔

1۔ کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ۱ ص ۴۳۹، ۴۴۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آپ نے محمد کو مخاطب کر کے کہا، کیا تم نے حضرت رسولِ خدا کے بعد اور نبوت پیدا کر لی؟ محمد نے کہا نہیں، مگر آپ کو بیعت کرنا ہوگی تاکہ آپ کی جان محفوظ رہے اور آپ کی اولاد بھی۔ اور آپ کو لڑنے کی تکلیف نہ دی جائے گی۔ حضرت نے فرمایا، نہ مجھے کسی سے لڑنا ہے اور نہ مجھ میں قوتِ جنگ ہے۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا تمہارے باپ سے کہہ چکا ہوں۔ میں نے اس مصیبت سے جو اُن کو گھیرے ہوئی تھی ڈرایا تھا مگر مقدرات کے سامنے ڈرانا کیا کام دیتا ہے۔ میرے بھتیجے! تم اس کام کے لیے جوانوں کو لو، اور بڈھوں کو چھوڑ دو۔ محمد نے کہا، بلحاظ سن میرے اور آپ کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ حضرت نے فرمایا میں تم سے نہ جھگڑا کرنا چاہتا ہوں اور نہ مقابلہ میں آنا چاہتا ہوں اور نہ جس کام کے لئے تم اٹھے ہو اس میں پیش قدمی کرنا چاہتا ہوں۔" [1]

قارئین! ایک قابل عبرت بات اس موقع پر یہ بھی بیان کر دینے کی ہے کہ شیعہ محب اہل بیت ہونے کا دعویٰ تو بہت کرتے ہیں لیکن موقع پر جیسی وفاداری ان سے ظہور میں آتی رہی سب جانتے ہیں۔ ابھی احول صاحب کی اور زید شہید کی گفتگو اوپر نقل ہو چکی لیکن اہل سنت والجماعت نے ہمیشہ ایسے مواقع میں وفاداری اور جاں نثاری کا جو منظر پیش کیا ہے وہ صفحاتِ تاریخ میں قیامت تک چمکتا رہے گا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ یہ دونوں جلیل القدر امام حضرت محمد ملقب بہ نفسِ زکیہ کے ساتھ تھے اور اس ساتھ دینے پر دونوں جلیل القدر اماموں نے بہت ایذائیں اٹھائیں۔ علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی کی اس روایت کی شرح لکھتے ہیں:

"پس ظاہر شد محمد بن عبداللہ و مجمع شدند مردم برائے او اختلاف نہ کردہ بروہیچ یک از قریش کہ مدنی بود نہ ہیچ یک از اہل مدینہ و مثل ابوحنیفہ کہ بہ سبب ایں در زندان منصور دوانیقی مرد و مثل مالک بن انس کہ بسبب ایں عیسیٰ بن موسیٰ اورا زد۔"

ترجمہ:۔ "پھر عبداللہ محض کے بیٹے محمد ظاہر ہوئے اور لوگ ان کے لئے جمع ہوئے اور ان کی امامت میں کسی قریشی نے جو مدینے کا رہنے والا تھا، نیز مدینہ کے کسی رہنے والے نے اختلاف نہیں کیا اور ابوحنیفہ جیسے شخص انہی کے سبب منصور دوانیقی (خلیفہ وقت) کے قید خانہ میں مر گئے اور مالک بن انس جیسے شخص کو انہی کے سبب سے (عیسیٰ بن موسیٰ) نے مارا پیٹا۔"

اس روایت سے واضح معلوم ہوتا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تمام سوانح عمریوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جنابِ نفس ذکیہ کا بھرپور ساتھ دیا۔ شیعیت کا منصبِ امامت کے متعلق یہ عقیدہ کہ منصوص من اللہ ہے، ویسے ہی پاش پاش ہو جاتا ہے کہ اگر واقعی یہ منصب منصوص من اللہ ہوتا تو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے لئے اس سے لاتعلقی اور عدمِ قبولیت سے کفر لازم آتا اور حضرت نفس ذکیہ بھی بلا استحقاق اس منصب کے حصول کی جدوجہد کی بناء پر کافر ٹھہرتے، معاذ اللہ...... ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر جعفر صادق رحمہ اللہ نے امامت کا دعویٰ

1۔ عقائد جعفریہ جلد دوم ص ۱۲۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فرمایا ہوتا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ لازماً ان کی اتباع وحمایت کرتے ، اور حضرت نفس ذکیہؒ کی حمایت حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے مقابلہ میں تو قطعاً ان کے ہاں ناممکن ہوتی ، اس دلیل کو ہر عقلمند بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد علی ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ امامت وخلافت دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہ منصب از روئے قرآن وحدیث بارہ حضرات کے لئے مخصوص اور منصوص من اللہ ہے۔ اگر یہی حقیقت تھی تو پھر حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے دور میں بنی ہاشم اور دیگر سرکردہ حضرات کی خصوصی مجلسیں برائے تقرریٔ خلیفہ وامام کیوں منعقد ہوتی رہیں؟ ایسے میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے کیوں نہ بتلایا کہ لوگو! تمہاری مجالس فضول ہیں۔ مشورے سے کوئی شخص خلیفہ یا امام نہیں بن سکتا بلکہ وہ منصوص من اللہ ہوتا ہے اور میں منصوص من اللہ ہوں، لہٰذا کسی اور کے بارے میں کیوں سوچ رہے ہو؟

امام کا ''منصوص من اللہ'' ہونا عجیب شرط ہے، کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے نہ خود اس امر کو پیش فرمایا اور نہ ہی آپ کے افرادِ خانہ میں سے کسی نے اس شرط کے بارے میں کہیں تذکرہ کیا۔ اگر یہ شرط ہوتی تو کسی ایک کے کہنے پر خود حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی بیعت پر سب کا اتفاق کرنا ضروری تھا۔ کسی دوسرے کی تلاش کی کیا ضرورت تھی؟ اگر امامت ''منصوص من اللہ'' تھی تو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے اِسے کیوں چھپائے رکھا؟ حالانکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک قول اور فیصلہ ''نہج البلاغہ'' میں یوں مذکور ہے: ''میں دو آدمیوں سے جہاد کروں گا۔ ایک اُس سے جو امامت کا اہل نہ ہو اور پھر دعویٰ امامت کرے، دوسرا وہ جو امامت کا اہل ہے لیکن اس کا دعویٰ نہیں کرتا''۔

سوچئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق حضرت جعفر صادق کو دوٹوک فیصلہ کرنا چاہئے تھا۔

اگر امامت کے مستحق اور منصوص من اللہ تھے تو ان لوگوں کے خلاف جہاد کرتے جو کسی دوسرے کو امام بنانے کی فکر کر رہے تھے۔ بلکہ امام بنا کر ان کی بیعت بھی کرلی۔ اور اگر مستحق نہ تھے تو پھر مستحق کی امامت کو تسلیم کیوں نہ کیا؟

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ اگر اپنے آپ کو ''امام منصوص من اللہ'' سمجھتے تو پھر جناب عبداللہ محض کے حق میں دستبرداری کا کیا جواز ہوگا؟ اس دستبرداری کی دو ہی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو آپ نے صدقِ دل سے ان کی بیعت پر آمادگی کا اظہار فرمایا، یا از روئے مذاق؟ اگر صدقِ دل سے آمادگی تھی تو ''منصوص من اللہ'' سے دست برداری کر کے اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کے مرتکب قرار پائے، اور ایسا آدمی امام وخلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر از راہِ مذاق کہہ رہے ہیں تو پھر امام کی عصمت اور حقانیت پر دھبہ لگتا ہے۔ یہ بھی ایک امام کے لیے معیوب بات ہے۔'' [1]

عباسی تحریک کی ابتداء اور خلافتِ عباسیہ کا قیام

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ کے ''دورِ امامت'' میں ہی حالات نے پلٹا کھایا اور اُموی خلافت کا خاتمہ اور عباسی خلافت کا قیام عمل میں آیا، اس لئے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس انقلاب کے حوالے سے ضروری معلومات قارئین کی خدمت میں پیش کی جائیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا میں شہادت کے بعد ان کے فرزند سیدنا زین العابدین رحمہ اللہ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور شیعانِ علیؓ کی ترغیب وتحریص میں آکر حکومت کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کرنے اور پھر اپنوں کی بے وفائی سے مارے جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ شیعانِ علیؓ نے ان سے مایوس ہو کر حضرت علیؓ کے غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہ کو تحریک کی قیادت سونپ دی، ۷۳ھ میں محمد بن حنفیہؒ کی وفات کے بعد ان کے فرزند اور فرقہ کیسانیہ کے امام ابو ہاشم عبداللہ نے اپنے والدؒ کے جانشین کی حیثیت سے حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کا پروگرام مرتب کرنا شروع کیا، لیکن اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے انہیں اپنے ایک آدمی کے ذریعے زہر ملا دودھ پلوا دیا، جس سے ابو ہاشم سخت بیمار ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد ابو ہاشم ملکِ شام کی ایک بستی حمیمہ میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے ہاں اقامت گزین تھے کہ ان کا آخری وقت آ پہنچا تو انہوں نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے جانشین کی حیثیت سے تحریک کا سربراہ مقرر کر دیا اور تحریک سے متعلق ضروری ہدایات دیں اور تحریک سے وابستہ افراد کو محمد بن علی کو قائد تسلیم کرنے اور ان کے احکامات کی تعمیل کرنے کے خطوط تحریر کئے اور ۹۸ھ میں ابو ہاشم عبداللہ نے حمیمہ میں وفات پائی اور محمد بن علی نے ۳۸ برس کی عمر میں تحریک کی ذمہ داریاں اور قیادت سنبھالی۔ اس طرح یہ تحریک غیر فاطمیوں سے عباسیوں میں منتقل ہو گئی اور یہ تحریک عباسی کے نام سے موسوم ہوئی۔ محمد بن علی نے تحریک کو منظم کرنے کے لئے اصول وضوابط ترتیب دیئے اور تحریک کی دعوت ونشر واشاعت کی ذمہ داری ۷۰ داعیوں کو سونپ دی تاکہ مختلف علاقوں میں تحریک کا پرچار کر کے پھیلائیں اور لوگوں کو اپنا ہمنوا بنائیں اور ان داعیوں کی نگرانی کے لئے ۱۲ نقیب مقرر کئے۔

عباسی تحریک کے قائد محمد بن علی نے ۱۲۶ھ/ ۷۴۴ء میں وفات پائی اور ان کے بعد ان کے لڑکے ابراہیم بن محمد بن علی جانشین ہوئے اور عباسی تحریک کی قیادت سنبھالی اور تحریک کو از سرِ نو منظم کیا قواعد وضوابط ترتیب دیئے اور تجربہ کار داعی بکیر بن ماہان کو قواعد وضوابط کے اجراء اور تحریکی امور کی انجام دہی کے لئے خراسان بھیجا، اس نے خراسان کے تمام عباسی داعیوں کو جمع کیا اور امام کے احکامات اور نصائح سنائے اور ان کو موثر انداز میں چلانے کی ہدایات دیں اور ان داعیوں سے ابراہیم بن محمد کی بیعت لے کر واپس حمیمہ آ گیا۔ ابراہیم بن محمد کی قیادت میں عباسی تحریک کے امور بڑے

1۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۳۰۵

2۔ دائرہ معارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۹۱۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

احسن طور پر انجام پائے جس سے عباسی تحریک کو بڑی تقویت ملی اور یہ تحریک خفیہ طور پر ترقی کے منازل طے کرتی رہی۔

ابو مسلم خراسانی کا عباسی تحریک میں کردار

ابو مسلم خراسانی نے عباسی تحریک میں اہم کردار ادا کیا اور عباسی خلافت کے خواب کو حقیقت کے روپ میں ڈھالنے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ابو مسلم خراسانی کا نام ابراہیم بن عثمان بن بشار تھا، وہ ایرانی نژاد غلام تھا، ایک روایت کے مطابق ابو مسلم خراسانی بزوجمہر کی اولاد میں سے تھا اور اصفہان میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے باپ کی وصیت کے مطابق عیسیٰ بن موسیٰ سراج نے اس کی پرورش کی اور جب ابو مسلم ۷ برس کا تھا وہ اسے کوفہ لے آیا اور یہیں اس کی پرورش ہوئی۔ اسے عباسی تحریک کے امام ابراہیم بن محمد کی خدمت میں پیش کیا۔ امام ابراہیم نے اس کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمن نام رکھا اور کنیت ابو مسلم رکھی اور کچھ عرصہ بعد اس کا عقد ابو نجم عمران بن اسمٰعیل کی لڑکی سے کر دیا تھا۔ [1]

دائرہ معارف الاسلامیہ کے مطابق ابو مسلم خراسانی کی پرورش عیسیٰ بن موسیٰ نے کی تھی جسے عباسی تحریک کی حمایت و معاونت کے جرم میں گرفتار کر کے قید کر دیا گیا تھا۔ اس بناء پر ابو مسلم خراسانی بنواُمیہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔

ابو مسلم خراسانی کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ کوفہ میں بنو عجل کا ملازم تھا جہاں وہ ۱۱۹ھ/ ۷۳۷ء میں غالی شیعہ المغیرہ بن سعید کے پیروکاروں میں تھا۔ ۱۲۴ھ مطابق ۷۴۲ء میں عباسی نقیب جو مکہ جا رہے تھے اسے زندان میں محبوس پایا تو انہوں نے اسے رہائی دلائی اور امام ابراہیم کے پاس پہنچا دیا۔ اس طرح ابو مسلم خراسانی عباسی تحریک میں شامل ہو گیا۔ [2]

ابو مسلم خراسانی دانشمند، ذہین اور حاضر دماغ شخص تھا، اس کی حسنِ خدمت اور کارگزاریوں سے امام ابراہیم بے حد متاثر ہوا اور اسے خراسان کا رئیس دعاۃ مقرر کر کے خراسان بھیجا، اس نے اپنی دانشمندی سے خراسان کے چپہ چپہ میں عباسی دعوت کو پھیلا دیا اور اس کی کوششوں سے اہل خراسان عباسی تحریک میں شامل ہو گئے کیونکہ عجمیوں کے دلوں سے ان کی حکومت واقتدار کے زوال کا داغ اب تک نہ مٹا تھا ان کے دل میں ہمیشہ عربوں سے انتقام کے جذبات پرورش پاتے رہے لیکن انہیں اعلانیہ مقابلے کی ہمت نہ ہوئی البتہ خفیہ سازشیں کرتے رہے اور عربوں کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک سے انہیں مخالفت کا موقع ہاتھ آ گیا اور اہل خراسان ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں بنواُمیہ کے خلاف اعلانیہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے اس زمانے میں خراسان میں عربوں کے مضری، یمنی اور ربیعہ قبائل باہمی خانہ جنگی کا شکار ہو گئے جس نے عربوں کی قوت کو کمزور کر دیا۔ ابو مسلم خراسانی نے اس صورتحال سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

ڈاکٹر محمد البندا ری لکھتے ہیں:

"امامت اور بیعت کی کشمکش اور جھگڑے چل ہی رہے تھے کہ خراسان میں ابو مسلم خراسانی ظاہر ہوا اور اس

1۔ الملل والنحل شہرستانی ج ۲ ص ۸۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے اہل بیت کے لئے دعوت دینا شروع کر دی اور اس سلسلہ میں حضرت جعفر صادقؑ کو خط لکھا جس کے جواب میں اسے حضرت جعفر صادقؑ نے لکھا: "ما أنت من رجالي ولا الزمان زماني"[1] یعنی تو میرے دوستوں میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ میرا زمانہ ہے۔

اس پر ابو مسلم انہیں چھوڑ کر ابو العباس سے مل گیا۔ اس کے بعد فرقہ رازمیۃ پیدا ہوا جس نے ابو مسلم خراسانی کی امامت کی طرف دعوت دینا شروع کی۔ اور اس دعوت کا مقصد اہل فارس میں فارسیت کی تحریک چلا کر ان کو عربوں کے خلاف اُبھارنا تھا۔ چنانچہ عربوں نے اس سازش کو تاڑ لیا اور نصر بن سیار نے ہشام بن عبد الملک کو لکھا:

فقلت من التعجب ليت شعري
أ أيقاظ أمية أم نيام

میں نے کہا تعجب ہے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ بنواُمیہ جاگ رہے ہیں یا سوئے ہوئے ہیں۔

فإن كانوا لحينهم نيامًا
فقل قوموا فقد حان القيام

اگر وہ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں تو انہیں کہہ دو کہ اٹھو اب جاگنے کا وقت ہے۔

ففری عن رحالک ثم قولي
على الاسلام والعرب السلام

اے میرے نفس اپنے گھر سے بھاگ جاؤ اور پھر یہ کہو کہ اسلام اور عربوں پر سلام۔

اور جب خراسان میں مضریہ اور یمانیہ کے درمیان فتنہ اور اختلاف شروع ہوا اور اس کے بڑھکانے میں اہل فارس نے جو کردار ادا کیا۔ اسے دیکھتے ہوئے نصر بن سیار نے پھر حکمران بنواُمیہ کو ڈراتے ہوئے لکھا:

ابلغ ربيعة في مرو واخوتهم
فليغضبوا قبل أن لا ينفع الغضب

مقام مرو میں قبیلہ ربیعہ اور ان کے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ابھی جوش میں آ ؤ اس سے قبل کہ جوش اور غصہ کام نہ آئے۔

ما بالكم تلقحون الحرب بينكم
كأن أهل الحجا عن فعلكم غيب

1۔ العقد الفرید ابن عبدربہ ج ۴ ص ۴۷۸، الفتوح، ابن الاعثم ج ۸ ص ۱۵۷، ۱۶۱۔ عیون الاخبار، القرشی ج ۴ ص ۳۰۸

2۔ الانتفاضات الشیعیۃ، ہاشم الحسینی ۵۱۰

3۔ الزندقہ، سمیرہ مختار ص ۱۰۷، ۱۶۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ آپس میں لڑ رہے ہو گویا کہ عقلمند لوگوں کو تمہارے اس فعل کا کوئی علم نہیں۔

وتتركون عدوًا قد أظلكم

مما تاشب لا دين ولا حسب

اور اپنے دشمن کو تم نے چھوڑ رکھا ہے جو جمع ہو کر تمہارے سروں پر آ کھڑا ہوا ہے، جن کا نہ کوئی دین ہے اور نہ حسب ہے۔

قومًا يدينون دينًا ما سمعت به

عن الرسول ولم تنزل به الكتب

ایسے لوگوں کو تم نے چھوڑ رکھا ہے جو ایسے دین کے پیروکار ہیں جس دین کے بارے میں نہ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور نہ ہی وہ کسی کتاب میں اترا۔

فمن يكن سائلًا عن اصل دينهم

فان دينهم ان تقتل العرب [1]

اگر کوئی شخص ان کے اصل دین کے بارے میں پوچھے تو اسے جواب دو کہ ان کا دین یہ ہے کہ عربوں کو قتل کر دو۔"

شاعر نے ان اشعار میں جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہل فارس نے جو تشیع کو اختیار کیا تھا اس کے اصل محرکات کیا تھے؟ وہ عربوں کا مقابلہ اور ان کے خلاف جنگ تھی، جس کے لیے انہوں نے امتِ عربیہ کے اجتماعی قوت کو اندر سے مزید ٹکڑے ٹکڑے کرنا شروع کیا۔ چنانچہ پہلے اہل بیت کو تقسیم کیا، پھر بنی اُمیہ، مضریہ اور یمینیہ کو اور آخر میں علوی اور عباسی ایک ہی گھر کے افراد کو جدا جدا کر دیا۔ نیز اس سے دعویٰ کا بھی بطلان ہوتا ہے کہ اموی دور میں حکومت کی مخالفت طبقاتی عدم مساوات کی وجہ سے تھی کیونکہ عباسی دورِ حکومت میں تو یہ حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے حکومت کے خلاف نظریاتی اور مسلح دونوں قسم کی تحریکیں چلائیں، اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ سب کچھ باقاعدہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے ماتحت ہو رہا تھا تا کہ رفتہ رفتہ اہم مناصب پر قبضہ کرتے کرتے آخر کار عربوں کے تسلط کو بالکل ختم کر دیا جائے۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان تمام انقلابی فرقوں کے قائدین باوجود اس کے کہ ان کے آپس میں نظریاتی اختلاف

1۔ الزندقہ، سمیرہ مختار ص ۱۳۷

2۔ الزندقہ، سمیرہ مختار ۱۶۲

3۔ الزندقہ، سمیرہ مختار ۱۶۳

4۔ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۳۴۱

5۔ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۶۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پائے جاتے ہیں، سب ہی اہل بیت کو اپنی اپنی تحریکوں کیلئے بطور شعار استعمال کرتے تھے، جیسے ابو مسلم خراسانی نے کیا۔[2] اس کے بعد بے ہافرید، سنباذ، اسحاق خرامیہ، روانڈیہ، استادسیس، مازیار، افشین اور مقنع۔[3] سب نے اہل بیت کو اپنا شعار بنایا اوران میں سے ہر ایک نے زرتشتی مذہب کو زندہ کرنے کی کوشش کی اور اسے سہارا دینے کے لیے اس میں کچھ اسلامی عقائد کا امتزاج بھی کر دیا۔ علامہ مقدسی فرماتے ہیں:

"یہ مختلف فرقے اور جماعتیں ہیں لیکن سب کے سب رجعت کے عقیدہ پر متفق ہیں اور نام اور جسم کی تبدیلی (تناسخ) کے قائل ہیں اور ان کا خیال ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سب کے سب باوجود اختلاف شرائع اور ادیان کے ان کی روح ایک ہی ہوتی ہے اور یہ کہ وحی کبھی منقطع نہیں ہوتی۔[1] نیز یہ سب تحریکیں زرادشت کی طرح یہ بشارت دیتی رہی ہیں کہ ایک نجات دہندہ کا ظہور ہوگا اور یہ کہ عربوں کے تسلط کے بعد دوبارہ ان کا ملک واپس ان کو ملے گا۔[2] یہی وجہ ہے کہ ولیم مور جب افشین کا محاکمہ کرتا ہے تو اپنی اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ عباسی سلطنت کی مشرقی ریاستوں کے باشندے اپنے سابقہ مشرکانہ عقائد پر جمے ہوئے تھے۔[3]

ابو مسلم خراسانی نے عربوں کے باہمی اختلافات کو مزید ہوا دی اور موقع کی تاک میں رہا، اور جب اس نے محسوس کیا کہ یمنیوں اور ربیعہ قبیلے کی مدد سے مضریوں کی طاقت ختم ہوسکتی ہے تو وہ یمنی اور ربیعہ قبیلے کی مدد کے لئے ان کے ساتھ ہوگیا، اس نازک صورتحال سے مجبور ہو کر والی خراسان نصر بن سیار نے یمنی سردار جدیع بن کرمانی کے پاس مصالحت کے لئے بھیجا کہ "ابو مسلم خراسانی کی باتوں میں آ کر اس کے خطرہ سے غافل نہ ہو جانا، مجھے اندیشہ ہے کہ میرے خلاف اس سے اتحاد کرنا بہت بڑا فریب ہے"۔ جدیع یہ سن کر مصالحت کے لئے نصر بن سیار کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوا لیکن نصر بن سیار نے موقع پا کر راستہ ہی میں جدیع کرمانی کو قتل کرا دیا، اس قتل سے یمنی سخت مشتعل ہوئے اور جدیع کرمانی کا لڑکا اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے ابو مسلم خراسانی کے ساتھ ہوگیا، نصر بن سیار کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وہ تنہا ان کا مقابلہ کرتا، اس نے مروان ثانی کو خراسان کی صورتحال اور ابو مسلم خراسانی کی بڑھتی ہوئی طاقت اور مدد کے لئے لکھا، لیکن مروان ثانی والئ عراق ابن ہبیرہ اور خوارج کی شورشوں کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ دے سکا۔

ابراہیم کی گرفتاری اور قتل

خراسان میں عربوں کی باہمی خانہ جنگی کے وقت امام ابراہیم نے حمیمہ سے ایک خط ابو مسلم خراسانی کو لکھا کہ "اگر تم نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نصر بن سیار اور جدیع کرمانی کا خاتمہ نہ کیا تو یہ سخت نالائقی ہوگی اور خبردار خراسان پر قابض ہونے کے بعد کسی بھی عربی زبان بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑنا۔"[4] اتفاقاً یہ خط مروان ثانی کے اہلکاروں کے ہاتھ پکڑا گیا جسے پڑھ کر وہ سخت برہم ہوا اور اس نے ابراہیم بن محمد کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور امام ابراہیم کو گرفتار کر کے حران میں قید کر دیا گیا اور یہی خلیفہ مروان ثانی کے حکم سے انہیں قتل کر دیا گیا۔[5]

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عباسیوں کا خروج

امام ابراہیم کی حمیمہ سے گرفتاری اور حران میں قید کئے جانے کے بعد ابراہیم کے دونوں بھائی ابوالعباس السفاح اور ابوجعفر خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ حمیمہ سے کوفہ آ کر عباسی داعی ابوسلمہ کے پاس مقیم ہوگئے، ابومسلم خراسانی کو امام ابراہیم کی موت اور ان کے بھائیوں کی کوفہ منتقلی کی خبر ملی تو وہ خراسان سے کوفہ پہنچا اور العباس کی بیعت کر کے ابراہیم کے جانشین کی حیثیت سے عباسی تحریک کا سربراہ بن گیا، ابوالعباس نے ابومسلم خراسانی کو خراسان میں تحریک سے متعلق اہم ہدایات دیں اور ابراہیم کی موت کے صدمہ کی وجہ سے سخت احکام جاری کئے کہ ''خراسان کا جو عرب دعوت قبول نہ کرے اسے قتل کر دیا جائے''۔ ابومسلم خراسانی احکامات لے کر خراسان پہنچا اور پورے خراسان کا دورہ کر کے خروج کی تاریخ مقرر کر دی تا کہ مقررہ دن پورے خراسان کے عباسی اٹھ کھڑے ہوں اور اس دن سیاہ لباس پہنیں۔

خراسان میں بنواُمیہ کے خلاف خروج کی مقررہ تاریخ کو ہراۃ، بوشنج، مروالروز، طالقان، مرو، نساء، ابیورد، طوس، نیشاپور، بلخ، صغانیان، طخارستان، کش، نسف اور ختلان وغیرہ کے سیاہ لباس پہنے ہوئے عباسی میدانِ عمل میں آ گئے، انہوں نے چھوٹے چھوٹے ڈنڈے ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے، جنہیں ''کافر کوبات'' کا نام دیا گیا تھا۔ ایک لاکھ سے زائد عباسی ابومسلم خراسانی کے گرد جمع ہوگئے، اس صورتحال کو دیکھ کر نصر بن سیار کو بڑی تشویش ہوئی، اسے اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں یمنی اور ربیعہ بھی اس کے ساتھ نہ ہو جائیں کیونکہ اسے اپنا انجام دکھائی دے رہا تھا، اس شکست کے ڈر سے نصر بن سیار پھر مصالحت کے لئے کوشاں تھا اور ایک عرب سردار یحییٰ بن نعیم کی کوششوں سے عربوں کے مضری، یمنی اور ربیعہ قبائل میں اتحاد ہوگیا اور وہ باہم متحد ہو کر ابومسلم خراسانی کے مقابلے کے لئے نکلے۔ ابومسلم خراسانی نے عین میدانِ جنگ میں عباسی داعی سلیمان بن کثیر کے ذریعے جدیع کرمانی کے لڑکے کو پیغام بھیجا کہ تمہاری غیرت نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ تم نے اپنے باپ کے قاتلوں سے صلح کر لی ہے۔ یہ سن کر اس کی رگِ جہالت بھڑک اٹھی اور یہ حربہ کامیاب ثابت ہوا کہ جوش میں وہ نصر بن سیار سے علیحدہ ہوگیا اور اس طرح عربوں کا اتحاد ختم ہوگیا۔ عربوں کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے بعد ابومسلم خراسانی نے باآسانی خراسان پر قبضہ کر لیا اور سب سے پہلے مرو پر قبضہ کر کے عباسی حکومت کی بنیاد رکھی۔ والی خراسان نصر بن سیار میں ابومسلم خراسانی سے لڑنے کی قوت نہ تھی لہٰذا اس نے راہِ فرار اختیار کی، خراسان پر قابض ہونے کے بعد ابومسلم خراسانی نے یمنی اور ربیعہ قبائل کے خاتمے کو ضروری سمجھا کیونکہ وہ عرب تھے اور وہ عربوں کا دشمن تھا اور اس کا اتحادِ عربوں میں پھوٹ ڈال کر اپنے مقصد کے حصول تک محدود تھا۔ اس نے اپنی عرب دشمنی کا بھرپور مظاہرہ کیا حتیٰ کہ یمنی سردار جدیع کرمانی کے بیٹوں علی اور عثمان کو بھی قتل کرا دیا، خراسان کے بعد عباسی عراق پر بھی قابض ہوگئے۔ کوفہ پر محمد بن خالد کے قبضہ کے بعد عباسی داعیوں نے ربیع الاول میں ابوعباس السفاح کی بیعت کر کے خلیفہ بنا لیا اور اس نے خلیفہ کی حیثیت سے کوفہ

1۔ التنبیہ والاشراف المسعودی صفحہ ۲۲۲

2۔ سیوطی تاریخ الخلفاء ص ۳۲۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کی جامع مسجد میں پہلا خطبہ دیا۔

مروان ثانی اموی حکومت کو سہارا دینے کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر کے ہمراہ حران سے روانہ ہوا، چنانچہ ۱۳۲ھ میں دریائے ذاب کے کنارے مروان ثانی اور عباسیوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ جس میں مروان کو شکست کھا کر فرار اختیار کرنا پڑا۔ جہاں سے وہ موصل پہنچا، عبداللہ بن علی تعاقب کر رہا تھا، اس لئے وہ یہاں نہ ٹھہر سکا اور حران کے راستہ شام آ گیا۔ یہاں سے حمص، دمشق اور فلسطین ہوتا ہوا مصر پہنچا لیکن ابوعون اور صالح تعاقب کرتے ہوئے مصر پہنچ گئے، بوصیر کے مقام پر یہ مدمقابل ہوئے۔ مروان ثانی کے ساتھ بہت مختصر فوج تھی، عباسیوں کے مقابلے میں شکست ہوئی اور مروان ثانی بھی اس آخری معرکے میں مارا گیا۔ اس طرح ذی الحجہ ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء میں آخری اُموی خلیفہ مروان ثانی کے مارے جانے کے بعد سرزمین مشرق میں اموی اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

عباسی انقلاب کے نتائج

عباسی انقلاب کے نتیجہ میں محض شاہی خاندان کی تبدیلی نہ تھی بلکہ اس تحریک میں نسلی نظریات کا عنصر کارفرما رہا، عباسیوں اور اُمویوں کی لڑائی میں ایران کی آریائیت اور عرب کی سامیت کی کشمکش تھی جو عربوں پر ایرانیوں کی فتح پر منتج ہوئی اس کامیابی سے امویوں کی وہ سلطنت جسے مغربی مورخ ولہاؤزن "سلطنت عرب" کے نام سے موسوم کرتا ہے ختم ہو گئی، اور اس کی جگہ ایک عباسی حکومت "ایرانیت آمیز اسلام" کا لبادہ اوڑھ کر قائم ہوئی۔

عباسی انقلاب میں شیعیت نے نمایاں کردار ادا کیا کیونکہ شیعیت ایرانیوں کے قومی شعور کا مظہر سمجھی جاتی تھی اگرچہ اس کی ابتداء عرب میں ہوئی تھی۔

ابوالعباس السفاح (۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء تا ۱۳۶ھ/ ۷۵۴ء)

ابوالعباس عبداللہ عباسی انقلاب کے بعد ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء میں خلافت عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہوا، اس کا نام عبداللہ اور کنیت ابوالعباس تھی، ولدیت محمد بن علی اور ماں کا نام ربطہ بنت عبیداللہ الحارثیہ تھا۔[1] وہ ۱۰۴ھ/ ۷۲۲ء میں حمیمہ کے قصبے بلقا میں پیدا ہوا۔ ایک روایت کے مطابق اس کی ولادت ۱۰۸ھ/ ۷۲۶ء میں ہوئی تھی۔[2]

عباسی تحریک کے قائد ابراہیم بن محمد کی ۱۲۹ھ/ ۷۴۸ء میں گرفتاری کے بعد اس کے بھائی ابوالعباس عبداللہ کی بیعت کر کے اسے جانشین مقرر کر دیا گیا تھا۔ خراسان اور عراق پر عباسیوں کے قابض ہونے کے بعد ۱۳/ ربیع الآخر ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء میں کوفہ میں اس کی بیعتِ خلافت ہوئی اور وہ دنیائے اسلام کا خلیفہ ہوا۔

سفاح کے لفظی معنی خونریز اور خونخوار کے ہیں۔ ابوالعباس عبداللہ نے امویوں سے ظالمانہ سلوک کیا اور امویوں کو چن چن کر قتل کرایا اور سفاکی کا مظاہرہ کیا۔ خاندانِ بنی امیہ کے گرفتار ہونے والے شہزادوں کو امان دینے کے بعد ذبح کرایا

1۔ طبری جلد ۷ ص ۷۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اوران کی نیم مردہ لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا۔ حتیٰ کہ امویوں کی قبریں کھدوائیں اور ان کی ہڈیاں نکال کر جلوا دیں، ابوالعباس عبداللہ اپنے سفاکانہ عمل کی وجہ سے السفاح کے لقب سے موسوم ہوا۔

ابوالعباس نے ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء میں کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور دو برس تک کوفہ دارالخلافہ رہا لیکن ۱۳۴ھ / ۷۵۴ء میں ابوالعباس السفاح نے دارالخلافہ کوفہ سے دریائے فرات کے بائیں کنارے واقع گاؤں انبار منتقل کر دیا۔

ابوالعباس نے ابوسلمہ خلال اور خالد بن برمک کو وزیر مقرر کیا، ابوسلمہ خلال کا اصل نام حفص بن سلیمان تھا وہ ایرانی النسل اور ہمدان کے موالی میں سے تھا۔ علویوں سے رغبت اور ان میں اثر ورسوخ ہونے کی وجہ سے اسے "وزیر آلِ محمد" کا لقب دیا گیا۔

عباسی حکومت کے خلاف اہل بخارا کی بغاوت

بنی امیہ کے خلاف تحریک کا آغاز اہل بیت کے نام سے ہوا تھا لیکن بنی اُمیہ کے بعد عباسی حکومت کے قیام سے حامیانِ اہلِ بیت سخت مایوس ہوئے اور ۱۳۳ھ میں بخارا میں اہل بیت کے حامی شریک بن شیخ المہری نے عباسی حکومت کے خلاف علَم بغاوت بلند کیا اور یہ نعرہ لگایا "ہم نے آلِ محمدؐ کی اتباع خون بہانے اور حق کے خلاف عمل کرنے کے لئے نہیں کی تھی"۔[1] ۳۰ ہزار سے زیادہ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور انہوں نے تمام انتظامات کو درہم برہم کر دیا۔ ابومسلم خراسانی نے اس کے خلاف زیاد بن صالح الخزاعی کو بھیجا، شریک بن شیخ اور زیاد کے درمیان معرکہ ہوا جس میں شریک بن شیخ المہری کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔

السفاح کی موت

۱۳۶ھ میں السفاح چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بڑا بھائی عبداللہ بن محمد بن علی اکتالیس برس کی عمر میں مسندِ خلافت پر براجمان ہوا، اس کی کنیت ابوجعفر تھی، لیکن المنصور کے لقب سے مشہور ہوا، مگر جلد ہی اس کے چچا عبداللہ بن علی نے اس کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کر دیا، ابوجعفر منصور نے ابومسلم خراسانی کو اس کی سرکوبی کے لئے متعین کیا اور ابومسلم خراسانی نے ۱۳۷ھ میں اسے شکست فاش دی۔ عبداللہ بن علی گرفتار ہو کر قید ہوا لیکن ساتویں روز مر گیا۔ لیکن اس دوران خلیفہ ابوجعفر منصور، ابومسلم خراسانی سے سخت بدگمان ہو گیا۔

بیعتِ خلافت

ابوجعفر المنصور امیر الحج مقرر ہو کر مکہ گیا ہوا تھا کہ دارالخلافہ ہاشمیہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ المنصور کی عدم موجودگی میں چچازاد بھائی عیسیٰ بن موسیٰ نے اس کی بیعت لی اور المنصور کو مطلع کرنے کے لئے قاصد روانہ کیا لیکن وہ اس وقت مکہ سے روانہ ہو چکا تھا، ابومسلم خراسانی واپسی میں المنصور سے آگے چل رہا تھا اس لئے ابوجعفر سے پہلے اسے یہ خبر ملی، اس نے

1۔ الاخبار الطوال الدینوری، ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۰۴، الکامل ابن اثیر 215 / 5 بحوالہ المعارف اسلامیہ ۷۹۹ / ۱۲،

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

المنصور سے تعزیت کی اور یہیں بیعت کرلی۔

عبداللہ بن علی کا دعویٰ خلافت

السفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی قیادت میں ایک لشکر بلادِ روم کی طرف روانہ کیا تھا، اسے السفاح کی وفات اور المنصور کی خلافت کی خبر ملی تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کی، سب سے پہلے اس نے خلیفہ السفاح کی وفات کی خبر سنائی پھر اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کردیا۔

المنصور کو جب اس بغاوت کی اطلاع ملی تو اس نے ابو مسلم خراسانی کو عبداللہ بن علی کی سرکوبی پر مامور کیا اور عبداللہ بن علی کو دھوکہ دینے کیلئے والی آذربائیجان محمد بن صول کو بھیجا، عبداللہ بن علی نے اس چال کو بھانپ لیا اور اس نے محمد بن صول کو قتل کردیا لیکن جب اسے ابو مسلم خراسانی کی مقابلے پر آنے کی خبر ملی تو اس نے خائف ہو کر اپنے ۱۷ ہزار خراسانی سپاہیوں کو واپس کردیا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ وہ ابو مسلم خراسانی کے مقابلے میں ہتھیار نہیں اٹھائیں گے، ادھر حمید بن قحطبہ کو والئ حلب مقرر کر کے ایک خط دیا اور حلب روانہ کیا، یہ خط والئ حلب زفر کے نام تھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ حمید بن قحطبہ نے راستہ میں خط کھول کر پڑھ لیا لہٰذا وہ حلب جانے کی بجائے عراق کی طرف چلا گیا۔

ابو مسلم خراسانی کے پہنچنے سے پہلے عبداللہ بن علی حران سے نصیبین چلا گیا، اور خندقیں کھود کر مورچے قائم کرلیے، ابو مسلم خراسانی اپنے لشکر کے ہمراہ شام کے قریب خیمہ زن ہوا اور عبداللہ بن علی کو پیغام بھیجا کہ مجھے صوبہ شام کا گورنر مقرر کیا گیا ہے، میں تم سے جنگ کرنے نہیں آیا۔ یہ سن کر عبداللہ بن علی کے لشکر میں موجود شامیوں نے اس سے کہا کہ ہمارے ہمراہ شام چل کر ہمارے اہل وعیال کو ابو مسلم خراسانی سے بچائیں۔ عبداللہ بن علی نے انہیں سمجھایا کہ ابو مسلم ہمیں دھوکہ دے رہا ہے، اور وہ لڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لیکن وہ بضد تھے اس لئے عبداللہ بن علی کو شام روانہ ہونا پڑا، جونہی وہ اپنے مورچے چھوڑ کر روانہ ہوئے، ابو مسلم خراسانی ان پر قابض ہوگیا اور قریب وجوار کے تمام کنوؤں کو خراب کردیا، ان میں مردہ جانور ڈلوا دیئے۔ عبداللہ بن علی مڑ کر واپس ہوا تو اس کے ٹھکانے پر قبضہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ ان کے درمیان معرکہ آرائی کا آغاز ہوا اور بالآخر جمادی الثانی ۱۳۷ھ میں فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں عبداللہ بن علی کو شکست ہوئی اور اسے بھاگ کر اپنے بھائی والئ بصرہ کے پاس پناہ لینا پڑی، ۲ سال بعد سلیمان بصرہ کی ولایت سے معزول کردیا گیا اور خلیفہ المنصور کے حکم سے عبداللہ بن علی کو گرفتار کر کے قید کردیا گیا۔ وہ سات سال تک زندان میں رہا۔ ۱۴۷ھ/ ۷۶۴ء میں اسے ایک ایسے مکان میں قید کردیا گیا جس کی بنیادیں کھود دی گئی تھیں اور اس غیر مستحکم مکان کے نیچے دب جانے سے اس کی موت واقع ہوئی۔[1]

1۔ کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۲۲۳ بحوالہ ابن خلدون

2۔ المسعودی مروج الذہب ومعادن الجواہر

3۔ طبری ج ۷ ص ۱۰۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ابومسلم خراسانی کا زوال

عباسی خلافت کے تصور کو حقیقت کا روپ دینے والا ابومسلم خراسانی تھا، اس نے خلافتِ عباسیہ کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، عبداللہ بن علی کی شکست کے بعد بہت سامالِ غنیمت ابومسلم خراسانی کے ہاتھ لگا، المنصور نے ایک وفد مال ومتاع لانے کے لئے بھیجا تو ابومسلم خراسانی سخت مشتعل ہوا اور اس نے برہم ہوکر کہا خونریزی کے لئے تو مجھ پر اعتماد ہوتا ہے اور مال و دولت کے سلسلے میں یہ اعتماد ختم ہوجاتا ہے اور اس نے جذبات سے بے قابو ہوکر منصور کی ماں کی نسبت گستاخانہ الفاظ ادا کئے۔ [1] اس واقعہ سے ابومسلم خراسانی اور المنصور کے تعلقات کشیدہ ہوگئے اور ابومسلم خراسانی نے خراسان جانے کا ارادہ کرلیا، المنصور کو اس کی خراسان روانگی کی خبر ملی تو سخت خائف ہوا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ اگر ابومسلم خراسان چلا گیا تو پھر اس پر قابو نہیں پایا جاسکے گا اور فوراً انبار سے مدائن پہنچا اور ابومسلم کو ملاقات کے لئے بلوایا۔ ابومسلم نے انکار کردیا اور یہ جواب لکھا کہ:

> ”امیرالمومنین کا اب سلطنت میں کوئی دشمن باقی نہیں رہا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو غالب نہ کیا ہو اور سلاطین ساسان کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ جب امن وامان قائم ہوجائے تو وزیروں کے لئے یہ حالت خطرناک ہوتی ہے، اب ہم آپ سے دور رہتے ہوئے کنارہ کش ہوتے ہیں مگر وفاداری پر قائم رہیں گے اور دور رہنے میں ہی سلامتی ہے، بسروچشم اطاعت کے ہم سزاوار ہوں گے، اگر آپ اس پر راضی ہوجائیں گے تو ہم آپ کے غلام بنے رہیں گے، اگر آپ اس سے انکار کریں گے اور ہماری سلامتی کے خواہاں نہ ہوں گے تو ہم اپنی جان بچانے کی غرض سے خلع خلافت کا علم بلند کریں گے۔“ [2]

ایک روایت کے مطابق ابومسلم خراسانی نے المنصور کے فرمان کے جواب میں خلع کی دھمکی دینے کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا تھا کہ میں نے آج تک عباسی خلافت کی دعوت کا جو گناہ کیا ہے اس سے میں نے اب توبہ کرلی ہے۔ ابوجعفر المنصور نے ابومسلم خراسانی کے خط کے جواب میں اسے لکھا کہ:

> ”میں تمہارے خط کا مطلب سمجھ گیا ہوں، تم ان دغاباز وزیروں میں سے نہیں ہو جو اپنے کثرتِ جرائم کی وجہ سے اپنے بادشاہوں کی توجہ ملک میں فتنہ وفساد برپا کرکے اپنی طرف سے ہٹا دیتے ہیں، تم نے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ کیوں شمار کرلیا؟ تم تو اس وقت ہماری فرمانبرداری میں ہو، ہمارے ساتھ خلوص کا برتاؤ کرتے ہو اور مضبوطی سے اس کام کو اٹھائے ہوئے ہو جیسا کہ پہلے اٹھاتے تھے، امیرالمومنین تمہاری تسلی کی خاطر عیسیٰ بن موسیٰ کے ہاتھ خط روانہ کرتے ہیں بشرطیکہ گوش ہوش سے سنو اور میں اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ وہ تمہیں شیطان کے وسوسوں سے دور رکھے کیونکہ شیطان نے جو دروازہ تمہارے لئے کھولا ہے وہ بدنیتی پر مبنی ہے۔“ [3]

ابوجعفر المنصور نے بالآخر عیسیٰ بن موسیٰ اور ابواسحاق کو ابومسلم خراسانی کو حکمت عملی سے لانے کے لئے بھیجا،

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انہوں نے ابو مسلم کو دربار میں حاضر ہونے کے لئے آمادہ کرلیا اور ابو مسلم اپنے لشکر کو حلوان میں مالک بن ہثیم کی قیادت میں دے کر ملاقات کے لئے روانہ ہوا اور جب وہ دارالخلافہ پہنچا تو المنصور کے حکم سے اس کا زبردست استقبال کیا گیا۔

ابو مسلم خراسانی کا قتل

ابو مسلم خراسانی نے دربارِ خلافت میں حاضر ہو کر المنصور کی دست بوسی کی، مختصر ملاقات کے بعد واپس آ گیا اور دوسرے روز پھر شرف باریابی کے لئے دربار میں حاضر ہوا۔ المنصور ابو مسلم خراسانی کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکا تھا اور اس نے عثمان نہمیک، شبیب بن رواح اور ابو حنیفہ حرب بن قیس کو پردہ کے پیچھے بٹھا دیا اور ہدایت دی کہ جس وقت میں تالی بجاؤں باہر نکل کر ابو مسلم کو قتل کر دینا، دورانِ ملاقات المنصور کے لہجہ میں تلخی پیدا ہوتی چلی گئی اور عتاب آمیز گفتگو پر اُتر آیا اور ابو مسلم خراسانی کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

ابو مسلم مجھے خبر ملی ہے کہ میرے چچا عبداللہ بن علی کی دو تلواریں تمہارے قبضہ میں ہیں؟

ابو مسلم نے ایک تلوار نیام سے نکال کر جواب دیا، ان میں سے ایک یہ ہے۔

المنصور نے یہ تلوار اپنے قبضہ میں لے لی اور کئی سوالات کئے۔

- ☆ ابو مسلم تم سفر حج میں مجھ سے آگے کیوں رہتے تھے؟
- ☆ تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کرتے ہوئے خراسان جانے کا ارادہ کیوں کیا تھا؟
- ☆ ابو مسلم وہ مال کہاں ہے جو تم نے حران میں جمع کیا تھا؟
- ☆ ابو مسلم کیا تو ہمیشہ خطوط میں اپنے نام کو میرے نام سے پہلے نہیں لکھا کرتا تھا؟

ابو مسلم خراسانی الزامات کی صفائی پیش کرتا گیا۔ المنصور پھر غیظ و غصہ میں ابو مسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا:

او خودسر! تو نے سلیمان بن کثیر کو کیوں قتل کیا تھا باوجود اس کے کہ وہ ہمارا بہت بڑا خیر خواہ تھا، اور وہ اس زمانے سے ہمارا نقیب اور داعی تھا جب تو اس کام میں شریک بھی نہ ہوا تھا۔ ابو مسلم خراسانی نے جواب دیا، اس نے میری مخالفت کی تھی، اس وجہ سے میں نے اسے قتل کر دیا، یہ سنتے ہی وہ اور طیش میں آ گیا۔

ابو مسلم خراسانی ہمت کر کے کہنے لگا یہ میری ان کارگزاریوں کا صلہ ہے جو اس وقت تک میں کرتا رہا ہوں؟ منصور نے ڈانٹ کر کہا اگر تیری جگہ پر کوئی اور ہوتا تو میں اسے اس کی کارگزاری کا صلہ دیتا لیکن تو نے کیا کیا ہے، ہماری بدولت تو نے بھی عیش کیا، یاد ہے تجھے جب تم ہمارے پاس حمیمہ میں تھے تو گدھے پر سوار ہو کر نکلتے تھے اور ہماری ہی بدولت تم نہایت شاندار جلوس میں سوار ہو کر پھرتے ہو۔ خط میں سلاطین ساسان کا تذکرہ کرنے سے تمہارا کیا مقصد تھا؟ حتیٰ کہ تم نے ہمارے احکام کی نافرمانی کی، ہم نے تمہیں مصر و شام کا حاکم مقرر کیا تو تم خراسان جانے پر بضد رہے کیونکہ تمہارے ذہن میں خناس بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد المنصور نے تالی بجائی اور پردہ کے پیچھے بیٹھے ہوئے محافظوں نے نکل کر ابو مسلم خراسانی کو قتل کر دیا۔ اس طرح ۲۵ رشعبان ۱۳۷ھ کو ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کر دیا گیا۔

ابو مسلم خراسانی کے قتل سے عجمی سخت مشتعل ہوئے اور اس اشتعال نے عربی و عجمی اختلاف کی شکل اختیار کر لی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۷۵۴ء/۱۳۷ھ میں ابو مسلم خراسانی کے ساتھی فیروز اصبہد نامی مجوسی نژاد نے ابو مسلم کے قتل کا انتقام لینے کے لئے خراسان میں بغاوت کر دی۔ بہرحال ان بغاوتوں کا سلسلہ کافی چلتا رہا۔

حضرتِ جعفر صادقؒ کے دورِ امامت میں متوازی ''امامت'' کے مدعی

سیّدنا محمد ذوالنفس الزکیہؒ کا عباسی حکومت کے خلاف خروج

مختصر حالات

آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور ابو القاسم بھی منقول ہے۔ محمد بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم، آپ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے، آپ کا رنگ گندم گوں تھا۔ دونوں رخساروں پر بالوں میں سفیدی آ گئی تھی، حضور اقدس ﷺ کی طرح آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان اُبھرا ہوا نشان تھا۔ آپ انتہائی راسخ العلم تھے۔ حدیث اور فقہ میں دوسروں سے فائق تھے۔

آپ بہادر، شہ سوار تھے۔ دورانِ خطبہ آپ پر روانی زبان رک رک جاتی تو اپنا ہاتھ سینے پر مارتے جس سے آپ کی زبان کھل جاتی۔ پورے عالم اسلام میں اپنے داعیوں کو بھیجا اور خراسان سے دعوت کے اعلان اور وہاں کے لوگوں کے بیعت لینے کے بعد ۱۴۵ھ میں مدینہ منورہ سے تحریک کا آغاز فرمایا۔ اس وقت آپ کے سر پر زرد رنگ کی ٹوپی اور اس پر عمامہ تھا، اور تلوار حمائل کئے ہوئے تھے، آپ مسجد میں فجر سے پہلے داخل ہوئے اور لوگوں سے خطاب فرمایا، پھر منبر سے اتر کر فجر کی نماز پڑھائی اور بعد الفجر لوگوں نے بخوشی عام بیعت کی سوائے چند ایک کے، ابو جعفر منصور کی طرف سے مقرر عامل مدینہ رباح بن عثمان المری فرار ہو گیا، پھر آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے آپ کے ہاتھ پر وہاں بھی بیعت عام منعقد ہوئی، پھر مدینہ منورہ لوٹ آئے، آپ کے لشکر کا علامتی نشان ''احد اُحد'' تھا۔ آپ نے اپنے بھائی ابراہیم کو بصرہ کی طرف متعین کر دیا اور رمضان المبارک تک اسی طرح گزارا۔

ابو جعفر منصور نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی (عباسیوں کی خلافت سے پہلے) حسین بن زید بن علیؒ فرماتے ہیں کہ اولادِ حسینؓ بن علیؓ ہیں، آپ کے ساتھ میں خود اور میرا بھائی عیسیٰ اور موسیٰ بن جعفر اور عبداللہ بن جعفر بن محمد تھے، اور آپ کا ساتھ دینے والوں میں سے منذر بن عبداللہ بن الزبیر تھے، اور ابن ابی ذویب اور ابن عجلان دونوں نے آپ کی بیعت کی، ان کے علاوہ مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن مصعب اور فقیہ ابوبکر بن ابی سبرۃ جن سے واقدی نے

1۔ مقاتل الطالبین۔ ماخوذ از ''الافادہ فی تاریخ الائمۃ السادۃ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

روایت کی ہے، تھے۔

مروی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے فتویٰ طلب کیا گیا امام محمد بن عبداللہ کی دعوت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور آپ سے کہا گیا کہ ہماری گردنوں میں منصور کی بیعت کا طوق ہے، اس پر آپ نے فرمایا تم سے جبراً بیعت لی گئی ہے اور مجبور کے ذمہ اس کی پابندی لازم نہیں، اس پر لوگوں نے زور وشور سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ کی مدتِ خلافت دو ماہ اور کچھ دن رہی۔

ایک بیٹا عبداللہ الاشتر کابل میں شہید ہوئے ان کی نسل چلی اور علی مصر سے گرفتار ہوئے اور مہدی عباسی کی قید میں شہید ہوئے اور حسن فخ میں شہید ہوئے، طالبیین حضرات نے ان کے علاوہ کسی بیٹے کا ذکر نہیں کیا، لیکن دوسروں نے حسین کا بھی ذکر کیا ہے، اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی بیٹیاں صرف دو تھیں حضرت فاطمہ اور زینب، ان سب کی والدہ محترمہ اُم سلمہ بنت محمد بن الحسن الثانی بن الحسین بن علی ﷺ ہیں۔

آپ نے اپنے بھائی حضرت ابراہیم بن عبداللہ کو بصرہ کی خلافت پر متعین کیا اور عبدالعزیز بن عبدالمطلب المخزومی کو مدینہ منورہ کے بطور قاضی مقرر فرمایا اور حضرت عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن بن المسور بن مخرمہ کے پاس آپ کا دفتر خزانہ تھا، اور عبدالحمید بن جعفر پولیس کے سربراہ تھے، پھر ان کو کسی اور طرف بھیجا اور ان کی جگہ عمرو بن محمد بن خالد بن الزبیر کو مقرر کیا۔

ابوجعفر منصور الدوانیقی نے عیسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو آپ سے مقابلہ کے لئے بھیجا تو آپ نے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھدوائی اور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ رمضان المبارک ۱۴۵ھ میں شہید کردیے گئے۔ ایک روایت میں ۱۴۶ھ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ۵۲ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آپ کے سینہ مبارک میں حمید بن قحطبہ نے نیزہ مارا پھر آپ کی ٹھوڑی مبارک پر تلوار ماری، آپ گر گئے تو اس نے آپ کا سر مبارک الگ کرلیا، جب آپ شہید ہوئے اور آپ کا سر مبارک منصور کے پاس بھیج دیا، تو آپ کی بہن زینب نے عیسیٰ سے آپ کا سر مبارک مانگ لیا اور دفن کرنے کی اجازت مانگی، اس نے اجازت دے دی، انہوں نے مدینہ منورہ میں بقیع کے قریب دفن کردیا، آپ کی قبر وہاں مشہور ہے۔

امام محمد بن عبداللہ ذوالنفس الزکیہ کا ساتھ دینے والے مشائخ

امام دارالہجرۃ امام مالک بن انسؒ، حضرت حسین بن زید بن علی زین العابدینؒ، امام عیسیٰ بن زید بن علی زین العابدینؒ، امام موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی زین العابدینؒ، امام عبداللہ بن جعفر بن محمد بن علی زین العابدینؒ، منذر بن محمد بن الزبیرؒ، فقیہ ومحدث شیخ اہل البیت، عبداللہ بن یزید ابن ھرمزؒ محدث، عبدالحمید بن جعفرؒ محدث، محمد بن عجلانؒ فقیہ اہل المدینہ و محدث، عبدالعزیز بن المطلب المخزومیؒ، عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن بن المسور المخرمہؒ، عثمان بن محمد بن خالد بن الزبیرؒ،

1۔ ناسخ التواریخ حالات حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام جلد دوم ص ۳۲۷ حالات عبداللہ المحض، مطبوعہ تہران طبع جدید

2۔ مقاتل الطالبین لابی الفرج ص ۲۵۶، ۲۵۷ ذکر انکار عبداللہ الحسن و اھلہ الخ مطبوعہ بیروت طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عبدالعزیز بن محمد الدراوردیؒ، مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیرؒ، عبداللہ بن مصعبؒ محدث، ابوبکر بن ابی سبرۃؒ فقیہ استاد الواقدی، عبداللہ بن عامر الاسلمیؒ محدث ثقہ استاد وکیع، عبداللہ بن عطاءؒ، محدث ثقہ استاذ مالکؒ، عثمان بن محمد بن خالد بن عمرؒ، عبیداللہ بن عمرؒ، ہشام بن عروۃؒ، ابوخالد الواسطیؒ صاحب زید بن علی، قاسم بن مسلم السلمیؒ، عثمان بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؒ۔ [1]

حضرت جعفر صادقؒ کے نزدیک امامت نفس زکیہ کا حق تھی

اس وقت جب کہ بنی اُمیہ پر زوال آیا، اور بنی مروان کمزور ہو گئے، بنی ہاشم اس امر پر متفق ہو گئے کہ جناب عبداللہ المحض کے صاحبزادے محمد اور ابراہیم کی بیعت کر لیں۔ ان میں سے ایک کو خلافت کی ذمہ داریاں سونپ دی جائیں۔ لہٰذا انہوں نے ایک مجلس کا انعقاد کیا۔ بنی ہاشم کے بزرگوں اور کچھ بنی عباس کے لوگوں نے اس مجلس میں شرکت کی۔ انہوں نے کسی کے ذریعہ حضرت جعفر صادق کو بُلوا بھیجا۔ عبداللہ المحض نے کہا، جعفر صادق کو بُلانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ تمہاری رائے کو قطعاً درست نہیں کہے گا۔ اسی دوران حضرت جعفر صادق خود بخود دروازے سے داخل ہوئے اور مجلس میں بیٹھ گئے۔ اوران لوگوں سے اکٹھے ہونے کی وجہ دریافت کی۔ جب صورتِ حالات کا علم ہوا تو آپؒ نے جناب عبداللہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، (اے عبداللہ!) تم بنی ہاشم کے بزرگ آدمی ہو، آپ کو کیوں چھوڑ دیا گیا ہے اور آپ کی بجائے آپ کے دونوں لڑکوں کو امرِ خلافت کیوں سپرد کر رہے ہیں؟ جناب عبداللہ نے جواب دیا کہ تمہیں تو حسد اس امر سے روک رہا ہے کہ تم ان کی بیعت کرو، تم ہاتھ آگے بڑھاؤ تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں۔ یہ سن کر حضرت جعفر صادق نے فرمایا، اللہ کی قسم! خلافت کا معاملہ نہ تو مجھے زیبا ہے اور نہ ہی تمہارے دونوں صاحبزادوں میں سے کسی کے لائق ہے، یہ تو زرد قباء والے (نفس زکیہ) کا حق ہے، خدا کی قسم! اس (خلافت) کے ساتھ تمام عورتیں، بچے اور غلام تک کھیلیں گے۔'' [1]

حضرت محمد باقرؒ کے نزدیک بھی امامت نفسِ زکیہ کا حق تھی

''سحیم بن حفص روایت کرتا ہے کہ قبیلہ بنی ہاشم کی ایک جماعت مقام ابواء میں جمع ہوئی، جو مکہ مکرمہ کے راستہ پر واقع ہے۔ ان میں ابراہیم الامام، سفاح منصور، صالح بن علی، عبداللہ الحسن، ان کے دونوں بیٹے محمد وابراہیم اور محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بھی تھے۔ صالح بن علی نے کہا، اس وقت تم ہی وہ لوگ ہو کہ جن کی طرف عوام کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مقام پر مل بیٹھنے کا موقعہ عطا فرمایا، تو تم متفقہ طور پر کسی ایک کی بیعت کر لو۔ پھر ادھر ادھر شہروں میں پھیل جاؤ اور لوگوں کو اللہ (کے دین) کی طرف بلاؤ، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کامیابی مقدر کر دے گا اور تمہاری مدد بھی فرمائے گا۔ یہ سن کر ابوجعفر نے کہا، تم کس چیز کے لئے اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈال رہے ہو۔ خدا کی قسم! تم یقیناً جانتے ہو کہ عوام میں محمد بن عبداللہ (نفسِ زکیہ) سے بڑھ کر کوئی دوسرا شخص قابلِ توجہ نہیں اور نہ ہی اِن سے زیادہ کوئی دوسرا موثر ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر حاضرین نے کہا، خدا کی قسم! آپ نے سچ فرمایا۔ ہم یقیناً اس بات کو جانتے ہیں۔ پھر اُن تمام حاضرین

1۔ ناسخ التواریخ حالات حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام جلد دوم ص ۳۴۷ ذکر خروج نفس زکیہ، مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے جناب محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کی بیعت کی۔ ابراہیم امام سفاح، منصور اور دیگر لوگ بھی بیعت کر چکے۔ [2]

نفس زکیہ جعفر صادقؒ کے چچازاد بھائی ہیں

جناب محمد بن عبداللہ المعروف نفس زکیہ رشتہ کے اعتبار سے حضرت جعفر صادقؒ کے چچازاد بھائی تھے۔ نقشہ ملاحظہ ہو:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

امام حسن	امام حسین
امام حسن مثنیٰؒ	امام زین العابدین
عبداللہ المحض	امام باقر
محمد المعروف نفسِ زکیہ	امام جعفر صادق

(ماخوذ از عقائد جعفریہ جلد دوم ص ۹۱)

جب محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) کو معلوم ہو گیا کہ اب کامیابی کے آثار ختم ہو رہے ہیں، اپنے گھر تشریف لائے اور آگ جلانے کا حکم دیا اور پھر آگ میں ان لوگوں کے ناموں والے کاغذ مکمل طور پر جلا دیئے جن میں ان سے بیعت کرنے والوں کے نام درج تھے، تاکہ ان کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہ ہو سکے۔ اسی وجہ سے انہیں "نفس زکیہ" کا لقب دیا گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مصداق قرار پائے، میرے فرزندوں میں سے نفس زکیہ کو احجار زیت میں قتل کر دیا جائے گا۔ [1]

"نفس زکیہ" کے فضائل و مناقب

محمد بن عبداللہ المحض بن حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم "نفس زکیہ" کے لقب سے مشہور تھے اور حضور صلی اللہ علیہ کے اہل بیت میں "مہدی" کے نام سے شہرت پائی تھی۔ یہ دونوں لقبی نام ان کی شہرت میں کس طرح داخل ہوئے؟......

"محمد بن عبداللہ بن الحسن............ان کو اِن کے گھر والے مہدی کے نام سے پکارتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ

1۔ مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی ص ۳۳۳ تذکرہ محمد بن عبداللہ بن الحسن مطبوعہ بیروت طبع جدید

2۔ کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ا ص ۴۳۸ مطبوعہ کراچی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وہی شخص ہے کہ جس کے متعلق (مہدی ہونے کی) روایات آئی ہیں۔ خاندان ابوطالب کے علماء انہیں "نفسِ زکیہ" جانتے تھے۔ اور آپ نے مقام "احجار زیت" میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اپنے گھر والوں میں افضل اور اپنے زمانہ میں سب سے یکتا تھے۔ قرآن کریم کا علم اور اس کی یادداشت، دین کی سمجھ، شجاعت، سخاوت اور بہادری میں اپنے دور کے ممتاز فرد تھے۔ اور ہر وہ خوبی جو کسی میں بہتری کی وجہ بن سکتی ہے ان میں موجود تھی۔ یہاں تک کہ ان کے مہدی ہونے میں کسی ایک کو بھی شک نہ تھا۔ ان کا اس صفت سے موصوف ہونا عوام میں مشہور ہوگیا۔ اور بنی ہاشم یعنی خاندانِ ابوطالب اور عباس کے تمام مردوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ نے یہ قول فرمایا کہ یہ (نفسِ زکیہ) حاکم نہیں ہو سکتے۔ حکومت بے شک بنی عباس میں ہوگی۔ سو لوگ اس اعلان سے ایسے معاملہ میں جا پڑے جس میں انہیں پڑنا نہیں چاہئے تھا۔" 1

جب حضرت نفس زکیہ نے دعویٰ امامت کیا تو عباسی خلیفہ منصور نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو جوان کے افرادِ خانہ تھے گرفتار کرلیا۔ ان کی گرفتاری کی اطلاع حضرت جعفر کو ملی تو تڑپ کے رہ گئے اور اپنا حال سخت بُرا کرلیا جس کی تفصیل اصول کافی میں یوں بیان کی گئی۔

نفس زکیہؒ کی گرفتاری پر حضرت جعفر صادقؒ کی تباہ حالی

عبداللہ بن ابراہیم جعفری نے کہا کہ بیان کیا ہم سے خدیجہ بنت عمر بن علی نے کہ جب لوگ مسجد نبوی کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے وہ دروازہ جسے باب جبرئیل کہا جاتا ہے۔ حضرت جعفر صادقؒ اس طرح تشریف لائے کہ آپ کی رداء کا بیشتر حصہ زمین پر تھا۔ پھر بابِ مسجد سے آپ اندرونِ مسجد آئے۔ اور جو لوگ وہاں جمع تھے ان سے فرمایا تین بار، اے گروہِ انصار! کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا عہد کیا تھا، اسی پر بیعت کی تھی۔

(تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت توڑ کر ائمہ خلافت کی بیعت کی اور ان کے ظلم وستم جو اولادِ رسول پر ہو رہے ہیں، ان کو خاموشی سے دیکھ رہے ہو) خدا تم پر لعنت کرے، واللہ میں ان کی عزت کا چاہنے والا تھا، مگر ان کے نہ ماننے سے میں مغلوب ہوگیا یہ فرما کر حضرت وہاں سے چلے درآنحالیکہ ایک جوتا آپ کے ہاتھ میں تھا (ایک پیر میں، یعنی انتہائی اضطرابی حالت تھی) ایک جوتے میں اپنا پیر داخل کر دیا اور دوسرا ہاتھ میں تھا، اور آپ کی رداء کا بیشتر حصہ زمین پر کھچ رہا تھا۔ پھر حضرت اپنے گھر میں آئے اور اس غم میں بیس روز تک مبتلائے بخار رہے اور رات دن گریہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں آپ کی موت کا خوف ہونے لگا۔ 2

نفس زکیہ کا حکومتِ وقت کے خلاف خروج

1۔ مروج الذہب للمسعودی جلد سوم۔ ص ۲۹۴ تا ۲۹۶ ذکر امام عبداللہ ابی جعفر المنصور، مطبوعہ بیروت طبع جدید

2۔ منتخب التواریخ ص ۴۷۸ تا ۴۷۹ باب ہشتم فصل ششم در بعضی از وقائع مہمہ زمان امامت حضرت صادق علیہ السلام۔ مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کا ظہور ۱۴۵ھ کو مدینہ منورہ میں ہوا۔ بہت سے شہروں میں ان کی بیعت ہوئی۔ انہیں نفسِ زکیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ زہد اور تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ منصور خلیفہ سے چھپ کر زندگی بسر کرتے رہے اور اس وقت سامنے آئے جب کہ ان کے والد گرامی عبداللہ بن الحسن، ان کے چچا اور ان کے خاندان کے اور بہت سے لوگوں کو منصور نے قید کر لیا۔ جب محمد بن عبداللہ نے مدینہ منورہ میں ظہور کیا تو خلیفہ منصور نے اسحاق بن مسلم عقیلی کو بلوایا، یہ ایک تجربہ کار اور صاحب الرائے بزرگ تھا۔ اس کو منصور نے کہا کہ کچھ لوگوں نے میرے خلاف خروج کر دیا ہے، ان کے بارے میں کچھ تجاویز دو۔ اور خروج کرنے والوں کی صفات بیان کرو خاص کر اس شخص (محمد بن عبداللہ) کے متعلق حالات بیان کرو۔

اسحاق بن مسلم نے کہا کہ یہ (محمد بن عبداللہ نفس زکیہؒ) شخص حضرت خاتونِ جنت بنتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے۔ صاحبِ علم و زہد اور تقویٰ ہے۔ پوچھا، اس کی کن لوگوں نے اتباع (بیعت) کی ہے؟ کہا حضرت علی کی اولاد، جعفر کی اولاد، عقیل کی اولاد، عمر بن الخطاب کی اولاد، زبیر بن العوام کی اولاد اور تمام قریشی و انصار کی اولاد نے ان سے بیعت کر لی ہے...... انہی دنوں میں امام محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کے بھائی اور بیٹے تمام شہروں میں ان کی امامت کی دعوت دینے کے لیے منتشر ہو گئے۔ [1]

لشکرِ عباسی سے باہم خون ریز جھڑپ اور نفسِ زکیہؒ کی شہادت

جمادی الاخر ۱۴۵ھ میں جناب محمد بن عبداللہ بن الحسن مجتبیٰ نے مدینہ منورہ میں خروج کیا۔ آپ اہل بیت کے بزرگوں میں سے تھے۔ منصور خلیفہ کے مقرر شدہ عامل کو قتل کر ڈالا اور حجاز کو زیر تصرف لے لیا۔ مکہ اور مدینہ کے لوگوں نے آپ کی اتباع (بیعت) کر لی اور امام مالک بن انسؒ جو مدینہ کے فقیہ تھے، نے ان کی مدد کرنے کا فتویٰ صادر فرما دیا۔ جب یہ خبر منصور دوانقی نے سنی، اپنے چچازاد بھائی اور ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو مدینہ کی طرف محمد بن عبداللہ کے پاس جنگ کرنے کے لئے بھیجا حتیٰ کہ محمد بن عبداللہ کے بہت سے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے، اور ایک جماعت کو قتل کر دیا گیا۔

بالآخر محمد بن قحطبہ ملعون نے محمد بن عبداللہ کے سینہ میں تلوار گھونپ دی اور انہیں زمین پر گرا دیا اور ان کے سر نازنین کو جسم سے جدا کر دیا۔ اور پھر یہ سر منصور کو بھیج دیا۔ عیسیٰ بن محمد یہاں سے بیت اللہ شریف کی زیارت کو روانہ ہو گیا۔ اُدھر منصور نے محمد بن عبداللہ کے سر نازنین کو جیل میں اِن کے والد گرامی جناب عبداللہ المحض کے پاس بھیجا۔ والد بزرگوار نے جب اپنے بیٹے کا سر دیکھا، تو فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے، اللہ تم پر رحم کرے۔ یقیناً تمہیں لوگوں نے نمازیں قائم کرنے والا اور روزے رکھنے والا پا کر قتل کیا ہے، اور اس شخص کو کہ جس نے یہ سر ان کے پاس پیش کیا تھا، فرمایا جاؤ جا کر اپنے صاحب (خلیفہ) سے کہہ دو، تیری عمر کا وہ حصہ جو نعمتوں میں گزرنا تھا گزر گیا، بقیہ عمر بے کسی اور تنگدستی میں گزرے گی۔ [2]

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

محمد ذوالنفس زکیہ شہیدؒ کی شہادت کے بعد آپؒ کے بھائی ابراہیمؒ بن عبداللہ آپ کے جانشین قرار پائے۔ انہوں نے بھی حکومت کے خلاف خروج کیا اور بھائی کی شہادت کے چھ ماہ بعد انہیں بھی جامِ شہادت پلا دیا گیا۔

مختصر حالات جانشین نفسِ زکیہؒ

حضرت ابراہیم بن عبداللہ رحمہا اللہ تعالیٰ (م ۱۴۵ھ)

کنیت ابوالحسن، نسب اس طرح ہے: ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن بن الحسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم)

آپ کا رُخِ انور کھِلا کھِلا تھا، ناک اونچی اور خوبصورت چہرے والے تھے، کثرتِ سجود سے پیشانی مبارک اور ناک پر نشان پڑے ہوئے تھے۔ آپ علم و تدیّن اور بہادری میں اپنے بھائی کے ثانی تھے۔ فصیح البیان خطیب اور فی البدیہ شعر کہنے والے۔ رموز آگاہ، ناقد شاعر تھے۔ مفضل نے آپ کے ستر قصائد کا ذکر کیا ہے، اپنے بھائی کی شہادت پر مرثیہ کہا۔

آپ کے بھائی ذوالنفس الزکیہ نے اپنے بعد آپ کو امامت اور خلافت کے لئے متعین کیا تھا۔ چنانچہ ایک عرصہ بصرہ عراق میں دعوت دیتے رہے اور لوگوں سے اپنے بھائی کیلئے بیعت لی، بصرہ پر اقتدار حاصل کیا، یکم شوال ۱۴۵ھ کو نمازِ عیدالفطر سے پہلے عظیم بھائی کی شہادت کی خبر ملی۔ نماز عید پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دینے لگے۔ بھائی کی شہادت کی خبر سنائی، تعزیت اور صبر کی تلقین کی اور اشعار پڑھے اور فرمایا:

> "اے اللہ! تو جانتا ہے کہ محمد نے ظہور کیا تیری طرف سے غضب بن کر اس اندھیرے دور کو ختم کرنے کے لئے اور تیرے دین حق پر قربان ہونے کے لئے، پس اس پر رحم فرما اور اس کی مغفرت فرما، اور آخرت کو اس کے لئے دنیا سے بہترین ٹھکانہ اور لوٹنے کی جگہ بنا دے۔"

زبان سے ایک لفظ ہی کئی بار دہراتے تھے، ایک لحہ کے لئے ہکلائے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ جب منبر سے اترے تو بصرہ کے جملہ علماء محدثین اور اہل اللہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور سب نے آپ کی مجالس کو لازم پکڑا اور آپ کے کاموں میں لگ گئے، آپ نے واسطہ، اھواز اور ان کے ملحقہ اور فارس کے مختلف علاقوں پر اقتدار حاصل کیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ لوگوں کو آپ کی طرف بلاتے تھے اور آپ سے خفیہ خط و کتابت فرماتے تھے۔ آپ کے نام امام صاحب نے ایک خط لکھا۔ مذکورہ خط ابو جعفر منصور کے ہاتھ لگا اور اس نے اس خط کو چھپائے رکھا، پھر آپ کو قید کر کے لایا اور آپ کو زہر پلایا، اس سے آپ کی شہادت ہوئی اور بغداد میں دفن ہوئے۔

پھر ابو جعفر منصور نے ابو سیف مولی الجعفر کو بصرہ بھیجا تا کہ وہاں کی جاسوسی کر آئے۔ جب وہ لوٹا تو منصور نے اس سے پوچھا کہ تو نے بشیر الرحال اور مطر الوراق کو کس حالت میں پایا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان دونوں کو مسلح حالت میں ابراہیم کے پاس آتے جاتے دیکھا ہے۔ تو منصور نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ روزہ نے ان دونوں میں اتنی سکت دم چھوڑی ہے کہ وہ اسلحہ اٹھا سکیں۔ ان کے علاوہ ہارون بن سعد جو کہ مشہور فقیہ اور مصلح اور متدیّن تھے، آپ نے شعبی سے روایت کی اور ابراہیم النخعی سے ملاقات کی ہے۔

آپ نے ایک دفعہ خطبہ میں منصور کے مظالم بیان کیئے اور آلِ رسول ﷺ کا ناحق قتل، لوگوں پر ظلم اور اموال کے ناجائز جمع و تقسیم پر ردو نقد پر بلیغ بیان فرمایا، یہاں تک کہ لوگ رونے لگے۔ آپ کے کلام سے لوگوں کے دل انتہائی نرم پڑ گئے۔ چنانچہ عباد بن العوام، یزید بن ہارون، ہشیم بن بشیر، شعبہ بن حجاج ان سب کبارِ اہلِ علم نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

ابو اسحاق الفرازی کہتے کہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کہا کیا آپ کو اللہ کا خوف نہیں؟ آپ نے ابراہیم بن عبداللہ کا ساتھ دینے کا فتویٰ دیا اور میرا بھائی ان کے ساتھ قتل ہو گیا، اس پر آپ نے مجھ سے کہا آپ کے بھائی کی شہادت یومِ بدر کے شہداء کی طرح ہے اور اس کی شہادت ابراہیم کی معیت میں اس کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔

اس پر میں نے کہا کہ پھر آپ کیوں رکے رہے؟ آپ نے فرمایا لوگوں کی ان امانتوں کے سبب جو کہ میرے پاس ہیں۔ امام اعمشؒ لوگوں کو آپ کی طرف بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم کیوں بیٹھے ہو؟ ان کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ اگر میری بینائی درست ہوتی تو میں ضرور ان کے ساتھ نکلتا۔ آپ کی شہادت ذی الحجہ ۱۴۵ھ میں ہوئی۔

سیرت کے نمونے

دورانِ تحریک منصور کے ایک عامل کو پکڑ کر لایا گیا، آپ کے ساتھیوں میں ایک نے کہا کہ اس کو میرے حوالے کر دیں۔ آپ نے فرمایا تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں اس کی تعذیب و تفتیش کروں گا، تا کہ اس کے پاس حکومت کا جو مال ہے وہ اس سے وصول کیا جا سکے۔ اس پر آپ نے فرمایا مجھے ایسے مال کی کوئی حاجت نہیں جو کہ عذاب دے کر نکالا گیا ہو۔ آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی منبر سے اترتے تو اس آیت کی تلاوت کر کے اترتے:

واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللّٰہ ثم توفی کلّ نفسٍ ما کسبت وھم لا یظلمون۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایک مرتبہ منبر سے خطبہ کے بعد فرمایا: ''اے اللہ اگر آپ نے اپنے دربار میں کسی کی اولاد کو ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ یا آباؤ اجداد کو ان کی اولاد کے ساتھ یاد فرمایا تو ہمیں بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یاد فرمانا۔ اے اللہ! آباء کو اولاد کے لئے اور ایتام کی آباء کے واسطے حفاظت فرما''۔ اس پر پوری عیدگاہ رونے کی آواز سے گونج اٹھی۔

محمد بن عطیہ مولی باہلہ منصور کی طرف سے عراق کے بعض علاقوں کے ذمہ دار تھے، گرفتار کر کے لائے گئے تو آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کچھ مال ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے اس کو قسم دلائی، اس نے قسم کھائی۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ جاتے ہوئے فارسی میں یہ کہتا جا رہا تھا کہ یہ منصور کی طرز کا آدمی نہیں ہے یعنی اس کو صرف قسم پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ کسی صورت اس سے مال نکالنا چاہئے تھا کیونکہ آپ حق بجانب تھے۔

رنگریزوں کی ایک جماعت کچھ رقم لائی اور آپ کی خدمت میں پیش کی اور کہا ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہمارا کسی سے ولاء و تعلق نہیں، ہمارا یہ سب مال قبول فرماویں اور کام میں لاویں۔ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس کوئی مال ہو وہ اس سے اپنے بھائی کی مدد کرے میں ان سے کچھ نہیں لینے والا۔

اسی طرح عبدالحمید بن لاحق سے بھی مال سے متعلق قسم اٹھوائی اس نے قسم کھائی، آپ نے اسے یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا کہ اگر تیرے پاس مال کا ہونا ثابت ہوا تو میں تمہیں جھوٹا شمار کروں گا۔ اس طرح کا ایک واقعہ شیبہ کا بھی ہے جو کہ مسعود موربانی کا کاتب تھا۔ اس سے بھی قسم اٹھوائی، اس نے بھی قسم کھائی آپ نے چھوڑ دیا۔ شیبہ کا کہنا ہے کہ میں اس کے بعد آپ کے بارہ میں پوچھتا رہا اور آپ کے لئے دعا کرتا رہا، یہاں تک کہ مسعود نے مجھے روک دیا۔ ایک دن دورانِ خطبہ فرمایا:

> ''اے لوگو! بے شک میں نے جملہ بھلائیوں کو جو کہ لوگ اللہ سے طلب کرتے ہیں تین چیزوں میں دیکھا، ایک کلام، دوسری نظر، تیسرا سکوت (خاموشی)۔ پس ہر وہ بات جس میں اللہ کا ذکر نہیں وہ لایعنی اور فضول ہے اور ہر وہ خاموشی جس میں غور و فکر نہیں وہ بھول ہے اور ہر وہ نظر جس میں عبرت نہیں وہ غفلت ہے، پس اس شخص کیلئے خوشخبری ہے جس کا کلام ذکر اللہ سے پُر ہے اور جس کی نظر میں عبرت ہے اور جس کی خاموشی میں غور و فکر ہے، جس کا گھر کشادہ کھلا ہے، جو اپنے گناہوں پر رویا اور لوگ اس سے سلامتی میں رہے''۔

لوگوں کو آپ کا ارشاد بہت پسند آیا اور حیرت زدہ ہوئے۔

آپ کے ساتھیوں نے محمد بن یزید کو گرفتار کیا اس کا ایک گھوڑا تھا جس کا سر سوار کے سر کے برابر تھا، اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نے مجھ سے کہا کہ یہ گھوڑا مجھے بیچ دے۔ میں نے کہا اے فرزندِ رسول اللہ ﷺ آپ ویسے ہی لے لیں۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا اس کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ انہوں نے کہا دو ہزار درہم۔ آپ نے مجھے ڈھائی ہزار درہم دے کر گھوڑا خرید لیا۔ اور جب آپ جنگ پر جانے لگے تو مجھے چھوڑ دیا۔

1۔ ماخوذ از ''الافادہ فی تاریخ الائمۃ السادۃ''

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بصرہ پر قبضہ کے بعد بیت المال سے دس لاکھ درہم نکلے، آپ نے وہ تمام اپنے لشکر والوں میں تقسیم کر دیے، ہر ایک سپاہی کو پچاس پچاس درہم ملے، سب سپاہی یہ کہہ رہے تھے کہ پچاس درہم بھی اور جنت بھی۔

آپ نے بصرہ کے عہدۂ قضاء پر عباد بن منصور کو مقرر کیا۔ بیت المال پر سلمان بن ابی واصل کو، ہارون بن سعد کو واسط اور اس کے گردونواح پر اور مغیرہ بن الفرع کو اہواز پر عامل مقرر کیا، اہواز پر مغیرہ قابض تو ہوا لیکن منصور نے خارم بن خزیمہ کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر بھیجا، لڑائی ہوئی اور مغیرہ کو شکست ہوئی۔ آپ بصرہ سے منصور کے مقابلہ میں نکلے۔ اپ کے لشکر کے میمنہ پر عیسیٰ بن زید رحمہ اللہ تھے اور میسرہ پر برد بن لبید الیشکری تھے جبکہ آپ کے مقابلہ میں منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کے زیر قیادت ایک ٹڈی دل لشکر بھیجا اور ان کا آمنا سامنا کوفہ اور بصرہ کے درمیان باخمریٰ کے مقام پر ہوا۔ مقابلہ ہوا اور عیسیٰ بن موسیٰ اور اس کے لشکر کو شکست فاش ہوئی، حضرت امام ابراہیم اپنے گھوڑے پر کھڑے ہو کر شکست خوردہ لشکر کو دیکھ رہے تھے کہ ایک تیر اچانک آپ کی پیشانی مبارک پر آن لگا اور آپ گھوڑے پر لٹک گئے، آپ کو گھوڑے سے اتارا گیا۔ بشیر الرحال نے اٹھایا اور اپنے سینے سے لگا کر بٹھایا یہاں تک کہ آپ شہادت سے سرفراز ہوئے، آپ کی شہادت پر بشیر الرحال یہ آیت بار بار دھرا رہے تھے (وکان امر اللہ قدراً مقدوراً) ذی الحجہ ۱۴۵ھ کے ابتدائی دن تھے اور ایک روایت کے مطابق ۲۵ ذی القعدہ کو آپ کا سر مبارک کاٹا گیا اور منصور کے پاس لے جایا گیا، آپ کا جسم اطہر باخمریٰ میں سپردِ خاک ہوا۔

حضرت امام ابراہیم بن عبداللہ حسن کا ساتھ دینے والے علماء وفقہاء ومحدثین

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (فقیہ العراق)، امام اعمش سلیمان بن مہران (محدث)، ابوداؤد الطہوی (محدث)، فطر بن ابراہیم، سالم بن ابی واصل (ولی بیت المال من ابراہیم بواسط)، عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق، ابوخالد الاحمر، حمزہ بن عطاء البرنی، خلیفہ بن حسان الکیال، عبداللہ بن جعفر المدائنی (والد علی بن المدائنی)، ہارون بن سعد (عامل ابراہیم علی واسط، فقیہ ومحدث راوی عن شعبی)، عباد بن عوام (قائد جمع الفقہاء، محدث فقیہ واسط)، عوام بن حوشب (شیخ کبیر)، اسامہ بن زید، عبدالواحد بن زیاد، مسعر بن کدام (محدث وفقیہ)، ایوب بن سلیمان (محدث)، ھشام بن حسان۔

مسلم بن سعد (من فقہاء واسط)، اصبغ بن زید (من فقہاء واسط)، عامر بن کثیر السراج (من اصحاب ھارون)، سالم الحداء (من اصحاب ھارون)، اسحاق بن یوسف (فقیہ واسط)، شعبہ بن حجاج (محدث کبیر)، صالح المروزی (محدث فقیہ)، لبطہ بن فرزدق (محدث راوی)، عثمان الطویل، اباحری نصر بن ظریف (محدث)، ابوالعوام القطان عمران بن داؤد (محدث تلمیذ حسن البصری)، عبدربہ بن یزید، عبدالحمید بن سنان بن سلمہ بن المحبق، حکم بن موسیٰ بن سلمہ، عمران بن شیب بن سلمہ، عباد بن منصور (قاضی البصرہ من قبل ابراہیم فقیہ)، خالد بن عبداللہ الواسطی (فقیہ ومحدث)،

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یونس بن ارقم العنزی، عامر بن عباد بن عوام، معاد بن نصر العنبری (قاضی البصرہ فقیہ)، حجاج بن بشی (شہید المعرکہ)، معاویہ بن حجاج (شہید المعرکہ)، الازرق بن تمہ الصریمی، جنادہ بن سوید، ابراھیم الاسدی، ابوالنصر ھاشم بن قاسم (محدث راوی سفیان و شعبہ)، عمر بن عون (محدث)، مؤمل بن اسماعیل (محدث مصاحب سفیان) و حنبض (محدث صاحب سفیان)، داود بن مبارک الصمدانی، ابومحمد البریدی۔[1]

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے شیعہ راویوں کا سلوک

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک ایک پل گواہ ہے کہ آپؒ شیعیت کے مقاصد کی تکمیل میں شیعوں کے کسی کام نہ آئے، حتیٰ کہ "امامت" جیسا عظیم منصب، جس پر فائز ہو کر ایک محیر العقول مقام حاصل کیا جاسکتا تھا، بھی آپؒ کے پایۂ استقامت میں لرزش پیدا نہ کرسکا اور آپ نے سرے سے اس منصب کو قبول کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ تو شیعانِ علی کے حوصلوں کی داد دیجئے کہ انہوں نے آپؒ کے واضح، مسلسل اور زندگی بھر کے قولی و عملی انکار کے باوجود آپؒ کو نہ صرف زبردستی اس مقام و منصب پر فائز کیا بلکہ العیاذ باللہ آپؒ کو اپنی بھرپور تادمی کارروائیوں کا ہدف بھی بنائے رکھا۔ آج شیعہ مذہب کا بیشتر علمی اثاثہ آپؒ کی ذاتِ گرامی کی طرف ہی منسوب ہے اور اس میں ہر قسم کا خلافِ عقل و نقل و اخلاق و شرافت رطب و یابس مواد ذخیرہ کر دیا گیا ہے، جس کے مطالعہ کے دوران انسان پر مختلف کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ کبھی وہ آپؒ کو ایک مافوق الفطرت ہستی تصور کرتا ہے تو کبھی آپؒ کے ارشادات سے اس کا جی متلانے لگتا ہے۔ کبھی وہ آپؒ کو علمِ الٰہی کے فلک الافلاک پر براجمان پاتا ہے تو کبھی آپؒ کو اخلاقیات کی پستیوں میں محسوس کرتا ہے، درحقیقت یہ سب شیعیت ہی کے کارنامے اور کارستانیاں ہیں۔ آپؒ کی ذات کا ان لغویات سے کوئی واسطہ نہیں! ذیل میں قارئین کی آگاہی اور شیعیت کے اس پہلو سے آشنا کرنے کی غرض سے صرف چند روایات کا بطور نمونہ اظہار ضروری ہے!

(۱) ابوبصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا تو میں نے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں ایک مسئلہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، یہاں کوئی ایسا شخص تو نہیں ہے جو میری بات سن رہا ہو؟ تو حضرت جعفر صادق نے پردہ جو اُن کے اور دوسرے مکان کے درمیان میں تھا اُٹھایا اور اس میں جھانک کر دیکھا، پھر کہا کہ اے ابومحمد (کوئی نہیں ہے) جو جی چاہے پوچھو۔ ابوبصیر کہتے ہیں میں نے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں آپ کے شیعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دروازہ علم کا ایسا بتلایا تھا جس سے ہزار دروازے کھل جاتے ہیں؟ حضرت جعفر صادق نے کہا کہ اے ابومحمد کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ؓ کو فقط ایک دروازہ علم کا ایسا بتلایا تھا جس سے ہزار

1۔ اصول کافی مطبوعہ لکھنو۔ ص ۱۴۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دروازے ان کے لئے کھل جاتے ہیں؟ پھر فرمایا کہ اے ابومحمد، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کو ہزار دروازے علم کے بتلائے تھے جن کے ہر دروازہ پر ہزار ہزار دروازے کھلتے ہیں۔

ابوبصیر کہتے ہیں، میں نے کہا یہ خدا کی قسم بڑا علم ہے، تو امام نے کچھ دیر زمین کو کریدا، (غور و فکر کی حالت میں انسان ایسا کرتا ہے) پھر فرمایا ہاں یہ علم تو ہے مگر بڑا علم تو نہیں ہے۔ پھر امام نے کہا کہ بہ تحقیق ہمارے پاس جامعہ ہے۔ حضرت حسنؑ کی اولاد کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کہ آپ پر فدا ہو جاؤں جامعہ کیا چیز ہے؟ امام نے فرمایا ایک کتاب ہے، جس کی لمبائی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گز سے ستر گز ہے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے منہ کی بولی ہوئی اور علیؑ کے داہنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں تمام حلال و حرام کی باتیں ہیں اور تمام وہ چیزیں ہیں جن کی لوگوں کو حاجت رہتی ہے۔ یہاں تک کہ کسی کا بدن ''کسی'' سے چھل جائے اس کی دیت بھی اس میں ہے اور امام نے اپنا ہاتھ اٹھا کر کہا اے ابومحمد تم مجھے اجازت دیتے ہو (کہ میں تمہارے بدن میں کچھ کروں؟) میں نے کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں میں تو آپ ہی کا ہوں آپ جو جی چاہے کیجئے۔ امام نے غصہ کے ساتھ اپنے ہاتھ سے میرے جسم کو دبایا اور فرمایا کہ اس کی دیت بھی اس کتاب میں ہے۔ میں نے کہا واللہ یہ علم ہے؟ امام نے فرمایا ہاں علم تو ہے مگر کوئی بڑا علم نہیں ہے۔ پھر حضرت جعفر صادق تھوڑی دیر چپ رہے، پھر فرمایا اور ہمارے پاس جفر ہے، مگر اولادِ حسنؑ کو کیا خبر کہ جفر کیا چیز ہے؟ میں نے پوچھا کہ جفر کیا چیز ہے؟ امام نے فرمایا چمڑے کا ایک ظرف ہے جس میں نبیوں کا اور وصیوں اور بنی اسرائیل کے تمام علمائے سابقین کا علم بھرا ہوا ہے۔ ابوبصیر کہتا ہے میں نے کہا البتہ یہ علم ہے۔ امام نے فرمایا ہاں علم تو ہے مگر کوئی بڑا علم نہیں ہے۔

پھر تھوڑی دیر امام چپ رہے اس کے بعد کہا کہ ہمارے پاس فاطمہ علیہا السلام کا مصحف ہے اور اولادِ حسنؑ کو کیا خبر کہ مصحف فاطمہ کیا چیز ہے۔ پھر امام نے کہا کہ وہ ایک مصحف ہے تمہارے اس قرآن سے تین گنا ہے، اللہ کی قسم تمہارے قرآن کا اس میں ایک حرف بھی نہیں۔ ابوبصیر کہتے ہیں میں نے کہا واللہ یہ علم ہے...... امام نے کہا ہاں علم تو ہے مگر کوئی بڑا علم نہیں ہے۔ پھر تھوڑی دیر چپ رہے، اس کے بعد فرمایا بہ تحقیق ہمارے پاس ان چیزوں کا علم ہے جو قیامت تک ہوں گی۔ میں نے کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں، یہ البتہ علم ہے۔ امام نے فرمایا علم تو ہے مگر کوئی بڑا علم نہیں ہے۔ میں نے کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں، پھر بڑا علم کیا چیز ہے؟ امام نے فرمایا وہ علم جو رات اور دن میں نیا پیدا ہوتا ہے، حکم کے بعد حکم اور شے کے بعد شے قیامت تک۔'' 1

اس روایت میں حضرت جعفر صادقؒ یا دیگر ائمہ کو جتنا بڑا عالم ظاہر کیا گیا ہے، شاید اتنا بڑا عالم اللہ کی اس سرزمین

1۔ اصول کافی ج دوم ص ۲۲۳ کتاب الایمان والکفر مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پر کبھی پیدا نہیں ہوا ہوگا...... ساتھ ہی حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی زبان سے قرآنِ کریم کی جو بے توقیری ظاہر کرائی گئی ہے، اس سے با آسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک موجودہ قرآن محض ایک لایعنی کتاب ہے۔ کیونکہ حضرت جعفر صادق یا دیگر ائمہ کے پاس جو قرآن ہے وہ موجودہ قرآن سے دوگنا زیادہ ہے اور اس میں موجودہ قرآن کا ایک بھی لفظ نہیں ہے۔

راوی نے جس محنت سے یہ روایت تخلیق کی وہ نہایت قابلِ داد ہے لیکن محض ایک آدھ جملے کے اضافے سے یہ بھی تو واضح کیا جاسکتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والا قرآن کیا ہوا؟...... اگر اسے ائمہ کے پاس ہی محفوظ و مستور رکھ کر انسانیت کو اس سے محروم رکھنا تھا تو آخر اسے نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟؟

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ دین کو چھپانے کی تاکید کرتے تھے

شیعانِ علی کی وضع کردہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کرام کا مقصدِ حیات دین کی اشاعت نہیں بلکہ دین کو چھپانا تھا، نامعلوم اس "دین" میں یا اس کی اشاعت میں کیا برائی پوشیدہ تھی، جس کا ظہور انسانیت کے لئے نامناسب سمجھ کر اللہ نے ائمہ کو اس کا پابند کیا اور اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے والے کو ذلیل کر دینے کا فیصلہ فرمایا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ رسولوں کی بعثت کا مقصد تو پیغامِ الٰہی کو عام کرنا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم فرمایا جائے کہ:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ط وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔

"اے رسول! جو کچھ آپ پر نازل ہوا اسے لوگوں تک پہنچا دو، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اللہ کا پیغام اس کی مخلوق تک نہ پہنچایا"۔

جبکہ دوسری طرف ائمہ کرام دین کی اشاعت کو باعثِ ذلت اور چھپانے کو باعثِ عزت قرار دیں، چنانچہ اصولِ کافی میں روایت ہے:

عن معلّٰی بن خنیس قال قال ابو عبداللہ علیہ السلام یا معلّٰی اکتم امرنا ولا تذعہ فانہ من کتم امرنا ولم یذعہ اعزّہ اللہ بہٖ فی الدُّنیا وجعلہٗ نورًا بین عینیہ فی الاٰخرۃ وجعلہٗ ظلمۃً تقودہ الی الجنۃ یا معلّٰی من اذاع امرنا ولم یکتمہ اذلہ اللہ بہ فی الدنیا ونزع النور من بین عینیہ فی الاٰخرۃ وجعلہٗ ظلمۃً تقودہٗ الی النار یا معلّٰی ان التقیۃ من دینی ودین ابائی ولا دین لمن لاتقیۃ لہٗ یا معلّٰی ان اللہ

1۔ اصول کافی ج ۲ ص ۲۲۲

2۔ الشافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص ۲۴۵ مطبوعہ کراچی

3۔ جامع الاخبار ص ۱۰۸ / الفصل الثالث والاربعون فی التقیہ مطبوعہ نجف اشرف

4۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۴۴۴ کتاب النکاح

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یحبُّ ان یعبد فی السر کما یحب ان یعبد فی العلانیۃ یا معلّٰی ان المذیع لامرنا کالجاحد لہٗ۔[1]

''معلّٰی بن خنیس سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے، اے معلّٰی ہمارے امر کو چھپاؤ، اور ظاہر نہ کرو۔ جو ہمارے امر کو چھپائے گا اور ظاہر نہ کرے گا تو اللہ اس کو دنیا میں عزت دے گا، اور آخرت میں اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور ہوگا، جو اُسے جنت کی طرف لے جائے گا۔ اور اے معلّٰی جو ہمارے امر کو ظاہر کرے گا اور نہیں چھپائے گا، تو خدا اُسے دنیا میں ذلیل کرے گا، اور آخرت میں اُس کی دونوں آنکھوں کے بیچ سے نور کو کھینچ لے گا، اور تاریکی اُسے کھینچ کر دوزخ کی طرف لے جائے گی۔ اے معلّٰی! تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے۔ جس کے لئے تقیہ نہیں اس کے لئے دین نہیں۔ اے معلّٰی! اللہ پوشیدہ عبادت کو اسی طرح دوست رکھتا ہے جیسے ظاہر عبادت کو۔ اے معلّٰی ہمارے امر کو ظاہر کرنے والا ایسا ہے جیسے ہمارے حق کا انکار کرنے والا۔''

ایک اور موقعہ پر حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یا سلیمان انکم علی دینٍ من کتم اعزّہ اللّٰہ و من اذاعہٗ اذلّہ اللّٰہ۔[1]

''اے سلیمان! تم اس دین پر ہو کہ جس نے اس کو چھپایا اللہ نے اس کو عزت دی اور جس نے اس کو ظاہر کیا، اللہ نے اس کو ذلیل کیا۔[2]

ایک اور روایت میں ہے:

قال الصادق من اذاع علینا شیئًا من امرنا فھو لمن قتلنا عمدًا و لم یقتلنا خطائً۔[3]

''حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے ہمارے امر میں سے کسی امر کی اشاعت کی، اور اس کو ظاہر کر دیا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ہمیں جان بوجھ کر قتل کیا، اور بھول کر یا غلطی سے قتل نہ کیا۔''

ان روایات کے مطالعہ کے بعد یہ تجسّس پوری شدومد کے ساتھ سر اٹھاتا ہے کہ آخر اس ''دین'' میں کیا راز ہائے سربستہ پوشیدہ ہیں کہ اسے چھپانے کی اس قدر تاکید کی جا رہی ہے۔ لیکن یہ تجسس اس وقت ساقط ہو جاتا ہے جب شیعیت کی اُمہات الکتب میں ایسی سینکڑوں روایات برآمد ہوتی ہیں، جن کے مطالعہ سے انسانیت شرمسار ہو کر رہ جاتی ہے۔

شیعیت میں متعہ جیسی بے حیائی کے متعلق حضرت باقر رحمہ اللہ کی طرف منسوب بیانات کا نمونہ آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے، اب حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب روایات کا نمونہ ملاحظہ ہو:

1۔ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۲۹۲

2۔ وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۸۴

3۔ وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۷۹

4۔ ایضاً ص ۷ ۴۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے نزدیک متعہ کی فضیلت

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ما من رّجلٍ تمتع ثم اغتسل الا خلق اللہ من کل قطرۃٍ تقطر منه سبعین ملِکًا یستغفرون له الی یوم القیامة ویلعنون متجنّبها الیٰ ان تقوم الساعة۔ [4]

”حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو مرد متعہ کرتا ہے پھر غسل کرتا ہے، تو اس کے غسل کے پانی کے ہر ایک قطرہ پر اللہ تعالیٰ ستر فرشتے پیدا فرماتا ہے۔ یہ فرشتے قیامت تک متعہ کرنے والے کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اور جو متعہ سے اجتناب کرتا ہے اس پر قیامت کے قائم ہونے تک لعنت بھیجتے ہیں۔“

گذشتہ صفحات میں باپ (امام محمد باقرؒ) کی روایت سے متعہ کرنے والے کی مغفرت اور درجات کی بلندی ثابت ہوئی تھی، اور موجودہ روایت کی رُو سے بقول حضرت جعفر صادقؒ کروڑوں فرشتے پیدا ہو کر متعہ کرنے والے کی مغفرت اور اس سے منہ موڑنے والے پر تا قیامت لعنت کرتے ہیں۔ ان فوائدِ وافرہ وکثیرہ کی کسے ضرورت نہیں؟ کون ہے جسے اپنے گناہوں کی مغفرت مطلوب نہ ہو؟ اور کون ہے جو فرشتوں ایسی معصوم مخلوق کی لعنت سے بچنا نہ چاہتا ہو؟ جب شیعیت میں یہ سب کچھ صرف متعہ کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر آسانی کیا ہو گی؟...... تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کے پھیلنے کا ایک سبب ”متعہ“ بھی ہے جو لچوں لفنگوں اور شرم وحیا سے تہی دست اوباش نوجوانوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب چند اور روایات ملاحظہ ہوں:

متعہ کے لئے کوئی عدد متعین نہیں

”حضرت ابوعبداللہ (جعفر صادقؒ) نے فرمایا: متعہ کا تعلق صرف چار کے عدد سے نہیں، اس میں مرد کی مرضی ہے اور ستر کے ساتھ بھی محدود نہیں، ہزار تک بھی ہو سکتا ہے۔“ [1]

متعہ میں عورت مستاجرہ ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوعبداللہؒ کے قول کے مطابق وہ ایک ہزار بھی ہو سکتی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ مستاجرات ہی ہوں گی۔

1۔ وسائل الشیعہ ص ۴۵۹

2۔ وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۸۰

3۔ ایضاً ص ۴۹۱

4۔ وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۸۱

5۔ اصل الشیعہ، محمد حسین آل کاشف الغطاء ص ۱۷۴۔۱۸۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بغیر گواہوں کے متعہ

''حضرت ابوعبداللہ(جعفر صادقؒ) نے بغیر گواہوں کے ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی یا صرف ایک مرد کی صورت میں بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔'' [2]

ایک یا دو دفعہ کے لئے بھی جائز قرار دیا ہے۔ جب ابوعبداللہؒ سے پوچھا گیا کہ متعہ گھنٹہ دو گھنٹہ کیلئے بھی جائز ہے؟ تو فرمایا ایک دو گھنٹہ کے لئے موقوف نہیں، ایک دو دفعہ کے لئے بھی جائز ہے۔ [3]

دو بہنوں کے ساتھ متعہ

حضرت ابوعبداللہؒ نے فرمایا: ''دو بہنوں سے متعہ میں کوئی حرج نہیں'' [4]

باپ کی اجازت کے بغیر متعہ

حضرت ابوعبداللہؒ سے پوچھا گیا کیا کنواری لڑکی سے اس کے باپ کی اجازت کے بغیر متعہ جائز ہے؟ تو فرمایا، کوئی حرج نہیں ہے۔ [1]

اور اس کا عکس بھی ان سے نقل کیا گیا ہے۔

ایک عورت سے جتنی بار مرد چاہے، متعہ کر سکتا ہے۔ [2]

عورت کو حمل کی رسوائی سے بچانے کیلئے جماع کے علاوہ باقی جسم سے استمتاع کا متعہ بھی جائز ہے۔ [3]

متعہ کی ابتداء اور اختتام بغیر گواہوں کے، بغیر میراث کے، بغیر نفقہ کے اور بغیر طلاق کے ہوتی ہے۔ اور اس عورت کی عدت ۴۵ دن ہے، متعہ میں یہ ضروری نہیں کہ عورت مرد کے ساتھ ایک گھر میں رہے، بلکہ صرف متعہ کے لئے آ سکتی ہے، اور جن دنوں میں نہ آئے مرد اس کی اُجرت سے اتنا کاٹ سکتا ہے۔ [4]

یہ ہے ''نکاحِ متعہ'' کی حقیقت...... بتایئے کیا اس میں اور زنا میں کوئی فرق ہے؟ اور کیا اس میں اباحیت کی کھلی دعوت نہیں کہ ایک عورت ہر روز بلکہ ہر گھڑی ایک نئے مرد کی گود میں ہو!!

شیعہ عالم محمد حسین آل کاشف الغطاء متعہ کے جائز ہونے اور اس سے ناکام دفاع کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''اگر عمر (رضی اللہ عنہ) متعہ سے نہ روکتے تو کوئی بد بخت ہی زنا میں مبتلا ہوتا۔ پھر لکھتا ہے کہ انسان اپنی

1۔ وسائل الشیعہ، حر عاملی۔ ج ۷ ص ۴۵۰

2۔ وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۴۴ باب استحباب المتعہ

3۔ الشیعہ فی التاریخ، محمد حسین زین۔ ص ۲۶۳

4۔ وسائل الشیعہ، حر عاملی ج ۷ ص ۴۵۶

5۔ وسائل الشیعہ، حر عاملی ج ۷ ص ۴۳۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ضروریات کے لئے سفر اختیار کرتا ہے اور اسے گھر سے دور رہنا پڑتا ہے، ادھر اللہ تعالیٰ نے اس میں شہوت کے جذبات بھی رکھے ہیں اور وہ سفر میں دائمی شادی کرنے سے معذور ہے۔ اب اس کے سامنے دو راستے ہیں۔ یا صبر سے کام لے جس کے نتیجے میں اسے مشقت اٹھانی پڑے گی یا زنا میں مبتلا ہو۔ لہٰذا اگر مسلمان متعہ پر عمل کرلیں تو زنا کے دروازے بند ہو جائیں۔" 5

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر متعہ اس ضرورت کی بنا پر جائز ہے تو پھر گھروں میں بسنے والے شادی شدہ لوگ کیونکر متعہ کرتے ہیں؟ بلکہ وہ بقول آپ کے دینی اعتبار سے مجبور ہیں کہ ایسا کریں۔ وگرنہ وہ اللہ کے نافرمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کرام کی سنت کے تارک ہوں گے؟

حضرت ابوجعفرؒ نے فرمایا: ہر شخص کو متعہ کرنا چاہئے، اگرچہ اس کی بیوی ہو اور وہ اس کے ساتھ اپنے شہر میں رہتا ہو۔ [1] اس کے ساتھ کیا محمد حسین آل کاشف الغطاء یہ بھول گئے کہ ائمہ کرام کے ہاں متعدد بیویاں اور باندیاں بھی تھیں اور ان کی اکثریت نے تجارت یا جہاد یا طلب علم کے لئے سفر نہیں کیا اور علم ان کے پاس تھا، اس کے باوجود انہوں نے متعہ کیا، اور متعہ ان کی علامت اور اوڑھنا بچھونا بن گیا اور یہ بھی بھول گئے کہ بقول ان فارسی تحریف کاروں کے...... معاذ اللہ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعہ کیا ہے؟

نیز یہاں ضرورت کے وقت متعہ کے جواز یا عدمِ جواز کے بارے میں بحث نہیں ہو رہی ہے بلکہ اس کے ایک دینی فرض کی حیثیت سے ہو رہی ہے، جسے آپ کے ہاں نماز، روزہ اور دوسرے اسلامی فرائض کی طرح شمار کیا جاتا ہے اور جس کے نہ کرنے والا اللہ کا نافرمان، رسول کی اطاعت سے خارج اور قیامت تک ان فرشتوں کی لعنت کا مستحق بنتا ہے جو متعہ کرنے والے کے غسل کے ہر قطرے سے ستر پیدا ہوتے ہیں۔ [2]

بے شک متعہ فارس کے شیعوں کا اوڑھنا اور بچھونا ہے اور انہوں نے ہی اسے رواج دیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ خاندانوں اور عرب معاشرے کو تباہ کریں جو اسلامی معاشرے کی اونچی مثال پیش کرتا ہے۔ شیخ زین نے تاکید سے لکھا ہے کہ ایران میں دوسرے شہروں کے مقابلے میں متعہ کا رواج بہت زیادہ ہے، اور نجف شہر اور جبل عامل کے لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہاں کے اصلی باشندے اس کے عادی نہیں ہیں۔ [3]

نیز اگر زواجِ متعہ جائز ہے اور شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں تو پھر اس کے ساتھ کراہت اور فساد کا جوڑ کیوں ہے؟ اور اس سے عفت کیوں ختم ہو جاتی ہے؟ اور رُسوائی سے بچنے کے لئے اس کے استعمال میں احتیاط کیوں برتی جاتی ہے؟ اور کنواری لڑکی کے حق میں باعثِ ذلت اور شرم کیوں ہے؟ تو کیا اسلام ایسے نکاح کی اجازت دیتا ہے؟ اور کیا اسلامی نکاح

1۔ وسائل الشیعہ، حر عاملی ج ۷ ص ۴۵۸

2۔ وسائل الشیعہ کتاب الطہارت ج ۱

3۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ فی اداب الحمام جلد اول ص ۳۴ طبع قدیم لکھنؤ۔ طبع جدید جلد اول ص ۶۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لڑکی والوں کے لیے شرم اور عار اور لڑکی کی عفت کو ختم کرنے اور اسے رُسوا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے؟ متعہ کے بارے میں حضرت ابوعبداللہ کا قول برحق ہے کہ ہمارے ہاں تو متعہ فساق وفجار کرتے ہیں۔[4]

نیز حضرت ابوجعفرؒ (محمد باقرؒ) کی طرف جو متعہ کے استحباب اور حلال ہونے کی نسبت کی جاتی ہے اگر صحیح ہے تو پھر آپ نے عبداللہ بن عمیر لیثی سے کیوں منہ پھیر لیا، جب اس نے کہا کہ: کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کی عورتیں، آپ کی بیٹیاں اور آپ کی بہنیں اور آپ کی چچازاد بہنیں متعہ کریں؟ [5]

کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور فساد کی طرف کھلی دعوت ہوسکتی ہے؟ جس کی نسبت حضرت ابوعبداللہؒ کی طرف کی جاتی ہے اور وہ اس سے بری ہیں کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: ایک کنواری لڑکی والدین سے چھپ کر مجھے گناہ کی دعوت دیتی ہے، کیا میں اس کی بات مان لوں؟ تو آپؒ نے فرمایا: ہاں، البتہ شرمگاہ سے بچو۔ اس نے کہا: اگر وہ اس پر راضی ہو؟ تو آپؒ نے فرمایا: اگرچہ وہ راضی ہو، کیونکہ کنواری لڑکیوں کے حق میں یہ رسوائی کا باعث ہے۔[1]

حضرت جعفر صادقؒ کی ذاتی زندگی شیعہ راویوں کی زد میں

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ حمام میں چونے کا لیپ کیا کرتے تھے پھر جب ستر کی جگہ پہنچتے، تو اس شخص سے فرماتے جو آپ کا چونا لیپ کرنے والا ہوتا، ایک طرف ہو جاؤ، پھر خود اس مخصوص جگہ پر لیپ کر لیتے۔ اور فرماتے کہ جو شخص چونے کا لیپ کرانا چاہے تو اسے شرمگاہ سے کپڑا اُتار دینا چاہئے کیونکہ چونا بھی پردہ کا کام دیتا ہے۔[2]

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ اور دیگر وہ تمام ہستیاں جنھیں شیعیت اپنے ائمہ کے طور پر پیش کرتی ہے، بلاشک و شبہ اپنے ذاتی کردار میں متقی اور پاکباز تھیں، لیکن شیعانِ اہل بیت اور بالخصوص "مذہب اہل بیت" کے راویوں نے ان کا جو نقشہ پیش کیا ہے، وہ یقیناً قابلِ عبرت اور قابلِ رحم ہے! چنانچہ فرماتے ہیں:

وکان الصادق علیہ السلام یطلی فی الحمام فاذا بلغ موضع العورۃ قال لِلّذی یطلی شیخ ثم یطلی ھو ذالک الموضع ومن اطلی فلا باس ان یلقی السّتر عنہ لانَّ النورۃ ستر ودخل الصادق علیہ السلام الحمام فقال لہٗ صاحب الحمام نخلیہ لک فقال لا انَّ المومن خفیف المؤمنۃ وروی عن عبداللّٰہ المرافقیؒ فقال دخلت حمامًا بالمدینۃ فاذا شیخ کبیر وھو قیّم الحمام فقلت لہٗ یا شیخ لمن ھذا الحمام فقال لابی جعفر محمّدِ بن علیؒ فقلت اکان یدخلہٗ قال نعم فقلت کیف کان

1۔ وسائل الشیعہ کتاب الطہارت ابواب آداب الحمام

2۔ فروع کافی باب المذی والودی جلد سوم ص ۳۹ مطبوعہ تہران طبع جدید

3۔ شرمگاہ سے نکلا ہوا گندا پانی ناک اور منہ سے نکلے ہوئے پانی کی طرح ہے۔ یہ مرتبہ اس گندے پانی کو مذہب شیعہ نے عطا کیا۔ اور یہ اسی مذہب کی امتیازی خصوصیت میں سے ایک ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ یہ بات حضرت جعفر کی طرف شیعوں نے منسوب کی ہے۔

4۔ الاستبصار جلد سوم ص ۲۴۲، ۲۴۳ مطبوعہ تہران طبع جدید ۱۳۹۰ھ فی اتیان النساء فیما دون الفرج

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یصنع قال کان یدخل فیدأ فیطلی عانة وما یلیها ثم یلفُ ازارهٔ علی اطراف حلیله ویدعونی فأطلی سائر جسده فقلت لهٔ یومًا من الایّام الّذی تکره ان اراه قدر اَیتهٔ قال کلّا انَ النّورة سترةٌ۔[3]

''حضرت جعفر صادق علیہ السلام حمام میں ''طلاء'' لگایا کرتے تھے۔(طلاء سے مراد یہاں چونا کو پانی میں بھگو کر جسم پر لگانا ہے) جب عضو تناسل پر پہنچتے تو طلاء لگانے والے کو کہتے تم چلے جاؤ، اور خود اس مخصوص جگہ پر طلاء لگاتے، اور کہا کرتے جو طلاء لگائے اگر وہ ستر کا کپڑا اُتار دے تو کوئی گناہ نہیں، کیونکہ لگا ہوا چونا ستر کا کام دے دیتا ہے۔ اور حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ حمام میں داخل ہوئے، حمام کے مالک نے انہیں کہا، کیا حمام آپ کے لئے خالی کر دیں؟ فرمایا، مومن کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ (لہٰذا خالی کرانے کی کوئی ضرورت نہیں) عبید اللہ المرافقی سے روایت کی گئی ہے کہ میں مدینہ کے ایک حمام میں گیا تو ایک ضعیف العمر شخص کو دیکھا۔ وہ حمام کا منتظم تھا۔ میں نے اس بوڑھے سے پوچھا، یہ حمام کس کا ہے؟ کہنے لگا، یہ حمام حضرت باقرؒ کا ہے۔ میں نے پوچھا وہ خود بھی یہاں آتے ہیں؟ کہا، ہاں! پوچھا، پھر وہ یہاں آ کر کیا کچھ کرتے ہیں؟ اس نے کہا، حمام میں داخل ہوتے ہی اپنی شرمگاہ پر ''طلاء'' لگاتے ہیں۔ پھر عضو تناسل پر ایک پٹی باندھ کر مجھے بلاتے ہیں، تو میں ان کے باقی جسم پر ''طلاء'' لگاتا ہوں۔ میں نے انہیں ایک دن کہا کہ جس چیز کو آپ دکھانا پسند نہیں کرتے میں اُسے دیکھ لیتا ہوں۔ فرمایا ایسا ہرگز نہیں، چونا لگا ہو تو پردہ ہو جاتا ہے۔ (لہٰذا تو چونا تو دیکھ سکتا ہے، عضو مخصوص اسی طرح ستر میں ہوتا ہے)۔

الہیثمی کہتا ہے، مجھے پتہ نہیں مگر یہ کہ میں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کو ننگا دیکھا۔ یا اس شخص کو دیکھا کہ جس نے امام صاحب کو برہنہ دیکھا تھا۔ صرف ان کی مخصوص شرمگاہ پر کپڑا تھا اور ران وغیرہ ننگے تھے۔ آپ نے فرمایا، دیکھو

1۔ رجال کشی ص ۱۲۳ تذکرہ زرارۃ بن اعین مطبوعہ کربلا

2۔ مذکورہ عبارت پر مولانا محمد علی تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر وہ آدمی جس کی آنکھ میں کچھ بھی شرم وحیا ہے وہ اس روایت کو پڑھ کر اپنی آنکھیں شرم سے جھکا لے گا۔ لیکن شیعہ حضرات کو اس قسم کی واہی تباہی من گھڑت روایات پیش کرنے سے قطعاً شرم نہیں آتی، بلکہ ان کو کتابوں میں شائع کرتے ہیں۔ طرفہ تر یہ کہ پھر ایسی گندی روایات کو آئمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ روایت کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا، اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ساری زندگی شیعوں کو خواہشاتِ نفسانیہ کی ہی ترغیب دیتے رہے، حالانکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آلِ سادات کے سردار اور شریعتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علمبردار کی زبان سے ایسی فحش اور لچر قسم کی باتوں کا صدور ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیاد ہی شہوت پرستی اور کذب بیانی پر رکھی گئی ہے۔ جس کی بناء پر ان حضرات نے اپنی مطلب برآری کے لیے متعہ پرستی جیسے حرام وفحش فعل کی بنیاد رکھی۔ (اور روایات گھڑ گھڑ کر ائمہ سے منسوب کیں) لہٰذا روایت مذکورہ اور اس قسم کی جتنی فحش روایات کتبِ شیعہ میں مرقوم ہیں، یہ سب ان حضرات کی اپنی اختراع ہیں اور آئمہ اہل بیت سے ان روایات کا دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ:

؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک (عقائد جعفریہ ج ۱ ص ۳۲۹)

3۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۸۴ فی غسل میت مطبوعہ تہران۔ طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ران اُن اعضا میں شامل نہیں جن کا پردہ لازم ہے۔'' [1]

حضرت جعفر صادقؒ کے چند فتاویٰ

ذیل میں حضرت جعفر صادقؒ کے چند فتاویٰ پیش کرتے ہیں جو یقیناً ان کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں اور موجودہ فقہ جعفریہ کی زینت بنے ہوئے ہیں:

فروع کافی کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

علی بن ابراھیم عن ابیہ عن حمّادٍ عن حریزٍ عن زُرارۃ عن ابی عبداللّٰہ علیہ السّلامُ قال ان سال من ذکرک شیئٌ من مذی او وَدْیٍ وانت فی الصّلٰوۃ فلا تفسدہٗ ولا تقطع الصّلٰوۃ ولا تنقص الوضوء وان بلغ عقیبک فانّما ذالک بمنزلۃ النخامۃ۔ [2]

''حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اگر نمازی کی حالت نماز میں ودی یا مذی آلۂ تناسل سے نکل آئے اور ٹخنوں تک پہنچ جائے تو نہ اس کو دھونے کی ضرورت ہے نہ نماز ٹوٹتی ہے، اور نہ وضو میں کوئی خرابی واقع ہوتی

1۔(۱) وسائل الشیعہ جلد دوم صفحہ نمبر ۶۸۶ کتاب الطہارت (۲) علل الشرائع باب ۲۳۸ ص ۳۰۰/ العلۃ التی من اجلہا یغسل المیت الخ

2۔ الشافی ترجمہ کافی جلد اول ص ۳۳ باب مذی و ودی۔

مذی اور ودی کی تعریف جو فروعِ کافی کے مذکورہ حوالہ پر حاشیہ پر لکھی ہوئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں رطوبتیں عضوِ تناسل سے خارج ہوتی ہیں۔ مذی وہ رطوبت ہے جو مرد اور عورت کے باہم ملاعبت (چھیڑ چھاڑ) کرنے کے وقت عضو مخصوص سے خارج ہوتی ہے اور پیشاب کے بعد جو رطوبت عضو مخصوص سے نکلے ودی کہلاتی ہے۔

گویا مذی عورت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ پر نکلتی ہے اور ودی پیشاب کے بعد۔ اب دورانِ نماز ان دونوں رطوبتوں کا نکلنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز بھی پڑھ رہا ہو اور عورت کے ساتھ ملاعبت بھی کر رہا ہو۔ اور دوسری صورت میں نماز میں پیشاب کر دے اور پھر اس کے بعد ودی کی صورت میں رطوبت خارج ہو تو اس کیفیت سے بقول حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نہ نماز ٹوٹتی ہے نہ وضو جاتا ہے، اور نہ ہی ان رطوبتوں پر نجاست کا حکم لگانا درست ہے۔ اگر دورانِ نماز عورت سے چھیڑ چھاڑ کرنے اور بول و براز کرنے سے نہ نماز ٹوٹے نہ وضو جائے تو پھر وارے نیارے ہو گئے۔ ہم خرما و ہم ثواب...... بخدا! حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ ایسے مسائل ہرگز نہیں بیان کر سکتے۔ یہ بکواسات اور واہیات ابوبصیر اور زرارہ اینڈ کمپنی کی اختراع ہیں۔ ان لوگوں کی من گھڑت باتوں کی پٹاری ہے جن پر دونوں ائمہ حضرت باقر و حضرت جعفر نے لعنت بھیجی اور ان کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیا۔

2۔ فروع کافی ج ۶ کتاب الزیّ والتجمل

اسی وجہ سے ''امام خمینی'' بھی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''عورت کو جن اعضاء کا پردہ کرنا چاہئے وہ دو ہیں۔ ایک قبل اور دوسرا دُبر۔ اور مرد کے لئے ان دونوں کے علاوہ دونوں گولیاں بھی پردہ ہیں۔ ان دونوں اعضاء کے علاوہ ران، چوتڑ، زیر ناف جگہ پردہ میں شامل نہیں ہیں۔ ہاں وہ بال جو شرمگاہ کے ارد گرد اُگے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے بارے میں احتیاط یہی ہے کہ دیکھنے اور دکھانے والا اسے نہ دیکھیں۔ (اگرچہ اعضاء پردہ میں شامل نہیں) اور ناف کا پردہ کرنا اور گھٹنے کا پردہ کرنا بہتر ہے۔ اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کا پردہ مستحب ہی ہے۔ جن اعضاء کا پردہ (قبل اور دُبر) ضروری ہے، وہ ان پر اپنا ہاتھ یا اپنی بیوی کا ہاتھ رکھنے سے پورا ہو جاتا ہے۔'' (تحریر الوسیلہ فصل فی احکام التخلی)........

........بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر........

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaqi

ہے کیونکہ یہ ناک سے نکلے ہوئے پانی کی طرح ہے۔'' [3]

★... عن عبد اللّٰہ بن ابی یعفور قال سألت ابا عبدِاللّٰہ علیہ السلام عن الرّجل یاتی فی دبرھا قال لا باس اذا رضیت۔ [4]

''ابویعفور نے کہا، میں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی دُبر میں (خواہش پوری) کرتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اگر عورت راضی ہو تو کیا مضائقہ۔''

عورت کی دُبر میں وطی کرنا، قومِ لوط کو بھی نہ سوجھا، اس کے جواز کا فتویٰ حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کرنا انتہائی گستاخی ہے۔

☆......''حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے مشت زنی کے متعلق پوچھا گیا، آپ نے فرمایا اس پر کوئی مواخذہ (حد) نہیں ہے، یہ تو خود اپنے وجود سے جماع کرنا ہے۔''

★... عن زرارۃ قال و اللّٰہ لو حدَّثتُ بکلّ ما سمعتہٗ من ابی عبدِ اللّٰہ (ع) لانتفخت ذکور الرّجال علی الخشُب۔ [1]

''زرارہ سے روایت ہے کہ کہا اُس نے کہ اگر میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے سنی ہوئی تمام باتیں بیان کروں تو لوگوں کے آلاتِ تناسلہ لکڑی کی طرح سخت ہو جائیں۔'' [2]

★... سئل الصادق علیہ السلام لایّ علّۃ یغسل المیت؟ قال تخرج منہ النُطفۃ الّتی خلق منھا تخرج من

بقیہ حاشیہ متعلقہ گذشتہ صفحہ..................

جیسا کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے، اوّل تو اہل تشیع کے نزدیک پردہ صرف دو عضو کا ہے، اور وہ بھی ایک خود بخود پردے میں ہے، اس لیے اُسے چھپانے کی ضرورت ہی نہیں، اور دوسرا آلہ تناسل ہے کہ جس پر اپنا ہاتھ رکھ لیا جائے یا اپنی بیوی کا، پردہ ہو گیا۔ اگر پردہ کا فلسفہ اور سببِ ضرورت دیکھا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ پردہ اس لیے ضروری ہے کہ اس سے ضروری حیاء قائم رہے اور خواہشاتِ نفسانیہ کے بھڑکنے اور انگیخت کا مسئلہ نہ بنے۔ ران، ناف کا زیریں حصہ، دونوں چوتڑ اور آلہ تناسل کے دائیں بائیں یہ سب وہ عضو ہیں جو منبع شہوت ہیں۔ پھر عورت کا سینہ بھی ان کے نزدیک پردہ کا عضو نہیں گویا ان کے نزدیک شہوت اور خواہشاتِ نفسانیہ کے اُبھرنے کے تمام مواقع کھلے چھوڑے گئے۔ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر کہیے کون عقل مند یہ گوارا کرے گا کہ اس کی بیٹی، بیوی، ماں، بہن وغیرہ صرف قُبل پر ہاتھ رکھ کر باہر نہ سہی گھر میں ہی پھرے؟ فقہ جعفریہ کی علت غائیہ ہی نفس پرستی اور متعہ کے مواقع پیدا کرنا ہے۔ یہی ایک ممتاز عبادت ہے جس کے ہوتے ہوئے دنیا میں زنا کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ بلکہ زنا کا نام متعہ بن جائے گا۔ پردے کے ان احکام میں کس قدر بے حیائی ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ یہودی مرد عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا بس اس قدر سمجھنا چاہئے جیسا کہ کوئی گائے بھینس کی پیشاب کی جگہ دیکھ رہا ہے۔ ان کے مذہب میں بے حیائی کی کھلی چھٹی ہے۔ حاشا و کلا ائمہ اہل بیت پردہ کے اعضاء کے بارے میں یہ کچھ کہیں اور پھر خود بھی ایسا ہی کریں۔ یہ سب ان پر بہتان ہیں۔

1۔ وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۴۸۱ کتاب الطہارۃ

3۔ وسائل الشیعہ ج ۷ باب جواز مص الصائم لسان امرأتہ

2۔ وسائل الشیعہ ج ۷ کتاب الصوم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عینہ او من فیہ و مایخرج احذ من الدنیا حتّٰی یزی مکانہٗ من الجنۃ او من النار۔[3]

''امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ میت کو غسل کس علّت کی وجہ سے دیا جاتا ہے؟ فرمایا اس کی آنکھوں یا اس کے منہ سے وہ منی نکلتی ہے جس سے اُسے پیدا کیا گیا تھا۔ (اس منی کے نکلنے کی وجہ سے اُسے غسل کی ضرورت پڑتی ہے) اور جو شخص مرنے لگتا ہے اُسے اُس کا اُخروی مکان چاہے جنت میں ہو یا دوزخ میں دکھا دیا جاتا ہے (بغیر دیکھے وہ مرتا نہیں ہے)۔

★... عن ابی عبداللہ القزوینی قال سألت ابا جعفر محمد بن علی علیہما السلام عن غسل المیت لایّ علّۃٍ یغسل؟ و لایّ علّۃٍ یغسل الغاسل؟ قال یغسل المیّت لانہٗ جنب۔[1]

''ابوعبداللہ قزوینی کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر رحمہ اللہ سے پوچھا کہ میت کو غسل کس علت کی بنا پر دیا جاتا ہے؟ اور میت کو غسل دینے والا کیوں غسل کرتا ہے؟ فرمایا: میت کو غسل اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ (اس کے منہ یا آنکھوں سے منی نکلتی ہے جس کی وجہ سے) وہ جنبی ہو جاتا ہے۔''

☆...... حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر حالتِ نماز میں پیشاب کے مقام سے کوئی شے از قسم مذی و ودی نکلے تو نہ دھوؤ اور نہ نماز قطع کرو۔ اس سے وضو باطل نہ ہوگا اور اگر وہ بہتی ہوئی تمہارے ٹخنوں تک پہنچے تو بمنزلہ رینٹھ یا بلغم کے ہے اور ہر وہ چیز جو بعد وضو خارج ہو وہ یا تو عضو تناسل کی رطوبت ہے یا بواسیر ہے، وہ کچھ نہیں اسے نہ دھوؤ، اپنے لباس سے مگر جبکہ نجاست ہو۔[2]

☆...... ''ابوالحسن کہتے ہیں کہ قابل پردہ دو عضو ہیں۔ قبل اور دبر، ان میں سے دُبر تو چوتڑوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے (لہٰذا اس کے پردہ کی کوئی ضرورت نہیں) پھر جب تو نے آلۂ تناسل اور دو گولیوں کا پردہ کر لیا تو تُو نے اپنی شرمگاہ ڈھانپ لی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ دُبر کو تو دونوں چوتڑوں نے چھپا لیا ہے، اب اگر تو نے قبل (ذکر وغیرہ) کا صرف پردہ کرنا ہے تو اپنے ہاتھ سے پردہ کر لے۔''[2]

☆...... ''احمد بن محمد کچھ اہل کوفہ سے مرفوع روایت ذکر کرتا ہے کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا، جو مرد عورت کی دُبر میں خواہشِ نفس پوری کرتا ہے کہ اور عورت بحالت روزہ بھی ہو تو اس سے نہ تو اس عورت کا روزہ ٹوٹے گا اور نہ ہی اس پر غسل آئے گا۔''[1]

☆...... ایک اور صاحب کہتے ہیں:

''میں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے پوچھا، میں اپنی دو بیٹیوں کا بوسہ لیتا ہوں اور میرا روزہ ہوتا ہے، پھر کبھی کبھار اُن کا تھوک میرے حلق میں چلا جاتا ہے (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا، کوئی حرج نہیں تجھ پر، کوئی

1۔ (۱) رجال کشی مصنفہ محمد بن عمر کشی ص ۱۵۲ ذکر ابو بصیر لیث بن البختری المرادی مطبوعہ کربلا طبع جدید (۲) تنقیح المقال ج ۱ ص ۴۳۹ باب الزاء

2۔ رجال کشی ص ۱۲۲ 3۔ رجال کشی ص ۱۲۲ 4۔ ایضاً

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaqi

جرمانہ بھی نہیں۔“ [2]

☆...... ”علی بن جعفر اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے روزے دار مرد کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ عورت کی زبان چوس سکتا ہے یا عورت اس کی زبان چوس سکتی ہے؟ فرمایا، کوئی حرج نہیں ہے۔“ [3]

”فقہ جعفریہ“ کو میسر آنے والے راوی

تصویر کا پہلا رُخ

شیعانِ اہل بیت کی وضع کردہ ”فقہ جعفریہ“ کی عمارت جن ستونوں پر کھڑی ہے وہ چار ہیں۔ (۱) زرارہ (۲) ابوبصیر (۳) محمد بن مسلم (۴) برید بن معاویہ العجلی۔ ان چاروں کے بارے میں سیدنا حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب بیانات ملاحظہ فرمایئے۔

★... سمعت اباعبداللہ ”ع“ یقول بشّر المخبتین بالجنّة برید بن معاویة العجلی و ابا بصیر لیث بن البختری المرادی۔ و محمد بن مسلم و زرارة اربعة نجباء امناء اللہ علیٰ حلالہ و حرامہ لو لا ھؤلاء انقطعت اثار النبوۃ و اندرست۔ [1]

”راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادقؒ سے سنا وہ فرما رہے تھے اللہ کے حضور خضوع و خشوع کرنے والوں کو خوشخبری دے دو کہ وہ جنتی ہیں۔ برید بن معاویہ العجلی، ابوبصیر لیث بن البختری المرادی، محمد بن مسلم اور زرارہ، یہ چاروں اللہ کے مقرب بندے اور اس کے حلال و حرام کے امین ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آثارِ نبوت کبھی کے مٹ گئے ہوتے۔ (یعنی فقہ جعفریہ کا وجود نہ ہوتا)۔

★... قال ابو عبداللہ علیہ السلام لی لو لا زرارة لظننت ان احادیث ابی ستذھب۔ [2]

”حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا: ”اگر زرارہ نہ ہوتا، تو میرے گمان کے مطابق میرے والد گرامی حضرت محمد باقرؒ سے مروی تمام احادیث ختم ہو گئی ہوتیں۔“

1۔ رجال کشی ص ۱۴۹۔ بیان محمد بن مسلم الطائفی مطبوعہ کربلا طبع جدید

2۔ (۱) رجال کشی ص ۲۰۷ ذکر برید بن معاویہ (۲) تنقیح المقال جلد اول باب الزاء ص ۴۳۹ مطبوعہ تہران طبع جدید

3۔ (۱) رجال کشی ص ۲۰۷ ذکر برید بن معاویہ (۲) تنقیح المقال جلد اول باب الزاء ص ۴۳۹ مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

★...عن زرارة قال قال لی ابو عبد اللہ "ع" یا زرارة ان اسمک فی اسامی اہل الجنة۔ [3]

"خود زرارہ کہتا ہے کہ مجھے جعفر صادقؒ نے فرمایا: اے زرارہ! تیرا نام جنتیوں کے نام میں شامل ہے۔"

★...فقال ابو عبد اللہ اما ما رواہ زرارة عن ابی جعفر فلا یجوز لی رَدُّہٗ۔ [4]

"حضرت جعفر صادقؒ فرماتے ہیں: "بہر حال جو روایات میرے والد گرامی محمد باقرؒ سے زرارہ نے روایت کی ہیں، میرا انہیں رَد کر دینا جائز نہیں۔" (میں ان کی مخالفت ہر گز نہیں کر سکتا)

اب فقہ جعفری کے دوسرے ستون محمد بن مسلم کے احوال ملاحظہ فرمایئے:

★...عن ھشام بن سالمٍ قال اقام محمد بن مسلم بالمدینة اربع سنین یدخل علٰی ابی جعفر "ع" یسألہٗ ثم کان یدخل علٰی جعفر بن محمّدٍ یسألہٗ قال ابو احمد فسمعتُ عبد الرحمن بن الحجاج وحمّاد بن عثمان یقولانِ ما کان احدٌ من الشّیعة افقہ من محمّد بن مسلمٍ سمعتُ من ابی جعفر "ع" ثلاثین الف حدیثٍ ثم لقیت جعفرا ابنہٗ فسمعت منہ او قال سألتہ عن ستّة عشر الف حدیث او قال مسئلةٍ۔ [1]

"ہشام بن سالم نے کہا کہ محمد بن مسلم نے مدینہ منورہ میں چار سال قیام کیا، اس دوران وہ امام ابو جعفر محمد باقر (رحمہ اللہ) کے پاس آتا جاتا رہا۔ پھر ان کے بعد جعفر بن محمد بن کے پاس آتا جاتا رہا، ان سے بھی گفت و شنید ہوتی رہی۔ ابو احمد کہتا ہے کہ میں نے عبد الرحمن بن حجاج اور حماد بن عثمان سے سنا، وہ دونوں کہتے تھے کہ محمد بن مسلم سے بڑھ کر شیعوں میں کوئی فقیہ نہیں ہے۔ خود محمد بن مسلم کا کہنا ہے کہ میں نے امام باقرؒ سے تیس ہزار احادیث سنیں، پھر میں امام جعفر کو ملا، جو اُن کے جوان بیٹے ہیں، میں نے ان سے سولہ ہزار احادیث کی تو سماعت کی، یا ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی، یا اتنے مسائل پر ان سے گفتگو ہوئی۔"

☆...... فقہ جعفریہ کے تیسرے ستون برید بن معاویہ اور چوتھے ستون لیس المرادی ابو بصیر کے بارے میں حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب بیان ملاحظہ ہو!

عن جمیل بن دراج قال سمعت ابا عبد اللہ "ع" یقول اوتاد الارض واعلام الدین اربعة محمد بن مسلم، بریدة بن معاویة ولیث بن البختری المرادی وزرارة بن اعین۔ [2]

"جمیل بن دراج کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے سُنا، فرماتے ہیں کہ زمین کی کیل اور دین کا جھنڈا چار آدمی ہیں، محمد بن مسلم، برید بن معاویہ، لیث بن البختری المرادی اور زرارہ بن اعین۔"

1۔ (۱) رجال کشی ص ۱۵۲ ذکر ابو بصیر لیث المرادی (۲) تنقیح المقال جلد اول باب الزاء ص ۴۳۹ باب الزاء مطبوعہ تہران طبع جدید

2۔ رجال کشی ص ۱۷۱ ذکر جابر بن یزید

3۔ رجال کشی ص ۱۲۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

★...عن ابی العباس البقباق قال قال ابو عبداللہ "ع" زرارة بن اعین و محمد بن مسلم و برید بن معاوية العجلي و الاحول احبُ الناس الیَ احیاءً و امواتًا۔[3]

"ابوالعباس البقباق کا کہنا ہے کہ جناب جعفر صادق فرماتے ہیں زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم، برید بن معاویہ العجلی اور احول مجھے زندوں اور مردوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔"

☆......داؤد بن سرحان کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے والد (امام باقرؒ) کے اصحاب زندوں اور مردوں کی زینت تھے۔ ان سے مراد یہ ہیں: زرارہ، محمد بن مسلم، لیث المرادی اور برید العجلی۔ یہ چاروں عدل و انصاف کے قائم کرنے والے تھے، اور یہی سب سے سبقت لے جانے والے اللہ کے مقربین میں سے تھے۔"[1]

شیعانِ علی کے ایک عظیم مجتہد اور راوی "جابر بن یزید" کا ذکر ملاحظہ فرمایئے:

☆......جابر بن یزید جعفی کا کہنا ہے کہ مجھے امام باقرؒ نے ایسی ستر ہزار احادیث سنائیں جو نہ تو میں نے کسی کے پاس پائیں اور نہ ہی انہوں نے کسی ایک سے ان کو بیان کیا تھا۔ یہی جابر کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے امام باقرؒ سے عرض کیا، حضور! آپ پر میں قربان!، آپ نے تو بہت بڑا بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ وہ احادیث جو آپ نے مخصوص راز و نیاز والی مجھے سنائیں، جو کسی کو بھی آپ نے روایت نہ کیں، سو اس وجہ سے بارہا میرے دل میں خیالات آتے ہیں۔ حتیٰ کہ مجھے دیوانگی کا سا شائبہ ہونے لگتا ہے۔ یہ سن کر امام نے فرمایا: جابر! جب یہ کیفیت ہو تو پہاڑ کی طرف نکل جایا کرو، اور ایک گڑھا کھود کر اس میں اپنا سر لٹکایا کرو، پھر یوں کہو: "مجھے محمد بن علی نے فلاں فلاں حدیث بیان کی ہے۔"[2]

☆......اصحابِ زرارہ کا کہنا ہے کہ جس نے زرارہ کو دیکھا، تو اس نے بالتحقیق امام جعفر صادقؒ کو دیکھا۔[3]

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) زرارہ بن اعین، ابوبصیر لیث المرادی، برید بن معاویہ، محمد بن مسلم اور جابر بن یزید پانچوں "فقہ جعفریہ" کے ستون ہیں۔

(۲) ائمہ کرام اور مذہبِ شیعہ کے نشانات ان کے دم قدم سے ہیں۔

(۳) امام جعفر کو یہ چاروں تمام زندوں اور مُردوں سے زیادہ محبوب تھے۔

(۴) یہ حق گو، عدل و انصاف کے پیکر، بہت بڑے فقیہہ تھے۔

(۵) زمین کے قیام کی علت، دین کے جھنڈے اور شیعیت کے یہ علمبردار ہیں۔

(۶) انہیں حضرت باقر اور حضرت جعفر صادق رحمہا اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اور ان کے مخصوص رازدان تھے۔

1۔ (۱) رجال کشی ص ۱۳۳ ذکر زرارۃ بن اعین۔ (۲) تنقیح المقال جلد اول ص ۴۴۳ باب زرارۃ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان امور کے سامنے آنے پر ہر قاری یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ حضرت جعفر اور حضرت باقر رحمہا اللہ کے یہ شاگرد ہمہ صفت موصوف تھے۔"فقہ جعفریہ" جو ان لوگوں کی، کاوشوں کا نتیجہ ہے وہ بھی ان کی طرح ہر طرح سے قابل تحسین ہے۔ اور اس کی تمام جزئیات اور اصول صحیح ہیں۔لیکن آپ حضرات حیران ہوں گے جب ان عدل و انصاف کے "پیکر" حق گوئی اور فقہ میں "بے مثل" اور فقہ جعفریہ کے "معمار اوّل" کی تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیں گے۔ آیئے کتب شیعہ سے ذرا دوسرے رُخ کا بھی ملاحظہ کرلیں۔

تصویر کا دوسرا رُخ

تصویر کا پہلا رُخ تو نہایت خوشنما تھا کہ حضرت جعفر صادق "فقہ جعفریہ کے ۴ ستونوں کو "ملت جعفریہ" کا محسنِ عظیم قرار دے رہے تھے، لیکن دوسرا رُخ نہایت ہی بدنما ہے کہ حضرت جعفر صادق" اپنی مبارک زبان سے اِن چاروں ستونوں پر لعنت فرمار ہے ہیں، اور کوئی نہیں جو اِن کذاب راویوں کو حضرت کی لعنت ملامت سے بچا سکے۔

زرارہ بن اعین پر حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی لعنت

★ ...عن زیاد بن ابی الحلّال قال قلت لابی عبداللہ ان زرارۃ روٰی عنک فی الاستطاعۃ شیئًا فقبلنا منه وصدّقناه وقد اجببت ان اعرضه علیک فقال هاتِه فقلت یزعم انه سألک عن قول اللہ عزّ وجل (وللہ علی النّاس حج البیت من استطاع الیه سبیلًا) فقلت من ملک زادًا وراحلةً فقال لک کلّ من ملک زادًا وراحلةً فهو مستطیع للحج وان لم یحجّ؟ فقلت نعم؟ فقال لیس هکذالک سألنی ولا هکذا قلت کذَب علی لعن اللہ زرارۃ لعن اللہ زرارۃ واللہ لعن اللہ زرارۃ انّما قال لی من کان لهٗ زاد وراحلۃ فهو مستطیع للحجّ قلت قد وجب علیه قال فمستطیع هو فقلت لا حتّی یؤذن لهٗ قلت فاخبر بذالک زرارۃ؟ قال نعم قال زیّاد فقدمت الکوفۃ فلقیت زرارۃ فاخبرته بما قال عبداللہ وسکت عن لعنه قال اما انه قد اعطانی الاستطاعۃ من حیث لا یعلم وصاحبکم هذا لیس لهٗ بصر بکلام الرّجال۔[1]

"زیاد بن ابی الحلال بیان کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے عرض کیا، حضور! زرارہ بن اعین "استطاعت" کے بارے میں آپ سے ایک روایت کرتا ہے۔ ہم نے آپ کی وجہ سے اُسے مان لیا۔ اور اس کی تصدیق کردی۔ اب میں اُسے آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ امام نے فرمایا: بیان کرو۔ میں نے کہا کہ زرارہ کا کہنا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے "وللہ علی النّاس حج البیت

1۔ رجال کشی ص ۱۳۴، ۱۳۵

2۔رجال کشی ذکر ابوبصیر، تنقیح المقال ج ۲ ص ۴۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الخ" کے بارے میں پوچھا، تو امام نے فرمایا کہ استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص خرچہ سفر اور سواری کی ہمت رکھتا ہو، اس پر زرارہ نے آپ سے پوچھا، کیا ہر وہ شخص جو زاد اور راحلہ کی استطاعت رکھتا ہو وہ حج کی استطاعت رکھتا ہے، اگرچہ وہ حج نہ کرے؟ تو آپ نے جواباً ہاں فرمایا۔ یہ سن کر امام جعفرؒ نے راوی زیاد بن الحلال سے کہا کہ نہ تو اس نے اس طرح مجھ سے پوچھا اور نہ ہی میں نے ایسا کوئی جواب دیا ہے۔ اس نے مجھ پر بہتان باندھا ہے، بخدا، اس نے مجھ پر بہتان لگایا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو، اللہ تعالیٰ کی زرارہ پر لعنت ہو۔ اس نے تو مجھے یہ کہا تھا کہ جس کو زادِ راہ اور داخلہ کی توفیق ہو کیا وہ مستطیع ہے؟ میں نے کہا، نہیں وہ اس وقت تک مستطیع نہیں جب تک اُسے اجازت نہ دی جائے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام سے عرض کیا: حضور! کیا میں زرارہ کو یہ واقعہ بیان کر دوں؟ فرمایا، ضرور۔ زیاد راوی کہتا ہے کہ میں کوفہ گیا، وہاں زرارہ سے میری ملاقات ہوئی، دورانِ گفتگو میں نے امام کی بات اُسے بتلائی، صرف لعنت کے الفاظ نقل کرنے سے خاموش رہا۔ یہ سب کچھ سن کر زرارہ بولا کہ امام جعفر نے میرے جواب میں زاد و راحلہ والے کو مستطیع کہا تھا، لیکن انہیں اس بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ اور دیکھو! تمہارا یہ صاحب (امام جعفرؒ) مردوں کے کلام کی مہارت نہیں رکھتا، اور نہ ہی اسے کچھ سوجھتا ہے۔"

★...ابی سیّارٍ قال سمعت ابا عبداللہ "ع" یقول لعن اللہ بریدًا لعن اللہ زرارۃ فابتداء ابو عبداللہ من غیر ذکرٍ لزرارۃ فقال لعن اللہ زرارۃ لعن اللہ زرارۃ لعن اللہ زرارۃ ثلاث مرّاتٍ۔ [1]

"ابوسیار کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: اللہ برید پر لعنت کرے، اللہ کی زرارہ پر لعنت ہو...... حسن ابن کلیب کا کہنا ہے کہ ہم امام جعفر صادق کی مجلس میں بیٹھے تھے، آپ نے دفعۃً زرارہ پر تین دفعہ اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجی، حالانکہ زرارہ کا کوئی تذکرہ نہ ہوا تھا۔"

★...عن حمّاد بن عثمان قال خرجت انا و ابن ابی یعفور و اٰخر الی الحیرۃ او الی بعض المواضع فتذاکرنا الدُّنیا فقال ابو بصیرِ المرادی اما اِنَّ صاحبکم لو ظفر بھا لا ستأثر بھا قال فاغفٰی فجاء کلبٌ یرید ان یشغر علیہ فذھبت لاطرُدَہٗ فقال لی ابن ابی یعفور دعہ فجاءہٗ حتّٰی شغر فی اُذنہٖ۔ [2]

"حماد بن عثمان کہتا ہے کہ میں اور ابن ابی یعفور اور ابوبصیر حیرہ یا کسی اور جگہ گئے، ہم نے دنیا کے بارے میں گفتگو کی، تو ابوبصیر بولا، کہ اگر تمہارے صاحب (حضرت جعفر صادق) کے ہاتھ میں دُنیا لگ جائے تو

1۔ تنقیح المقال ج ۳ ص ۱۸۶۔ رجال کشی ذکر محمد بن مسلم
2۔ تنقیح المقال ج ۳ ص ۱۸۶۔ رجال کشی ص ۱۵ ذکر محمد بن مسلم
3۔ (۱) تنقیح المقال جلد اول ص ۱۶۶ باب الباء، مطبوعہ تہران طبع جدید (۲) رجال کشی ص ۲۰۸ ذکر برید بن معاویہ مطبوعہ کربلا طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خوب اکٹھی کریں گے۔ پھر ابوبصیر کو نیند آ گئی، میں نے دیکھا کہ ایک کتا ادھر آ کر اس کے کانوں میں پیشاب کرنا چاہتا ہے، جب میں نے اُسے روکنا چاہا تو ابن ابی یعفور نے کہا، اسے چھوڑ دو۔ پس وہ کتا آیا، اور ابوبصیر کے کانوں میں پیشاب کر کے چلتا بنا۔''

محمد بن مسلم کے بارے میں ارشادات

★...عن ابی الصباح قال سمعت ابا عبداللہ ''ع'' یقول یا ابا الصّباح ھلک المتدلّسون فی ادیانھم منھم زرارۃ و بریدو محمّد بن مسلم و اسماعیل الجعفی۔ [1]

''ابوالصباح کہتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا، فرمایا: اے ابوالصباح! اپنے دین میں شک کرنے والے ہلاک ہو گئے، ان میں سے ہی زرارہ، برید، محمد بن مسلم اور اسماعیل جعفی ہیں۔''

1۔ رجال کشی ص ۱۶۹ ذکر جابر بن یزید جعفی۔ مطبوعہ کربلا طبع جدید

2۔ مولانا محمد علی ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آثار نبوت کے محافظ، فقہ و مسلک امامیہ کے کرتا دھرتا اور پھر ملعون اور وہ بھی حضرت جعفر کی زبانِ اقدس سے؟...... کیا خوب اتفاق ہے......!! کیا حضرات ائمہ اہل بیت کی احادیث و مرویات کا راوی ''ملعون'' ہونا چاہئے؟ یہی زرارہ جسے آپؒ نے یہود و نصاریٰ سے زیادہ شریر فرمایا، کیا اسے فقہ جعفریہ کا ستونِ اوّل شمار کیا جائے؟......

دوسرا ستون ابوبصیر جس نے آپؒ کو پرلے درجے کا لالچی اور دنیادار کہا، انہیں رشوت لینے والا قرار دیا، اس بکواس کی وجہ سے کتے ایسے ناپاک حیوان نے اس کے کان اور منہ میں پیشاب کر کے بزبانِ حال یہ کہہ دیا کہ اس کا منہ اور کان اس قابل نہیں کہ ان سے ائمہ اہل بیت کی روایات نکل سکیں، اور وہ ایسی پاکیزہ گفتگو سننے کے لائق ہی نہیں ہے، یہ دوسرا ستون آنکھوں سے محروم ضرور تھا لیکن کم از کم زبان کو تو اہلِ بیت کرامؓ پر ہرزہ سرائی سے روک سکتا تھا، لیکن یہ ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی نہ ہوتی تو وہ کتا کس کے منہ میں پیشاب کرتا؟......

تیسرا ستون محمد ابن مسلم طائفی بھی بقول حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ ''ملعون'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ واقعہ ہو جانے کے بعد اُسے اس واقعہ کا علم ہوتا ہے، پہلے وہ بے خبر ہوتا ہے (معاذ اللہ)۔

چوتھے رکن پر بھی اللہ کی لعنت بھیجی گئی۔۔ اور اس چوتھے رکن یعنی ابو برید نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت جعفر کے مقابلہ میں میری باتوں کو افضلیت ہے، میں ان کے مقابلہ میں اپنی بات سے رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انہیں لوگوں کے حالات کی گفتگو کرنے کی سوجھ بوجھ نہیں۔ اِدھر اُدھر کی بن سوچے ہانک دیتے ہیں۔ ان چار ملعون، بے دینوں، ائمہ اہل بیت کے گستاخوں اور بدعقیدہ ستونوں پر جو عمارت کھڑی ہوگی، آپ خود اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس قدر صحیح اور حق ہوگی۔ ان چار ستونوں کا ایک اور دم چھلا یعنی جناب جابر بھی ہیں، جو حضرت باقر اور حضرت جعفر سے ستر یا نوے ہزار احادیث کی روایت کا واویلا کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بقول زندگی بھر یہ شخص انہیں تو ملا نہیں، البتہ صرف ایک مرتبہ ان کے والد گرامی سے ملاقات نصیب ہوئی تھی۔ تو ایک ہی ملاقات میں، ستر یا نوے ہزار احادیث انہوں نے اسے ارشاد فرما دیں اور اس ''بلا کے ذہین'' نے انہیں من و عن محفوظ کر لیا۔ اور پھر بوقت ضرورت روایت کرتا رہا۔ سبحان اللہ!

جن سے روایت کا دعویٰ وہ اس سے ملاقات کے ہی منکر...... اور اسے اصرار کہ میں نے اُن سے اس قدر احادیث کی سماعت کی اور پھر اس پر ''فقہ جعفریہ'' کی پانچویں ٹانگ بننے کا دعویٰ؟...... معلوم ہوتا ہے کہ من گھڑت احادیث اور اِدھر اُدھر کی جوڑ توڑ کر ان ''پنج تن'' نے پنج تنی فقہ مرتبہ کی ہوگی اور جسے پھر لکیر کے فقیروں نے ''یاعلی کے ملنگ'' نے سینہ سے لگا لیا۔ (فقہ جعفریہ ج ۱ ص

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaqi

★...عن مفضل بن عمر قال سمعت ابا عبداللہ "ع" یقول لعن اللہ محمد بن مسلمٍ یقول انّ اللہ لا یعلم شیئًا حتّٰی یکون۔[2]

"مفضل بن عمر کہتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ محمد بن مسلم پر لعنت کرے، اللہ کے بارے میں یہ شخص کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا علم اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ چیز نہیں ہو جاتی۔"

★...عن یونس عن مسمع کر دین ابو یسار قال سمعت ابا عبداللہ "ع" یقول لعن اللہ بریدًا و لعن اللہ زرارة۔ عن عبدالرحیم القصیر قال قال ابو عبداللہ "ع" اِئتِ زرارة و بریدًا و قل لهما ما هذه البدعة اما علمتم ان رسول اللہ (ص) قال کلُّ بدعةٍ ضلالةٌ فقلت لهٗ انی اخاف منهما فارسل معی لیث المرادی فاتینا زرارة فقلنا لهٗ ما قال ابو عبداللہ "ع" فقال و اللہ لقد اعطانی الاستطاعة و ما شعر و اما یرید فقال و اللہ لا ارجع عنها ابدًا۔[3]

"یونس مسمع نے روایت کی کہ میں نے حضرت جعفر صادق کو یہ کہتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ بریدہ اور زرارہ پر لعنت بھیجے۔ عبدالرحیم القصیر کا کہنا ہے کہ مجھے حضرت جعفر نے فرمایا: زرارہ اور برید کے پاس جاؤ اور انہیں کہو، یہ کیا بدعت ہے؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو گمراہی کہا ہے۔ میں نے عرض کیا، مجھے ان دونوں سے خطرہ ہے، اس لیے میرے ساتھ لیث مرادی کو بھیج دیجئے۔ پھر ہم دونوں زرارہ کے پاس آئے اور حضرت جعفر کا پیغام دیا۔ وہ کہنے لگا، خدا کی قسم! امام نے استطاعت کے بارے میں مجھے فتویٰ دیا تھا، لیکن انہیں اس کی غلطی کا علم نہ ہوا۔ پھر کہنے لگا میں اس سے رجوع نہیں کروں گا۔"

★...عن ابی بکیرٍ عن زرارة قال سألت ابا عبداللہ "ع" عن احادیث جابرٍ فقال ما رایتهٗ عند ابی قطُّ الا مرّةً واحدةً و ما دخل علیَّ قطُّ۔[1]

زرارہ سے ابو بکیر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ زرارہ نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے جابر بن زیاد کی احادیث کے بابت پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اُسے اپنے والد کے ہاں صرف اور صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے، اور وہ میرے پاس بھی کبھی نہیں آیا۔ (جابر بن یزید کا کہنا ہے کہ میں نے ستر یا نوے ہزار احادیث حضرت باقر سے سنی ہیں)۔[2]

اہل تشیع کی کتب اسمائے رجال کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں کچھ اور بھی ایسے حضرات ہوئے ہیں جو احادیث گھڑنے اور انہیں کسی امام کی طرف منسوب کرنے میں بڑے بے باک تھے، انہی کی ایسی، روایات کا مجموعہ "فقہ

1۔ رجال کشی ص ۱۹۵ ذکر مغیرہ ابن سعید مطبوعہ کربلا۔ تنقیح القال ج ۳ باب المغیرہ مطبوعہ تہران

2۔ رجال کشی ص ۱۹۵ ذکر مغیرہ ابن سعید مطبوعہ کربلا۔ تنقیح القال ج ۳ باب المغیرہ مطبوعہ تہران

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جعفریہ" بن گیا۔ ثبوت ملاحظہ ہو:

★...قال یونس وافیت العراق فوجعدت بھا قطعة من اصحاب ابی جعفر "ع" فوجدتُ اصحاب ابی عبداللہ "ع" متوافرین فسمعت منھم واخذت کتبھم فعرضتُھا من بعد علی ابی الحسن الرّضا "ع" فانکر منھا احادیث کثیرةً ان یکون من احادیث ابی عبداللہ "ع" وقال لی ان ابا الخطّاب کذب علی ابی عبداللہ "ع" لعن اللہ ابا الخطّاب وکذالک اصحاب ابی الخطّاب یدرسون ھذہ الاحادیث الی یومنا ھذا فی کتب اصحاب ابی عبداللہ "ع" فلاتقبلوا علینا خلاف القرآن۔ [1]

"یونس کہتا ہے کہ میں جب عراق گیا تو مجھے حضرت جعفر کے اصحاب کی ایک جماعت سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ وہاں بہت سے اصحابِ جعفر اور بھی تھے۔ میں نے اُن سے حدیث کی سماعت کی اور ان کی تحریرات حاصل کیں۔ اس کے بعد میں نے وہ احادیث اور تحریرات ابوالحسن امام رضا کو سنائیں، تو انہوں نے اُن میں سے بکثرت احادیث کے بارے میں فرمایا، یہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی نہیں ہیں اور مجھے فرمانے لگے، ابوالخطاب نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف جھوٹی احادیث کی نسبت کر کے ان پر بہتان باندھا ہے، اللہ کی ابوالخطاب پر لعنت ہو۔ اسی طرح ابوالخطاب مذکور کے ساتھی اور اصحاب آج تک متواتر حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے اصحاب سے مروی احادیث میں اپنی طرف سے من گھڑت احادیث داخل کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم کے خلاف کوئی روایت ہماری طرف سے کہی گئی قبول نہ کرنا۔"

★...عن ابی مسکان عمن حدثہ من اصحابنا عن ابی عبداللہ "ع" قال سمعتُ یقول لعن اللہ المغیرۃ بن سعیدٍ انہٗ کان یکذب علی ابی فاذاقہ اللہ حرّ الحدید لعن اللہ من قال فینا ما لا نقولہ فی انفسنا ولعن اللہ من ازالنا عن العبودیۃ للہ الذی خلقنا والیہ مابنا ومعادُنا وبیدہٖ نواصینا۔ [2]

"ابومسکان ہمارے اصحاب کے ذریعہ سے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے آپؒ کو مغیرہ بن سعید پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا۔ کیونکہ وہ ان کے والد گرامی سے جھوٹی احادیث روایت کر کے ان پر بہتان باندھتا تھا۔ اس جرأت کی پاداش میں اللہ تعالیٰ اس کو گرم لوہے کا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر اس شخص پر لعنت جو ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتا ہے جو ہم نے خود اپنے متعلق نہیں کہیں اور اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو جس نے ہمیں اس اللہ کی عبودیت سے دور کرنے کی باتیں کیں جس اللہ نے ہمیں پیدا فرمایا، جس کی طرف ہمارا پلٹنا ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری شخصیات ہیں۔"

★...عن حبیب الخثعمی عن ابی عبداللہ "ع" قال کان للحسن "ع" کذّاب یکذب علیہ ولم یسمعہ

1۔ رجال کشی ص ۱۹۷ ذکر مغیرہ ابن سعید مطبوعہ کربلا۔ تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۳۶ باب المغیرہ مطبوعہ تہران

2۔ رجال کشی ص ۱۹۶ ذکر مغیرہ ابن سعید مطبوعہ کربلا۔ تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۳۶ باب المغیرہ مطبوعہ تہران

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

و کان المختار یکذب علی علیِّ بن الحسین و کان المغیرة بن سعیدٍ یکذب علی ابی۔[1]

''حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے حبیب خثعمی روایت کرتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں جھوٹی روایات بیان کرنے والے بہت سے کذاب تھے۔ اِن میں سے کسی نے حسنین کریمینؓ سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ مختار نے امام علی بن حسین پر بہتان تراشے اور مغیرہ بن سعید نے میرے والد حضرت باقر پر جھوٹ گھڑا۔''

★... عن ھشّام بن الحکم انّہٗ سمع اباعبداللّٰہ ''ع'' یقول کان المغیرة بن سعیدٍ یتعمَّد الکذب علی ابی ویاخذ کتب اصحابہ و کان اصحابہٗ المستتِرون باصحابِ ابی یاخذون الکتب من اصحاب ابی فیدفعُونھا الی المغیرة فکان یدس فیھا الکفر و الزَّندقة ویسندھا الی ابی ثم یدفعھا اصحابہ فیأمرھم ان یبثوھا فی الشیعة فکلّما کان فی کتب اصحاب ابی من الغلو فذاک مِمّا دسّہ المغیرة بن سعید فی کتبھم۔[2]

''ہشام بن الحکم بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مغیرہ بن سعید جان بوجھ کر میرے والد حضرت باقر کے متعلق جھوٹی روایات منسوب کرتا تھا اور والد گرامی کے اصحاب کی کتب لے کر وہ اس طرح کہ مغیرہ کے ساتھی میرے والد کے ساتھیوں میں گھسے ہوئے اور چھپے ہوئے رہتے تھے، اس طرح وہ میرے والد کے ساتھیوں سے اُن کی کتب لے لیا کرتے تھے، جب یہ لوگ حاصل شدہ کتب مغیرہ کے پاس لے جاتے تو وہ ان میں کفر اور بے دینی کی باتیں ٹھونس کر انہیں میرے والد گرامی کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ پھر وہی کتابیں اپنے ساتھیوں کو لوٹاتے ہوئے انہیں حکم دیا کرتا تھا کہ ان کتابوں کے مضامین اور روایات کو شیعوں میں پھیلا کر ان کے دلوں پر منقش کر دو، لہٰذا جب بھی تمہیں میرے والد گرامی حضرت باقر کی کتابوں میں غلو نظر آئے تو سمجھ لینا کہ یہ مغیرہ بن سعید کی خباثت ہے۔''

★... عبدالرحمن بن کثیرٍ قال قال ابو عبداللّٰہ ''ع'' یومًا لاصحابہ لعن اللّٰہ المغیرة بن سعیدٍ و لعن اللّٰہ یھودیة کان یختلف الیھا یتعلم منھا السحر و الشُّعبدة و المخاریق ان المغیرة کذب علی ابی فسلبہ اللّٰہ الایمان و ان قومًا کذبوا علیَّ ما لھم اذاقھم اللّٰہ حرَّ الحدید فو اللّٰہ ما نحن اِلَّا عبید الَّذی خلقنا و اصطفانا ما نقدر علٰی ضرّ و لا نفعٍ ان رحمنا فبرحمتہٖ و ان عذّبنا فبذنوبنا و اللّٰہ ما لنا علی اللّٰہ من حجةٍ ولا معنا من اللّٰہ برائةٌ وانا لمیتون ومقبورون ومنشورون ومبعوثون وموقوفون ومسئولون ویلَھم ما لھم لعنھم اللّٰہ لقد اٰذَوا اللّٰہ و اٰذَوْا رسولہٗ ''ص'' فی قبرہٖ و امیر المومنین

1۔ رجال کشی ص ۱۹۶ ذکر مغیرہ ابن سعید مطبوعہ کربلا۔ تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۳۶ باب المغیرہ مطبوعہ تہران

2۔ رجال کشی ص ۲۵۶ ذکر ابو الخطاب مطبوعہ کربلا۔ تنقیح المقال ج ۳ ص ۱۹۱ باب محمد مطبوعہ تہران

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

و فاطمة و الحسن و الحسین و علیّ بن الحسین و محمّد بن علیؑ۔ [1]

''عبدالرحمن بن کثیر بیان کرتا ہے کہ ایک دن حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مغیرہ بن سعید اور یہودیوں پر لعنت ہو، مغیرہ کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ یہود کے پاس جاتا اور ان میں جادو، شعبدہ بازی اور دوسری خارق عادت باتیں سیکھتا، اس مغیرہ نے میرے والد گرامی پر جھوٹ باندھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان چھین لیا تھا۔ کچھ لوگوں نے مجھ پر بھی بہتان تراشے ہیں، انہیں کیا ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے۔ خدا کی قسم! ہم تو صرف اس اللہ پاک کے بندے ہی ہیں جس نے ہمیں پیدا کر کے منتخب فرمایا، ہمیں کسی نفع اور نقصان کی قدرت نہیں، اگر اللہ ہم پر رحم فرماتا ہے تو وہ اپنی رحمت کی وجہ سے اور اگر عذاب دیتا ہے تو وہ ہمارے گناہوں کا خمیازہ ہوتا ہے۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ پر ہمیں کوئی حجت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی بری الذمہ ہونے کی اس کی طرف سے تحریر ہے۔ ہم بھی یقیناً مرنے والے، اللہ کے سامنے مجبور، مر کر اٹھنے والے، قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں پھیلنے والے، ٹھہرنے والے اور پوچھے جانے والے ہیں۔ ان جھوٹوں کے لیے بربادی، اللہ ان پر لعنت بھیجے، انہیں معلوم نہیں کہ ان کے اس رویہ سے انہوں نے اللہ کو اذیت پہنچائی، اور قبر انور میں اس کے رسول ﷺ کو دُکھ دیا، اور حضرت علی المرتضیٰ، فاطمہ، حسن، حسین، علی بن حسین اور محمد بن علی (رضی اللہ عنہم) ان سب کو تکلیف پہنچائی۔''

★... ابو یحیٰ الواسطی قال قال ابو الحسن الرّضا ''ع'' کان بنّان یکذب علٰی علیّ بن الحسین ''ع'' فاذاقه اللّٰه حرّ الحدید و کان المغیرة بن سعیدٍ یکذب علٰی ابی جعفر فاذاقه اللّٰه حرّ الحدید و کان محمّد بن بشیرٍ یکذب علٰی ابی الحسن موسٰی ''ع'' فاذاقه اللّٰه حرّ الحدید و کان ابو الخطّاب یکذب علٰی ابی عبداللّٰه ''ع'' فاذاقه اللّٰه حرّ الحدید و الّذی یکذب علیّ محمّد بن فراتٍ۔ قال ابو یحیی و کان محمّد بن فرات من الکُتّابِ فقتله ابراهیم بن شکلة۔ [2]

''ابو یحییٰ واسطی کا کہنا ہے کہ امام ابوالحسن رضا نے فرمایا، بنان نے امام علی بن حسین پر جھوٹ باندھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو گرم لوہے کا عذاب دیا۔ مغیرہ بن سعید نے ابوالحسن علی پر بہتان باندھا تو اسے بھی اللہ تعالیٰ نے گرم لوہے کا عذاب دیا۔ ابوالخطاب نے حضرت جعفر صادق کے متعلق من گھڑت جھوٹی باتیں پھیلائیں، اسے بھی اللہ تعالیٰ نے گرم لوہے کے عذاب میں گرفتار فرمایا اور مجھ پر جھوٹ باندھنے والا محمد بن فرات ہے۔ ابو یحییٰ کہتا ہے کہ محمد بن فرات کاتبین میں سے تھا، اسے ابراہیم بن شکلہ نے قتل کیا تھا۔''

★... عن ابن سنان قال قال ابو عبداللّٰه ''ع'' انا اهل بیت صادقون لا نخلو من کذّابٍ یکذب علینا فیسقط صدقنا بکذبه علینا عند الناس کان رسول اللّٰه ''ص'' اصدق البریّة لهجةً و کان مسیلمة

1۔ تنقیح المقال ج ۳ باب محمد بن ابو اب المیم مطبوعہ تہران   رجال کشی ص ۲۵۷ ذکر ابوالخطاب

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یکذب علیہ۔ و کان امیر المومنین "ع" اصدق من بری اللہ من بعد رسولِ اللہ و کان الذی یکذب علیہ من الکذب عبداللہ بن سبا لعنہ اللہ و کان ابو عبداللہ الحسین بن علیؑ "ع" قد ابتلٰی بالمختار ثم ذکر ابو عبداللہ الحارث الشامی و بنان فقال کانا یکذبان علٰی علیؑ بن الحسین "ع" ثم ذکر المغیرۃ بن سعیدٍ و بزیعًا و السّرّی و ابا الخطّاب و معمرًا و بشّار الاشعریؑ و حمزۃ البریری و صائد النَّھدی فقال لعنھم اللہ انا لا نخلو من کذّابٍ یکذب علینا او عاجزِ الرّایِ کفانا اللہ مؤنۃ کلّ کذّابٍ و اذاقھم اللہ الحدید۔ [1]

"ابن سنان بیان کرتا ہے کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا، ہم اہل بیت باوجود صادق ہونے کے کذابوں سے نہ بچ سکے۔ انہوں نے ہم پر بہتان باندھے اور ہمارے صدق کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لوگوں کے سامنے ہم پر جھوٹی باتیں گھڑتے تھے۔ دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے سب سے زیادہ سچے ہیں لیکن مسیلمہ کذاب نے آپ پر جھوٹ باندھا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر تمام سے زیادہ سچے تھے، ان پر بہتان باندھنے والا عبداللہ بن سبا لعنتی تھا۔ ابو عبداللہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو مختار کذاب سے واسطہ پڑا۔ اس کے بعد حضرت جعفر نے ابو عبداللہ حارث شامی اور بنان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جھوٹی جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے۔ پھر حضرت جعفر نے مغیرہ بن سعید، بزیع، السری، ابوالخطاب، معمر، بشار اشعری، حمزہ یزیدی اور صائد النہدی کا ذکر کر کے فرمایا، ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، ہم کذابوں سے نہ چھوٹ سکے۔ جنہوں نے ہم پر بہتان باندھے اور ایسے لوگوں سے بھی نہ بچ جا سکے جو بے علم ہوتے ہوئے ہم پر غلط رائے قائم کرتے تھے۔ ان کذابوں سے جو ہمیں کوفت ہوئی، اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کو ہی کافی سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان جھوٹوں کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے۔"

★... عن مصارف قال لمّا لبی القوم الّذین لبّوا بالکوفۃ

(۱) دخلت علٰی ابی عبیداللہ "ع" فاخبرتہ بذالک فخرّ ساجدًا و دق جوءجوءہٗ بالارض۔

(۲) و بکٰی و اقبل یلوذ باصبعہٖ و یقول بل عبداللہ قنّ داخز مرارًا کثیرۃً ثم رفع رأسہٗ و دموعہٗ تسیل علٰی لحیتہٖ فندمتُ علٰی اخباری ایّاہ فقلت جعلت فداک و ما علیک انت من ذا فقال یا مصارف ان عیسٰی لو سکت عمّا قالت النّصارٰی فیہ لکان حقًّا علی اللہ ان یُصِمَّ سمعہٗ و یعمی بصرہٗ و لو سکتُّ عمّا قال فِیَّ ابو الخطّاب لکان حقًّا علی اللہ ان یصِمّ سمعی و بصری۔ [1]

1۔ رجال کشی ص ۲۵۳ ذکر ابوالخطاب مطبوعہ کربلا۔ تنقیح المقال ج ۳ صفحہ ۲۵۳ ذکر ابو الخطّاب مطبوعہ کربلا

2۔ رجال کشی ص ۲۵۳ ذکر ابوالخطاب 3۔ ایضاً

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"مصارف کا کہنا ہے کہ جب کوفیوں نے لبیک یا جعفر کا غلغلہ بلند کیا تو میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی انہیں خبر دی۔ وہ فوراً سجدہ میں گر گئے اور اپنا سینہ زمین کے ساتھ رگڑنے لگے اور زار وقطار رو رہے تھے، اور اپنی انگلی کے ذریعہ پناہ مانگ رہے تھے اور فرما رہے تھے، "بلکہ عبداللہ (حضرت جعفر) تو اللہ کا ایک غلام اور بندہ کمتر ہے"۔ یہ جملہ آپ نے بار ہا فرمایا۔ پھر سر انور اٹھایا، تو آپ کے آنسو آپ کی داڑھی مبارک سے بہہ رہے تھے۔ مجھے یہ بات بتلانے پر بہت ندامت ہوئی۔ میں نے عرض کیا، میری جان آپ پر قربان! اس واقعہ سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ فرمانے لگے، اے مصارف! یہ پکی بات ہے، اگر عیسیٰ علیہ السلام اس بات کو سن کر خاموش ہو جاتے جو نصاریٰ نے آپ کے بارے میں کہی تھیں تو اللہ تعالیٰ ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دیتا۔ اور اگر میں بھی وہ بات سن کر خاموش رہتا جو ابوالخطاب نے میرے متعلق کہی ہے تو اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا کہ وہ میرے کان اور میری آنکھ بھی بہرے اندھے کر دیتا۔"

★ ... عن ابی بصیر قال قلتُ لابی عبداللّٰہ "ع" انّھم یقولون قال و ما یقولون؟ قلت یقولون تعلم قطر المطر و عدد النُّجوم و ورق الشّجر و وزن ما فی البحر و عدد التُّراب فرفع یدہٗ الی السّمآء فقال سبحان اللّٰہ سبحان اللّٰہ لا و اللّٰہ ما یعلم ھٰذا الا اللّٰہ۔[2]

"ابو بصیر کہتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے عرض کی، حضور! لوگ آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ بارش کے قطروں، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتوں سمندر و دریا کے پانی کا وزن اور مٹی کے ذروں کی تعداد جانتے ہیں؟ یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور فرمانے لگے سبحان اللہ! سبحان اللہ! خدا کی قسم اللہ کے بغیر یہ کوئی نہیں جانتا۔"

★ ... عن المفضل ابن عمر قال سمعتُ اباعبداللّٰہ "ع" یقول لو قام قائِمُنا بداء بکذّابی الشّیعة فقتلھم۔[3]

"مفضل ابن عمر بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے سنا، آپ نے فرمایا اگر امام مہدی تشریف لے آئیں تو سب سے پہلا کام یہ سرانجام دیں گے کہ شیعوں میں جو کذاب ہیں ان کے سر قلم کر دیں گے۔"

★ ... عن علیّ بن یزید الشامیّ قال قال ابو الحسن "ع" قال ابو عبداللّٰہ "ع" ما انز اللّٰہ سبحانہٗ اٰیةً فی المنافقین الا و ھی فیمن ینتحل التشیُّعَ۔[1]

"علی بن یزید شامی کہتا ہے کہ ابوالحسن نے حضرت جعفر صادق سے روایت کی، فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو آیت منافقین کے بارے میں نازل فرمائی، وہ ہر اس شخص پر فٹ بیٹھتی ہے جس میں شیعیت پائی جاتی ہے۔"

1۔ رجال کشی ص 425 ذکر ابوالخطاب

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نتائج

مذکورہ گیارہ حوالہ جات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

(۱) امام رضا کا فرمان ہے کہ میرے دادا حضرت جعفر صادق کے زمانہ سے لے کر آج میرے زمانہ تک شیعہ راوی ان کی احادیث میں اپنی طرف سے گھڑی ہوئی باتیں درج کرتے چلے آ رہے ہیں۔

(۲) آئمہ اہل بیت نے ایسے تمام کذابوں کے لیے گرم لوہے کے عذاب کی دعا کی، جنہوں نے ان کی طرف سے من گھڑت باتیں لوگوں کے سامنے پیش کیں۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہر امام کے لیے کوئی نہ کوئی جعلی حدیثیں بنانے والا موجود رہا ہے۔

(۴) مغیرہ بن سعید ایسا نامی گرامی کذاب ہے کہ اس نے حضرت جعفر صادق کے اصحاب کی کتب میں جھوٹی روایات داخل کر کے شیعوں کو یہ باور کرایا کہ یہ تمام احادیث حضرت جعفر کی بیان کردہ ہیں اور شیعہ لوگوں نے انہیں تسلیم بھی کر لیا۔

(۵) ہر ایسی روایت جس میں ائمہ اہل بیت کے بارے غلو سے کام لیا گیا، وہ من گھڑت ہے۔

(۶) مغیرہ بن سعید نے جعلی روایات کے ذریعہ حضرت جعفر کی تعلیم میں کفر اور بے دینی بھر دی تھی۔

(۷) حضرت جعفر کو جب یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ان میں خدائی اوصاف تسلیم کرتے ہیں اور اللّٰھم لبیک کی بجائے جعفر لبیک کہتے ہیں تو آپ نے اس کی سختی سے تردید فرمائی اور فرمادیا کہ اگر میں ان شرکیہ اور کفریہ باتوں کی تردید نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ مجھے اندھا بہرہ کر دیتا۔

(۸) حضرت جعفر صادق نے اپنی عبودیت کا اقرار کرتے ہوئے اپنے مرنے، جینے اور حشر ونشر سب کا اقرار کیا، اور اپنے بارے میں غلو کرنے والوں پر لعنت بھیج کر فرمایا، ان جھوٹوں نے رسولِ خدا، علی المرتضیٰؓ، حسنین کریمینؓ وغیرہ کو ان کی قبور میں اذیت پہنچائی۔

(۹) بارش کے قطرے، درختوں کے پتے، ریت اور مٹی کے ذرّے وغیرہ کا علم ثابت کرنے والے پر حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے خدا کی پناہ مانگی۔

(۱۰) اپنے بارے میں ان عقائد کے معتقدین کو آپ نے منافق فرمایا، اور یہ عقائد شیعوں میں ہونے کا ذکر بھی فرمایا۔

(۱۱) ان جھوٹی روایات کو ہماری طرف منسوب کرنے والے شیعوں کی، امام مہدی سب سے پہلے گردن ماریں گے۔

حضرت جعفر صادق کے بعد شیعہ چھ گروہوں میں بٹ گئے

پہلا گروہ: حضرت جعفر ہی کو امام مہدی اور آخری امام مانتا ہے اور ان کے روپوش ہونے پھر دوبارہ ظاہر ہونے کا قائل

1۔ فرق الشیعہ، علامہ نوبختی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔

دوسرا گروہ: حضرت جعفر کے صاحبزادے موسیٰ بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا۔

تیسرا گروہ: حضرت جعفر کے بیٹے اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا اور وہ انہیں امام مہدی جانتے ہیں، یہ اسماعیلیہ تھے۔

چوتھا گروہ: حضرت جعفر کے پوتے محمد بن اسمٰعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہے، یہ فرقہ مبارکہ ہے جو اسماعیلیہ کی ایک شاخ ہے۔

پانچواں گروہ: حضرت جعفر کے تیسرے صاحبزادے محمد بن جعفر کی امامت کا قائل ہے جو سمیطیہ کہلاتا ہے۔

چھٹا گروہ: حضرت جعفر کے چوتھے صاحبزادے عبداللہ جہد الافطح کی امامت کا قائل ہوا۔ [1]

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فرقہ اسماعیلیہ کی تاریخ

حضرت جعفر صادقؑ کے چار بیٹے تھے۔

(۱) سب سے بڑے اسماعیل تھے جو ماں کی جانب سے حضرت حسنؓ (بن علی ابن ابی طالب) کے نواسہ تھے۔

(۲) دوسرے موسیٰ جن کی ماں ایک ام ولد تھی۔

(۳) تیسرے محمد دیباج۔ جو جرجان کے باہر داعی کی قبر کے قریب مدفون ہیں۔

(۴) چوتھے عبداللہ جو افطح کے عرف سے مشہور ہیں۔

اسماعیل بن جعفر صادقؒ کا قضیہ

شیعوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت جعفر صادق امام معصوم ہیں، انہوں نے اپنے بیٹے اسماعیل پر امامت کی نص کی تھی۔ اس کے بعد اسماعیل نشہ آور مشروب پینے کے الزام میں ماخوذ ہوئے حضرت جعفر صادق نے اس فعل سے سخت ناراضی و بیزاری کا اظہار فرمایا۔

حضرت جعفر صادقؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اسماعیل میرا بیٹا نہیں ہے، ایک شیطان ہے جو اس کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت جعفر صادق نے فرمایا ''بداء اللّٰہ فی امر اسماعیل'' اللہ کو اسماعیل کے معاملے میں بدا ہوا اور ان کی ولی عہدی امامت کا پہلا حکم اللہ نے واپس لے لیا اس لئے انہوں نے اپنے ایک اور بیٹے موسیٰ پر نص امامت کی۔ وہ لوگ جو کیسانیوں کے گروہ سے نکل کر روافض کے ساتھ ہو گئے تھے انہوں نے خود کو اسماعیل کا حامی و پیرو بنا لیا اور روافض سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اصل دلیل تو پہلی نص ہے اور خدا پر ''بدا'' جائز نہیں ہے اور جس شخص کو باطن شریعت کا علم ہو گیا اگر ظاہر شریعت سے غفلت برتے تو اس کی وجہ سے اس پر عذاب نہ ہوگا۔ امام جو کچھ کہتا اور کرتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔ چنانچہ شراب پینے سے اسماعیل کی امامت میں کسی قسم کا نقصان وخلل واقع نہیں ہو سکتا''۔

ان شیعوں کو اسماعیلی کا نام دیا گیا اور یہ لوگ دوسرے شیعوں سے اس نام کے سبب ممتاز و نمایاں ہو گئے۔

اسماعیل نے حضرت جعفر صادقؓ سے پہلے ۱۴۵ھ میں انتقال کیا۔ حضرت جعفر صادقؒ نے مدینہ کے والی کو، جو وہاں عباسی خلفاء کی جانب سے حاکم تھا، مدینہ کے معززین و مشائخ کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ بلایا اور ان کو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اسماعیل کی میت دکھائی جو شہر سے چار فرسنگ دور عریض کے گاؤں میں فوت ہوئے تھے اور لوگ ان کے جنازے کو کندھوں پر اٹھا کر شہر مدینہ لائے تھے۔ اسماعیل کی وفات پر حضرت جعفر صادق نے ایک محضر تیار کروایا جس پر ان لوگوں نے دستخط کئے اور اس کے بعد انہیں بقیع میں دفن کر دیا۔ مگر وہ لوگ جو اسماعیل کے پیرو تھے انہوں نے کہا کہ اسماعیل پر موت نہیں آئی بلکہ ان کی موت کا جو اعلان کیا گیا وہ لوگوں سے ان کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے کیا گیا تھا تا کہ دشمن اسماعیل اور ان کے گروہ معتقدین کو نقصان نہ پہنچائیں۔ لیکن بقیہ شیعوں نے کہا اسماعیل کی لاش کو دکھانے اور اس پر محضر تیار کرنے میں حضرت جعفر صادق کی غرض یہ تھی کہ اسماعیل کی جانب منسوب جماعت کے دعوے کی غلطی ظاہر کی جائے۔ اگر حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں باتیں غلط تھیں کیونکہ دونوں ہی گروہوں نے امام جعفر صادق کے اس فعل کو اپنی اپنی غرض پر محمول کیا تھا حالانکہ اس سے جعفر صادق کا مقصد اپنے کو اس الزام سے بری کرنا تھا کہ وہ اس دعویٰ امامت کے حوالہ سے جو شیعہ ان کی جانب کرتے تھے، اپنے بیٹوں پر نص کرتے ہیں اور اس وجہ سے خلفاء ان کے اور انکے متبعین کے مخالف تھے۔
1

مزید فرقہ بندیاں

قصہ مختصر جب حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے وفات پائی، جمہور شیعہ نے موسیٰ کاظم کی پیروی کی اور تھوڑے سے لوگ محمد دیباج کی امامت کے قائل ہو گئے۔ ایک کمزور گروہ نے عبداللہ افطح کو اپنا امام مانا، اس لئے اس گروہ کو فطحی کہتے ہیں۔ عباسی خلفاء نے ایک مدت بعد اپنے گماشتے مدینہ بھیج کر امام موسیٰ کاظمؒ کو بغداد بلوا کر قید کر دیا اور انہوں نے اسی قید کی حالت میں وفات پائی۔

شیعوں کا خیال ہے کہ انہیں زہر دے دیا گیا تھا۔ انکی میت کو دجلہ کے پل کے کنارے لا کر ایک بڑے مجمع کو دکھلایا گیا کہ ان کے جسم پر کسی قسم کا زخم نہیں ہے پھر انہیں قریش کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ ان کے بیٹے علی بن موسیٰ الرضا مدینہ ہی میں رہے، بعد میں مامون نے انہیں خراسان بلوالیا ان کا واقعہ نہایت مشہور ہے، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں اپنے مقام پر آ رہی ہے۔ انہیں وہیں طوس میں دفن کیا گیا۔

اسماعیلیوں کی روپوشی

خلفائے عباسی ان شیعہ آئمہ کے اس لیے پیچھے لگے رہتے تھے کہ وہ امامت کے دعویٰ دار تھے اس لیے اسماعیلی روپوش ہو گئے۔ یہ لوگ مدینہ سے عراق و خراسان اور ان میں سے کچھ مغرب شمالی افریقہ چلے گئے۔

اسماعیل کی حیات کے متعلق دعویٰ

1۔ تاریخ اسمٰعیلیہ از پروفیسر علی محسن صدیقی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اسمٰعیلیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اسماعیل اپنے والد حضرت جعفر صادقؒ کے بعد پانچ سال تک زندہ رہے، انہیں بصرہ کے بازار میں دیکھا گیا کہ ایک اپاہج نے ان سے سوال کیا، اسماعیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا وہ صحیح ہو گیا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر ان کے ساتھ چلا گیا۔ انہوں نے ایک اندھے کے لیے دعا کی اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔[1]

محمد ابن اسماعیل اور ان کی اولاد کی روپوشی

جب اسماعیل نے وفات پائی تو ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل جو حضرت جعفر صادق کی حیات ہی میں کافی سن رسیدہ ہو چکے تھے اور موسیٰ کاظمؒ سے عمر میں بڑے تھے جبال کی جانب چلے گئے پھر "ری" آئے اور وہاں سے دماوندی میں سملہ نامی گاؤں میں ٹھہر گئے۔ رے میں محمد آباد نامی بستی انہیں کی جانب منسوب ہے۔ محمد کے بیٹے خراسان میں روپوش رہے اور قندھار میں جو اس وقت سندھ کی ولایت میں تھا۔ یہ لوگ جا کر متوطن ہو گئے۔ اس دوران اسماعیلی داعی مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے لگے بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔

علی بن اسماعیل

دوسری جانب اسماعیل کے دوسرے بیٹے علی ابن اسماعیل نے "جان بچی سو لاکھوں پائے" کے مصداق امامت کے کھکھیڑ سے خود کو الگ کر لیا اور شام و بلادِ مغرب کا رخ کیا۔ چونکہ وہ امامت کے طلب گار نہ تھے، کسی نے ان کا پیچھا بھی نہ کیا۔ اس لیے وہ شام میں ظاہر ہو گئے اور ان کی نسل پھیلی یہ لوگ اب بھی موجود ہیں۔

اسماعیل کی امامت پر استدلال

بعد میں اسماعیلی جماعت کے روساء پیدا ہوئے جنہوں نے اسماعیل کی امامت کے موضوع کو شرح و بسط اور نہایت تفصیل سے بیان کیا۔ اور کہا کہ دنیا کبھی امام کے بغیر نہ تو قائم تھی اور نہ رہ سکتی ہے اور جو شخص امام ہوتا ہے ضروری ہے کہ اس کا باپ بھی امام رہا ہو اور اسی طرح اس کے باپ کا باپ بھی امام رہا ہو اور یہ سلسلہ حضرت آدم تک یوں ہی جاری ہو گا۔ بعض اسماعیلی علماء کہتے ہیں کہ سلسلہ امامت ازل تک جاری رہے گا۔ اس طرح ہر امام کا بیٹا بھی امام ہوتا ہے اور اس کے بیٹے کا بیٹا بھی امام ہوتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہے گا۔ امام کی وفات اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس کا وہ بیٹا جو اس کے بعد امام ہو گا، پیدا نہ ہو جائے اور اس کی صلب سے علیحدہ نہ ہو جائے۔

اسماعیلیوں کا کہنا ہے کہ آیت "ذریۃً بعضھا من بعض" اور آیت "و جعلھا کلمۃ باقیۃً فی عقبہٖ" کا یہی مفہوم و معنی ہے۔ جب شیعوں نے ان اسماعیلیوں کے اس قول کے خلاف یہ دلیل دی کہ حضرت حسن ابن علی تمام شیعوں کے ہاں بالاتفاق امام ہیں مگر ان کے بیٹے امام نہ تھے تو اس کی تردید میں اسماعیلیوں نے کہا کہ حضرت حسن ابن علی کی امامت

1۔ تاریخ اسمٰعیلیہ از پروفیسر علی محسن صدیقی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مستودع ودیعت تھی یعنی ثابت نہ تھی اور وہ عریۃ امام تھے اور حضرت حسین ابن علی کی امامت مستقر تھی۔ آیت "مستقر و مستودع" میں اسی جانب اشارہ ہے۔ [1]

اسماعیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ہمیشہ ظاہر نہیں رہتا، کچھ عرصہ ظاہر رہتا ہے اور کچھ عرصہ مستور و پوشیدہ رہتا ہے یہ رات دن کی طرح ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ جس دور میں امام ظاہر ہو تو اس کی دعوت کو پوشیدہ ہونا چاہئے مگر جس زمانے میں امام پوشیدہ ہو تو اس کی دعوت ظاہر ہوتی ہے۔ لوگوں کے درمیان اس کے داعی معین و مقرر ہوتے ہیں تاکہ مخلوق کو اللہ پر کوئی حجت نہ رہے کہ امام بھی غائب تھا اور اس کا داعی بھی موجود نہ تھا، سو مخلوقِ خدا امام کی شناخت و معرفت سے عاجز تھی، اس لئے اللہ کی جانب سے اس ناواقفیت پر کچھ مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔ امام نے داعی مقرر کردیئے جو لوگوں کو امام مستور کی علامتیں اور نشانات بتا کر انہیں معرفتِ امام اور نتیجۃً اعترافِ امامت کا مکلف کریں گے، نیز یہ کہ پیغمبر اصحابِ تنزیل ہوتے ہیں یعنی ان پر صحیفہ آسمانی نازل ہوتا ہے اور امام اصحاب تاویل ہوتے ہیں یعنی ان صحائف کے معانی و مفاہیم کی تاویل کرتے ہیں اور کسی پیغمبر کا زمانہ امام سے خالی نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم کے بعد ایک شخص تھا جس کا ذکر توریت میں آیا ہے یہ شخص بادشاہ وقت تھا اسے سریانی و عبرانی زبانوں میں ملیخیز داق کہا گیا ہے۔ اس کے معنی عربی زبان میں ملک الصدق (سچائی کا بادشاہ) اور ملک السلام (امن و سلامتی کا بادشاہ) ہیں۔ اسماعیلیوں کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بادشاہ کے پاس گئے تو اس نے انہیں اپنے مویشیوں کا عشر (دسواں حصہ) دیا۔ خضر جنہوں نے حضرت موسیٰ کو علم لدنی سکھانا چاہا تھا، وہ بھی امام یا امام کے نامزد تھے۔ [2]

صامت اور ناطق کی دو اصطلاحیں

یہ شریعت کو صامت مانتے ہیں، صامت کے معنی ہیں چپ اور خاموش، اور یہ امام کو ناطق کہتے ہیں۔ شریعت خاموش ہے اور امام اس کی طرف سے بولتا ہے اور زمین پر وہ الٰہی سلسلے کا نمائندہ ہے ان کے ہاں امام کے لیے سیاسی اقتدار ضروری نہیں گو یہ مغرب افریقہ اور مصر میں کچھ وقت برسرِ اقتدار بھی رہے۔

اسماعیلی سلسلۂ امامت

۱۔ امام حسن (۴۹ھ)	۲۔ امام حسین (۶۱ھ)
۳۔ امام زین العابدین (۹۵ھ)	۴۔ امام محمد باقر (۱۱۴ھ)
۵۔ امام جعفر صادق (۱۴۸ھ)	۶۔ امام اسماعیل (۱۵۸ھ)

1۔ یعنی اصلی امام حضرت علی کے بعد حضرت حسین تھے، مگر ان کے بڑے بھائی حضرت حسن اپنی زندگی میں بطور امین عاریۃً امام تھے اور انہیں امامت کا منصب بالاستقلال حاصل نہ تھا بلکہ وہ حضرت حسین کے مستودع و امین تھے۔
2۔ تاریخ اسمٰعیلیہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۷۔امام محمد بن اسماعیل (۱۹۷ھ)

اسماعیلیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے جو حضرت حسن کو امام نہیں مانتے۔وہ سلسلہ امامت حضرت علیؓ سے شروع کرتے ہیں ان کے ہاں دو بھائی ایک سلسلہ میں جمع نہیں ہو سکتے، ان کے ہاں دوسرے امام حضرت حسینؓ تھے، ساتویں امام یہ بھی محمد بن اسماعیل کو مانتے ہیں۔آغاخانی تاریخ نور مبین جو تیسرے آغاخاں کے دور میں لکھی گئی اس میں امام حسنؓ کا نام نہیں ہے۔

اسماعیلیوں کے دورِ ستر کے پانچ امام

اسماعیلیوں کا دورِ ستر ان کے چھٹے امام اسماعیل سے شروع ہوتا ہے اور اس دور میں ان کے پانچ امام ہوئے:

۱۔امام اسماعیل (۱۵۸ھ)	۲۔محمد بن اسماعیل المکتوم (۱۹۷ھ)
۳۔عبداللہ بن محمد (۲۱۲ھ)	۴۔احمد بن عبداللہ تقی (۲۲۵ھ)
۵۔حسن بن احمد (۲۶۸ھ)	

ان ائمہ کے دورِ ستر میں ان کے معتقدین تک ان کی طرف سے داعی پہنچتے رہے اور انہیں ان اماموں کی طرف سے ہدایات دیتے تھے۔امام اسماعیل اور محمد بن اسماعیل کے دور میں عبداللہ بن میمون ان کے داعیٔ اکبر رہے۔وہ اس سلسلۂ اسماعیلیہ کے بانی شمار ہوتے ہیں۔

عبداللہ بن میمون فارسی النسل تھا اور وہ عربوں میں تفریق پیدا کرنے میں کامیاب ہوا۔[1]

اسماعیلی آئمہ کا دورِ ستر

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ملتِ اسلام سے پہلے کا دور "دورِ ستر" تھا، امام پوشیدہ ہوتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چونکہ امام وہی (حضرت علیؓ) تھے، اس لئے ظاہر ہوئے۔ان کے زمانے سے اسماعیل اور محمد بن اسماعیل جو ساتویں امام تھے، ائمہ ظاہر ہوتے رہے۔دورِ ستر کا آغاز اسماعیل سے ہوا اور محمد جو دورِ ظہور کے آخر میں تھے مستور ہو گئے۔ان کے بعد تمام ائمہ مستور ہی ہوتے ہیں تا آنکہ وہ ظاہر نہ ہو جائیں، مستور و پوشیدہ ہی رہیں گے۔

نادی النفس

اسماعیلیوں نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، اسماعیل بن جعفر صادق کے نادی النفس تھے اور علی الرضاء بن موسیٰ کاظم محمد بن اسماعیل کے نادی النفس تھے۔درست یہ ہے کہ اسماعیلیوں کے خیال میں موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کے نادی النفس تھے کیونکہ محمد بن اسماعیل اپنے چچا موسیٰ کاظم بن جعفر سے سن میں بڑے اور ان کے معاصر تھے جبکہ ان کے والد اسماعیل بن جعفر اپنے چھوٹے بھائی موسیٰ کاظم سے بہت بڑے تھے اور

1۔عبقات ج ۲ ص ۱۵۳ مصنف علامہ خالد محمود

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان کے معاصر نہ تھے۔

اسماعیلی داعی

ان میں بہت سے داعی پیدا ہوئے انہی میں سے ایک میمون قداح اور اس کا بیٹا عبداللہ بن میمون تھے جنہیں فرقہ اسماعیلیہ کے بڑے علماء میں شمار کیا جاتا ہے۔ حسن شیخ عبدان بھی اسماعیلی تھا اور حضرت جعفر صادق کے زمانے میں ابوالخطاب نامی شخص جس نے حضرت جعفر کی الوہیت (خدائی) کا ویسے ہی دعویٰ کیا تھا جیسا کہ حلولی یا اتحادی کرتے ہیں، حضرت جعفر صادقؒ اس سے نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا تھا ''وہ (ابوالخطاب) اور اس کے ساتھی ملعون ہیں'' یہ بھی اسماعیلی تھا۔ ان جیسے اسماعیلی علماء (جن میں سے ہر ایک کا ذکر تاریخ میں موجود ہے اور جن کے مقالات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے) کثرت سے گزرے ہیں۔

اسماعیلی عقائد کا ایک مختصر خاکہ

۱۔ امام ان کے ہاں معبود کا درجہ رکھتا ہے، اس کا وجود خدا کے نورِ ذات سے قائم ہوا ہے، اس لیے وہ خدا کا غیر نہیں، اس کی عبادت خدا کی ہی عبادت ہے۔ خدا کا کوئی شریک نہیں، امام میں خدا کا حلول کیے ہوئے ہے، اس لئے وہ کوئی دوسرا خدا نہیں۔ جب وہ خدا کے نورِ ذات سے ہے تو اس کا غیر نہ ہوا۔

۲۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کے نورِ ذات سے پیدا مانتے ہیں اور دینی نسبت یہ اپنے امام میں منتقل مانتے ہیں۔ قاسم علی اسماعیلی نے ایورلونگ گائیڈ میں آغا خاں سوم کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

''میں براہِ راست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہوں اور دو کروڑ مسلمان مجھ پر ایمان رکھتے ہیں، مجھے اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں مجھے خراج ادا کرتے ہیں اور میری عبادت کرتے ہیں۔'' 1

یہ کتاب اسماعیلی ایسوسی ایشن کراچی نے شائع کی ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور حضور ﷺ سے براہِ راست نسبت رکھنے کے مدعی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا وہ ختم نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کے بعد کسی نئی نبوت کے وہ قائل نہیں ہیں۔ وہ اس کے بھی قائل نہیں کہ حضور ﷺ کی نبوت ان اماموں میں اتری ہے، وہ صرف امامت کی راہ سے ان ائمہ کے لئے اس آسمانی عہدے کے قائل ہیں۔

۳۔ ان کا عقیدہ ہے کہ امام حاضر جب چاہے ظاہر شریعت کو معطل کر سکتا ہے۔ شریعت ہمیشہ صامت رہے گی۔ اس کے لئے ناطق امام ہے۔ اسماعیلیہ کے تیئسویں امام (۲۳) شاہ حسن علی نے ۲۷ رمضان (۵۵۹ھ) میں پورے اجتماع سے کہا:

1۔ نور مبین ص ۲۵۴ طبع چہارم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"آج کے دن سے آپ کو میں ساری شریعت کی پابندیوں سے آزاد کرتا ہوں، آج کے دن تم لوگوں کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ آج کے دن ہم نے پوری دنیا کو شریعت اور قیامت کے مفہوم سے آگاہ کر دیا ہے۔" [1]

اب آیئے یہ بھی جان لیجئے کہ ان کے ہاں قیامت ایک نئے قیام کا نام ہے۔

۴۔ ان کا قیامت کا تصور مسلمانوں کے عقیدۂ قیامت سے بالکل جدا ہے، یہ اپنے اس تصور میں بہائی مذہب کے بہت قریب ہیں۔ بہائیوں کے ہاں جب جہاں کا نیا قیام ہو تو وہ اسے قیامت کہتے ہیں۔ پھر وہ اس نئے دور کے لئے کسی نئی نبوت کے منتظر ہوتے ہیں۔ اسماعیلیوں کے ہاں امام حاضر جب کسی نفس کی تفتیش کر کے اسے خدا کے قرب میں کھینچ لے اور اسے پاس کر دے تو اس سے شریعت کی پابندیاں اٹھالی جاتی ہیں اور اس کے لئے اب یہ قیامت قائم ہو گئی۔

۵۔ آغا خاں سوم کے احکام اسماعیلیوں نے کلام امام مبین کے نام سے شائع کیے ہیں اس میں فرمان نمبر ۳۰ یہ ہے:

"انسان کی زندگی اور دنیا ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ ہر چیز بدلتی ہے۔ جس میں صحیح ہدایت امام حاضر ہی دے سکتا ہے۔ اسماعیلیوں کے پاس کوئی لکھی ہوئی کتاب نہیں مگر زندہ امام ہے۔" [2]

ان کے عقائد پر ہم یہاں کوئی تبصرہ نہیں کر رہے، اجمالی طور پر ان کے عقائد کا کچھ تعارف کرانا تھا، سو ہم نے یہ پانچ امور گزارش کر دیئے ہیں۔

اسماعیلی عقائد کا بانی داعی اکبر عبداللہ میمون فارسی

اسماعیلی عقائد ائمہ اہل بیت میں سے کسی سے نہیں آئے، مسلمانوں میں اہل بیت کیلئے جو جذبہ کارفرما ہے اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ اسی جذبہ عقیدت سے عبداللہ میمون اٹھا اور شیعوں کا اسماعیلی سلسلہ قائم کیا اور اسی چھپی راہ سے مختار بن ابی عبید ثقفی نے براہِ راست حضرت علیؓ سے عقیدت قائم کی اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس نے حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے نام سے ایک پورا مذہب ترتیب دے دیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"ایں عبداللہ بن میمون قداح شخصے بود ملحد و زندیق و دشمنِ اسلام مے خواست بہ نہجے در دینِ اسلام فساد نماید قابو نمے یافت اکنوں او ر انان در روغن افتاد بدستور عبداللہ بن سبا کہ اصل منشاء تشیع است۔" [3]

1۔ نور مبین ص ۲۵۴ طبع چہارم

2۔ کلام امام مبین ص ۵۳۰

3۔ تحفہ اثنا عشریہ ص ۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ:۔ ''یہ عبداللہ بن میمون ایک ملحد اور زندیق شخص تھا اور اسلام کا سخت دشمن تھا۔ چاہتا تھا کسی طرح اسلام میں کوئی گڑبڑ پیدا کرے لیکن اسے کوئی راہ نہ ملتی تھی۔ عبداللہ بن سبا کی طرح جو شیعیت کا بانی تھا اب اس کی روٹی گھی میں جا گری۔''

یہ بات اس کے لیے بڑی آسان تھی کہ غاروں میں چھپے اماموں کے نام سے دین اسلام میں وہ ایک نئی فرقہ بندی کرے اور جو چاہے اسے اسماعیلیوں کا ایک نیا مذہب بنا کر رکھ دے۔

علمائے اسلام شروع سے اسماعیلی عقائد کو الحاد و زندقہ کہہ رہے ہیں۔ چوتھی صدی کے شروع میں اثنا عشری عقائد مرتبہ ہوئے اور چوتھی صدی کے شروع میں ہی اسماعیلیوں کے دورِ ظہور کا آغاز ہوا۔ اس سے پہلے یہ لوگ بطور باطنیہ کے جانے جاتے تھے۔

۱۔ امام ابو منصور عبدالقاہر (۴۲۹ھ) کی کتاب الفرق بین الفرق میں اس باطنی گروہ کا اس طرح پتہ چلتا ہے:

الذی یصح عندی من دین الباطنیة انهم دهریه زنادقه یقولون بقدم العالم وینکرون الرسل والشرائع کلها لمیل الٰی استباحة کل مایمیل الیه الطبع۔[1]

''باطنیہ کے دین کی جو بات میرے ہاں صحیح طور پر محقق ہوئی یہ ہے کہ وہ حقیقت میں دہریہ ہیں، زندیق ہیں، دنیا کو قدیم مانتے ہیں، اصل و شرائع کا وجود نہیں مانتے، ہر وہ چیز کہ جس کی طرف طبائع مائل ہوں وہ حلال مانتے ہیں۔''

۲۔ امام ابن حزم (۴۵۶ھ) بھی لکھتے ہیں:

واما من قال انّ اللّٰہ عزّ و جل هو فلان لانسان بعینه او انّ اللّٰہ تعالٰی یحل فی جسم من اجسام خلقه او ان بعد محمّد صلی اللّٰہ علیه وسلم نبیًّا غیر عیسٰی بن مریم فانّهٗ لا یختلف اثنان فی تکفیره۔[2]

''اور جو کہے کہ فلاں انسان بعینہٖ خدا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی میں اُترا ہوا ہے یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی اور نبی بھی ہوسکتا ہے تو ایسے شخص کو کافر کہنے میں کہیں دو شخص مختلف نہیں ہوئے۔''

واما الغالیة من الشیعة فهم قسمان، قسم اوجبت النبوة بعد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لغیره والقسم الثانی اوجبرا الالٰهیة لغیر اللّٰہ عزّ و جل فلحقوا بالنصارٰی والیهود و کفروا اشنع الکفر۔[3]

''غالی شیعوں کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو حضور ﷺ کے بعد کسی اور نبوت کو واجب کہتے رہتے اور دوسرے

1۔ الفرق بین الفرق ص ۱۷۷
2۔ کتاب الفصل جلد ۳ ص ۲۴۶
3۔ کتاب الفصل ج ۴ ص ۱۸۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت (اس کا لائقِ عبادت ہونا) اوروں کے لئے ثابت مانتے تھے، یہ وہ لوگ ہیں جو یہود و نصاریٰ میں آملے اور انہوں نے بدترین کفر اختیار کیا۔"

دعوتِ اسماعیلی کی اشاعت

رفتہ رفتہ اسماعیلیوں کا مذہب اور ان کی تحریک عام ہوگئی اور اکثر اسلامی شہروں میں ان اسماعیلیوں کا گروہ پیدا ہوگیا، ان میں سے کچھ پوشیدہ رہے اور کچھ ظاہر ہوئے۔ یہ سب اس بات پر متفق تھے کہ دنیا امام سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ خدا کو اس کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے اور امام کی مودت کے بغیر خداشناسی ممکن نہیں ہے۔ پیغمبروں نے ہر زمانے میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔ شریعت کا ایک باطن ہوتا ہے۔ اس سبب سے اسماعیلیوں کے مقالات کو اصحاب مذاہب کے مقالات گفتار، عقائد سے یعنی ملت اسلامیہ سے خاج سمجھا جاتا ہے ان میں سے اکثر نے محرمات کی اباحت حرام کو حلال کرنے کا اقدام کیا۔

......☆......

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

گیارھواں باب:

شیعیت

سیّدنا موسیٰ الکاظمؒ (م ۱۸۳ھ) کے عہد میں

آپؒ کا نام ونسب

موسیٰ نام، ابوالحسن کنیت اور کاظم لقب ہے۔ [1]

ان کے والد حضرت جعفر صادق اور جد امجد حضرت محمد باقر اپنے عہد کے ممتاز ترین اور بلند پایہ علماء میں تھے، ان کا نسب نامہ یہ ہے: موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب۔ [2]

ہاشمی، علوی اور مدنی تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔ ان کی دادی اُم فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں، اس طرح ننھیالی شجرہ کے مطابق ان کی رگوں میں صدیقی خون بھی رواں تھا۔

ولادت

۱۲۸ھ میں مدینہ کے قریب ابواء نامی ایک مشہور قریہ میں پیدا ہوئے اور پھر تمام عمر مدینہ ہی میں سکونت پذیر رہے۔ [3]

فضل وکمال

موسیٰ الکاظم اس خانوادۂ علم کے گوہر شب چراغ تھے، جس کا ہر ہر فرد آسمانِ فضل وکمال کا بدرِ کامل اور مسندِ علم کا شیخ الکل تھا۔ اس لئے امام کاظم کو دولتِ علم گویا وراثۃً نصیب ہوئی تھی، اس کے علاوہ جود وکرم، عبادت وریاضت، تضرع و انکسار اور تقویٰ وپاکبازی کا پیکر مجسم تھے، ابوحاتم ان کو امام المسلمین کہتے ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

کان صالحًا عابدًا جوادًا حلیمًا کبیرا القدر . . . (خلاصۃ تذھیب تھذیب الکمال ص ۳۹۰)

1۔ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۸۷

2۔ تہذیب التھذیب ج ۱۰ ص ۳۳۹

3۔ شذرات الذھب ج ۱ ص ۳۰۴، الاعلام ج ۳ ص ۱۰۸۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''وہ صالح، عبادت گزار، حلیم الطبع، سخی اور جلیل المرتبت ہیں۔''

حدیث

انہوں نے تبحر علمی اور جلالت فنی کے باوجود اپنی زیادہ تر توجہ عبادت اور تبلیغ دین میں صرف کی، اسی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد بہت کم ملتی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ ان سے مروی تھوڑی سی حدیثیں بھی صحیح معنی میں بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر کی مصداق ہیں۔ حدیث میں انہوں نے اپنے باکمال والد امام جعفر بن محمد الملقب بہ صادق کے علاوہ عبداللہ بن دینار اور عبدالملک بن قدامہ الجمحی سے استفادہ کیا تھا، ممکن ہے، ان کے حلقۂ شیوخ میں کچھ اور ائمہ بھی شامل ہوں لیکن طبقات وتراجم میں ان کے صرف مذکورہ تین ہی اساتذۂ حدیث کا ذکر ملتا ہے، ان میں بھی ثانی الذکر سے امام کاظم کے تلمذ کو حافظ ابن حجر نے مشتبہ قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگر موسیٰ کاظم کا سنہ ولادت ۱۲۸ھ مستند اور صحیح ہے تو پھر عبداللہ بن دینار سے ان کے حصولِ تلمذ کا کوئی سوال نہیں، کیونکہ ابنِ دینار کی وفات اس سے پہلے ہی ۱۲۷ھ میں ہوگئی تھی۔[1]

خود ان کے دریائے فیض سے سیراب ہونے والوں میں ان کے دو بھائی علی و محمد اور صاحبزادگان ابراہیم، حسین، اسماعیل، علی رضی کے علاوہ صالح بن یزید اور محمد بن صدقۃ العنبری کے نام قابل ذکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۱۰ص ۳۳۹)

ثقاہت

ان کی ثقاہت اور صداقت کو علمائے فن نے بالاتفاق ہر قسم کے ریب وشک سے بالاتر قرار دیا ہے، ابوحاتم ''ثقہ صدوق امام'' کہتے ہیں۔[2]

عبادت

عبادت وریاضت کا خاص اہتمام تھا، کثرتِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے، حافظ ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں ان کا بہت نمایاں تذکرہ کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں: ''کان کثیرۃ العبادۃ والمروءۃ'' حتیٰ کہ جب ہارون الرشید نے ان کو دیوار زنداں کے پیچھے ڈال دیا تو بھی ان کے شب وروز کے معمولات میں کوئی فرق نہ آسکا، چنانچہ قید خانہ کی ایک عینی راویہ نے ان کے دن رات کے معمولات یہ بیان کئے ہیں:

کان اذا صلّی لعتمۃ حمد اللہ و مجدہ و دعاء فلم یزل کذالک حتیٰ یزول اللّیل فاذا زال اللیل قام یصلّی حتّی یصلّی الصبح ثم یذکر قلیلاً حتّی تطلع الشمس ثم یقعد الی ارتفاع الضّحی، ثم یتھیّأ ویستاک ویأکل ثمّ یرقد الی قبل زوال ثمّ یتوضأ ویصلّی حتّی یصلّی العصر ثم یذکر فی القبلۃ

1۔ تہذیب التہذیب ج۱۰ص ۳۴۰

2۔ میزان الاعتدال ج۳ص۲۰۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حتّی یصلی المغرب ثم یصلّی ما بین المغرب و العتمۃ۔[1]

''وہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد برابر ذکر و فکر اور حمد و ثنا میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ جب کافی رات گزر جاتی تو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے اور صبح تک یہ سلسلہ جاری رہتا، پھر فجر کی نماز پڑھ کر طلوعِ آفتاب تک تھوڑا ذکر کرتے، پھر کافی دیر تک مراقبہ میں بیٹھتے، پھر مسواک وغیرہ کرتے اور کھانا تناول فرماتے، پھر زوال سے قبل تک استراحت کرتے، پھر وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کرتے اور عصر تک پڑھتے رہتے پھر قبلہ رُو ہو کر ذکر اللہ میں مصروف رہتے اور مغرب کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا، پھر نمازِ مغرب پڑھنے کے بعد عشاء تک مسلسل نوافل پڑھتے رہتے''۔

ان معمولات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ امام کاظمؑ کثرتِ عبادت و ریاضت کے ساتھ اپنی روح و جسم کے حقوق سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہوتے تھے، مذکورہ بالا بیان کی راویہ اخت سندی، جو زندان میں امام صاحب کی خدمت پر مامور تھی، جب بھی ان کو دیکھتی تو کہتی کہ بڑے ہی بدنصیب اور ناکام ہیں وہ لوگ جو خدا کے ایسے صالح اور عبادت گزار بندے سے تعرض کرتے اور انہیں پریشان کرتے ہیں۔ (ایضاً)

حافظ ذہبی انہیں صالح، عابد، جواد، حلیم اور جلیل المرتبت لکھتے ہیں۔[2]

سخاوت

جود و سخاوت، سیر چشمی اور فیاضی اہل بیت کرامؓ کا ایک مشترک وصف اور خصوصی تمغۂ امتیاز تھا، امام کاظم بھی اس وصف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں:

کان احد کبار العلماء الاجواد۔[3]

''وہ نہایت بلند درجہ اکابر علماء میں سے تھے۔''

امام ذہبی رقمطراز ہیں کہ:

کان موسیٰ من اجواد الحکماء۔[4]

''موسیٰ کاظمؑ بہترین حکماء میں تھے۔''

ان کی داد و دہش اور فیاضی و سیر چشمی کے بکثرت واقعات خطیب کی تاریخ بغداد اور یافعی کی مرأۃ الجنان میں منقول ہیں۔[5]

1۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۱

2۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱ ص ۲۸۷

3۔ الاعلام ج ۳ ص ۱۰۸۱

4۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۹

5۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۔۳۳ و مرأۃ الجنان

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قید و بند کی صعوبتیں

تاریخِ اسلام میں ایسے اہل دعوت وعزیمت علماء کی کافی تعداد ملتی ہے، جنہوں نے حق وصداقت اور ایمان وایقان کے چراغ روشن رکھنے کی خاطر دار ورَسن اور قید و بند کے تمام شدائد وصعوبتوں کو بطیب خاطر انگیز کیا، بلکہ کتنوں نے تو اسی راہ میں اپنی جان بھی جان آفرین کے سپرد کردی، لیکن ان کے پایۂ ثبات واستقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہ پیدا ہوسکا، امام موسیٰ کاظمؒ بھی دو بار اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

حسین بن علی اور امام موسیٰ کاظم میں اختلاف

جناب حسینؒ بن علیؒ اور جناب امام موسیٰ کاظمؒ باہم چچازاد بھائی تھے۔ اس رشتہ کو ہم درج ذیل نقشہ سے واضح کرتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

امام حسن	امام حسین
امام حسن مثنّٰی	امام زین العابدین
امام حسن مثلث	امام باقر
علی	امام جعفر صادق
حسین	امام موسیٰ کاظم

اس نقشہ کی رُو سے معلوم ہوا کہ جناب حسین بن علی اور امام موسیٰ کاظم ایک دوسرے کے چچا کی اولاد ہیں۔ جناب حسین بن علی کی وہ شخصیت ہے کہ ان کے زمانے میں بسنے والے اہل بیت کی اکثریت نے ان کی بیعت تسلیم کی۔ انہوں نے اپنے دور کے ظالم حکمران خلیفہ عباسی ہادی کے خلاف جہاد کیا۔ بالآخر جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ابراہیم بن جعفری نے عبداللہ بن المفضل سے روایت بیان کی جو کہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا، کہا کہ جب حسین بن علی جو کہ مقامِ فخ میں شہید کردیئے گئے تھے، نے خروج کیا اور مدینہ آئے تو یہاں آکر انہوں نے موسیٰ بن جعفر (موسیٰ کاظمؒ) کو دعوتِ بیعت دی۔ (یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرلو) امام موسیٰ بن جعفر ان کے ہاں آئے، اور کہا اے میرے چچا کے بیٹے! مجھے اُس امر کی تکلیف نہ دو۔ جس کی تکلیف تمہارے چچازاد بھائی (محمد بن

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عبداللہ) نے تمہارے چچا (امام جعفر صادق) کو دی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ میری زبان سے کچھ ایسے کلمات نکلیں جو میں کہنا نہیں چاہتا۔ جس طرح کہ امام جعفر رحمہ اللہ کو اُس موقعہ پر ایسی باتیں کہنا پڑیں جو وہ کہنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ سن کر جناب حسین بن علی نے ان سے کہا: بھائی! میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا ہے، اگر آپ چاہیں تو اسے قبول کرلیں اور اگر آپ اسے اچھا نہ جانیں تو میں زبردستی نہیں کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد ہے۔ پھر انہیں الوداع کر دیا۔ اور بوقتِ الوداع ابوالحسن موسیٰ بن جعفر نے کہا، اے چچازاد بھائی! تمہیں شہید کر دیا جائے گا۔ لہٰذا جب یہ وقت آئے تو خوب جان پر کھیل کر لڑنا۔ (یعنی مدمقابل میں سے جس قدر لوگوں کو قتل کر سکو، قتل کر دینا) یہ لوگ فاسق ہیں۔ ظاہر تو ایمان کرتے ہیں لیکن اندر ان کے شرک گھسا ہوا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میں تمہیں اپنے خاندان کا ہی ایک فرد تصور کرتا ہوں۔ اس کے بعد حسین بن علی نے خروج کیا۔ پھر جو اُن کی تقدیر میں تھا ہوا۔ یہ اور ان کے تمام ساتھی شہید کر دیئے گئے، جیسا کہ امام نے پیش گوئی کی تھی۔ [1]

حسینؒ ابن علیؒ کا طریقِ بیعت

ارطاۃ سے مروی ہے کہ جب جناب حسین بن علی صاحبِ فخ نے بیعت لینے کا اعلان کیا، تو یوں کہا: میں تم سے بیعت اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول کریم ﷺ کی سنت پر کرتا ہوں، اور اقرار کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں گا، اس کی نافرمانی نہیں ہوگی۔ اور میں تمہیں آلِ محمد کی رضامندی کی طرف بُلاتا ہوں۔ اور اس بات کو بطور شرط رکھتا ہوں کہ بیعت کے بعد میں اور میرے ساتھی تمام فیصلہ جات اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق کریں گے۔ رعیت میں عدل ہوگا اور حقوق برابر تقسیم ہوں گے۔ اور یہ بھی کہ تمہیں ہمارے ساتھ مل کر چلنا ہوگا، اور ہمارے دشمنوں سے جنگ کرنا ہوگی۔ سو اگر ہم ان شرائط کی پابندی کریں تو تم بھی بیعت پر قائم رہنا اور اگر ہم ان شرائط پر پورا نہ اتریں تو ہماری بیعت کا تم پر باقی رہنا کوئی ضروری نہیں ہوگا۔'' [2]

امام کاظمؒ کی طرف سے حسین بن علی کی بجائے حکومتِ وقت کی حمایت

حضرت امام کاظمؒ کا درج ذیل بیان اصول کافی میں مرقوم ہے۔ آپ نے فرمایا:

''میں تم کو خلیفہ کی مخالفت سے بچانا چاہتا ہوں۔ اور تم کو رغبت دلاتا ہوں اس کی نیکی حاصل کرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی طرف اور اس سے امان چاہو قبل اس کے کہ تم اس کے پنجے میں پھنسو اور ہر طرف تمہاری گردن میں رسّی بندھے۔ اور ہر طرف سے اپنے لیے راحت طلب کرو، اور کوئی کوشش نہ کرو یہاں تک کہ خدا تم پر احسان کرے اور خلیفہ کو تم پر مہربان کرے، خدا اُس کو باقی رکھے تاکہ تم کو امان دے۔ اور رسول کے رشتہ

1۔ مقاتل الطالبین ص ۴۴۷ تذکرہ عبداللہ بن اسحاق۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید

2۔ مقاتل الطالبین ص ۴۴۹۔ ۴۵۰ تذکرہ عبداللہ بن اسحاق۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

داروں کی حفاظت کرے۔ سلام ہو طالب ہدایت پر۔ وحی کہتی ہے، عذاب اس کے لیے ہے جس نے تکذیب کی اور روگردانی کی۔" 1

مولانا محمد علی ان روایات پر اپنے تشریحی نوٹ میں لکھتے ہیں:

"حوالہ جات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ امامت وخلافت کو اپنے لیے "منصوص من اللہ" نہ سمجھتے تھے کیونکہ ان کا جناب حسین بن علی کو یہ جواب دینا کہ "تم خوب قدم جما کر لڑنا، لیکن میں اس لڑائی میں شرکت سے معذرت خواہ ہوں، بہرحال تمہارے لیے دست بدعا ہوں کہ ان فاسقین کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے"...... اس بات کی دلیل ہے، اگر موسیٰ کاظم اپنی امامت کو منصوص من اللہ سمجھتے تو یہ جواب نہ دیتے۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیتے، کہ تمہیں ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی بیعت کے لیے لوگوں سے رابطہ قائم کرو۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ امام موسیٰ کاظم نے خلیفۂ وقت ہادی عباسی کے حق میں بھی اس کی حکومت کی بقاء کی دعا کی۔ اگر اس کی خلافت کا جواز نہ ہوتا تو پھر اس کے بقاء کی دعا مانگنا ایک امامِ وقت سے کیوں کر متصور ہو سکتا ہے؟" 2

امام موسیٰ کاظم بن جعفر کے بعد شیعہ سات گروہوں میں تقسیم ہو گئے

پہلا گروہ: امام موسیٰ کاظم کے صاحبزادے علی رضا کی امامت کا قائل ہوا۔

دوسرا گروہ: اس کا کہنا ہے کہ امام موسیٰ کاظم مرے نہیں، زندہ ہیں۔ وہی مہدی قائم ہے۔

تیسرا گروہ: اس کا کہنا ہے کہ امام موسیٰ کاظم مر کر زندہ ہو گئے پھر روپوش ہو گئے۔ خاص (لوگ) ان کی زیارت کرتے ہیں، وہ دوبارہ ظاہر ہوں گے۔

چوتھا گروہ: اس کا کہنا ہے کہ امام موسیٰ کاظم مر گئے ہیں، آخری زمانہ میں دوبارہ زندہ ہوں گے، وہ مہدی آخر الزمان ہوں گے۔

پانچواں گروہ: اس کا کہنا ہے کہ امام موسیٰ کاظم کا انتقال ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر انہیں بلوا لیا ہے آخری زمانہ میں دوبارہ بھیجے گا۔

چھٹا گروہ: امام موسیٰ کاظم کی موت وحیات میں متردّد ہے اور کہتا ہے کہ وہی امام مہدی ہیں۔

ساتواں گروہ: امام موسیٰ کاظم کو زندہ اور روپوش مان کر محمد بن بشیر کو ان کا جانشین مانتا ہے۔ 3

1۔ کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ۱، ص ۴۴۸ مطبوعہ کراچی

2۔ عقائد جعفریہ ج ۲ ص ۱۴۶

3۔ فرق الشیعہ، علامہ نوبختی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بارھواں باب:

شیعیت

سیّدنا امام علی الرضا (م ۲۰۳ھ) کے عہد میں

آپ خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ اور علوم و معارف کے گوہر آب دار تھے۔ نسب مبارک حسب ذیل ہے۔
حضرت سید علی الرضا بن امام موسیٰ الکاظم بن امام جعفر الصادق بن امام محمد الباقر بن امام علی زین العابدین بن حضرت امام سیدنا حسین (سبط رسول ﷺ) بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بن ابی طالب۔

ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔

آپ نہایت شکیل و جمیل تھے، رنگ مبارک سانولا تھا۔ اور جملہ صفات میں مثل اپنے آبائے کرام کے تھے۔ آپ بڑے عالم، وحید العصر اور فرید الدہر تھے۔ ابراہیم بن عباس کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ کوئی عالم نہیں دیکھا۔

ابن حجر مکیؒ "تاریخ نیشاپور" سے نقل فرماتے ہیں:

"امام علی رضاؒ نیشاپور تشریف لائے اور بازار میں داخل ہوئے تو حافظ ابو زرعہ رازی اور حافظ محمد بن اسلم طوسی بے شمار طلبۂ علم وحدیث کے ساتھ خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ آپؒ بند پالکی میں تشریف فرما تھے۔ حافظ رازی اور حافظ طوسی دونوں نے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ حاضرین کو درشن دیجئے اور اپنے آبائی سلسلے سے کوئی حدیث روایت کیجئے!

آپؒ نے سواری ٹھہرانے اور خدام کو پردہ اٹھانے کا حکم دیا، خلقِ خدا نے آپؒ کے روئے مبارک کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں، آپؒ کے دو گیسو تھے، جو کندھوں پر لٹک رہے تھے، وارفتگی کی یہ کیفیت تھی کہ لوگوں کی آہیں تھمتی نہ تھیں، نالہ و بکار کتا نہ تھا، کچھ لوگ مٹی میں لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور کچھ بے خودی میں سواری کے پاؤں چوم رہے تھے۔ [1]

(گویا بقولِ شاعر:

1۔ آٹھویں پشت میں حسنِ نبوی کی جھلک کا یہ اثر تھا، تصور کیجئے خود حسنِ نبوی ﷺ کا کیا حال ہوگا!

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پڑے ہیں ترے کوچہ میں لاکھوں　　مجروح، مقتول، مذبوح، بسمل

علماء پکار رہے تھے: لوگو چپ ہو جاؤ۔ جب خاموشی چھا گئی تو حافظ رازی اور حافظ طوسی نے املائے حدیث کی استدعا کی۔ اس پر آپؓ یوں محوِ روایت ہوئے:

"مجھے حدیث بیان کی میرے والد ماجد موسیٰ کاظم نے اپنے والد ماجد جعفر صادق سے، انہوں نے اپنے والد ماجد محمد باقر سے، انہوں نے اپنے والد ماجد زین العابدین سے، انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت حسینؓ سے، انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ بن ابی طالب سے، انہوں نے فرمایا: مجھے بیان فرمایا میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ ﷺ نے کہ مجھے جبریل نے بیان کیا کہ میں نے رب العزت کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جس نے یہ کلمہ پڑھا وہ میرے قلعے میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا، وہ میرے عذاب سے بچ گیا"۔

بس آپؓ نے یہ حدیث روایت کی، پردہ گرانے کا حکم دیا اور روانہ ہو گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اُن لوگوں کو شمار کیا گیا، جو باقاعدہ قلم دوات لائے اور لکھ رہے تھے، تو تقریباً بیس ہزار تھے۔ (یعنی باقی لوگ ان کے علاوہ تھے)"۔ 1

ابن جوزی سے روایت ہے کہ سرخیل صوفیاء حضرت معروف کرخیؒ نے حضرت امام سید علی رضاؒ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

عادات وصفات

آپ بہت کم سوتے اور بہت روزے رکھتے تھے۔ ہر ماہ میں تین روزے کبھی آپ سے نہ چھوٹے۔ آپ اکثر اندھیری رات میں خیرات کرتے تھے۔ جب خلوت میں ہوتے فقیرانہ لباس پہنتے، جب دربار وغیرہ میں جاتے لباسِ فاخرہ زیب بدن فرماتے۔ خاکساری اور منکسر مزاجی اس درجہ تھی کہ موسم گرما میں چٹائی پر اور موسم سرما میں ٹاٹ یا کمبل پر بیٹھا کرتے تھے اور غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ منقول ہے کہ آپ ایک دن حمام کے گوشہ میں بیٹھے ہوئے غسل کر رہے تھے اتنے میں ایک لشکری آیا اور آپ کو اس جگہ سے اٹھا دیا اور خود اس جگہ بیٹھ کے غسل کرنے لگا اور اسی پر اکتفا نہ کر کے آپ سے کہا اے اسود! میرے سر پر پانی ڈال اور مجھ کو نہلا۔ پس آپ اس کے سر پر پانی ڈالنے اور اس کو نہلانے لگے۔ اتنے میں ایک شخص آیا جو آپ کو پہچانتا تھا اور اس نے یہ حالت دیکھ کر ایک چیخ ماری اور کہا اے لشکری تو ہلاک ہوا، حضرت ابن رسول اللہ ﷺ سے خدمت لے رہا ہے؟ یہ سنتے ہی لشکری آپ کے قدموں پر گرا اور معذرت کر کے کہنے لگا، میں نے جس وقت پانی ڈالنے اور نہلانے کو کہا تھا حضور نے انکار کیوں نہ کر دیا؟ فرمایا انھا لمثوبة...... یہ تو

1۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند کسی مجنون پر پڑھی جائے تو اس کا جنون جاتا رہتا ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایک کام ثواب کا تھا، میں نے نہ چاہا کہ جس کام میں مجھے ثواب ملے اس میں تیری نافرمانی کروں۔

کشف و کرامات

حاکم محمد بن عیسیٰ بن حبیب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسولِ خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میرے شہر کی مسجد میں تشریف لائے ہیں۔ میں سلام کے لئے حاضر ہوا دیکھا کہ حضور ﷺ کے سامنے مدینہ کے کھجوروں کے پتوں کا ایک طبق رکھا ہوا ہے جس میں صیحانی کھجوریں ہیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے آٹھ کھجوریں مجھے عنایت فرمائیں۔ اس خواب کو دیکھے ہوئے جب بیس دن گزرے، آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسی مسجد میں فروکش ہوئے۔ لوگ سلام کو دوڑے میں بھی گیا، دیکھا کہ آپ اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا اور مدینے کے کھجوروں کے پتوں کا طبق صیحانی کھجوروں سے بھرا ہوا آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ میں نے سلام کیا، آپ نے نزدیک بلا کر ایک مٹھی کھجوریں مجھے عطا فرمائیں۔ جب میں نے شمار کیا تو اسی قدر پائیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خواب میں عنایت کی تھیں۔ میں نے عرض کیا آپ مجھے زیادہ مرحمت فرمادیں۔ فرمایا اگر تجھے حضرت رسول اللہ ﷺ زیادہ عطا فرماتے تو میں بھی زیادہ دیتا۔ ایک کنجشک صحن خانہ آ کر لوٹنے لگی۔ آپؒ نے فرمایا سانپ آیا ہوا ہے، اس کے بچوں کو کھانا چاہتا ہے۔ اسی کی فریاد کرتی ہے۔ خادم گیا سانپ کو مکان کی چھت میں پا کر مارا۔

خلیفہ مامون اور حضرت علی رضاؒ کے مابین معاہدہ

عباسی خلیفہ مامون کو حضرت علی رضاؒ سے بے حد عقیدت تھی اور اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ حضرت کو اپنا ولی عہد بنائے، چنانچہ دونوں حضرات کے مابین ایک تحریری معاہدہ ہوا، یہ ایک طویل معاہدہ تھا، جس کا ذکر اکثر مؤرخین نے اپنی کتب تاریخ میں کیا ہے...... میں نے اسے مختصر کیا ہے۔ (اس کی عبارت یہ ہے:

”شروع اللہ کے نام سے، جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے...... یہ وہ نوشتہ ہے، جسے عبداللہ بن ہارون امیر المومنین نے ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا کے لیے...... جن کا تعلق خانوادۂ نبوت سے ہے اور جو اُن کے بعد ولی عہد سلطنت ہوں گے، لکھا ہے...... اما بعد! بے شک اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دین کے طور پر منتخب کیا ہے اور اپنے بندوں میں سے ایسے رسولوں کو چنا ہے، جو اس کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں...... ان (رسولوں) میں سے پہلا رسول...... بعد میں آنے والے رسول کی بشارت دیتا رہا ہے اور ان میں، بعد میں آنے والا، اپنے سے پہلے رسول کی تصدیق کرنے والا ہے، تا آنکہ محمد ﷺ پر، نبوت و رسالت ختم ہوگئی، جن کی بعثت سلسلۂ نبوت میں وقفے کے بعد اور علم کے نشانات مٹ جانے اور وحی کے منقطع ہو جانے پر جت کے قیام اور قیامت کے قریب آنے پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا اور آپ کو سابقہ رسولوں کی امتوں پر گواہ بنایا۔ اور آپ پر اپنی بزرگ ترین اور اپنی عزیز ترین کتاب اُتاری، جس پر باطل نہ تو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سامنے سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے اور تعریف کیے ہوئے کی طرف سے کتاب کا اُتارنا ہے، جس میں حلال وحرام اور نوازل واحکام کی تفصیل ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تو خوب کیا اور لوگوں کو ڈرایا تو خوب ڈرایا اور ان کی خوب تہدید کی اور انہیں (مخالفت سے باز رکھنے کے لئے) ڈانٹا اور انہیں بچایا اور اس بارے میں خوب مبالغہ کیا اور انہیں ڈرایا (اسے اس لیے اتارا) تاکہ یہ کتاب اس کی مخلوق کے تندرست اور بیمار الغرض تمام لوگوں کے لئے حجت بن جائے تاکہ جو شخص دلیل کی بنا پر ہلاک ہو گیا ہے وہ پوری طرح ہلاک ہو جائے اور وہی زندہ رہے جو دلیل کی بنا پر زندہ ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ کی طرف سے اس کے پیغامات پہنچائے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو نجات والے راستے کی طرف اسی طرح دعوت دی، جیسے کہ اللہ نے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے یہ دعوت پہنچانے کا آپ ﷺ کو حکم دیا ہے اور اسی طرح آپ ﷺ نے مجادلے کے ذریعے جو مجادلہ احسن ہے اور جہاد اور (عملی) سختی کے ذریعے آپ ﷺ نے یہ فریضہ انجام دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو قبض کیا اور آپ کے لیے وہ کچھ پسند فرمایا جو اس کے پاس اور اس کے ہاں ہے، تو اس نے دین کے قیام کا ذریعہ (قوام)، خلافت کو قرار دیا، جیسا کہ آپ پر اپنی نبوت ورسالت کو ختم فرمایا، لہٰذا بندگانِ خدا کے تمام معاملات ''نظم ونسق'' خلافت، اس کی تکمیل اور اس کے غلبہ واقتدار اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام کے قیام کے ساتھ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ قائم ہوئی ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اس کی حدود، قوانینِ اسلام، اس کے طریقوں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے اور جس کے ذریعے اس کے دشمن سے جہاد کیا جائے اور اس کی رعیت پر، اس کے نائبوں کو مقرر کیا جائے، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے بندوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں پر، ان کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اس کے حقوق کا قیام ضروری ہے نیز خلافت کے علاقوں میں عدل وانصاف کے اظہار، راستوں کے امن و امان، لوگوں کی جانوں کے تحفظ اور باہمی معاملات کی اصلاح وغیرہ کے لیے ان کے ساتھ تعاون ضروری ہے، اس کے برخلاف صورت میں مسلمانوں کے معاملات کا بگاڑ، ان کے دین کا مغلوب ہونا، ان کے دشمن کا غالب آنا اور کلمے کا متفرق ہونا اور دنیا وآخرت کا خسارہ لازم آتا ہے۔ لہٰذا ہر اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر اپنا نائب بنائے اور اپنی مخلوق پر اُسے اپنا معتمد بنائے، یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کو کھپا دے، اور اس کام کو ترجیح دے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور عدل وانصاف پر عمل پیرا ہو، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم دیا ہے اور اُسے اس کا متبع بتایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یا داوٗدُ اِنَّا جعلناک خلیفۃً فی الاَرْضِ (ص: ۲۶) اے داوٗد! ہم نے تجھے زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔

اور ہمیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر فرات کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کنارے ایک کتے کا بچہ بھی مر گیا تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ میرا اس پر مواخذہ کیا جائے گا، اس کے علاوہ ایسی روایات اور آثار صحابہ بہت سے ہیں۔

اور جب سے مجھے خلافت ملی ہے میں اس بات پر مسلسل غور و فکر کرتا آیا ہوں کہ میں کس شخص کے ذمہ اس کا معاملہ لگاؤں اور میں کسے ولی عہد سلطنت بناؤں، مجھے ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا کے سوا کوئی شخص اس کے لیے موزوں نہ ملا، اس لیے کہ میں نے ان میں بہت زیادہ فضیلت، نفع رساں علم اور ان کا باطنی اور ظاہری تقویٰ اور پرہیزگاری دیکھی ہے، اور ان کا دنیا اور اس کے رہنے والوں سے الگ ہونا اور آخرت کی طرف ان کا میلان، اس کے لیے ان کا ایثار دیکھا ہے اور یہ بات میرے نزدیک پوری طرح تحقیق سے ثابت ہوگئی ہے اور مجھے اس پر یقین ہوگیا ہے، اس لئے کہ اس کے متعلق خبریں متواتر اور زبانیں اس کے متعلق متفق ہیں، لہٰذا میں نے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائی کا یقین رکھتے ہوئے اور مسلمانوں کے حالات اور شعائر دینی کے قیام اور آخرت کے دن کی نجات اور کامیابی کے لئے ان کے لیے یہ معاہدہ لکھ دیا ہے۔

اور یہ معاہدہ عبداللہ (المامون) نے اپنے ہاتھ کے ساتھ لکھا، اس وقت رمضان المبارک ۲۰۱ھ کی تاریخ تھی اور اس پر میرے گھر والوں، میرے خاص لوگوں، میرے بیٹوں اور میرے اہل و عیال، میرے لشکر اور میرے غلاموں نے بیعت کی ہے، اے اللہ محمد ﷺ، آپ کے گھر والوں پر درود اور سلام نازل فرما۔"

دوسری روایت کی رو سے انہوں نے لکھا: "اور جب سے خلافت ان تک پہنچی ہے، اس وقت سے امیر المومنین غور و فکر کرتے رہے ہیں کہ اس کی ذمہ داری کسے سونپی جائے اور اسی مفہوم کی عبارت لکھی۔ امام علی بن موسیٰ الرضا نے اس کے بعد، اس معاہدے پر لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود ہو ہمارے آقا محمد ﷺ اور آپ کی پاک اور طاہر اولاد پر۔ میں کہتا ہوں، میں علی بن موسیٰ بن جعفر ہوں کہ امیر المومنین نے، اللہ تعالیٰ ان کو درست رکھ کر اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دے کر ان کی مدد کرے، ہمارے حق کو پہچانا، جس سے دوسرے لوگ غافل تھے اور انہوں نے رشتوں کو ملانے کا خیال رکھا ہے، جو ٹوٹ چکے تھے اور انہوں نے ایسے لوگوں کو امن دیا ہے جو گھبرائے ہوئے تھے، بلکہ انہوں نے انہیں زندگی بخشی ہے، جبکہ وہ ضائع ہو گئے تھے۔ یہ سب کچھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کیلئے کیا ہے وہ کسی اور سے اس کی جزا اور اس کا بدلہ نہیں چاہتے اور جلد ہی اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو بدلہ دے گا اور اپنے نیکوکار بندوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا......اور امیر المومنین نے ولایت عہد مجھے دی ہے اور اپنے بعد معاملے کی ذمہ داری مجھے سونپی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے، میرے لیے ان کے خلاف کرنا ممکن نہیں ہے اور اللہ کے روبرو میں یہ عہد کرتا ہوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کہ حرام طریقہ سے کسی کا خون نہیں بہاؤں گا اور نہ ہی کسی کی شرم گاہ کو یا کسی کے مال کو حلال سمجھوں گا، اور کفایت شعاری کو اپنی کوشش اور اپنی طاقت بناؤں گا اور میں جس حالت میں اس سے قبل رہا ہوں، اپنی اس حالت میں آخرت کے حالات کے بارے میں خود کو تبدیل نہیں کروں گا اور اگر خود کو بدل لوں یا کوئی نئی بات پیدا کروں تو میں تبدیلی کا مستحق اور سزا کے لیے خود کو پیش کرنے والا بن جاؤں گا، میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اسکی پناہ چاہتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے درمیان دوری کا خواہش مند ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

پھر یہ معاہدہ تمام ملکوں اور بیت اللہ کے پاس اور رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک اور منبر کے مابین پڑھا گیا اور اس کے متعلق مامون کے خاص لوگوں اور اکابر علماء نے گواہی دی، ان میں سے الفضل بن سہل شامل ہیں، جس نے اپنے ہاتھ سے لکھا:

"میں امیر المومنین عبداللہ المامون اور ابوالحسن علی بن موسیٰ بن جعفر کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے اس کے ذریعے مسلمانوں کے سامنے ایک حجت واجب کی ہے اور جاہلوں کے شبہات کو باطل کر دیا ہے۔"

اور فضل بن سہل نے بھی مذکورہ تاریخ میں تائیدی طور پر لکھا، اسی طرح عبداللہ بن طاہر، یحییٰ بن اکثم قاضی، حماد بن ابی حنیفہ، ابوبکر الصولی اور الوزیر المغربی، بشیر بن المعتمر اور دوسرے بہت سے لوگوں نے اس کی گواہی دی۔

اور الصولی نے نقل کیا ہے کہ جب المامون نے علی بن موسیٰ کی بیعت لی تو انہیں اپنے پہلو بٹھایا، اس وقت عباسی خطیب اٹھا اور اس نے بہت عمدہ گفتگو اور یہ شعر پڑھا:

لا بدّ للنّاس من شمسٍ ومن قمر　　فانت شمس وهذا ذالک القمر

"لوگوں کے لئے سورج اور چاند کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا تو سورج ہے اور یہ چاند ہے۔"

علمائے سیرت وسوانح نے لکھا ہے کہ جب مامون نے یہ کام کیا تو خاندانِ بنو عباس ان سے بگڑ گیا اور انہوں نے اُسے تختِ خلافت سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ ابراہیم بن المہدی کو تخت نشین کر لیا۔ اس وقت مامون الرشید "مرو" میں تھا، اور بنو عباس کے حامیوں کے دل بھی اس سے پھر گئے۔

جس پر امام علی بن موسیٰ الرضا نے اس سے کہا:

"اے امیر المومنین! آپ کی خیر خواہی ہم پر ضروری ہے اور منافقت (کھوٹ) کسی مومن کے لئے جائز نہیں۔ عام لوگ آپ کے اس عمل کو ناپسند کرتے ہیں، جو آپ نے میرے ساتھ کیا ہے اور آپ کے خواص الفضل بن سہل کو پسند نہیں کرتے، لہٰذا درست ترین رائے یہ ہے کہ ہم دونوں آپ سے دور ہو جائیں تا کہ خواص اور عام لوگ آپ کے ساتھ درست ہو جائیں اور آپ کا معاملہ بھی صحیح ہو جائے۔"

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ابوبکر الصولی نے اپنی کتاب ''الاوراق'' میں لکھا ہے کہ ہارون موسیٰ بن جعفر پر جب وہ اس کی قید میں تھے، ہر سال تین لاکھ درہم صرف کیا کرتا تھا اور انہوں نے اُسے بیس ہزار درہم پر راضی کرلیا۔ مامون نے علی بن موسیٰ الرضا سے کہا: میں آپ کا رتبہ آپ کے والد اور دادا سے نہیں بڑھاؤں گا، لہٰذا اس نے ان کے لیے یہی وظیفہ جاری کیا اور ایک لاکھ درہم انہیں بطور صلہ رحمی دیے۔

پھر جب مامون بغداد جانے کے ارادے سے مرو سے چلا اور سرخس کے مقام پر پہنچا، تو کچھ لوگوں نے فضل بن سہل پر حمام میں نہانے کے دوران حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا اور دوسری طرف علی بن موسیٰ بیمار پڑ گئے اور جب مامون طوس کے مقام پر پہنچا تو علی بن موسیٰ الرضا اسی جگہ ۲۰۳ھ میں انتقال فرما گئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حمام میں گئے اور پھر اس سے باہر نکلے پھر ان کے سامنے ایک تھال میں زہریلے انگور پیش کیے گئے، جن میں زہریلی سوئی سے زہر داخل کیا گیا تھا، مگر اس طرح کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو، انہوں نے اُسے کھایا تو وہ فوت ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۵ برس یا دوسری روایت کی رُو سے ۴۹ برس تھی، انہیں ہارون الرشید کے برابر میں دفن کیا گیا۔

اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں مامون نے زہر دیا تھا، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لیے جب امام علی بن موسیٰ کا انتقال ہوا، تو اس پر المامون بہت غمگین ہوا اور غم اس کے جسم سے ظاہر ہو رہا تھا، اور وہ کئی روز تک اسی حالت میں رہا کہ وہ نہ کھاتا تھا اور نہ پیتا تھا اور اس نے دوسری لذتوں کو بھی ترک کر دیا تھا، پھر جب وہ بغداد میں آیا اور جس میں وہ صفر ۲۰۴ھ میں داخل ہوا تو اس کا لباس اور اس کے تمام ساتھیوں کا لباس سبز تھا، اسی طرح ان کے جھنڈوں کی رنگت بھی سبز تھی (جو امام علی بن موسیٰ کے ہاں پسندیدہ رنگ تھا) اور المامون اس سے پہلے الحسن بن سہل کو بغداد بھیج چکا تھا، جس نے انہیں شکست دی اور ابراہیم بن المہدی زیرِ زمین چلا گیا اور مامون الرشید ''قصر رصافہ'' میں جا کر اُترا۔

الصولی نے لکھا ہے کہ بنو عباس کے لوگ زینب بنت سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس کے پاس اکٹھے ہوئے۔ جو انتہائی معمر اور منصور کی طرح سرداری کا مقام رکھتی تھی، ان سب نے اس سے درخواست کی کہ وہ المامون کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ وہ سبز رنگ کا لباس پہننا چھوڑ دے اور حسب سابق کالے رنگ کو دوبارہ اختیار کرلے...... اس لیے کہ اس نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ امام علی بن موسیٰ کے بعد ان کے صاحبزادے محمد بن علی بن موسیٰ کو اپنا ولی عہد بنائے گا۔

اسے اس عمل سے بنو عباس کے شور شرابے نے روک رکھا تھا، اس لیے کہ انہوں نے اس پر اصرار کیا تھا، تا آنکہ زینب اس سے ملنے آئی، مامون اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اسے مرحبا کہا اور اس کا بہت اکرام کیا۔ اس نے کہا:

''اے امیر المومنین...... بے شک آپ ابوطالب کے خاندان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا سلوک کرنے والے ہیں اور خلافت کے معاملے کا تیرے ہاتھ میں ہونا...... تیرے لیے ان کے ساتھ نیکی کے معاملے میں ان کے دوسرے کسی خاندان کے ہاتھ میں ہونے سے زیادہ قدرت والا ہے۔ لہٰذا آپ سبز رنگ پہننا چھوڑ دیں اور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اپنے گھر والوں کے لباس کی طرف لوٹ آئیں اور جو کچھ آپ کے پاس ہے، اس کے متعلق کسی اور کو طمع اور لالچ نہ دلائیں"۔

مامون کو ان کی باتیں سن کر تعجب ہوا اور اس سے کہا: اللہ کی قسم! اے پھوپھی جان کسی شخص نے اس انداز میں گفتگو نہیں کی، جس نے آپ کی گفتگو سے زیادہ میرے دل پر اثر کیا ہو، مگر جو کچھ آپ چاہتی ہیں، میں وہ نہیں کرنا چاہتا اور میں ان کا آپ کی عقل کے مطابق محاکمہ کروں گا۔ اس نے کہا وہ کیسے؟ اس نے کہا:

"کیا آپ نہیں جانتیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عبداللہ بن عباس ﷜ کو بصرے کا، عبیداللہ بن عباس کو یمن کا اور معبد کو مکے کا اور قثم بن عباس کو البحرین کا والی بنایا اور کسی ایسے شخص کو، جو حضرت عباس ﷜ کی طرف منسوب تھا، نہ چھوڑا، مگر اُسے ضرور کسی نہ کسی علاقے کا والی اور حاکم بنا دیا۔ ان کا یہ احسان ہماری گردنوں پر چلا آتا ہے، میں نے ان کے اس احسان کی، ان کی اولاد کے ساتھ، اسی طرح کا سلوک کر کے تلافی کی ہے"۔

زینب نے کہا: اے میرے بیٹے! تمہاری گفتگو کی اللہ ہی کے لئے خوبی ہے، لیکن ابو طالب کی اولاد یعنی تیرے چچازاد لوگوں کی مصلحت اسی میں ہے جو میں نے بیان کی ہے، مامون نے کہا وہی ہوگا جو تم لوگ چاہتے ہو۔

پھر اس نے اس معاملے میں اور محمد بن علی کو ولی عہد بنانے کے معاملے میں غور کیا، تو اس نے اسی میں مصلحت دیکھی کہ ان کی سیاسی بنیادیں گر جائیں گی اور ہوسکتا ہے کہ باہمی اختلاف کی بنا پر معاملہ خاندانِ عباس اور خاندانِ علیؓ سے باہر نکل جائے اور ابھی تک بنواُمیہ کے بچے کھچے لوگ موجود ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اس موقع کو غنیمت جانیں اور کوئی فتنہ برپا کر دیں، چنانچہ وہ خاندانِ عباس کے لوگوں کے پاس آ کر بیٹھا، ان سب کو جمع کیا اور کالے رنگ کی پوشاک منگوائی اور اُسے پہنا اور سبز رنگ کے لباس کو چھوڑ دیا اور دوسرے لوگوں نے بھی اسی طرح کا لباس پہننا شروع کر دیا، اسی طرح سبز رنگ کا لباس بغداد میں آٹھ دن کے سوا نہیں پہنا گیا۔

امام علی رضا کے مقابلہ میں چھ اشخاص کا دعویٰ امامت

جناب امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے مقابل چھ آدمیوں نے دعویٰ امامت کیا۔ یہ سب کے سب اہل بیت میں سے تھے اور حسنی حسینی سادات تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔	محمد بن ابراہیم	کوفہ میں امامت کا دعویٰ کیا
۲۔	محمد بن سلیمان	مدینہ منورہ میں امامت کا دعویٰ کیا۔
۳۔	علی بن محمد	بصرہ میں دعویٰ امامت کیا۔
۴۔	زید بن موسیٰ	بصرہ میں مدعیٔ امامت تھے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۵۔ ابراہیم بن موسیٰ یمن میں امامت کے دعویدار ہوئے۔

۶۔ محمد بن جعفر مکہ مکرمہ اور حجاز کے اردگرد علاقہ جات میں امامت کے مدعی تھے۔

ان حضرات کا امام علی رضا کے ساتھ خاندانی اور نسبی تعلق درج ذیل نقشہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

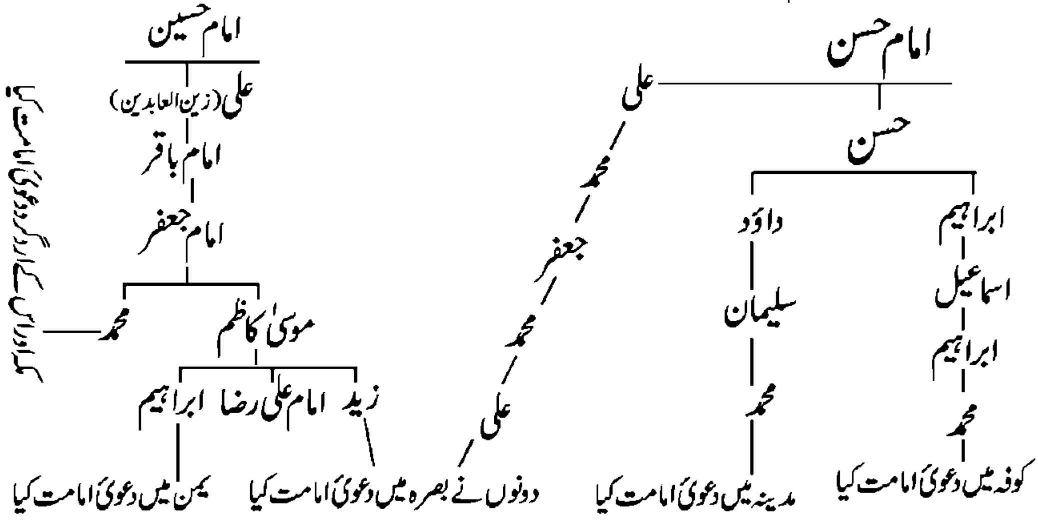

ابوالسرایا طباطبا اور کچھ علوی لوگوں کا خروج

۱۹۹ھ میں عراق کے اندر ابوالسرایا السری نے خروج کیا۔ اور اس کا معاملہ سخت ہوگیا۔ اس کے ساتھ محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن بن علی المرتضیٰ نے بھی خروج کیا۔ انہی کو ابن طباطبا کہتے ہیں۔ ادھر مدینہ منورہ میں محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن حسن بن علی المرتضیٰ نے خروج کیا۔ بصرہ میں خروج کرنے والے یہ دو شخص تھے۔ (۱) علی بن محمد بن جعفر بن محمد بن علی بن حسن بن علی المرتضیٰ (۲) زید بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی المرتضیٰ۔ انہوں نے بصرہ پر غلبہ بھی حاصل کرلیا۔

اسی سال (۱۹۹ھ) ابن طباطبا کا انتقال ہوگیا۔ چونکہ ان کی امامت کی طرف دعوت دینے والا ابوالسرایا تھا، لہٰذا اس نے ان کی جگہ محمد بن یحییٰ بن زید بن علی بن حسین بن علی المرتضیٰؓ کو امامت کے منصب پر کھڑا کردیا۔ اور اسی سال یمن میں ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسن بن علی المرتضیٰؓ مدعیٔ امامت ہوئے۔ اور خلیفہ مامون الرشید کے دور میں مکہ اور حجاز کے گردونواح میں محمد بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے امامت کا دعویٰ کیا۔ یہ ۲۰۰ھ کا واقعہ ہے۔ انہوں نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت بھی دی۔ [1]

مقاتل الطالبین میں ہے:

1۔ مروج الذہب للمسعودی ج ۳ ص ۴۳۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''محمد اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن جعفر کے ساتھی ان کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور ہارون المسیب کے ساتھ مکہ میں سخت لڑائی کی۔ اس جماعت میں حسین بن حسن افطس، محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن حسن، محمد بن الحسن المعروف بہ سلیق، علی بن عیسیٰ بن زید، علی بن حسین بن زید اور علی بن جعفر بن محمد تھے۔ اس جماعت نے ہارون المسیب کے لشکر میں سے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا۔ اور ہارون المسیب کو محمد بن جعفر کی جماعت میں سے ایک خصی آدمی نے نیزہ مار کر زمین پر گرا دیا۔''[1]

گزشتہ حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ان کے بالکل قریبی چھ رشتہ داروں نے امامت کا دعویٰ کیا۔ ان حضرات کے فضائل و مناقب سے کتبِ اہل تشیع بھری پڑی ہیں۔ ان چھ میں سے محمد بن جعفر وہ شخصیت ہیں جو قائم اللیل، صائم الدہر، سخی، عالم بے مثال، محدث یکتا اور ہم شکلِ مصطفیٰ ﷺ بھی ہیں۔ دعویٰ امامت میں انہیں کامیابی بھی حاصل ہوئی، اور اس کے ساتھ ساتھ خلافت کرنے کا موقعہ بھی پایا، جس کی وجہ سے ''امیر المومنین'' کہلائے اور یہ لقب امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد کسی بھی اہل بیت کے امام کو نہ مل سکا۔ مدینہ کے تمام لوگوں نے انہیں امام و خلیفہ تسلیم کیا۔ اور پھر ان کی بیعت میں ہارون المسیب سے جنگ بھی لڑی۔

اگر امام علی رضا رضی اللہ عنہ کی امامت بقول اہل تشیع منصوص من اللہ ہوتی، تو اس شرط کا اہل بیت میں سے کسی نہ کسی کو ضرور علم ہوتا۔ اور امام علی رضا کو تو یقینا ہوتا۔ بلکہ ان کے مقابل امام محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کو بھی ہوتا۔ کیونکہ آپ بہت بڑے عالم، محدث اور زاہد تھے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ اگر میں نے امامت کا دعویٰ کیا، تو عالم، محدث اور زاہد و عابد کہاں مسلمان بھی نہ رہوں گا۔ لیکن انہوں نے دعویٰ امامت کیا۔ لوگوں نے ان کی بیعت کی اور امام و خلیفہ تسلیم کیا۔ نہ کسی نے مذکورہ شرطِ امامت پیش کی اور نہ ہی امام علی رضا نے اس کو وجہ اعتراض بنایا۔

بلکہ امام علی رضا کے چچا علی بن جعفر نے تو ان کی مخالفت کرنے پر مخالفین کو 'باغی'' قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

اِی و اللہ نحن عمومتہ بغینا علیہ۔[2]

''خدا کی قسم! ہم ان کے چچا ہیں، ہم نے بھی ان کے خلاف بغاوت کی۔''

تو معلوم ہوا کہ اہل تشیع کا امامت و خلافت کے لئے ''منصوص من اللہ'' کی شرط لگانا بالکل لغو اور باطل محض ہے۔ ورنہ اس کو تسلیم کرنے کی صورت میں امام علی رضا کے بھائی ان کے چچا اسلام سے خارج ہو جائیں گے اور روسیاہ جہنمی قرار پائیں گے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)[3]

حضرت علی رضا کی شیعوں پر برہمی

1۔ مقاتل الطالبین ص ۵۴۰ تذکرہ محمد بن جعفر
2۔ اصول کافی جلد اول کتاب الحجۃ باب ۱۷ ص ۲۸۰
3۔ عقائد جعفریہ جلد دوم ص ۱۶۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علی رضا اپنے آباؤ اجداد کے حالات و واقعات سے نصیحت حاصل کرنے والے بزرگ تھے، اور وہ ''شیعانِ علی'' کے کام اور مقام سے اچھی طرح واقف تھے۔

چنانچہ آپؒ سے روایت ہے کہ اگر ''شیعوں'' کو کسوٹی پر لے جاؤں تو انہیں صرف زبانی جمع خرچ کرنے والا پاؤں گا۔ اور اگر امتحان لوں گا تو مرتد ہی نکلیں گے۔ اگر ان کا نچوڑ نکالوں تو ہزار میں سے ایک بھی خالص اور مخلص نہیں ملے گا۔ حتیٰ کہ فرمایا، مسندیں لگا کر بیٹھے ہوئے کہتے ہیں کہ ''شیعانِ علی'' ہیں۔ لیکن علیؓ کا شیعہ وہی ہے جس کا فعل اس کے قول کے مطابق ہو۔

حضرت حسن عسکری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوئی کہ فلاں اپنے ہمسایہ میں نامحرم عورتوں کو دیکھتا ہے، اور اسے کوئی گناہ نہیں سمجھتا۔ آپ نے اُسے بلوایا۔ کسی نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ آپ کا شیعہ ہے۔ آپ کا شیعہ ہے۔ آپ کی نبوت، علی کی ولایت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور آپ کے دشمنوں سے بیزاری کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''یہ نہ کہو کہ وہ ہمارا شیعہ ہے، کیونکہ یقیناً وہ جھوٹ بکتا ہے۔ غور سے سننا، ہمارا شیعہ وہ ہے جو اعمال میں ہماری متابعت کرے۔ اور جو کچھ اس آدمی کے بارے میں تو نے ذکر کیا، وہ ہمارے اعمال میں سے نہیں۔'' (لہٰذا وہ ہمارا شیعہ نہیں)[1]

روضہ کافی میں سے بھی حضرت امام رضا کا ایک فرمان ملاحظہ فرمایئے:

> قال حدثنی موسی بن بکر الواسطی قال قال لی ابو الحسن علیه السلام لو مَیَّزت شیعتی لم اجدهم اِلَّا واصفةً ولوِ امتحنتُهُم لما وَجَدتم اِلَّا مرتدین ولو تخلصتُهم لما خلص من الالف واحِدٌ وَلو غربتُهم غربةً لم یبقَ منهم اِلَّا ما کان لی انَّهم طال ما اِتَّکئُوا علی الارآء ک فقالوا نحنُ شیعة علیٍ اِنَّما شیعةُ علیٍ مَن صدَّق قولهُ فعلهُ۔[2]

> ''موسیٰ بن بکر واسطی نے کہا، مجھے حضرت علی رضا نے بتایا، اگر میں اپنے شیعوں کو پرکھوں، تو صرف باتونی نکلیں گے، اگر میں امتحان لوں تو مرتدین کا ٹولہ نظر آئے گا۔ اور خلوص دیکھوں تو ہزار میں سے ایک بھی مخلص نہ ملے گا۔ اگر تحقیق سے چھان بین کروں تو ایک بھی نہ بچے گا۔ عرصہ دراز سے مسندوں پر تکیہ لگائے کہتے ہیں ہم شیعانِ علی ہیں۔ علیؓ کا شیعہ تو وہ ہوتا ہے جس کا فعل اس کی تصدیق کرے۔ (اور یہ بات ان سے کوسوں دور ہے محض زبانی جمع خرچ کرنے سے علیؓ کا شیعہ نہیں بنا جاسکتا)۔''

خلاصۂ کلام

امام رضا رحمہ اللہ نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بات کی۔ کہ بہت سے اپنے آپ کو ''شیعانِ علی'' کہتے ہیں۔ لیکن انتہائی بدعمل اور کذاب ہیں۔ اور پرکھنے پر ہزار میں سے ایک بھی خالص مومن نہ نکلے گا۔ مومن ہونا تو کجا وہ تو مرتد ہیں۔

1۔ حلیۃ المتقین مع مجمع المعارف ص ۷ مطبوعہ تہران

2...... روضہ کافی جلد نمبر ۸ ص ۲۲۸۔ انما شیعۃ علی من صدق قولہ فعلہ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید طبع قدیم ص ۱۰۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عرصۂ دراز سے ان کی یہی رٹ ہے کہ ہم "شیعانِ علی" ہیں۔ اور بڑی بڑی مسندوں پر بیٹھ کر اس کا ادعا کرتے ہیں لیکن ان کے قول و عمل کا تضاد اس بات کا شاہد ہے کہ وہ ہمارے شیعہ نہیں ہیں۔ ائمہ اہل بیت کے فتویٰ کے مطابق یہ لوگ مومن مخلص تو کجا فقط مومن بھی نہیں بلکہ مرتد ہیں۔ اگرچہ ہر دور میں یہ اپنے سوا کسی کو مومن کہتے ہی نہیں۔ [1]

امام رضا کی جانب سے مشہور شیعہ راویوں پر کذب بیانی کے سبب لعنت

رجال کشی کی عبارت ملاحظہ ہو:

وابی یحیی الواسطی قال قال ابو الحسن الرضا علیه السلام کان بنان یکذب علٰی علیّ بن الحسین علیه السلام فاذاقه اللّٰہ حرّ الحدید و کان مغیرة بن سعیدٍ یکذب علی ابی جعفر علیه السلام فاذاقه اللّٰہ حرّ الحدید و کان محمّد بن بشیرٍ یکذب علٰی ابی الحسن موسٰی علیه السلام فاذاقه اللّٰہ حرّ الحدید و کان ابو الخطّاب یکذب علٰی ابی عبد اللّٰہ علیه السلام فاذاقه اللّٰہ حرّ الحدید و الذی یکذب علٰی محمّد بن فراتٍ۔ [2]

"ابو یحییٰ واسطی نے کہا کہ امام رضا نے فرمایا: بنان، علی بن حسین پر اتہام کرتا تھا، مغیرہ بن سعید ابو جعفر رضی اللہ عنہ پر اتہام کرتا تھا، اور محمد بن بشیر امام موسیٰ کاظم پر اتہام کرتا تھا، اور ابو الخطاب امام جعفر صادق پر اتہام اور محمد بن فرات کی بھی تکذیب کرتا تھا، اللہ تعالیٰ ان سب تکذیب کرنے والوں کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے۔"

شیعہ مذہب کے معتمد راوی اور ان پر امام رضا کی لعنت

گذشتہ روایات میں جن بنان، مغیرہ ابن سعید، محمد بن بشیر اور ابو الخطاب پر امام رضاؒ نے لعنت فرمائی ہے، یہ شیعہ حضرات کے معتمد راویوں میں سے ہیں۔ اکثر و بیشتر صحاحِ اربعہ کی روایات کے یہی راوی ہیں۔ جب ان قابل اعتماد رواۃ کے بارے میں حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ نے اس قدر سخت بد دعا کی کہ اللہ ان کو دوزخ میں لوہے کا گرم عذاب دے...... تو اہلِ علم کے نزدیک یہ نہائت قابلِ غور اور قابلِ عبرت ہے! ان کی روایات کا کیا مقام ہوگا؟؟

پھر جن کتابوں میں ان "گروؤں" کی روایات مذکور ہیں وہ کس درجہ کی کتب شمار ہوسکتی ہیں؟؟

امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کے بعد شیعہ پانچ گروہوں میں تقسیم ہو گئے

پہلا گروہ:۔ امام علی رضا کے سات سالہ بیٹے محمد علی (امام جواد) کو امام مانتا ہے۔

دوسرا گروہ:۔ امام علی رضا کے بعد ان کے بھائی احمد بن موسیٰ کو امام مانتا ہے کیونکہ امام علی رضا نے اس کیلئے وصیت کی تھی۔

1۔ عقائد جعفریہ ج ۱ ص ۳۰۴

2۔ رجال کشی صفحہ نمبر ۲۵۶۔ مطبوعہ کربلا تذکرہ ابو الخطاب

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تیسرا گروہ:۔ امام علی رضا کے بعد ان کی بھی امامت کا یہ کہہ کر منکر ہوگیا کہ وہ چھوٹا بیٹا چھوڑ کر کیوں مرے، لہٰذا اس کا کہنا ہے کہ امامت امام موسیٰ کاظم پر ختم ہوگئی تھی۔

چوتھا گروہ:۔ امام علی رضا کے بعد عقیدۂ امامت ہی سے منحرف ہوگیا اور مرجئہ مذہب اختیار کرلیا۔

پانچواں گروہ:۔ امام علی رضا کے بعد موسوی سلسلہ سے منحرف ہوکر زیدیہ میں شامل ہوگیا۔(فرق الشیعہ۔علامہ نوبختی)

پہلی دوصدیوں میں نمایاں ہونے والے

غالی شیعہ فرقے

امام علی رضا کا انتقال ۲۰۳ھ میں یعنی تیسری صدی ہجری کے بالکل ابتدا میں ہوا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے چلنے سے قبل ہم پہلی دوصدیوں میں نمایاں ہونے والے غالی شیعہ فرقوں اور ان کی کارکردگی کا خلاصہ ذہن نشین کرلیں۔

شیعہ عقائد کا غالی فرقوں کے افکار کے ساتھ کس قدر تعلق ہے، اس کے جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے ان عقائد وافکار کو معلوم کریں جنہیں ان غالی فرقوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر انہیں رواج دیا۔اور غالی شیعوں کا اطلاق ان تمام فرقوں پر ہوتا ہے جنہوں نے اہل بیت کے حق میں اتنا غلو کیا کہ انہیں مخلوق کی حد سے نکال کر ان کے لیے خدائی احکام جاری کردیے۔ [1]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق غلو چار چیزوں سے آتا ہے، رائے میں گہری سوچ اور اس میں جھگڑا کرنا، کجی اور تفرقہ بازی [2]۔اب ہم ان غالی فرقوں کا ذکر کرتے ہیں:

1۔ الملل والنحل للشہرستانی ۲/۲۱۵

2۔ وسائل الشیعہ الحر العاملی ۶/۲۷۱

3۔ عبداللہ بن سبا(یہودی) کے ماننے والے، ابن سبا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں اپنی دعوت پھیلانی شروع کی اور نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ علی ہی اللہ ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے برأت کا اظہار کیا اور اسے مدائن کی طرف جلاوطن کردیا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے توبہ کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی لیکن اس نے توبہ نہیں کی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے آگ میں جلادیا۔حضرت زین العابدین اور حضرت جعفر صادق رحمہما اللہ نے اس پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا تھا۔

دیکھو معجم رجال الحدیث الخوئی ۱۰/۲۰۰۔الکشی ۹۹۔فرق الشیعہ نوبختی۔المقالات، الاشعری القمی ۲۰۔الملل والنحل للشہرستانی ۲/۱۱۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ا۔ السبئیۃ[3]

یہ پہلا فرقہ ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کا اظہار و اعلان کیا اور اسی سے باقی غالی فرقے پھوٹ کر نکلے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل نہیں ہوئے اور ان میں خدا کا جز پایا جاتا ہے، نیز یہ لوگ رجعت اور تناسخ جیسے عقائد کے قائل ہوئے۔

۲۔ الکیسانیۃ[1]

اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ دین ایک شخص کی اطاعت کا نام ہے۔ نیز یہ لوگ تناسخ، حلول، رجعت، عصمت، بداء کے

1۔ کیسانیہ کی نسبت کیسان کی طرف ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ بجیبہ کا آزاد کردہ غلام تھا اور اس کا نام ذاذان فارسی تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مختار نے اس کا یہ لقب رکھا ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا تھا: یا کیس! یا کیس! اس کا تثنیہ کیسان بنا دیا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت (۶۰ھ) کے بعد یہ فرقہ پیدا ہوا، اور ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی محمد بن حنفیہ کی طرف دعوت دینے لگا۔ مختار بن عبید ثقفی کی تحریک میں جو ۶۱ھ سے ۸۱ھ تک رہی، اس نے اپنا کردار ادا کیا اور محمد بن حنفیہ کے بعد یہ فرقہ بھی کئی فرقوں میں بٹ گیا۔ دیکھو الملل والنحل شہرستانی ۲/ ۶۹۔ معجم رجال الحدیث خوئی ۱۸/ ۱۱۸۔ تاریخ المذاہب الفقہیۃ ابوزہرہ ۴۷۔ الصلۃ بین التصوف والتشیع دکتور کامل مصطفی الشیبی ۱۶۵۔ ۱۲۶۔ عیون الاخبار للقرشی ۴/ ۲۴۶۔ ۲۹۷۔ ۳۰۰

2۔ بیان بن سمعان کے ماننے والے۔ علی زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں ۶۱ھ تا ۹۴ھ تک رہے۔ یہ بیان حضرت زین العابدین رحمہ اللہ پر جھوٹ بولتا تھا۔

3۔ یہ ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ کے اتباع تھے اور ابوہاشم کو کیسانیہ کا امام مانتے تھے اور اسی سے بیعت بنی عباس کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ یہ فرقہ حضرت امام باقر اور سلیمان بن ملک کی خلافت کے دور میں ۹۶ھ سے ۹۹ھ تک رہا۔

4۔ حمزہ بن عمارہ کی جماعت۔ امام باقر اور امام جعفر صادق رحمہما اللہ کے زمانہ ۹۴ھ سے ۱۴۸ھ تک رہے۔ اس حمزہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی بیٹی سے خود نکاح کر لیا تھا اور تمام محرم عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا تھا اور کہتا تھا جس نے امام کو پہچان لیا وہ جو چاہے کرتا رہے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔

5۔ محمد بن عبداللہ بن عباس کے ماننے والے۔ ابوہاشم کی وفات کے بعد (۹۹ھ) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ ابوہاشم نے مرنے سے پہلے محمد بن عبداللہ کے لیے وصیت کی ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس کی طرف بھیجا ہے۔

6۔ عبداللہ بن حرب کی جماعت۔ حضرت صادق رحمہ اللہ کے زمانہ ۱۱۴۔ ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ابوہاشم سے امامت منتقل ہو کر امام صادق کے پاس آ گئی ہے۔ ان میں سے ایک جماعت نے زنا اور غیر فطری فعل کو جائز قرار دیا۔

مذکورہ فرقوں کے بارے میں مزید دیکھو۔ المقالات للاشعری القمی ۲۱/ ۴۳۔ معجم رجال الحدیث ۱۰/ ۳۳۱

7۔ ابوالخطاب محمد بن مقلاص اسدی کی پارٹی۔ پہلے یہ شخص اپنی نسبت حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف کرتا تھا۔ جب اس نے غلو شروع کر دیا تو حضرت جعفر نے اس سے برأت کی اور اس پر لعنت بھیجی۔ پھر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کے بارے میں حضرت صادق ؒ نے فرمایا کہ اس نے کوفہ والوں کو بگاڑ دیا ہے کہ جب تک شفق غائب ہو کر تارے نظر نہ آئیں وہ مغرب کی نماز نہیں پڑھتے۔ .... بقیہ اگلے صفحہ پر ....

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قائل تھے اور کہتے تھے کہ ہر چیز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔

اور اسی کیسانیہ سے دوسرے فرقے بیانیہ[2]، ہاشمیہ[3]، حمزیہ[4]، رواندیہ[5] اور حربیہ[6] پیدا ہوئے۔

۳۔ الخطابیہ[7]

یہ وہ فرقہ ہے جنہوں نے پہلے کہا تھا کہ ائمہ انبیاء ہیں۔ پھر کہا کہ وہ اِلٰہ ہیں اور جب انہوں نے حضرت جعفر صادق اور ان کے باپ دادا کی الوہیت کا اعلان کیا تو اس کے ساتھ زنا اور لواطت، چوری، شراب نوشی، جھوٹی گواہی اور فرائض کو ترک کرنے کی بھی اجازت دے دی، اور ابوالخطاب کے قتل کے بعد اس کے اتباع میں پھوٹ پڑ گئی اور ہر ایک یہ دعویٰ کرنے لگا کہ امامت اس کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔ پھر اس کے مختلف فرقے بن گئے۔

۱۔ **معمریہ:** جو معمر بن احمد کے متبعین تھے۔

۲۔ **بزیعیۃ:** جو بذلیع کے مرید تھے۔

۳۔ **صائدیہ:** جو صائد کے ساتھی۔

۴۔ **بشیریہ:** محمد بن بشیر کی جماعت۔

حضرت جعفر صادقؒ نے ان سب سے برأت کا اظہار فرمایا اور سب پر لعنت بھیجی۔

۴۔ المنصوریۃ[1]

یہ کہتے تھے کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان ہیں اور شیعہ زمین ہیں۔ اور مجوسیوں کی طرح انہوں نے بھی

بقیہ حاشیہ..........

ابوجعفر منصور (۱۳۶۔۱۵۸ھ) کے عہد خلافت میں یہ فتنہ ظاہر ہوا۔ اور جب انہوں نے ابوالخطاب کی نبوت کی دعوت دینی شروع کی اور محرمات کو حلال قرار دیا تو ابوجعفر منصور کے کوفہ کے گورنر عیسیٰ بن موسیٰ نے انکی طرف ایک شخص کو بھیجا جس نے سب کو قتل کر دیا اور ان میں سے ایک کے علاوہ کوئی زندہ نہیں بچا۔

دیکھو معجم رجال الحدیث خوئی ۱۴ / ۲۵۸۔ المقالات، للاشعری القمی ۵۰۔۵۶۔ عیون الاخبار القرشی ۴ / ۲۸۷۔۲۹۰

1۔ ابومنصور عجلی کے ماننے والے۔ ابومنصور پہلے اپنی نسبت حضرت محمد باقرؒ کی طرف کرتا تھا، جب اس نے غلو شروع کیا تو امام محمد باقرؒ نے اس سے برأت کا اعلان کیا اور اسے اپنی مجلس سے بھگا دیا۔ تب اس نے خود امامت کا دعویٰ شروع کر دیا۔ امام محمد باقرؒ کے زمانہ (۹۴۔۱۱۴ھ) میں اس کا فتنہ ظاہر ہوا۔ دیکھو المقالات الاشعری ۴۷۔ فرق الشیعہ نوبختی ۳۸۔ الملل والنحل الشہرستانی ۲ / ۱۲۳۔ عیون الاخبار القرشی ۴ / ۲۸۷۔

2۔ یہ فرقہ مغیرہ بن سعید عجلی کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص حضرت محمد باقرؒ کے زمانہ (۹۴۔۱۱۴ھ) میں تھا اور جھوٹ گھڑتا تھا اور امام محمد باقرؒ کے ساتھیوں کی کتابوں میں کفر اور زندقہ کی باتوں کا اضافہ کرتا تھا۔ خود اپنی امامت اور نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور امام محمد باقر کی امامت کو نہیں مانتا تھا اس نے ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں دعویٰ کیا جب کہ عراق پر ان کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری تھے۔ ۱۰۵ھ

دیکھو معجم رجال الحدیث الخوئی ۱۴ / ۲۶۰۔ الملل والنحل الشہرستانی ۲ / ۱۲۰۔ عیون الاخبار للقرشی ۴ / ۲۴۷۔۲۵۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ماں اور بیٹی سے نکاح کو حلال قرار دیا اور نبوت اور رسالت کا نام امامت رکھ دیا۔

۵۔المغیریہ [2]

یہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت آدم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل جانتا تھا اور غیبت اور رجعت کا قائل تھا۔

۶۔العلبائیہ [1]

یہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل جانتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا انکار کرتے تھے۔ انکار کا نظریہ یہ تھا کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بندے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رب ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رب نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

۷۔الھشامیہ [2]

ان کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے معصیت کا صدور ممکن ہے۔ جبکہ ائمہ کو معصومین مانتے ہیں۔ حضرت علی

1۔ بشار شعیری کے متبعین تھے اور ایک قول یہ ہے کہ علباء بن ذرع دوسی کے ماننے والے تھے۔ حضرت جعفر صادق ؒ کے زمانہ ۱۱۴۔۱۴۸ھ میں تھے۔ حضرت جعفر صادق ؒ نے بشار کے بارے میں فرمایا کہ یہ بشار شیطان بن شیطان ہے۔ اسے سمندر سے نکالا گیا ہے اور اس نے میرے دوستوں اور ساتھیوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ دیکھو معجم رجال الحدیث خوئی ۳/ ۳۰۴ ذیل کتاب شرح المواقف، الکرمانی ۴۳۔

2۔ ہشام بن الحکم کے اتباع ہشامیہ کہلائے۔ بڑا گندا اور خبیث انسان تھا۔ اپنا مذہب چھوڑ کر امام جعفر صادق ؒ کے ساتھ مل گیا۔ اس نے حضرت صادق ؒ اور حضرت کاظم کا زمانہ (۱۱۴۔ ۱۸۳ھ) پایا۔ سب سے پہلے وصیت اور منصوص امامت کا قول اس نے کہا، اور عقلی طور پر اپنے مذہب کو اس نے منقح کیا۔ یحییٰ بن خالد برمکی سے مل گیا تھا اور اس کی گفتگو کی مجالس کا منتظم یہی تھا۔ اس کی مشہور کتاب ''الامامۃ'' ہے۔ تشبیہ کا قائل تھا۔ اس لیے ائمہ اہل بیت نے اس سے برأت کا اعلان کیا اور اس کی مذمت کی۔ پھر اس کے ساتھی اور شاگرد محمد بن الخلیل نے اس کا اسلوب اختیار کیا اور اس سے بہت کچھ سیکھا اور اس نے بھی ''الامامۃ'' کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں ان لوگوں کا رَد کیا جو امامت بالنص کے وجوب کو نہیں مانتے۔ ان پر اس میں رَد کیا ہے۔ دیکھو معجم رجال الحدیث خوئی ۱۹/ ۲۳۱۔ ۱۶/ ۸۴۔ الملل والنحل شہرستانی ۲/ ۱۳۵۔ الفہرست الطوسی ۲۰۳۔ التوحید ابن بابویہ ۹۷/ ۱۰۴

3۔ یہ فرقہ محمد بن علی بن نعمان احول کی طرف منسوب ہے اور اسے مومن الطاق بھی کہتے ہیں۔ اس کی ایک کتاب ہے جس میں ایسی احادیث ذکر کی گئی ہیں جو اس کے فسادِ عقیدہ کو بتاتی ہیں لیکن اس کا مشہور لقب ''شیطان الطاق'' ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ عوام الناس نے اس کا یہ لقب رکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ طوسی نے بھی اس کو اسی لقب سے یاد کیا ہے۔ جہاں اس نے ہشام بن ملک کی تالیقات کا ذکر کیا ہے ان میں ایک کتاب کو اس عنوان سے یاد کیا ہے: ''کتاب الرّد علی شیطان الطاق''۔ حضرت جعفر صادق سے اس نے بغاوت کی۔ قیاس بہت کرتا تھا اور امام صادق کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتا تھا جن کے وہ قائل نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: اگر میں اس کی باتوں پر ہاں کروں اور ان سے رضا کا اظہار کروں تو میں گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ .... بقیہ اگلے صفحہ پر ....

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رضی اللہ عنہ کی الوہیت اور ان کے واجب اطاعت ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) جسم ہے اور جب تک کوئی چیز وجود میں نہ آ جائے اس کا علم اللہ کو نہیں ہوتا۔

۸۔ النعمانیہ[3]

نظریہ تناسخ حلول اور رجعت کے قائل تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ کسی چیز کے وجود سے پہلے اس کا علم نہیں ہوتا۔

۹۔ الاسحاقیہ والنصیریہ[1]

یہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ مانتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے موجود تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں بھی انہیں شریک ٹھہراتے ہیں۔ ائمہ پر الوہیت کے اطلاق کی کیفیت میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ تناسخ کے قائل تھے، محرم عورتوں سے نکاح کو مباح سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ مردوں سے نکاح کو بھی جائز قرار دیتے تھے۔

.........بقیہ حاشیہ.........اس کے کفریہ اقوال میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ ناف تک اندر سے بالکل خالی ہے اور اس کا باقی حصہ ٹھوس ہے۔ جب اس کی بات امام ابوالحسن الرضا تک پہنچی تو سجدے میں گر پڑے اور اس پر نکیر کی۔ امام صادق کے زمانہ (۱۱۴۔۱۴۸ھ) میں اس کا فتنہ قائم رہا۔ دیکھو معجم رجال الحدیث ۱۷/۳۶۔۱۹/۳۳۱۔ الفہرست طوسی ۲۱۳۔ الملل والنحل شہرستانی ۲/۱۳۷۔ التوحید ابن بابویہ۔ ۱۱۳

1۔ اسحاقیہ کی نسبت اسحاق بن محمد نخعی ابو یعقوب احمد کی طرف ہے۔ امام جعفر صادق کے زمانے (۱۱۴۔۱۴۸ھ) میں تھے۔ نیز اسحاق نے ہشام بن الحکم کا زمانہ بھی پایا ہے۔ اس کی کتابوں میں ایک کتاب "مجالس ہشام" بھی ہے۔ فاسد المذہب اور کذاب تھا اور جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا۔

اسحاقیہ کے بعد دوسرا فرقہ نصیریہ پیدا ہوا۔ جو اسی کی ایک شاخ شمار ہوتی ہے۔ اس کی نسبت محمد بن نصیر نمیری کی طرف ہے جو موالی میں سے تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ امام ابوالحسن عسکری کی مدتِ امامت میں ظاہر ہوا (۲۲۰۔ ۲۵۴ھ) اور ان کے بارے میں پہلے غلو اختیار کیا، پھر ان کا ساتھی بن گیا۔ اور ان کی وفات کے بعد اپنے باب ہونے کا دعویٰ کیا۔ محارم عورتوں کے نکاح کو بھی اس نے جائز قرار دیا۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ میں نے اسے اس حال میں دیکھا کہ ایک نوجوان اس کی پیٹھ پر تھا (یعنی یہ اس سے لواطت کرا رہا تھا) اس کے مرنے کے بعد اس کے اتباع تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ دیکھو معجم رجال الحدیث الخوئی ۳/۶۶، ۱۷/۳۳۶۔ الملل والنحل شہرستانی ۲/۱۳۹، ذیل کتاب شرح المواقف للکرمانی ۴۸، الغیبۃ الطوسی ۲۴۴۔

2۔ امام جعفر صادق ؒ کی وفات ۱۴۸ھ کے بعد یہ فرقہ پیدا ہوا اور ان کی اولاد میں سے اسماعیل کی امامت کا قائل ہوا۔ اور اسی کی طرف منسوب ہوا اور موسیٰ کاظم ؒ کی امامت کا قائل نہیں اور دلیل میں ائمہ کی وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں امامت کا حقدار اولاد میں سے بڑے بیٹے کو قرار دیا گیا ہے اور اسماعیل امام جعفر کے بڑے بیٹے تھے۔

3۔ رامزیہ ایک شخص رامز کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۰ھ کے بعد ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو امام مانتے ہیں۔ ان کے بعد ابو ہاشم، پھر علی بن عبداللہ بن عباس کو بطور وصیت، پھر محمد بن علی، پھر ان کے بیٹے ابراہیم کو جو ابو مسلم خراسانی (۱۰۰۔۱۳۷ھ) کا دوست تھا۔ ابو مسلم کے دور میں رامز یہ فرقہ پیدا ہوا اور مسلمیہ کے مشہور ہوا اور ابراہیم کی امامت کا قائل ہوا۔ ....بقیہ اگلے صفحہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaqi

۱۰۔ الاسماعیلیۃ[2]

اس فرقے کے عقائد ونظریات اور کارکردگی کا مفصل بیان ہو چکا ہے۔

۱۱۔ الرامزیہ والمسلمیۃ[3]

انہوں نے محرمات کو مباح اور ترکِ فرائض کو جائز قرار دیا۔

۱۲۔ الغلاۃ من الواقفہ[1]

یہ امام ابوالحسن کی ربوبیت اور حج زکوٰۃ وغیرہ فرائض کے ترک کے قائل تھے۔ محارم کے نکاح، زنا اور غیر فطری جیسے گندے افعال کو مباح سمجھتے تھے۔

۱۳۔ المفوضۃ[2]

یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم کی ارواح پیدا کر کے کائنات کو ان کے سپرد کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے زمین اور آسمان پیدا کئے۔

۱۴۔ الغُرابیۃ[3]

..........بقیہ حاشیہ.......... اس عقیدہ کی بنا پر کہ اس میں روحِ الٰہیہ حلول کئے ہوئے ہے اور ایک قول کے مطابق ابومسلم کیسانیہ کے مذہب پر تھا اور انہی کے داعیوں سے اس نے یہ مذہب لیا تھا۔

ابومسلم خراسانی امام جعفر صادق کے دور (۱۱۴۔۱۴۸ھ) میں تھا اور یہ بنواُمیہ کا آخری دور تھا۔ اس نے امام جعفر صادق کو لکھا کہ میں نے دعوت دینا شروع کر دیا ہے اور بنواُمیہ سے ہٹا کر اہل بیت کی موالات کی طرف بلا رہا ہوں۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو آپ پر مزید ذمہ داری نہیں ڈالی جائے گی۔ جب امام جعفر صادق نے اس کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تو وہ بنی عباس کی جانب مائل ہو گیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کے اتباع میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کہتے تھے کہ وہ زندہ ہے مرا نہیں، دوبارہ ظاہر ہو کر زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا اور بعضوں نے کہا کہ یقیناً وہ مر چکا ہے اور انہوں نے اس کی بیٹی فاطمہ کو امام مانا اور فاطمیہ کہلائے۔

دیکھو مروج الذہب ۳/ ۲۹۳ مسعودی۔ المقالات الاشعری القمی ۶۴۔ الملل والنحل شہرستانی ۱/ ۲۰۲۔۲۰۷

1۔ یہ لوگ محمد بن بشیر نامی شخص کے اتباع تھے اور امام ابوالحسن موسیٰ کے دور (۱۴۸۔۱۸۳ھ) میں ہوئے ہیں اور جب اس نے ان کے حق میں غلو شروع کر دیا تو امام موسیٰ نے ان سے برأت کا اظہار کیا اور اس پر لعنت بھیجی اور جب ان کی وفات ہوئی تو اس نے دعویٰ کیا کہ امامت ان پر موقوف ہو چکی ہے اور ان کی ربوبیت کا بھی دعویٰ کیا۔ نیز یہ کہ جب امام ابوالحسن موسیٰ غائب ہو گئے تو انہوں نے مجھے اپنا وصی ٹھہرایا اور امام موسیٰ کی اولاد میں سے جس نے بھی امامت کا دعویٰ کیا انہوں نے اسے جھٹلایا اور اس کی تکفیر کی۔ دیکھو معجم رجال الحدیث الخوئی ۱۵/ ۱۴۳

2۔ الصلۃ بین التصوف والتشیع، ڈاکٹر کامل مصطفیٰ الشیبی ۱۵۶

3۔ تاریخ المذاہب الاسلامیہ ابوزہرہ ۴۶، الاباضیۃ صالح باجیہ ۷۳۔ ذیل کتاب شرح المواقف الکرمانی ۲/ ۴

4۔ الملل والنحل شہرستانی ۲/ ۱۱۷۔ تاریخ المذاہب الاسلامیہ ابوزہرہ ۶۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نعوذ باللہ وحی لانے میں غلطی کی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ اور وجہ اس کی یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے مشابہ تھے جیسے کوا کوے سے اور مکھی مکھی سے اس لیے جبرئیل علیہ السلام کو پہچاننے میں غلطی ہوئی۔

۱۵۔ الکاملیہ[4]

انہوں نے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی طعن کیا کہ انہوں نے اپنا حقِ خلافت کیوں چھوڑا اور امام کی عبادت کی دعوت دیتے تھے کیونکہ امام میں الٰہ سرایت کیے ہوتا ہے۔

تیرھواں باب:

شیعیت ''امام'' محمد تقی کے دور میں

ابتدائی تعارف اور حالات

شیعہ مؤرخ کے بقول: ''حضرت امام محمد تقی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نویں خلیفہ اور مسلمانوں کے نویں امام تھے۔

۱۰ رجب ۱۹۵ ہجری (۸۱۱ء) کو (مدینہ منورہ میں) پیدا ہوئے۔ اور صرف ۲۵ سال زندہ رہ کر ۲۹ یا ۳۰ ذی قعدہ ۲۲۰ھ (۸۳۵ء) کو زہر سے شہید ہو کر کاظمین میں دفن کیے گئے۔[1]

آپ کا لقب تقی اور جواد ہے، آپ کی والدہ کا نام سمیکہ ہے جو ایک کنیز کی حیثیت سے آپؒ کے والد ماجد کے پاس آئی تھیں۔ آپؒ کے والد ماجد حضرت علی رضا کے انتقال کے وقت آپ کی عمر سات برس اور چند ماہ تھی اور آپ اسی چھوٹی عمر میں ہی اپنے والد کے جانشین کی حیثیت سے ''منصبِ امامت'' پر فائز ہو کر کم و بیش سترہ برس جلوہ افروز رہے۔

تاریخ ائمہ کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۲۵ھ تک کا زمانہ وہ تھا جس میں امام تقی امامت و خلافت کے منصب پر فائز رہے۔ یہ عباسی خلیفہ مامون اور معتصم کا دورِ خلافت تھا۔ مامون چونکہ آپؒ کے والد علی رضاؒ سے بہت محبت کرتا تھا لہٰذا یہ محبت ان کے انتقال کے بعد آپ کی طرف منتقل ہوئی، یہاں تک کہ مامون نے اپنی بیٹی کا نکاح بھی آپ سے کر دیا۔ اس نکاح کا فائدہ یہ ہوا کہ خلیفہ وقت سے رشتہ داری کی بناء پر شیعیت خوب پھلی پھولی اور پروان چڑھی، نیز مامون کی ذاتی

1۔ تاریخ ائمہ ص ۳۶۸ نواں باب مطبوعہ لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دلچسپی سے فرقۂ معتزلہ بھی خوب پروان چڑھا۔ مامون نے یہود و نصاریٰ اور مجوس کو پوری آزادی دے رکھی تھی مگر مسلمانوں پر معتزلی عقائد تھوپنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتا تھا۔ بادشاہ کے عقائد کو تسلیم نہ کرنے والے مسلمانوں کو اعلیٰ ملازمتوں سے برطرف کیا گیا، اور اسی جرم کی پاداش میں علماء اسلام کو عقوبتوں کا نشانہ بنایا گیا، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی تذلیل کی گئی اور ان کی پیٹھ پر کوڑے مارے گئے۔

مامون کی مادری زبان فارسی تھی اس لئے اس نے فارسی زبان و ثقافت کی بھرپور سرپرستی کی۔ نیز اپنے وزیر کی حسین و ذہین بیٹی بوران سے شادی کر لی جس نے درباری اور گھریلو زندگی میں ایرانی ثقافت کو رائج کیا اور عرب کی سادگی کو سلطنت سے دیس نکالا دے دیا۔

آپؒ کی امامت پر شیعوں میں اختلاف

چونکہ آپ کم عمری میں امام بنائے گئے تو شیعوں میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ آیا ایک کم سن، نابالغ اور نوعمر بچہ امام ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ایک گروہ نے نابالغ کی امامت سے اختلاف کرتے ہوئے اعلان کیا کہ امامت علی رضا پر ختم ہو گئی۔ لہٰذا اس گروہ نے محمد تقی کی امامت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس گروہ کو واقضہ کا نام دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے قبل بھی شیعوں کے ایک گروہ نے سلسلۂ امامت کو حضرت موسیٰ کاظمؒ پر وقف کر دیا تھا۔

امام محمد تقی کے مقابلہ میں دیگر دو افراد کا دعویٰ امامت

تاریخی شواہد ہیں کہ اسی دور میں دو اور شخصوں نے دعویٰ امامت کیا۔ ان میں سے ایک عبدالرحمن بن احمد بن عبداللہ تھے اور دوسرے محمد بن قاسم علوی تھے۔ (کامل ابن اثیر)

ان دونوں حضرات کا امام تقیؒ کے ساتھ خاندانی اور نسبی رشتہ درج ذیل نقشہ سے معلوم ہوتا ہے۔

1۔ عقائد جعفریہ جلد دوم ص ۱۶۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

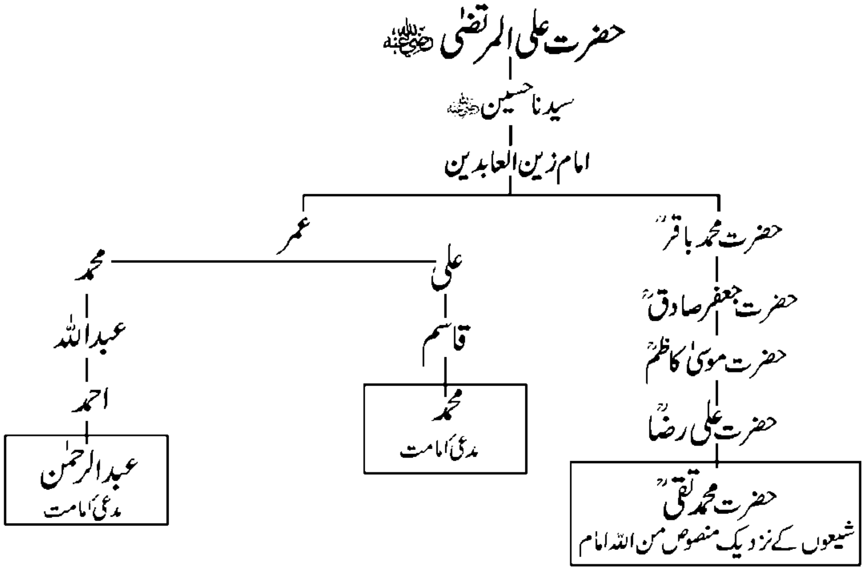

اس نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں جن دو شخصوں نے امامت کا دعویٰ کیا، ان میں سے ایک اِن کے حقیقی چچا تھے۔ (محمد بن قاسم علوی) اور دوسرے ان کے چچازاد بھائی تھے۔[1]

مروج الذہب میں لکھا ہے:

"۲۱۹ھ میں عباسی خلیفہ المعتصم نے جناب محمد بن القاسم بن علی بن عمر بن علی بن حسین بن علی المرتضیٰؓ کو ڈرایا دھمکایا، یہ کوفہ میں مقیم تھے اور عبادت، زہد اور تقویٰ میں کامل شخصیت تھے۔ جب انہیں اپنی ذات کا خوف محسوس ہوا تو خراسان کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ اس کے گردونواح کے علاقہ جات مثلاً مرو، سرخس، طالقان اور نسا میں گھومے پھرے، پھر ان علاقہ جات میں انہوں نے بہت سی لڑائیاں بھی لڑیں۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے ان کی امامت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے احکام کی بجاآوری کی۔"[1]

محمد بن قاسم بن علی بن عمر ان کی والدہ صفیہ بنت موسیٰ بن عمر تھیں۔ ابوجعفر ان کی کنیت مقرر تھی۔ اور عوام انہیں "صوفی" کہتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے سفید رنگ کے اونی کپڑے زیب تن کئے ہوتے تھے۔

وکان من اھل العلم والفقہ والزھد وحسن المذھب[2]

1۔ مروج الذہب للمسعودی جلد سوم ص ۴۶۴ ذکر ایام المعتصم محمد بن ہارون الرشید مطبوعہ بیروت طبع جدید

2۔ مقاتل الطالبین مصنف ابوالفرج الاصفہانی ص ۵۷۸ تحت تذکرہ محمد بن القاسم

3۔ جب شیعہ مصنف خود بھی یہ تسلیم کر رہا ہے کہ محمد بن القاسم علوی عالم فقیہہ اور صحیح العقیدہ انسان تھے، تو انہوں نے "منصوص من اللہ" امام کے مقابلہ میں دعویٔ امامت کیوں کیا؟ اور ایسا کرنے کے بعد بھی کیا وہ صاحبِ "حُسن المذہب" رہے؟ اور جن ہزاروں شیعوں نے ان کے دعویٰ کو قبول کرتے ہوئے حکومتِ وقت کے خلاف ان کی معیت میں خروج وقتال کیا، ان سب کا کیا بنے گا؟

4۔ مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب جلد چہارم ص ۳۹۱ مطبوعہ قم خیابان فی معجزاتہ علیہ السلام

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

"وہ صاحبِ علم فقہ اور زہد تھے۔ اور مذہب کے اعتبار سے بہت خوب تھے۔"[3]

امام تقی اپنے شیعوں کی اخلاقی گراوٹ کا شکار

امام تقی وہ مظلوم ہستی ہیں کہ اگر شیعوں کی طرف سے انہیں اور کوئی بھی تکلیف نہ پہنچی ہو تو صرف ایک تکلیف ہی نہایت دردناک اور بظاہر نا قابلِ بیان ہے کہ ان بدبختوں نے امام اور ان کی اہلیہ کے بارے میں ایسی روایت گھڑ کر ان کے "مناقب" میں پیش کی جسے پڑھ کر انسانیت شرما جاتی ہے۔ اور وہ روایت درج ذیل ہے:

وروی انَّ امرأتهٗ اُمّ الفضل بنت المامون سمته فی فرجه بمندیلٍ فلما احسَّ بذالک قال لها ابلاکِ اللّٰہ بداءٍ لا دوآء له فوقعت الاکلة فی فرجها وکانت تنتصب للطَّبیبِ فینظرون الیها ویسِرُّون بالدَّوآء علیها فلاینفع ذالک حتّٰی ماتت من عِلَّتها۔[4]

"روایت کی گئی ہے کہ امام تقی کی بیوی اُم الفضل بنت مامون نے زہر لگا رومال امام تقی کی شرمگاہ پر لگا دیا۔ آپ نے جب اس تکلیف کو محسوس کیا تو بیوی سے کہا: اللہ تجھے لا علاج بیماری میں مبتلا کرے۔ لہٰذا اُم الفضل کی شرمگاہ میں پھوڑا نکلا۔ جس کے علاج کے لیے وہ حکیموں کے پاس جاتی۔ وہ اس کی شرمگاہ دیکھتے اور اس پر دوائی لگا کر خوش ہوتے۔ اِسے کسی دوائی سے نفع نہ ہوا حتیٰ کہ اس بیماری میں فوت ہو گئی۔"

امام محمد تقی بن علی رضا کے بعد معمولی سا اختلاف ہوا

امام محمد بن علی (امام جواد) کے بعد ان کے چھ سالہ بیٹے علی ہادی کو امام مانا گیا، ایک گروہ نے امام محمد تقی (جواد) کے بھائی موسیٰ بن محمد کو امام مانا مگر امام علی ہادی کے بالغ ہونے کے بعد پھر ان کو امام بنا لیا۔

امام تقی کے خلاف ایک اور شرمناک الزام

شیعوں نے اپنے ائمہ سے اظہارِ محبت وعقیدت میں جو خصوصی کارروائیاں کی ہیں ان میں وضع روایات کی کارروائی سب سے اہم ہے، اس مسئلہ میں ان بدنصیبوں نے اپنے کسی مقتداء کو معاف نہیں کیا۔

امام تقی سے منسوب ایک شرمناک روایت بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

"عبدالعظیم نے امام تقی سے پاخانہ اور اس کی بدبو کے بارے میں سوال کیا تو امام نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو مٹی سے بنایا جو چالیس سال تک بغیر روح کے پڑے رہے۔ فرشتے ان (کے ڈھانچے) کے پاس سے گزرتے تو کہتے تھے یہ کس لئے پیدا کیا گیا؟ اور شیطان اس ڈھانچہ کے منہ میں سے گھس کر دُبر سے نکلتا رہا، اس لئے ابن آدم کا پیٹ اندر سے بدبودار اور گندہ ہو گیا۔"[1]

1۔ مناقب آل ابی طالب۔ مصنف ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۳۸۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

چودھواں باب:

شیعیت "امام علی نقی رح" کے دور میں

مختصر تعارف

شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:

1۔ تاریخ آئمہ ص ۵۷۱۔ دسواں باب مطبوعہ لاہور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''حضرت امام نقی علیہ السلام حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دسویں خلیفہ اور مسلمانوں کے دسویں امام تھے۔ ۵؍رجب ۲۱۴ھ (۸۲۹ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ۳؍رجب ۲۵۴ھ (مطابق ۸۶۸ء) کو زہر سے شہید ہوئے اور بمقام سرمن رائی دفن کیے گئے۔ آپ کی عمر چالیس سال تھی۔'' [1]

آپ نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ۲۱۴ھ میں ''منصب امامت'' کو رونق بخشی اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔ آپ کی والدہ ایک کنیز تھیں جن کا نام سمانہ ہے۔

آپؒ کا دورِ امامت

آپؒ کا زمانہ امامت کم وبیش ۳۲ سال تک محیط ہے، اس دور میں شیعیت خوب پھلی پھولی اور عباسی خلفاء نے اپنی سرپرستی میں غیر اعلانیہ طور پر شیعیت کو سرکاری مذہب کے طور پر رائج کیا۔ البتہ خلیفہ المتوکل کسی اور ڈھب کا آدمی نکلا اور اس نے مسند نشین ہوتے ہی اپنے پیش رو خلفاء کا طرزِ عمل بدل دیا۔ اس نے اہل سنت کے سینکڑوں علماء اور حاملینِ سنت کو جو اس وقت قید خانوں میں پڑے ہوئے تھے رہا کر دیا۔ اس نے مسئلہ خلقِ قرآن پر ہر قسم کے مناظروں اور مجالس پر پابندی لگا دی۔ علمِ حدیث کی تعلیم دینے والوں کی قدر افزائی کرتے ہوئے تمام محدثین کو دارالخلافہ سامرہ میں مدعو کیا اور بے حد تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔ متوکل نے حکم دیا کہ محدثین مساجد میں آزادی کے ساتھ درسِ حدیث دیں اور صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق احادیث بیان کریں۔ حالانکہ اس سے پیش تر وہ علانیہ درس نہیں دے سکتے تھے۔ متوکل کے اس طرزِ عمل سے مسلمان بہت ہی خوش ہوئے۔ مساجد میں درسِ حدیث جاری ہوئے۔ متوکل نے قبر پرستی کو مٹایا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر شیعوں نے جو شرکیہ مراسم شروع کر دی تھیں ان کو نہ صرف موقوف کر دیا بلکہ پہلے خلفاء کے دور میں تعمیر کردہ ان مقبروں کو بھی مسمار کرا دیا۔ اس لئے ایرانی اور عام طور پر شیعہ متوکل کے دشمن ہو گئے اور اسے خاندانِ رسالت کا دشمن قرار دینے لگے۔

خاندان کے تین افراد کا امام علی نقی کے مقابلہ میں دعویٰ امامت

جناب نقی رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ امامت میں انہی کے خاندان میں سے چند افراد نے امامت کا دعویٰ کیا۔

۱۔ یحییٰ بن عمر نے کوفہ میں۔

۲۔ طبرستان میں حسن بن زید نے۔

۳۔ قزوین میں حسن بن اسماعیل نے امامت کا دعویٰ کیا۔

ان تین مدعیانِ امامت کا نسبی تعلق امام علی نقیؒ کے ساتھ درج ذیل نقشہ سے ملاحظہ فرمائیں:

1۔ اس نسب نامہ کی توثیق وتفصیل مروج الذہب جلد ۴ ص ۶۳ تا ۶۹ پر ملاحظہ کرلیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

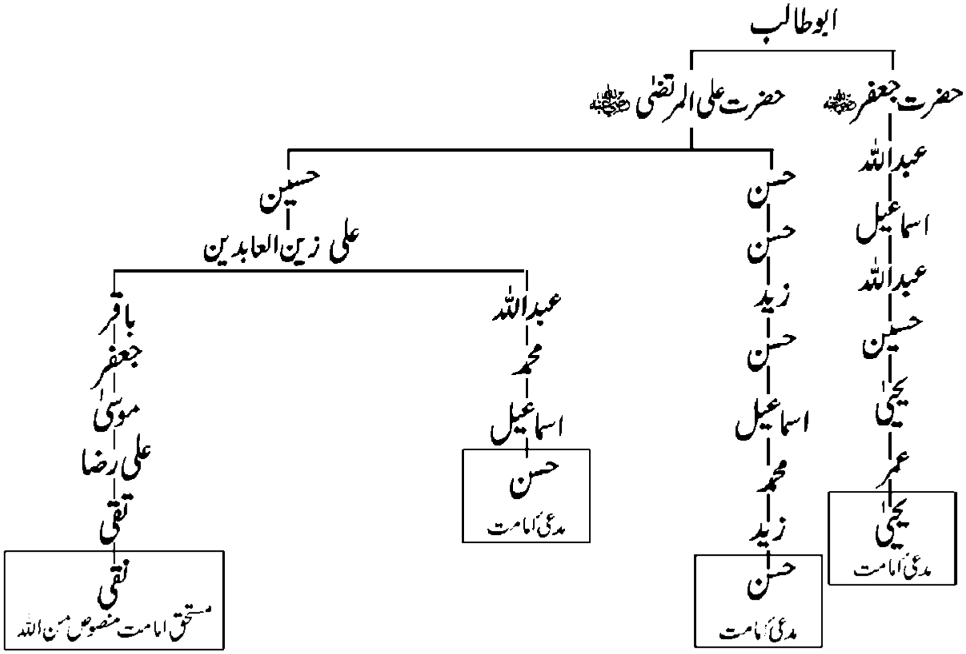

اس نقشہ کے مطابق ان تین افراد میں سے ایک چچازاد بھائی (حسن بن زید) دوسرے چچا (یحییٰ بن عمر) اور تیسرے دادا یعنی علی رضا کے چچازاد بھائی (حسن بن اسماعیل) ہیں۔ [1]

قزوین میں حسن بن زید کا دعویٔ امامت

عباسی خلیفہ المستعین باللہ کے دور میں ۲۵۰ھ میں طبرستان کے علاقہ میں حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل نے ظہور کیا۔ (یعنی دعویٔ امامت کیا) ان آبادیوں پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ اور جرجان بھی زیر تصرف آ گیا۔ جن پر قبضہ کرنے کے لئے بہت سی لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ اور سخت قتال کرنا پڑا یہ علاقہ جات ۲۷۰ھ یعنی ان کے انتقال کے وقت تک ان کے زیر قبضہ رہے۔"

قزوین میں ہی حسن بن اسماعیل کا دعویٔ امامت

۲۵۰ھ میں قزوین کے اندر حسن بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ نے ظہور کیا۔ (یعنی امامت کا دعویٰ کیا)۔ [1]

کوفہ میں یحییٰ بن عمر کا دعویٰ امامت

"۲۴۸ھ میں کوفہ کے اندر یحییٰ بن عمر بن یحییٰ نے ظہور (دعویٔ امامت) کیا۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ

1۔ مروج الذہب جلد ۴ ص ۶۹

2۔ مروج الذہب جلد ۴ ص ۶۳، ۶۴ ذکر ایام المستعین۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید

3۔ مروج الذہب جلد ۴ ص ۶۵ مطبوعہ بیروت طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بنت حسین بن عبداللہ تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے دعویٰ امامت کوفہ میں ۲۵۰ھ میں کیا۔ پھر انہیں شہید کر دیا گیا۔ ان کا سر کاٹ کر بغداد لے جایا گیا۔ اور وہاں جب سولی پر لٹکایا گیا تو لوگوں میں سخت اضطراب اور پریشانی لاحق ہوئی۔ لوگ ان سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے لوگوں کے مسائل بغیر کسی قتل و غارت کے حل کیے۔ اور ان میں عدل و انصاف قائم کیا تھا...... (یحییٰ بن عمر کی شہادت کے بعد) جب عباسی خلیفہ کے ایک نمائندے "ابن طاہر" نے ان کی شہادت اور حکومت کی فتح کی خبر داؤد بن قاسم کو دی تو ابن طاہر کو داؤد بن قاسم نے جواباً کہا: اے امیر! تو ایک ایسے شخص کی شہادت کی خبر دے رہا ہے (اور اس پر خوشی کا اظہار کر رہا ہے) اگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس موجود ہوتے تو لوگ آپ سے اس پر تعزیت کرتے۔" [2]

جب یحییٰ بن عمر کو شہید کر دیا گیا تو لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے اپنے غم کا اظہار کیا۔ قریب و بعید کے لوگوں نے مرثیہ خوانی کی۔ چھوٹا بڑا اُن پر غمگین ہوا۔ ان کی شہادت پر امیر و غریب سبھی دُکھی ہوئے۔ ہم عصر شعراء میں سے کسی شاعر نے اُن کے دکھ درد کے اظہار کے طور پر درج ذیل اشعار کہے ہیں: [3]

والمصلّٰی والبیت والرکن والحجر جمیعًا لهم علیه عویلٌ
کیف لم تسقط السّمآء علینا یوم قالوا ابوالحسین قتیلٌ
وبناتُ النَّبی یندبن شجوًا مُوجعاتٍ دُموعهن تسیلٌ
قتلهٗ مذکز لقتلِ علیٍّ وحُسین ویوم اوذی الرَّسولُ

مقام ابراہیم، بیت اللہ شریف، رکن یمانی اور حجر اسود سبھی ان کے قتل کیے جانے پر دکھی ہیں۔ جس دن لوگوں نے یہ سنا کہ ابوالحسین یحییٰ بن عمر شہید کر دیئے گئے تو کیوں نہ ہم پر آسمان گر پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں دکھ و درد کے مارے ان کی جدائی میں رو رہی ہیں اور ان کے آنسو لگا تار بہہ رہے ہیں۔ ان کا قتل تو ہمیں حضرت علی المرتضیٰ کی شہادت یاد دلاتا ہے اور امام حسین ؓ کی شہادت ہماری آنکھوں میں پھرنے لگتی ہے اور وہ وقت یاد آجاتا ہے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے سپرد کیا جا رہا تھا۔ [1]

آپؒ کا انتقال

آپؒ کا انتقال ۲۵۴ھ کے ماہِ رجب میں ہوا، آپ نے پیچھے چار بیٹے، حسن، حسین، محمد اور جعفر جبکہ ایک بیٹی عائشہ چھوڑے۔

امام علی ہادی کی وفات کے بعد شیعہ چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے

1۔ عقائد جعفریہ ج ۲ ص ۱۷۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پہلا گروہ:۔ امام علی ہادی کے پیروکاروں کا ایک گروہ محمد بن بشیر نمیری کی جھوٹی نبوت پر ایمان لے آیا۔

دوسرا گروہ:۔ امام علی ہادی کے بیٹے محمد بن علی کا پیروکار رہا جو اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ یہ گروہ انہیں اپنے والد کا وصی اور امام مہدی مانتا تھا۔

تیسرا گروہ:۔ امام علی ہادی کے صاحبزادے امام حسن عسکری کو امام ماننے لگا۔

چوتھا گروہ:۔ امام علی ہادی کے دوسرے بیٹے جعفر بن علی کا پیروکار رہا۔

شیعیت ''حسن عسکری'' کے دور میں

1۔ تاریخ آئمہ ص ۷۶۔۳۷۷ گیارہواں باب۔ مطبوعہ لاہور

2۔ شیعیت تاریخ اور افکار ص ۳۰۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

امام حسن عسکریؒ کا مختصر تعارف

شیعہ مؤرخ کے بقول: آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہویں خلیفہ اور مسلمانوں کے گیارہویں امام تھے۔ جمعہ ۸ یا ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۳ سال کی عمر تک اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں رہے۔ اور جب ۲۵۴ھ میں حضرت کا انتقال ہو گیا تو مسلمانوں کے امام قرار پائے۔ اور صرف ۶ سال امام رہنے کے بعد آٹھ ربیع الاول ۲۶۰ھ (۸۸۴ء) کو ۲۸ سال کی عمر میں بمقام سامرہ وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔ [1]

آپؒ کا ''دورِ امامت''

آپؒ نے تین عباسی خلفاء (المہتد باللہ، المہتدی باللہ اور المعتمد علی اللہ) کا دور پایا، یہ دور سیاسی طور پر طوائف الملوکی اور انتشار کا دور تھا۔ خلیفہ معتمد ترکی فوجی افسروں کے زیر تسلط رہا، ترک امراء باہم متحد و متفق نہ تھے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ مصر میں احمد طولون نے ایک آزاد حکومت قائم کر دی۔ جس سے مصر میں ''دولتِ طولونیہ'' کی بنیاد پڑی جو ۲۱۳ھ سے ۲۹۲ھ تک قائم رہی۔ لیکن خلافتِ بغداد کی برتری کا اقرار کرتی رہی۔ حجاز اور عراق میں متعدد بار علویوں نے بدنظمی پیدا کی مگر انہیں ترکی امراء نے فوجی قوت سے دبا دیا۔ ملک میں عام بدنظمی تھی۔ خزانہ خالی تھا۔ فوجیوں کو کئی ماہ سے تنخواہیں نہیں ملی تھیں۔ وہ ۲۵۵ھ میں خلیفہ المعتز کے محل سامراء میں گھس گئے اور اسے گھسیٹ کر باہر لائے اور زدوکوب کر کے قید کر دیا۔ پھر اسے قید ہی میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد ترکوں نے المہتدی باللہ کو خلیفہ بنا دیا اور سارا اختیار اپنے پاس رکھا اور گیارہ ماہ بعد اسے بھی قتل کر دیا۔ اس دور میں شیعہ اپنے طور پر مصروفِ عمل رہے لیکن ترکی امراء سے خوف کی بناء پر کوئی قابلِ ذکر ''کارنامہ'' سرانجام نہیں دے سکے۔ متعدد مواقع پر انہوں نے علویوں کے ساتھ مل کر ملک میں بدنظمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ [2]

حسن عسکریؒ کا دورِ امامت شیعہ مورخ کی نظر میں

شیعہ عالم سید محمد طباطبائی امام یازدہم حسن عسکری کے دور کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''آپ اپنی سات سالہ امامت کے دوران خلیفہ کی سختیوں اور ظلم و ستم کے باعث تقیہ (یعنی جب بس نہ چلے تو جان کے خوف سے خاموشی اختیار کر لینا) کی حالت میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے تھے۔ لہٰذا آپ عام لوگوں کو حتیٰ کہ شیعوں کو بھی اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ سوائے ان خاص افراد کے جن کو آپ

1۔ قاضی طاہر الہاشمی کے بقول، اس من گھڑت کہانی سے اتنی بات واضح ہو جاتی ہے کہ شیعہ خود مسئلہ امامت کی پیچیدگیوں اور مدعیانِ امامت کی باہمی سر پھٹول سے تنگ آ چکے تھے، اس لئے انہوں نے اس مسئلہ سے جان چھڑانے کے لئے یہ داستان وضع کی۔ حیرت ہے کہ خلیفہ (جو خود ترکوں کے زیر نظر تھا) کنیزوں کا معائنہ کرانے کے باوجود حسن عسکریؒ کے بیٹے (بارہویں امام) کو تلاش نہ کر سکا۔ لیکن شیعوں نے اسے وجود عطا کر کے پھر ہمیشہ کے لئے غائب بھی کر دیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ذاتی طور پر جانتے تھے۔اس طرح آپ زیادہ نظر بندی کی زندگی گزارتے رہے، دوسرے یہ کہ خلیفہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ شیعہ گیارہویں امام کے بیٹے پر ایمان رکھتے ہیں اور گیارہویں امام اور اسی طرح گذشتہ ائمہ کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فرزند امام مہدی موعود ہوں گے اور ان کو بارہواں اور آخری امام مانتے ہیں۔ اسی وجہ سے گیارہویں امام دوسرے تمام ائمہ سے زیادہ خلیفہ کے زیر نظر تھے اور خلیفہ وقت بھی پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ جس طرح بھی ہو شیعہ امامت کی کہانی کو ختم کر دے اور اس دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند کر دے۔ اس طرح جوں ہی گیارہویں امام کی علالت کی خبر خلیفہ کو پہنچی تو اس نے فوراً آپ کے پاس طبیب اور حکیم بھیجے اور ساتھ ہی اپنے چند قابل اعتماد افراد کو آپ کے گھر میں متعین کر دیا، جو قاضی تھے وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ گھر کے اندر اور باہر کے حالات پر نظر رکھتے تھے۔ امام کی شہادت کے بعد بھی آپ کے خانہ مبارک کی تلاشی لی گئی اور دائیوں کے ذریعے آپ کی کنیزوں کا معائنہ کرایا گیا۔ دو سال تک خلیفہ کے گماشتے آپ کے بیٹے کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ بالکل نا اُمید اور مایوس ہو گئے۔"[1] (شیعہ ص ۲۱۲)

حضرت امام حسن عسکری کے دور میں بھی چند حضرات نے امامت کا دعویٰ کیا۔ ان میں حسن بن زید، ابراہیم بن محمد اور علی بن زید کے نام مشہور ہیں۔ ان کے دعویٰ امامت کا ثبوت بحوالہ درج ذیل ہے:

امام حسن عسکری کے مقابل حسن بن زید کا دعویٰ امامت

عباسی خلیفہ مستعین باللہ کے دورِ خلافت میں ۲۵۰ھ میں حسن بن زید علوی نے ظہور یعنی امامت کا دعویٰ کیا۔ یہ دعویٰ طبرستان میں کیا گیا۔ پھر اس علاقہ پر اور اس کے ساتھ جرجان پر بھی ان کا تصرف ہو گیا۔

لیکن یہ تصرف بہت سی لڑائیوں کے بعد اور سخت قتال کے بعد حاصل ہوا۔ اور ۲۷۰ھ تک ان علاقہ جات پر ان کا قبضہ رہا۔ پھر اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔[1]

ابراہیم بن محمد کا دعویٰ امامت

۲۵۶ھ میں ایک شخص نے جو علوی تھا، سرزمین مصر میں دعویٰ امامت کیا۔ ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا نام ابراہیم بن محمد بن یحییٰ تھا۔ اور "ابن الصوفی" کے لقب سے مشہور تھا۔[2]

1۔ مروج الذہب جلد ۴ ص ۶۸۔ ذکر ایام المستعین باللہ مطبوعہ بیروت طبع جدید

2۔ کامل ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۳۸ (۲۵۶ھ کے واقعات) مطبوعہ بیروت طبع جدید

3۔ کامل ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۳۹ (۲۵۶ھ کے واقعات) مطبوعہ بیروت طبع جدید

4۔ فرق الشیعہ از علامہ نوبختی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

علی بن زید کا دعویٰ امامت

اسی سال ۲۵۶ھ میں کوفہ کے اندر علی بن زید علوی نے امامت کا دعویٰ کیا۔ اور کوفہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس پر خلیفہ المستعین کی طرف سے قائم شدہ نائب کو معزول کر کے خود اس منصب پر بیٹھ گئے۔[3]

امام حسن عسکریؒ کے بعد شیعہ گروہوں میں ہولناک اختلافات

امام حسن عسکریؒ کے بعد شیعہ گروہوں میں ہولناک اختلافات ہوئے اور بقول علامہ نوبختی کے چودہ فرقوں میں شیعہ تقسیم ہو گئے۔

پہلا گروہ: امام حسن عسکری کے بھائی جعفر بن علی ہادی کی امامت کا قائل ہوا۔

دوسرا گروہ:۔ امام حسن عسکری اور امام جعفر سے منحرف ہو کر ان کے باپ پر امامت ختم ہونے کا قائل ہوا۔

تیسرا گروہ:۔ امام حسن عسکری کی روپوشی اور دوبارہ آنے اور انہی کے امام مہدی ہونے کا قائل ہوا۔

چوتھا گروہ:۔ امام حسن عسکری کے بعد از وفات دوبارہ زندہ ہونے اور انہی کے امام مہدی ہونے کا قائل ہے۔[4]

سب سے دلچسپ اور تعجب خیز موجودہ شیعہ اثنا عشری گروہ ہے جس نے امام حسن عسکری کے ایک عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنے والے اس پانچ سال کے بچے کو امام مانا جو ان حضرات کے بقول قدیم کتب آسمانی، اصلی قرآن، مصحف فاطمہؓ، جفر احمر، جفر ابیض، سترگز کا الجامعہ، عصاء موسیٰ، قمیص آدم اور سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی لے کر سامرہ شہر کی غار میں جا کر چھپ گیا ہے اور اس وقت سے اب تک اس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ویا للعجب!

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پندرھواں باب:

امام مہدی کے متعلق روایات کا چیستان

بارھویں امام غائب کی پیدائش وغیبت کا عجیب قصہ

اثنا عشریہ کے نزدیک جو بارہ امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہیں اور جن پر ایمان لانا ضروری اور شرطِ نجات ہے ان میں گیارھویں امام حسن عسکری بن علی ہیں جو اصولِ کافی کے بیان کے مطابق رمضان ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۰ھ میں صرف اٹھائیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی اور خاندان کے دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ یہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے اور حکومت کے ذمہ داروں کو بھی تحقیق وتفتیش سے یہی ثابت ہوا، اسی بناء پر ان کا ترکہ شرعی قانون کے مطابق ان کے بھائی اور دوسرے موجود وارثوں میں تقسیم کر دیا گیا۔[1]

اثنا عشریہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تیسرے امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد امام کا بیٹا ہی امام ہوتا، اصول کافی میں ایک مستقل باب ہے: باب اثبات الامامہ فی الاعقاب (ص ۱۷۵) اس میں ائمہ معصومین کی متعدد روایات ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے کوئی دوسرا عزیز تر قریب بھی نہیں ہو سکتا۔ انہی روایات پر اس عقیدہ کی بنیاد ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے عوام اثنا عشریہ کو یہ مشکل پیش آئی کہ گیارھویں امام حسن عسکریؒ کے بعد "امامت" کا سلسلہ کیسے چلے اور بارھواں اور آخری امام کس کو قرار دیا جائے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے یہ دعویٰ کیا گیا اور مشہور کیا گیا کہ امام حسن عسکری کی وفات سے چار یا پانچ سال پہلے (ایک روایت کے مطابق ۲۵۵ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵۶ھ میں) ان کے ایک صاحبزادے ان کی ایک کنیز کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جن کو عام نظروں سے چھپا کے رکھا جاتا تھا، اس لئے کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے والد امام حسن عسکری کی وفات سے صرف دس دن پہلے غائب ہو گئے اور وہ تمام چیزوں اور سارے سامان جو حضرت علیؓ سے منتقل ہو کر ہر امام کے پاس رہتے تھے اور آخر میں امام حسن عسکری کے پاس تھے (مثلاً حضرت علیؓ کا جمع کیا اور لکھا ہوا اصلی اور کامل قرآن اور اس کے علاوہ قدیم آسمانی کتابیں، تورات، انجیل، زبور اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے صحیفے اپنی اصل شکل میں اور مصحفِ فاطمہؓ اور الجفر اور الجامعہ والا بورا اور انبیاء

1۔ اصول کافی ص ۲۰۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سابقین کے معجزات، عصائے موسیٰ، قمیص آدم اور سلیمان علیہ السلام کی انگشتری وغیرہ کے متعلق تفصیلی روایات اصول کافی میں ہیں) الغرض شیعی روایات اور شیعی عقیدہ کے مطابق چار یا پانچ سال کی عمر والے یہ صاحبزادے یہ سارے سامان تن تنہا اپنے ساتھ لے کر غائب اور اپنے شہر سر من رائی ہی کے ایک غار میں روپوش ہو گئے۔

شیعہ صاحبان کا عقیدہ ہے کہ امام حسن عسکریؒ کے یہی صاحبزادے امام آخرالزماں ہیں، ان پر امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور چونکہ یہ ضروری ہے کہ جب تک یہ دنیا رہے ایک امام معصوم بھی دنیا میں موجود رہے ورنہ دنیا قائم نہیں رہے گی اس لئے یہ امام آخرالزمان قیامت تک زندہ رہیں گے اور اسی طرح غائب و روپوش رہیں گے اور جب وہ وقت آئے گا جو ان کے ظہور کے لئے مناسب ہو گا اس وقت وہ غار سے برآمد اور ظاہر ہوں گے اور پھر ساری دنیا میں انہی کی حکومت ہو گی اور بارہویں امام کی پیدائش اور پھر غیبت و روپوشی سے متعلق روایات اصول کافی کے متعدد ابواب میں درج کی گئی ہیں۔ باب الاشارہ الی صاحب الدار علیہ السلام اور باب تسمیہ من (ص ۲۰۲ تا ۳۴۲) ہمارا خیال ہے کہ ان روایات کے مطالعہ ہی سے ہر اس شخص کا تاثر جس کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت و فراست کی نعمت کا کچھ بھی حصہ عطا فرمایا ہے یہی ہو گا کہ مقدمہ بنایا گیا ہے لیکن اچھا نہیں بنایا جا سکا اور بظاہر امام حسن عسکری کے بھائی جعفر بن علی اور دوسرے اہل خاندان ہی کا بیان صحیح اور قرینِ عقل و قیاس ہے کہ حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے۔ واللہ اعلم

بہر حال اس وقت ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ دونوں باتوں میں سے کون سی بات صحیح اور قرینِ عقل و قیاس ہے۔ ہم کو تو یہاں بارہویں امام (امام غائب) کے بارہ میں شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہی بیان کرنا ہے جو بجائے خود عجیب و غریب اور ہر تبصرہ سے بالاتر ہے۔ پہلے ان کی والدہ محترمہ کا قصہ ملاحظہ فرما لیا جائے جو کتبِ شیعہ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کا نام ملیکہ اور ان کو شاہِ روم کی پوتی بتایا گیا ہے۔ دوسرا نام ان کا نرگس بھی روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام غائب کی والدہ محترمہ کی حیرت انگیز داستان یا افسانہ

علامہ مجلسی نے ''جلاء العیون'' اور ''حق الیقین'' میں بارہویں امام (امام غائب) کی والدہ محترمہ کی انتہائی حیرت انگیز داستان (جو عشق و محبت کی بھی بے مثال کہانی ہے) ابن بابویہ اور شیخ طوسی کی روایات کے حوالہ سے بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے (جو مذہب شیعہ کے اساطین میں سے ہیں) معتبر سندوں سے بشر بن سلیمان سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں واقعہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے وہ بہت طولانی ہے یہاں اس کو اختصار اور تلخیص کے ساتھ نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔ [1]

روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ گیارہویں امام حسن عسکریؒ کے شہر ''سر من رأی'' میں ان کے پڑوس ہی میں ایک شخص بشر بن سلیمان رہتا تھا وہ ان کے اور ان کے والد ماجد امام علی نقی کے بھی شیعانِ خاص (یعنی مخلص اور معتمد مریدوں) میں

1۔ پوری روایت ''حق الیقین'' طبع ایران اور ''جلاء العیون'' باب چہاردہم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے تھا وہ بردہ فروشی (یعنی غلاموں باندیوں کی خرید و فروخت) کا کاروبار کرتا تھا، اس نے بیان کیا کہ امام علی نقی نے ایک دفعہ فرنگی (انگریزی) زبان اور اسی کے رسم الخط میں ایک خط لکھ کر مجھ کو دیا اور اس کے ساتھ دو سو بیس اشرفیاں بھی دیں اور فرمایا کہ یہ لے کر بغداد چلے جاؤ (جو اسوقت دار الحکومت تھا) وہاں دریا کے ساحل پر تم کو ایک کشتی نظر آئے گی جس میں فروختنی کنیزیں ہوں گی، تم دیکھو گے کہ ان میں ایک کنیز ہے جو پردہ میں ہے اور اس کو اس سے انکار ہے کہ کوئی اس کو دیکھے۔ ایک عرب جوان اس کو خریدنا چاہے گا اور تین سو اشرفی قیمت لگا دے گا لیکن وہ کنیز اس کے ساتھ جانے پر کسی طرح راضی نہ ہوگی، اس وقت تم کنیز کے مالک سے کہنا کہ تم میرا یہ خط اس کنیز تک پہنچا دو۔ (بشر کا بیان ہے کہ) میں امام علی نقی کے حکم کی تعمیل میں بغداد روانہ ہوگیا اور وہ سارے واقعات پیش آئے جو امام نے پہلے ہی بیان فرما دیئے تھے۔ آخر امام ممدوح کا وہ خط اس کنیز تک پہنچ گیا، جیسے ہی اس نے خط دیکھا بار بار اس کو چوما اور مالک سے کہا کہ مجھے تم اس خط والے کے ہاتھ فروخت کر دو ورنہ میں خودکشی کرلوں گی۔ مالک دو سو اشرفی لے کر اسے میرے حوالہ کر دینے پر راضی ہوگیا اور میں اس کو اپنے ساتھ لے آیا، اس کنیز نے مجھے بتایا کہ میں بادشاہِ روم کی پوتی ہوں اور میرا نام ملیکہ ہے اور میری والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصی شمعون کی اولاد میں سے ہیں۔ میرا قصہ یہ ہے کہ جب میں تیرہ سال کی تھی میرے دادا نے اپنے ایک بھتیجے کے ساتھ میری شادی طے کردی اور مقررہ دن پر شادی کی تقریب میں ایک عظیم الشان جشن منعقد ہوا۔ تخت پر صلیب رکھی گئی، دولہا کو اس تخت پر بٹھایا گیا، پادری صاحبان ہاتھوں میں انجیل لئے کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے طریقہ کے مطابق میرے عقد کی کاروائی شروع کردی کہ اچانک ایسا ہوا کہ صلیب سرنگوں ہو کر گر پڑی اور تخت ٹوٹ گیا اور میرا چچازاد بھائی جس کے ساتھ میرا عقد ہو رہا تھا، وہ تخت کے نیچے آ گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ اس نامبارک حادثہ کے بعد میرے دادا نے اپنے ایک دوسرے بھتیجے کے ساتھ میرا عقد کرنے کا ارادہ کیا اور مقررہ دن پر اسی طرح جشن منعقد ہوا لیکن عین عقد کے وقت پھر اسی طرح کا واقعہ ہوا جیسا کہ پہلے ہوا تھا۔ میرے دادا کو بہت ہی رنج ہوا۔ اسی رات کو میں نے خواب دیکھا کہ حضرت مسیح اور ان کے وصی شمعون اور ان کے علاوہ حواریین کی ایک جماعت یہ سب حضرات میرے دادا کے اسی شاہی محل میں آئے اور نور کا ایک منبر رکھا گیا، اس کے بعد حضرت محمد ﷺ اپنے وصی علی علیہ السلام اور دوسرے اماموں کے ساتھ تشریف لائے اور نور کے اس منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ ﷺ نے حضرت مسیح سے فرمایا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ ملیکہ کو جو تمہارے وصی شمعون کی بیٹی (یعنی ان کی اولاد میں سے) ہے اپنے اس فرزند کے لئے تم سے مانگوں اور آپ ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے حضرت امام حسن عسکری کی طرف اشارہ فرمایا جو اس وقت آپ کے ساتھ تھے اور سامنے موجود تھے۔ (ملیکہ نے بشر بن سلیمان کو یہ سارا قصہ سنا کر ان سے کہا کہ یہی امام حسن عسکری ہیں جن کے والد کا خط تم نے مجھے دیا ہے۔ آگے ملیکہ نے اپنے خواب کا باقی حصہ سناتے ہوئے بشر بن سلیمان سے کہا کہ حضرت مسیح اور ان کے وصی شمعون نے خوشی سے اس کو قبول کیا اس کے بعد حضرت محمد ﷺ نے خطبہ نکاح کا پڑھا اور حضرت مسیح نے مجھے امام حسن عسکری کے نکاح میں دے دیا۔

ملیکہ نے اپنے خواب کا یہ قصہ سنانے کے بعد بشر بن سلیمان سے کہا کہ میں نے اپنے اس خواب کا کسی سے ذکر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نہیں کیا لیکن اسی وقت سے اس ''خورشید فلک امامت'' امام حسن عسکری کے عشق کی آگ میرے سینہ اور دل میں بھڑکنے لگی اور چین وسکون رخصت اور کھانا پینا بھی ختم ہوگیا اور اس آتش عشق کے آثار باہر بھی ظاہر ہونے لگے۔اس کے بعد میں نے ایک دن خواب دیکھا کہ حضرت مریم تشریف لائیں اور ان کے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور ہزارہا حورانِ بہشتی۔حضرت مریم علیہا السلام نے مجھ سے فرمایا کہ یہ خاتون سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، تمہارے شوہر کی یہ ماں ہیں۔میں نے یہ سنتے ہی ان کا دامن پکڑلیا اور میں بہت روئی اور میں نے عرض کیا کہ آپ کے فرزند حسن عسکری کبھی مجھے دیکھنے اور اپنی صورت دکھانے بھی نہیں آتے۔انہوں نے فرمایا کہ وہ کیسے آسکتے ہیں تم عیسائی ہو اور تمہارا عقیدہ مشرکانہ ہے۔حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر میں نے اسی وقت خواب میں کلمۂ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کرلیا جب خواب سے بیدار ہوئی تو میری زبان پر کلمۂ شہادت جاری تھا۔

(اس کے بعد ملیکہ نے بیان کیا کہ) اس کے بعد سے کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ میرے وہ شوہر امام حسن عسکری خواب میں میرے پاس نہ آئے ہوں اور مجھے شربتِ وصال سے شادکام ومسرور نہ فرمایا ہو۔اب انہی کے فرمانے کے مطابق میں نے ایسا کیا کہ ہمارے ملک کا ایک لشکر جو مسلمانوں سے جنگ کے لئے جارہا تھا، میں کسی طرح اس لشکر کے ساتھ لگ گئی۔جب مسلمانوں کے لشکر نے رومی لشکر کو شکست دے دی تو دوسری بہت سی خواتین کے ساتھ میں بھی گرفتار کرلی گئی اور اس طرح میں تمہارے پاس پہنچ گئی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی۔'' 1

علامہ مجلسی نے ان دونوں کتابوں میں جس طرح یہ قصہ ذکر کیا ہے وہی یہاں اختصار اور تلخیص کے ساتھ نذر ناظرین کردیا گیا ہے۔اور ناظرین خود ہی نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ کیا اس میں کچھ بھی واقعیت ہے یا یہ از اوّل تا آخر صرف تراشیدہ افسانہ ہے؟؟......

بہر حال علامہ مجلسی کی اس روایت کے مطابق شاہِ روم کی پوتی ملیکہ (نرگس) اس طرح ایک خرید کردہ کنیز کی حیثیت سے شیعہ حضرات کے گیارہویں امام معصوم امام حسن عسکریؒ کے حرم میں داخل ہوئیں۔شیعہ روایات کے مطابق ۲۵۵ھ یا ۲۵۲ھ میں انہی کے بطن سے یہ بارہویں امام پیدا ہوئے۔ان کی ولادت کو بھی مخفی اور ان نومولود فرزند کو نظروں سے چھپا کر رکھا گیا اور پھر جیسا کہ ذکر کیا گیا امام حسن عسکری کی وفات سے دس دن پہلے ۴ یا ۵ سال کی عمر میں یہ صاحبزادے معجزانہ طور پر غائب ہوگئے۔شیعہ حضرات کی خاص مذہبی زبان میں ان کو ''الحجۃ'' ''القائم'' ''المنتظر'' اور ''صاحب الزمان'' کہا جاتا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا ان کے بارہ میں عقیدہ یہ ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو دنیا بھر میں انہی کی حکومت ہوگی اور وہ ہوگا جو دنیا میں کبھی نہیں ہوا۔

راسخ العقیدہ شیعہ حضرات جو ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں ان کے ظہور کا انتظار کرتے رہے ہیں اور بولنے اور لکھنے میں ان کے ذکر کے ساتھ ''عجل اللہ فرجہٗ'' لازمی طور پر کہتے اور لکھتے ہیں۔(جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جلدی

1۔ملخصاً از ''جلاء العیون'' و''حق الیقین'' از علامہ باقر مجلسی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان کو باہر لے آئے)

امام حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے

ایک طرف علامہ مجلسی کی دو کتابوں میں لکھی ہوئی یہ کہانی ہے، جس پر ایمان رکھنا شیعوں کی مذہبی ضرورت بن گئی ہے، جبکہ دوسری طرف اصول کافی جیسی معتمد کتاب میں اس مسئلہ پر واضح روشنی ڈالی گئی ہے کہ حضرت حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی جعفر کو ان کا وصی تسلیم کرتے ہوئے عدالت نے ان کی میراث تقسیم کر دی۔

راوی کہتا ہے:

"بے شک تحقیق خلیفہ معتمد علی اللہ اور اس کے یاروں پر امام حسن کی وفات کے بعد ایک واقعہ پیش آیا کہ جس سے میں نے تعجب کیا، مجھے گمان نہ تھا کہ وہ واقعہ وقوع میں آئے گا۔ وہ یہ کہ جب امام حسن بن علی بیمار ہوئے تو بادشاہ نے میرے باپ عبید اللہ وزیر کو بلا بھیجا، کہ ابن رضا (حسن عسکری) بے شک بیمار ہو گئے۔ پس میرا باپ اسی وقت سوار ہو کر جلدی خلیفہ کے گھر پہنچا، اور پھر جلدی واپس آیا۔ اور اس کے ساتھ امیر المومنین معتمد علی اللہ کے پانچ نوکر تھے جو اس کے ثقات و خواص میں سے تھے۔ ان پانچوں میں نحریر بھی تھا۔ میرے باپ نے ان کو حکم دیا کہ حسن عسکری کے گھر کے دروازے پر حاضر رہو، اور اس کی خبر رکھو، اور اس کا حال دریافت کرتے رہو، اور طبیبانِ حاذق کی ایک جماعت کو بلوا کر حکم دیا کہ حسن عسکری کے پاس آمد و رفت رکھو اور صبح و شام ان کی خبر لیتے رہو۔ جب اس پر دو تین روز گزر گئے تو میرے باپ کو خبر دی گئی کہ حسن کمزور ہو گئے ہیں۔ پس آپ نے ان طبیبوں کو حکم دیا کہ حسن کے گھر کے دروازے پر حاضر رہو۔ اور قاضی القضاۃ کو بلا بھیجا۔ اور اس کو اپنی مجلس میں حاضر کر کے حکم دیا کہ تم اپنے یاروں میں سے ایسے دس اشخاص کا انتخاب کر لو جن کی دیانت و امامت اور پرہیزگاری پر لوگوں کو اعتماد ہو۔ قاضی نے ایسے اشخاص کو حاضر کیا۔ میرے باپ نے قاضی کو ان کے ساتھ حسن عسکری کے گھر کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ رات دن ان کے پاس حاضر رہو۔ وہ وہیں حاضر رہے، یہاں تک کہ حسن عسکری علیہ السلام نے وفات پائی اور سر من رائے نالہ و فغان بن گیا۔ خلیفہ معتمد نے امام موصوف کے گھر میں ایک جماعت کو بھیجا جنہوں نے گھر کی اور حجروں کی تلاشی لی اور جو کچھ گھر میں تھا اس پر مہر لگا دی اور حسن (عسکری) کے لڑکے کے لئے جستجو کی۔ اور وہ عورتیں بلائی گئیں جو حمل کی شناخت کر سکتی تھیں، وہ امام کی کنیزوں پر داخل ہوئیں اور انہیں دیکھتی تھیں۔ بعض عورتوں نے ذکر کیا کہ یہاں ایک کنیز ہے جس کو حمل ہے۔ وہ کنیز حجرے میں بند کر دی گئی اور اس پر نحریر خادم اور اس کے ساتھی اور عورتیں مقرر کر دی گئیں۔ بعد ازاں غسل و کفن کی تیاری کی گئی۔ اور بازار بند ہو گئے اور بنو ہاشم یعنی اولادِ علی و اولادِ عباس اور سرداروں اور محرروں اور قاضیوں اور مسلم العدالت لوگوں کو دکھایا اور کہا کہ یہ حسن بن علی بن محمد بن رضا ہیں جو اپنی اجل

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے اپنے بستر پر مرے ہیں۔ موت کے وقت آپ کے پاس امیر المومنین کے خدامِ ثقات میں سے فلاں فلاں اور قاضیوں میں سے فلاں اور فلاں اور طبیبانِ حاذق میں سے فلاں اور فلاں حاضر تھے۔ بعد ازاں آپ کا منہ ڈھانپ دیا گیا۔ اور جنازے کے اٹھائے جانے کا حکم دیا۔ پس گھر کے صحن سے اٹھایا گیا اور اس گھر میں دفن کیے گئے جس میں ان کے والد مدفون تھے۔ جب دفن ہو چکے تو خلیفہ اور لوگ حسن کے بیٹے کے لیے جستجو کرنے لگے۔ اور کنیزوں کے مکانوں اور لوگوں کے گھروں کی خوب تلاشی لی۔ اور امام کی میراث کے تقسیم کرنے میں توقف کیا۔ وہ لوگ جن کے سپرد اس کنیز کی نگہبانی تھی، جس پر حمل کا وہم تھا، برابر حاضر رہے۔ یہاں تک کہ ظاہر ہو گیا کہ حمل نہیں ہے۔ جب امام کی کنیزوں سے حمل کا خیال باطل ہو گیا تو امام کی میراث ان کی والدہ اور ان کے بھائی جعفر میں تقسیم کی گئی۔ اور ان کی ماں نے جعفر کے وصی ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ قاضی کے نزدیک ثابت ہو گیا۔" [1]

یہ روایت کتنی واضح، غیر مبہم، صاف اور شفاف ہے، لیکن یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ شیعیت اس روایت پر قناعت کرتے ہوئے افسانہ طرازیوں اور موشگافیوں سے باز رہتی اور کسی فرضی شخصیت کو بیچ میں لا کر اس کا ڈھنڈورہ نہ پیٹتی۔ کیونکہ حضرت حسن عسکریؒ کا ایک وصی، جو اُن کا حقیقی بیٹا بھی ہو، نہایت ضروری تھا۔ اس ضرورت کو پورا کیے بغیر تشیع کے عقائد اور مفادات کی بلند و بالا عمارت ہی گر جاتی تھی۔ چنانچہ مدبرین نے اس مسئلہ کا حل کیسے نکالا؟...... ملاحظہ فرمائیے:

"علی بن محمد نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے محمد اور حسن نے کہ علی بن ابراہیم نے ۲۷۹ھ میں بیان کیا کہ مجھ سے ان دونوں نے کہا کہ بیان کیا ہم سے محمد بن علی بن عبد الرحمن بن عبدی نے عبد قیس سے، اُس نے ضوء بن عجلی سے، اُس نے ایک مردِ فارسی سے جس کا اُس نے نام بتایا۔ کہ میں سامرہ میں امام حسن عسکری کے دروازہ پر آیا۔ آپ نے بغیر میرے اذن طلب کیے مجھے بلایا۔ جب میں داخل ہوا اور سلام کیا تو فرمایا اے فلاں تیرا کیا حال ہے؟ بیٹھ جا۔ پھر آپ نے میرے خاندان کے مردوں اور عورتوں کا حال پوچھا۔ پھر فرمایا تم کس غرض سے آئے ہو؟ میں نے کہا، آپ کی خدمت میں رہنے کے لئے۔ فرمایا: اچھا تم اس گھر میں رہو۔ چنانچہ میں حضرت کے نوکروں کے ساتھ رہنے لگا۔ میرا کام یہ تھا کہ سودا سلف بازار سے خرید لاتا تھا، اور میں بغیر اجازت حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا۔ جب آپ مردانے حصے میں ہوتے تھے۔ ایک دن میں نے گھر کے اندر حرکت سنی، حضرت کی آواز آئی، ٹھہر جا۔ یہ سن کر میری ہمت نہ ہوئی کہ باہر نکلوں اور نہ اندر آ سکوں۔ پھر ایک کنیز نکلی جس کے پاس ایک ڈھکی ہوئی چیز تھی۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا اندر آ جاؤ، میں داخل ہوا آپ نے کنیز کو پکارا اور فرمایا: "جو کچھ تیرے پاس ہے اسے کھول دے"۔ اُس نے کھولا تو وہ ایک نہایت خوبصورت صاحبزادے تھے۔ فرمایا کہ ان کے شکم کو بھی کھول دو۔ میں نے دیکھا کہ سینہ سے ناف تک سبز

1۔ دیکھئے اصول کافی ص ۳۲۵ مطبوعہ نولکشور طبع قدیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بال تھے، کالا کوئی نہ تھا۔ مجھ سے فرمایا یہ تمہارے امام ہیں۔

اس کے بعد کنیز اُٹھا کر لے گئی۔ اس کے بعد میں نے امام علیہ السلام کی وفات تک پھر کبھی ان کو نہ دیکھا۔

ضوء بن علی نے ان سے پوچھا: تم نے ان کی عمر کا کیا اندازہ کیا؟ کہا، دوسال۔ عبدی نے کہا، میں نے ضوء سے پوچھا: تمہارا کیا اندازہ ہے؟ کہا چودہ سال اور ابو علی اور ابو عبداللہ نے کہا ہمارا اندازہ اکیس سال ہے۔" [1]

اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ وقت کے خلیفہ معتمد نے حسن عسکری کی وفات کے وقت ہر ممکن تدبیر اختیار کی تا کہ اسے کسی جانشین کا علم ہو سکے۔ یہاں تک کہ حمل کے شبہ کی صورت میں میراث تقسیم کرنے سے روک دی گئی اور پھر یہ شبہ باطل ٹھہرا، اور میراث تقسیم کر دی گئی۔

حسن عسکری کی والدہ ماجدہ جو ایک ولیہ کاملہ تھیں، انہوں نے خلیفہ وقت کے مقرر کردہ قاضی کے سامنے پیش ہو کر اپنے اس بیان کی تصدیق کے طور پر کچھ دلائل پیش کئے کہ مرنے والے امام حسن عسکری کا وصی اُن کا بھائی جعفر ہے۔ قاضی نے دلائل اور شواہد کی بنیاد پر اس کو تسلیم کر لیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا ایسی نیک بخت اور تقوے سے مزین عورت یہ نہ جانتی تھی کہ مرنے والے کا ایک بیٹا ہے جو حقیقت میں ان کی جگہ امام اور وصی ہے......اور پھر جب خلیفہ وقت اور اس کے مقرر کردہ آدمیوں نے پوری چھان بین کے بعد فیصلہ کیا کہ حسن عسکری کی کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ حالانکہ وہ اس کھوج میں تھے کہ کہیں سے کوئی اس بارے میں بات معلوم ہو۔ لیکن معاملہ واضح ہو گیا کہ حسن عسکری واقعتاً لاولد فوت ہوئے اور ان کا کوئی بھی صلبی جانشین موجود نہیں۔ اللہ کی زمین پر اور نہ ہی ماں کے پیٹ میں............تو پھر کہانی کا رُخ بدلا......اور فارسی نامی شخص کی زبانی انکشاف ہوا کہ اس نے امام مہدی کو دیکھا، ان کے سینہ سے ناف تک "سبز" بال تھے۔

ان کی عمر اس وقت دوسال تھی۔

ایک اور بتلانے والے کے نزدیک چودہ برس اور تیسرے شخص کے نزدیک اکیس سال کی تھی۔

اتنی عمر میں ایک کنیز اس بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر لائی......!!

اندازہ لگائیں۔ ایک ہی بچہ اور اس کی عمر ۲، ۱۴ اور ۲۱ سال ہو سکتی ہے؟ کیا ۱۴ یا ۲۱ سالہ بچہ کپڑے میں لپیٹ کر لایا جاتا ہے؟......اور اس کو کوئی کنیز یوں آسانی سے اٹھالے گویا روئی کا گالا؟؟

کیا جس کو ظاہر نہ کرنا ہو، اور مخفی ہی رہنا ہو، وہ ۲۱ سال تک ظاہر کیوں رہا۔ لوگوں کو کیوں دکھایا گیا؟......

ان تاریخی روایات کے متن اور سند کے جائزہ سے قبل یہ اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایات اس دور میں مشہور ہوئیں جسے "غیبتِ صغریٰ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ ان مؤلفین نے ان روایات کو ذکر نہیں کیا، جن کا بارہویں امام کے وجود پر اعتقاد سے تعلق ہے، اگرچہ انہوں نے تیسری صدی ہجری کے آخری نصف حصہ میں اس موضوع

1۔ اصول کافی جلد اول کتاب الحجۃ باب مولد الصاحب علیہ السلام

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پر لکھا بھی ہے مثلاً نوبختی نے ''فرق الشیعہ'' میں، سعد بن عبداللہ اشعری قمی نے ''المقالات والفرق'' میں، علی بن بابویہ صدوق نے ''الامامۃ والتبصرہ من الحیرۃ'' میں اور محمد بن ابی زینب نعمانی نے ''الغیبۃ'' میں ان روایات کو ذکر نہیں کیا حتیٰ کہ شیخ کلینی نے بھی، جن کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس موضوع سے متعلق ہر قصہ اور روایت کو جمع کر دیں، انہوں نے بھی ان روایات کو ذکر نہیں کیا۔ یاد رہے کہ یہ قصہ بھی شیخ کلینی ہی نے ذکر کیا ہے کہ سعید بن ابی غانم نامی ایک ہندوستانی شخص نے امام مہدی کی تلاش میں کشمیر سے سفر کیا تھا مگر شیخ کلینی نے بھی ان بہت سے قصوں کو بیان نہیں کیا، جنہیں ان کے بعد شیخ محمد بن علی صدوق نے ''اکمال الدین'' میں یا شیخ مفید نے ''الارشاد'' اور ''الفصول'' میں یا شیخ طوسی نے ''الغیبۃ'' میں ذکر کیا ہے۔

یہ بالکل واضح بات ہے کہ شیخ صدوق (بیٹا) امام عسکری کی وفات کے قریباً سو سال بعد آیا اور شیخ طوسی اس تاریخ کے دو سو سال بعد فوت ہوئے لیکن اس کے باوجود ان دونوں نے محمد بن حسن عسکری کی ولادت کے بارے میں جو حکایات اور قصے کہانیاں سنے وہ سب بیان کر دیئے حالانکہ ان قصے کہانیوں کو بیان کرنے والے راوی نہایت غالی، ضعیف، مجہول اور وضاع تھے۔[1]

مہدی اور والدۂ مہدی کے بارے میں اختلافات

عجیب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمد مہدی بن حسن عسکری کی فرضی والدہ کی شخصیت کے بارے میں بھی، ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں بھی اور اس موضوع سے متعلق دیگر تفصیلات کے بارے میں بھی بہت زیادہ ہی اختلاف ہے۔ ان کی والدہ کے نام کے بارے میں روایات کے اختلاف کی صورت کچھ اس طرح سے ہے کہ وہ ایک باندی تھی اور اس کا نام نرگس یا سوسن یا صقیل یا خمط یا ریحانہ یا ملیکہ تھا۔ جب کہ بعض دیگر روایات میں ہے کہ یہ ایک آزاد عورت تھی اور اس کا نام مریم بنت زید علویہ تھا یا یہ ایک باندی تھی، جو امام ہادی کی کسی بہن کے گھر میں پیدا ہوئی تھی...... یا اسے بغداد کے بازارِ غلاماں سے خریدا گیا تھا۔ اسی طرح ان روایات میں تاریخ ولادت، دن، مہینے اور سال کے بارے میں بھی اختلاف ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ ان (مہدی) کے والد کی وفات کے وقت ان کی عمر کتنی تھی، اختلافِ روایات کے باعث یہ عمر دو سال سے لے کر آٹھ سال تک بتائی گئی ہے۔ اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ حمل رحم میں قرار پایا تھا یا پہلو میں اور پھر اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ ولادت شرم گاہ کے راستہ سے ہوئی تھی یا ران سے، حتیٰ کہ روایات میں رنگ کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ بعض میں رنگ سفید بتایا گیا ہے اور بعض میں گندمی۔

مہدی کی نشو ونما کے بارے میں اختلافات

ان روایات میں آپ کے نشو ونما پانے اور پروان چڑھنے کے طریقہ کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ بعض

1۔ شیعیت کے سیاسی افکار ونظریات

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

روایات میں تو یہ ہے کہ آپ کی نشو ونما عام معمول کے مشہور و معروف طریقے کے مطابق ہی ہوئی، جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے والد کی وفات کے وقت آپ ابھی چھوٹے بچے ہی تھے، جب کہ بعض دیگر روایات میں یہ ہے کہ آپ کی نشو ونما غیر طبعی طریقے کے مطابق ہوئی اور پھر اس غیر طبعی طریقے کے بارے میں بھی اختلاف ہے، بعض روایات میں ہے کہ آپ کی نشو ونما اس قدر تیزی سے ہوئی کہ آپ ایک دن میں اس قدر پروان چڑھے، جس طرح عام معمول کے مطابق کوئی بچہ ایک سال میں پروان چڑھتا ہے یا بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ ایک دن میں اس قدر پڑوان چڑھے جس طرح کوئی ایک ہفتے میں پروان چڑھتا ہے اور ایک ہفتہ میں آپ اس طرح پروان چڑھے جس طرح کوئی ایک مہینہ میں پروان چڑھتا ہے اور ایک مہینہ میں آپ کے نشو ونما پانے کی رفتار ایک سال کی رفتار کے برابر تھی۔ ان روایات کے مطابق تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے والد گرامی کی وفات کے وقت آپ کی حالت ایک ایسے بڑے آدمی کی سی تھی، جو ستر سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو، حتیٰ کہ ایک سال کے بعد جب آپ کی پھوپھی حکیمہ آئیں، تو وہ پہچان نہ سکیں اور جب امام حسن عسکری نے انہیں آپ کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا تو انہیں اس سے بہت تعجب ہوا (کہ آپ ایک اجنبی آدمی کے پاس بیٹھنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں)۔

مہدی کے چھپائے جانے کے بارے میں اختلافات

ان کے چھپائے جانے کے مسئلہ میں وارد روایات میں بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حکیمہ نے بیٹے کی ولادت کے بعد امام حسن عسکری کو الوداع کہا اور اپنے گھر چلی گئیں اور تین دن بعد جب بچے کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا تو وہ امام حسن کے گھر آئیں، بچے کو اس کے کمرے میں دیکھا مگر اس کا کوئی نام ونشان نہ پایا تو اس بات کو ناپسند کیا کہ بچے کے بارے میں یہ پوچھیں کہ وہ کہاں ہے مگر جب وہ ابو محمد کے پاس آئیں تو انہوں نے از خود ہی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''پھوپھی جان! وہ اللہ کی حفظ و امان میں ہے، میں نے اسے چھپا دیا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے باہر نکلنے کی اجازت دے۔ جب اللہ تعالیٰ مجھے غائب اور فوت کر دے اور آپ دیکھیں کہ میرے شیعہ میرے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں، تو ان میں سے ثقہ لوگوں کو میری خبر دے دینا۔ یہ بات آپ کے پاس مستور اور ان کے پاس مخفی رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو اپنی مخلوق سے غائب اور اپنے بندوں سے پس پردہ کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ حکیمہ ہر چالیس دن کے بعد حسن کے بیٹے کو دیکھا کرتی تھی اور وہ انہیں مکمل مرد بننے تک دیکھتی رہی تھیں۔ کچھ دیگر روایات میں ہے کہ امام حسن عسکری نے اپنے بیٹے کی ولادت کا اعلان کیا اور اپنے بعض اصحاب کی طرف ایک مینڈھا بھیجا تاکہ اس کا عقیقہ کر دیں، انہوں نے اپنے اصحاب میں سے ایک جماعت کو بیٹا دکھایا اور احمد بن اسحاق قمی کو اس سلسلہ میں لکھا...... امام حسن عسکری نے اپنے بیٹے کو اس وقت باہر نکالا اور انہیں دکھایا جب انہوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے ''سرمن رائی'' میں ان کی زیارت کی تھی اور اصحاب وخدام کی ایک جماعت نے بھی اچانک یا قصداً امام حسن کے بیٹے کی زیارت کی تھی جبکہ وہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے یا گھر میں چل پھر رہے تھے۔

بعض دیگر معاملات میں اختلافات

روایات میں اس پہلو سے بھی اختلاف ہے کہ ایک طرف تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے بارے میں حکومت کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ اسے گرفتار نہ کر لے اور دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ انتہائی مطمئن تھے حتیٰ کہ انہوں نے بڑے اطمینان وسکون سے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے گھر میں آنے والے وفود کا استقبال بھی کیا۔اسی طرح ان روایات میں بھی اختلاف ہے، جن میں یہ ذکر ہے کہ اصحاب وخدام کو امام عسکری کے بیٹے کے وجود کا علم تھا اور انہوں نے انہیں دیکھا تھا، جب کہ بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ اس وقت حیران وششدر رہ گئے، جب وہ اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے ظاہر ہوئے اور اصحاب وخدام نے آپ کو چند علامتوں ہی سے پہچانا۔ان کی عقل کی پختگی کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں، بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا، کلمۂ شہادت پڑھا، اپنے آباؤ اجداد میں سے ایک ایک پر صلاۃ وسلام پڑھا اور قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کی، جبکہ بعض دوسری روایات میں یہ ہے کہ آپ بچے تھے، سونے کی گیند کے ساتھ کھیلتے تھے اور اپنے والد کو جب وہ کچھ لکھنا چاہتے، تو لکھنے نہیں دیتے تھے......۔

حکیمہ کی روایت

صدوق نے حکیمہ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نرگس قطعاً حاملہ نہ تھی اور نہ وہ حمل کے بارے میں کچھ جانتی ہی تھی، اس لئے جب حکیمہ نے اسے بتایا کہ وہ آج رات ایک بچے کو جنم دے گی، تو اسے یہ سن کر بہت تعجب ہوا اور اس نے کہا تھا کہ میری مالکہ میں تو اس طرح کی کوئی چیز نہیں دیکھتی...... بلکہ خود حکیمہ کو بھی اس بات سے اس وقت بے حد تعجب ہوا تھا، جب امام حسن نے اسے بتایا کہ ۱۵رشعبان کی رات اس کے گھر میں بچے کی ولادت ہوگی، تو اس نے پوچھا کہ اس بچے کی ماں کون ہوگی؟ جب امام حسن عسکری نے نرگس کا نام لیا تو حکیمہ نے کہا کہ میں آپ پر قربان! اس میں تو حمل کی کوئی علامت نہیں ہے اور جب صبح طلوع ہونے کے قریب تھی اور کوئی اثر ظاہر نہ ہوا تو حکیمہ کے دل میں بھی شک پیدا ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حکیمہ نے نرگس پر قرآن پڑھنا شروع کیا، تو بچے نے شکمِ مادر سے جواب دیا اور قرآن کے جس حصے کو حکیمہ نے پڑھا اسی کو اس بچے نے بھی پڑھنا شروع کر دیا، بچے نے حکیمہ کو سلام بھی کیا جس سے یہ گھبرا گئی، اس کے باوجود ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک مدت گزر گئی مگر حکیمہ نے عملِ ولادت کا مشاہدہ نہ کیا، ایک اور روایت میں ہے کہ نرگس کو حکیمہ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا گیا، جس کی وجہ سے اس نے اسے نہ دیکھا گویا نرگس اور حکیمہ کے مابین ایک پردہ حائل کر دیا گیا، جس کی وجہ سے اس کی حیرانی وپریشانی میں اضافہ ہو گیا اور یہ چیختی چلاتی ہوئی ابومحمد کے پاس چلی گئی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

صدوق کی روایت میں یہ بھی نہیں ہے، جو طوسی کی روایت میں ہے کہ حکیمہ نے اس بچے کے بازو پر لکھا ہوا دیکھا:

جآء الحق و زھق الباطل انّ الباطل کان زھوقًا۔ (اسراء: ۸۱)

حالانکہ صدوق طوسی سے پہلے زمانہ کے ہیں ہاں البتہ صدوق نے ان پرندوں کا ذکر ضرور کیا ہے، جو ولادت کے بعد بچے کے سر پر اڑ رہے تھے اور حسن نے ان میں سے ایک پرندے سے کہا کہ "اسے اٹھالو، اس کی حفاظت کرو اور ہر چالیس دن کے بعد اسے ہمارے پاس لے آیا کرو"۔ یہ روایت صرف صدوق ہی نے ذکر کی ہے۔

اس بات کے ذکر کرنے میں صدوق اور طوسی دونوں متفق ہیں کہ اس بچے نے ولادت کے وقت بات کی، کلمۂ شہادت پڑھا، نبی اور سابقہ ائمہ پر صلاۃ پڑھا اور اپنے والدین کو سلام کیا، اسی طرح دونوں کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اس کے بعد یہ بچہ غائب ہو گیا اور چھپ گیا، حتیٰ کہ اس کی پھوپھی نے بھی اس کے بعد اس کا نہ کوئی نشان دیکھا اور نہ کوئی ذکر سنا۔[1]

حکیمہ کی طرف منسوب ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ امام حسن عسکری غیبی طور پر بچے کی جنس کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ لڑکا ہے، وہ غیبی طور پر یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی پھوپھی حکیمہ کے دل میں کیا خیال آیا ہے اور اس نے ان کی اس بات کے بارے میں کس طرح شک کا اظہار کیا ہے، اس لئے آپ نے ان سے کہا کہ پھوپھی جلدی نہ کرو، اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ امام حسن کو غیبی طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ اب ان کی موت کا وقت قریب ہے، اسی لئے تو انہوں نے اپنی بہن سے کہا کہ "عنقریب تم مجھے مفقود پاؤ گی"۔ اسی طرح امام مہدی کو غیبی طور پر حکیمہ کے سوالوں کا بھی علم ہو گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے اس سلسلہ میں بات شروع کرنے سے قبل ہی آپ نے ان کے سوالوں کے جوابات بھی دے دیئے تھے۔

یہ تمام سوالات، اشکالات اور مآخذ حکیمہ کی طرف منسوب روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور اسے حجیت و وثوق سے ساقط قرار دے کر ایک افسانہ بنا دیتے ہیں، جسے غالی اور انتہا پسند لوگوں نے گھڑا ہے۔

ابوادیان بصری کی روایت

صدوق نے اس روایت کو "اکمال الدین" میں بیان کیا ہے اور اسے بیان کرنے میں وہ منفرد ہے، پھر لطف یہ کہ انہوں نے روایت کو ایک ایسے فرضی اور موہوم شخص سے روایت کیا ہے، جس کا انہوں نے نام، ولدیت اور خاندان تک ذکر نہیں کیا بلکہ ایک فرضی نام ابوالادیان بصری ذکر کیا ہے اور اس کے تعارف میں صرف یہ کہا ہے کہ یہ امام کے خدام میں سے ایک تھا، مختلف شہروں میں آپ کی طرف سے قاصد بن کر جاتا، آپ کے خطوط پہنچاتا اور اموال جمع کرتا تھا، اس کے باوجود کوئی اسے نہیں جانتا اور نہ کسی مؤرخ نے اس کے وجود کی طرف اشارہ کیا ہے۔

1۔ شیعہ کے سیاسی افکار و نظریات، مصنف احمد الکاتب۔ ص ۳۱۶ تا ۳۲۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قطع نظر اس بات سے کہ صدوق نے اسے بلند مرتبہ عطا کیا ہے، یہ راوی (ابوالادیان) خود اسی روایت میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ امام عسکری نے اسے اپنے بعد آنے والے امام کی شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لہٰذا اسے امام کے کسی بیٹے کے وجود کا قطعاً کوئی علم نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عام شیعہ نے جن میں عقید سمان (عثمان بن سعید) اور خود یہ بصری بھی شامل تھے، جعفر بن علی سے تعزیت کی اور انہیں مبارک باد دی لیکن یہ سب لوگ نہیں جانتے تھے کہ عسکری کے بعد امام کون ہوگا، انہوں نے جعفر کے پیچھے ہی نماز پڑھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اوّل سے لے کر آخر تک اس روایت کا انحصار اس بات پر ہے کہ امام علم غیب جانتا ہے کیونکہ راوی نے اس روایت کے ابتداء ہی میں یہ بیان کیا ہے کہ امام حسن نے ان سے کہا تھا کہ:

"مدائن جاؤ، وہاں پندرہ دن غائب رہو گے اور پھر "سر من رأی" میں داخل ہو گے، میرے گھر سے رونے کی آواز سنو گے اور مجھے حمام میں پاؤ گے"۔

یہ ساری باتیں علم غیب سے تعلق رکھتی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما تدری نفس مّاذا تکسِبُ غدًا و ما تدرِی نفس بایّ ارضٍ تموت۔ (لقمان: ۳۴)

"اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی"۔

روایت میں یہ ہے کہ آنے والا مجہول امام، بصری سے مطالبہ کرے گا حالانکہ وہ اسے پہلے سے نہیں جانتا ہوگا کہ وہ امام عسکری کے خطوط کا جواب دے جیسا کہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ امام یہ بھی بتا دے گا کہ اس بٹوے میں کیا ہے، اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ عسکری کی تکفین کے بعد ایک بچہ آیا اور اس نے جعفر کو دور ہٹا کر اپنے والد کی خود نماز جنازہ پڑھائی اور پھر بصری سے کہا کہ ہاں لاؤ ان خطوط کے جوابات جو آپ کے پاس ہیں تو بصری نے انہیں یہ دے دیئے، اسی اثناء میں قم اور جبال کے شیعہ کا ایک وفد آیا، تو انہوں نے انہیں امام عسکری کی وفات کے بارے میں بتایا، انہوں نے پوچھا کہ ہم تعزیت کس سے کریں؟ لوگوں نے جعفر بن علی کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے انہیں سلام کیا، تعزیت کی اور مبارک باد دی۔

بصری نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ خود اس نے نئے امام کے بارے میں لوگوں کی رہنمائی کیوں نہ کی؟ اس نے ان شیعہ قائدین کے لئے اشارہ کیوں نہ کیا، جنہوں نے محض توہّم کی وجہ سے بچے کے پیچھے نماز پڑھی تھی کہ درحقیقت عملی طور پر وہی امام ہیں بہر حال راوی ابوالادیان بصری کا یہ کہنا ہے کہ قم کے وفد نے اپنے بھائی کے بعد جعفر کے بطور امام تعین پر اعتراض نہیں کیا تھا، انہوں نے عمودی وراثت کی دلیل بھی پیش نہیں کی البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ ان کے پاس کچھ خطوط اور اموال ہیں لہٰذا انہوں نے جعفر سے مطالبہ کیا کہ وہ غیبی طور پر ان خطوط اور اموال کی تفصیل بتائیں مگر جعفر اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا تم ہم سے یہ چاہتے ہو کہ ہم علم غیب جانتے ہیں؟ اتنے میں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خادم باہر آیا اور اس نے بتایا کہ تمہارے پاس فلاں فلاں کے خطوط ہیں، ایک بٹوہ ہے، جس میں سونے کے ایک ہزار دس دینار ہیں، تو انہوں نے خطوط اور اموال اس کے سپرد کر دیئے اور کہا کہ جس نے آپ کو یہ لینے کے لئے بھیجا ہے وہی امام ہے۔ صدوق نے اس روایت میں یہ نہیں کہا کہ وفد قم نے امام کی شخصیت کو پہچان لیا تھا یا اسے دیکھا تھا یا اس سے ملاقات کی تھی البتہ اس نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ وفد خادم کے ساتھ گیا اور امام قائم سے ملاقات کی جو کہ چارپائی پر بیٹھے تھے گویا چاند کا ٹکڑا ہوں، انہوں نے سبز رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے، وفد نے انہیں سلام کیا، امام نے انہیں سلام کا جواب دیا اور پھر فرمایا کہ تمام مال اتنا ہے، فلاں کے پاس اتنا اور فلاں کے پاس اتنا ہے، اسی طرح انہوں نے تمام مال کی کیفیت بیان کر دی، پھر انہوں نے وفد کی سواریوں، ان کے کپڑوں اور ان کے جانوروں کی تمام تفصیلات بھی بیان کر دیں۔

قطع نظر اس بات سے کہ یہ مسئلہ کوئی بہت زیادہ مشکل نہیں ہے کیونکہ کسی بھی شخص کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ کسی وفد میں گھس جائے اور حالات معلوم کرے یا وہ وفد کے سربراہ سے مل جائے اور اس سے تمام تفصیلات حاصل کر کے باقی لوگوں کو بتانا شروع کر دے..... مگر ابوالادیان بصری کی روایت اسے علم غیب سے تعبیر کرتی ہے اور اسے اس شخص (یا بچے) کی امامت کی دلیل قرار دیتی ہے، جو کہ چارپائی پر بیٹھا تھا مگر یہ بیان نہیں کرتی کہ وفد کو اس شخص کی شخصیت کے بارے میں کیسے علم ہوا، کیا اس نے وفد کو یہ بتایا تھا کہ یہ امام عسکری کے بیٹے ہیں یا یہ نہیں بتایا تھا؟

جیسا کہ واضح ہے یہ روایت اس ڈر اور خوف کے بارے میں بھی کچھ بیان نہیں کرتی جو شیعہ اور ان کے نئے امام کا احاطہ کیے ہوئے تھا، بلکہ روایت میں تو یہ ہے کہ اس وفد کا جب جعفر سے اختلاف ہوا، تو عباسی خلیفہ معتمد نے اس وفد کا ساتھ دیا اور اس کے ساتھ اپنے سپاہی بھی بھیجے تا کہ وہ راستہ میں اس وفد کی حفاظت کریں مگر یہ روایت اس بات کو بھول جاتی ہے کہ عباسی حکمرانوں نے امام عسکری کے گھر کا محاصرہ کر کے ان کے بیٹے کی تلاش کے لئے گھر کی تلاشی لی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اگر واقعی یہ امام خائف اور مستور تھا، تو پھر وہ اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کیوں آیا اور حکومتی پولیس کے سامنے بیٹھ کر اپنے گھر میں آنے والے وفد کا اس نے استقبال کیوں کیا؟ تاریخی طور پر جو بات مشہور ہے وہ تو یہ کہ ابوعیسیٰ متوکل نے امام عسکری کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، اس نے دارالحکومت ''سر من رائی'' کے دروازے تمام لوگوں کے لئے بند کر دیئے تھے کیونکہ امام عسکری کی وفات کی وجہ سے بہت چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت قم میں ابتدائی دور ہی میں گھڑ لی گئی تھی تا کہ امام عسکری کے جانشین کے وجود کو ثابت کیا جا سکے اور یہ بات اس جانشین کی مہدویت کے نظریہ کے پیدا ہونے سے پہلے کی ہے کیونکہ اس جانشین کے اثبات کا مسئلہ اس کی صفت مہدویت کے مسئلہ کے اثبات سے مختلف بھی ہے اور زمانی اعتبار سے اس سے مقدم بھی، شروع میں لوگ پہلے مسئلہ کے اثبات میں مشغول تھے جبکہ دوسرا مسئلہ اس سے کئی سال کے بعد پیدا ہوا، یہ دوسرا مسئلہ حالتِ غیبت اور امام کے عدم وجود سے پیدا ہوا تھا اور اسی بات کو بعض لوگوں نے مہدی کی علامات قرار دیتے ہوئے انہیں مہدی منتظر تسلیم کر لیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس حکایت کے وضع کرنے والے حکومت کے خوف اور پولیس کے عسکری کے بیٹے کو تلاش کرنے کی بات بھول گئے، لہٰذا انہوں نے اس بات کو تراش لیا کہ اس بچے نے برآمد ہو کر اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے گھر میں آنے والے وفود کا استقبال بھی کیا۔

اس روایت کے علاوہ دو روایتیں اور بھی ہیں، جنہیں اسماعیل بن علی نوبختی نے بیان کیا ہے، وہ یہ کہ اس نے امام عسکری کی وفات سے ایک گھنٹہ پہلے ان کی زیارت کی، تو امام نے اپنے خادم "عقید" سے کہا کہ وہ ان کے بیٹے کو لائے، وہ لے آیا تو آپ نے اس سے کہا کہ "میرے بیٹے! تمہیں بشارت ہو کہ تم صاحبِ زمان ہو"۔ جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو امام عسکری نے اپنا بیٹا دکھاتے ہوئے کہا کہ "میرے بعد یہ تمہارا امام اور خلیفہ ہے مگر آج کے بعد تم اسے دیکھ نہ سکو گے"۔ پہلی روایت ابوالادیان بصری کی روایت کے خلاف ہے، جس میں یہ ہے کہ "عقید" کو امام عسکری کے بیٹے کے وجود کا علم نہ تھا، اسی لئے تو اس نے آپ کے بھائی جعفر سے کہا کہ وہ آپ کا جنازہ پڑھائیں؟ جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ "عقید" ہی اس بچے کو لے کر اسماعیل بن علی نوبختی کے سامنے لایا تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ نوبختی نے اس قصہ کی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ اس نے تو یہ کہا ہے کہ اس نے ابن حسن کے وجود کو نظری استدلال کے طریقہ سے معلوم کیا ہے جیسا کہ صدوق نے اپنی کتاب "اکمال الدین" کے صفحہ نمبر ۲۰ پر نوبختی کی کتاب "التنبیہ" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

دوسری روایت بھی ابوالادیان بصری کی روایت کے خلاف ہے، اس میں اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ بڑے بڑے اصحاب حسن عسکری کے بیٹے کے وجود کو جانتے تھے اور ان میں سمان (عثمان بن سعید عمری) اور حاجز وشاء بھی ہیں، جنہوں نے جعفر سے یہ پوچھا تھا کہ بچہ کون ہے تا کہ ہم اس پر حجت قائم کر دیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا اور نہ میں اسے جانتا ہوں۔

مشہور بات یہ ہے کہ سمان عمری اور حاجز وشاء دونوں نے حجت بن حسن کی نیابت خاصہ اور وکالت کا دعویٰ کیا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونوں نے اس کے بعد انہیں کب دیکھا؟ اور ان سے کب وکالت نامہ حاصل کیا؟

یہاں ایک اور نقطہ بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ بالا دوسری روایت میں ہے کہ امام عسکری نے اپنے اصحاب کو بچہ دکھانے کے بعد کہا تھا کہ "تم آج کے بعد دوبارہ اسے نہیں دیکھ سکو گے"۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر یہ بچہ کس طرح ظاہر ہوا، اس نے اپنے والد کا جنازہ کس طرح پڑھایا اور وفود کا استقبال کس طرح کیا؟ اور پھر یہ تمام روایات حکیمہ سے مروی پہلی روایت کے بھی خلاف ہیں کیونکہ اس میں یہ ہے کہ امام عسکری نے ان سے فرمایا تھا کہ "وہ ان کے یومِ ولادت کے بعد دوبارہ انہیں نہیں دیکھ سکیں گے"۔ بہر حال ان میں سے ہر روایت اپنے سے پہلی روایت کے خلاف ہے۔

یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ جس شخص نے بھی ظاہر اور حقیقت کے خلاف امام عسکری کے بیٹے کے فرضی وجود کو گھڑا اور اس کی بنیاد بے ہودہ فلسفیانہ مقالوں پر رکھی، جیسے امام حسن و حسین کے علاوہ کوئی اور دو بھائیوں میں انتقالِ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

امامت جائز نہیں اور یہ ضروری ہے کہ سلسلۂ امامت امام کی اولاد اور پھر اولاد در اولاد جاری وساری رہے......اس گروہ نے اپنے ان فرضی عقائد کی تائید وحمایت میں امام حسن عسکری کے بیٹے کی ولادت، ان کے والد کی زندگی میں ان سے ملاقات اور پھر وفات کے وقت ان کے دیدار کے بارے میں قصے کہانیاں اور داستانیں گھڑنا شروع کر دیں۔

یہ روایات چونکہ باہم دیگر مختلف تھیں، وضاع وکذاب لوگوں نے انہیں گھڑا تھا، اس لئے چھوٹی بڑی تمام تفصیلات بیان کرنے میں ان میں تضاد اور تناقض ہے، ان میں سے ہر روایت درحقیقت اپنے وضع کرنے والے کے مخصوص ذاتی افکار کو بیان کرتی ہے، یہ روایات معجزات، خرقِ عادت امور اور ائمہ کے علم غیب جاننے کے دعوؤں سے بھری ہوئی ہیں، مگر علم غیب جاننے کے ان تمام دعوؤں کی قرآن نہایت صراحت کے ساتھ اس طرح نفی کرتا ہے کہ:

قل لَّا یعلم من فی السمٰوات والارضِ الغیب اِلَّا اللہ۔۔۔ (النمل: ۶۵)

”کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اللہ کے سوا غیب نہیں جانتے۔“

عٰلم الغیب فلا یظھرُ علٰی غیبہٖٓ احدًا O اِلَّا من ارتضٰی من رّسولٍ۔ (الجن: ۲۶۔۲۷)

”(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے“۔

اس دعویٰ کے ذریعہ انہوں نے درحقیقت غیبت کے اس محیر العقول امر کی تفسیر کی بھی کوشش کی ہے، جو امامتِ الٰہیہ اور لطفِ الٰہی کے نظریہ کے خلاف ہے۔

ظاہر تاریخی روایت میں یہ ہے کہ امام حسن عسکری نے اپنے بیٹے کے وجود کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا، وفات کے وقت انہوں نے قاضی ابن ابی شوارب کو بلایا اور اس کے سامنے اپنے اموال اور جائیدادوں کے بارے میں اپنی والدہ ”حدیث“ کو وصیت کر دی تھی، نرگس نامی ایک باندی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ آپ سے حاملہ ہے، اس نے اپنی آزادی کی امید میں یہ دعویٰ کیا تھا کیونکہ بچے کی ولادت کے بعد وہ ام ولد بن جاتی ہے اور اپنے بیٹے کی وجہ سے آزاد ہو جاتی ہے، ممکن ہے کہ اس کا حیض معمول سے مؤخر ہو گیا ہو، جس کی وجہ سے اس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ وہ حاملہ ہے، بہرکیف قاضی نے اس کے دعوے کی وجہ سے ترکہ کی تقسیم کے مسئلہ کو مؤخر کر دیا تھا، باندی کی نگہداشت کا انتظام کیا اور اسے خلیفہ معتمد کے خاندان کی عورتوں کے سپرد کر دیا اور حکم دیا کہ اس کے حمل کے دعویٰ کی تحقیق کریں مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ قطعاً حاملہ نہیں ہے۔

بعض شیعہ امامیہ جو جعفر بن علی کی امامت کے قائل نہیں تھے، وہ حسن عسکری کی وفات کے بعد فکری بحران اور حیرت میں مبتلا ہو گئے تھے، انہوں نے نرگس کے اس بچے کا سہارا لیا اور کہا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا۔ بعض نے کہا کہ اس نے بچے کو جنم نہیں دیا اور نہ ہم نے اس کے کسی بچے کو دیکھا ہے البتہ اللہ کے حکم سے یہ عنقریب بچے کو جنم دے گی اعجازی صورت میں اس کے پیٹ میں جنین ایک طویل مدت تک رہا، بعض نے کہا کہ اس نے حمل کا یہ دعویٰ اس لئے کیا کہ اپنے اس بچے کی پردہ پوشی کر سکے جسے یہ پہلے جنم دے چکی تھی، کچھ اور لوگوں نے بھی اس سے ملتی جلتی باتیں کی تھیں۔ جن لوگوں نے پہلے بیٹے کے وجود کا دعویٰ کیا تھا، انہوں نے اب خفیہ طور پر قصے کہانیاں گھڑنی شروع کر دیں تاکہ خوش حال

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لوگوں کو گمراہ کر کے ان سے مال حاصل کر سکیں، علماء اور محققین اولین نے ان قصے کہانیوں کو سچا قرار نہیں دیا تھا، ان کے ایک سو سال بعد شیخ صدوق اور دو سو سال بعد شیخ طوسی نے آ کر ان قصے کہانیوں کو بیان تو کیا مگر ان کے مصادر و مآخذ اور اسناد کے بارے میں قطعاً کوئی تحقیق نہ کی، معلوم ہوتا ہے کہ خود انہیں بھی ان پر کوئی زیادہ اعتماد نہیں تھا، وہ خود شروع میں محسوس کرتے تھے کہ یہ تمام قصے کہانیاں ضعیف اور من گھڑت ہیں، اسی بنا پر انہوں نے کہا کہ امام حسن کے بیٹے کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے ہمارا انحصار عقلی (فلسفی) دلیل پر ہے اور ان قصوں کو ہم محض تائید کے طور پر پیش کرتے ہیں اور پھر ان کے بعد آنے والے مؤرخین نے ان قصوں کو اس طرح تاریخی حقائق کے طور پر پیش کیا گویا یہاں کسی بحث و تمحیص اور تنقید کی گنجائش ہی نہیں ہے۔[1]

شیعہ فطحیہ نے جعفر صادق کے ایک مخفی بیٹے کے وجود کا دعویٰ کیا تھا اور کہا تھا کہ اس کا نام محمد ہے اور وہ مہدی منتظر ہے، اس کی ولادت خفیہ طور پر ہوئی اور وہ یمن میں مخفی ہے، انہوں نے بھی یہ بات اسی عقیدہ کی وجہ سے گھڑی تھی کہ امامت کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندہ امام کے بعد اس کی اولاد میں اور پھر اولاد در اولاد جاری و ساری رہے اور یہ جائز نہیں کہ حسن و حسین کے علاوہ کوئی اور دو بھائی منصب امامت پر فائز ہوں۔ شیعہ اثنا عشریہ نے شیعہ فطحیہ کے اس فرقہ کے بارے میں کہا کہ انہوں نے ایک ایسے فرضی شخص کے وجود کو تراش لیا ہے جس کا امر واقع اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، یعنی یہ اپنے افکار و نظریات کی وجہ سے چونکہ ایک بند راستہ میں پہنچ گئے تھے لہٰذا انہوں نے اس سے باہر نکلنے کے لئے ایک فرضی شخصیت امام مہدی محمد بن عبداللہ فطح کے وجود کا سہارا لیا۔

شیعہ مصنف احمد الکاتب لکھتے ہیں:

''جو شخص بھی روایت و درایت کے میدان میں شیعہ کے عظیم الشان علمی سرمایہ کا جائزہ لے گا اور دیکھے گا کہ ابتدائی صدیوں ہی سے علماء نے راویوں کے جائزہ، احادیث کے مطالعہ اور قوی و ضعیف میں تمیز کے لئے کس قدر اہتمام کیا ہے، تو وہ یہ معلوم کر لے گا کہ شیعہ علماء نے اس بات کو بڑی اہمیت دی ہے کہ احکامِ شرعیہ کی اساس ٹھوس علمی بنیادوں پر ہو۔ انہوں نے اس بات کو ہرگز جائز قرار نہیں دیا کہ دینی مسائل کی بنیاد اوہام، مفروضوں اور قصے کہانیوں پر رکھی جائے لیکن یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ تاریخ کے اس طویل ترین عرصہ میں علماء نے بارھویں امام محمد بن حسن عسکری کے وجود اور ولادت کے بارے میں ان تاریخی روایات کا جائزہ کیوں نہیں لیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے اس قاعدہ پر کیوں انحصار کیا، جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی کہ ''ضعیف روایات ایک دوسرے کے لئے باعث تقویت ہوتی ہیں''۔ اس قاعدہ کی بنیاد پر انہوں نے ولادت اور وجود کے مسئلہ کے بارے میں یہ تصور کر لیا کہ اس کے بارے میں تحقیق مکمل ہو چکی ہے اور اب اس کے بارے میں مزید تحقیق یا نظر ثانی کی ضرورت نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے دیگر تمام روایات کو بلا سوچے سمجھے مسترد کر دیا، جس طرح کہ غالی مؤرخین کیا کرتے ہیں۔ یہ بات مشہور ہے کہ اولین مؤرخین ہر روایت کو مطالعہ و

1۔ شیعہ کے سیاسی افکار و نظریات۔ از احمد الکاتب

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تحقیق کے بغیر قبول کرلیا کرتے تھے، پھر بعد میں یہ تبدیلی آئی کہ انہوں نے روایات میں تمیز کرنا شروع کردی اور پھر اس کے بعد اصولی تحریک شروع ہوئی اور احادیث کی صحیح، حسن، قوی اور ضعیف میں تقسیم کی جانے لگی...... اس تبدیلی کے باوجود ان تاریخی روایات کو ہدف تحقیق نہ ٹھہرایا گیا جو بارہویں امام کی ولادت کے موضوع سے متعلق تھیں۔ حتیٰ کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شیخ طوسی جنہوں نے علم رجال میں ''الفہرست'' اور ''الرجال'' کے نام سے دو کتابیں بھی لکھی ہیں، وہ ان روایات کو ایسے راویوں کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، جنہیں وہ خود اپنی کتابوں میں ضعیف قرار دے چکے ہیں اور انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ اپنے مخصوص کلامی نظریات کے لئے انہیں اس طرح کی روایات کے سہارے کی ضرورت تھی۔

سید مرتضیٰ عسکری جیسے محقق کبیر نے اپنی زندگی کے کئی سال اس بات میں صرف کردیئے کہ وہ دو یا تین جلدوں پر مشتمل اپنی کتاب میں یہ ثابت کریں کہ عبداللہ بن سبا ایک فرضی شخصیت ہے جسے بعض مؤرخین نے اس لیے گھڑا کہ وہ ثابت کرسکیں کہ شیعوں نے امامت کے لئے وصیت کے نظریہ کو اسرائیلیوں سے اخذ کیا ہے یعنی عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سید عسکری نے بے پناہ کوشش کی، تاریخ کی بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا تاکہ عبداللہ بن سباء کے وجود اور شیعی آئیڈیالوجی میں اس کے کردار کی نفی کرسکیں لیکن ان کوششوں کے مقابلہ میں انہوں نے ایک فی صد یا ایک فی ہزار بھی کوشش نہیں کی کہ وہ بارہویں امام کے وجود اور اس کی حقیقت کے بارے میں تحقیق کریں یا ان روایات کا جائزہ لیں، جو ان کی ولادت سے متعلق ہیں۔ اپنی کسی کتاب میں بھی انہوں نے اس موضوع پر کوئی روشنی نہیں ڈالی حالانکہ وہ اتنے بڑے محقق ہیں کہ انہوں نے ڈیڑھ سو فرضی صحابہ کے وجود کو ثابت کیا ہے۔[1]

امام کی غیبتِ صغریٰ اور غیبتِ کبریٰ

ملا باقر مجلسی کے بقول صحیح سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ امام حسن عسکری نے امام مہدی کو صرف مخصوص شیعوں کے لیے ظاہر کیا۔ لوگ ان سے سوال پوچھا کرتے اور وہ انہیں مسیحانہ طور پر جوابات دیا کرتے۔ اور ان کی مشکلات حل فرمایا کرتے۔ اور یہ معاملہ تہتر سال تک جاری رہا۔ اس ۷۳ سالہ عرصہ کو ''غیبتِ صغریٰ'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد کا زمانہ ''غیبتِ کبریٰ'' ہے۔ امام مہدی کے اس زمانہ میں چار وکیل تھے، جن کی وکالت ثابت تھی۔ ان میں سے پہلا وکیل عثمان بن سعد عمران تھا کہ جس کو امام حسن عسکری نے وکیل مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد بن عثمان وکیل بنا۔ جب محمد بن عثمان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو بڑے بڑے شیعہ اس کے پاس آئے اور پوچھا آپ کے بعد وکالت کس کی ہوگی؟ کہا، میرے بعد حسین بن روح نوبختی وکیل ہوگا۔ جب حسین بن روح کی وفات قریب آگئی، تو کہا کہ میرے بعد علی بن محمد سمری وکیل ہوگا۔ جب اس وکیل کا وقتِ مرگ قریب ہوا، شیعہ اکابر نے اس سے پوچھا کہ کسی کے حق میں وصیت کر جاؤ۔ جواب دیا: امر بھی اللہ ہی کا ہے، وہ اس کو صحیح مقام پر پہنچانے والا ہے۔ یہ کہہ کر وصیت نہ کی۔ اور کہا کہ میرے بعد وکیل

1۔ شیعہ کے سیاسی افکار و نظریات۔ از احمد الکاتب

2۔ تذکرۃ الائمہ مصنفہ ملا باقر مجلسی ج ۱ ص ۱۳۹۔ مطبوعہ تہران جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نہیں ہوگا۔ یہ واقعہ ۳۰۹ھ کا تھا، جس میں اس کی وفات ہوئی۔ اب جو شخص ''ثمری'' کے بعد وکالت کا دعویٰ کرے گا، اکابر شیعہ اس کو کافر سمجھتے ہیں۔''[2]

غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں امام مہدی کا مشغلہ

''چہاردہ معصوم'' کا مصنف رقمطراز ہے:

امام زمان راب آنہا نشان دادہ و معرفتے کردہ و مسائل آنہا را بدو مراجعہ نمودہ و نشان سوغات و تحف و ہدایا و صاحبانش را از آنہا خواستہ بیان فرماید۔[1]

''(مختلف اطراف سے جب لوگ امام حسن عسکری کی زیارت کو آتے، اور سوال و جواب کا معاملہ چاہتے تو) آپ ان لوگوں کو امام مہدی کی طرف بھیج دیتے۔ ان کے سوالات کا جواب وہی عطا کرتے۔ اور سوغات تحفہ جات، ہدیے اور ان کے لانے والوں کو بھی امام مہدی کے ہاں روانہ کر دیتے تھے۔''

ظہورِ مہدی بارے اللہ تعالیٰ نے دو میں سے ایک وعدہ بھی پورا نہ کیا

اصول کافی کی روایت ملاحظہ ہو:

عن ابی حمزۃ الثمالی قال سمعت اباجعفر علیہ السّلام یقول یا ثابت ان اللّٰہ تبارک و تعالٰی قد کان وقّت ھذا الامر فی السّبعین فلمّا قتل الحسین صلوات اللّٰہ علیہ اشتدّ غضب اللّٰہ تعالٰی علی اھل الارض فاخّرہ الی اربعین و مأۃ فحدّثنا فاذعتم الحدیث فکشفتم قناع الستر و لم یجعل اللّٰہ لہٗ بعد ذالک وقتًا عندنا و یمحوا اللّٰہ ما یشآء و یثبت و عندہٗ اُمّ الکتاب قال ابو جعفر فحدثت بذالک اباعبداللّٰہ علیہ السّلام فقال و قد کان کذالک۔[2]

''ابوحمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو سنا کہ فرماتے تھے اے ثابت! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امر (ظہورِ مہدی) کا وقت ۷۰ھ معین کیا تھا، جب امام حسین صلوات اللہ علیہ شہید ہوئے تو خدا کا غضب اہلِ زمین پر سخت ہو گیا۔ پس اسے ۱۴۰ھ تک تاخیر کر دیا۔ ہم نے تم سے بتا دیا، مگر تم نے ہماری حکایت کو فاش کر دیا۔ اور ہمارے ستر کے پردے کو پھاڑ دیا۔ اس کے بعد خدا نے ہمارے نزدیک کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ خدا مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے (جو چاہتا ہے) اور اس کے پاس اصل کتاب ہے۔ ابوحمزہ کا قول ہے کہ میں نے اس حدیث کی حکایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کی، انہوں نے فرمایا کہ بے شک ایسا ہی تھا۔''

1۔ چہاردہ معصوم ص ۷۔۶ / جلد دوم۔ دورانِ زندگی امام مہدی۔ مطبوعہ تہران طبع جدید

2۔ اصول کافی جلد اول ص ۳۶۸ کتاب الحجۃ باب کراہیت التوقیت۔ مطبوعہ تہران۔ طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ تین زمانے بھی غلط نکلے

اصول کافی کی عبارت ملاحظہ ہو:

عن الاصبغ بن نباتة قال اتیت امیر المومنین علیه السّلام فوجدتُهٗ متفکّرًا اینکث فی الارض فقلت یا امیر المومنین ما لی اراک متفکّرًا تنکث فی الارض ارغبةٌ منک فیها فقال لا واللّٰہ ما رغبت فیها ولا فی الدُّنیا یومًا قطُّ ولٰکنّی فکَّرتُ فی مولودٍ یکون من ظهری الحادی عشر من ولدی هو المهدی الَّذی یملأ الارض عدلًا وقسطًا کما ملئت جورًا وظلمًا تکون له غیبةٌ وحیرةٌ یضلّ فیها اقوام ویهتدی فیها اٰخرون فقلت یا امیر المومنین وکم تکون الحیرة والغیبةُ قال ستّة ایّامٍ او ستّة اشهر او ست سنین۔[1]

''راوی کہتا ہے کہ میں نے ایک روز امیر المومنین علیہ السلام کو متفکر دیکھا، آپ لکڑی کی نوک سے زمین کرید رہے تھے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! میں آپ کو متفکر پا رہا ہوں۔ کیا آپ کے دل میں رغبتِ سلطنت ہے؟ فرمایا نہیں، میرے دل میں نہ کسی دن اس کی رغبت پیدا ہوئی ہے اور نہ دنیا کی۔ سوچ رہا ہوں اس مولود کے بارے میں جو فرزند گیارہویں امام کی پشت سے ہوگا۔ اس کا نام مہدی ہوگا۔ جو زمین کو عدل وداد سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔ اور ہوگی اس کے لئے غیبت اور حیرت۔ اور کچھ لوگ ہدایت پائیں گے اور کچھ لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ میں نے کہا، اے امیر المومنین! یہ حیرت اور غیبت کتنے دن رہے گی؟ (تاکہ بعد اس کے مومنین کو اطمینان ہو) فرمایا، بعض کو چھ دن بعض کو چھ ماہ اور بعض چھ سال۔''[2]

کشف الغمہ کی بھی ایک روایت حاضر خدمت ہے:

وعن صالح بن میثم قال سمعت ابا جعفر علیه السلام یقول لیس بین القآئم وقتل النفس الزّکیة اکثر من خمس عشرة لیلةً۔[3]

''صالح بن ہیثم کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے سنا، فرماتے تھے کہ نفسِ زکیہ کی شہادت اور القائم (امام مہدی) کے قیام وظہور کے درمیان پندرہ دنوں سے زیادہ کا وقفہ نہ ہوگا''۔

گذشتہ روایات سے معلوم ہوا کہ ''امام مہدی'' کی ''غیبتِ صغریٰ'' کی مدت تہتر یا چوہتر سالوں پر مشتمل تھی۔ اس دوران وہ لوگوں کے سوالات کا جواب بھی دیتے رہے، تحائف اور نذرانے بھی قبول فرماتے رہے۔

1۔ اصول کافی جلد اول ص ۳۳۸۔ کتاب الحجۃ باب فی الغیبۃ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید

2۔ کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۴۰۲ مطبوعہ کراچی

3۔ (ا) کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۶۰ فی علامات قیام القائم۔ مطبوعہ تبریز طبع جدید (۲) بحر الجواہر صفحہ ۳۶۳۔ مطبوعہ ایران

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مدت مقررہ گزرنے کے بعد ان کے چار وکیل یکے بعد دیگرے سائلین اور حاجتمندوں کی ضروریات کے حل کے لئے امامِ غائب اور ان سائلین کے درمیان وسیلہ بنے رہے لیکن "امام" نظر نہ آئے۔ اور وکالت کا یہ سلسلہ ۳۰۹ھ تک قائم رہا۔ اس کے بعد وکالت بھی ختم اور امام صاحب مستقل غائب اور اپنے نام لیواؤں سے بالکل روٹھے ہوئے کہیں چھپ گئے۔

اب کسی سوال کا نہ کوئی جواب اور نہ کسی مشکلات میں گھرے شیعہ کی دادرسی اور مشکل کشائی۔ تہتّر سال کے بعد ناراضگی میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ ابتداءً وکیلوں کو ذریعہ بنایا، خود سامنے نہ آئے۔ پھر وکیلوں کو بھی ہٹا دیا اور مسئلہ ہی ختم کر دیا۔ گویا زبانِ حال سے یہ فرمادیا: جاؤ شیعو! تم اس قابل نہیں کہ میں یا میرا کوئی وکیل تم سے گفتگو کرے۔ اور پھر انہی کی زبانی کہلوایا "جو بھی ان چار وکلاء کے بعد میری وکالت کا دعویٰ کرے، اسے پکا کافر سمجھنا"۔ کیا خوب منطق ہے......!

اللہ تعالیٰ کا اپنے نیک بندوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر یہ وعدہ ہے: وللاٰخرة خیز لَک من الاولی... اُن کا ہر آنے والا لمحہ پہلے سے بہتر ہوتا ہے۔ لیکن امام غائب کا معاملہ اہل تشیع نے اُلٹ کر دیا۔ تہتر سال تک خود دادرسی اور زیارت سے مشرف کرتے رہے، بعد میں خود سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہو گئے اور درمیان میں وکلاء کو واسطہ بنایا۔ پھر وکلاء کے ذریعہ بھی بات نہ بن سکی اور خود روپوش ہو گئے۔

اب کوئی کسی قسم کی بات چیت اور تعلقات باقی نہیں رہے۔ یعنی جوں جوں زمانہ غیبت بڑھتا جا رہا ہے، امام موصوف کی روحانی قوتوں میں اسی قدر کمی آ رہی ہے۔ اور امام غائب اب شیعوں سے بالکل ناراض ہو کر چھپ کر بیٹھ گئے۔

اس افسانہ کا دوسرا پہلو یہ کہ امام غائب کی غیبت کے مسئلہ میں پہلے ان حواس باختہ اور نام نہاد محبوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بدنام کرنے کی ترکیب نکالی۔ ان کے متعلق بتلایا، وہ زمین کرید رہے تھے اور امام مہدی کے بارے میں گہری سوچ میں تھے۔ پوچھنے پر فرمایا کہ امام مہدی کی غیبت اور حیرت نے حیرت زدہ کر دیا ہے۔ سائل نے پوچھا: امام موصوف کے غائب رہنے کا کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: چھ دن، چھ ماہ، چھ سال۔ لیکن یہ تمام مدتیں ایک ایک کر کے گزر گئیں لیکن امام نہ آیا۔ اور نہ کوئی آثار نظر آئے۔ آخری مدت چھ سال اگر چھ صدیوں پر مشتمل ہوتی تو بھی بات نہ بن سکتی، پندرھویں صدی جا رہی ہے اور امام تشریف نہیں لائے۔

"ظہورِ مہدی" کے بارے میں لایعنی تاویلات

تاویل(۱):

"مراد ایں جا دعوے علم است بوقت ظہور مہدی موعود پیش از آنکہ ظاہر شود۔"[1]

ترجمہ:۔ "یعنی ان وعدوں سے مراد یہ ہے کہ امام مہدی موعود کے ظاہر ہونے سے قبل اس کے وقتِ ظہور کا

1۔صافی شرح اصول کافی ص ۲ جزء سوم مطبوعہ لکھنو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔"

حضرت محمد باقر رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردہ وقتِ ظہورِ مہدی یعنی ۷۰ھ اور پھر ۱۴۰ھ کی بعض شیعہ علماء نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مدت سے مراد ان کے ظہور کا وقت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام مہدی کے ظہور کی اطلاع پہلے پہل ۷۰ھ میں دینا تھی۔ لیکن بوجہ ناراضگی اُس نے اس اطلاع کو مزید ستر سال کے لئے مؤخر کر دیا۔ لیکن شیعہ غلطی کرنے سے پھر بھی باز نہ آئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس اطلاع کو بالکل ہی مخفی کر دیا۔ 1

تاویل دوم

مذکورہ حدیث کے مترجم ظفر حسن امروہی نے ملا باقر مجلسی کی طرف سے ایک تاویل ذکر کی۔ ملاحظہ ہو:

الشافی:......

"علامہ مجلسی نے اس حدیث کے متعلق اپنی کتاب مرأۃ العقول میں جو تحقیق فرمائی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ نے کتاب الغیبۃ میں اور اکمال الدین صدوق میں بھی ایسا ہی ہے۔ راوی نے کہا میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ۷۰ھ تک کا زمانہ بلا و مصیبت کا زمانہ ہے، اس کے بعد سکون و اطمینان ہوگا (ہمارے شیعوں کو)۔ ابوحمزہ نے کہا کہ ۷۰ھ تو گزر چکے۔ اس کے بعد ہم نے اطمینان نہیں دیکھا۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اے ثابت! اللہ عزوجل نے ظہورِ حق کے لیے وقت مقرر کیا تھا۔ نہ ۷۰ھ میں بارہویں امام کا ظہور، یہ امر امورِ بدائیہ میں سے ہے۔ اور ۷۰ھ سے امام حسین علیہ السلام کا تعلق اس طرح ہوگا، جبکہ مراد لی جائے کربلا کی چھیڑ چھاڑ کی ابتداء، کیونکہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے حق کی طلب کا سلسلہ چند سال پہلے شروع کر دیا تھا۔ اور امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا ۱۴۰ھ میں ہے۔ میں (علامہ مجلسی) کہتا ہوں کہ تواریخ مشہورہ کے لحاظ سے یہ حساب ٹھیک نہیں بیٹھتا، کیونکہ شہادت امام حسین علیہ السلام ۶۱ھ میں ہوئی اور امام رضا علیہ السلام خراسان تشریف لے گئے۔ ۲۰۰ھ ہاں اس صورت میں یہ صحیح ہوگا، جبکہ ان سنین کا تعلق ابتدائے تاریخ بعثت سے ہو نہ کہ وقتِ ہجرت سے۔ خروجِ

1۔ یہ تاویل ملا قزوینی نے کی۔ اور عقل پر پردہ ایسا پڑا کہ اس تاویل کے لیے جو موضوع باندھا وہی اس کی تردید کر رہا ہے۔
صافی شرح اصولِ کافی کی عبارت تو یوں ہے:

"ایں باب بیان نہی اللہ تعالیٰ است از تعین وقت ظہور مہدی موعود و دریں باب شش حدیث است۔"

(الصافی شرح اصول کافی جلد اول کتاب الحجۃ جزء سوم حصہ ۲ ص ۲ باب کراہیت التوقیت مطبوعہ لکھنؤ)

ترجمہ:"یہ باب اس بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام مہدی موعود کے ظہور کے وقت کا تعین کرنے سے نہی فرما دی ہے۔ اس موضوع کے مطابق اس باب میں چھ عدد احادیث مذکور ہوں گی"۔

تردید اس طرح ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظہورِ مہدی کے وقت معین سے منع فرمایا، نہ کہ امام مہدی کے ظہور کے علم سے۔ جس سے پتہ چلا کہ ۷۰ھ جو وقت معین ہوا وہ ظہورِ مہدی کے علم کا نہ تھا۔ بلکہ ظہورِ مہدی کا وقت تھا۔ (جو بعد میں غلط ثابت ہوا)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حسین کا در حقیقت آغاز ہوا تھا معاویہ کے مرنے سے چند سال پہلے، کیونکہ اہل کوفہ نے مراسلت شروع کر دی تھی اسی زمانہ میں، دوسرے واقعہ کے متعلق اشارہ ہے خروج زید بن علی کے متعلق، جو ۱۲۲ھ میں ہوا۔ اگر ابتدائے بعثت لیا جائے تو یہ زمانہ ۳۵ سال ہوتا ہے اور یہ زمانہ قریب ہوتا ہے اُس زمانہ کے جس کا ذکر حدیث میں ہے۔ اگر وہ فتح پا لیتے تو یقیناً آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کا وعدہ پورا کرتے۔

اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حکومت بنی اُمیہ کے ختم ہونے یا ان کے کمزور پڑ جانے اور ابو مسلم خراسانی کے غلبہ کی طرف۔ اس نے چند خط حضرت امام جعفر صادق کو حضرت کی بیعت کرنے کے متعلق لکھے۔ لیکن بمصالح کثیرہ آپ نے قبول نہ کیا یہ سبب ہوا امر امامت میں ان کی طرف رجوع کرنے کا، لیکن شیعوں سے چونکہ کتمانِ امر میں کوتاہی ہوئی اور امام کی پوری پیروی نہ ہو سکی، لہٰذا حکومت کے معاملہ میں تاخیر واقع ہوئی۔ سفاح عباسی کی بیعت ۱۳۲ھ میں ہوئی، اور مرو میں ابو مسلم کا داخلہ اور خلافت کی بیعت لینا ۱۳۰ھ میں تھا۔ اور خروج ابو مسلم خراسانی کی طرف ۱۲۸ھ میں تھا۔ اور یہ سب سال موافق ہجرت ہیں۔

اگر ان کو بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لیا جائے تو حدیث میں بیان کردہ سنین سے پوری پوری موافقت ہو جاتی ہے۔ اور اگر سنِ ہجری نبوی مراد ہوں جیسا کہ مشہور ہے، تو یہ اشارہ ہوگا مختار کے ظہور کی طرف کیونکہ ان کا ارادہ استیصال بنی اُمیہ کا تھا۔ اور حق کو اپنے مرکز کی طرف لوٹانے کا۔ وہ ۶۷ھ میں قتل کیے گئے۔ اور دوسرا امر یعنی ۱۴۰ھ والا تو یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے امرِ امامت کے ظہور کے متعلق ہوگا۔ اور ان کے شیعوں کے مشرق و مغرب میں پھیل جانے کے متعلق۔ اور ان کے اقارب کی ایک جماعت کا خروج خلفائے عباسیہ پر اس خبر کی صحت کے لیے ایسے امور کے ظہور کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ

1۔ الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اول ۴۵۰۔ باب ۸۱۔ مطبوعہ کراچی

الحاصل:۔ مذکورہ عبارت میں ظفر حسن امروہوی نے حدیث زیر بحث کی تاویل میں جو کچھ اِدھر اُدھر کی ہانکی، اس کا خلاصہ مولانا محمد علی کے الفاظ میں یہ ہے کہ امام محمد باقر نے ۷۰ھ کا جو زمانہ بیان فرمایا، وہ ظہورِ مہدی کا زمانہ نہیں بلکہ اس سے مراد شیعوں کے سکون واطمینان کا زمانہ ہے۔ اس تاویل کی تین واقعہ جات سے مناسبت بیان کی۔ پہلا امام حسین کے خروج کی تیاری کرنا، یہ اگرچہ ہجرت کے اعتبار سے ۶۰ھ بنتا ہے لیکن یہاں سنِ ہجرت کی بجائے اعلانِ نبوت کا زمانہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ سترہویں سال کا واقع ہے۔ اور دوسرا زمانہ جو ۱۴۰ھ بیان ہوا، اس میں بھی اہل تشیع کو سکون نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ یہ زمانہ امام رضا کی ولی عہدی کا دور تھا لیکن ملا مجلسی نے ان دونوں واقعات کو درست قرار نہیں دیا۔ لیکن مجلسی کا کہنا ہے کہ اگر امام رضا کی بجائے زید بن علی کے خروج کا واقعہ لے لیا جائے۔ تو اس وقت شیعوں کو واقعی اطمینان وسکون تھا۔ لیکن خروج زید بن علی ۱۲۲ھ میں ہوا۔ اس لئے یہاں ہجرت کی بجائے بعثت مراد لیتا ہے اور ۱۳۵ھ کو پوری دہائی کے ذریعہ ۱۴۰ھ سمجھتا ہے۔

ان تاویلات کے بعد مترجم ایک اچھی تاویل پیش کرتا ہے۔ وہ یہ کہ ۱۴۰ھ کا وقت اس طرف اشارہ کے لیے ہے کہ بنی امیہ کی حکومت کمزور پڑ جائے گی۔ ابو مسلم خراسانی کا غلبہ ہوگا خراسانی نے امام جعفر کو بیعت کا لکھا تھا۔ لیکن چند مصلحتوں کی بنا پر امام نے خلیفہ بننا پسند نہ کیا۔ اس لیے سفاح عباسی کی بیعت ۱۳۲ھ میں ہوئی۔ ۷۰ھ میں سکونِ اہل تشیع کی ایک تاویل یہ کی گئی کہ یہ زمانہ مختار ثقفی کا زمانہ ہے۔ جو ۶۷ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس قرب کی بنا پر اسے ۷۰ھ کہا گیا۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر............

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۰ ۷ ھ کو شہادتِ حسین سے موافق کرنے کی، کیونکہ یہ بیان ہے تقدیراتِ مکفوفہ کا جن کا تعلق لوحِ محو و اثبات سے ہے۔ اوران تغیرات سے جو ان میں واقع ہوں۔ اگرچہ ان کی کیفیت و جہت معلوم نہ ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ بیان بطور استعارہ تمثیلیہ ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اگر علم الٰہی میں قتل حسین اس وقت میں نہ ہوتا تو امر فراخی کو ۰ ۷ ھ میں ظاہر کرتا۔ اور اگر اس کے علم میں شیعوں کا اسرار خطبہ بیان کرنا نہ ہوتا تو اس کی دو چند مدت میں ظاہر کر دیتا۔" 1

امام کے غائب ہونے کے وقت عام سیاسی حالات

قسم اوّل: عباسی حکومت

عباسیوں کے دوسرے عہد کی نمایاں بات یہ ہے کہ اس عہد میں آزاد شدہ ترک غلام امور خلافت پر اس طرح غالب آگئے تھے کہ خلفاء کے تعین اور تنزل میں ان کا عمل دخل بہت بڑھ گیا تھا۔ حکمران خاندان کی اندرونی کشمکش اور ارکانِ سلطنت اور فوجی قوتوں میں اختلافات کے باعث باغر ترکی نے عباسی خلیفہ متوکل کو قتل کر دیا تھا۔ 1

بقیہ حاشیہ..........................

ان رکیک اور فاسد تاویلات کی اگر بالتفصیل خرابیاں بیان کی جائیں تو صفحات درکار ہیں لیکن چند سطور پیش کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ تاویل کرنے والے نے "اہل تشیع کے امن و سکون" کو مرکزی بات کے طور پر پیش کیا۔ جس کے گرد مختلف ادوار گھومتے دکھائے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا زمانہ شہادت اور خروج کیا سکون و اطمینان کا زمانہ تھا؟ آپ نے بخوشی مدینہ اور مکہ کو چھوڑ کر کربلا میں ڈیرا جمایا تھا؟ ۱۴۰ھ کو امام رضا کی ولی عہدی سے سکونِ شیعہ خود ملا باقر مجلسی کے قول سے برباد ہو گیا۔ اور زید بن علی کے دور پر چسپاں کرنے کی کوشش کی۔ یہی زید بن علی ہیں کہ جنہوں نے امام جعفر کے مقابلہ میں دعویٰ امامت کیا۔ اور معتقداتِ شیعہ کے نزدیک خارج از اسلام ہوئے۔ انہوں نے امامت کا دعویٰ ہی نہیں بلکہ امام برحق امام جعفر کو قید بھی کیا۔ جب یہ مسلمان ہی نہیں، اور پھر انہیں بے دردی سے قتل کیا گیا، کیا یہ دور سکون و اطمینان کا دور کہلا سکتا ہے؟.......

لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث اصول کافی کی جو تاویلات کی گئی ہیں، وہ غلط محض ہیں۔ حالانکہ حدیث اہل تشیع کے محققین کے نزدیک صحیح ہے۔ تو صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں زمانوں سے (۰ ۷ ھ، ۱۴۰ھ) مراد امام مہدی کے ظہور کا زمانہ ہے۔ ان کے علم اور شیعوں کی خوشی کا دور اور بنی اُمیہ کے زوال کے آثار وغیرہ تاویلات ہرگز درست نہیں۔

1۔ مسعودی، مروج الذہب ج ۴ ص ۳۸۔

2۔ حوالہ مذکور ص ۵۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

متوکل کے بعد تختِ خلافت پر ان کا بیٹا محمد منتصر جلوہ افروز ہوا، جس کی عمر صرف پچیس سال تھی مگر وہ صرف چھ ماہ بعد ہی فوت ہو گیا تھا۔[2]

منتصر کی وفات کے بعد دو ترک قائدین وصیف اور بغا نے باغر کو قتل کر دیا جس نے متوکل کو قتل کیا تھا اور ان دونوں قائدین نے منتصر کو منصبِ خلافت پر فائز کیا تھا۔ انہوں نے خلیفہ مستعین کو مکمل طور پر قابو میں کر لیا تھا جو محض نام کا خلیفہ تھا حتیٰ کہ ایک شاعر نے اس کے بارے میں کہا ؎

خليفةٌ في قفص بين وصيفٍ وبغا

يقول ما قالا له كما يقول الببغا[1]

"خلیفہ وصیف اور بغا کے 1/4 حصے میں ہے اور وہی کچھ کرتا ہے جو یہ دونوں اس سے کہیں جس طرح کہ طوطا محض رٹی رٹائی بات کہتا ہے۔"

معتز اور مؤید کے قتل کے بعد مستعین بغداد آ گیا۔ آزاد شدہ ترک غلاموں نے معتز کو میدان میں نکال کر اس کی بیعت کی، اس کی خلافت کو تسلیم کیا اور مستعین اور اس کے مددگاروں وصیف اور بغا کے خلاف بغداد میں جنگ کی، چنانچہ انہوں نے معتز کی ۱۱ محرم ۲۵۱ھ میں بیعت کی۔ معتز نے اپنے بھائی احمد کو چند غلاموں کے ساتھ مستعین سے لڑائی کے لئے بغداد بھیج دیا تھا، محمد بن عبداللہ بن طاہر نے جب یہ دیکھا تو اس نے معتز کی طرف خط لکھا، اس کی طرف میلان کا اظہار کیا اور مستعین کی معزولی پر صلح کر لینے پر آمادگی کا اظہار کیا مگر مستعین نے بروز جمعرات مورخہ ۳ر محرم ۲۵۲ھ کو از خود خلافت سے دستبردار ہو کر خلافت معتز کے سپرد کر دی۔ تو معتز کی بیعت کی گئی۔[2]

معتز کا نام زبیر بن جعفر متوکل ہے۔ خلافت پر فائز ہونے کے وقت اس کی عمر اٹھارہ برس تھی، اس نے مؤید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا مگر اس نے جلد ہی اسے گرفتار کر لیا کیونکہ اس نے یہ بات سنی تھی کہ مؤید اس کے خلاف سازش کر رہا ہے اور پھر اسے ولایت عہد سے بھی سبکدوش کر دیا۔[3]

معتز نے وصیف اور بغا کو قتل کروا دیا اور وہ اہل مغرب اور افغانیوں کی طرف مائل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ ترک اس سے ناراض ہو گئے، جو اپنے سرداروں کے قتل کے بعد اس کے خلاف جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس سے انتقام لیا اور اسے ماہِ رجب کے آخر میں ۲۵۵ھ میں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا جب کہ اس کی حکومت کو ابھی قریباً چار سال اور چھ ماہ ہوئے تھے۔ محمد بن واثق نے کوشش کی کہ وہ اس کی اور ترکوں کی صلح کرا دے مگر معتز نے مایوس ہو کر کہا کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کی نہ میں استطاعت رکھتا ہوں، نہ اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہوں اور نہ اس کے قابل ہوں۔ مہتدی نے بھی اسی طرح کی کوشش کی تو معتز نے اس سے کہا کہ مجھے خلافت کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ لوگ مجھے اس کے لئے پسند کرتے ہیں۔

1۔ ایضاً ص ۶۱ — 2۔ ایضاً ص ۹۲

3۔ ایضاً ص ۹۰ — 4۔ ایضاً ص ۹۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مستعفی ہونے کے صرف چھ دن بعد اسے جیل میں قتل کر دیا گیا۔[4]

ترکوں نے معتز کے مستعفی ہونے کے بعد، مہتدی محمد بن ہارون واثق کو مسندِ خلافت پر فائز کیا، اس وقت اس کی عمر ۳۷ برس تھی، اس نے ۲۹/رجب ۲۵۵ھ سے ۱۶/رجب ۲۵۶ھ تک حکومت کی بال آخر یہ بھی ترکوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

جب معتز قتل ہوا تو موسیٰ بن بغا کبیر غائب تھا اور صالح بن وصیف مہتدی کے ساتھ امورِ خلافت میں شامل تھا، موسیٰ جلدی سے واپس آیا اور خلیفہ مہتدی کی اجازت کے بغیر ''سر من رائی'' میں داخل ہو گیا اور صالح بن وصیف کو اس نے قتل کر دیا۔ [1]

اس دوران میں مساور شاری نے سرکشی کی اور وہ اپنی فوج کے ساتھ سامراء کے قریب پہنچ گیا، اس نے لوگوں کو بہت ایذاء پہنچائی، راستے منقطع کر دیئے اور بدو غالب آ گئے۔ مہتدی نے موسیٰ بن بغا اور باکال شاری سے جنگ کے لئے بھیجا مگر یہ دونوں واپس آ گئے اور باکال نے خلیفہ مہتدی کے ساتھ جنگ شروع کر دی، ان دونوں کے درمیان بہت زبردست جنگ ہوئی، جس میں بہت سے لوگ مارے گئے اور پھر آخر میں باکال کو شکست ہوئی اور مہتدی نے فتح حاصل ہونے کے بعد اسے قتل کر دیا، اس کے بعد کمین باکال نے مہتدی کے خلافت بغاوت شروع کر دی تو مہتدی اور اس کے ساتھی بھاگ کر سامراء میں داخل ہو گئے، انہوں نے لوگوں سے فریاد کی اور مدد طلب کی، یہ لوگ بازاروں میں مدد کے لئے چیخ پکار کر رہے تھے مگر ان کی مدد کے لئے کوئی نہ آیا۔ مہتدی مدد سے نا اُمید ہو کر ابن خیعونہ کے گھر کی طرف چل دیا تا کہ وہاں چھپ جائے مگر لوگوں نے اس پر ہلہ بول دیا، اسے مسندِ خلافت سے معزول کر دیا اور خنجر مار مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ یہ ۱۶/رجب ۲۵۶ھ کا واقعہ ہے۔ [2]

اس کے بعد معتمد احمد بن جعفر متوکل کی بیعت کی گئی، اس وقت اس کی عمر ۲۵ سال تھی اور اس نے ۲۳ سال تک خلافت کی، حتیٰ کہ ۲۷۹ھ میں فوت ہوا، یہ بہت کمزور اور موسیقی کا دلدادہ تھا، شراب نوشی اور مختلف انواع و اقسام کے لہو و لعب میں ہر وقت مشغول رہتا تھا۔ معتمد نے اپنے بیٹے جعفر کے لئے بیعت لی اور اسے مفوض الی اللہ کے نام سے موسوم کیا مگر اس کا بھائی ابو احمد موفق تمام امور پر غالب آ گیا اور اس نے معتمد کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا، یہ پہلا خلیفہ تھا جسے مغلوب کیا گیا، قید کیا گیا اور پابند کر دیا گیا اور جب موفق فوت ہوا تو اس کے بیٹے معتضد نے امورِ خلافت سنبھال لیے اور اس نے جعفر کو ۲۷۸ھ میں ولایت عہد سے معزول کر دیا مگر ۱۹/رجب ۲۷۹ھ کو معتمد کو زہر آلود کھانا کھلا دیا گیا جس کی وجہ سے وہ فوت ہو گیا۔ اسماعیل بن حماد قاضی، معتمد کے پاس آیا تو اس نے کالا لباس پہن رکھا تھا، اس نے خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے اسے اسلام کیا۔[3]

1۔ ایضاً ص ۹۸ — 2۔ ایضاً ص ۹۷، ۱۰۰

3۔ ایضاً ص ۱۴۱ — 4۔ ایضاً ج ۴ ص ۱۸۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

امام حسن عسکری اسی معتمد کے دور میں ۲۶۵ھ میں فوت ہوئے تھے، غیبت وحیرت کا واقعہ جب پیش آیا تو خلیفہ معتمد کی عمر اس وقت تیس سال کے قریب تھی۔

معتضد ۲۲ ربیع الثانی ۲۸۹ھ میں فوت ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا علی المکتفی باللہ خلیفہ بنا، خلیفہ بننے کے وقت اس کی عمر ۲۵ سال تھی، یہ ایک کمزور نوجوان تھا جس کی وجہ سے اس کا غلام قاسم بن عبید اللہ فاتک اس پر حاوی تھا اور پھر قاسم کی وفات کے بعد اس کا وزیر عباس بن حسن فاتک اس پر حاوی ہوگیا۔[4]

اس کے بعد عباسی خلفاء نے سخت خون ریز کشمکش کے ایک طویل سلسلہ میں زندگی بسر کی، یہ کشمکش عباسی خلفاء اور ان کے ترک غلاموں کے مابین تھی، مقتدر ۳۲۵ھ میں اس واقعہ میں قتل ہوگیا، جو اس کے اور اس کے خادم مونس کے درمیان بغداد میں پیش آیا تھا، اس کے قتل کے بعد قاہر باللہ کی بیعت کی گئی مگر اسے دوسال سے بھی کم مدت کے بعد معزول کردیا گیا بلکہ ۵ رجمادی الاولیٰ ۲۲۲ھ میں اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر بینائی سے محروم کردیا گیا اور اس کے بعد راضی باللہ کی بیعت کی گئی اس نے تقریباً پانچ سال تک حکومت کی اور پھر ۱۰ ربیع الاول ۳۲۹ھ میں وہ طبعی موت فوت ہوگیا مگر اس کے زمانہ میں بھی حکومت پر آزاد شدہ ترک غلام چھائے رہے خصوصاً بجکم ان میں سرفہرست تھا، جس نے دنانیر اور دراہم پر اپنی تصویر اس طرح کندہ کرائی کہ وہ اسلحہ سے مسلح ہے اور ساتھ ہی یہ جملہ بھی لکھوایا کہ:

"انما العز فاعلم، للامیر المعظم، سید الناس بجکم" (ایضاً ص ۲۴۵)

"خوب جان لو کہ عزت امیر معظم، لوگوں کے سردار بجکم کے لئے ہے"۔

اس کے بعد یکم ربیع الاول ۳۲۹ھ میں خلیفہ متقی باللہ کی بیعت کی گئی، جو چار سال تک خلیفہ رہا اور پھر اسے معزول کردیا گیا اور مورخہ ۳ ربیع الثانی ۳۳۳ھ میں اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر بینائی سے محروم کردیا گیا کیونکہ اس نے حمدانیوں سے مدد لی اور حکومت ان کے سپرد کردی تھی، جس کی وجہ سے ترک اور ان کا سربراہ توزون ناراض ہوگئے تھے، جنہوں نے ۳۳۲ھ میں بغداد پر قبضہ کر کے متقی کے خلاف سازش شروع کردی تھی اور بالآخر انہوں نے اسے معزول کردیا اور مورخہ ۳ رصفر ۳۳۳ھ کو انہوں نے عبداللہ بن علی مستکفی کی بیعت کر لی مگر ایک سال بعد ہی اسے بھی معزول کر کے اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئی تھیں، یہ کام احمد بن بویہ دیلمی کے ہاتھوں سرانجام پایا، جس نے اس پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس کی بنی حمدان سے خط وکتابت ہے اور یہ انہیں خفیہ رازوں سے مطلع کرتا رہتا ہے، بہر حال اس کی جگہ پر ۲۳ شعبان ۳۳۴ھ میں مطیع کو خلیفہ بنادیا گیا۔

دوسری قسم: سیاسی چپقلش

جیسا کہ ہم نے قسم اول میں یہ ملاحظہ کیا، دوسرے عباسی دور کی نمایاں خصوصیات میں سے حکومتوں کا جلد جلد ٹوٹنا اور بکھرنا بطور خاص قابل ذکر ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ خلافت کمزور تھی اور حالات اس کے قابو میں نہ تھے، وسیع وعریض

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اسلامی حکومت کے اطراف واکناف کے امراء میں سے کسی کے بھی دارالحکومت کے ساتھ تعلقات صحیح نہ تھے، ان میں سے جو چاہتا وہ حکومت کے ساتھ رہتا اور جو چاہتا وہ اپنی علیحدگی کا اعلان کر کے دوسروں سے برسرِ پیکار ہو جاتا، اس طرح چاروں طرف امراء اور حکمرانوں میں جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ ان دنوں اندلس میں عبدالرحمن ناصر اموی کی خلافت تھی، شمالی افریقہ بڑی حد تک آل غالب کے زیرنگیں تھا، بلادِ فارس وعراق یعقوب بن لیث صفار کے لشکروں کے لئے سرسبز و شاداب چراگاہ کی حیثیت رکھتے تھے اور اس کی جنگوں کا سلسلہ ۲۵۳ھ سے اس کی وفات ۲۵۶ھ تک جاری رہا اور اس کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث خلیفہ بن گیا، ۲۶۱ھ میں نصر بن احمد سامانی نے بڑی حد تک بلادِ ماوراء النہر پر قبضہ جمالیا حتیٰ کہ ۲۷۰ھ میں وہ فوت ہو گیا۔ دارالحکومت (سرمن رائی) کے قریب ترین علاقوں کی حالت بھی ان علاقوں سے زیادہ اچھی نہ تھی، یہ علاقے بھی ایک طرف عمال وقائدین کا شکار تھے تو دوسری طرف خوارج، زنگیوں اور پھر قرامطہ نے انہیں تاراج کرنا شروع کر رکھا تھا، خلیفہ معتمد جو لہو ولعب اور شراب نوشی کا رسیا تھا، وہ تو اس حد تک کمزور تھا کہ اس کی خلافت بالکل برائے نام تھی اور حل وعقد میں اس کا قطعاً کوئی عمل دخل نہ تھا۔

اس دور نے شیعہ اور علویوں کی کئی تحریکوں کا بھی مشاہدہ کیا حالانکہ بعض عباسی خلفاء کا شیعہ کی طرف میلان تھا یا علویوں کے بارے میں وہ بہت نرم گوشہ رکھتے تھے مگر اس کے باوجود عباسی خلافت کے نظام نے بگڑنا اور ٹوٹنا شروع کر دیا اور نوبت بایں جارسید کہ بسا اوقات تو خود عباسی خاندان میں اندرونی طور پر بھی کشمکش شروع ہو جاتی تھی۔

زمانہ غیبت میں علوی تحریکیں

مسعودی ''مروج الذہب'' میں ۲۵۰ھ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''بلادِ طبرستان میں حسن بن زید علوی ظاہر ہوا اور وہ بہت سی شدید جنگوں کے بعد طبرستان میں غالب آ گیا اور ۲۷۰ھ تک برسرِ اقتدار رہا اور پھر اس کے بعد اس کا بھائی محمد بن زید خلیفہ بن گیا حتیٰ کہ رافع بن ہرثمہ نے اس سے جنگ کی۔ ۲۷۷ھ میں محمد بن زید دیلم میں داخل ہوا، حکومت پر اس کا قبضہ تھا اور پھر اس کے بعد رافع بن ہرثمہ نے بھی اس کی بیعت کر لی اور اس کی دعوت واطاعت کو قبول کر کے وہ اس کے خواص میں شامل ہو گیا۔

حسن اور محمد، آل محمد کے رضا کی طرف دعوت دیتے تھے، اسی طرح بلادِ طبرستان میں ان کے بعد آنے والے یعنی حسن بن علی حسنی المعروف باطروش اور ان کے بیٹے حسن بن قاسم بن رضا کی امامت کی دعوت دیتے تھے''۔ (ایضاً ص ۶۸)

اسی وقت (یعنی ۲۵۰ھ میں) رے میں محمد بن جعفر نے ظہور کیا اور اس نے حسن بن زید صاحب طبرستان کی طرف دعوت دی۔ اسی طرح قزوین میں کرکی نے ظہور کیا، یہ ایک دوسرا علوی انقلابی تھا مگر پھر یہ حسن بن محمد کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

اس کے بعد رے میں ایک اور علوی احمد بن عیسیٰ نے ظہور کیا اور آل محمد کے رضا کی طرف دعوت دی اور رے پر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

غلبہ حاصل کر لیا، اس کے ایک سال بعد کوفہ میں حسین بن محمد علوی نے ظہور کیا اور وہاں سے خلیفہ کے گورنر کو نکال دیا اور اس کے بعد ایک اور علوی محمد بن جعفر نے انقلاب برپا کر دیا۔

۲۵۱ھ میں علی بن عبداللہ طالبی نے جو کہ مرعشیٰ کے نام سے موسوم تھا، شہر آمل میں تحریک شروع کر دی جیسا کہ حسین بن احمد ارقط نے قزوین میں تحریک شروع کی اور ۲۵۲ھ تک وہ برسرِ اقتدار رہا جیسا کہ رے بھی اس کے زیرِ اقتدار تھا۔

یہ سب کچھ خلیفہ مستعین کے دور میں ہوا، جس کا اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ بھی اختلاف تھا جس کی وجہ سے وہ بغداد چلا گیا، موالیوں نے اس کے خلاف جنگ برپا کر دی حتیٰ کہ اسے مجبور کر دیا کہ وہ حکومت سے دستبردار ہو جائے اور اس کے بعد معتز کی بیعت کی گئی۔[1]

۲۵۲ھ میں نوجوان معتز جس کی عمر بیس سال سے متجاوز نہ تھی، کی حکومت کے خلاف ایک علوی اسماعیل بن یوسف نے مدینہ میں بغاوت شروع کر دی، بہر حال اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی محمد بن یوسف نے خلافت پر قبضہ کیا اور پھر اس نے اس کے بعد یمامہ اور بحرین پر بھی قبضہ کر لیا اور وہاں عقبہ کو جو بنو اخضر کے نام سے معروف تھا، اپنا قائم مقام مقرر کر دیا۔[2]

مہتدی کے دورِ خلافت میں ۲۵۵ھ میں بصرہ میں صاحب زنج نے ظہور کیا۔ ۲۵۶ھ میں مصر میں علوی، ابراہیم بن محمد نے جو ابن صوفی کے نام سے معروف تھے، ظہور کیا۔ علوی علی بن زید نے کوفہ میں تحریک شروع کی اور عکبرا میں لڑائی بھی کی حتیٰ کہ وہ ۲۵۷ھ میں قتل ہو گیا۔

۲۵۷ھ میں قرامطہ نے بحرین میں ظہور کیا اور وہ بصرہ، عراق اور الجزائر تک پھیل گئے، اسی طرح رے میں احمد بن حسن مادرانی کی قیادت میں شیعی تحریک شروع ہوئی، جس نے ۲۷۵ھ میں معتمد کے عہد میں رے پر قبضہ کر لیا اور شیعیت کو فروغ دیتے ہوئے شیعہ حکومت قائم کر دی۔[3]

یمن اور شمالی افریقہ میں اسماعیلی تحریکیں

اس سے پہلے اور امام عسکری کی وفات کے چند سال بعد ۲۶۶ھ میں حسین بن حوشب نے پہلی کامیاب اسماعیلی تحریک شروع کی، بہت سے قبائل یمن کو جمع کر لیا اور مہدی اسماعیلی کے لئے دعوت دینا شروع کر دی جو سوریا کے شہر سلمیہ میں چھپا ہوا تھا، اس نے تاریخ کی پہلی اسماعیلی حکومت کو قائم کیا، پھر ابن حوشب نے داعی ابو عبداللہ شیعی کو بھیجا جو محمد بن حسن عسکری کے وجود کے قائل لوگوں سے الگ ہو کر اسماعیلیہ کے ساتھ مل گیا تھا اور بغداد میں محتسب کے طور پر کام کرتا تھا، اسے شمالی افریقہ کی طرف اسماعیلی امام عبیداللہ مہدی کی دعوت کے لئے بھیجا گیا جو وہاں چھپا ہوا تھا، عباسی حکومت کی کمزوری کی

1۔ ایضاً ص ۶۸ 2۔ ایضاً ص ۶۹

3۔ معجم البلدان، یاقوت واقعات ۲۷۵ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وجہ سے ابوعبداللہ قبیلہ کتامہ کی تائید وحمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا، مغرب پر بھی اس نے قبضہ کرلیا اور بنو اغلب کے اثر ونفوذ کو کم کر کے قیروان اور افریقہ کے دارالحکومت تونس میں ان کی حکومت کو ختم کر دیا اور اس کے بجائے فاطمی حکومت قائم کی، جس کی سرحدیں بعد میں مصر اور سوریا تک پھیل گئیں، یہ ۲۹۶ھ کی بات ہے جو کہ عباسی خلیفہ مقتدر کا دور تھا، جس کی تیرہ سال کی عمر میں بیعت کی گئی تھی، اسماعیلی امام مہدی، عباسی حکومت کو گرانے کے لئے اس کے خلاف تحریک کی خود قیادت کر رہا تھا، یمن میں داعی بن حوشب کے ہاتھوں تحریک کی کامیابی کے بعد اس نے عراق کے شہر واسط میں بھی تحریک شروع کر دی اور اس کی ذمہ داری اسماعیلی مذہب کے ایک پیروکار حمدان بن قرمط کے سپرد کر دی، جس نے عراق کے جنوب اور جزیرۃ العرب سے لے کر سوریا تک کے علاقے پر قبضہ کرلیا تھا۔

عباسی خلفاء کی علویوں کے ساتھ نرمی

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتضد کا رویہ علویوں کے ساتھ بہت نرم تھا، سابقہ عباسی خلفاء کا طرز عمل بھی یہی تھا حالانکہ طبرستان میں ایک داعی نے خروج کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ مسعودی لکھتا ہے کہ علوی داعی نے دارالحکومت میں بہت مال بھیجا تا کہ اسے وہاں کے آل ابی طالب میں تقسیم کر دیا جائے، خلیفہ معتضد کو اس کا علم ہوا تو وہ اس کی مخالفت نہ کر سکا بلکہ اس نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا، جسے اس نے مال کے تقسیم کرنے کی ذمہ داری سپرد کی تھی اور کہا کہ مال کی تقسیم کے اس عمل کو مخفی نہ رکھا جائے بلکہ اس پر کھلم کھلا عمل کیا جائے اور آل ابی طالب پر بھی مال تقسیم کیا جائے۔ خلیفہ معتضد نے دعویٰ کیا کہ خلافت حاصل کرنے سے قبل اس نے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور انہوں نے فرمایا تھا کہ تمہیں خلافت ملے گی لہٰذا میری اولاد کو کوئی تکلیف نہ دینا۔ تو میں نے سمع واطاعت بجالانے کا وعدہ کرلیا تھا۔ (ایضاً)

مجلسی ''بحارالانوار'' میں محمد بن جریر طبری سے روایت کرتا ہے کہ معتضد نے جو معتمد کے بعد خلیفہ بنا، یہ عزم کیا تھا کہ منبروں پر معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت کی جائے اور اس نے حکم دیا کہ اس سلسلہ میں ایک دستاویز تیار کی جائے، جو لوگوں کو پڑھ کر سنادی جائے۔[1]

معتضد نے قرامطہ کی تحریک کو کچلنے کا بھی پروگرام بنایا اور اس سلسلہ میں ایک لشکر بھی بھیجا مگر اس کا لشکر شکست کھا گیا اور اس کے قائد کو گرفتار کرلیا گیا تھا، قرامطہ کبھی بصرہ پر، کبھی بغداد پر اور کبھی حجاز پر حملہ کرتے، انہوں نے اپنے قائد صاحب ناقہ ابوعبداللہ محمد کو اپنا خلیفہ بنا کر اسے امیر المومنین کے نام سے موسوم کر دیا، پھر انہوں نے ۲۸۹ھ میں شام پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا، علاقے میں ان کے خطرات بڑھتے ہی گئے حتیٰ کہ انہوں نے خانہ کعبہ کی بھی بے حرمتی کی، حجر اسود کو چرالیا اور ۳۱۷ھ میں ہزاروں حاجیوں کو قتل کر دیا، پھر بصرہ پر حملہ کر کے کوفہ کو تاراج کر دیا اور خلیفہ معتضد مجبور ہو گیا کہ

1۔ ایضاً ج ۸ طبعہ حجریہ ص ۵۲۳

2۔ مروج الذہب ج ۴ ص ۲۷۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انہیں ہر سال ایک لاکھ بیس ہزار دینار ادا کرنے کے وعدہ پر ان سے صلح کرلے۔

خلیفہ مقتدر کے دور میں جو ابھی بچہ ہی تھا، عباسی حکومت کو داخلی اور خارجی طور پر بہت زیادہ کمزوری کا سامنا کرنا پڑا۔ رومیوں نے ۲۹۸ھ میں ساحل شام اور لاذقیہ شہر پر قبضہ کرلیا، محسن بن جعفر بن علی ہادی نے ۳۰۰ھ میں دمشق میں ظہور کیا لیکن وہ شکست کھا گیا اور بعد میں قتل ہوگیا۔ اس وقت عباسی دور نے یہ منظر بھی دیکھا کہ شیعہ بویہہ نے عباسی خلافت کے دارالحکومت بغداد میں تمام کلیدی آسامیوں پر قبضہ کرلیا تھا حتیٰ کہ جس کو چاہتے منصبِ خلافت پر فائز کرتے اور جس کو چاہتے معزول کردیتے تھے۔[2]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیبت سے پہلے یا بعد کے حالات ایسے نہ تھے کہ ان میں کسی قسم کے خوف یا تقیہ کا جواز ہو اور امام حسن عسکری اپنے بیٹے کی ولادت کو چھپائیں اور پھر انہیں غائب کردیں اور اگر واقعی محمد بن حسن عسکری کا کوئی وجود تھا تو ان کے لئے اس بات میں چنداں کوئی مشکل نہ تھی کہ وہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں ظاہر ہوجاتے، خواہ انہوں نے ابتداء میں اپنے مہدی منتظر ہونے کا اعلان بھی کیا ہوتا، ان کے لئے اس بات میں بھی کوئی مشکل نہ تھی کہ وہ عباسی حکومت کی سرحدوں پر چلے جاتے اور پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ جاتے، بے حد کمزور ترین عباسی حکومت کو چیلنج کرتے اور اپنی حکومت کو قائم کرتے، شیعہ اور مسلمانوں کی امامت کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے۔ مشہور بات ہے کہ بویہہ حکمرانوں نے جو شیعہ تھے اور مہدی پر ایمان رکھتے تھے، شیخ مفید سے مطالبہ کیا تھا کہ اب امام مہدی کو چاہیے کہ خروج کرے اور عباسی خلیفہ کے بجائے خود حاکم بن جائے، جس طرح مہدی فاطمی نے خروج کیا اور شمالی افریقہ میں حکومت قائم کرلی تھی حالانکہ وہ بھی کچھ عرصہ مستور رہا تھا، مفید نے شیعہ کے اس مطالبہ کا کوئی جواب نہ دیا سوائے اس فرسودہ بات کے کہ امام اپنے قتل ہونے کے ڈر کی وجہ سے تقیہ کیے ہوئے ہے۔

غیبت کبریٰ کے زمانہ میں امام غائب کے مقامِ قیام اور ان کی حکومت کے متعلق

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں امام غائب کے دو دَور بیان ہوئے، ایک غیبت صغریٰ جو تقریباً ۷۳ھ تک رہی، اور دوسری غیبت کبریٰ جو ۳۰۹ھ تک اور اس کے بعد جو کچھ عرصہ کے لئے امام اپنے وکلاء اربعہ کے ذریعہ لوگوں کے مسائل کا جواب دیتے رہے۔ ان چاروں وکلاء کے انتقال کے بعد سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک کے قیام سے کچھ عرصہ پہلے تک شیعہ لوگ بڑی شدت سے ان کے ظہور کے منتظر ہیں۔ ابن بطوطہ (مشہور مؤرخ) نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے:

> "بعد ازاں شہر حلہ میں پہنچا۔ جو دریائے فرات کے ساتھ پھیلا ہوا ہے اس شہر کے باشندے سب کے سب اثنا عشریہ ہیں۔ یہاں ایک مسجد ہے جس کے دروازے پر ریشم کا پردہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ محمد بن حسن عسکری اس مسجد میں داخل ہوئے اور غائب ہوگئے۔ محمد مذکور ان کے نزدیک امام مہدی منتظر ہیں۔ ان میں سے ایک

1۔ نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار للشیخ الشبلنجی ص ۱۵۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سو آدمی ہر روز لڑائی کے ہتھیار لگا کر مسجد کے دروازے پر آتے ہیں۔ ان کے ساتھ زین و لگام سے آراستہ ایک گھوڑا ہوتا ہے، اور ڈھول اور ترم ہوتے ہیں۔ وہ یوں پکارتے ہیں:

''اے صاحب زمان! ظلم و فساد بکثرت ہو گیا ہے، یہ آپ کے خروج کا وقت ہے، تاکہ خدا آپ کے ذریعہ حق و باطل میں فرق کر دے۔''

وہ رات تک ٹھہرتے ہیں، پھر چلے جاتے ہیں۔ ہمیشہ ان کی یہی عادت ہے۔'' 1

ایک طرف تو ان کے ماننے والوں کا یہ عالم ہے، جو آپ نے بھی پڑھا۔ اور دوسری طرف مذہب شیعہ کے ہی ایک مجتہد صاحب ''ملا باقر مجلسی'' لکھتے ہیں:

امام مہدی بلادِ مغرب میں آج بھی حکومت کر رہا ہے

(۱) تذکرۃ الائمہ کی عبارت پیش خدمت ہے:

''در کتاب نزہۃ الناظر مسطور است کہ امروز مکان حضرت الامر در جزائر مغرب است کہ آنرا علمیہ خوانند۔ وہر یک از اولادِ ذکورِ آنحضرت طاہر و قاسم در جزیرۂ از آں جزائر حاکم اند و مؤید ایں قول آنکہ در شام شہری ہست حزیں نام اوست سید صالح شیعہ از مردم آں ولایت است ایں فقیر را خبر داد کہ ما در مکہ بودیم، شخصی را دیدم کہ در بازار منیٰ میگردید و زری در دست میداشت و می خواست کہ بفروشد و کسی از او ایں زر را نمی خرید بدو گفتم تو را چہ حالت است گفت چند درہم دارم و کسی از من نمی گیرد۔ نمی دانم کہ چہ کنم۔ گفتم بمن بنمائی چوں نگاہ کردم سکہ او ایں بود: اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا وَ الْمَهْدِیُّ اِمَامُنَا ... پرسیدم کہ تو از کجائی۔ گفتا از بلاد مغرب م در میاں دریائے اخضر و مارا پادشاہیست کہ نام او مہدی است و ایں سکہ بنام مبارک او است۔ و عمر بسیار دارد و من گفتم کہ کیست ایں مہدی و از کدام طائفہ است انگشت بلب گزاشت کہ حرف مزن اگر تو شیعہ ای میدانی من از آں درہم اللہ اعلم نہ یادہ از او گرفتم و در عوض درہم شامی دادم و چوں بولایت آوردم ہر یک از دوستاں برسم تبرک از من بردند۔'' 1

ترجمہ:۔ ''نزہۃ الناظر کتاب میں تحریر ہے کہ ان دنوں امام مہدی کا مکان مغربی جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں ہے، جسے علمیہ کہتے ہیں۔ اور آنحضرت کے بیٹے طاہر اور قاسم ان جزیروں میں سے ایک جزیرہ پر حاکم ہیں اور اس بات کی تائید یوں کہ ملک شام میں حزیں نامی ایک شہر ہے، سید صالح شیعہ اس کا باشندہ ہے۔ اس نے مجھ فقیر کو بتلایا کہ ہم ایک مرتبہ مکہ میں تھے کہ منیٰ کے بازار میں ایک شخص کو پھرتے دیکھا اور اس کے ہاتھ میں سونا تھا جسے وہ بیچنا چاہتا تھا لیکن کوئی بھی وہ لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا، تمہاری کیا

1۔ تذکرۃ الائمہ ملا باقر مجلسی ص ۱۴۰، ۱۴۱۔ ذکر اسامی وکلائے آنحضرت و جماعتی کہ آنحضرت را دیدہ اند۔ مطبوعہ تہران طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حالت ہے؟ کہنے لگا، یہ چند درہم ہیں، ان کا خریدار ہی کوئی نہیں ملتا۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ سن کر میں نے اُسے کہا: مجھے دکھاؤ۔ جب میں نے ان دراہم کو دیکھا تو ان پر یہ عبارت کندہ تھی: ''اللہ ہمارا رب ہے، محمد ہمارے نبی ہیں اور مہدی ہمارے امام ہیں''۔ میں نے پوچھا، تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ کہنے لگا میں بلادِ مغرب سے تعلق رکھتا ہوں جو دریائے اخضر کے درمیان واقع ہیں۔ ہمارے بادشاہ کا نام مہدی ہے، اور یہ سکہ ان کے مبارک نام سے چلتا ہے۔ ان کی عمر بہت زیادہ ہے۔ میں نے پوچھا: وہ مہدی کون ہیں؟ اور کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ اس نے انگلی ہونٹوں پر رکھی اور کہا: خاموش!! اگر تو شیعہ ہے تو جان جائے گا۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ میں نے اُس سے نو یا دس درہم شامی درہموں کے عوض لیے۔ اور جب اپنے ملک واپس پہنچا تو میرے دوستوں میں سے چند ایک نے بطور تبرک وہ درہم مجھ سے لے لیے۔

(۲) تذکرۃ الائمہ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں:

علی بن عز الدین استر آبادی نقل میکند کہ آقائے سید علی دقاق کہ جد و پدر او در کمال علم و ورع و تشیع در ولایت عرب مشہور بودند حکایت کرد کہ پیش از ایں پنج سال با جماعتی در دیارِ شام بودم ناگاہ کشتی پیدا شد نہ بطریق کشتیہا معہود۔ چوں بنزدیک رسید مردے کہ در آنجا بودند فتیم بہ پیش و احوال پرسیدیم چناں معلوم شد کہ قریب بیکماہ است کہ در دریا راہ گم کردہ اند و بابار دانی نہ رسیدہ اند۔ پس احوال پرسیدہ کہ شما در چہ دین ہستید۔ چوں معلوم کردند کہ بر دین اسلامیم خوشدل شدند اما محذر بودند تا آنکہ تحقیق کردند، کہ بر طریق اثنی عشریم۔ بیکبارگی رام شدند، وبکنار خشکی آمدند۔ وایشاں را ترغیب کردیم بہ نیکی اعتقاد مردم ایں ولایت وارزانی وفراوانی نعمت گمان ایشاں یقین شد کہ مخالف در ایں ولایت نمی باشد پس بیروں آمدند و نماز ظہر را بجماعت گزارند و درہم بسیار بیروں آوردند کہ چیزے بخریدند و سکہ آں دراہم بنام مبارک امام مہدی بود۔ ملعون مخالفی درمیان جماعتِ مابود با منافق دیگر گفتند ایں جماعتی رافضی اند اگر درہم را در ولایت شام بدرمی آوردند ایشاں را ایذائے بلیغ میفر مانید۔ مردماں چوں ایں سخن را بشنیدند بشب نہ ایستادند وفی الحال در کشتیہائے خود سوار شدند واز ہمانراہ کہ آمدہ بودند مراجعت کردند وسید مشار الیہ فرمود کہ ہنوز نزد پدر و اقربائے من از آں دراہم چہار تنکہ باقیست۔'' [1]

ترجمہ:۔ ''علی بن عز الدین استر آبادی نقل کرتا ہے کہ سید علی بن دقاق جس کے آباؤ اجداد علم و تقویٰ اور شیعیت میں عرب کے اندر مشہور تھے۔، حکایت بیان کرتا ہے کہ آج سے پانچ سال قبل ایک جماعت کے ہمراہ میں ملک شام میں تھا، اچانک ہم نے ایک کشتی دیکھی جو عام کشتیوں کی طرح نہ تھی۔ جب نزدیک آئی تو ہم اس میں سوار آدمیوں کے قریب گئے اور ان کے حالات دریافت کیے۔ ایسا معلوم ہوا کہ تقریباً ایک مہینہ

1۔ تذکرۃ الائمہ ص ۱۴۱ تا ۱۴۲ مطبوعہ تہران، طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے وہ دریا میں راستہ گم کیے ہوئے ہیں۔ اور اس عرصہ میں کوئی آبادی انہیں نظر نہ آئی۔ ہم نے پوچھا، تم کس دین سے تعلق رکھتے ہو؟ جب انہیں ہمارے بارے میں علم ہوا کہ ہم مسلمان ہیں تو بہت خوش ہوئے لیکن کچھ ڈرے سے تھے۔ پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ ہم اثنا عشریہ شیعہ ہیں۔ تو فوراً وہ رام ہو گئے۔ اور خشکی پر آ گئے۔ ہم نے انہیں اپنے علاقہ کے لوگوں کے اچھے عقائد اور مال و دولت کی فراوانی کے متعلق ترغیب دلائی، ان کا گمان یقین میں تبدیل ہو گیا کہ اس ولایت میں کوئی مخالف نہیں رہتا۔ لہٰذا وہ باہر آئے اور نماز ظہر باجماعت ادا کی اور بہت سے درہم باہر نکالے تاکہ کچھ خریدیں۔ اور ان دراہم پر امام مہدی کا مبارک نام لکھا ہوا تھا۔ ایک ملعون ہماری جماعت میں ہمارا مخالف بھی تھا۔ اس نے ایک اور منافق سے کہا: یہ رافضی ٹولہ ہے۔ اگر یہ درہم ہم ولایتِ شام لے چلیں تو وہاں کے حکمران ان کو واجبی سزا دیں گے۔ ان لوگوں نے جب یہ بات سنی، رات کو ہی کوچ کیا۔ کشتیوں میں سوار ہو کر اُسی راستہ سے واپس پلٹ گئے جس سے آئے تھے۔ اور سید علی بن دقاق نے کہا کہ اب بھی میرے والد اور بعض قریبی رشتہ داروں کے پاس اُن دراہم میں سے چار ٹکے باقی ہیں۔"

یاد رہے ملا باقر مجلسی نے مذکورہ واقعات بارہ امام مہدی کے ذکر میں اس عنوان کے تحت لکھے ہیں: "اسامی و کلامی آنحضرت و جماعتے کہ آنحضرت را دیدہ اند" یعنی امام مہدی کے نام اور کلام، اور اس جماعت کا ذکر جنہوں نے آنحضرت کو دیکھا ہے۔

بحرالجواہر کی عبارت ملاحظہ ہو:

"در کتاب نزہۃ الناظر مسطور است کہ امروز مکان حضرت صاحب در جزیرہ از جزائر مغرب است کہ آں را علقمیہ خوانند و ہر یک از اولاد ذکور، آنحضرت کہ طاہر و قاسم و ہاشم و ابراہیم و عبدالرحمن سلام اللہ علیہم باشند در جزیرہ از آں جزائر حاکم اند و نام آں جزائر ایں است۔ ناعمہ۔ مبارکہ۔ صالحیہ۔ خضریہ۔ بیضاویہ نوریہ۔ و مسکن آنحضرت در جزیرہ ایست کہ آں را کاملیہ گویند و زوجہ آنحضرت، از دختران ابولیث است۔[1]

ترجمہ: "نزہۃ الناظر کتاب میں تحریر ہے کہ ان دنوں امام مہدی مغربی جزیروں میں سے علقمیہ نامی جزیرے میں رہائش پذیر ہیں۔ اور ان کے بیٹے طاہر، قاسم، ہاشم، ابراہیم اور عبدالرحمن ہیں۔ ان جزائر میں سے ایک جزیرہ کے حاکم ہیں۔ جزائر کا نام یہ ہے: ناعمہ، مبارکہ، صالحیہ، خضریہ، بیضاویہ، نوریہ اور خود امام مہدی کی رہائش جزیرہ کاملیہ کے اندر ہے۔ اور آپ کی زوجہ ابولیث کی بیٹیوں میں سے ایک ہے۔"

انوار نعمانیہ کی عبارت:

نور فی بلادہ علیہ السّلام ومساکن اولادہ الطّاھرین حال ھذہ الغیبۃ الکبرٰی ذکر المولٰی

1۔ بحرالجواہر ص ۴۵۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الفاضل الملقب بالرّضا علیؑ بن فتحِ اللہ الکاشانی۔ ۔ ۔ فقال انا طاھر بن محمّد بن الحسن ابن علیؑ بن محمّد بن علیؑ بن موسی بن جعفر ابن محمدِ بن علیؑ بن الحسین بنِ علیؑ بن ابی طالب علیھم السّلام الّذی انزل اللہ فیہ و کلّ شیءٍ احصیناہ فی امامٍ مبین۔ ۔ ۔ ثم امر لنا بِاقامۃ الضّیافۃ فبقینا علٰی ذالک ثمانیۃ ایّام و لم یبقَ فی المدینۃ احدٌ اِلّا جآء الینا و حادثنا فلمّا انقضت الایّام الثّمانیۃ سألہٗ اھلُ المدینۃ ان یّقوموا لنا بِالضّیافۃ ففتح لھم فی ذالک فکثُرتِ الاطعِمۃُ و الفواکہ و عملت لنا الولآئم و بقینا فی تلک المدینۃ سنۃً کاملۃً فعلمنا و تحققنا انَّ تلک المدینۃ مسیرۃ شھرین بعدھا مدینۃٌ اسمھا الرایقۃ سلطانھا القاسم بن صاحب الامر مسیرۃ ملکھا شھرین وھی علٰی تلک القاعدۃ و لھا دخل عظیم و بعدھا مدینۃ اسمھا الصّافیۃ سلطانھا ابراھیم بن صاحب الامر و بعدھا مدینۃٌ اُخرٰی اسمھا ظلومٌ سلطانھا عبدالرحمن بن صاحب الامرِ مسیرۃُ رستافھا و ضیاعِھا شھرانِ و بعدھا مدینۃٌ اُخرٰی اسمھا عناطیسُ سلطانھا ھاشم بن صاحب الامرِ وھی اعظم دخلًا و مسیرُ ملکِھا اربعۃ اشھُرٍ فیکون مسیرۃُ ھذہ المدن الخمس و المملکۃ مقدار سنۃٍ لا یوجد فی اھل تلک الخطط و الضّیاع غیر المومن الشّیعیؑ المؤحّد القائل بالبرائۃ و الولایۃ الّذی یقیم الصّلٰوۃ و یؤتی الزّکٰوۃ یامر بالمعروف و ینھٰی عن المنکر سلاطینھم اولاد امامھم یحکّمون بالعدلِ و بہٖ یامرون و لیس علٰی وجہ الارض مثلھم و لو جمع اھلُ الدُّنیا لکانوا اکثر عدًا منھم علی اختلاف الادیان و المذاھب و لقد اقمنا عندھم سنۃً کاملۃً نترقَّب وُرُود صاحب الامر الیھم لِاَنَّھم زعموا انّھا سنۃُ وُرودہٖ فلم یوفّقنا اللہ للنَّظرِ الیہ۔[1]

''غیبت کبریٰ کے زمانہ میں امام مہدی اور ان کے اولاد کے مساکن کی نورانیت کے بارے میں (یہ فصل ہے) فتح اللہ کاشانی نقل کرتا ہے...... کہ ایک شیعہ نے اپنے والد کی معیت میں سمندر کا سفر کیا، جب وہ سرسبز جزیرے پر پہنچے تو وہاں کے بادشاہ سے ملاقات ہوئی، تو اس شیعہ نے بادشاہ سے عرض کی: آپ کا نسب کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا میں طاہر بن محمد (امام مہدی) ہوں۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوں۔ میں وہ ہوں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے: ''اور ہر شئے کو ہم نے امام مبین میں محفوظ کر رکھا ہے''۔ پھر اس بادشاہ نے ہمیں اپنے ہاں بطور مہمان ٹھہرنے کا کہا۔ ہم وہاں آٹھ دن رہے۔ اور اس شہر کے تمام باشندے ایک ایک کر کے ہمارے پاس آئے اور ہم سے بات چیت کی۔ جب آٹھ دن گزر گئے تو ان لوگوں نے بادشاہ سے ہمارے لیے درخواست کی کہ انہیں ہمارا مہمان بننے کی اجازت دی جائے۔ اجازت ملنے پر انہوں نے ہمارے لیے بہت سے میوہ جات اور خوردنی اشیاء جمع کیں۔ اور ہمارے لیے

1۔ انوار نعمانیہ جلد ۲ ص ۵۸ تا ۶۳ نور فی ذکر بلادہ ع۔ مطبوعہ تبریز طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مہمانی کرتے رہے۔ہم وہاں ایک سال تک مقیم رہے، ہمیں معلوم ہوا اور تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ شہر دو مہینوں کی مسافت میں پھیلا ہوا ہے۔اس کے آگے ایک شہر تھا جس کا نام رایقہ تھا۔اور اس کے بادشاہ کا نام قاسم تھا جو امام مہدی کے صاحبزادے تھے۔ان کی حکومت بھی دو مہینوں کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھی۔یہ بھی پہلے شہر کی طرح تھا۔اور آمدنی اچھی خاصی تھی۔اس کے بعد ایک اور شہر صافیہ نامی تھا، جس کے حکمران کا نام ابراہیم بن امام مہدی تھا۔اس کے بعد ایک اور شہر ظلوم نامی تھا، اور اس کے حکمران کا نام عبدالرحمن بن امام مہدی تھا۔اس کے مضافات سمیت اس کی آبادی بھی دو مہینوں کی مسافت تک تھی۔اس کے بعد ایک اور شہر تھا جس کا نام عناطیس تھا، اس کے بادشاہ کا نام ہاشم بن امام مہدی تھا۔اس کی آمدنی بہت زیادہ تھی، اور اس کی لمبائی چوڑائی چار ماہ کی مسافت کے برابر تھی۔تو ان تمام پانچ شہروں (علاقہ جات) کی مجموعی لمبائی چوڑائی، ایک سال کی مسافت کے برابر تھی۔ان تمام علاقہ جات اور وادیوں میں صرف شیعہ مومن موحد رہتے تھے جو تبرہ بازی اور ولایت کے معتقد تھے۔نماز پڑھتے، زکوٰۃ ادا کرتے اور نیکی کا حکم دیتے بُرائی سے منع کرتے تھے۔ان پانچوں ممالک کے حکمران امام غائب القائم (امام مہدی) کی اولاد ہیں۔اور وہ عدل وانصاف سے حکومت کر رہے ہیں۔روئے زمین پر ان کی کوئی مثل نہیں۔اگر پوری دنیا کے لوگ جمع کر دیئے جائیں تو دین و مذہب کے اختلاف کے باوجود سب لوگوں سے زیادہ ہیں۔ہم ان کے ہاں ایک سال مکمل ٹھہرے۔اور دورانِ قیام امام مہدی کے ظہور اور تشریف لانے کا انتظار کرتے رہے۔کیونکہ ان آبادیوں کے باشندوں کا یہ خیال تھا کہ اس سال امام مہدی تشریف لانے والے ہیں لیکن امام القائم کی زیارت سے ہم بے توفیقے رہے۔"

لمحہ فکریہ

کتاب چہاردہ معصوم کی واضح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی بغداد کے قریب شہر سامرہ کے ایک تہہ خانہ میں غائب ہیں اور عام لوگوں کو تو نظر نہیں آتے مگر خاص لوگ انہیں پہچان لیتے ہیں خواہ وہ کسی بھی لباس میں ظاہر ہوں، اور تذکرۃ الائمہ کی دو عدد روایات سے واضح ہوا کہ امام مہدی کے دو بیٹے طاہر و قاسم مغرب کے جزائر میں حکومت کرتے ہیں اور وہاں امام مہدی کے نام کا سکہ چلتا ہے۔

قارئین کرام! شیعہ حضرات کی ان دو معتبر عبارات میں غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ آیا امام مہدی غائب ہے یا دنیا کا ایک عظیم بادشاہ ہے جو تقریباً بارہ سو سال سے حکومت کرتا چلا آ رہا ہے۔علاوہ ازیں معتبر بلکہ امام غائب کی مصدقہ کتاب میں تو یوں مذکور ہے کہ امام جعفر نے فرمایا کہ جو آدمی امام مہدی کا نام لے وہ ہمارا قاتل ہے اور کافر ہے۔

اب ان مختلف اقوال کو تطبیق دے کر جمع کرنا عقل انسانی سے باہر ہے۔جب اِن کی تطبیق مشکل ہے تو معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات نے امام مہدی کے متعلق جو کچھ بھی افسانے بنا رکھے ہیں وہ ان کے اپنے خانہ ساز ہیں۔جن کی کوئی حقیقت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مقامِ غیبت اور مقامِ حکومت میں یوں تطبیق دیں کہ امام مہدی داخل تو سامرا کی غار میں ہوا اور اس کا رُخ جانب مغرب کو ہوگیا اور زمین میں غار بنتی ہوئی مغرب میں جانکلی وہاں جا کر امام ظاہر ہوگیا۔ مگر اس کی تردید بھی یہاں موجود ہے کیونکہ وہ چند گز لمبی ہے جہاں سے وہ آگے نہیں چلتی۔ اسی لئے امام غائب بسا اوقات وہاں ظاہر ہو کر خاص لوگوں کو زیارت کرواتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔

ثابت ہوا کہ یہ سب باتیں جھوٹ ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خود تو امام دشمنوں سے خائف ہو کر غار میں چھپ جائے اور پھر لوگوں پر حکومت بھی کرے۔ پھر حیرت کی یہ بات ہے کہ جب شیعہ حضرات سے پوچھا جائے کہ مہدی کون ہے؟ تو انگشت بدہاں جواب دیا جاتا ہے کہ اگر تم شیعہ ہو تو سب کچھ جانتے ہو۔ لہٰذا خاموش رہو۔

ثابت ہوا کہ یہ تمام افسانے سفید جھوٹ ہیں۔ اور شیعہ حضرات کا اب نہ کوئی امام ہے نہ ان کے پاس کوئی قرآن ہے۔

امام غائب جب نکلیں گے تو......

علامہ کلینی لکھتے ہیں:

عن ابی عبداللہؒ علیہ السّلام قال انَّ القرآن الَّذی جآء بہٖ جبریل اِلٰی محمَّدٍ صلَّی اللّٰہُ علیہ و سلم سبعة عشر الف اٰیاتٍ۔[1]

”امام جعفر نے فرمایا: وہ قرآن جسے جبریل نبی علیہ السلام پر لائے ستر ہزار آیات والا تھا۔“

صاحبِ انوارِ نعمانیہ لکھتے ہیں:

قد استفاض فی الاخبار انَّ القرآن کما اُنزل لم یؤلّفہٗ الا امیر المومنین بوصیّة مَن النَّبی صلّی اللّٰہُ علیہ وسلم فبقی بعد موتہٖ سِتَّة اشھُرٍ مشتغِلًا بجمعہٖ فلمّا جمعہٗ کما انزل اتی بہ الی المتَخلّفین بعد رسول اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلم فقال لھم کتاب اللّٰہُ کما انزل فقال لہٗ عمر بن الخطاب لا حاجة لنا الیک ولا الٰی قرانک عندنا قرآن جمعہٗ و کتبہٗ عثمان فقال لن تروہُ بعد الیوم ولا یراہ احذ حتّٰی یظھر ولدی المھدی وفی ذالک القران زیاداث کثیرةٌ وھو خالٍ عن التحریف۔[2]

”خبر مستفیض کے ذریعہ ثابت ہے کہ قرآن کو اس کے نزول کی ترتیب کے مطابق صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر جمع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے جمع کرنے میں مشغول رہے۔ جب مکمل جمع کر لیا تو اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زبردستی جانشین بننے والوں کے پاس لائے اور کہا، یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور اس کی ترتیب وہی ہے جس ترتیب

1۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۶۳۴۔ کتاب فضل القرآن

2۔ (۱) انوار نعمانیہ ص ۲۴۳ فی تذکرۃ القرآن الذی الفہٗ امیر المومنین۔ طبع قدیم (۲) تذکرۃ النور فی الصلوٰۃ جلد دوم ص ۳۶۰ طبع جدید

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے یہ کتاب نازل کی گئی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں نہ تمہاری ضرورت ہے اور نہ تمہارے قرآن کی۔ ہمارے پاس حضرت عثمان کا لکھا ہوا اور جمع کیا ہوا قرآن موجود ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج کے بعد تم اس قرآن کو (جو میں نے جمع کیا) نہ دیکھو گے۔اور ہوا بھی ایسے، کہ اس کے بعد کسی نے بھی اس کو نہ دیکھا اور یہ نہ دیکھنا اس وقت تک موقوف ہوگا جب میرا بیٹا امام مہدی ظاہر ہوگا۔اُس قرآن میں بہت سی آیات زیادہ تھیں،اور وہ تحریف سے خالی تھا۔"

احتجاجِ طبرسی کی روایت ملاحظہ ہو:

"امام مہدی کے پاس رسول اللہ کے ہتھیار اور ذوالفقار تلوار ہوگی۔ان کے پاس ایک صحیفہ ہوگا جس میں ان کے قیامت تک کے شیعوں کے نام ہوں گے،اور ایک صحیفہ ہوگا جس میں ان کے تا قیامت دشمنوں کے نام ہوں گے۔اور"الجامعہ" نامی صحیفہ ہوگا،جس کا طول ستر ہاتھ ہوگا۔اس میں اولاد آدم کے تمام مسائل کا حل ہوگا۔ان کے پاس جفرا کبر و اصغر ہوگا۔وہ ایک مینڈھا کی کھال ہے جس میں تمام علوم ہوں گے،حتیٰ کہ خراش کی سزا مکمل حد،آدھی یا اس کا تہائی حصہ،سب مذکور ہوگا۔اور ان کے پاس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مصحف بھی ہوگا۔" [1]

امام مہدی برہنہ بدن ظاہر ہوں گے اور ان کی بیعت سب سے پہلے نبی علیہ السلام کریں گے

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"از حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کہ چوں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیرون آید خدا اور ا یاری کند بملائکہ و اوّل کسی کہ باو بیعت کند محمد (ص) باشد و بعد از اں علی (ع) و شیخ طوسی و نعمانی از حضرت امام رضا (ع) روایت کردہ اند کہ از علامات ظہور حضرت قائم (ع) آں است کہ بدن برہنہ در پیش قرص آفتاب ظاہر خواہد شد و منادی ندا خواہد کرد کہ امیر المومنین است۔" [2]

"امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب قائم آل محمد (مہدی) آئیں گے اللہ ان کی فرشتوں کے ذریعہ مدد کرے گا۔اور ان کی سب سے پہلے بیعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ۔شیخ طوسی اور نعمانی امام رضا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام مہدی کے ظہور کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ سورج کی ٹکیہ کے سامنے برہنہ بدن ظاہر ہوں گے،ایک منادی ندا کرے گا کہ یہ امیر المومنین ہیں۔"

اس بات کو تمام مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں۔اس لیے آپ پوری

1۔ (۱) احتجاج طبرسی طبع قدیم ص ۲۴۰،احتجاج الرضا فیما یتعلق بالامامۃ۔مطبوعہ نجف اشرف
(۲) احتجاج طبرسی جلد دوم ص ۲۳۱۔مطبوعہ قم خیابان ارم۔طبع جدید

2۔حق الیقین ص ۲۱۹ در بیان اثبات رجعت مطبوعہ تہران

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کائنات کے امام اور پیشوا ہیں۔ لیکن آپ کا کوئی دوسرا (بجز رب العزت) پیشوا نہیں ہو سکتا۔ تو جب یہ بات مسلّمہ ہوئی، پھر یہ کہنا کہ امام غائب ظاہر ہوں گے، تو ان کی سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیعت کریں گے...... کیا ایسا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین نہیں ہے؟ کیونکہ حضور کی امام غائب سے بیعت کرنا خلافِ واقعہ بھی ہے اور صریح کذب بھی ہے، پھر جرأت یہ کی کہ اس کی نسبت حضرت امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کر دی۔ یہ بھی گستاخی ہے اور اسی طرح امام مہدی کے بارے ننگے بدن سورج کی ٹکیہ کے سامنے ظاہر ہونا...... یہ امام مہدی کی شان میں بہت گستاخی ہے جو بالکل واضح ہے۔ دوسرا یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ امام قائم کے ننگا ہو کر ظاہر ہونے میں کیا حکمت ہے؟؟؟

شیعیت میں امام مہدی پر ایمان کی حیثیت

شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں یہ نظریہ ایک ایسے پختہ عقیدہ کی صورت اختیار کر گیا، جس میں بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی اور یہ اس بہت بڑے پروپیگنڈے کی وجہ سے تھا، جو مدعیانِ نیابت اور ان کے مددگاروں نے کیا تھا اور جس کے آثار آج تک موجود ہیں۔ یہ پروپیگنڈہ حسب ذیل امور پر مشتمل تھا:

۱۔ روایتی جھوٹ اور اثنا عشریہ اور مہدی کے بارے میں جھوٹی روایات کا وضع کرنا، اثبات مہدی کے بارے میں نقلی دلائل کے تنقید و تبصرہ پر مشتمل ایک خاص فصل میں ان روایات پر تنقید و تبصرہ ہم قبل ازیں پیش کر آئے ہیں۔

۲۔ طعن و تشنیع پر مبنی پروپیگنڈا۔ اس نظریہ سے وابستہ لوگوں نے مذکورہ بالا روایات کے علاوہ کچھ ایسی من گھڑت روایات بھی ایجاد کیں، جن میں فرضی مہدی محمد بن حسن عسکری کو تسلیم نہ کرنے والوں کو کافر، مرتد، فاسق اور گمراہ قرار دیا گیا تھا اور ان میں اس فرضی مہدی کے انکار کو رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نبوت و رسالت کے انکار کے برابر قرار دیا گیا تھا۔ [1]

اس پروپیگنڈے کا انحصار ان بعض قدیم روایات پر تھا، جن میں یہ ذکر ہے کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ وہ اپنے زمانے کے امام کو نہ جانتا ہو، تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ انہوں نے امام کی تشریح میں کہا کہ اس سے مراد صاحبِ زمان، امام عصر اور مہدی منتظر ہیں لہٰذا جو انہیں نہ پہچانے اور ان پر ایمان نہ لائے، تو وہ عنقریب جاہلیت کی موت مر جائے گا۔ قطع نظر اس سے کہ انہیں پہچاننے، ان کے گرد جمع ہونے، ان کی نصرت و اعانت کرنے اور ان کی اطاعت بجا لانے کا کوئی

1۔ اکمال الدین از شیخ صدوق ص ۳۳۸، ۳۶۱، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۳

2۔ حوالہ مذکورہ۔ ص ۴۱۲، ۴۱۳

3۔ حوالہ مذکور ص ۴۰۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طریقہ موجود نہیں ہے۔ [2]

محمد بن عثمان عمری (نائب دوم) نے کہا کہ اس نے حسن عسکری سے سنا ہے کہ: "جو شخص فوت ہو جائے اور وہ میرے بیٹے کو نہ جانتا ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ [3]

اس ناروا پروپیگنڈے میں عمری تو بہت ہی دور چلا گیا کہ اس نے مہدی کے وجود کے بارے میں شک کرنے والوں کو بے دین، تشکیک زدہ اور معاندِ حق قرار دیا، مہدی کے نام سے اس نے ایک دستاویز نکالی، جس میں مہدی پر ایمان نہ لانے والوں کو تباہی و بربادی کی وارننگ دی گئی تھی، شیخ ابوعبداللہ جعفر حمیری قمی اور سعد بن عبداللہ اشعری قمی نے شیعہ کی صفوں میں اس رسالہ کو پھیلانے میں خصوصی کردار ادا کیا۔

امام مہدی کیلئے مانگی جانیوالی دعاؤں کی حقیقت

۳۔ دعائیں اور زیارتیں:۔ دعائیں اور زیارتیں بھی پروپیگنڈے کا ایک اہم عنصر تھا، جس نے شیعہ کے ہاں مہدی محمد بن حسن کے نظریہ کو پختہ کرنے میں خصوصی کردار ادا کیا کیونکہ لوگ ان دعاؤں اور زیارتوں سے بہت متاثر تھے، شیعہ کا معمول بن چکا تھا کہ وہ ان دعاؤں کو ہر نماز کے بعد اور مختلف دینی موقعوں پر پڑھا کرتے تھے اور وہ ہمیشہ ائمہ کی قبروں کی خصوصاً جمعہ کے دن زیارت کیا کرتے تھے۔ مہدی و قائم کے حوالہ سے شیعہ کے ہاں جو دعائیں اور زیارتیں متداول تھیں، ان کی دو قسمیں ہیں:

(الف) عام دعائیں، جن کا خاص طور پر محمد بن حسن عسکری ہی سے تعلق نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق مطلق طور پر قائم یا مہدی سے ہے مثلاً دعائے صاحب امر یا امام کے غائب ہونے کے وقت کی دعاء، یہ دعائیں ائمہ سابقین مثلاً باقر، صادق، کاظم اور رضا سے مروی ہیں، ان دعاؤں کے عموم سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان ائمہ کے زمانے میں مہدی کی شخصیت متعین و مخصوص نہ تھی اور یہ بات ہم بیان کر آئے ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعائیں اور زیارتیں قدیم شیعی لٹریچر یا ان مختلف قدیم شیعہ فرقوں سے لی گئی ہیں جو امام کاظم کی مہدویت کے قائل تھے۔ متاخرین شیعہ نے ان دعاؤں اور زیارتوں کو مہدی محمد بن حسن پر چسپاں کر دیا، جس کے وجود کا انہوں نے مفروضہ تیار کر لیا تھا، جس کا امام مہدی کے سوا اور کوئی مفہوم نہ تھا اور اس طرف کسی نے بھی توجہ نہ دی کہ یہ روایات عموم پر مبنی ہیں اور ان کے کسی مخصوص مصداق کا قطعاً کوئی تعین نہیں ہے۔ [1]

(ب) محمد بن حسن عسکری کے بارے میں مخصوص دعائیں مثلاً ماہِ رمضان کی دعائیں، رمضان کے افتتاح و اختتام اور تیرہویں دن کی دعائیں، دعائے عہد نامہ، اہل بیت (ع) کی قبروں کی مختلف زیارتیں، سامراء کی اس

1۔ الصحیفۃ المہدیہ، ابراہیم بن محسن کاشانی ص ۹۷۔ مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی ص ۵۸۸، بحار الانوار مجلسی ج ۱۸ ص ۴۳۹

2۔ مکیال المکارم فی فوائد الدعا للقائم، محمد تقی موسوی اصفہانی، ص ۱۰۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

غار کی زیارت، جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ امام اس میں غائب ہے۔ یہ ایسی دعائیں اور زیارتیں ہیں جو مستقل صورت میں تشکیل دی گئی ہیں یا انہیں روایات کے مجموعہ سے ترتیب دیا گیا ہے یا یہ عام دعائیں تھیں مگر ان میں مہدی کے نام کا اضافہ کر لیا گیا۔

یہ دعائیں اور زیارتیں جو امام مہدی کے بارے میں ہیں اور متعین طور پر ان کے نام کو بیان کرتی ہیں، ان کی سندیں مذکور نہیں ہیں بلکہ انہیں براہِ راست بغیر سند کے عثمان بن سعید عمری (نائب اول) یا اس کے بیٹے محمد بن عثمان عمری (نائب دوم) یا حسین بن روح نوبختی (نائب سوم) یا محمد بن جعفر حمیری...... جو شہر قم میں عمری کے معاونین میں سے ایک تھا، سے بیان کی گئی ہیں۔ سید ابن طاؤس نے "مہج الدعوات" میں ایک دعاء ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایامِ غَیبَت میں اس دعا کو پڑھنا مناسب ہے، اس نے کہا ہے کہ کسی نے اسے یہ دعاء خواب میں سکھائی تھی۔ [2]

مجلسی نے علی بن محمد بن عبدالرحمن بشری سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میں کوفہ کی مسجد صعصعہ میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا، جس نے حجاز کے لوگوں جیسا لباس اور عمامہ پہن رکھا تھا، اور وہ یہ دعا مانگ رہا تھا: "اللّٰھم یا ذا المنن السابغة" (اے اللہ! کامل نعمتوں کے مالک!) پھر اس نے طویل سجدہ کیا، پھر کھڑا ہو گیا اور سواری پر سوار ہو کر چلا گیا، میرے ساتھی نے کہا: "واللہ! یہ صاحب زمان ہیں"۔

مہدی کی رؤیت کے بارے میں قصے کہانیاں

مہدی کے بارے میں بیان کی جانے والی دعاؤں اور زیارتوں کے ساتھ ساتھ کچھ قصے کہانیوں نے بھی وجودِ مہدی کے نظریہ پر اعتقاد کو اس قدر پختہ کیا کہ شیعہ کے ذہنوں میں یہ عقیدہ ایک راسخ حقیقت کے طور پر پیوست ہو گیا کہ جیسے ہی وہ قائم کا نام سنتے ہیں کھڑے ہو جاتے ہیں، سلام کرتے اور ادب و احترام کے طور پر جھک جاتے ہیں جیسا کہ دین دار شیعہ آج بھی اس طرح کرتے ہیں اور زمانہ طویل سے اسی طرح کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس سے مہدی کے بارے میں ادب و احترام، خشوع و خضوع اور خوف و تجسس پیدا ہوتا ہے۔ شیعہ اس کے ساتھ اس طرح معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ وہ واقعی زندہ اور شیعہ کے پاس موجود ہوں۔

اس سلسلہ میں ان بہت سے قصے کہانیوں نے بھی خصوصی کردار ادا کیا ہے، جنہیں عام و خاص شیعہ بیان کرتے رہتے ہیں اور جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ بعض لوگوں یا بعض علماء نے مہدی کو دیکھا اور اس سے ملاقات کی، مجلسی نے اس طرح کے بہت سے قصے کہانیوں کو اپنے انسا ئیکلو پیڈیا "بحار الانوار ج ۵۱" میں بیان کیا ہے، ان قصے کہانیوں نے نظریہ مہدی کو اس قدر تقویت پہنچائی کہ یہ افسانہ حقیقت کے قریب معلوم ہونے لگا ہے، خاص طور پر اس لئے بھی کہ ان قصے کہانیوں کے بیان کرنے والوں میں بہت سے عابد، زاہد، ممتاز عالم دین، آیت اللہ اور حجۃ اللہ قسم کے لوگ بھی شامل ہیں۔

عراق کے شہر کوفہ میں ایک مشہور مسجد ہے، جو مسجد سہلہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کو مسجد امام مہدی کے نام سے بھی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شہرت حاصل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص بدھ کے دن کی چالیس راتیں اس مسجد میں نماز پڑھے، اسے مہدی کی زیارت کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ عراق میں مختلف مقامات پر اور بھی کئی مسجدیں ہیں، جو مقاماتِ مہدی کے نام سے معروف ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان مقامات پر مہدی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا تو وہاں مسجدیں بنا دی گئیں، ان مساجد و مقامات نے بھی نظریۂ مہدویت کے فروغ میں خصوصی کردار ادا کیا اور اس افسانے کو اس قدر مزین کیا کہ حقیقت معلوم ہونے لگا اور لوگ گویا اپنی آنکھوں سے مہدی کو دیکھنے لگے۔ بہر حال مہدی کے بارے میں لٹریچر، قصے کہانیوں اور پروپیگنڈے نے اس قدر مؤثر کردار ادا کیا کہ امام مہدی کے اس فرضی وجود کا نظریہ شیعہ کے ہاں اس قدر راسخ ہو گیا کہ یہ مفروضہ اور واہمہ ایک ایسی بدیہی حقیقت نظر آنے لگا کہ جس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

سولہواں باب:

شیعیت
قرامطہ کے روپ میں

فرقہ قرامطہ کی تحقیق

علامہ ابن کثیرؒ کے مطابق ۲۷۸ھ میں قرامطہ نے زور پکڑا جو زندیقوں اور ملحدوں کا ایک فرقہ تھا، فارسی فلسفیوں کا متبع تھا، جو زرتشت اور مردک کو اپنا نبی مانتے تھے، جو حرام چیزوں کو حلال کرتے تھے۔ ان کے بعد وہ لوگ ہر کس و ناکس غلط عقیدے والوں کو ماننے والے ہو گئے، ان میں زیادہ تر رافضیوں ہی کی طرف سے فساد داخل ہوتا، اور وہی ان لوگوں کو باطل عقیدوں کی طرف مائل کرتے، کیونکہ لوگ عقل کے کورے تھے، اس فرقہ کو اسماعیلیہ کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ لوگ اسماعیل اعرج بن جعفر صادق کی طرف منسوب تھے اور یہی لوگ قرامطہ بھی کہلاتے تھے، جن کی نسبت قرمط بن اشعث البقار کی طرف ہوتی تھی۔ یہ مشہور ہے کہ ان کا سردار اپنے ماننے والوں کو دن رات میں پچاس نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیتا تھا، تا کہ وہ لوگ اس میں مشغول رہیں اور مخالفت اور عیب جوئی کی طرف ان کا دھیان نہ جا سکے، اس کے بعد اس نے اپنے بارہ خلیفے مقرر کیے، پھر اپنے ماننے والوں کے لئے کچھ قواعد اور اصول گھڑ لیے تا کہ وہ لوگ ان کے مطابق زندگی بسر کریں۔ پھر امام

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اہل بیت کی اتباع کی دعوت دی اور انہیں فرقہ باطنیہ بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ اپنی بیہودگیوں کو ظاہر کرتے اور کفر خالص کو چھپاتے۔

قرامطہ کے دیگر نام

اور انہیں جرمیہ اور بابکیہ بھی کہا جاتا۔ بابک خرمی کی طرف نسبت کرتے ہوئے، جو معتصم کے زمانہ میں ظاہر ہوا اور قتل کیا گیا۔ اور انہی کو محمرہ بھی کہا جاتا، لال رنگ کو اپنا شعار بنانے کی وجہ سے۔ تاکہ بنی عباس کی موافقت اور دوسروں کی مخالفت ہو، کیونکہ بنی عباس سیاہ لباس پہنتے تھے اور ان کو تعلیمیہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ امام معصوم سے اپنی تعلیم کو منسوب کرتے تھے، اور اپنی رائے اور تقاضائے عقل سے کام لینے کو بالکل چھوڑ دیا تھا، اور ان کو سبعیّہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ دعویٰ تھا کہ سات حرکت کرنے والے ستارے ہی سارے عالم کے انتظامات کو سنبھالتے ہیں۔ چنانچہ پہلے آسمان میں قمر، دوسرے میں عطارد، تیسرے میں زہرہ، چوتھے میں سورج، پانچویں میں مریخ، چھٹے میں مشتری اور ساتویں میں زحل ہیں۔

ابن الجوزی نے یہ بھی کہا ہے کہ بابکیہ کی ایک جماعت اب بھی ایسی موجود ہے، جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ سال بھر میں ایک رات اپنے مردوں اور عورتوں کے ساتھ کسی بند جگہ میں جمع ہوتے اور اندر جمع ہو کر بتی بجھا کر اندھیروں میں عورتوں پر دست درازی کرتے ہیں، اس طرح جس کو جو بھی عورت ہاتھ لگ جاتی ہے، وہ اس رات کے لیے بالکل حلال ہو جاتی ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لئے حلال شکار ہے۔ (اللہ ان پر لعنت کرے)

ابن الجوزی نے ان کی باتوں کو اپنی کتاب میں تفصیل اور بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ان سے پہلے ابوبکر الباقلانی نے بھی (جو متکلم سے مشہور ہیں) اپنی کتاب "ہتک الاستار وکشف الاسرار" لکھنے میں سبقت کی ہے، اس میں باطنیہ فرقہ پر رَد کیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی اس کتاب کا بھی رَد کیا ہے، جسے فاطمیین کے کسی قاضی نے مصر کے علاقے میں جمع کیا ہے۔ اور اس کا نام "البلاغ الاعظم والناموس الاکبر" رکھا ہے اور اس کی دعوت میں سولہ درجے قائم کئے ہیں۔ پہلا درجہ ان لوگوں کیلئے ہے جو ان کے ساتھ ہم نشینی میں شریک ہوں۔ اگر وہ اہل سنت میں سے ہوں تو ان کے سامنے صرف بتایا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان بن عفان ؓ پر فضیلت حاصل تھی، اس عقیدے سے موافقت ہو جانے کے بعد دوسرا سبق یہ ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) پر بھی افضلیت حاصل تھی۔ پھر بڑھ کر یہ بتایا جاتا کہ ان دونوں کو گالیاں دینی چاہئیں۔ کیونکہ ان دونوں نے حضرت علی ﷺ اور اہل بیت پر بہت ظلم کیا ہے، پھر ترقی کر کے یہ بتایا جاتا کہ ساری امت اور صحابہ کرام جاہل اور ظالم تھے، کیونکہ ان میں سے اکثر لوگوں نے خلفاء اوّلین کی تائید کی ہے، پھر آگے بڑھ کر اصل دین اسلام ہی کی برائی کی تعلیم دی جاتی۔ پھر امام باقلانی نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اس طرح اپنے مخاطبین کو شکوک اور شبہات میں ڈال

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دیتے، مگر اس کا اثر صرف ان لوگوں پر پڑتا جو انتہائی ناسمجھ، غبی اور بد بخت ہوتے۔

فرقہ قرامطیہ کے متعلق یہ ابتدائی معلومات علامہ ابن کثیرؒ کی بیان کردہ ہیں، جبکہ اس سے بھی زیادہ عجیب معلومات ہمیں عبدالحلیم شرر لکھنوی کی "تاریخ سندھ" سے دستیاب ہوئی ہیں، جو کہ قرامطیہ کی ابتداء کو سمجھنے میں نہایت اہم ہیں:

عبدالحلیم شرر کے مطابق: "قرامطہ کا ظہور سب سے پہلے یوں ہوا کہ ایک گمنام شخص اطرافِ خجستان سے آیا اور عجب تقدس کے ساتھ مقامِ نہرین میں جو حوالیٔ کوفہ میں ہے فروکش ہوا۔ اس نے یہاں آ کے بے انتہا زہد و اتقا ظاہر کیا۔ یہاں تک کہ جو لوگ دیکھتے اس کے معتقد ہو جاتے اپنے کسب ذاتی سے کھاتا تھا اور کسی سے کچھ نہ لیتا تھا اور اکل حلال کے ساتھ شب و روز نماز روزہ میں بسر کرتا تھا۔ جب کبھی کوئی ملنے کو جاتا تو وہ شخص سوا خدا اور رسول کے ذکر کے اور کوئی بات نہ کرتا اور مہذب طریقہ سے اس پر اپنا زہد و اتقا اور نماز و روزہ بھی ظاہر کر دیتا۔ اکثر کہا کرتا کہ انسان اپنے فرائض سے ناواقف ہے اس پر پچاس نمازیں فرض ہیں اور وہ غافل رہتا ہے۔

یہ شخص اکثر ایک بنیے کی دکان پر جا کے بیٹھا کرتا تھا اور وہ بنیا اس کی نیک نفسی اور زہد و اتقاء کا معتقد تھا۔ اتفاقاً کسی دولت مند شخص نے اس بنیے سے آ کر کہا: "ہمارا ایک باغ پھل لانے کو ہے اور ہمیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو اس کی حفاظت کرے مگر خرابی یہ ہے کہ کوئی ایماندار آدمی نہیں ملتا جو مقرر کیا جائے گا۔ ممکن نہیں کہ فصل پر کسی قسم کا تغلب و تصرف نہ کرے۔" بنیے نے فوراً اس شخص کا پتا دیا اور کہا آپ ان سے کہئے اگر وہ منظور کر لیں تو آپ کی خوش نصیبی ہے۔ ان سے زیادہ متدین ایماندار اور متقی و پرہیز گار آدمی ملنا محال ہے۔ صاحب باغ اس کے پاس گیا اور کہا اگر آپ میرے باغ کی حفاظت کا کام اپنے ذمہ لے لیں تو بڑی ہی عنایت ہو۔ اس شخص نے فوراً منظور کر لیا۔ جا کے باغ میں مقیم ہوا اور ہر چیز کی نگہبانی کرنے لگا۔

اب یہ عابد و زاہد شخص اس باغ میں اطمینان سے رہتا۔ راتوں کو نمازیں پڑھتا اور دن کو روزے رکھتا۔ کھانے کی یہ قطع تھی کہ روزانہ ایک رطل کھجوریں لے کے قوت لا یموت کرتا اور ان کی گٹھلیاں احتیاط سے جمع کر کے بنیے کو دے دیتا۔ بنیا ان گٹھلیوں کو حفاظت سے رکھتا گیا یہاں تک کہ آخر میں جب حساب ہوا تو ان گٹھلیوں کے مطابق جتنی کھجوریں ثابت ہوئیں ان میں سے گٹھلیوں کی قیمت مجرا کر کے باغ کی پیداوار بنیے کے پاس فراہم کر دی۔ اس لئے کہ کل پیداوار جمع کرنے کا وہی ذمہ دار تھا۔ بنیے نے جب باغ کی تمام کھجوریں جمع کر کے صاحب باغ کے پاس بھیجیں تو ان کے ساتھ وہ گٹھلیاں بھی بھیج دیں۔ باغ کا مالک ان گٹھلیوں کو دیکھ کے بے سوچے سمجھے برہم ہوا کہ یہ گٹھلیاں کیسی۔ اور بے اختیار آ کے بنیے کو پیٹنے لگا کہ یہ کھجوریں کون کھا گیا؟ اور لطف یہ کہ میرے چڑانے کے لئے تو نے یہ گٹھلیاں میرے پاس بھیج دیں۔ بنیے نے سمجھایا اور کہا آپ خفا نہ ہوں۔ وہ بزرگ جو باغ کی نگہبانی کرتے تھے انہوں نے اپنے حق المحنت میں جتنی کھجوریں کھائیں یہ انہی کی گٹھلیاں ہیں اور آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئیں کہ آپ اندازہ کر لیں کہ انہوں نے زیادہ نہیں کھایا۔ بلکہ انہوں نے گٹھلیوں کی قیمت مجرا کر لی ہے اس لئے کہ یہ آپ ہی کے پاس آ گئیں۔ یہ سن کے صاحب باغ نہایت متحیر ہوا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اوراس شخص کے اتقا واحتیاط پر تعجب کرنے لگا، اپنی غلط فہمی پر اس نے بنیے سے بہت کچھ معذرت خواہی کی۔ غرض اس طریقہ سے اس شخص نے اپنے تقدس واتقا کا اثر سارے شہر پر اور کل اطراف وجوانب میں پھیلا دیا اور ہر گھر اور ہر صحبت میں اس کی خوبیوں کا تذکرہ ہونے لگا۔

چند روز بعد وہ شخص بیمار ہوا۔ اس وقت سرِ راہ سڑک پر آ کے لیٹ گیا اور کئی روز تک وہیں پڑا رہا۔ بنیا جو اس کی بندگی کا معتقد تھا فوراً دوڑتا ہوا گیا اور ارادہ کیا کہ اسے اپنے گھر پر اٹھا لائے اور جہاں تک ممکن ہو خدمت کر کے ثوابِ آخرت حاصل کرے۔ وہ شخص اس قدر بیمار تھا کہ اپنے پاؤں سے کسی طرح نہ چل سکا۔ تب بنیا ایک بیل والے کے پاس دوڑا گیا جس کا نام کرمیتہ تھا (اس لفظ کے معنی زبان نبطی میں لال آنکھوں والے کے ہیں) اس شخص کے پاس دو بیل تھے جو کرایہ پر چلا کرتے تھے۔ بنیے نے کرمیتہ سے کہا کہ بھئی ذرا چل کے ایک صاحب کو جو سڑک پر پڑے ہوئے ہیں میرے گھر پہنچا دو۔ کرمیتہ نے بیل لے جا کے اس شخص کو سوار کرایا اور بنیے کے گھر پہنچا دیا۔ بنیے نے اپنے گھر لے جا کے ایسی خاطر تواضع کی اور اس توجہ اور سرگرمی سے علاج کیا کہ وہ شخص چند ہی روز میں اچھا ہو کے پھر لوگوں پر اپنے زہد اور اتقا کا جال ڈالنے لگا۔

اب اس شخص نے اپنی غرض کے ظاہر کرنے کا پورا موقع پایا۔ اس لئے کہ اس کی عبادت گزاری اور تقویٰ و طہارت کا لوگوں پر اتنا اثر ہو چکا تھا کہ اس کی ہر بات پر عوام فوراً ایمان لے آتے تھے اور کسی کو تکذیب کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ ایسے وقت میں اس شخص نے کہا کہ میں ایک پوشیدہ امام کا نقیب ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہیں۔ انہی کی طرف میں تم سب کو بُلاتا ہوں۔ اتنا سنتے ہی لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے اور اس کے مریدوں اور معتقدوں کا گروہ روز افزوں ترقی پانے لگا۔ اس شخص نے یہ قاعدہ رکھا تھا کہ جو ایمان لاتا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا اس سے ایک دینار لے لیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ یہ امامِ وقت کے لئے ہے۔ اب اس نے اپنے نئے فرقہ کے لئے نئے نئے عقائد اور اصول مرتب کرنا شروع کئے اور اپنے معتمد علیہ مریدوں میں سے بارہ آدمی منتخب کر کے ان کو حواری کا خطاب دیا اور کہا اب تم لوگ وہی کام شروع کرو جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے کیا تھا۔ تم دین کے مشنری بنو اور خلقت کو امام علیہ السلام کی طرف مدعو کرو۔ ان نقبا کی کوشش بہت جلد کامیاب ہوئی۔ عموماً لوگ اس کے مذہب میں داخل ہونے لگے اور چند روز میں یہ کیفیت ہوگئی کہ سواحلِ عراق کے اکثر لوگوں سے تمام کاروبار چھوٹ گئے۔ اس لئے کہ ہر شخص مفروضہ پچاس نمازوں کے ادا کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ ان نمازوں سے کسی کو اتنی فرصت ہی نہ ہوتی تھی کہ دنیاوی کاموں کو دیکھے۔

اتفاقاً اس علاقہ میں ہیضم نامی ایک رئیسِ عراق کے چند گاؤں تھے۔ اس نے جو دیکھا کہ مزارعین اور کاشتکاروں کے سب کام چھوٹ گئے تو لوگوں سے اس کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ ساری کارگزاری ایک نئے بزرگ کی ہے، جنہوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے اور کسی فاطمی امام کی طرف خلق اللہ کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ سن کر ہیضم کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے اپنے آدمی بھیج کے ان بزرگ کو جو اس کے بانی تھے پکڑوا بلوایا اور یہ کہہ کے کہ اچھا رہ جاؤ صبح کو تم قتل کئے جاؤ گے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اپنے مکان میں بند کر کے قفل چڑھوا دیا اور قفل کی کنجی اپنے بچھونے کے نیچے رکھ کے مے کشی میں مشغول ہو گیا۔ ہیثم کی ایک لونڈی تھی جس نے یا تو اس خیال سے کہ یہ شخص بے جرم مارا جائے گا یا اس وجہ سے کہ اس کے مریدوں میں تھی جب دیکھا کہ ہیثم شراب کے نشہ میں بدمست ہو گیا اور غافل ہو گیا ہے چپکے سے جا کے بچھونے کا کونا الٹا کر کنجی نکالی اور قفل کھول کے اس شخص کو آزاد کر دیا۔ اور پھر دبے پاؤں جا کے کنجی بچھونے کے نیچے رکھ دی۔ مگر چونکہ آقا سے ڈرتی تھی کہ اگر یہ حال اس کو معلوم ہو گیا تو مار ہی ڈالے گا۔ اس وجہ سے کسی کے سامنے اس واقعہ کو نہیں ظاہر کیا۔ ہیثم نے صبح اٹھ کے قفل کھول کے دیکھا تو وہ شخص غائب تھا۔ ہیثم تو خاموش ہو رہا مگر لوگوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شخص ہیثم کی قید سے غائب ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتقدوں کو اس کی پاک باطنی کا اور یقین ہو گیا اور اس کی یہ غیبت ایک عظیم الشان کرامت تصور کی گئی اور ہر جگہ اس واقعہ نے لوگوں کے دل میں حسنِ عقیدت کا بیج بو دیا۔

چند روز بعد یہ شخص اپنے معتقدوں کے ایک گروہ سے ملا اور کہا کہ کسی میں اتنی قدرت کہاں ہے کہ مجھے ضرر پہنچا سکے۔ دنیا میں تو کسی کی اتنی مجال نہیں ہے۔ اس کی زبان سے یہ کلمات سن کے معتقدین اور بھی راسخ العقیدہ ہو گئے۔ وہ شخص مریدوں سے یہ بیان کر کے دل میں ڈرا کہ ان لوگوں سے ملنے کے بعد اب بھی اگر اسی علاقہ عراق میں رہوں گا تو پکڑ لیا جاؤں گا اور جان کا اندیشہ ہے۔ اس خیال سے ان لوگوں کو چھوڑ کے سرزمینِ شام کی طرف بھاگ نکلا۔ اس فرقہ کے پہلے بانی کی داستان یہیں پر تمام ہو گئی۔ اس لئے کہ شام جانے کے بعد پھر اس کا پتہ نہیں لگا کہ کہاں گیا اور کیا ہو گیا۔ اس شخص کی چالاکی اور پیش بندی کا اندازہ کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اتنے دنوں تک حوالیٔ کوفہ میں رہا اور اتنے ایک مرید اور معتقد پیدا کر لئے مگر اپنا نام آخر تک ظاہر نہیں کیا۔ اور اسی مجبوری سے لوگ اسے اسی بیل والے کرمیتہ کی طرف منسوب کر کے کریتی کہا کرتے تھے۔ یہی لفظ عوام کے کثرت استعمال سے بدل کر قرمطی ہو گیا اور وہ قرمطی ہی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور آخر میں اس فرقہ کے لوگ اسی کے نام کی نسبت سے قرمطی کے لفظ سے یاد کئے جانے لگے۔ جس کی جمع قرامطہ ہے۔

اس شخص کے عقائد عجیب و غریب تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے تناسخ کا مسئلہ اختیار کر لیا تھا اور اس مسئلہ سے بہت فائدہ اٹھائے تھے۔ چنانچہ لوگوں سے کہا کرتا تھا: "میں ہی عیسیٰ ہوں، میں کلمۃ اللہ ہوں، میں ہی مہدی ہوں، میں ہی احمد بن محمد بن حنفیہ ہوں، میں ہی جبرئیل ہوں۔" دعویٰ کرتا تھا کہ مسیح جامہ انسانیت میں میرے پاس آئے اور کہا: "تم ہی داعی ہو، تم ہی حجۃ ہو، تم ہی ناقۂ صالح ہو، تم ہی دابۃ الارض ہو، تم ہی ذکریا ہو، تم ہی روح القدس ہو۔" اس شخص نے لوگوں کو بتایا کہ "یوں تو بہت سی نمازیں فرض ہیں مگر اصل نماز چار رکعتیں ہیں۔ دو طلوع آفتاب سے پہلے اور دو غروب کے بعد اور ہر نماز کی اذان یوں ہونی چاہئے۔ اللہ اکبر تین بار۔ اشھدان لا الٰہ الا اللہ دو بار۔ اشھدان آدم رسول اللہ۔ اشھدان نوحًا رسول اللہ۔ اشھدان ابراہیم رسول اللہ۔ اشھدان موسیٰ رسول اللہ۔ اشھدان عیسیٰ رسول اللہ۔ اشھدان محمدًا رسول اللہ۔ اشھدان احمد بن محمد بن الحنفیہ رسول اللہ ایک ایک بار۔"

اس نے ایک کتاب بھی اپنے معتقدوں اور حواریوں کے ہاتھ میں دی جس کی ابتداء بسم اللہ سے ہوتی تھی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خاصۂ اس نے ایک سورۃ تصنیف کر کے اپنے مریدوں کو دی اور کہا یہ سورۂ استفتاح ہے، جو احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوئی تھی۔ نماز کی ابتداء میں سب سے پہلے یہ سورۃ قرأت پڑھی جائے اس لئے کہ بغیر اس کے پڑھے نماز نہیں ہوتی۔ وہ سورۃ یہ ہے:

''الحمد للہ بکلمتہ وتعالیٰ باسمہ المتخذ لا ویعانہ باولیاءہ قل ان الاہلۃ مواقیت للنسا ظاہرہا لیعلم عدد السنین والحساب والشہور والایام وباطنہا اولیائی الذین عرفوا عبادی سبیلی اتقونی یا اولی الالباب۔ وانا الذی لا اسئل عما افعل وانا العلیم الحکیم وانا الذی ابلو عبادی وامتحن خلقی۔ فمن صبر علی بلائی ومحنتی واختیاری القیہ فی جنتی واخلدتہ فی نعمتی ومن زل عن اجری وکذب رُسلی اخذتہ مہانا فی عذابی واتممت اجلی واظرت امری علی السنۃ رُسلی وانا الذی لم یعل علی جبار الاضیحۃ ولاعزیز الااذللتہ ولیس الذی اصرّ علی امری ودوام علی جہالۃ وقالوا لن نبرح علیہ عاکفین۔ وبہ موقنین اولئک ہم الکافرون۔''

حکم تھا کہ قیام میں جب یہ سورۃ پڑھ چکے تو رکوع میں جائے اور کہے:

''سبحان ربی رب العزۃ وتعالیٰ عما یصف الظالمون''

پھر سجدے میں جائے اور کہے:

''اللہ اعلیٰ اللہ اعلیٰ اللہ اعظم اللہ اعظم''

یہ بھی تجویز تھی کہ قبلہ بیت المقدس کی طرف ہونا چاہئے اور جمعہ نہیں دوشنبہ (سوموار) عید المسلمین قرار دیا جائے اور اس روز کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔ سال بھر میں صرف دو روزے فرض تھے مہرجان کے دن اور نوروز کے دن۔ نبیذ جس کا ان دنوں زیادہ رواج ہو گیا تھا حرام کی گئی تھی اور شراب عام طور پر حلال تھی۔ جنابت کے لئے غسل کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ بس وضو کر لینا کافی تھا۔ جو لوگ اس مذہب کے تسلیم کرنے سے انکار کریں ان میں سے جو لوگ لڑائی پر آمادہ ہوں ان کا قتل واجب تھا۔ اور جو نہ لڑیں ان سے جزیہ وصول کر لینا کافی تھا۔ جتنے جانور پنجہ اور دانت رکھتے ہوں سب حرام تھے۔[1]

حجر اسود کا غائب ہونا

1۔ تاریخ سندھ، عبدالحلیم شرر لکھنوی۔ ص ۳۰۴ تا ۳۰۸

2۔ اس ابوسعید کی حقیقت یہ تھی کہ دراصل غلوں کی خرید و فروخت کا دلال تھا اور چیزوں کی قیمتوں کو طے کیا کرتا تھا۔ اس نے مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی لوگوں کو دعوت دی۔ چنانچہ ایک شخص جس کا نام علی بن العلا بن حمدان الزبادی تھا، اس نے اس کی دعوت قبول کر لی اور مہدی کی دعوت قبول کرانے پر اس نے پورا زور صرف کر دیا۔ اس لیے وہ شیعہ جو قطیف کے علاقہ میں تھے، انہوں نے اس کی دعوت قبول کر لی، ان ہی لوگوں میں یہ ابوسعید الجنابی بھی تھا۔ (اللہ اس کا بُرا کرے) رفتہ رفتہ یہ شخص ان لوگوں پر حاوی ہو گیا، اور قرامطہ کا بھی ان میں ظہور ہوا اور سب نے اس کی دعوت قبول کی اور اس کے متبع ہو گئے، اب یہی شخص ان سب کا لیڈر بن گیا اور ہر معاملہ میں اسی کا مشورہ قابل قبول ہونے لگا، یہ اس شہر کا باشندہ تھا جسے جنابہ کہا جاتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ، علامہ ابن کثیرؒ۔ واقعات قرامطیہ)

3۔ غالباً یہاں حبشی خبیث سے مراد قرامطہ کا وہی سب سے پہلا سردار ہے جس کا کوئی واضح اور متعین نام بتانے سے مؤرخین قاصر ہیں، اور جس کے حالات عبدالحلیم شرر کی تاریخ سندھ کے حوالے سے اوپر پیش کئے جا چکے ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الحاصل اس سال ۲۷۸ھ یہ جماعت اُبھری، اس نے زور پکڑا، اس طرح حالات ان کے اتنے موافق ہو گئے کہ یہ بزورِ طاقت مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔

خاص خانہ کعبہ کے اردگرد مسجد حرام کے بیچ میں بے حساب حجاج کا خون بہایا، حجر اسود کو توڑ ڈالا اور اپنی جگہ سے اسے اکھیڑ کر ۳۱۷ ہجری میں اپنے علاقوں میں لے بھاگے، پھر ۳۳۹ھ تک وہ ان کے ہی پاس رہا، اس طرح وہ حجر اسود بائیس برس تک اپنی جگہ سے غائب رکھا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون (تفصیلات آگے بیان ہوں گی، ان شاءاللہ)

ابوسعید الجنابی کا ظہور اور یحییٰ بن ذکرویہ کی دسیسہ کاریاں

علامہ ابن کثیرؒ کے بقول ابوسعید الجنابی [2] قرامطہ کا سردار حبشی خبیث [3] سے بھی زیادہ اخبث اور اس سے بھی بڑھ کر فسادی تھا۔

اس کا ظہور ۲۸۶ھ بصرہ کے علاقہ میں ماہ جمادی الاوّل میں ہوا تھا، اس کی خبر پا کر دیہاتی وغیرہ بہت سی مخلوق اس کی طرف متوجہ ہوگئی اور اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی، اور اس نے اپنے اردگرد کے بہت سے دیہاتیوں کو قتل کر دیا، پھر بصرہ کے قریب قطیف کی طرف متوجہ ہو گیا، تو خلیفہ معتضد نے وہاں کے اپنے نائب کو لکھ بھیجا کہ اس کی پوری چہار دیواری مضبوط کر دی جائے، چنانچہ تقریباً چار ہزار دینار خرچ کر کے اس کی دیواریں مضبوط کیں اور بہت سی اہم چیزوں کا اضافہ کیا۔ اس بنا پر قرامطہ وہاں داخل ہونے سے مجبور ہو گئے۔ مگر ابوسعید الجنابی اور اس کے ساتھی قرامطہ نے ''ہجر'' اور اس کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ کر اس علاقہ میں زبردست فساد پھیلایا۔

یہ ابوسعید جنابی ہی وہ شخص تھا جس نے مذہب قرامطہ میں پوری پولیٹیکل قوت پیدا کر دی۔ یہ شخص اگرچہ آخر میں گروہ قرامطہ کا ایک زبردست ہیرو بن گیا مگر دراصل دعوت قرامطہ کی بنیاد اس سے نہیں پڑی تھی۔ جس شخص نے پہلے قرمطی کی یاد اب دوبارہ زندہ کی وہ یحییٰ بن مہدی نامی ایک شخص تھا۔ یہ شخص ۲۸۱ھ میں خدا جانے کہاں سے آ کے بحرین کے شہر قطیف میں خاندان زیاد کے غلام علی بن معلیٰ بن حمدان کے گھر پر فروکش ہوا۔ اس شخص نے جب دیکھا کہ علی ایک متعصب اور غالی شیعہ ہے تو اس سے کہا کہ میں صاحب الزمان امام مہدی کا قاصد ہوں اور ایک خط نکال کر دکھایا اور ظاہر کیا کہ یہ خط خاص امام علیہ السلام کا تمام محبانِ اہل بیت کے نام ہے۔ میں صرف اس غرض سے بھیجا گیا ہوں کہ شیعیانِ اہل بیت کو امام مہدی کی طرف مدعو کروں۔ اور وجہ یہ ہے کہ ان کے ظہور کا زمانہ آ گیا۔ علی بن معلیٰ نے اتنا سنتے ہی قطیف کے تمام شیعوں کو جمع کیا اور وہ خط جو امام صاحب الزماں کا خط بتایا جاتا تھا سب کو پڑھ کے سنایا گیا۔ امام کا نام ایسا تھا کہ سب نے بلا تامل سر جھکا دیا۔ اس کی درخواست منظور کی اور کہا کہ امام صاحب الزمان ظہور فرمائیں ہم سب ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ جب قطیف کے تمام لوگ اس خط کی تعمیل پر آمدہ ہو چکے تو بحرین کے تمام گاؤں میں عام مسلمانوں کے پاس یہ پیام بھیجا گیا کہ صاحب الزماں کا قاصد آیا ہے اور سب سے خواہش کی جاتی ہے کہ اس کی درخواست منظور فرمائیں۔ بحرین بھر میں جہاں یہ پیام گیا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لوگوں نے اطاعت کی اور یحییٰ بن مہدی کی خواہشیں پوری کیں۔ بحرین کے انہی ایمان لانے والوں میں ابوسعید جنابی بھی تھا۔ یہ ایک معمولی شخص تھا اور لوگوں کے وہاں غلہ وغیرہ جو کچھ پیدا ہوتا تھا اس کو بیچ دیا کرتا تھا۔ یحییٰ اپنی غرض میں اس حد تک کامیاب ہو کے یکا یک غائب ہو گیا۔

یحییٰ بن مہدی چند روز غائب رہ کے پھر بحرین میں نمودار ہوا۔ اس مرتبہ بھی اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا جس کو پیش کر کے اس نے کہا: امام علیہ السلام نے یہ خط اپنے تمام شیعوں کو دیا ہے۔ اس خط کا یہ مضمون تھا: ''مجھے اپنے قاصد یحییٰ بن مہدی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ تم سب میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو۔ اب ضرورت ہے کہ تم سب لوگ میرے اس نامہ بر کو فی کس 2/3,6 دینار دے دو۔'' لوگوں نے بخوشی خاطر یہ ٹیکس جمع کر کے یحییٰ کے حوالہ کر دیا اور یحییٰ سب رقم لے کے چل دیا۔

تھوڑے دنوں کے بعد یحییٰ بن مہدی پھر ایک خط لئے ہوئے نمودار ہوا۔ جس کے آنے پر اہل بحرین نہایت ہی خوش ہوئے۔ امام صاحب الزماں کا خط سر آنکھوں پر رکھ کے پڑھا تو اس میں لکھا تھا تمہاری مرسلہ رقم مجھے ملی، اب تم سے درخواست کی جاتی ہے کہ جتنے محبانِ اہل بیت اور شیعیانِ خاندانِ نبوت ہوں اپنی جائیداد کا پانچواں حصہ میرے اس قاصد کے سپرد کر دیں۔ اس حکم کی بھی فوراً تعمیل کی گئی اور ایک معتد بہ رقم جو اسی حساب سے تمام شیعوں نے نذر امام صاحب العصر کی تھی، فراہم کر کے یحییٰ کے ہاتھ میں دے دی گئی اور یحییٰ نے یہ روپیہ لے کر پھر اپنے مخفی گھر کی راہ لی۔ اب یحییٰ مذکور نے اپنا یہ قاعدہ کر لیا کہ برابر امام علیہ السلام کے فرضی خطوط لے کے آتا تھا اور قبائل قیس میں جن سے بحرین آباد تھا پھیرے کرتا تھا اور ہمیشہ رقمیں وصول کر کے لے جاتا تھا۔

اب یحییٰ اس قدر سچا قاصدِ امام تصور کر لیا گیا کہ ہر جگہ سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا۔ اسے روپیہ دینے میں کسی کو عذر نہ ہوتا تھا اور جائز و ناجائز ہر طرح اس کی خاطر مدارات کی جاتی تھی۔ چنانچہ ابراہیم بن صائغ نامی ایک شخص بہ چشم دید بیان کرتا ہے کہ میں ایک مرتبہ ابوسعید جنابی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً یحییٰ آ گیا۔ بڑی تکلف سے اس کی دعوت کی گئی اور بعد فراغت طعام ابوسعید اپنی بیوی سے یہ کہہ کے باہر نکل آیا کہ یحییٰ امام کے قاصد ہیں ان کی ہر طرح دلدہی کرنا چاہئے۔ اگر ان کا کچھ اور جی چاہے فرض کرو کہ تم سے مقاربت کرنا چاہیں تو خبردار عذر نہ کرنا۔ اس لئے کہ ان کی خاطر داری ثواب ہے۔ بیوی کو یہ سمجھا کے یحییٰ کے پاس تنہا چھوڑ دیا۔ یہ ایک ایسا عبرتناک واقعہ تھا کہ اس کی خبر والیٔ شہر کو پہنچ گئی۔ اس نے دل میں یہ خیال کر کے کہ یحییٰ بن مہدی ایک فتنہ ہے اسے گرفتار کر لیا اور سر اور داڑھی مونڈھ کے چھوڑ دیا۔

یحییٰ کی گرفتاری کا حال سنتے ہی ابوسعید جنابی ڈر گیا اور فوراً شہر چھوڑ کے اپنے وطن جنابا میں بھاگ گیا اور یحییٰ بن مہدی نے جیسے ہی والی کے ہاتھ سے نجات پائی سیدھا قبائل بنی کلاب بن عقیل اور بنی خولیس میں جا پہنچا۔ قاصدِ امام کی یہ گت دیکھ کے ان لوگوں میں نہایت ہی برہمی پیدا ہوئی اور سلطنت کی مخالفت کا مصمم ارادہ کر کے سب کے سب یحییٰ کے ساتھ ہو گئے۔ یہاں خود ہی ایک پُرجوش فوج تیار ہو چکی تھی کہ ابوسعید جنابی بھی آ پہنچا اور لوگوں میں اور زیادہ اشتعال پیدا کرنے لگا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الغرض اب ان لوگوں نے اتنی قوت پیدا کر لی کہ والیٔ بحرین کو بھی ان کا دبانا دشوار ہو گیا۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ قرامطہ نے سلطنت کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانے کی جرأت کی۔ اب اس تمام فوج کی سرداری ابو سعید جنابی کے ہاتھ میں تھی۔

ابو سعید نے ابتداءً ۲۸۶ھ میں ہتھیار اٹھائے تھے اب ۲۸۷ھ میں اس کو یہاں تک کامیابی ہوگئی کہ ہر طرف تاخت و تاراج شروع کر دیا۔ سارے بحرین میں ہلچل پڑ گئی اور ہر گاؤں میں قرامطہ کا سکہ بیٹھ گیا۔ جنابی کی دھاک اس قدر بیٹھ گئی کہ وہ جسے اپنے خلاف پاتا بے تامل قتل کر ڈالتا اور والیٔ بحرین قطیف میں بیٹھے بیٹھے یہ تماشا دیکھتا تھا اور اس کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ لیکن جنابی نے والی کو قطیف کی چار دیواری میں بھی اطمینان سے نہ بیٹھنے دیا۔ اپنی بدویوں کی پُرجوش فوج کے بحرین کے خاص مستقر قطیف پر حملہ کیا اور شہر پر قبضہ کر کے جن لوگوں کو اپنے خلاف پایا بلا استثناء قتل کر ڈالا اور مشہور کر دیا کہ اب میں بصرہ پر حملہ کروں گا۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی بصرے میں ہلچل پڑ گئی اور یہ ڈر ہوا کہ اگر بصرے تک پہنچ گیا تو مرکز خلافت دارالسلام بغداد سے بہت قریب ہو جائے گا۔ احمد بن محمد بن یحییٰ واثقی نے جو اس زمانہ میں والیٔ بصرہ تھا تمام حالات خلیفہ معتضد کے دربار میں لکھے اور لوگوں کی پریشانی ظاہر کی اور صاف صاف لکھ بھیجا کہ بصرہ معرضِ خطر میں ہے۔ معتضد باللہ نے حکم دیا کہ لوگوں کے اطمینان کے لئے بصرے کے گرد شہر پناہ بنائی جائے چنانچہ فوراً مدد لگا دی گئی جس میں چودہ ہزار دینار صرف ہوئے۔

اب ابو سعید نے قطیف پر قابض ہو چکنے کے بعد اطرافِ ہجر میں لوٹ مار شروع کر دی اور بعض گروہ قرامطہ حوالی بصرہ تک آ پہنچے، تب والیٔ بصرہ احمد واثقی نے گھبرا کے دارالخلافت بغداد سے مدد طلب کی۔ معتضد نے فوراً کچھ کشتیاں براہ دجلہ روانہ کر دیں جن پر تین سو سپاہی تھے۔ اس کے ساتھ ہی معتضد نے مناسب سمجھ کے عباس بن عمرو بن غنوی کو جو اس عہد کے شجاعوں میں تھا حکومتِ فارس سے علیحدہ کر کے یمامہ اور بحرین پر روانہ کیا۔ اور دو ہزار فوج اس کے ہمراہ کر کے حکم دیا کہ تم جا کے قرامطہ کا استیصال کرو۔ عباس بن عمرو یہ حکم پاتے ہی فارس سے نکل کے داخلِ بصرہ ہوا اور اس کے ساتھ بہت سی فوج مطوعہ اور سرکاری لشکر کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور ان سب لوگوں کو ہمراہ لے کے وہ ابو سعید جنابی کے مقابلہ کو چلا۔ شام کا وقت تھا کہ دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ دونوں میر لشکر اپنے سپاہیوں کو لے کے بڑھے کہ معرکہ آرائی شروع کر دیں۔ لڑائی شروع ہونے ہی کو تھی کہ رات ہو گئی اور تاریکی نے درمیان میں پڑ کے دونوں حریفوں کو روک دیا۔ رات کا ہونا تھا کہ کچھ لوگ عباس کا ساتھ چھوڑ کے واپس گئے جن میں تین سو جوان بنی صبہ کے اور بصرے کے مطوعہ (والنٹیر) تھے۔ لیکن عباس نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور صبح ہوتے ہی اس نے حریف پر حملہ کر دیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ ایک طرف خلافت کی حمایت اور بہادری کے دعوے تھے اور دوسری طرف تازہ مذہبی جوش تھا۔ ناگہاں عباس کی فوج میسرہ کے سو آدمی لے کے احمد بن عیسیٰ کے غلام نجاح نے ابو سعید کی میمنہ فوج پر حملہ کیا۔ یہ لوگ اس شدت سے ابو سعید جنابی کی فوج میں گھس پڑے کہ دم بھر میں سب کو کاٹ ڈالا۔ اسی وقت خود جنابی نے عباس اور اس کے ہمراہیوں پر ایسا حملہ کیا کہ عباس کو مع اپنے لشکر کے پسپا ہونا پڑا اور اس گیر و دار میں کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ خود عباس جنابی کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ پھر کیا تھا، خلافت کی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فوج بے اختیار بھاگی۔ آج کی لڑائی میں شامل ہوگئی تھی۔ ابوسعید نے سب قیدیوں کو بجنسہٖ گرفتار رکھا اور صبح اٹھتے ہی سب کو قتل کرا کے آگ میں جلوا دیا۔ ایک صرف عباس تھا جسے جنابی نے زندہ قید رکھا۔ اب ابوسعید جنابی اس لڑائی میں فتح حاصل کرتے ہی شہر ہجر پر چڑھ دوڑا۔ وہاں کس میں مزاحمت کی تاب تھی؟ فوراً شہر کے پھاٹک کھل گئے۔ ابوسعید نے ہجر میں داخل ہو کے لوگوں کو پناہ دی۔ ہجر میں داخل ہو کے عباس کے ہاتھ میں ایک ملفوف خط دیا اور کہا جا کے اپنے آقا (خلیفہ) کو یہ خط دو اور جو کچھ تم نے یہاں دیکھا ہے اس کا حال بیان کرو۔ عباس جب بغداد پہنچ کے المعتضد کے دربار میں گیا، معتضد نے حسب رسمِ زمانہ عباس کو خلعت سے سرفراز کر دیا مگر اپنی ناراضی ظاہر کی۔ عباس نے جب خط دینے کا ارادہ کیا تو معتضد نے کہا، خدا کی قسم اس خط میں کچھ نہ لکھا ہوگا۔ جنابی کا مقصود اس سادے لپٹے ہوئے کاغذ سے یہ ہے کہ تم نے تو میرے پاس بہت سی فوج بھیجی تھی جس میں سے صرف ایک شخص تمہارے پاس زندہ واپس جاتا ہے۔ یہ کہہ کے اس نے خط لے کے کھولا اور دیکھا تو واقعی سادہ کاغذ تھا۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ابوسعید الجنابی کے ماننے والوں نے ماہ ربیع الاول ۲۸۷ھ میں زبردست ہنگامے برپا کیے، ہجر کے علاقہ میں لوگوں کو قتل اور قید کیا اور پورے علاقہ میں بدامنی پھیلا دی، اس لیے خلیفہ نے ایک زبردست فوج اکٹھی کی اور ان پر عباس بن عمرو الغنوی کو سردار مقرر کر کے یمامہ اور بحرین کا امیر مقرر کر دیا، تا کہ اس خبیث ابوسعید کی بیخ کنی کرے۔ چنانچہ دونوں فریق میں مقابلہ ہوا، حالانکہ ابوالعباس کے ساتھ دس ہزار لڑنے والے جوان تھے، پھر بھی اس ابوسعید نے اس طرح پوری فوج کو قید کر لیا کہ ایک بھی ان میں سے بھاگ نہ سکا، پھر سوائے ابوالعباس کے بقیہ تمام ایک ایک کر کے سب اس کے سامنے قتل کر دیئے گئے، یہ واقعہ انتہائی تعجب خیز ہے اور عمرو بن اللّیث کے واقعہ کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ اس کی فوج میں پچاس ہزار جوان تھے اور سوائے عمرو بن اللیث کے ان میں سب کے سب بچ گئے تھے۔[1]

اہل بصرہ کو جب اس شکست کی خبر ہوئی تو سارے شہر میں تہلکہ پڑ گیا اور سب نے ارادہ کیا کہ شہر چھوڑ کے کہیں بھاگ جائیں۔ والئ بصرہ واثقی کو جب اہلِ شہر کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو اس نے سب کو سمجھا بجھا کے روکا اور کہا تم کو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ابوسعید کی اتنی مجال نہیں کہ بصرہ کا ارادہ کر سکے۔ قرامطہ کی دھاک اب اس قدر بیٹھ گئی تھی کہ بادی النظر میں بصرہ کا بچنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن معتضد کی طرف سے ایک غلام جس کا نام بدر تھا قرامطہ کے مقابلہ کو نکلا۔ بدر نے جاتے ہی

1۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ابوسعید نے جب لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا تو ابوالعباس ایک طرف کھڑا ہو کر سب کو قتل ہوتا دیکھتا رہا، اور یہ بھی ان تمام قیدیوں میں شامل تھا، لیکن اسے اپنے پاس چند روز روک رکھا، پھر کئی منزل تک اسے پہنچوا کر چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ تم اپنے خلیفہ کے پاس پہنچ کر یہاں کا چشم دید واقعہ بتا دو۔

یہ واقعہ ماہِ شعبان کے آخری دنوں کا ہے۔ اس قیامت خیز واقعہ کو سن کر علاقہ کے سارے باشندے گھبرائے اور سخت پریشان ہو گئے، بصرہ والوں نے تو اپنا علاقہ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جانے کا ارادہ کر لیا، مگر وہاں کے نائب حاکم احمد واثقی نے ان سب کو روکا۔

2۔ ملخص از تاریخ سندھ، از شرر لکھنوی۔ ص ۳۰۹ تا ۳۱۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قرامطہ پر ایسا سخت حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں تمام قرامطہ منتشر ہو گئے اور ابو سعید جنابی کی ساری کامیابیاں خاک میں مل گئیں۔ بدر قرامطہ سے اس قدر جلا ہوا تھا کہ عموماً ہر قرمطی کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ بحرین اور سواحلِ عراق کی تمام رعایا اس مذہب کو اختیار کر چکی ہے، اس نے اپنے ہاتھ قتل سے روک لیا کہ اگر تمام قرمطی قتل ہو گئے تو ملک تباہ ہو جائے گا۔ نہ کاشتکار ہی باقی رہیں گے اور نہ زمیندار۔ تاہم بدر نے قرامطہ کے کسی افسر کو زندہ نہیں چھوڑا۔[2]

۲۸۹ھ قرامطہ نے کوفہ کے باشندوں کی طرف پیشقدمی کی تو کوفہ کے کچھ حکام نے ان قرامطہ کی ایک جماعت کو قبضہ کر کے ان کے سردار ابوالفوارس کو معتضد کے پاس بھیج دیا۔ وہاں خلیفہ نے ان کے ڈاڑھوں اور اس کے ہاتھوں کے اُکھیڑ دینے کا حکم دیا جس پر عمل کیا گیا، پھر دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دیئے گئے اور آخر میں بغداد کے اندر اسے قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا گیا۔

اس سال قرامطہ نے ٹڈی دل جماعت لے کر دمشق پر چڑھائی کی تو وہاں کے نائب طغج بن جف نے ہارون بن خمارویہ کی طرف سے ان لوگوں سے مقابلہ کیا لیکن ان قرامطہ نے اس نائب کو بارہا شکست دی اور وہاں لوگوں کی حالت ابتر ہو گئی اور یہ سب کچھ یحییٰ بن زکرویہ بن بہرویہ کی مرضی سے ہوا، یہ وہی شخص ہے جس نے قرامطہ کے درمیان اپنے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ محمد بن عبداللہ بن اسماعیل بن جعفر بن محمد بن علی ابن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے، حالانکہ اس دعویٰ میں وہ جھوٹا تھا اور یہ بھی دعویٰ کیا کہ ایک لاکھ آدمیوں نے اس کی اتباع کر لی ہے اور یہ کہ اس کی اونٹنی منجانب اللہ مامور ہے، جس جانب بھی وہ جائے گی اسی جانب کامیابی حاصل ہوگی، اور یہ دعوے ان لوگوں میں مشہور ہو گئے، اس لئے ان لوگوں نے اس کا لقب الشیخ رکھ دیا اور بنی الاصبغ کی ایک جماعت نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی تو ان کا نام فاطمیین رکھ دیا گیا۔ تب خلیفہ نے ان سے مقابلہ کے لیے ایک زبردست فوج بھیجی جسے ان لوگوں نے شکست دے دی۔ پھر وہاں سے انہوں نے رصافہ کی طرف پیش قدمی کی اور وہاں کی جامع مسجد میں آگ لگا دی۔ اس کے بعد جس جگہ سے وہ لوگ آگے بڑھتے وہاں کے باشندوں اور دیہاتوں کو لوٹا جاتا اور یہی ان کی عادت ہو گئی، یہاں تک کہ وہ دمشق پہنچ گئے تو وہاں کے نائب حاکم نے ان کا مقابلہ کیا، وہاں بھی ان لوگوں نے اسے بارہا شکست دی اور وہاں کے بہت سے باشندوں کو قتل کر کے ان کے مال و متاع لوٹ لئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان پریشان کن حالات میں ہی خلیفہ معتضد کی وفات اس سال ماہ ربیع الاوّل میں ہو گئی۔[1]

۲۸۹ھ میں قرامطہ تمام اطراف میں پھیل گئے اور حاجیوں پر ڈکیتی کرنے لگے۔ ان میں سے بعضوں نے اپنا نام امیر المومنین رکھ لیا تھا۔ تب المکتفی نے ان کے مقابلہ کے لئے بہت بڑی فوج بھیجی اور ان لوگوں پر بے شمار مال خرچ کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے کچھ فتنوں کو دبا دیا۔

1۔ البدایہ والنہایہ۔ واقعات ۲۸۸ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یحییٰ بن ذکرویہ کا قتل

یحییٰ کا باپ ذکرویہ تارک الدنیا اہل ریاضت کی طرح اپنے تہ خانہ میں بیٹھ رہا اور اپنے تینوں بیٹوں یحییٰ، حسین اور علی کو سامنے بلا کے فہمائش کی کہ تم قبیلہ کعب بن دبرہ میں جا کے اپنے آپ کو امام اسمٰعیل جعفر صادق کی نسل سے ظاہر کرو اور ان لوگوں میں پناہ گزیں ہو کے انہیں اپنی طرف مدعو کرو۔ یہ تینوں بیٹے باپ سے جدا ہو کے قبیلہ کعب میں پہنچے مگر خلافِ اُمید پھرنا کامیاب ہوئے۔ اور کسی قبیلہ میں ان کو پناہ نہ ملتی تھی۔ آخر پھرتے پھرتے وہ قبیلہ بنی قلیص بن ضمضم میں وارد ہوئے۔ اس قبیلہ نے پناہ دی اور ان کے نسبی دعوے کو تسلیم کر لیا۔ سب نے ۲۸۹ھ میں سرزمین سماوہ میں یحییٰ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کو یحییٰ بن عبداللہ بن محمد بن اسمٰعیل مان لیا۔ اگرچہ لوگوں کو معلوم تھا کہ محمد بن اسمٰعیل کا کوئی بیٹا عبداللہ نام نہ تھا مگر یحییٰ کے دعوے کو سب نے آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا۔ یحییٰ نے موقع پا کے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی اور اپنے آپ کو تمام معتقدین شیخ کے لقب سے مشہور کیا۔ چند روز کے تجربہ سے جب یحییٰ کو یقین ہو گیا کہ لوگوں پر اس کا اثر اچھی طرح پڑ گیا ہے تو اس نے اپنا پہلا نام بدل ڈالا۔ اور سب سے کہا میں نے اپنا اصلی نام ضرورۃً مخفی رکھا تھا۔ دراصل میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ یہ تبدیلی اس ضرورت سے کی گئی کہ عام لوگوں کے اعتقاد میں تھا کہ امام موعود کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔ یحییٰ نے یہ نام اپنے لئے مخصوص کر کے کوشش کی کہ خود ہی امام آخر الزمان بن جائے۔ اس نام کے بدلنے کے ساتھ ہی اس نے صاف ظاہر کر دیا کہ میں ہی امام منتظر ہوں۔ جس اونٹ پر سوار ہو کے میں نکلوں گا وہ کیسا کھڑا ہے اور جو میری اعانت وفرمانبرداری کرے گا یقیناً فتحیاب وکامیاب ہوگا۔ اس طرح سے لوگوں میں ایک جوش پیدا کر کے وہ ہر طرف گرد ونواح میں لوٹ مار کرنے لگا۔

یحییٰ بن ذکرویہ کا گروہ جب بڑھا اور جابجا قبائل پر تاخت وتاراج کی آفت نازل ہوگئی تو لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی۔ یہاں تک کہ حکام دولتِ عباسیہ تک خبر پہنچی کہ قرامطہ کا ایک گروہ پھر مجتمع ہوا ہے اور قریب ہے کہ وہ لوگ از سرِ نو اُبھر پڑیں۔ معتضد باللہ عباسی کا غلام شبل فوج لے کے بڑھا کہ ان کو منتشر کر دے۔ قرامطہ نے پورے جوش وخروش سے مقابلہ کر کے شبل کو شکست دے دی۔ تب محمد بن احمد طائی نے حملہ کیا اور قرامطہ کو پوری شکست دے دی۔ اس شکست میں محمد طائی نے قرامطہ کے ایک سرگروہ ابوالفوارس کو گرفتار کر کے دارالخلافت میں بھیج دیا۔ معتضد نے ابوالفوارس کو اپنے سامنے بلوایا اور کہا: ''میں سنتا ہوں کہ تم لوگ کہتے ہو اللہ جل شانہٗ کی روح اور نیز اس کے انبیاء کی روحیں تمہارے جسموں میں حلول کر کے تم کو لغزشوں سے بچاتی ہیں اور عملِ نیک کی توفیق دیتی ہیں؟ کیا یہ صحیح ہے؟'' ابوالفوارس نے کہا: ''تم کو اس سے مطلب ہی کیا، اگر انبیاء کی روحیں ہمارے جسموں میں حلول کرتی ہوں تو کوئی نقصان نہیں۔ پھر اس کے پوچھنے سے فائدہ؟ پوچھا ہے تو وہ بات پوچھو جو تمہارے مطلب کی ہو۔'' معتضد نے کہا: ''وہ میرے مطلب کی کون سی بات ہے؟'' ابوالفوارس ''لو سنو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انتقال فرمایا تمہارے باوا عباس موجود تھے نہ انہوں نے خلافت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مانگی اور نہ کسی نے دی۔ ایک شخص نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ پھر جب ابوبکرؓ نے سفر آخرت کیا تو عمرؓ کے لئے وصیت کر دی۔ حالانکہ جانتے تھے کہ عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور زندہ موجود ہیں۔ یہ بھی ہو چکا، اب عمرؓ کے انتقال کا زمانہ آیا۔ انہوں نے کسی کے حق میں وصیت نہیں کی۔ امرِ خلافت کو صحابہؓ کے مشورہ پر محول چھوڑ گئے۔ عباسؓ کے لئے وصیت نہ کرنا کیا انہیں اصحابِ حل وعقد میں بھی شامل نہیں کیا۔ جب عباسؓ ہر موقع پر غیر قابلِ خلافت مانے گئے تو تم کس منہ سے اور کس استحقاق سے مدعیٔ خلافت ہو؟ ظاہر ہے کہ عباس کے نہ مستحق ہونے پر قریب قریب کل صحابہ کا اجماع ہو گیا۔'' معتضد نے اس تقریر کا کچھ جواب نہیں دیا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ نہیں دے سکا مگر اس نے حکم دیا کہ یہ شخص ہڈیاں توڑ توڑ کے اور ہاتھ پاؤں کاٹ کاٹ کے مارا جائے۔ چنانچہ اسی طریقہ سے وہ قرامطی شخص قتل کیا گیا۔

قرامطہ کو اگرچہ علاقہ سواد میں سخت شکست ہوگئی مگر ان کی قوت بالکل ٹوٹ نہیں گئی تھی۔ اس شکست کے بعد ہی یحییٰ پھر اپنی کامیابی کی تدابیر میں مصروف رہا۔ اب اس نے اپنے حملوں کا نشانہ دمشق کو بنایا۔ اس لئے کہ گزشتہ شکست سے اسے اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ علاقہ سواد عراق اور کوفہ پر اب کامیابی کی اُمید نہیں۔ دمشق پر ان دنوں ابن طولون حاکم مصر کا غلام طغج حکمران تھا۔ اس نے جب قرامطہ کا یہ جوش وخروش دیکھا تو دل میں نہایت خائف ہوا۔ اور مصر سے کمک طلب کی۔ اس کمک کے آجانے پر طغج نے قرامطہ سے مقابلہ شروع کر دیا۔ مختلف لڑائیاں ہوئیں اور آخر کار قرامطہ کو پوری شکست ہوئی۔ خود یحییٰ جو امام موعود بن گیا تھا مارا گیا۔ اور اس کے مرید جا بجا منتشر ہو گئے۔

حسین بن زکرویہ کا انجام

مفرورین میں سے جو لوگ صاحبِ اثر تھے انہوں نے باہم جمع ہو کے یحییٰ کے بھائی حسین کو اپنا مقتدا بنایا۔ اس نے اپنا لقب احمد مقرر کیا۔ ابوالعباس کنیت قرار دی۔ اور صحرائی عربوں کو پھر اپنی طرف مدعو کرنے لگا۔ بہت سے قبائل وگروہ اس کے گرد جمع ہو گئے اور یحییٰ سے بھی زیادہ شوکت وحشمت اس کو حاصل ہوگئی۔ تب اس نے معتقدوں کو اپنے چہرے کا ایک شامہ (داغ) دکھلا کے کہا یہ علامتِ حق ہے جو خدا کی طرف سے مجھے مرحمت ہوئی ہے۔ اسی وقت سے یہ شخص ''صاحبِ شامہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ الغرض صاحب شامہ نے پوری قوت حاصل کر کے قرمطی سیلاب کو پھر دمشق کی طرف بڑھایا۔ اب کے اہلِ دمشق میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنی حفاظت وحمایت میں ذرہ بھی ہاتھ پاؤں مار سکتے۔ آخر دمشقیوں نے امان مانگی اور ادائیگی خراج کے وعدے پر صلح کر لی۔

تب صاحبِ شامہ دمشق شہر چھوڑ کے شہر حمص کی دیواروں کے نیچے پہنچا۔ حمص کو اس نے فوراً فتح کر لیا اور وہاں کے منبروں پر اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور اسی وقت سے اس نے اپنا نام ''المھدی امیر المومنین'' مقرر کیا۔ اسی زمانہ میں صاحبِ شامہ کا ایک عمزاد بھائی اس سے آکے ملا تو اس کو اس نے اپنا جانشین مقرر کیا اور اسے مدثر کا خطاب دیا اور کہا یہ وہ مدثر ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ پھر اپنے ایک غلام کو ''مطوق'' کے خطاب سے سرفراز کیا اور اس کے ذمہ یہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خدمت سپرد کی گئی کہ گرفتار شدہ مسلمانوں کو قتل کرتا تھا اور اہلِ اسلام کی جلادی اس کے سپرد تھی۔ حمص کے بعد ابن شامہ شام کے بلاد حماہ اور معرۃ النعمان پر حملہ آور ہوا۔ ان شہروں میں اس کی فوج نے ایک خلقت عظیم کو قتل کیا۔ جس میں مرد، عورت، بچہ سب شامل تھے۔ پھر اس نے شہر بعلبک پر حملہ کیا اور وہاں قریب قریب سب باشندوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد شہر سلمیہ پر پہنچا۔ یہاں کے لوگوں نے پہلے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ لیکن اپنی قوت کم دیکھ کر آخر سب نے اطاعت کی درخواست کی۔ ابن شامہ نے ان کی درخواست منظور کر کے شہر کے پھاٹک کھلوا لئے اور اندر داخل ہوتے ہی قتل عام کا حکم دے دیا۔ اور قیامت یہ کہ باوجودیکہ اپنے آپ کو بنی فاطمہ کا نقیب بتاتا تھا اور خود فاطمی ہونے کا مدعی تھا۔ یہاں قتل عام میں بنی ہاشم ہی سے ابتدا کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ قرامطہ کو سلیمہ میں جب آدمی نہ ملے تو ان کی بے روک تلواریں جانوروں پر جھک پڑیں اور بہت سے جانور بھی قتل کر ڈالے گئے۔ ان ناخدا ترس ظالموں نے مکتبوں اور مدرسوں میں گھس گھس کے معصوم بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔ جب ابن شامہ نے دیکھا کہ سلیمہ میں اب کوئی متنفس نہیں نظر آتا تو اس نے حکم دیا کہ اطراف و جوانب میں جو گاؤں ہوں ان میں بھی قتل عام کیا جائے۔ مشہور ہے کہ ابن شامہ کے فتنہ میں اکثر ہاشمیہ عورتیں قرمطیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کے لشکریوں سے حاملہ ہوئیں جن کے بچوں کی نسبت ہی پتہ نہ چلتا تھا کہ کس کے نطفہ سے ہیں۔

جب یہ نوبت پہنچ گئی تو سرزمینِ شام میں ہر طرف ہائے ہائے مچ گئی۔ ہر گاؤں بلکہ ہر گھر سے آہ و واویلا کی آواز بلند ہوئی۔ یہ آواز جب دار الخلافت بغداد تک پہنچی تو خلیفہ المکتفی باللہ سرگرمی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے مستقل ارادہ کر لیا کہ جس طرح ہو سکے قرامطہ کا کام تمام کر دے۔ اس نے اپنی فوجوں کو بڑھا کے قرامطہ سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی۔ قرامطہ بھاگ کے حلب میں ہو رہے۔ المکتفی تو پہلے شکست دے کے رقہ میں واپس گیا اور حاکم مصر ابن طولون کا غلام بدر فوج لے کے قرامطہ کی طرف روانہ ہوا۔ دوسری طرف سے خود مکتفی نے یحییٰ بن سلیمان کاتب کو روانہ کیا جس کے ساتھ بنی شیبان کا ایک بڑا گروہ تھا اور حسین بن حمدان تغلبی بھی موجود تھا۔ ان لوگوں نے جا کے ۲۹۱ھ میں قرامطہ کو بڑی فاش شکست دے دی۔ ان کا ایک بہت بڑا گروہ قتل ہو گیا۔ خود صاحبِ شامہ مع اپنے خلیفہ مدثر اور اپنے غلام مطوق کے پوشیدہ منہ چھپا کے کوفہ کی طرف بھاگا۔ مقام رحبہ تک پہنچے تھے کہ لوگوں نے ان کو پہچان لیا اور وہاں کے عامل کو خبر کر دی۔ اس نے فوراً ماخوذ کر کے مکتفی کے دربار میں بھیج دیا۔ وہاں مکتفی کے حکم سے پہلے صاحب شامہ کو دو سو کوڑے مارے گئے اور اس کے بعد تینوں تلواروں سے کاٹ ڈالے گئے۔

علی بن زکرویہ کا انجام

اب ذکرویہ کا تیسرا بیٹا ''علی'' رہ گیا۔ وہ ابتداءً یحییٰ کے ہمراہ تھا۔ لیکن جب یحییٰ دمشق میں مارا گیا تو اس نے صاحبِ شامہ کا ساتھ نہ دیا بلکہ بھاگ کے بلادِ سواحل فرات میں ہو رہا۔ یہاں بھی کچھ قرامطہ اس کے ہمراہ ہو گئے اور موقع پا

1۔ تاریخ سندھ۔ عبدالحلیم شرر ص ۳۱۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے اس نے طبریہ پر تاخت کی۔ اور اہل طبریہ کے لئے کوئی ظلم و جور نہیں اٹھا رکھا۔ پھر جب حسین بن حمدان قرامطہ کے تعاقب میں روانہ ہوا تو علی بن ذکرویہ نے بھاگ کے یمن میں پناہ لی۔ وہاں بھی بہت سے داعیین قرامطہ اس کے ہمراہ ہو گئے جن سے قوت حاصل کر کے وہ اکثر بلادِ یمن میں متصرف ہو گیا۔ دیگر اطراف و جوانب میں جب اس کی دھاک بیٹھ گئی تو یمن کے خاص مستقر شہر صنعاء کے طرف روانہ ہوا۔ جب اس کی خبر حاکم یمن ابن یعفر کو پہنچی تو صنعاء چھوڑ کے بھاگ گیا۔ علی نے صنعاء میں داخل ہو کے ہر طرح کی زیادتی اور خونریزی وہاں جائز کر دی۔ اس کے چند روز بعد وہ اطرافِ یمن ہی میں مر گیا۔[1]

الداعیہ کا ظہور اور اس کی فریب کاریاں

پھر یمن میں قرامطہ میں سے ایک شخص نمودار ہوا جسے الداعیہ کہا جاتا تھا، اس نے صنعا کا محاصرہ کیا اور وہاں وہ بزور داخل ہو گیا اور بے شمار باشندوں کو قتل کر دیا، پھر یمن کے دوسرے شہروں کی طرف گیا، وہاں بھی بہت سے انسانوں کو قتل کیا تب صنعاء والوں نے بھی اس کا مقابلہ کیا بالآخر کامیاب ہوئے اور اسے شکست دی، تب اس نے کچھ دوسرے شہروں میں جا کر لوٹ مار مچائی۔ اس وقت خلیفہ نے اس کے پیچھے مظفر بن حجاج کو نائب بنا کر بھیجا۔ وہ اس کے پیچھے لگا رہا یہاں تک کہ اس کی وفات ہو گئی۔

عید الضحیٰ کے دن قرامطہ کی ایک جماعت کوفہ میں داخل ہوئی اور آواز لگائی: اے حسین کے مقتولین! اس طرح وہ ان لوگوں کی یاد دلاتے تھے جو اس سے پہلے بغداد میں قتل کر دیئے گئے تھے، انہوں نے اپنی شناخت کے لیے یا احمد یا محمد کے الفاظ مقرر کر رکھے تھے اس سے ان کی مراد وہ لوگ تھے جو ان کے ساتھ قتل کر دیئے گئے تھے یہ سن کر کچھ لوگ عیدگاہ سے نکل کر کوفہ جانے لگے اور ان کے پیچھے لگ گئے، تب عام مسلمانوں نے انہیں پتھروں سے مارنا شروع کیا اور جانے والوں میں سے تقریباً بیس آدمیوں کو ختم کر دیا تب بقیہ لوگ ذلت اٹھائے ہوئے اپنی جگہ واپس آ گئے۔

پھر قرامطہ نے اپنا ایک لشکر ایک شخص کی سرکردگی میں جس کا نام عبداللہ بن سعید تھا جو بچوں کو پڑھایا کرتا تھا بصریٰ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر وہ بصری، اذرعات اور بثنیہ کی طرف گیا تو ان لوگوں نے اس سے مقابلہ کیا تو اس نے خود ہی ان لوگوں کو امن دے کر خاموش کر دیا مگر جوں ہی ان پر پورے طور پر قابو پا لیا پہلے کے تمام مقاتلہ کرنے والوں کو قتل کر دیا اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ اور پہلے دمشق کا رخ کیا تو وہاں کے نائب حاکم ابن بن کنغلغ نے اس کا مقابلہ کیا۔ اسی کا نام صالح بن الفضل بھی تھا۔ اس معرکہ میں، قرمطی نے اس حاکم کو شکست دی اور نتیجہ میں جو مقتول ہوئے ان میں یہ حاکم بھی تھا پھر دمشق کا محاصرہ کر لیا مگر اسے فتح کرنا ممکن نہ ہو سکا لہٰذا طبریہ کی طرف لوٹ گیا۔ اور وہاں کے اکثر باشندوں کو قتل کر کے ان کا سامان وغیرہ سب لوٹ لیا۔ پھر اس نے ہیت کا رُخ کیا۔ یہاں بھی حسبِ دستور قتل و غارت کی۔ پھر عید الضحیٰ کے دن کوفہ کا رُخ کیا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ یہ سارے ہنگامے زکرویہ بن مہرویہ کے اشارے سے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہوتے رہے اور وہ خود قوم قرامطہ کے درمیان اپنے ہی شہر میں چھپا رہا۔ جب کوئی اس کی طرف رُخ کرتا وہ فوراً اس کنویں میں چلا جاتا جسے اس نے اسی مقصد کے لئے تیار کیا تھا۔ اور اس کے منہ پر ایک تنور لگا دیا تھا۔ اس موقع پر فوراً کوئی عورت اس تنور کو گرم کر کے اس میں روٹی پکانے لگتی، اس طرح کسی کو بھی اس کا پتہ نہ چل سکا اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہے۔

بالآخر خلیفہ نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر بھیجا تب زکرویہ خود اور اس کے تمام ماننے والوں نے لشکر کا مقابلہ کیا اور خلیفہ کے لشکر کو شکست دے کر ان کے بے حساب مال وسامان لوٹ لئے اس طرح اس کی قوت اور بھی بڑھ گئی اور زور زیادہ ہو گیا۔

زکرویہ کا قتل

ماہِ محرم ۲۹۴ھ میں خراسان والے جب مکہ مکرمہ سے واپس آ رہے تھے اس وقت زکرویہ ان کے سامنے آ گیا اور ایک ایک کر کے سبھوں کو قتل کر دیا، ان کا سارا مال چھین لیا جس کی مجموعی قیمت بیس لاکھ دینار تھی اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ ان قرامطہ کی عورتیں زخمی حاجیوں کے پاس اس طرح چکر لگا رہی تھی کہ ان کے ہاتھوں میں پانی کے برتن تھے جس سے وہ ظاہر کرتی تھیں کہ ان زخمی پیاسوں کو وہ پانی پلا رہی ہیں۔ اس دھوکہ میں اگر کوئی زخمی ان سے باتیں کرتا تو وہ اسے قتل کر ڈالتیں۔

خلیفہ کو جب ان حاجیوں کے قتل اور ان کے لوٹ مار وغیرہ کی تفصیلی خبر پہنچی تو اس نے ان کے مقابلہ میں ایک زبردست لشکر بھیجا، دونوں میں مقابلہ کے بعد بہت زبردست مقاتلہ ہوا جس میں قرامطہ کے طرفداروں کے چند افراد کے سوا تقریباً سب قتل کر دیئے گئے۔ یہ واقعہ اس سال ربیع الاول کا ہے۔ پھر ایک شخص نے خود زکرویہ کے سر پر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا جس سے وہ تلوار اس کے دماغ کے اندر تک گھس گئی اور اسے گرفتار کر لیا گیا مگر پانچ ہی دنوں کے بعد وہ مر گیا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کا پیٹ چاک کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا اور اس کے سرکردہ ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسے بھی بغداد بھیج دیا گیا۔ اس وقت خلیفہ کے لشکر نے اس تمام مال ومتاع کو چھین لیا جو ان لوگوں کے پاس تھا۔ پھر خلیفہ نے القرمطی کے قتل کا حکم دیا اور یہ بھی کہ اس کے سر کو خراسان کے تمام شہروں میں گشت کرایا جائے۔ تاکہ لوگ آئندہ حج کے موقع میں کوئی فتنہ نہ کھڑا کریں اور ان قرامطہ کی عورتیں اور بچے جو قیدی بنے تھے سب کو آزاد کر دیا۔ [1]

ابوسعید جنابی کا قتل

بحرین اور اس کے اطراف وجوانب میں ابھی تک قرامطہ کا اثر باقی تھا۔ جہاں ابوسعید جنابی اس مذہب کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ چنانچہ ۲۹۹ھ میں ایک جمعہ کو چند قرمطی شہر بصرہ کے پھاٹک پر آ گئے۔ لوگ مصروفِ نماز تھے۔ پھاٹک پر جو لوگ پہرہ دے رہے تھے ان کو کچھ شبہ ہوا۔ ان میں سے دو نکل کے باہر گئے تو ایک کو قرامطہ نے قتل کر ڈالا۔ فوراً شہر میں

1۔ تاریخ ابن کثیر، حالات ۲۹۴ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

غل مچ گیا کہ قرامطہ آ گئے۔ حاکم بصرہ محمد بن اسحٰق بن کنداجیق مقابلہ کو گیا تو کسی کا پتہ نہ تھا۔ سب لوگ ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور تھوڑی دور جا کے انہیں پا لیا۔ کل تیس آدمی تھے جن میں سے بعض قتل کیے گئے اور بعض بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد محمد بن اسحٰق واپس آیا۔ اور بصرے کے پھاٹک بند کروا دیئے گئے۔ کیونکہ سب کو خیال تھا کہ یہ تیس آدمی ان کے مقدمۃ الجیش ہوں گے۔ پورا لشکر پیچھے ہوگا۔ ساتھ ہی بغداد میں اطلاع کر کے کمک مانگی گئی۔ مگر بعد معلوم ہوا کہ کہ قرامطہ کا کہیں پتہ نہیں اور کمک طلب کرنے پر حاکم شہر کو ندامت ہوئی۔

مقتدر باللہ خلیفہ عباسی نے جب دیکھا کہ قرامطہ کا فتنہ کسی طرح فرو ہونے ہی کو نہیں آتا تو ابو سعید جنابی کے پاس چند قاصدوں کے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں نہایت نرمی کے الفاظ استعمال کئے اور خواہش کی کہ جو مسلمان تمہاری قید میں ہوں انہیں چھوڑ دو۔ اور جن مسائل اعتقادی میں تمہیں اختلاف ہے ان میں مجھ سے آ کے مناظرہ کرلو۔ لیکن یہ قاصد بغداد سے روانہ ہو کے بصرے ہی تک پہنچے تھے کہ خبر آئی ابو سعید جنابی کی زندگی کا چراغ ہی گل ہو گیا۔

اس کی موت کا یہ سبب ہوا کہ اس کے پاس سسلی (صقلیہ) کا ایک خادم تھا۔ اسے خدا جانے اپنے آقا سے کیوں عداوت ہوگئی کہ ایک دن (۳۰۱ھ میں) جبکہ جنابی حمام میں تنہا غسل کر رہا تھا اس صقلبی خادم نے اندر گھس کے اسے قتل کر ڈالا۔ پھر باہر نکل کے ایک اور بڑے معزز اور صاحب اثر قرمطی سے کہا کہ میرے آقا آپ کو حمام میں بلاتے ہیں۔ اور جیسے ہی وہ حمام میں گیا اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ پھر ایک دوسرے معزز قرمطی کو بلا کے قتل کیا۔ یونہی اس نے متواتر چار رؤسائے قرامطہ کو بلا کے قتل کیا۔ جب پانچویں کو بلایا تو اسے کچھ شبہ ہوا۔ اس نے حمام کے دروازے پر پہنچتے ہی اس خادم کا ہاتھ پکڑ لیا اور غل مچایا۔ لوگ شور سنتے ہی دوڑے اور تھوڑی ہی دیر میں شہرت ہوگئی کہ جنابی اور اس کے چار ہمراہی صقلبی خادم کے ہاتھ سے مارے گئے۔ وہ خادم اس جرم کی پاداش میں فوراً قتل کر ڈالا گیا اور جنابی کی جانشینی کا مسئلہ طے ہونے لگا۔

ابو سعید نے زندگی ہی میں اپنے بڑے بیٹے سعید کو اپنا جانشین منتخب کر دیا تھا مگر اس میں باپ کی سی اولوالعزمی نہ تھی۔ اپنے گروہ کی سربراہی نہ کر سکا۔ تب لوگوں نے اس کے چھوٹے بیٹے ابو طاہر سلمان کو اپنا حاکم بنایا۔ جو شجاع اور مدبر اور آفت کا پتلا تھا۔ باپ کی جانشینی کے ساتھ ہی بلادِ ہجر، احساء، قطیف، طائف اور بحرین کے تمام شہر اس کے قبضہ میں آ گئے۔

اس کے بعد دس گیارہ برس تک قرامطہ میں ایسی خاموشی رہی کہ لوگوں کے دل سے ان کا اندیشہ جاتا رہا اور بالکل غافل ہو گئے۔ لیکن جنابی کا پُر حوصلہ بیٹا ابو طاہر خاموش بیٹھنے والا نہ تھا۔

بصرہ میں قتلِ عام

خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانے میں ۳۱۱ھ میں ابو طاہر سلیمان بن ابی سعید الجنابی قرامطیوں کا امیر ایک ہزار سات سو سواروں کو لے کر رات کے وقت بصرہ میں داخل ہو گیا۔

اس کی دیواروں میں بالوں کے رسوں کو سیڑھیوں کے طور پر لٹکا کر اس کے توسط سے اندر زبردستی داخل ہو گیا اور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس کے دروازوں کو کھول دیا۔ اندر پہنچ کر جو بھی سامنے آیا، سبھوں کو قتل کرتا گیا۔ اس کے ڈر سے بہت سے لوگوں نے بھاگ کر خود کو پانی میں ڈال دیا، جس کی وجہ سے بہت سے پانی میں بھی ڈوب کر مر گئے۔ وہ لوگ وہاں سترہ دنوں تک موجود رہ کر لوگوں کو قتل کرتے رہے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کرتے رہے۔ اور اپنی پسند کے مطابق ان کے مال سمیٹتے رہے۔ پھر اپنے شہر ہجر کی طرف لوٹ گئے۔ خلیفہ جب بھی اپنا لشکر ان کے مقابلہ کو بھیجتا، وہ اس جگہ کو لوٹتے، ویران کرتے ہوئے وہاں سے بھاگ جاتے۔

حاجیوں کا قتلِ عام

بصرے کی اس تباہی کی خبر سنتے ہی المقتدر باللہ نے محمد بن عبداللہ فاروق کو فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ مگر وہ جب تک پہنچے ابوطاہر جا چکا تھا۔ ابوطاہر کی عمر ابھی صرف سترہ برس کی تھی مگر اس کے ظالمانہ کارناموں سے اسی عمر میں وہ جوش و خروش ظاہر ہوا کہ جنابی کا نام بھی اس کے آگے مٹ گیا۔ بصرے کو لوٹتے ہی اس نے دوسری قیامت یہ ڈھادی کہ حاجیوں کا جو سب سے بڑا قافلہ بغداد و عراق سے ارضِ حجاز کو جا رہا تھا اس پر یک بیک جا پڑا۔ بڑے معزز لوگ جو اس قافلہ میں تھے جن میں ابوالمیجاء احمد بن کشمر و اور خلیفہ مقتدر کی ماں کے چچا احمد بن بدر کے ایسے گرامی قدر اور بلند پایہ لوگ تھے سب اس کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔ وہ قافلہ کے کل اونٹ اور سارا مال و اسباب لوٹ کے عورتوں کو اپنے ساتھ پکڑ لے گیا اور مرد حاجیوں کو مفلس و محتاج بے زاد و راحلہ ریگستان میں چھوڑ گیا۔ جہاں انہوں نے بھوک پیاس سے دھوپ میں جھلس جھلس کے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جانیں دیں۔ بغداد میں خبر ہوئی تو ہر گھر میں کہرام پڑ گیا۔ یہاں لوگ ابن الفرات وزیر سے پہلے ہی ناراض ہو رہے تھے جس نے رعایائے بغداد پر جبر و ظلم کیا تھا اور دربار کے زبردست اور ہر دلعزیز سپہ گر مونس کو باہر بھجوا دیا تھا۔ جن لوگوں نے سفر حج میں قرامطہ کے ستم سے جان دی تھی ان کی عورتیں ان لوگوں کے گھروں میں جا کے نالہ و فریاد کرنے لگیں جو ابن الافرات کے ستائے ہوئے تھے۔ اور سب نے کہنا شروع کیا کہ "ان دونوں ظلموں کا اصلی سبب ابن الفرات ہی ہے۔" آخر مونس بغداد میں واپس بلایا گیا اور مقتدر نے یاقوت نامی ایک افسر کو روانہ کیا کہ کوفہ کو قرامطہ کی دستبرد سے بچائے۔ مگر وہ راستہ ہی میں ٹھہر گیا اور کوفہ تک جانے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس اثناء میں ابوطاہر قرمطی نے یہ کیا کہ حاجیوں کے قافلہ میں سے جن معززینِ بغداد کو پکڑ لایا تھا ان کو چھوڑ دیا اور ان کے ذریعہ سے خلیفہ المقتدر کے پاس پیام بھیجا کہ بلادِ بصرہ اور اہواز مجھے دے دیجئے اور جب اس کی یہ درخواست قبول نہ کی گئی تو اپنے مستقر شہر ہجر سے چل کھڑا ہوا کہ پھر حاجیوں کے قافلوں پر حملہ کرے۔ کوفہ کی حکومت خلافت کی طرف سے جعفر بن ورقاء شیبانی کے ہاتھ میں تھی اور وہی مکہ کے راستہ کا محافظ تھا۔ حاجی لوگ جب بغداد سے چلے تو ابوطاہر کے اندیشہ سے جعفر بن ورقاء ایک ہزار شیبانیوں کو لے کے آگے آگے چلا اور دو اور شاہی سرداران افواج چھ ہزار کی جمعیت سے قافلہ حجاج کے ہمراہ ہوئے۔ ابوطاہر قرمطی تو تاک میں لگا ہی ہوا تھا۔ جعفر بن ورقاء پر حملہ آور ہوا اور لڑائی شروع ہو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

گئی۔ دونوں جانب کے بہادر لڑ ہی رہے تھے کہ داہنی جانب سے قرامطہ کی ایک اور جمعیت نمودار ہوئی۔ اور جعفر کے ہمراہی شکست کھا کے بھاگے۔ جعفر قافلہ والوں سے مل کے انہیں کوفہ کی طرف پھیر لے گیا۔ قرامطہ نے کوفہ کے دروازے تک ان کا تعاقب کیا۔ یہاں پہنچ کے پھر لڑائی ہوئی اور شاہی لشکر کو بھی قرامطہ سے شکست ہوگئی۔ بہت سے لوگ مارے گئے۔ بہت سے گرفتار ہو گئے جن میں کئی معزز سردار بھی تھے۔ جب سب لوگ کوفہ چھوڑ کے بھاگے تو ابو طاہر ۳۱۲ھ میں کوفہ میں گھسا اور چھ دن تک یہیں پڑا رہا۔ معمول تھا کہ رات کو ابو طاہر بیرون شہر میں اپنے لشکر گاہ میں سوتا اور صبح ہوتے ہی کوفہ میں آ کے قتل و غارت شروع کر دیتا۔ الغرض جو کچھ ہاتھ آیا لوٹ کے ہجر لے گیا اور شکست خوردہ لوگ خستہ و خراب بغداد میں پہنچے۔ اب مقتدر نے اس عہد کے زبردست جرنیل مونس کو قرامطہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن قرامطہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی چلے گئے تھے۔ مونس نے یاقوت کو حاکم کوفہ بنایا اور خود جا کے شہر واسطہ میں فروکش ہوا۔ اس سال قرامطہ کا فتنہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بغداد والے گھبرا اٹھے تھے اور دلوں میں ایسی دہشت سما گئی تھی کہ لوگ بغداد کے مغربی حصہ کو چھوڑ چھوڑ کے مشرقی حصہ میں رہنے لگے۔ اس لئے کہ دریائے درجلہ کے درمیان میں حاجب ہونے سے امید تھی کہ قرامطہ کو اس پار پہنچنا دشوار ہوگا۔ ان دشمنانِ دین کے اندیشہ سے اس سال کسی کو حج کرنا نہیں نصیب ہوا۔

ماہِ محرم ۳۱۲ھ میں قرمطی ابو طاہر الحسین بن ابی سعید الجنابی ان حجاج کو راستہ میں لوٹنے کے لیے آیا، جو فریضۂ حج ادا کر کے بیت اللہ سے واپس لوٹ رہے تھے، چنانچہ اس نے لوگوں پر ڈکیتی کی اور ان لوگوں نے بھی اپنی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ان کا مقابلہ کیا۔ اس مقابلہ میں قرمطی نے ان حاجیوں میں سے بے شمار لوگوں کو قتل کیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں میں سے جسے اور جتنا چاہا، کو قیدی بنا لیا اور حسب خواہش ان سے مال لوٹ لئے۔ اس موقع پر ان کے جتنے مال لوٹے، ان کی مجموعی قیمت دس لاکھ دینار تھی۔ اسی طرح سامان اور کاروباری مال وغیرہ سے بھی جو کچھ چاہا لوٹ لیا۔ پھر ان کے اونٹ، کھانے پینے کے سامان اور ان کے مال اور عورتوں اور بچوں کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد انہیں کھلے میدانوں اور جنگلی علاقوں میں لے جا کر بغیر پانی اور دانہ کے اور سواری کے چھوڑ دیا۔ اس موقع پر کوفہ کے نائب ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا تھا، مگر اسے بھی شکست دے کر قیدی بنا کر لے گیا۔

اس قرمطی کے ساتھ آٹھ سو لڑنے والے آدمی تھے، اور خود اس کی عمر اس وقت صرف سترہ برس کی تھی۔

جب اس واقعہ کی خبر بغداد پہنچی تو وہاں کی عورتوں اور باشندوں نے چیخ و پکار اور رونا دھونا شروع کیا، ساتھ ہی عورتوں نے اپنے سروں کے بال نوچنے اور اپنے گالوں پر طمانچے مارنے شروع کیے۔ ان کے ساتھ وہ عورتیں بھی شریک ہو گئیں جو وزیر اور اس کے بیٹے کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھیں۔ اس وقت بغداد کا منظر انتہائی دردناک اور وحشت ناک تھا۔

''مسجد ضرار'' کا انہدام

ماہِ صفر ۳۱۳ھ میں خلیفہ کو یہ خبر پہنچی کہ بہت سے رافضی مسجد براثی میں اکٹھے ہو کر صحابہ کی برائیاں بیان کرتے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رہتے ہیں۔ جمعہ کی نماز ادا نہیں کرتے۔ قرامطہ سے تعلقات بھی رکھتے ہیں اور اس محمد بن اسماعیل کی جماعت میں داخل ہونے پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں جو کوفہ اور بغداد کے درمیان ظاہر ہوا ہے اور اپنے متعلق مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور مقتدر کی خلافت اور اس کے ماننے والوں سے برأت کرتے ہیں۔ اس لیے خلیفہ نے ان لوگوں کے گھیراؤ کا حکم دیا اور اس مسجد کے بارے میں علماء سے فتویٰ طلب کیا تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ وہ مسجد ضرار ہے، اس لیے ان میں جو کوئی بھی پکڑا جاتا اُسے بہت زیادہ پیٹا جاتا اور انہیں خبر دی جاتی۔ ساتھ ہی اس مسجد مذکور کو ڈھا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ نازوک نے اُسے ڈھا دیا۔ اور وزیر خاقانی کے حکم سے اس مسجد کی جگہ ایک قبرستان بنا دیا گیا جس میں بہت سے غلاموں کو دفن کر دیا گیا۔

اگلے سال ماہ ذوالقعدہ میں بہت سے مسلمان حج کو جانے لگے، تو ابو طاہر سلیمان بن ابی سعید الجنابی القرامطی راستہ میں آ گیا۔ اس کے ڈر سے اکثر حاجی اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اس سے امان چاہی تھی تو اس نے امان دے دی تھی۔ خلیفہ کے لشکر نے اس سے مقابلہ کیا تھا، مگر ان کی زبردست طاقت کی وجہ سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس بناء پر بغداد والے بہت بے چین ہو گئے اور مغربی سمت والے ان لوگوں کے خوف سے مشرقی جانب منتقل ہو گئے، پھر قرمطی کوفہ میں جا کر ایک مہینہ تک رہا، اور ان کے مال اور ان کی عورتوں میں سے جتنا اور جسے چاہا پکڑ کر لے گیا۔

کوفے پر قرمطیوں کا قبضہ

۳۱۵ھ میں یوسف بن ابی الساج اور ابو طاہر قرمطی کے درمیان کوفہ کے پاس مقابلہ کی ٹھنی۔ ابو طاہر آگے بڑھ کر وہاں قابض ہو گیا اور یوسف اور باشندگانِ کوفہ کے درمیان حائل ہو گیا۔ تب یوسف نے اسے خط لکھا کہ تم میری اطاعت کرو اور بات مان لو، ورنہ شوال کی نویں تاریخ ہفتہ کے دن قتال کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس نے جواب میں لکھا کہ آؤ مقابلہ کرو۔ چنانچہ یوسف آگے بڑھا، اس وقت یوسف نے قرمطی کے لشکر کو بہت کم سمجھا۔ کیونکہ یوسف کے ساتھ بیس ہزار جوان تھے اور قرمطی کے ساتھ ایک ہزار گھوڑ سوار اور پانچ سو پیدل تھے۔ یوسف نے للکار کر کہا، ان کتوں کی کیا قیمت ہے؟ اس بنا پر اپنے کاتب کو حکم دیا کہ قتال سے پہلے ہی خلیفہ کو اپنی کامیابی کی اطلاع دے دو۔ جب مقابلہ شروع ہوا تو قرامطہ نے زبردست طریقہ سے جم کر مقابلہ کیا اور خود قرمطی گھوڑے سے اتر کر ان لوگوں کو جوش دلانے لگا۔ پھر ایک زوردار حملہ کیا جس سے خلیفہ کا لشکر شکست کھا گیا اور یوسف بن ابی الساج امیر لشکر قیدی بن گیا۔ پھر خلیفہ کے لشکر کے بے شمار مجاہدین کو قتل کر دیا۔ پھر کوفہ پر وہ پوری طرح قابض ہو گئے۔ اس کے بعد بغداد میں یہ خبر پہنچ گئی اور یہ بھی انہیں اطلاع ملی کہ قرامطہ اب بغداد پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اس خبر کو وہ لوگ سچ سمجھنے لگے اور بہت زیادہ گھبرا گئے، اس لیے وزیر نے خلیفہ کے پاس جا کر کہا: اے امیر المومنین! مال تو اسی لیے جمع کر کے رکھا جاتا ہے کہ بوقتِ ضرورت اللہ کے دشمنوں پر حملہ کی صورت میں یہ کام آئے۔ اس وقت کی جو صورتحال ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ کفار نے مسلمانوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے لیے حج کا راستہ بند کر رکھا ہے اور بار بار مسلمانوں کو وہ تنگ کر رہے ہیں، اس وقت بیت المال بھی بالکل خالی ہو رہا ہے۔ اس لیے امیر المومنین اب خود بھی معاملہ کی نزاکت کو سمجھیں اور سیدہ یعنی اپنی والدہ سے بھی گفتگو فرمائیں۔ بہت ممکن ہے کہ ایسے نازک وقتوں کے لیے انہوں نے کچھ جمع کر رکھا ہو۔ چنانچہ وہ اپنی والدہ کے پاس گئے تو خود ان کی والدہ نے ہی پیش کش کی اور پانچ لاکھ دینار نکالے۔ اتنی ہی رقم بیت المال میں بھی تھی۔ خلیفہ مقتدر باللہ نے یہ ساری رقم وزیر کو دے کر قرامطہ سے مقابلہ کے لیے لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے چالیس ہزار جوانوں سے لشکر تیار کیا، بلبق امیر کی سرکردگی میں، اور یہ ان کی طرف مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔

جب ان لوگوں کو خبر پہنچی تو ان لوگوں نے بھی ان کے تمام راستے بند کر دیئے اور لوٹ مار میں لگ گئے۔ پھر ان لوگوں نے بغداد واپس آنا چاہا تو یہ بھی ممکن نہ ہو سکا اور مقابلہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی یہ (خلیفہ مقتدر باللہ کا لشکر) شکست کھا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

پھر تو یوسف بن ابی الساج کو بھی ان لوگوں کا قیدی بنا کر ایک خیمہ میں بند کر دیا گیا، جہاں سے وہ لڑائی کے میدان کو دیکھتا رہا۔ قرمطی نے واپس آنے کے بعد اس سے کہا، کیا تم بھاگ جانے کا ارادہ کر رہے ہو؟ یہ کہہ کر اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ قرمطی از خود بغداد کے ایک کنارے سے انبار کی طرف اور وہاں سے مصیت کی طرف چلا گیا۔ اس طرح غیبی مدد سے وہ لوگ بغداد سے واپس چلے گئے۔ اس خوشی میں عام لوگوں نے اور خلیفہ کے ساتھ ان کی والدہ نے بھی اللہ کا بہت زیادہ شکر ادا کیا۔

۳۱۶ھ میں ابوطاہر سلیمان بن ابی سعید الجنابی القرمطی نے اپنے علاقہ میں فساد پھیلایا۔ رقبہ کا محاصرہ کیا اور وہاں زبردستی داخل ہو کر وہاں کے بہت سے باشندوں کو قتل کیا۔ اس سے ڈر کر قرقیسیا والوں نے اس سے امان چاہی تو اس نے انہیں امان دے دی۔ پھر اس نے اپنی جماعت آس پاس کے دیہاتیوں کے پاس بھیجی اور ان کے بھی بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ پھر تو فقط اس کا نام سنتے ہی لوگ اپنے علاقہ سے بھاگنے لگے، اس نے دیہاتیوں پر سالانہ ایک ٹیکس لازم کر رکھا تھا کہ وہ فی کس دو دو دینار سالانہ کے حساب سے دیں گے۔

پھر اس نے موصل، سنجار اور اس کے اطراف میں فساد پھیلایا، اور ان علاقوں کو برباد و ویران کیا اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ تب مونس خادم نے ان کا پیچھا لیا، مگر اس نے سامنا نہ کیا۔ بلکہ اپنے علاقہ ہجر کو واپس ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک بڑا گھر تیار کر کے اس کا نام دار الہجرت رکھا۔ پھر اس ''مہدی'' کو جو مغربی شہروں میں تھا، مدینہ مہدیہ میں بلوایا، وہاں اس کی قوت زیادہ زور پکڑ گئی اور اس کے ماننے والوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی اور سواد کے دیہاتیوں میں لوٹ مار مچاتے، قتل کرتے اور ان میں غارت گری کرتے، اور اس نے کوفہ میں داخل ہونے اور ان کو لوٹ لینے کا ارادہ کیا، مگر اس کا موقع نہ ملا۔ جب وزیر علی بن عیسیٰ نے اسلامی ممالک میں قرامطی کی شورشوں اور فتنہ و فساد کو دیکھا، اور ان کو فرو کرنے کی کوئی تدبیر نہ رہی تو اپنی وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس کے بعد خلیفہ نے مونس خادم کی معیت میں ایک زبردست لشکر تیار کیا اور اس نے قرامطہ سے قتال کر کے اس کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا اور ان کے بڑے سرداروں میں سے بے شمار آدمیوں کو قیدی بھی کر لیا۔ مونس خادم ان سب کو لے کر بغداد آ گیا۔ ان کے پاس اپنے جھنڈے بھی موجود تھے، جن پر یہ آیت پاک:

ونریدُ ان نمن علی الّذین استضعوا فی الارضِ ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین۔

''ہم یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے کمزوروں پر احسان کریں، اور ان میں لوگوں کو امام بنائیں اور ان میں لوگوں کو وارث بنائیں۔''

لکھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر لوگ بہت خوش ہوئے۔ بغداد کے باشندوں کے دل خوش ہو گئے اور قرامطہ جو بہت زیادہ بڑھ گئے تھے وہ عراق میں بھی پھیل گئے تھے ان کا زور ختم ہو گیا۔ اب بقیہ قرامطہ نے اپنا امیر حریث بن مسعود کو بنا لیا اور لوگوں کو مہدی کی اتباع کی دعوت دیتے رہے جو فاطمین کا دادا تھا، مغربی ممالک میں ظاہر ہوا۔

قرامطہ کی کعبۃ اللہ پر یلغار اور حجر اسود کو اکھاڑ کر لے جانا

۳۱۷ھ میں عراقیوں کی ایک جماعت اپنے امیر منصور دیلمی کے ساتھ صحیح وسالم مکہ معظمہ پہنچ گئی۔ پھر سارے علاقوں سے یکے بعد دیگرے حاجیوں کی جماعتیں وہاں پہنچتی رہیں۔ کسی کو خطرے کا احساس تک نہیں ہوا (جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا) یہاں تک کہ قرمطی اپنی جماعت کو لے کر یوم الترویہ میں مکہ معظمہ پہنچا۔ تب لوگوں کو ہوش آیا مگر اسی وقت ان قرمطی بدبختوں نے مل کر وہاں ہنگامہ اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی گلیوں، کوچوں اور خانہ کعبہ میں بے شمار حاجیوں کو مار کر ڈھیر کر دیا اور ان کا امیر ابو طاہر لعنہ اللہ خاص خانہ کعبہ کے دروازہ پر بیٹھ گیا، اس کے چاروں طرف لوگ پچھاڑے جا رہے تھے، اور تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں۔ جبکہ وہ مقام مشعر حرام کا، دن یوم الترویہ اور مہینہ شہر حرام کا تھا جو سارے دنوں میں انتہائی بابرکت ہوتا ہے اور وہ امیر وہاں پر بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا، میں ہی خدا ہوں، خدا کے ساتھ ہوں۔ میں ہی مخلوقات کو جلاتا ہوں اور میں ہی انہیں مارتا ہوں۔

لوگ اس کے ڈر سے بھاگ کر خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹ کر جان بچانے کی کوشش کرتے تھے، مگر اس سے بھی ان کو نجات نہ ملتی تھی۔ بلکہ اس حال میں بھی وہ قتل کر دیے جاتے۔ ایک محدث اس دن طواف کر رہے تھے۔ جیسے ہی وہ طواف سے فارغ ہوئے، ان کے سر پر تلوار کا وار ہو گیا۔ جب جان نکلنے لگی تو یہ اشعار پڑھنے لگے ؎

ترى المحبين صرعى في ديارهم

كفية الكهف لا يدرون كم لبثوا

''تم ایسے بہت سے عاشقوں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے علاقوں میں بچھڑے ہوئے ہیں اصحابِ کہف کی طرح، وہ نہیں جانتے کہ وہ یہاں کتنے دن ٹھہرے۔''

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قرمطی کو جو کرنا تھا وہ سب کر گزرا اور حاجیوں کے ساتھ انہیں جو بھی بدترین سلوک کرنا تھا وہ سب بھی کر لیا۔ اب اس نے حکم دیا کہ ان تمام مقتولوں کو زمزم کے کنویں میں ڈال دیا جائے۔ ان میں سے بہت سے مقاماتِ حرم اور مسجد حرام میں بھی دفن کیے گئے۔

واہ! کتنے ہی خوش قسمت ہیں وہ مقتولین اور مدفونین، اور یہ قبرستان اور یہ مکان، انہیں نہ تو غسل دیا گیا اور نہ ہی کفن دیا گیا اور نہ ان پر نماز بھی پڑھی گئی۔ اس لیے کہ وہ انتہائی مظلوم اور درحقیقت وہ سب شہداء تھے۔ چاہِ زمزم کا قبہ توڑ دیا گیا۔ خانہ کعبہ کا دروازہ اُکھیڑ دیا گیا اور اس کے مکان لیے گئے اور سب کی موجودگی میں انہیں پھاڑ دیا گیا۔ اس شخص کو اس نے حکم دیا کہ میزابِ کعبہ پر پہنچ کر اسے اُکھیڑ دیا جائے۔ وہ شخص اس حال میں سر کے بل گر پڑا اور فوراً مر کر داخل جہنم ہوا۔ اس وقت وہ میزاب کے توڑنے کے خیال سے باز آ گیا۔

پھر اس نے حجر اسود کو اکھیڑ دینے کا حکم دیا۔ اس وقت ایک شخص نے آ کر اپنے ہاتھ کی ایک بھاری چیز سے اس پر ضرب لگائی اور کہا، کہاں ہے وہ 'طیرًا ابابیل' اور کہاں ہے ''حجارۃً من سجّیل'' آخر میں حجر اسود کو اُکھیڑ لیا اور جب وہاں سے وہ لوگ لوٹنے لگے، اس وقت اس پتھر کو بھی اپنے علاقوں میں لے گئے، جو اُن کے پاس بائیس برس تک رہا۔ ۳۳۹ھ میں واپس لا کر اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔

علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں: ایک قرمطی مطاف میں داخل ہوا جو سوار تھا اور شراب پیے ہوئے تھا۔ اس کے گھوڑے نے بیت اللہ کے پاس پیشاب کیا۔ اس نے حجر اسود کو ایک کلہاڑی مار کر توڑ دیا اور پھر اکھاڑ لیا۔ یہ قرمطی مکہ میں گیارہ دن رہا اور جب اپنے وطن لوٹا تو اللہ نے اس کے بدن پر ایک طویل عرصہ تک عذاب نازل کیا جس سے اس کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے تھے اور اس کے گوشت سے کیڑے ٹپکتے تھے۔ ''الصلہ'' کا مصنف لکھتا ہے کہ ابوطاہر نے خلفاء کے وہ آثار لوٹ لئے جو انہوں نے وہاں بطور زینت رکھے تھے۔ مثلاً حضرت ماریہؓ کے کانوں بندے، حضرت ابراہیمؑ کے مینڈھے کے سینگ اور عصائے موسیٰ جو سونے اور جواہرات سے جڑے ہوئے تھے۔[1]

احمد امین حرم میں قتل عام کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''ابوطاہر گھوم پھر کر اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر قتل پر اُبھارتا تھا کہ ان کفار اور بت پرستوں پر خوب حملے کرو۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے وہاں بارہ دن قیام کیا اور قتل و غارت کا ایسا اقدام کیا جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔'' (ظہر الاسلام)

جب قرمطی اس حجر اسود کو لے کر اپنے شہر روانہ ہوا، اس وقت امیر مکہ اور اس کے اہل بیت سب اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور اس سے درخواست کی، سفارشیں پہنچائیں کہ وہ حجر اسود واپس کر دے تا کہ اپنی جگہ پر اُسے رکھ دیا جائے، اور اس کے عوض اپنی ساری جائیداد دینے کی پیش کش کی، مگر اس نے ایک نہ سنی۔ آخر امیر مکہ نے مقابلہ کیا مگر

1۔ تاریخ الکامل واقعات ۳۱۷ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قرمطی نے اسے اوراس کے اکثر اہل بیت، اہل مکہ اور لشکر سب کو شہید کر ڈالا۔ اور اپنے شہروں کی طرف چلتا ہی رہا۔ اس حال میں کہ اس کے ساتھ حجر اسود بھی تھا اور حاجیوں کے لوٹے ہوئے مال بھی تھے۔ اس لعین نے مسجد حرام میں ایسی ایسی نازیبا حرکتیں کیں جو نہ تو اس سے پہلے کبھی کسی نے اس کے ساتھ کیں اور نہ بعد میں۔ لیکن عنقریب ہی خدائے قہار ان کو ایسے عذاب دے گا کہ ایسا عذاب کوئی کسی کو نہیں دے سکتا اور نہ ویسی گرفت کر سکتا ہے۔ ان لوگوں نے ایسی حرکتیں صرف اس لیے کی تھیں کہ یہ بد دین کفار ملحد تھے۔

یہ لوگ ان فاطمیین میں سے اپنا تعلق بڑھائے ہوئے تھے جو افریقہ کے مغربی حصہ میں اُبھرے تھے اور ان کے امیر کا لقب مہدی رکھا گیا تھا، جس کا نام ابو محمد عبید اللہ بن میمون القداح تھا۔ جو کہ قبیلہ سلمیہ کا رنگریز تھا۔ درحقیقت وہ ایک یہودی تھا۔ مگر اپنے اسلام کا اظہار کیا اور سلمیہ سے نکل کر افریقی علاقوں میں پہنچ گیا تھا اور وہاں خود شریف فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا۔ جسے قوم پرست اور دوسرے جاہل قبیلہ والوں نے سچ سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ اس طرح اس کی اپنی ایک حکومت ہوگئی اور ایک شہر کا مالک ہو گیا۔ جس کا نام شہر سجلماسہ تھا۔ پھر وہاں ایک شہر بسایا جس کا نام اس نے "مہدیہ" رکھا اور وہیں اس کی حکومت کا مرکز تھا۔ یہ قرامطہ بھی اس سے تعلقات قائم کیے ہوئے تھے، اور ان لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے رہتے تھے۔ پھر ایک دوسرے پر الزامات بھی لگاتے۔ لوگ کہتے کہ وہ لوگ ایسی حرکتیں صرف سیاسۃً اور دنیا کو دکھانے کو کرتے۔ حقیقت ایسی نہیں تھی۔

ابن اثیر نے ذکر کیا ہے کہ اس مہدی نے ابو طاہر کو خط لکھ کر ایسی حرکتیں کرنے پر سخت ملامت کی کہ عوام کو مخالفت میں بولنے کا پورا موقع دیا اور وہ اسرار جنہیں اب تک وہ چھپا کر کام کر رہے تھے، سب کو ظاہر کر دیا۔ اور ان لوگوں سے تمام لوٹی ہوئی چیزیں، مال اسباب وغیرہ سب واپس کرنے کا حکم دیا، یہ خط پڑھ کر اور ملامت سن کر اس نے اس کی بات مان لی، فرمانبرداری کر لی اور اس میں جن باتوں کے کرنے کا اشارہ تھا، سب باتیں مان لیں۔ کچھ محدثین بھی ان قرامطہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے، وہ کچھ دن اسی طرح گرفتار رہے، مگر اللہ نے انہیں آزادی دلا دی۔

ان لوگوں کی کم عقلی اور بے دینی کے سلسلہ میں بہت سی باتیں مشہور ہیں، ایک محدث جس نے انہیں گرفتار کیا تھا وہ ان سے بہت زیادہ اور سخت قسم کی خدمتیں لیا کرتا تھا اور نشہ کی حالت میں انتہائی بدخلقی سے پیش آتا۔

چنانچہ ایک دن وہ اپنے نشہ کی حالت میں مست ہو کر کہنے لگا، تم اپنے محمد کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا، میں نہیں جانتا۔ اس نے کہا کہ وہ بہت بڑے سیاستدان تھے۔ پھر کہا، تم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا، میں نہیں جانتا۔ اس نے کہا، وہ بہت کمزور اور بے وقعت تھے۔ پھر اس نے کہا، عمر رضی اللہ عنہ بہت ترش رو اور سخت مزاج تھے۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ جاہل احمق تھے۔ اور علی رضی اللہ عنہ جھوٹے تھے۔ ان کے پاس ایک بھی ایسا آدمی نہ تھا جسے وہ علم سکھاتے، جس کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے کہ میرے سینے میں بہت زیادہ علوم ہیں۔ کیا ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ کسی ایک کو ایک علم اور دوسرے کو دوسرا علم سکھاتے؟ پھر کہا، یہ سب جھوٹی باتیں تھیں۔

1۔ البدایہ والنہایہ۔ حالات ۳۱۷ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس کے دوسرے دن اس نے کہا: میں نے کل تم سے جتنی باتیں کہی تھیں وہ کسی ایک سے بھی نہ کہنا۔

کسی نے ان کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں یوم الترویہ میں طواف کے مقام میں مسجد حرام میں تھا۔ اس وقت قرمطی نے ایک ایسے شخص پر جو میرے بغل میں تھا حملہ کر کے قتل کر دیا۔ پھر زور سے چلا کر کہا، او گدھے! کیا تم اس گھر کے بارے میں یہ کہا نہیں کرتے ہو کہ "من دخلہٗ کان اٰمِنًا" جو اس میں داخل ہو گا امان پائے گا...... تو وہ امن کہاں گیا؟

تو میں نے اس کے جواب میں کہا کیا تم میرا جواب سننا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: "ہاں!" میں نے کہا، اللہ نے ارادہ کیا تھا، اس لیے لوگوں نے اسے امن والا بنا دیا تھا۔ کہا کہ اس نے یہ سن کر اپنے گھوڑے کی لگام موڑ دی، اور واپس چلا گیا۔[1]

حجر اسود کی واپسی اور دوبارہ تنصیب

مختصر یہ کہ ان بدبختوں نے بڑے فتنے کھڑے کیے، حجر اسود کو انہوں نے بائیس یا پچیس سال اپنے پاس رکھا، مسلمان سلاطین نے ایک لاکھ دینار کے عوض حجر اسود کو خریدنے کی کوشش کی تا کہ اسے دوبارہ اس کے مقام پر نصب کیا جائے لیکن قرامطہ نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا، آخر پچیس سال بعد اسے کوفہ لا کر جامع مسجد میں پھینک دیا، اور ایک تحریر لکھ کر اس کے پاس رکھ دی کہ ہم اس پتھر کو اللہ کے حکم کے مطابق کعبہ سے لے گئے تھے اور ایک حکم کے تحت ہی واپس لائے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسے مکہ مکرمہ لے جا کر اس کے مقام پر نصب کر دیا۔ (اسماعیلیہ ص ۵۲)

علامہ ابن کثیرؒ ۳۳۹ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

اس مبارک سال کے ماہِ ذی القعدہ میں حجر اسود کو مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے اندر اسی جگہ لا کر رکھ دیا گیا، جہاں سے اسے قرامطہ سن ۳۱۷ ہجری میں لے کر چلے گئے تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس وقت قرامطہ کا بادشاہ ابو طاہر سلیمان بن ابی سعید الحسن الجنابی تھا۔ اس کے لے جانے پر تمام مسلمانوں کو سخت تکلیف ہوئی، اس کی واپسی کے لیے امیر بحکم الترکی نے اسے پچاس ہزار دینار کی پیش کش اس شرط پر کی کہ وہ اسے اپنی جگہ پر لا کر رکھ دے، مگر ایسا نہیں کیا۔ بلکہ جواب دیا کہ ہم نے کسی کے حکم سے اسے اس کی جگہ سے اٹھایا ہے، اسی لیے صرف اسی حاکم کے دوبارہ حکم کرنے پر ہی ہم لوٹا سکتے ہیں۔ لیکن اس سال اسے کوفہ میں لے آئے، اور وہاں کے جامع مسجد کے ساتویں ستون پر اسے لٹکا دیا۔ تا کہ تمام لوگ اسے دیکھ سکیں۔ اس کے ساتھ ہی ابو طاہر کے بھائی نے ایک پرچہ بھی لکھ کر لگا دیا کہ جس نے ہمیں اس کے لینے کا حکم دیا تھا، اب اسی کے حکم کی بناء پر اسے لوٹا دیا ہے تا کہ حاجیوں کا حج اور اس کے فرائض پورے ہو جائیں۔ پھر کسی مطالبہ کے بغیر مکہ مکرمہ میں اُسے واپس کر دیا۔ اس طرح وہ اس سال ماہِ ذی القعدہ میں پہنچ گیا۔ اللہ ہی کا ہزار شکر اور احسان ہے۔

وہ حجر اسود اپنی جگہ سے بائیس برس تک غائب رہا، اس کے پا لینے سے تمام مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی۔

اس موقع پر بہت سے لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قرامطہ جب اسے لے کر جا رہے تھے، اس وقت اسے بہت سے اونٹوں پر لادنا پڑا تھا۔ کیونکہ اونٹ پر لادنے کے بعد وہ یکے بعد دیگرے ہلاک ہوتے جاتے تھے، اور ان کے کوہان زخمی ہوتے جاتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اسے واپس کیا تو صرف ایک ہی اونٹنی پر لاد کر لیتے آئے اور اسے کوئی تکلیف بھی نہ ہوئی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قرامطیہ کا خاتمہ

قرامطیوں کی فتنہ انگیزی جاری رہی، ۳۱۶ھ میں آپس کے حالات بگڑ جانے کی وجہ سے ان میں زبردست قتل قتال ہوا، اس وجہ سے یہ دوسرے علاقوں میں لوٹ مار اور خونریزی نہ کر سکے، اللہ نے انہیں اس مسئلہ میں بے دست و پا کر دیا، البتہ اپنے شہر ہجر میں بندرہ کر خونریزی کرتے رہے۔

عبدالحلیم شرؔر کے بقول اب قرامطہ کی قوت بالکل ٹوٹ گئی تھی۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ۳۶۳ھ میں ابویعقوب یوسف بن حسن جنابی نے تراسی برس کی عمر پا کے اور بہت دنوں حکومت کر کے دنیا کو رخصت کیا اور اس کے بعد ان میں بجائے اس کے کہ کوئی ایک شخص حاکم بنایا جائے ایک قسم کی جمہوریت شروع ہوئی۔ یعنی حکمرانی کے لئے فرقہ میں سے ۶ معزز آدمی منتخب کیے گئے۔ جو ایک پارلیمنٹ کی وضع سے باہمی مشارکت و مشاورت سے حکومت کرتے اور ان لوگوں کا نام سادہ (سادات) قرار پایا۔

بارہ برس تک ان لوگوں نے خاموشی سے حکمرانی کی۔ دنیا کو یہ بھی نہ معلوم ہونے پاتا تھا کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں اور کس مشغلہ میں ہیں۔ مگر پرانی ساکھ کچھ ایسی قائم ہوگئی تھی کہ خلافتِ عباسیہ اور بغداد کا دربار ان کے نام سے کانپتا تھا۔ چنانچہ ان کا ایک نائب (ریذیڈنٹ) خاص بغداد میں رہا کرتا تھا جو صاحبِ اثر وزراء کی طرح تمام معاملات میں دخل دیتا بلکہ حکومت کرتا تھا۔

بغداد میں ان دنوں ایک نئی قسم کی پارٹی فیلنگ قائم ہوگیا تھا۔ اور سازشوں کا بازار گرم تھا۔ عضدالدولہ جس کے ہاتھ خلافت کی کل تھی اس نے وفات پائی تھی اور اس کا بیٹا شرف الدولہ باپ کا جانشین ہوا تھا۔ شرف الدولہ کی مخالفت پر صمصام الدولہ نامی ایک دوسرا رئیس اٹھ کھڑا ہوا اور اکثر معززین کو اپنا طرفدار بنا کے وہی صاحبِ اختیار ہوگیا۔ عوام میں سے اکثر لوگ شرف الدولہ ہی کو پسند کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس کے باپ عضدالدولہ نے اپنی سخاوتوں اور مہربانیوں سے بہتوں پر اپنے حقوق قائم کر دیئے تھے۔ عوام بغداد ہی نہیں قرامطہ بھی اسی کو پسند کرتے تھے۔ اس لئے کہ عضدالدولہ نے انہیں بھی مختلف شہروں کی حکومت دے دی تھی۔

صمصام الدولہ نے زور پکڑنے کے بعد جب قرامطہ کو اپنے خلاف پایا تو ان کے ریذیڈنٹ ابوبکر بن شاہویہ کو بغداد میں قید کرلیا۔ اس کی خبر سنتے ہی قرامطہ میں تازہ جوش پیدا ہوا۔ ان کے دو سردار اسحٰق اور جعفر جو "سادہ" میں سے تھے لشکر لے کے ۳۷۵ھ میں چڑھ آئے اور کوفہ پر قبضہ کرلیا۔ صمصام الدولہ نے ایلچی بھیج کے پوچھا کہ "تم لوگ کیوں آئے ہو؟" جواب ملا: "اس لئے کہ ہمارا ریذیڈنٹ گرفتار کرلیا گیا۔" اور اس جواب کے ساتھ ہی قرامطہ کا ایک سپہ سالار ابوقیس حسن بن منذر سبقت کر کے مقام جامعین تک آ پہنچا۔ قرامطہ کی اس یورش نے اہل عراق کو بدحواس کر دیا تھا اور تمام اہل

1۔ تاریخ سندھ ص ۳۳۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بغداد کانپ رہے تھے، مگر صمصام الدولہ بہادر آدمی تھا، بالکل نہیں دبا اور اپنے لشکر کے ساتھ عربوں کی ایک زبردست جماعت کومقابلہ کے لئے روانہ کردیا۔ جولوگ فرات سے اتر کے ان کے سامنے صف آراء ہو گئے۔

اسی مقامِ جامعین میں مقابلہ ہوا اور قرامطہ کوشکست ہوئی۔ میدان چھوڑ کے بدحواس ہو کر بھاگے اور ابو قیس اور بہت سے قرامطہ فتحیابوں کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے۔ قرامطہ کو اس شکست کی خبر ہوئی۔ وہ دوبارہ بڑی زبردست قوت سے آگے بڑھے اور اسی میدان جامعین میں پھر عرصہ رزم گرم ہوا۔ اور اگرچہ قرامطہ جان توڑ کے لڑے مگر پھر شکست کھائی اور بہت ہی بُری شکست۔ سپہ سالار میدان میں مارا گیا۔ ہزار ہا قتل ہوئے اور کثیر التعداد جماعت صمصام الدولہ کے سامنے اسیر کر کے کھڑی کردی گئی۔ اس دوسری شکست کی خبر کوفہ میں پہنچی تو باقی ماندہ قرامطہ شہر چھوڑ کے بھاگے۔ اگرچہ قادسیہ کے کھنڈروں تک ان کا تعاقب کیا گیا مگر ہاتھ نہ آئے۔ اور جان بچا کے اپنے دارالہجرۃ میں پہنچ گئے۔ قرامطہ کو یہ ایسی شکست ہوئی کہ پھر اس کے بعد ان کو کبھی فتح نہ نصیب ہوئی اور ہمیشہ کے لئے ان کا نام تاریخ کے صفحات سے نکل گیا۔

اگر انہیں اپنے وطن میں چند روز چین سے بیٹھنے کا موقع ملتا تو شاید پنپ جاتے مگر ان کی بدقسمتی سے قبیلہ بنی صتفق میں اصفر نامی ایک شخص پیدا ہوا جس نے عربوں کا ایک بڑا گروہ جمع کر کے قرامطہ پر ان کے خاص گھر میں حملہ کیا اور وہ اتنے کمزور تھے کہ اپنا گھر بھی نہ بچا سکے۔ شکست کھائی، مارے گئے، اسیر ہوئے اور بقیۃ السلف نے احساء کے قلعہ میں چھپ کے جان بچائی۔ اصفر نے احساء کو گھیر کے پڑے رہنے میں طول امل دیکھا اسے چھوڑ کے خاص شہر قطیف پر حملہ کیا جو قرامطہ کا گہوارہ تھا۔ یہاں کسی میں مزاحمت کی تاب نہ تھی۔ اصفر نے ان کے مال واسباب، لونڈی غلام اور مویشیوں وغیرہ میں سے جو کچھ پایا اپنے قبضہ میں کیا اور چلتا بنا۔

اور اسی واقعہ پر قرامطہ کی تاریخ کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر سندھ اور ہندوستان میں ہم اس کے بعد بھی قرامطہ کا نام سنتے ہیں۔ اس موضوع پر ان شاء اللہ اپنے اپنے مقام پر بحث کی جائے گی۔ [1]

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سترھواں باب:

المغرب میں اسماعیلی حکومت کا قیام

اسماعیلیہ اقتدار کے مختلف ادوار

تیسری صدی ہجری کی آخری چوتھائی میں جبکہ شیعہ قرامطہ کے فتنہ نے عالم اسلام کو اذیت میں مبتلا کیا ہوا تھا، ایک اور نئی اُفتاد کا سامنا بھی کرنا پڑا اور وہ یمن، افریقہ اور مصر میں اسماعیلی شیعوں کی حکومت کا قیام تھا۔ اس سے قبل کہ ہم اسماعیلی حکومت کے قیام کے اسباب وعوامل پر بحث کریں۔

اسماعیلیوں میں مزید فرقوں میں تقسیم اور عقائد میں ردوبدل سمجھنے کے لیے اسماعیلیوں کے دنیاوی اقتدار کے مختلف ادوار پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔غربی افریقہ مصر، شام وحجاز ۲۹۷ھ، تا ۵۶۷ھ ۹۰۹ء تا ۱۱۷۲ء۔ اس دور کو فاطمی دور خلافت کہا جاتا ہے۔ اسماعیلیوں نے سیاسی اقتدار کے حصول کے بعد اپنے امام کو خلیفہ بھی کہا اور عباسی خلفاء کے بالمقابل فاطمی خلفاء کہلوائے کیونکہ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ صحیح النسب فاطمی ہیں۔ انہوں نے اپنے القاب بھی عباسیوں کے طرز پر رکھے۔

۲۔شمالی ایران اور ملحقہ علاقہ ۴۸۳ھ تا ۶۵۴ھ ۱۰۹۰ء تا ۱۲۵۶ء۔

۳۔محدود علاقوں میں مختصر مدتوں تک بالخصوص یمن میں، عراقی پہاڑیوں اور شام کے ساحلی علاقوں میں۔

۴۔۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں بغداد پر ایک سال تک اسماعیلی (فاطمی) قبضہ رہا۔

فاطمی امام/خلیفہ

۱۔ ابو محمد عبد اللہ المہدی باللہ ۲۹۷ھ / ۹۰۹ء

۲۔ ابو القاسم محمد القائم بامر اللہ ۳۲۲ھ / ۹۳۴ء

۳۔ ابو طاہر اسماعیل المنصور باللہ ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء

۴۔ ابو تمیم معد المعز لدین اللہ ۳۴۱ھ / ۹۵۲ء

۵۔ ابو منصور نزار العزیز باللہ ۳۶۵ھ / ۹۷۵ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۶۔ ابو علی الحسین الحاکم بامر اللہ ۳۸۶ھ /۹۹۶ء

۷۔ ابو معد علی الظاہر (لاعزاز دین اللہ) ۴۱۱ھ/ ۱۰۲۰ء

۹۔ ابو تمیم معد المستنصر باللہ ۴۲۷ھ ۱۰۳۵ء

۹۔ ابو القاسم احمد المستعلی باللہ ۴۸۷ھ ۱۰۹۵ء

۱۰۔ ابو علی منصور الآمر باحکام اللہ ۴۹۵ھ ۱۱۰۲ء ، ۵۲۴ھ ۱۱۳۰ء

امام طیّب کے نائبین

ابو المیمون عبد المجید الحافظ لدین اللہ ۵۲۴ھ / ۱۱۳۰ء

ابو منصور اسماعیل الظافر لاعداء اللہ ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء

ابو القاسم عیسیٰ الفائز بامر اللہ ۵۴۹ھ / ۱۱۵۴ء

ابو محمد عبد اللہ العاضد لدین اللہ ۵۵۵ھ/ ۱۱۶۰ء ۵۶۷ھ/ ۱۱۷۲ء

نوٹ:۔ فاطمیوں کو عبید اللہ المہدی کی نسبت سے مہدویہ بھی کہا گیا اور عباسیوں کے سیاہ لباس کے مقابل سفید لباس اختیار کرنے کی وجہ سے مبیضہ بھی کہا گیا۔

یمن وافریقہ میں اسماعیلی دعوت کا فروغ

قرامطہ کے فتنہ کے زمانے میں اسماعیلیوں کا ایک داعی جو عبد اللہ بن میمون قداح کے فرزندوں میں سے تھا کوفہ اور عراق کے علاقے میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ اس نے کہا کہ میں امام کا داعی ہوں اور امام کے ظہور کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے۔ اس نے بلقاسم ابن حوشب نامی ایک شخص کو داعی بنا کر یمن روانہ کیا اور اسے یہ حکم دیا کہ وہ اطراف وجوانب میں داعیوں کو بھیجے۔ اس بلقاسم نے یمن میں اچھے کام کئے اور ایک جماعت اس کی دعوت میں داخل ہوگئی۔ اس نے ابو عبد اللہ صوفی محتسب نامی ایک شخص کو جس کا تعلق شمالی افریقہ میں آباد کتامہ کے قبیلہ سے تھا اور بلقاسم کی دعوت میں شامل ہوگیا تھا، المغرب بھیجا تاکہ وہ وہاں اسماعیلی دعوت کی اشاعت کرے۔

یہ ابو عبد اللہ صوفی محتسب اس شخص سے جو عبد اللہ بن میمون کے فرزندوں میں سے تھا، خط وکتابت کرتا رہتا تھا۔ اور تحریریں بھیجتا رہتا تھا کیونکہ وہ بلقاسم بن حوشب کے مقابلہ میں امام سے زیادہ قریب تھا۔ وہ شخص ابو عبد اللہ شیعہ کو دعوتِ اسماعیلیہ کے بارے میں اکساتا رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب ابو عبد اللہ کے کام کو فروغ ہوا۔ اس میں ترقی ہوئی اور اس نے مغرب کے کچھ شہر، حدود قیروان اور سجلماسہ پر قبضہ کرلیا۔ تو وہ آدمی جو عبد اللہ بن میمون کی نسل سے تھا اپنے بیٹے کے ساتھ عراق سے المغرب کے لیے روانہ ہوگیا۔

جب یہ باپ بیٹے سجلماسہ پہنچے تو ابو عبد اللہ کتامی ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلا، ان کی تعظیم بجالائی اور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کہا کہ میں ان علاقوں پر تیرے نائب بالقاسم بن حوشب کی جانب سے حکومت کرتا تھا۔ اب جب کہ تو آ گیا ہے تو تجھے حکومت کرنے کا سب سے زیادہ حق ہے۔

المہدی کا ظہور

اس شخص نے جو عبداللہ بن میمون کی نسل سے تھا یہ کہا میں اس سے پہلے یہ کہتا تھا کہ میں امام کا داعی ہوں تو اس میں مصلحت یہ تھی کہ ابھی امام کے ظہور کا وقت نہ آیا تھا۔ اب امام کے ظہور کا وقت آ پہنچا ہے، تو میں مانتا ہوں کہ میں ہی امام ہوں اور اسماعیل بن جعفر کی نسل سے ہوں۔ اس نے اپنا نام عبداللہ المہدی اور بیٹے کا نام القائم بامر اللہ محمد رکھا اور منصب امامت وخلافت پر متمکن ہو گیا مغاربہ شمالی افریقہ کے برابر خصوصاً قبیلہ کتامہ کے لوگوں نے اس کی امامت وخلافت پر اتفاق کیا۔ اس نے قیروان کے علاقہ میں (۲۵۸ھ درست ۳۰۸ھ) میں مہدیہ کا شہر آباد کیا۔

جب عبداللہ مہدی کے کام کو فروغ ہوا تو اس نے احکام شرعیہ کی تعمیل ترک کر دی اور اس کے احکام کی تعمیل میں سستی ظاہر کرنے لگا۔ اس پر ابو عبداللہ صوفی محتسب کو المہدی پر شک گزرا اور اسماعیلی دعوت کی اشاعت میں اس کے عزائم میں سستی پیدا ہو گئی۔ ابو عبداللہ کے بھائی یوسف نے چاہا کہ سرکشی اختیار کرے اور ابو عبداللہ مہدی کے خلاف بغاوت کر دے اس وجہ سے مہدی نے ابو عبداللہ اور اس کے بھائی یوسف کو قتل کروا دیا۔

بلاد مغرب میں سجلماسہ کے مقام پر مہدی کا ظہور اور اس کا ان علاقوں پر قبضہ ۲۹۶ھ میں ہوا۔ ۳۰۲ میں بنو اغلب جو خلفائے عباسی کی جانب سے مغرب شمالی افریقہ کے حکمراں تھے المہدی کے ہاتھوں برباد و مغلوب ہو گئے اور مغرب کے تمام علاقوں، افریقہ اور صقلیہ پر المہدی کا اقتدار قائم ہو گیا۔

مہدی کے نسب کی تکذیب

ادھر مہدی پر ایک مصیبت آن کھڑی ہوئی، وہ یہ کہ مہدی کے اسماعیل بن جعفر کی جانب انتساب کو لوگ جھوٹ سمجھتے اس کی تکذیب کرتے اور اسے درست نہ جانتے تھے۔ بغداد میں خلیفہ القادر باللہ عباسی کے دور میں ایک محضر تیار کیا گیا جس پر معتبروں، سیدوں، قاضیوں اور عالموں نے اپنے اپنے دستخط کئے کہ مہدی کی اولاد کا نسب مشکوک، جعلی اور فرضی ہے اور یہ لوگ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ کی جانب انتساب میں کاذب اور جھوٹے ہیں۔ تاہم مہدی چھبیس سال تک المغرب وغیرہ پر قابض رہا۔ ۳۲۲ھ میں اس نے وفات پائی۔

یہ سوال اپنی جگہ پر نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ کیا واقعی یہ لوگ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے تھے یا یہ دعویٰ بھی کسی داعی کا تھا جس نے اہل بیت کے سہارے اسماعیلیہ کے لیے کچھ ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؒ تک تو بے شک یہ سب فاطمی تھے لیکن ان کے اگلے ادوار میں تاریخ ان کے فاطمی ہونے کی شہادت نہیں دیتی۔ ڈاکٹر زاہد علی نے تاریخ فاطمینِ مصر میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اسماعیلی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اماموں کے دورِ ظہور میں ان پر اس قسم کے کئی سوال اٹھتے رہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"متعدد دفعہ امام کے ظہور کے زمانہ میں نسب کا سوال اٹھایا گیا لیکن کسی امام نے اطمینان بخش جواب نہ دیا یہ لوگ کبھی اتنی جرأت نہ کر سکتے تھے کہ اپنا نسب منبر پر یا کسی مجمع میں بیان کریں۔" 1

ہمارا موضوع اس وقت ان کے حسب ونسب پر بحث نہیں، فاطمی خلیفہ المعز باللہ (۳۶۵ھ) سے جب یہ سوال کیا گیا تو اس نے اس کے لئے ایک بڑے جلسہ کا انتظام کیا اور اس میں یہ جواب دیا: اپنی تلوار میان سے نکالی اور کہا "یہ میرا نسب ہے۔"

پھر اس نے حاضرین پر سونا نچھاور کیا اور کہا "یہ میرا حسب ہے۔" 2

دورِ ظہور میں تو کچھ لوگ جان پہچان والے مل جاتے ہیں۔ قصیدے پڑھنے والے قصیدہ گو اور مرثیے پڑھنے والے مرثیہ خواں بھی مل جاتے ہیں لیکن دورِ ستر کے بارے میں کوئی بات اعتماد سے نہیں کہی جا سکتی اِلّا یہ کہ داعی حضرات کو خدا کی طرف سے مامور مان لیا جائے۔

قائم کا عہد

المہدی کے بعد اس کا بیٹا قائم اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں مغرب کے ایک آدمی ابو یزید نے اس کے خلاف خروج کیا یہ شخص مسلمان، دین دار، سنی مذہب اور پارسا متقی، نیکوکار تھا۔ اس نے لوگوں کے سامنے مہدی اور قائم کی بدعتیں گنوائیں چنانچہ ایک بڑی جماعت اس کی متبع ہوگئی۔ اس نے قائم سے جنگ کی اور اس کی فوج کو شکست دے کر اسے مہدیہ میں گھیر لیا۔ قائم کے متبعین ابو یزید کو دجال کہتے تھے کیونکہ ان کے ملاحم میں آئندہ واقعات کی پیش گوئی سے متعلق روایات میں یہ روایت ہے کہ دجال مہدی یا قائم پر خروج کرے گا اور اس کے خلاف بغاوت کرے گا، قائم نے انہی لڑائیوں کے دوران میں شوال ۳۳۴ھ میں وفات پائی مگر اسماعیلیوں نے اس کی موت کو پوشیدہ رکھا۔

المنصور کا دور

قائم کا بیٹا المنصور اسماعیل اس کا جانشین ہوا اس نے ابو یزید سے مقابلہ کی تدبیر کی۔ وہ صاحب رائے اور بہادر آدمی تھا۔ اس نے ابو یزید کو شکست دے کر فرار پر مجبور کر دیا وہ ایک عرصہ تک اس کا تعاقب کرتا اور اس سے جنگیں کرتا رہا۔ آخر کار اسے گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور اس کی لاش کو مغرب کے شہروں میں گشت کرایا۔ ابو یزید کے خاتمہ کے بعد المنصور نے باپ کی موت کا اعلان کیا اور اس کا باقاعدہ جانشین ہوا ۳۴۱ھ میں المنصور بھی فوت ہو گیا۔

1۔ اتعاظ الحنفاء ص ۱۵، بحوالہ عبقات ص ۱۵۸

2۔ تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۵۰ بحوالہ عبقات

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

المعز کا دور

اس کا بیٹا ابو تمیم اس کی جگہ تخت خلافت وامامت پر متمکن ہوا۔ وہ صاحب رائے، مدبر شجاع اور با اقبال تھا۔ وہ ملک کی سیاست کو مناسب سطح اور حد پر رکھتا تھا۔ اس لیے اس کا ملک اس کے اجداد کے ملک سے زیادہ اور وسیع ہو گیا۔ وہ ملک مصر کی تسخیر کی فکر میں لگا ہوا تھا۔

مصر پر عبیدیوں/ فاطمیوں کا قبضہ

اس زمانے میں مصر پر "کافور اخشیدی" کا قبضہ تھا۔ معز نے اپنے غلام ابوالحسن جوہر کو ۳۵۸ھ میں فوج دے کر اپنی دعوت کی اشاعت کی غرض سے مصر بھیجا۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اس کے بعد اس نے کافور کو اپنا حامی بنانے اور اسماعیلی دعوت کی طرف اسے بلانے کی کوشش کی چنانچہ کافور نے اسے قبول کیا اور عباسی خلفاء کے خلاف مصر میں معز کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔

اسی سال ۳۵۸ھ میں کافور وفات پا گیا۔ اور جوہر مصر کی حکومت پر معز کی جانب سے مستقل حاکم ہو گیا۔ اس نے اسی سال فسطاط کے متصل قاہرہ کے شہر کی بنیاد رکھی ۳۶۲ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اور اس کا نام قاہرہ معزیہ رکھا، معز رمضان ۳۶۲ھ میں بے اندازہ فوج اور بے انتہاء شان وشوکت کے ساتھ مصر پہنچا۔ اور قاہرہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ بعد ازاں مصر و حجاز بنو عباس کے قبضہ سے نکل کر معز کے قبضہ میں آ گئے۔ اس نے ان ممالک میں عدل وانصاف قائم کیا چنانچہ اس کے عدل وانصاف کی عجیب وغریب داستانیں اب تک لوگ بیان کرتے ہیں۔ اس نے ربیع الآخر ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

معز فاطمی اور حسین کے درمیان لڑائی

جب معز فاطمی نے مصری علاقوں میں اپنا قبضہ جما لیا اور اس میں قاہرہ اور دو شاہی محل بھی بنوا لیے اور اس کے ملک کی بنیاد پوری طرح مضبوط ہو گئی تو حسین بن احمد القرمطی اپنے ماننے والوں کی بہت بڑی جماعت لے کر سب ایک ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے آئے۔ المعز فاطمی کو جب اس کی خبر ملی تو یہ بہت زیادہ گھبرا گیا، اور فوراً خوشامد میں ایک خط لکھا کہ تمہارے باپ دادوں کے خطوط ہمیشہ ہی ہمارے باپ دادوں کے پاس آتے رہتے ہیں۔ اب تمہارا خط ہمارے پاس آیا، ساتھ ہی اس خط میں اس کی ذاتی اور آبائی خوبیوں کا بھی تذکرہ کیا، اس خط کے جواب میں اس نے خط لکھا کہ تمہارا وہ خط ملا جس کی بڑائی بہت ہے لیکن اس کا حاصل بہت کم ہے، اور ہم اس خط کے ساتھ ساتھ آ رہے ہیں۔ والسلام

اس کے ساتھ ہی یہ لوگ وہاں پہنچ گئے اور پہنچتے ہی قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا، اس قدر فساد برپا کر دیا کہ معز حیرت میں پڑ گیا کہ اب وہ کیا کرے۔ اس کی فوج میں ان لوگوں سے مقابلہ کی ہمت بہت کم ہو گئی، اس لیے اس نے مکاری اور دھوکہ بازی سے کام لیتے ہوئے، امیر عزیمت حسن بن الجراح کو خاموشی کے ساتھ خط لکھا، جس میں اس سے یہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وعدہ کیا کہ اگر وہ مقابلہ کے وقت سب کے سامنے اپنی شکست تسلیم کر لے تو ایک لاکھ دینار اسے دیئے جائیں گے۔

اس نے جواب دیا کہ تم نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ بہت جلد ہمارے پاس بھیج دو اور جن کو تم لے کر آنا چاہتے ہو آ جاؤ، مقابلہ کے وقت میں اپنے آدمیوں کے ساتھ شکست قبول کرلوں گا، اس وقت اس قرمطی کی کوئی قوت نہ رہے گی، تم جس طرح چاہو گے قبضہ کرلو گے، تب معز نے اپنے وعدے کے مطابق ایک لاکھ دینار تھیلیوں میں بھر کر اس کے پاس بھیج دیئے، لیکن ان میں اکثر پیتل کے ڈھلوا کر ان کے اوپر سے سونے کا پانی چڑھا دیا گیا تھا، ان درہموں کو تھیلیوں کے بالکل نیچے ڈال کر اوپر سے تھوڑے خالص سونے کے بھی دینار رکھوا دیئے گئے تھے۔

ان درہموں کے بھجوانے کے ساتھ ہی ساتھ پیچھے سے خود بھی فوجیوں کو لے کر اس کی طرف روانہ ہو گیا، فریقین میں لڑائی ہوتے ہی امیر عزیمت حسان نے اپنے تمام ساتھیوں سمیت شکست تسلیم کر لی، اس وجہ سے قرمطی بھی کمزور پڑ گیا اور معز اس پر غالب آ گیا اور اسے پوری طرح کچل دیا۔ اب یہ وہاں سے بھاگ کر کسی طرح کچھ دور گیا، تو معز نے اس کے پیچھے قائد ابو محمود بن ابراہیم کے دس ہزار فوجیوں کے ساتھ روانہ کر دیا، تا کہ اس کی بیخ کنی کر دے اور ان کا نام و نشان مٹا دے۔

معز فاطمی دمشق کو قرامطیوں سے چھینتا ہے

قرمطی کے شکست کھا جانے کے بعد معز نے ایک جماعت بھیجی اور ظالم بن موہوب عقیلی کو اس کا سردار بنایا، یہ لوگ دمشق آئے اور زبردست محاصرے کے بعد دمشق کو ان کے قبضہ سے چھین کر اس کے متولی ابو الہیجاء قرمطی اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا۔

ادھر ابو محمود القائد قرامطیوں کی لڑائی سے فارغ ہو کر دمشق کی طرف متوجہ ہوا تو ظالم بن موہوب بھی اس طرف آ گیا۔ اس کے لوگوں نے غوطہ میں فساد پھیلایا اور کاشتکاروں میں لوٹ مار مچا دی، ان کے راستے بند کر دیئے اور قتل و غارت کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے، اور وہاں کے زخمیوں کی بڑی تعداد بھی یہاں لائی گئی، اس بنا پر زبردست چیخ و پکار ہوئی، بازار بند کر دیے گئے، اور سارے عوام ان کے مقابلے میں لڑائی کے لئے نکل پڑے اور مغاربہ پر حملہ آور ہو گئے، اس طرح فریقین کے بے شمار آدمی قتل کیے گئے، اور بارہا عوام کو شکست ہوئی۔ ان مغاربہ نے باب الفرادیس کے ایک علاقہ میں آگ لگا دی، جس کی وجہ سے بہت سامان جل کر خاک کا ڈھیر بن گیا۔ مکانات نیست و نابود ہو گئے، اور ۳۶۴ھ تک یہ لڑائی چلتی رہی، پھر ظالم بن موہوب کے معزول ہونے اور جیس بن صمصامہ ابو محمود کے بھانجہ کے حاکم بنا دیئے جانے کے بعد دوبارہ شہر میں آگ لگائی گئی اور شہر میں آب رسانی کے تمام ذرائع درہم برہم کر دیئے۔ یہاں تک کہ زمینوں اور راستوں میں غرباء اور فقراء بھوکے اور پیاسے مرنے لگے۔

ادھر بغداد میں ترکیوں کا پورا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے بختیار بن معز الدولہ کو اپنے مستقبل کے بارے میں فکر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہوئی۔اس وقت وہ اہواز میں مقیم تھا اور بغداد میں داخل بھی نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے اپنے چچا رکن الدولہ کے پاس خط لکھ کر اس سے مدد چاہی، تو اس نے اپنے وزیر ابوالفتح بن الحمید کی ماتحتی میں اس کے پاس لشکر روانہ کر دیا، اسی طرح اپنے چچازاد بھائی عضد الدولہ بن رکن الدولہ کو بھی خط لکھا لیکن اس نے جواب میں تاخیر کی، اس طرح عمران بن شاہین کے پاس آدمی بھیجا، لیکن اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اور ابوتغلب بن حمدان کے پاس بھی اپنا آدمی مدد چاہنے کے لیے بھیجا، تو اس نے بظاہر اس کی مدد کا وعدہ کیا لیکن درحقیقت اس طرح یہ خود بغداد پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔

ان کے مقابلہ کے لیے بغداد سے ترکی بہت بڑا لشکر لے کر نکلے ان کے ساتھ خلیفہ مطیع بھی تھے، واسط تک پہنچتے ہی مطیع کا انتقال ہوگیا، اس کے چند دنوں کے بعد سبکتگین کا بھی انتقال ہوگیا۔ان دونوں کو بغداد پہنچا دیا گیا۔اب ان ترکوں نے ایک شخص افتکین کی امارت پر اتفاق کر لیا، اور سب متفق ہو کر بختیار کے مقابلہ کو نکلے اس وقت وہ بہت ہی کمزور ہوگیا تھا، اور اس کا چچازاد بھائی عضد الدولہ اس پر غالب آ گیا اور اس نے اس سے عراق کی حکومت چھین لی اب اس کے آدمیوں میں انتشار پیدا ہوگیا، سب ادھر اُدھر ہو گئے۔

اس وقت حرمین مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مسجدوں میں خطبوں کے دوران معز فاطمی کا نام لیا جانے لگا، اس سال بنو ہلال اور عرب کی ایک ایک جماعت نے حاجیوں کے قافلوں پر حملہ کر دیا، اور بہت سے حاجیوں کو انہوں نے قتل کر دیا اور جو حجاج اس سے بچ رہے ان کو اس سال حج ادا کرنے سے روک دیا۔

جامع ازہر کی تعمیر

المعز لدین اللہ کے غلام جوہر نے قاہرہ کی تعمیر کے بعد ایک مسجد بنائی جس کا نام جامع ازہر رکھا۔اس کو جامع کبیر بھی کہا جاتا تھا۔المعز لدین اللہ کے جانشین عزیز کے حکم سے جوہر نے اس میں ایک نفیس کتب خانہ اور مدرسہ بھی کھولا جس کی شہرت آفاق میں پھیلی۔ بڑی غرض اس کے قائم کرنے سے یہ تھی کہ اس میں دینی کتب خصوصاً مذہب شیعہ کی تعلیم دی جائے۔گویا یہ کہہ سکتے ہیں کہ قاہرہ کی تعمیر دولت فاطمیہ کی سیاسی بنیاد کو مضبوط کرنے اور جامع ازہر کی تعمیر اس کی مذہبی بنیاد کو پختہ کرنے کے لئے عمل میں آئی۔[1] جامع ازہر تقریباً دوسو سال تک شیعی مدرسہ رہا لیکن اس مقصد میں ناکام رہا جس کے لئے قائم کیا گیا تھا، کیونکہ مصر میں اسماعیلیت کو فروغ نہ ہوسکا بلکہ شیعوں ہی کی تعداد آٹے میں نمک سے زیادہ نہ ہوسکی۔ظاہر ہے کہ اس مدرسہ کی شاندار عمارت کے باوجود طلباء کی تعداد محدود رہی ہوگی۔

دراصل ''ازہر'' کا اصلی دور صلاح الدین ایوبی کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔صلاح الدینؒ نے اقتدار کے حصول کے بعد چاروں مذاہب اہل سنت کی تعلیم جاری کر دی تاکہ ہر مذہب کے پیرو اس میں تعلیم حاصل کریں۔(اسماعیلی تو اس وقت تک مصر سے قریب قریب ختم ہو چکے تھے) اس سبب سے اس مدرسہ کی بڑی شہرت ہوئی جس میں رفتہ رفتہ

1۔تاریخ فاطمیین مصر حصہ اول صفحہ ۱۶۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اضافہ ہوتا گیا۔ظاہر ہے کہ فاطمی دورِ خلافت میں اس مدرسہ کا فیض اسماعیلیہ یا زیادہ سے زیادہ شیعوں تک محدود رہا ہوگا۔

امام نابلسیؒ کی مظلومانہ شہادت

اسماعیلیوں کے منفی کردار اور اس سلسلہ میں قرامطہ کی ہوشربا سرگرمیوں اور حسن بن صباح کی تیار کردہ جماعت ''فدائیین'' (جو تاریخ میں ''حشاشین'' کے لقب سے معروف ہیں) کی ہولناک تباہ کاریوں کے ضمن میں اسماعیلیوں کی سفا کی و بے رحمی کی ایک مثال ابن النابلسی شہیدؒ کے قتل کا وہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ (ج:۱۱ ص:۶۸۴) میں، اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں کیا ہے، اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''امام ابوبکر محمد بن احمد بن سہل الرملی المعروف بہ ''ابن النابلسی'' اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے، عابد و زاہد اور صائم الدہر تھے، حدیث و فقہ میں امام تھے، فاطمیوں نے جب مصر پر غلبہ حاصل کیا تو اسماعیلی عقائد کو لوگوں پر بزور شمشیر مسلط کرنا چاہا، ابن نابلسی شہیدؒ ان کی اس حرکت سے نالاں تھے اور وہ نہ صرف ان کے اس طرز عمل پر تنقید کرتے تھے بلکہ ان کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے تھے۔ اسماعیلی حکمران انہیں گرفتار کرنا چاہتے تھے، وہ رملہ سے دمشق چلے گئے وہاں کے گورنر نے ان کو گرفتار کر کے لکڑی کے پنجرے میں بند کر کے مصر بھیج دیا، یہ ۳۶۵ھ کا واقعہ ہے، اس وقت ابو تمیم معز فاطمی حکمران تھا، اور اس کا غلام امیر عساکر ''جوہر'' سیاہ و سفید کا مالک تھا، ابن النابلسی شہیدؒ کو قائد جوہر کے سامنے پیش کیا گیا۔ جوہر نے پوچھا کہ تم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ ان میں سے ایک تیر روم کے نصرانیوں کے خلاف اور نو اسماعیلیوں کے خلاف استعمال کرے؟ ابن النابلسی شہیدؒ نے فرمایا: جناب! آپ کو روایت غلط پہنچی ہے، میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا بلکہ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ نو تیر تو تمہارے خلاف استعمال کرے اور دسواں تیر بھی نصرانیوں کے بجائے تم لوگوں پر برسائے:

فانکم غیرتم الملة وقتلتم الصالحین وادعیتم نو الالٰھیة۔

''کیونکہ تم نے دین کو بدل ڈالا، خدا کے نیک بندوں کے خون سے ہاتھ رنگے، اور تم نورِ الوہیت کے مدعی بن بیٹھے''۔

جوہر نے حکم دیا کہ ان کی تشہیر کی جائے (منہ کالا کر کے بازار میں پھرایا جائے)، دوسرے دن ان کی پٹائی کا حکم دیا، تیسرے دن ایک یہودی کو حکم دیا کہ ان کی زندہ کھال کھینچ لی جائے۔ یہودی نے سر کی چوٹی سے ان کی کھال کھینچنا شروع کی، چہرے تک کھال اُتاری گئی، مگر انہوں نے اُف نہیں کی بلکہ نہایت صبر و سکون کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور قرآن کریم کی آیت ''کان ذالک فی الکتابِ مسطورًا'' (بنی اسرائیل:۵۸) (یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے) کی تلاوت فرماتے رہے، یہاں تک کہ سینے کی کھال اتاری گئی اور ان کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

صبر واستقامت کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی بال آخر کھال کھینچنے والے یہودی کو ان پر ترس آیا اور اس نے دل کی جگہ خنجر گھونپ کر ان کا قصہ تمام کر دیا۔ کھال اتارنے کے بعد اس میں بھوسہ بھرا گیا اور بھوسہ بھری کھال کو سولی پر لٹکایا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ۔" 1

یہ اسماعیلیوں کی سفاکی و بربریت کی ایک مثال ہے جس کے پڑھنے سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسماعیلی خونخواروں کے ہاتھوں کتنے علماء حقانی نے جامِ شہادت نوش کیا ہوگا!!

دمشق کو فاطمیوں کے چنگل سے نکال لینے کا ذکر

ابن الاثیر نے اپنی کتاب کامل میں ذکر کیا ہے کہ معزالدولہ کے غلام فتکین نے جو اس کی فرمانبرداری سے منکر ہو چکا تھا، جیسا کہ گزر چکا ہے، اور اس سے تمام لشکر والے دیلمی اور ترکی اور دیہاتی سب مل گئے تھے، اس وقت اس دمشق پر فاطمیوں کی طرف سے ریان الخادم منتظم تھا، یہ جب دمشق کے قریب اس کے باہر آ کر ٹھہرا تو وہاں کے تمام بڑے بوڑھے امراء حکام اور مشائخ نکل کر اس کے پاس آئے اور ان پر فاطمیوں کی طرف سے جو کچھ ظلم وزیادتی اور بداعتقادی بڑھ گئی تھی ان کا اس سے تذکرہ کیا اور اس سے یہ درخواست کی کہ وہ دمشق پر حملہ کر کے ان کے قبضہ سے چھڑائیں، یہ سن کر اس نے اس دمشق پر قبضہ کر لینے کا پورا پورا ارادہ کر کے ان سے مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس شہر پر قبضہ کر لیا اور ریان خادم کو وہاں سے نکال کر تمام شرپسندوں کو بھی مار بھگایا، اچھے لوگوں کو منظر عام پر لایا، ان لوگوں میں عدل وانصاف قائم کر دیا اور لہو ولعب کا خاتمہ کر دیا۔ ان بدوؤں کے ہاتھ باندھ دیئے جنہوں نے شہر میں فتنہ وفساد برپا کر رکھا تھا، پھر چراگاہوں اور غوطہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے باشندوں کو لوٹ لیا، جب فتکین کے ہاتھوں شام کے حالات درست ہو گئے اور وہاں کے حالات میں پائیداری آ گئی تو معز الفاطمی نے خط لکھ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے اپنے پاس بلوایا تا کہ اسے خلعت پہنائے اور اسے اپنا نائب مقرر کر دے۔ مگر اس فتکین نے اس کے خط کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ شام کی مسجدوں کے خطبوں سے اس کا نام خارج کر کے طائع عباسی کا خطبہ پڑھنے لگا، پھر اس نے علاقہ صید کا رُخ کیا جہاں مغاربہ بہت سے موجود تھے، اور ان کے اوپر شیخ کا بیٹا حاکم تھا، اسی طرح ان لوگوں میں ظالم بن موہوب العقیلی بھی تھا، جو معز فاطمی کی طرف سے دمشق کا نائب مقرر کیا ہوا تھا۔ اور وہاں کے لوگوں کے اخلاق کو ان لوگوں نے بہت بگاڑ کر رکھ دیا تھا، فتکین نے وہاں پہنچ کر ان سب کا محاصرہ کیا اور اس محاصرہ کو اتنا طول دیا کہ آہستہ آہستہ اس علاقہ پر اپنا پورا قبضہ جما لیا۔ اور ان کے تقریباً چار ہزار قیدیوں کو تہہ تیغ کر دیا، اس کے بعد طبریہ کا رُخ کیا اور ان لوگوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا، ان پریشانیوں میں معز فاطمی نے خود اس کے مقابلہ کا ارادہ کیا، اب وہ مقابلہ کے لیے لشکر جمع کر رہا تھا کہ اسی موقع پر پینسٹھ سال کی عمر میں اس کی اچانک موت ہو گئی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا العزیز اس کا قائم مقام بنا۔

1۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء ج ۱۶۔ ص ۱۴۸، ۱۴۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس کی موت سے فتکین کو شام میں پورا اطمینان ہو گیا، اس کی عظمت اور شوکت زیادہ ہو گئی، اس وقت مصر والوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ جوہر قائد کو فتکین کے مقاتلہ کے لئے بھیجا جائے، تاکہ وہ شام کو اس کے قبضہ سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لے۔ اس وقت شام والوں نے فتکین کے پاس جا کر قسم کھا کر کہا کہ ہم لوگ فاطمیوں کے خلاف اور آپ کے ساتھ ہیں اور ہمیں آپ سے پورا اخلاص ہے، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ اس وقت جوہر قائد نے آ کر دمشق کا سات مہینوں تک زبردست محاصرہ کیے رکھا، لیکن جوہر کو عبرتناک شکست کھانا پڑی اور گرفتار ہو گیا، بعد ازاں چکنی چپڑی باتوں سے فتکین کو اپنی رہائی پر آمادہ کر لیا۔

فتکین نے جب جوہر کو قید سے رہائی دے دی تو وہ عزیز کو فتکین کے خلاف حملہ کر دینے پر آمادہ کرتا رہا یہاں تک کہ عزیز پہاڑوں جیسے مضبوط لوگوں کا ایک بہت بڑا لشکر خود لے کر آگے بڑھا اور مقابلہ پر آیا اور اپنے لشکر میں لڑاکا لوگوں کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ساز وسامان اور ہتھیار بھی زیادہ لے کر آیا۔ سامنے کے حصہ میں وہ جوہر قائد خود بھی تھا، ادھر فتکین اور قرمطی اپنے لشکر اور بدوؤں کو جمع کر کے رملہ کی طرف بڑھے اور ۳۶۷ھ کے ماہِ محرم میں لڑائی شروع ہو گئی، مقاتلہ شروع ہو جانے کے بعد عزیز نے فتکین کی بہادری اور ہوشیاری کا اندازہ کر کے اس کے پاس آدمی یہ کہہ کر بھیجے کہ اگر وہ اس کی اطاعت قبول کرے اور لڑائی کے میدان سے واپس چلا جائے تو وہ اسے اپنا سپہ سالار مقرر کرے گا اور اس کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرے گا، یہ سن کر فتکین دو صفوں کے درمیان اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور عزیز کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اگر یہ بات موجودہ حالت سے پہلے ہوتی تو میرے لئے اس کا قبول کرنا ممکن ہوتا بلکہ میں خود اس کی اطاعت کو اپنی خوش قسمتی سمجھتا، لیکن اب یہ بات ممکن نہیں ہے، پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور عزیز کے میسرہ پر حملہ کر کے اس کے لشکر میں انتشار پیدا کر دیا اور ساری فوج کو تتر بتر کر دیا، اسی وقت عزیز درمیان سے نکلا اور میمنہ فوج کو حکم دیا تو اس نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ قرمطی اور اس کے ساتھی شامی شکست کھا گئے، ان کے بھاگتے وقت ان کے پیچھے سے مغاربہ بھی ان پر حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، سامنے آنے والوں میں جسے چاہتے قتل کرتے اور جسے چاہتے قیدی بناتے جاتے، وہاں کے عزیز اپنا منہ موڑ کر اپنے تمام ساتھیوں سمیت شامیوں کے خیموں میں جا کر ٹھہرے اور بھاگنے والوں کے پیچھے اپنے فوجیوں کو لگا دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ جو کوئی کسی کو قیدی بنا کر لائے گا اسے خلعت دی جائے گی، اس موقع پر فتکین کو زبردست پیاس لگ گئی اور وہ مفرج بن دغفل کے قریب سے گزرا جو اس کا ساتھی تھا، اس سے اس نے پینے کو پانی مانگا، اس نے اسے پانی پلا کر اپنے گھر میں آرام سے رہنے کو کہا، ادھر خاموشی کے ساتھ عزیز کو یہ خبر بھیجی کہ آپ کا مطلوب میرے پاس ہے، مقررہ رقم دے کر کسی کو میرے پاس بھیج دیں اور اپنا مطلوب پکڑ کر لے جائیں، چنانچہ اس نے وعدے کے مطابق اس کے پاس ایک لاکھ دینار بھیج دیئے، اور اسے پکڑ کر اپنے پاس منگوالیا، تاہم بعد ازاں اسے رہا کر دیا۔

۳۶۵ھ میں رکن الدولہ بن بویہ نے اپنی سلطنت کو اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے اپنی اولاد میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ عضد الدولہ کو فارس اور کرمان، مؤید الدولہ کو رے اور اصبہان اور فخر الدولہ کو ہمدان اور دینور دیئے اور اپنے بیٹے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ابوالعباس کو عضد الدولہ کی نگرانی میں دیا اور اسے اس کی خاص وصیت کی۔

اس سال عزیز فاطمی کی طرف سے مصریوں کے امیر نے لوگوں کو حج کرایا، حج سے پہلے مکہ والوں کا محاصرہ کیا گیا تھا، اور باشندگانِ مکہ نے سخت تکلیفیں برداشت کی تھیں، وہاں غلوں کی قیمتیں بہت مہنگی ہو گئی تھیں۔

المعز الفاطمی کی موت

علامہ ابن کثیرؒ ۳۶۵ھ کے حالات میں معز فاطمی کی موت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''قاہرہ کے بانی محمد بن اسماعیل بن سعید بن عبداللہ ابو تمیم جو خود کے لیے فاطمی ہونے کا مدعی تھا، مصری علاقوں کا حاکم تھا، فاطمیوں میں سے سب سے پہلے ہی ان علاقوں کا بادشاہ بنا، مغربی ممالک میں افریقہ اور اس کے آس پاس شہروں کا سب سے پہلا بادشاہ ہوا۔ ۳۵۸ھ میں اپنے غلام جوہر قائد کو شہروں میں بھیجا، جس نے اس کیلئے کافور الاخشیدی سے لڑ کر مصر کے شہروں کو چھینا، اسی کے ہاتھوں فاطمیوں کے ہاتھ مضبوط ہوئے، اسی نے وہاں قاہرہ شہر آباد کیا، اور شاہی محل کے دو قلعے بنوائے، اسی جوہر نے خطبوں کے درمیان ۳۶۲ھ میں معز فاطمی کا نام پڑھوایا۔

ان تمام کاموں کے مکمل ہو جانے کے بعد یہ معز ایک بہت بڑا لشکر اور بہت سے دوسرے مغاربہ اور بڑے ارکانِ دولت کو لے کر روانہ ہوا، جس وقت یہ اسکندریہ پہنچا، تمام لوگوں نے ان لوگوں کا استقبال کیا، اس وقت اس نے ان کے سامنے بہت زبردست فصیح و بلیغ خطبہ دیا، جس میں یہ بات بھی کہی کہ میں ظالم اور مظلوم کے درمیان انصاف کروں گا، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اسی انصاف کرنے سے اس امت پر رحم کرتا ہے۔ ان دعوؤں کے باوجود یہ شخص ظاہر و باطن ہر طرح سے رافضی تھا، جیسا کہ قاضی باقلانی نے کہا ہے کہ اس کا مذہب کھلم کھلا کفر اور اس کا عقیدہ رفض کا تھا۔ اللہ ان سب کا حشر بُرا کرے، اس کے سامنے ایک بہت بڑا زاہد، عابد، پرہیزگار، متقی ابوبکر النابلسی کو لایا گیا، اور اسے دردناک طریقے سے شہید کیا گیا۔ (جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔)

اور نابلس والوں کو آج تک بنو الشہید کہا جاتا ہے اور ابھی تک ان میں اچھائی پائی جاتی ہے، خدا اس معز کا بُرا کرے، لیکن اس میں ذاتی طور پر بہادری، ارادہ کی پختگی اور سیاست بھری ہوئی تھی، وہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ انصاف کرتا ہے اور حق کی مدد کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ستارہ شناس تھا اور ستاروں کی حرکتوں پر پورا یقین رکھتا تھا، نجومیوں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ امسال تمہارے اوپر زبردست خطرہ ہے، اس لیے کسی طرح زمین والوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاؤ، یہاں تک کہ یہ مدت گزر جائے۔

چنانچہ مشورہ کے مطابق اس نے ایک تہہ خانہ بنوایا اور اپنے تمام حکام کو بلوا کر اس نے اپنے بیٹے نزار کے بارے میں ضروری وصیتیں کیں، اس لڑکے کا لقب العزیز رکھا اور تمام معاملات اس کے واپس آنے تک کے لیے اس کے سپرد کر دیئے، ان تمام کاموں کے بعد خاموشی کے ساتھ وہ اس تہ خانہ میں داخل ہو گیا اور ایک سال تک لوگوں سے روپوش رہا،

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یہاں تک کہ ان مغاربہ کو یقین ہو گیا تھا کہ جب کبھی آسمان پر ابر دیکھتے اور وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے وہ گھوڑے سے اس خیال سے اُتر جاتے اور اسے سلام کرتے، اس خیال سے کہ معز اسی ابر میں ہے: فاستخف قومہٗ فاطاعوہ انھم کانوا قومًا فٰسقین۔ (اس نے اپنی قوم کو مغلوب کر دیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، یہ لوگ (پہلے سے بھی) شرارت کے بھرے تھے۔"

جب ایک برس گزر گیا وہ تہ خانہ سے باہر آ گیا اور شاہی تخت پر بیٹھ گیا، اور حسبِ معمول فیصلے کرنے لگا، اسی طرح ابھی صرف چند ہی دن گزرے تھے کہ اس کی تدبیر بیکار ہو گئی، اس کی مقدر قضا سامنے آ گئی، قسمت کا لکھا پورا ہو گیا، اور اسی سال اس کی موت آ گئی۔ مصر پر حکومت کرنے سے پہلے اور اس کے بعد مجموعی طور پر اس کی مدتِ حکومت تیئس برس پانچ ماہ دس دن رہی، جن میں مصر پر صرف دو برس نو ماہ اور باقی مدت دو مغربی ممالک پر رہی، اس کی عمر پینتالیس برس چھ ماہ کی تھی، کیونکہ اس کی ولادت افریقہ میں ۳۱۹ ہجری کے ماہِ رمضان کی دسویں تاریخ کو ہوئی اور وفات مصر میں سالِ رواں یعنی ۳۶۵ھ کے ماہِ ربیع الآخر کی سترہویں تاریخ کو ہوئی۔

العزیز کا عہد

اس کے بعد اس کا بیٹا العزیز ابو منصور نزار اس کا قائم مقام ہوا اور ممالک مغرب، مصر و حجاز کو اپنے تصرف میں لایا۔ الپتگین (الفتکین) معزی کے ساتھ جو خلیفہ عباسی الطائع للہ کی جانب سے شام کا حاکم تھا اور حسن بن احمد قرسطی کے ساتھ جو الپتگین کی مدد کو آیا تھا، العزیز کی جنگوں اور اس کا کامیابی کے واقعات تاریخ مغاربہ میں مرقوم ہیں۔ اس نے رمضان ۳۸۶ھ میں انتقال کیا۔ عزیز ایک نیک سیرت اور حد درجہ بردبار حلیم آدمی تھا۔ اس کی بردباری کی مثال یہ ہے حسن بن بشرو مشقی نامی ایک شاعر نے اس کی اس کے وزیر ابن کلس کی اور اس کے کاتب (سکریٹری) ابو نصر قیروانی کی ہجو میں یہ قطعہ کہا۔

قل لا بی نصر کاتب القصر
والمتانی لنقض تا الامر
انقض عری الملک للوزیر تفذد
منه بحسن الثناء والذکر
واعط وامنع ولا تخف احداً
فصاحب القصر لیس فی القصر
ولیس یدری ماذا یراد به
وهو اذا مادری فحا یدری

"دربارِ شاہی کے سیکریٹری ابو نصر سے جو اس امر حکومت فاطمی کی بربادی کی فکر میں لگا ہوا ہے کہہ دو! وزیر کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لیے معاملات ملک کو پراگندہ کر دو اس کی جانب سے حسن ستائش وحسن ذکر سے شاد کام ہو جاؤ گے۔ جسے چاہو عطا کرو جس سے چاہو دست عطا کو روک لو اور کسی سے نہ ڈرو کہ صاحب خانہ خلیفہ اپنے محل میں نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس سے کیا خواہش کی جاتی ہے جب اسے اس بات کا علم ہوگا تو کچھ نہ جان سکے گا۔"

ابن کلس نے جب عزیز سے اس شاعر کی شکایت کی اس کا قطعہ اسے سنایا تو اس نے جواب دیا کہ ہجو میں ہم سب شریک ہیں آؤ اسے معاف کرنے میں بھی میرے شریک ہو جاؤ۔ شاعر نے دوبارہ ان کی ہجو میں اشعار لکھے اور فوج کے قائد سردار فضل کا اس میں اضافہ کر دیا۔

تنصر فالتنصر دين حق
عليه زماننا هذا يدل
و قل بثلثة عزوا و جلوا
فيعقوب الوزير اب وبذا ال
عزيز ابن وروح القدس فضل

"نصرانی ہو جاؤ کیونکہ نصرانیت ہی سچا دین ہے۔ اس بات کی دلیل خود ہمارا یہ زمانہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کو عزت و بزرگی تین (تثلیث) سے ملی اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اسے بے کار سمجھ کر چھوڑ دو۔ سو یعقوب وزیر باپ ہے، یہ خلیفہ عزیز بیٹا ہے اور سپہ سالار فضل، روح القدس ہے۔"

وزیر نے دوسری بار عزیز کے سامنے یہ اشعار پڑھے اور شاعر کی شکایت کی ہر چند کہ اسے غصہ آیا مگر اس نے یہی کہا اسے معاف کر دو۔ چنانچہ اسے دوسری بار بھی معاف کر دیا گیا۔ تیسری دفعہ وزیر پھر عزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی عفو کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ اس سے حکومت کی بے رعبی ہوتی ہے اور اس شاعر نے اس بار آپ کو کہ عزیز ہیں، مجھے کہ وزیر ہوں اور آپ کے ندیم صاحب ابن زبارج کو اپنے اشعار میں

زبا رجي نديم وكلسي وزير
نعم على قدر الكلاب يصلح الساجور

"زبارجی ندیم و مصاحب ہے اور کلسی وزیر ہے۔ ٹھیک ہی تو ہے کتے کی مناسبت ہی سے اس کے گلے کا چوبی پٹہ ہوتا ہے۔ یعنی عزیز کتا ہے اور ندیم و وزیر اس کے گلے کا لکڑی کا پٹہ ہیں۔"

یہ سن کر عزیز کو غصہ آ گیا اور وزیر کو اس بات کی اجازت دے دی کہ شاعر حسن بن بشر دمشقی کا مواخذہ کرے اور اسے گرفتار کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر پھر اس حکم پر پشیمان ہوا اور اسے رہا کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ وزیر کو اس حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی اس لیے اس نے بعجلت اس شاعر کو قتل کرا دیا۔ عزیز کو اس واقعہ پر بڑا افسوس اور رنج ہوا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عزیز نے شام کی گورنری پر منشا بن ابراہیم یہودی کو اور مصر کی گورنری پر عیسیٰ بن نسطورس نامی ایک عیسائی کو مقرر کیا تھا۔ یہ دونوں اپنے اعتقاد کی بناء پر مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ ایک عورت نے العزیز کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ اے مسلمانوں کے امیر اس ذات کی قسم جس نے یہودیوں کو منشا بن ابراہیم سے عیسائیوں کو عیسیٰ بن نسطورس سے عزت بخشی اور مسلمانوں کو تجھ سے ذلت دی، تو میرے معاملہ پر غور کر، عزیز اس رقعہ سے متاثر ہوا اور ان دونوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا۔ عیسائی عیسیٰ بن نسطورس سے تین لاکھ مغربی دینار بطور جرمانہ وصول کئے اور مظالم کا تدارک کیا اور کچھ عرصہ کے لیے مسلمانوں کے خراج کو یہود و نصاریٰ پر عائد کر دیا۔

رسائل اخوان الصفاء

اسی دور میں رسائل اخوان الصفاء لکھے گئے۔

یہ وہ رسائل ہیں جن کے فلسفہ پر بہت سے حضرات سر دھنتے ہیں۔ ان رسائل سے متعلق ڈاکٹر زاہد علی نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ ان کی تعداد ۵۲ (باون) ہے اور ان تمام رسالوں کا خلاصہ ایک رسالہ میں لکھا گیا ہے جو ۵۳ واں ہے جس کا نام جامعہ ہے۔ اخوان الصفا کون تھے اور یہ رسائل کیوں لکھے گئے؟ اب تک متعین نہ ہو سکا۔ [1]

بہر حال سب اس پر متفق ہیں کہ انہوں نے اسماعیلی عقائد اور دعوت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہم تعارف کے طور پر تاریخ فاطمینِ مصر سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔

اخوان الصفاء کی حقیقت خود ان کی زبان سے

”اخوان الصفاء کہتے ہیں کہ ہم اہل عدل و ابناء احمد ہیں۔ ہم اہل بیتِ رسول ہیں، ہم علم خدا کے خازن ہیں اور علمِ نبوت کے وارث ہیں۔ ہمارا جوہر سماوی اور ہمارا عالم علوی ہے...... لوگوں نے شریعت کو ناپاک کر دیا، ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم اسے پاک کریں اور لوگوں کو یہ بتائیں کہ شریعت حقیقت میں حکمت اور فلسفے پر مبنی ہے...... ہمارے علوم چار قسم کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ پہلی قسم کتب حکماء اور فلاسفہ ہیں، دوسری قسم کتب انبیاء، تیسری قسم کتب طبیعت اور چوتھی قسم کتب الٰہیہ ہیں۔“

ڈاکٹر زاہد علی اخوان الصفاء کے مسائل کا یونانی فلسفہ سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ورنہ اکثر مسائل میں حکماء یوناں کی تقلید کی ہے جیسا کہ انہوں نے خود اعتراف کیا ہے۔“

1۔ اسماعیلیہ کی فطرت میں اخفاء کس حد تک تھا اور اب تک ہے۔ اس کی ایک مثال گزشتہ صدی میں بھی موجود ہے۔ مستشرق، سلوسٹر دی ساسی نے ۱۸۰۹ء میں فرانس میں ایک مقالہ حشیشین (نزاریوں) سے متعلق پڑھا۔ اس کا جواب اسماعیلیہ کی طرف سے اخبار میں ایک خط کے ذریعہ دیا گیا۔ ڈی ساسی نے جواب الجواب اسی اخبار میں چھپوایا۔ وہ لکھتا ہے:

”اس خط پر دستخطوں سے شبہ گزرتا ہے کہ اس کے پس منظر میں ایک معروف شخصیت ہے۔ اگر وہ صاحب اپنا نام ظاہر کر دیتے تو شاید اس سے اعتراضات کا وزن بڑھ جاتا۔“ (فان ہمیر۔ صفحہ ۲۹۹)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ڈاکٹر زاہد علی نے اخوان الصفاء کے رسائل سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے۔اسی طرح دیگر کتابوں میں بھی اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے مگر سب کا نچوڑ یہ ہے جو بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اخوان الصفاء کے رسائل مرتب کرنے والوں کے دل و دماغ پر جملہ قدیم فلسفوں کا غلبہ تھا اور ان کا مقصد اسلام میں ان فلسفوں کو کسی طرح داخل کرنا تھا۔(جس میں وہ الحمدللہ کامیاب نہ ہوسکے)

اب ہم اخوان الصفاء سے متعلق ابوحیان توحیدی کے جواب سے اقتباس پیش کرتے ہیں جو اس نے ۳۷۳ھ / ۹۸۳ء میں عباسیوں کے وزیر صمصام الدولہ بن عضدالدولہ کے سوال پر دیا تھا۔

> ''میں نے یہ رسالے دیکھے۔ان میں ہر فن کے مسائل بیان کیے گئے،لیکن اس قدر اختصار سے کہ پڑھنے والے کو تشفی نہیں ہوتی۔ ان میں خرافات، کنایات اور تلفیقات ہیں۔ میں نے متعدد رسالے اپنے شیخ ابوسلیمان محمد بن بہرام المنطقی السجستانی کو دکھلائے۔شیخ نے بڑی مدت تک ان کا مطالعہ کیا اور کہا کہ ان لوگوں نے بہت مشقت کی مگر کوئی بات پیدا نہ کرسکے، بڑی تکلیف اٹھائی مگر کچھ نتیجہ نہ نکال سکے، پانی کی تلاش میں بہت گھومے مگر چشمے پر پہنچ نہ سکے۔ بہت کچھ راگ الاپے مگر طرب نہ پیدا کرسکے۔ ناممکنات کو وجود میں لانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے۔(تاریخ فاطمینِ مصر حصہ دوم صفحہ ۲۲۹)''[1]

حاکم کا دور

عزیز کے بعد اس کا بیٹا حاکم ابوعلی منصور گیارہ سال کی عمر میں اس کا جانشین ہوا۔اس کے باپ میں جس قدر حلم تھا اس میں اسی قدر طیش و جنون تھا۔اس نے اہل مصر پر بہت ظلم و ستم کیا۔اس کا معمول تھا کہ جب دربار کرتا تو لوگوں کی درخواستیں اس کے سامنے پیش ہوتیں وہ ان کی سماعت کرتا اور ان میں جو باتیں درج ہوتیں ان سے انکار نہ کرتا تھا۔جب یہ درخواستیں اس کو دی جاتی تو ان میں سے زیادہ تر ایسی ہوتیں جن میں اسے اور اس کے باپ دادا کو گالیاں لکھی ہوتیں تھیں اور اس کے نسب کے فساد و خرابی کا بیان ہوتا تھا۔پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے ایک عورت کا کاغذی پتلا بنا کر اسے چادر اوڑھائی اور زنانہ لباس میں ایک سربند خط ہاتھ میں تھما کر حاکم کی گزرگاہ میں کھڑا کر دیا۔جب حاکم وہاں سے گزرا اور وہ درخواست اس کے ہاتھ میں پہنچی تو اس میں اس کے اور اس کے اسلاف کے بارے میں گالیاں اور رسوائیاں بڑی تفصیل سے درج تھیں۔خط پڑھ کر اسے بہت غصہ آیا اس عورت کو سامنے لائے جانے کا حکم دیا۔جب لوگ اس کے پاس گئے تو وہ صرف ایک پتلا تھا۔اس نے غصہ میں اپنے غلاموں اور فوجیوں کو مصر کو جلا دینے کا اور وہاں کے باشندوں کو جان سے مار ڈالنے کا حکم دیا۔مصری اپنی مدافعت اور اپنے ناموس کی رسوائی کے دفاع میں ڈٹ گئے اور مصر کے جن مقامات پر لوگ مدافعت سے عاجز رہے۔وہاں حاکم کے آدمیوں نے آتش زنی، غارت گری اور کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔حاکم روزانہ

1۔مقدمہ احمد زکی پاشا بحوالہ اسماعیلیہ ص ۱۷۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان بربادیوں کے معائنہ کے لئے نکلتا تھا اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ سارے مظالم اس کے رضاء واجازت کے بغیر ہی لوگوں پر توڑے جارہے ہیں۔ اس صورت حال کے تیسرے دن مصر کے مشائخ ومعززین نے جامع مسجد میں پناہ لی اور لکڑیوں پر قرآن بلند کئے اور حاکم سے فریاد کی کہ اگر یہ مظالم تیرے حکم واجازت کے بغیر ہورہے ہیں تو ہم تیری رعایا اور غلام ہیں، ہمیں مفسدوں کی مدافعت کی اجازت دے۔ حاکم نے کہا کہ اس فساد کا حکم میں نے نہیں دیا ہے تم بھی ان کی مزاحمت کرو اور دوسری جانب اس نے فوجیوں سے کہا کہ تم اپنے کام میں لگے رہو۔ جب شہریوں اور سرکاری سپاہیوں میں لڑائی ہوئی تو شہریوں کی بھیڑ نے سپاہیوں کو مار کر بھگادیا اور قاہرہ کے دروازے تک جو حاکم کی قیام گاہ تھا ان کا پیچھا کیا۔ حاکم اس سے ڈر گیا اور سپاہیوں کو ظلم وتعدی سے روک دیا۔ مختصر یہ کہ اس واقعہ میں مصر کے شہر قدیم فسطاط کا ایک چوتھائی حصہ جل کر راکھ ہو گیا، ایک حصہ لوٹ کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اہل مصر کے قدیم ناموس کے ساتھ حاکم کے غلاموں نے بڑے فحیتے کیے یہاں تک کہ شہر کے رواداراور عزت دارلوگوں نے شرم سے خودکشی کرلی۔

حاکم کی عادت تھی کہ وہ راتوں کو شہر کے بازاروں میں گھومتا رہتا اور رعایا کے حالات کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا تھا۔ اس نے بوڑھی عورتوں کو گھریلو خواتین کے حالات کی جستجو وتلاش کے لیے مقرر کیا تھا۔ یہ بوڑھیاں لوگوں کے گھروں میں آتی جاتیں اور جمیل ستر پردہ داروں، رواداروں اور عورتوں کے بارے میں جھوٹ سچ باتیں حاکم تک پہنچاتی رہتی تھیں۔ حاکم نے اس حیلہ سے بہت سی عورتوں کو قتل کروادیا اور یہ منادی کرادی کہ عورتیں اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں، گھروں کی چھتوں اور کوٹھوں پر نہ چڑھیں اور موچی عورتوں کے جوتے نہ بنائیں۔ اس نے شراب پینے کی بھی ممانعت کردی تھی مگر جب اس نے دیکھا کہ لوگ شراب خوری سے باز نہیں آتے تو حکم دے دیا کہ انگور کی بیلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ اس کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ اپنے ہاتھ سے رقعے لکھتا، ان میں سے بعض میں یہ لکھتا کہ اس رقعہ کے حامل کو ہزار دینار یا فلاں شہر یا اس کو گراں بہا خلعت دے دیں اور بعض رقعوں میں یہ لکھتا تھا کہ جس کے پاس یہ رقعہ ہو اسے قتل کردیا جائے یا اس سے اسقدر مال بطور جرمانہ وصول کیا جائے یا یہ کہ اس کے فلاں عضو کو کاٹ کر اسے عیب دار وعضو بریدہ کردیا جائے۔ پھر وہ ان رقعوں کو موم، عنبر اور طین مختوم مہر کی مٹی سے سربند کرتا اور دربار کے دن انہیں لٹاتا تھا ہر شخص اپنے بخت ونصیب کے مطابق حرص سے ان رقعوں میں سے ایک اٹھالیتا اور متعلقہ کارپردازوں کے پاس لے کر جاتا جو کچھ اس رقعہ کا مضمون ہوتا اسی وقت اسے نافذ کردیا جاتا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ یہود ونصاریٰ گھوڑوں اور خچروں پر سوار ہوکر نہ نکلیں۔ اور لوہے کی رکاب نہ استعمال کریں ان میں سے ہر ایک کی گردن میں چند گھنٹیاں بندھی رہیں تاکہ ان میں اور مسلمانوں میں امتیاز کیا جاسکے اور فرق باقی رہے۔ تمام اہل مصر کیا مسلمان کیا ذمی اس کے برے افعال اور ناپسندیدہ احکام سے رنجیدہ ملول تھے۔ خود اس کے اہل حرم واہل خانہ وخواص اس سے بیزار ہوگئے تھے۔

حاکم کے مظالم کا ایک اور دردناک واقعہ پیش کیا جاتا ہے:

''مارہ جودریہ یہود کا ایک محلہ تھا، جس میں یہ لوگ رہتے اور گایا بجایا کرتے تھے اور ایسے شعر گاتے تھے جن سے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اسلام کی توہین اور مسلمانوں کی دل شکنی ہوتی تھی۔ حاکم نے اس محلہ کو گانے والوں کے ساتھ جلوادیا۔" (اسلام نے تو موذی جانوروں کو بھی جلانے سے منع کیا ہے)

"حسین بن علی بن نعمان چھ سال قضا کے عہدہ پر مامور رہا (اس عہدہ پر مامور داعی الدعاۃ بھی ہوتا تھا) ۳۹۵ھ میں حاکم نے اسے قتل کرا کے اس کی لاش آگ میں ڈلوادی۔"

تاریخ کے طالب علم کے لئے ان واقعات میں کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ واقعات اس شخص کے دورِ خلافت/ امامت کے ہیں جس کو (نعوذ باللہ) خدا مانا گیا اور اس کی وجہ سے فرقہ دروز وجود میں آیا۔

مشہور مؤرخ لین پول کا بیان بڑا دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"حاکم کے آخری زمانے میں اس پر ایک نئے جنون کا دورہ پڑا۔ اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں حلول کر گیا ہے۔ اس نے اپنے مریدوں پر جبر کیا کہ وہ اسے پوجیں۔ جب اس کا نام لیا جاتا تو اس کے مرید راستے میں یا اس کے محل میں جہاں کہیں بھی ہوتے سجدے کے لئے جھک جاتے تھے۔ یہ شیعی باطنی تصوف کا انتہائی نتیجہ ہے۔[1] (یہ تاثر مشہور مؤرخ لین پول کا ہے)

دار الحکمت کا قیام

۳۹۵ھ میں الحاکم نے قصر غربی کے قریب ایک دار الحکمت قائم کیا۔ اس کی اصل غرض و غایت شیعی علوم کی اشاعت تھی، یہ صحیح ہے کہ اس میں قاری، نجومی، ادیب، منجم اور طبیب بھی مقرر کیے گئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اہل سنت کی تعلیم موقوف کر دی گئی۔ اور کئی اساتذہ جن میں فقیہ ابو بکر الانطا کی وغیرہ شامل تھے قتل کر دیئے گئے، تقریباً دس سال بعد اس مدرسے کے دینی شعبہ کی حالت بھی خراب ہو گئی۔ جیسا کہ داعی احمد حمید الدین الکرمانی کے قول سے واضح ہے کہ جب میں ہجرت کر کے حضرت بنویہ وعلویہ میں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ رسوم دعوت میں خلل پڑ گیا ہے۔ مجالس الحکمۃ کی پابندی چھوٹ گئی ہے، "اعلیٰ اسفل اور اسفل اعلیٰ" ہو گئے ہیں۔ اولیائے دعوت ہادیہ ایسی ہولناک پریشانیوں میں مبتلا ہیں کہ ان کے سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو فاسق کہتا ہے۔ بعض غلو کی چوٹی پر پہنچ گئے ہیں۔ بعض اس قدر پستی میں گر پڑے ہیں کہ ان کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ گیا ہے۔"

آخر کار اس کو وزیر افضل نے ۵۱۷ / ۱۱۲۳ھ میں ال آمر باحکام اللہ کے عہد میں مذہبی جھگڑوں کے خوف سے بند کر دیا۔ خوف کی بنیاد ظاہر ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مصر میں اسماعیلیت فروغ نہ پا سکی، لہٰذا شیعی تعلیم کو عوام کیسے قبول کرتے۔ اس مدرسہ کو کچھ عرصہ بعد دوسری جگہ جاری کیا گیا۔[2]

حاکم کی عبرتناک موت

1۔ تاریخ فاطمیین مصر۔ حصہ دوم صفحہ ۲۵۰
2۔ اسماعیلیہ۔ ص ۱۷۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حاکم نے اپنی بہن ست الملک پر ابن دواس نامی ایک امیر کے ساتھ جو اس کا مقدم جیوش سپہ سالار تھا، ناجائز جنسی تعلقات کی تہمت لگائی۔ اس کی بہن نے یہ بات ابن دوراس کے پاس کہلا بھیجی۔ چنانچہ یہ دونوں حاکم کو قتل کر دینے اور اس کے بجائے اس کے بیٹے علی کو تخت نشین کرنے پر متفق ہو گئے اور آپس میں اس پر عہد و پیمان کر کے اسے جان سے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے ابن دوراس کے دو غلاموں کو ایک ہزار دینار دیا تاکہ وہ قاہرہ کے نزدیک جبل مقطم پر گھات میں رہیں اور جب حاکم اپنے ہمرکاب لڑکے کے ساتھ حسب قرار وہاں پہنچے تو ان دونوں حاکم اور اس کے ہم رکاب لڑکے کو قتل کر دیں۔ حاکم کو علم نجوم میں دخل تھا اور اس نے یہ حکم لگا دیا تھا کہ یہ رات اس کے لیے قطعی ہو گی (آن شب اور اقطعی خواہد بود) کہ اگر وہ اس سے صحیح سلامت گزر گیا تو اس کی عمر اسی سال سے بھی زیادہ ہو گی۔ اس نے یہ بات اپنی ماں سے بھی کہی تھی۔ ماں نے اس کی بڑی منت سماجت کی کہ اگر تو آج رات گھر سے باہر نہ جائے تو تیرے لیے بہتر ہو گا۔ اس نے اپنی ماں کی بات مان لی۔ جب صبح کاذب کا وقت ہوا تو اس پر بے قراری کا غلبہ ہوا، سکون اور آرام کی طاقت نہ رہی اسے کسی صورت قرار نہیں آتا تھا۔ جتنا بھی اس کی ماں روتی اور اس کا دامن پکڑ کر اسے روکتی اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس نے کہا کہ اگر میں اس گھڑی باہر نہ گیا تو میری روح میرے جسم سے پرواز کر جائے گی۔ چنانچہ وہ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق رکاب کے لڑکے ہم رکاب رہنے والے خادم کے ساتھ جبل مقطم کی جانب چل پڑا۔ جو غلام چھپے ہوئے تھے اپنی کمین گاہ سے نکل کر انہوں نے حاکم اور اس کے ہمرکاب خادم کو مار ڈالا اور اس کی لاش کو چھپا کر اس کی بہن کے پاس لائے جس نے اسے اپنے محل میں دفن کرا دیا۔ اس راز سے ان لوگوں کے سوا کوئی اور واقف نہ ہوا۔ بعد ازاں ان لوگوں نے وزیر کو تاکید اور حلف قسم کے بعد اس راز سے آگاہ کیا۔ جب وزیر کو حاکم کی ہلاکت کا علم ہو گیا تو وہ (ابن دواس اور ست الملک) کے ساتھ تدبیر کار اور لوگوں کو مطمئن کرنے میں متفق ہو گیا اور حاکم کے غائب ہونے کے بارے میں یہ بہانہ کیا کہ وہ سات دن کے لیے غائب ہوا ہے اس کے بعد واپس آ جائے گا۔ یہ لوگ ہر روز کسی کو لاتے جو یہ کہتا کہ اس نے حاکم کو فلاں مقام پر دیکھا ہے اس طور سے انہوں نے اس کی ہلاکت کو لوگوں سے مخفی رکھا۔

ظاہر کی حکومت

آخر کار انہوں نے اعیان و ارکان حکومت کو حاکم کی موت کی اطلاع دی ان لوگوں نے عہد و پیمان اور عطیات و انعام دینے کے بعد اس کے بیٹے ابوالحسن علی کی بیعت کی اور اسے الظاہر باللہ کا لقب دیا اور اسکی تخت نشینی کے بعد حاکم کے انجام و ہلاکت کا اعلان و اظہار کیا گیا۔ وزیر نے ابن دواس کو خلعت فاخرہ عطاء کی اور اسے ملک کے معاملات میں بااختیار بنایا اس کے بعد نسیم نامی خادم کو بلایا جو قصر شاہی کا قہرمان اور شاہی غلاموں کا افسر اعلیٰ مہتر تھا خلیفہ کی حفاظت کی غرض سے شمشیر بردار غلام ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے۔ وزیر نے اس نسیم خادم کے ساتھ ابن دواس کو قتل کر دینے کی سازش کی اور فریب سے ان سو غلاموں کو ابن دواس کی سواری کے ساتھ لگا دیا۔ ایک روز جب ابنِ دواس قصر شاہی میں آیا تو نسیم خادم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے قصر کے دروازے بند کر دیئے وہ کود تو ان کی حفاظت کے لیے وہاں شہر گیا مگر غلاموں سے کہا کہ ہمارے آقا ظاہر فرماتے ہیں کہ ابن دواس میرے باپ حاکم کا قاتل ہے، لہٰذا اسے قتل کر دے۔

ان غلاموں نے ابن دواس کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اور اسے جان سے مار ڈالا۔ اسی دوران ستالملک نے ان تمام لوگوں کو جو اس کے ساتھ حاکم کے قتل میں شریک یا اس راز سے واقف تھے درمیان سے اٹھالیا یعنی ان سب کو قتل کرا دیا اور خود حکومت کے معاملات کے انصرام اور مملکت کے مصالح کے انتظام میں تن تنہا با اختیار ہوگئی اس کی ہیبت ارباب حل و عقد و اعیان دولت کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ حاکم کا قتل اور خلق خدا کی اس کے ظلم و ستم اور افعال لئیمہ و اخلاق نعمہ سے نجات شوال ۴۱۱ھ میں ہوئی وہ ملک الموت (فرشتۂ موت) سے مالک داروغہ دوزخ کے پاس منتقل ہو گیا۔ ظاہر نے پندرہ سال تک خلافت کی اور اس نے ۱۵ شعبان ۴۶۷ھ کو انتقال کیا۔

مہدی کے نسب پر محضر

۴۰۱ھ معتمد الدولہ ابو منیع قرواش بن مقلد عقیلی سے جو عباسی خلفاء کی جانب سے خلیفہ القادر باللہ کے عہد میں موصل کا حاکم تھا، فاطمی خلیفہ الحاکم نے خط و کتابت کا آغاز کیا وہ اس کے پاس مصر سے برابر تحفے اور عطیے بھیجتا اور اسے اپنی بیعت کی دعوت دیتا تھا۔ چنانچہ معتمد الدولہ نے اس کی دعوت قبول کر لی اور موصل کے باشندوں کو الحاکم کی اطاعت و القادر کی مخالفت پر آمادہ کرنا شروع کیا، وہ الحاکم کے نام کا خطبہ پڑھنے لگا۔ بعد ازاں معتمد الدولہ وہاں سے کوفہ آیا اور وہاں بھی اس نے الحاکم کے نام کا خطبہ جاری کیا۔

اس زمانے میں بہاء الدولہ ابن عضد الدولہ فارس گیا ہوا تھا جب اسے اس بات کی اطلاع ہوئی تو اس نے معتمد الدولہ کے پاس آدمی بھیجے اور اس پر سختی کی۔ معتمد الدولہ اپنے کیے پر پشیمان ہوا الحاکم کی اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا اور اپنے علاقے میں القادر باللہ کے نام کا خطبہ پھر جاری کر دیا۔ اس پر وہ دار الخلافت بغداد سے گراں بہا خلعت کا سزاوار ٹھہرا۔ اس واقعہ کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں درج ہے۔

۴۰۲ھ کے ماہِ ربیع الآخر میں بغداد کے علماء نے بغداد میں ایک مجلس منعقد کی جس میں فاطمیوں یعنی شاہان مصر کے نسب پر عیب اور طعن اور تشنیع کا فیصلہ کیا، اس لیے کہ حقیقت میں وہ لوگ فاطمین نہیں تھے۔ اس کا فیصلہ ایک بہت بڑی جماعت علماء، قضاۃ، معزز شہری، دیندار، نیکوکار، فقہاء اور محدثین سب کا مشترکہ تھا، ان تمام حضرات نے اس بات پر متفقہ طور پر گواہی دی کہ مصر کا الحاکم جس کا نام منصور بن نزار اور لقب الحاکم ہے یہ نزار ابن سعد بن اسماعیل بن عبداللہ بن سعید ہے یہ الحاکم جب مغربی ممالک گیا تو اس نے وہاں اپنا نام عبید اللہ اور لقب المہدی اختیار کیا ہے اور یہ کہ اس کے تمام سلف خوارج کے دعویداروں میں سے ہیں، ان کا نسب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نسب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے، وہ تو ان کے باطل عقیدوں سے بالکل بری تھے اور یہ کہ اس شخص نے جن عقیدوں کی دعوت دی ہے وہ سب لغو اور باطل

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہیں۔ اور یہ محترم حضرات ان میں سے کسی کو بھی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خاندان والوں سے نہیں جانتے ہیں، اس لیے انہیں جھوٹے خارجی کہنے سے توقف کرتے ہیں اور ان کے باطل عقیدوں کا غیر معروف ہونا حرمین شریفین میں مشہور ہو چکا تھا۔

مصر کا یہ بادشاہ الحاکم خود اور اس کے تمام اگلے سربراہان کافر، فاجر، فاسق، ملحد، زندیق، فرقہ معطلہ سے تعلق رکھنے والے اسلام کے منکر اور مذہب مجوسیت اور ثنویت کے معتقد تھے۔ ان تمام لوگوں نے حدود شرعیہ کو بے کار کر دیا تھا۔ حرام کاریوں کو مباح کر دیا تھا۔ مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہایا۔ انبیاء کرام کو گالیاں دیں، اسلاف پر لعنتیں بھیجیں۔ خدائی کے دعوے کیے، یہ ساری باتیں سن ۴۰۲ھ میں ہر طبقہ کے بے شمار آدمیوں کی موجودگی میں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ علویوں میں سے المرتضیٰ، الرضی، ابن الارزق الموسوی، ابوطاہر بن ابی الطیب محمد بن محمد بن عمرو بن ابی یعلی ہیں اور قاضیوں میں ابومحمد بن الاکفانی، ابوالقاسم الجزری، ابوالعباس بن الشیوری ہیں اور فقہاء میں ابوحامد الاسفرایینی ابومحمد الکسفلی، ابوالحسن القدوری، ابوعبداللہ الضمیری، ابوعبداللہ البیضاوی ابوعلی بن حمکان ہیں اور گواہوں میں ابوالقاسم التنوخی اپنی بڑی جمعیت کے ساتھ اور بہت سے لوگوں نے اس میں دستخط کیے ہیں، یہ عبارت ابوالفرج بن الجوزی کی ہے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

> ”میں یہ کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے جھوٹے اور مدعی ہونے کے ثبوت میں وہ عبارتیں ہیں جو گزشتہ عبارات بالا حضرات آئمہ کرام اور فقہاء عظام کی گزر چکی ہیں، ان کے علاوہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کچھ بھی نسبی تعلق ہونے پر ان کے دعوے کے غلط ہونے کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ جو انہوں نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو عراق کے سفر کا قصد کرنے پر دیا تھا۔ جب کہ کوفہ کے عوام نے ان کو بیعت کرنے کے لیے مسلسل خط لکھے تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا تھا کہ آپ ان کے پاس کسی قیمت پر نہ جائیں۔ کیونکہ مجھے اس بات کا سخت خطرہ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ آپ کو قتل کر دیں گے۔ آپ کے نانا جان کو دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کے قبول کر لینے کا اللہ پاک کی طرف سے اختیار دیا گیا تھا، تو انہوں نے دنیا پر آخرت کو اختیار کر لیا اور آپ بھی ان کے گوشہ جگر ہیں اس لیے اللہ کی قسم نہ آپ اور نہ آپ کے بعد آپ کے خاندان یا اہل بیت کا کوئی شخص اس دنیا کو پا سکتا ہے تو جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کلام اور مشورہ سو فیصد صحیح اور قابل قبول ثابت ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل بیت میں سے سوائے محمد بن عبداللہ المہدی جو آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوں گے، کسی اور کو دنیاوی خلافت مکمل طور پر حاصل نہ ہو گی کیونکہ وہ دنیا سے متنفر رہیں گے، اس سے اپنے دامن کو بھرنے نہ دیں گے۔ اب جب کہ یہ بات محقق ہو چکی کہ یہ الحاکم اور ان کے آباء نے مصریوں پر زمانہ دراز تک حکومت کر لی ہے تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ یہ لوگ اہل بیت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں سے نہیں ہیں جیسا کہ فقہاء کرام کی مذکورہ بالا عبارتوں سے وضاحت ہوتی ہے۔

قاضی الباقلانی نے ان مدعیوں کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "کشف الاسرار و ہتک الاستار" رکھا ہے، جس میں ان کی برائیوں اور رسوائیوں کو واضح کر دیا ہے، ہر ایک کے سامنے ان سبھوں کی حقیقت واضح کر دی ہے اور ان کی حد پر وہ سارے حالات اور اقوال کی اچھی طرح وضاحت کر دی ہے۔

قاضی الباقلانی اپنی عبارت میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ظاہر میں تو رافضی تھے مگر باطن میں کافر محض تھے۔ واللہ سبحانہ اعلم

آخر میں ہم اس محضر نامہ کے متن کا ترجمہ تاریخ اسماعیلیہ کے حوالے سے پیش کئے دیتے ہیں۔ جو فاطمیوں کے نسب کے بارے میں علماء بغداد نے رقم کیا تھا:

محضر کا ترجمہ

اس ترجمے میں متن کے ایک ایک لفظ کو باقی رکھا گیا ہے، چنانچہ بعض لعنت و بد دعاء کے الفاظ بھی برقرار رکھے گئے ہیں جن کی بصورت دیگر کوئی ضرورت نہ تھی۔

"اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ یہ وہ محضر ہے جس کی شاہدوں نے شہادت دی ہے کہ معد بن اسماعیل جس نے مصر پر قبضہ کیا وہ معد بن اسماعیل بن عبدالرحمان بن سعید ہے۔ اور یہ لوگ اس ویصان بن سعید کی جانب منسوب ہیں، جس کی طرف فرقہ ویصانیہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ سعید مذکور المغرب (شمالی افریقہ) چلا گیا اور اس نے وہاں اپنا نام عبداللہ اور لقب المہدی رکھ لیا۔ یہ شخص جو مصر میں اس زمانے میں ظاہر ہوا ہے اور جس کا نام منصور اور لقب الحاکم ہے، اللہ اسے ہلاک و نیست و نابود کر دے، یہ بیٹا ہے نزار کا اور وہ معد کا فرزند ہے جو اسماعیل کا بیٹا ہے اور اسماعیل بیٹا ہے عبدالرحمان کا جو سعید کا فرزند ہے۔ اس الحاکم کے ناپاک و جنس اسلاف، ان پر اللہ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔ جھوٹے مدعی نسب یعنی مجہول النسب اور خوارج ہیں جن کا کوئی نسب علی ابن ابی طالب کی اولاد میں نہیں ہے اور یہ لوگ علی ابن طالب سے کسی سبب سے بھی وابستہ نہیں ہیں۔

اور یہ جو انہوں نے حضرت علی ابن طالب کی جانب اپنے نسب کا دعویٰ ہے، وہ باطل اور جھوٹ ہے۔ آل ابی طالب کے گھرانے والوں میں سے کسی نے بھی ان مصری حکمرانوں کے متعلق یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں اور آل علی کے نسب سے خارج ہیں۔ یہ لوگ جھوٹے نسب کے دعویٰ دار ہیں۔ ان لوگوں کے جھوٹے دعویٰ کا یہ انکار حرمین (مکہ مدینہ) میں مشہور رہا ہے اور ان کے اقتدار حاصل کرنے کے آغاز میں المغرب (شمالی افریقہ) میں بھی بہت زیادہ اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ یہ شخص جو مصر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں ظاہر ہوا ہے۔ یعنی الحاکم وہ خود اور اس کے آباؤ اجداد کافر، فاسق، زندیق، معطلہ (شریعت کو معطل و موقوف سمجھنے والے) اور اسلام کے انکاری ہیں۔ یہ لوگ ثنویہؔ و مجوسیہ کے مذہب کے معتقد اور ماننے والے ہیں۔ انہوں نے حدود شریعہ کو معطل کر دیا، شرم گاہوں کو مباح کر لیا، شراب حلال کر دی، بے گناہوں کا خون بہایا، انبیاء کو گالیاں دیں اور ربوبیت (خدائی) کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ محضر ربیع الاخر ۴۰۲ھ میں تحریر کیا گیا۔ اس پر علوی شرفاء میں سے المرتضیٰ موسوی و الرضی موسوی اور ان کی ایک جماعت نے شہادت دی۔ اور معتبر فقہاء میں سے شیخ ابو حامد الاسفرائینی ابوالحسن القدوری قاضی القضاۃ ابو محمد بن الاکفانی و ابو عبداللہ البیضاوی نے شہادت (گواہی) ثبت کی۔"

اس محضر کو بغداد اور دوسرے اسلامی شہروں کی مساجد کے منبروں پر لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا۔ (تاریخ اسماعیلیہ سے ماخوذ)

"عبیداللہ المہدی جو پہلا فاطمی خلیفہ ہوا اس کے متعلق اور بھی بہت کچھ لکھنے کے لئے ہے لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا نام عبداللہ تھا، اس نے تقیہ کر کے اپنا نام عبیداللہ رکھا۔ اور یہ راز ہی رہا حتیٰ کہ یہ خلافت "خلافت عبیدیہ" کہلائی اور اس خاندان والوں کو "عبیدیون" کہا گیا۔ اس قسم کی باتیں تو دنیاوی غیر معصوم حکمرانوں کو بھی زیب نہیں دیتیں لیکن جو شخص دینِ حق کا داعی ہو اس کے شایانِ شان کیسے ہو سکتی ہیں؟ اور اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس کے پیرو جن بنیادوں پر اس کو مامور من اللہ اور معصوم سمجھ رہے ہیں وہ ہی ابھی تک زیر بحث ہیں۔

اسی نوعیت کی متضاد باتیں امام ال مستنصر باللہ کے بیٹے نزار (جس کو امام ماننے والے نزاری کہلائے) کے متعلق مورخین نے لکھی ہیں۔ مستعلویہ کو تو اس سے ہی انکار ہے کہ ال مستنصر باللہ کے بیٹے نزار کا کوئی بیٹا زندہ بھی باقی بچا تھا۔ امام نزار پر امام المستنصر کی نص سے متعلق ایک سخن گسترانہ بات ذہن میں آ گئی جسے پیش کیا جاتا ہے:

اے۔ اے۔ فیضی صاحب ہمارے ملک کی ایک نامور شخصیت تھے، وہ اسماعیلیہ (نزاری) تھے۔ انہوں نے امام نزار پر امام ال مستنصر کی نص سے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا۔[1] اس میں ایک نکتہ یہ بھی پیش کیا گیا کہ امام ال مستنصر باللہ کا اپنے دوسرے بیٹے احمد مستعلی پر اپنی عمر کے آخری حصہ میں نص کرنا سمجھ میں نہیں آتا جبکہ ان کا دورِ امامت ۶۰ سال رہا۔ آخر امام موصوف نے اس سے قبل ایسا کیوں نہیں کیا، خیر یہ جھگڑا تو نزاریوں اور مستعلویوں کا ہے، ہم تو نزاری حضرات سے صرف اتنا عرض کریں گے کہ اگر اسی دلیل کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی امیر المومنین حضرت علیؓ کی نامزدگی پر غور کر لیا جائے تو اگر تمام امامیہ برادری کے نہیں تو کم از کم اہل سنت اور نزاریوں کے درمیان اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔[2]

ظاہر کے بیٹے المستنصر کی تخت نشینی کا بیان

1۔ تاریخ ائمہ اسماعیلیہ صفحہ ۲۶، ۲۷۔ حصہ سوم

2۔ اسماعیلیہ۔ ص ۱۶۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جب ظاہر کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے ابو تمیم معد کی عمر صرف سات سال تھی۔ اسے تخت خلافت پر بٹھایا گیا اور اس کا لقب مستنصر رکھا گیا۔ یہ بھی دیوانگی کی کثرت اور عقل کی قلت کے لیے مشہور تھا۔ اپنے افعال میں تلون اور اپنے اعمال میں تضاد کے باعث نیز غیر ضروری مصارف میں فضول خرچی اور جائز اخراجات کے موقع پر بخل کے سبب مستنصر دیوانہ کے نام سے اس کی شہرت تھی۔

اس کی عجیب وغریب داستانیں، جو خلفاء وسلاطین کے طور طریقوں سے نہایت مختلف ہیں، کتابوں میں درج اور تاریخ میں مذکور ہیں۔ یہاں ایک دو باتیں جن سے مستنصر کے افعال کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے درج کی جاتی ہیں۔ اس کی فضول خرچی اسراف کی ایک مثال یہ ہے۔ اپنے خزانے سے نہایت بیش بہا موتی منگواتا اور اسے پیس کر سرمہ کر دیتا اور پھر اس سرمہ کو پانی میں بہا دیتا تھا۔ اس کی کنجوسی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ اہل لشکر کو مقررہ تنخواہوں اور معینہ رقوم کی ادائیگی سے انکار کر کے اس حد تک پریشان کر دیتا تھا کہ وہ شور وغل مچانے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ ان بے تنخواہ سپاہیوں نے اسے قصرِ شاہی میں محصور کر دیا اور اپنی تنخواہوں کا مطالبہ کیا، اس نے بخیلی اور کنجوسی کی عذر خواہی کے بطور اپنے دست خاص سے ایک رقعہ لکھ کر اہل لشکر کے پاس بھیجا جس کا مضمون یہ تھا میں اپنے اللہ کے سوا جو میرے حال پر مہربان ہے کچھ نہیں رکھتا، بندے اللہ کے غلام ہیں بخشش بخل سے بہتر ہے۔ اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ (القران، سورہ شعراء: ۲۲۷) مستنصر کی باقی حرکتیں انہی واقعات کے مطابق تھیں ان سے انہیں قیاس کیا جا سکتا ہے۔

مستنصر نے اسی نہج پر زندگی گزار دی اور ساٹھ سال تک خلافت کے بعد ذی الحجہ ۴۸۷ھ کو فوت ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ہم انہیں اس لیے مہلت دیتے ہیں تا کہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہو۔“

(القرآن، سورۃ آل عمران، آیت ۱۷۷)“

مستنصر کے بیٹے

مستنصر کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام ابو منصور نزار تھا پہلے اس نے اس ولی عہد بنایا اور اسے المصطفیٰ لدین اللہ کا لقب عطا کیا۔ اس کے بعد وہ اس پر پشیمان ہوا اور اسے ولی عہدی سے علیحدہ کر کے اپنے دوسرے بیٹے ابو القاسم احمد کو اپنا ولی عہد بنایا اور المستعلی باللہ کا لقب دیا۔ مستنصر کی موت کے بعد بدعت کے ائمہ اور ارکان واعیان دو گروہ میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نزار کی امامت کا قائل ہو گیا کیونکہ اعتبار تو پہلی ہی نص کا ہوتا ہے عراق، شام، قومس وخراسان کے ملاحدہ کا تعلق اس گروہ سے ہے اور انہیں نزاریہ کہتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے مستعلی کی امامت کو درست گردانا یہ لوگ مصر اور اس دیار کے اسماعیلی ہیں اس گروہ کو مستعلویان کہتے ہیں۔

حسن بن صباح

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حسن بن صباح نے اسی مستنصر کے دور خلافت میں دیلم کے ملک میں اپنی دعوت کو ظاہر کیا، اس کا بیان بعد کیا جائے گا۔

نزاریہ ملحد ہیں

نزاریہ کے گروہ پر الحاد کا الزام اس لیے لگایا گیا کہ انہوں نے حسن صباح کی دعوت کے ضمن میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو معطل و باطل کر دیا اور محرمات (حرام) کو مباح (حلال) کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اور جو لوگ اللہ کی جانب سے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ فاسق و بدکار ہیں۔ (القرآن سورہ مائدہ آیت ۴۷)

مستعلوی ظاہر شریعت کے پابند ہیں

مگر مستعلویان کے گروہ نے ظاہر شریعت سے سرکشی و روگردانی نہیں کی اور اپنے آباء و اجداد کے طریقوں کی اتباع کی۔ مصر کے باشندوں اور فوجوں نے مستعلی کی پیروی کی اور اسے مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔

نزار کا انجام

نزار اپنے دو بیٹوں کے ساتھ بھاگ کر اسکندریہ چلا گیا۔ وہاں کے باشندوں نے اس کی بیعت کر لی۔ مستعلی نے نزار کے خلاف فوج کشی کی مدت تک اسکندریہ میں نزار کا محاصرہ کیے رکھا آخر کار اسکندریہ پر مستعلی کی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ نزار کو اس کے دو بیٹوں کے ساتھ مصر لایا گیا۔ یہ تینوں اپنی موت تک قاہرہ میں قید رہے۔

مستعلی نے نہایت بے رحمی کے ساتھ اپنے بڑے بھائی نزار کو قاہرہ کی ایک دیوار میں زندہ چنوا کے دنیا سے ہمیشہ کے لئے ناپید کر دیا۔ الغرض ۴۸۷ھ سے مستعلی کی امامت و سلطنت شروع ہوئی۔ ۵۰۰ھ میں وہ بھی چل بسا۔

1۔ (۱) ابن خلدون کے بیان کے مطابق ''امام آمر کے انتقال کے بعد اس کے جانشین الحافظ لدین اللہ نے یہ ظاہر کیا کہ آمر نے یہ وصیت کی ہے کہ میری فلاں زوجہ سے حمل ہے۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ اس کے بیٹا ہو گا وہ میرا خلیفہ ہو گا۔''

(۲) ابن الاثیر کا قول ہے کہ ''آمر جب قتل کیا گیا تو اس وقت اس کا کوئی بیٹا موجود نہ تھا جو اس کا قائم مقام بن سکے......لوگوں کو حمل کا نتیجہ معلوم کرنے کا انتظار تھا کہ اگر بیٹا ہو تو وہ اس کا امام ہو۔''

لیکن اس حمل سے آمر کے یہاں لڑکی ہوئی۔ (تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم ص ۲۸)

(۳) مقریزی کے مطابق آمر کے قتل کے بعد اس کا بیٹا گوشت اور ترکاری کی زنبیل کے نیچے کے حصے میں خفیہ طور پر قصر سے مسجد الرحمۃ میں منتقل کر دیا گیا جہاں اس کی پرورش خفیہ طریقہ سے ہوئی اور جب حافظ لدین اللہ کو اس راز کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس کی فصد کھلوا دی جس سے وہ مر گیا۔''

(۴) داعی ادریس کی روایت ہے کہ ''آمر نے اپنے ایک لڑکے طیب نامی پر نص کی اور اس کا اعلان کیا۔ آگے چل کر نا موافق حالات میں ابو علی داعی بلاغ کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے غائب ہو گیا۔''

یہ ہیں اس مامور من اللہ، امام معصوم سے متعلق روایات، جس کو مستعلویہ امام غائب کہتے ہیں اور جس سے دورِ ستر کی ابتدا ہوتی ہے، ان کا ایمان ہے کہ آمر کے اس بیٹے طیب کی نسل سے یکے بعد دیگرے امام ہوتے رہیں گے چاہے اس کا علم کسی کو ہو یا نہ!!

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اب ال آمر باحکام اللہ کا عہد شروع ہوا۔ جس نے ۵۲۴ھ میں آغوشِ لحد میں پہنچ کر مسندِ خلافت کو الحافظ لدین اللہ کے لئے خالی کر دیا۔ 1

الحافظ نے ۵۴۴ھ میں وفات پائی اور اسماعیل الظافر باعداء اللہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اس کے مارے جانے پر ۵۴۹ھ میں الفائز بنصر اللہ تخت نشین ہوا۔ جس نے ۵۵۵ھ میں اپنے نابالغ پوتے العاضد لدین اللہ کے لئے مسندِ امامت خالی کر دی۔ یہی خلیفہ بنی فاطمہ مصر کا آخری خلیفہ یا اسماعیلیین کا آخری امام ہے۔ اس کے عہد میں سوائے عیش پرستی اور غفلت اور لہو ولعب کے کسی انتظامی خوبی کا پتہ نہیں چلتا۔

سلطنت فاطمی وہ صبح کا چراغ تھی جس میں تیل کم رہ گیا ہو۔ اس کے اضلاع شام وارضِ مقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور صلیبیوں کی شمالی جانب بلادِ شام میں نور الدین زنگی کے عروج واقبال کا تارہ چمک رہا تھا۔ صلیبی چاہتے تھے کہ اپنی مسیحی سلطنت کے مضبوط کرنے کے لئے ملکِ مصر پر قبضہ کر لیں۔ خلافتِ مصر میں اپنی حفاظت کی قوت نہ تھی، مگر نور الدین زنگی جو صلیبیوں کے استیصال کی فکر میں لگا ہوا تھا وہ کسی طرح اس کا روادار نہ تھا کہ لاطینی حکمران ارضِ مقدس کی قوت ذرا بھی بڑھنے پائے اور اسی سبب سے وہ صلیبیوں کو مصر کی طرف رخ کرنے کا موقع ہی نہ دیتا تھا۔ یہ حالت ہو رہی تھی کہ العاضد نے کسی بات پر برہم ہو کے اپنے وزیر شاور کو معزول کر دیا اور اس کے عوض ضرغام نامی ایک معزز مصری افسر کو خلعتِ وزارت عطا ہوا۔ شاور کا جب یہاں کوئی زور نہ چلا تو اس نے نور الدین زنگی کے دربار میں حاضر ہو کے مدد مانگی۔ اور کہا اگر آپ اپنے اثر سے مجھے پھر وزارت مصر دلوا دیں تو میں مصر کا ایک ثلث خراج ہر سال آپ کی نذر کیا کروں گا۔

نور الدین کو اس معاملہ میں یہ فائدہ بھی نظر آیا کہ اس طرح صلیبیوں کے شر سے بھی مصر بچایا جا سکے گا۔ شاور کی درخواست منظور کر لی اور اپنی جانب سے اسد الدین شیر کوہ جو اس عہد کا یکتائے روزگار سپاہی اور جنرل تسلیم کیا گیا ہے، شاور کے ساتھ مصر بھیجا۔ اسد الدین اپنے بھتیجے صلاح الدین کے ساتھ جو اُن دنوں ایک غیر متمایز شخص تھا اور ایک بے فکر بے اصول نوجوان خیال کیا جاتا تھا تھوڑی سی فوج لے کے ۵۵۹ھ میں مصر پہنچا۔ شاور کو دوبارہ وزارت دلوائی اور خود مصر کے فاطمی دربار میں نور الدین کے ریذیڈنٹ کی حیثیت سے رہنے لگا۔ لیکن شاور نے وزارت پانے کے بعد بدعہدی کی اور موعودہ رقم ادا کرنے سے انکار کیا۔ شیر کوہ کی طرف سے اصرار ہوا تو اس نے صلیبیوں کو خط لکھ کے اپنی مدد پر بلایا۔ صلیبی سمجھ رہے تھے کہ مصر میں نور الدین کے حقوق پیدا ہوئے تو ہمیں مشکل ہو جائے گی۔ اس لئے فوراً مدد بھیج دی۔ شیر کوہ کے پاس فوج بہت کم تھی۔ قلعہ بلبیس میں جا کے پناہ گزین ہو گیا اور صلیبیوں اور مصریوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔

یہ خبر نور الدین کو پہنچی تو اس نے خود صلیبیوں کے علاقہ ملکِ شام پر حملہ کر دیا اور فرنگیوں کو وہاں ایک ایسی فاش شکست ہوئی کہ بہت گھبرائے اور مصر سے اپنی فوج واپس بلانے پر مجبور ہوئے۔ فوراً شیر کوہ سے تحریک کی کہ "اگر آپ مصر سے واپس چلے جانے پر راضی ہوں تو ہم حفاظت کے ساتھ آپ کے پہنچا دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اور اس کا بھی اطمینان دلاتے ہیں کہ ہمیں مصر سے کوئی علاقہ نہ رہے گا۔" شیر کوہ کو یہ خبر تو تھی نہیں کہ سلطان نور الدین انہیں شکست دے چکا ہے،

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

راضی ہو گیا اور اپنے تمام ہمراہیوں کو لے کے شام میں واپس چلا گیا۔

مگر اس کے چھ برس بعد ۵۶۴ھ میں وہ پھر وارد مصر ہوا اور اسی پہلی حیثیت سے پھر انتظامات مصر کی نگرانی کرنے لگا اور ثلث محاصل کا خواستگار رہا۔ شاوَر کے دل میں بغض بھرا ہوا تھا مگر کچھ زور چلتا نہ تھا۔ دل میں سوچتا تھا کہ شیر کوہ کو دعوت کے بہانے بلا کے زہر دیدے مگر بیٹا اختلاف کرتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ نے ایسا کیا تو نور الدین مصر کو پامال کر ڈالے گا۔ ان باتوں کی خبر شیر کوہ کو برابر پہنچتی تھی اور در گزر کرتا تھا۔ لیکن اس کے ہمراہی روز بروز مشتعل ہوتے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن نور الدین کے بعض سپاہیوں نے موقع پا کے شاوَر کو گرفتار کر لیا اور فوراً قتل کر ڈالا۔ شیر کوہ نے اس کا سر العاضد کے پاس بھیج دیا۔ جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ اس لئے کہ شاوَر سے وہ بھی ناراض تھا۔ اب سلطنت مصر کے کل انتظامات شیر کوہ کے ہاتھ میں تھے۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی اور جس سال مصر میں داخل ہوا تھا اسی سال یعنی ۵۶۴ھ میں مر گیا۔ اس کی جانشینی کے لئے لوگوں نے صلاح الدین کو منتخب کیا۔ جس کی قسمت میں چند روز بعد سلطان صلاح الدین اعظم ثابت ہونا تھا۔

صلاح الدین کو لوگ بے پرواہ اور بے اصول تصور کرتے تھے۔ لیکن ذمہ داری کا کام ہاتھ میں لیتے ہی اس نے کچھ ایسی مستعدی دکھائی کہ سب لوگ حیران ہو گئے۔ نور الدین نے اسے حکم دیا کہ اب تم مصر میں بنی عباس کا خطبہ جاری کر دو۔ مگر صلاح الدین کو اس کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ دل میں خیال کرتا تھا کہ سارا مصر اسماعیلی مذہب شیعوں سے بھرا ہوا ہے، اگر ایسی جرأت کی گئی تو ہر چھوٹا بڑا اُٹھ کھڑا ہو گا اور بڑی مشکل پڑ جائے گی۔ مگر نور الدین کسی عذر کو نہیں سنتا تھا۔ بار بار اسی بات پر اصرار کئے جاتا تھا۔ آخر ۵۶۷ھ آیا جو بنی فاطمہ مصر اور اسماعیلیین کے لئے نہایت ہی منحوس سال تھا۔ غرۂ محرم ۵۶۷ھ کو العاضد بیمار پڑا اور مرض ایسی فوری ترقی کرنے لگا کہ دو ہی چار روز میں صاحب فراش ہو گیا۔

اس کے بعد محرم میں جو پہلا جمعہ پڑا اس میں ارادہ کیا گیا کہ قاہرہ کی جامع مسجد کے منبر پر خلیفہ بغداد المستضی عباسی کا خطبہ پڑھا جائے۔ مگر عوام کے خوف سے کسی خطیب کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کے امیر عالم نامی ایک عجمی شخص نے یہ جرأت کی کہ جا کے منبر پر کھڑا ہو گیا اور عباسی خلیفہ کا نام خطبہ میں پڑھ دیا۔ سنتے ہی سب طرف سناٹا ہو گیا اور کسی کو کوئی حرف زبان سے نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد شہر میں بھی ایسی خاموشی رہی کہ کسی نے اس کی خبر العاضد کو بھی نہیں کی۔ اور بغیر اس کے کہ وہ اپنے خطبہ کے منقطع ہونے کی خبر سنے، ۱۰ محرم الحرام ۵۶۷ھ کو عین عاشورے کے روز دنیا سے رخصت ہو گیا اور اسی کی ذات پر سلطنت اسماعیلیین کا خاتمہ ہو گیا اور سلطان صلاح الدین کا دور شروع ہوا۔

یہ تھے اسماعیلیوں کے اصلی امام اور خلفاء۔ ہم نہیں جانتے کہ ان کے بعد اسماعیلیین کے خیالات اور عقائد امامت کے بارے میں کیا ہیں۔ یہ تو مشکل ہے کہ وہ امامت کی نسبت یہ خیال کرتے ہوں کہ منقطع ہو گئی کیونکہ ان کے نزدیک امامت کے بغیر نظامِ عالم قائم نہیں رہ سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس کے بعد سے پھر امامت مخفی اور باطنی مانی جاتی ہو اور ان آئمہ کے نام سے وہ واقف ہوں۔ گو دنیا ان کے مخفی رہنے کے باعث ان کے ناموں سے بے خبر ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لیکن ہاں اسماعیلیوں کے ایک گروہ کی امامت البتہ آج تک موجود ہے۔ اور وہ حسن بن صباح کا گروہ ہے۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حسن بن صباح کو المستنصر باللہ نے اپنا جانشین اور اپنے بعد کا امام نزار کو بتایا۔ سلسلۂ امامت میں مصر اور خراسان کے اسماعیلیوں میں یہی اختلاف تھا۔ نزار کو اگرچہ سلطنت مصر وزیر افضل کی بے وفائی سے نہیں ملی۔ اور اسماعیلیین مصر یا اسماعیلیوں کے اصلی گروہ کے نزدیک اس کا نام امامت کی فہرست سے نکل گیا مگر ابن صباح خراسان اور الموت میں نزار ہی کو امام تسلیم کرتا رہا۔ اور اپنے آپ کو نائب امام یا امام کا نقیب وداعی ظاہر کرتا، اور فدائیوں کے ذریعہ سے اسماعیلیت اور باطنیت کو ترقی دیتا تھا۔ نزار کے سلطنت سے محروم رہنے اور سخت مظلومی سے مارے جانے پر اسے اس قدر غصہ آیا کہ انتقام کے درپے ہوا۔ چنانچہ دسواں خلیفۂ فاطمی المنصور الملقب بہ آمر باحکام اللہ اسی انتقام میں باطنیین خراسان کے ایک فدائی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

فاطمیین کی نوازشات اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر

فاطمیین نے اہل کتاب کے ساتھ قابل تحسین سلوک کیا اور نہایت فراخ دلی اور رواداری سے کام لیا۔ بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دولتِ فاطمیہ دوسرے دولِ اسلامیہ کے مقابلے میں اہل کتاب کے ساتھ زیادہ رواداری سے پیش آتی تھی۔[1]

معز اور عزیز دونوں یہود و نصاریٰ پر بہت مہربان تھے۔ عزیزؔ نے ایک نصرانیہ سے شادی بھی کر لی تھی، اور اس کے دونوں بھائیوں کو کنیسہ اغریقیہ کے بطریق مقرر کر کے ایک کو اسکندریہ میں اور دوسرے کو بیت المقدس میں رکھا تھا۔ کنیسہ قبطیہ کی طرف بھی اس کی توجہ تھی اور جماعت ملکیین جس کی پیروی اس کی بیوی کرتی تھی اس کی احسان مند تھی۔ ابوسیفینؔ کا کنیسہ جو فسطاطؔ کے باہر تھا برباد ہو گیا تھا۔

عزیز ہی نے افراہامؔ نامی ایک بطریق کو اس کے ازسرِ نو بنانے کی اجازت دی۔ اہل کتاب کو بڑے بڑے ذمہ دار ملکی عہدے دیے۔ یہاں تک کہ اپنی حکومت کے آخری زمانے میں نصرانی عیسیٰ بن نسطورس کو وزارت کا عہدہ دیا اور یہودی منسا کو شام کا والی بنایا۔ ان دونوں عہدہ داروں نے اپنے فرقوں کی طرف داری شروع کی اور ملکی عہدوں پر اُنہی کو مامور کرنے لگے۔ رعیت پر بے جا محاصل عائد کر کے بڑی دولت جمع کی جس کی وجہ سے مسلمانوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اس لیے عزیزؔ نے ان دونوں کو اپنے عہدوں سے معزول کر دیا۔ پھر اس نے اپنی بیٹی (سیدۃ الملک) کی سفارش پر ابن نسطورس کو وزارت کے عہدے پر بحال کیا۔

معز اور عزیز کے زمانے میں جو امتناعی احکام نصاریٰ کی عیدوں کے متعلق نافذ کیے گئے تھے وہ مذہبی تعصب پر مبنی نہ تھے بلکہ ان کے نافذ کرنے سے ان برائیوں کا روکنا مقصود تھا جس کے مرتکب ایسے موقعوں پر بدمعاش لوگ ہوا کرتے تھے۔

S.L. Poole, p.119, pp.169-170_1

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حاکم کی حکومت کے پہلے دس سال تک اہل کتاب کو اپنے مذہبی امور میں پوری آزادی حاصل تھی۔ بلکہ وہ ان حقوق سے فائدہ اٹھاتے رہے جو انہیں عزیزؔ کے زمانے میں دیے گئے تھے۔

لیکن جتنا زمانہ گزرتا گیا ان پر سختیاں ہونے لگیں۔ لیکن یہ سختیاں کچھ انہی سے مخصوص نہ تھیں بلکہ عام مصری بھی ان سے بچ نہ سکے۔ مستنصر کی ماں کے اثر سے یہودی ابوسعید تستری کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ وزیر جرجرائی کی وفات کے بعد تستری "نظارہ حاصہ" پر مامور کیا گیا۔ شاعر رضی بن البوّاب کے یہ شعر اس مقام پر نقل کے قابل ہیں:

یھود هذا الزمان قد بلغوا
غایة امالهم وقد ملكوا
العِزُّ فیهم والمال عندهم
ومنهم المستشاد والملکُ
یا اهل مصرٍ انّی نصحتُ لکم
تهوّدوا قد تهوّد الفلک

آمر نے ایک نصرانی ابونجاح کو اپنا مشیر و مددگار بنایا تھا۔ اس کے بعد ایک دوسرے نصرانی بہرام کو وزارت کا عہدہ ملا۔ آمر جب کبھی شکار کے لیے نکلتا تو دیر "نھیا" کے راہبوں کو جو جیزہ کے قریب واقع ہے دس ہزار درہم انعام دیتا۔

ابوصالح نصرانی کہتا ہے کہ فاطمیینؔ کے عہد میں مصر کے کنیسوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ ۵۷۶ھ میں کنیسوں کے محصول کی رقم دو ہزار نو سو تیس دینار تھی جو فاطمیین کے عطیات سے وصول ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ چار ہزار آٹھ سو چھبیس تھیلے غلے کے کنیسوں کو دیے جاتے تھے اور نو سو پندرہ ایکڑ زمین ان پر وقف کر دی گئی تھی۔

فاطمیین کی سیاست مصر کے اہل سنت کے ساتھ

فاطمیین کی سیاست اہل سنت کے ساتھ ایک حالت پر قائم نہ رہ سکی۔ مہدی نے باغیوں کو قتل کرنے کے بعد مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور احکام جاری کیے کہ کسی کو اسماعیلیت پر مجبور نہ کیا جائے۔ ہر شخص کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہے۔ جوہرؔ نے بھی مصر فتح کرنے کے بعد مصریوں کو پوری پوری مذہبی آزادی دی۔ مصر پہنچنے کے بعد معزؔ نے مصر کے سابق قاضی ابوطاہر کو اپنے عہدہ پر برقرار رکھا۔ البتہ قاضی نعمان بن محمد کو جو خاص اسماعیلیوں کا قاضی تھا یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ابوطاہرؔ کے ساتھ مشورے میں شریک رہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دولتِ فاطمیہؔ میں عہدہ داروں کو شیعی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا اور قاضیوں کو مذہب اہل بیت کے موافق احکام صادر کرنے کی تاکید کی جاتی۔ عہدوں اور منصبوں کے لالچ میں آکر اکثر سنی شیعہ بن گئے۔ اس

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طرح اکثر اہل کتاب مسلمان ہو گئے اور پھر انہوں نے شیعی مذہب اختیار کیا۔ چنانچہ یعقوب بن کلس وزیر ہونے سے پہلے یہودی تھا۔ مؤرخ ابن میتسر نے یہودی حسن بن سہل تستری اور نصرانی ابو منصور کی مثالیں پیش کی ہیں کہ ان دونوں نے حکومت حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کیا۔

عزیز نے ۳۷۲ھ میں تراویح کی نماز تمام مسجدوں میں ممنوع قرار دی۔ بلادِ شام میں اس سے کئی سال پہلے یہ حکم نافذ ہو چکا تھا۔ ابو القاسم واسطی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہی قید کر لیا گیا۔ ۳۸۱ھ میں ایک آدمی کو صرف اس لیے سزا دی گئی کہ اس کے پاس سے ''کتاب المؤطا'' برآمد ہوئی۔ حاکم کے عہد میں تو یہ تعصب انتہا کو پہنچ گیا۔ بے شک اس نے اہل سنت کے خلاف نہایت سخت احکام نافذ کیے۔ لیکن خود ہی انہیں پھر منسوخ بھی کر دیا۔ ''سبّ السلف'' مٹوا دیا اور اہل سنت کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ بلکہ ان کو خوش کرنے کے لئے ایک مدرسہ فقہ مالکی کی تعلیم کے لئے کھولا۔ حاکم کی غیبت کے بعد ظاہر نے اہل سنت کو بہت آزادی دی۔

پھر مستنصر کے آخری عہد میں جب بدر الجمالی وزیر تھا واقعات کچھ بدل گئے۔ اذان میں ''حیّ علیٰ خیر العمل'' کا اضافہ کیا گیا۔ میت پر پانچ تکبیروں کا حکم نافذ کیا گیا۔ یہ سب باتیں عام مصریوں کی ناراضی کا باعث ہوئیں جو سنی مذہب رکھتے تھے۔

مصر میں مذہب اسماعیلی کا زوال

دولتِ فاطمیہ کے پچھلے زمانے میں مصر میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن سے اسماعیلی مذہب کمزور ہو گیا۔ حافظ کے وزیر ابو علی احمد بن افضل نے خطبے سے حافظ کا نام خارج کر کے اس کی جگہ ''امام منتظر'' کے لئے دعا شامل کی جو اثنا عشریوں کا عمل ہے۔ دوسرے شہروں کے خطیبوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔ یہی نہیں بلکہ ۵۲۵ھ میں چار قاضی بھی مقرر کئے، دو شیعوں میں سے جن میں ایک اثنا عشری اور ایک اسماعیلی تھا اور دو سنیوں میں سے جن میں ایک شافعی اور دوسرا مالکی تھا۔ ہر ایک کو اپنے احکام جاری کرنے کے لئے کافی اختیارات دیے۔ اس انتظام سے عام شیعہ بہت برافروختہ ہوئے۔ اور آخر کار ماہِ محرم ۵۲۶ھ میں اُسے مروا ڈالا۔ پھر کچھ مدت کے لیے صلاح الدین کے مصر میں آنے تک اسماعیلیوں نے کچھ قوت حاصل کر لی اور ان کا عمل رہا۔

صلاح الدین نے ۵۶۶ھ میں مصر میں دو مدرسے قائم کیے۔ ایک فقہ شافعی کی اور دوسرا فقہ مالکی کی تعلیم کے لیے۔ اس نے اپنے قاضی القضاۃ صدر الدین عبد الملک بن درباس کی مدد سے تمام شیعی قاضیوں کو ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا اور ان کی جگہ شافعی قاضیوں کو مقرر کیا کیونکہ وہ خود شافعی تھا۔

مصری آہستہ آہستہ اہل سنت کا مذہب اختیار کرنے لگے جس پر وہ دولتِ فاطمیہ سے پہلے تھے اور مذہب شیعی

1۔ تاریخ فاطمیین مصر فصل ۷۔۲۔ ص ۳۸۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں خواہ وہ اسماعیلی ہو یا اثنا عشری پستی پیدا ہونے لگی۔ اب مصر میں شیعہ بہت کم ملیں گے۔ اسماعیلی تو وہاں سے ناپید ہو گئے۔ یہ لوگ سوائے ہندوستان، یمن، جبل لبنان (شام) اور اس کے اطراف اور ایران کے بعض دیہات کے اور کہیں نہیں پائے جاتے۔[1]

مصر کے فاطمی خلیفہ کے رنگین و سنگین شب و روز

ہیرلڈ لیم لکھتا ہے:

تاریخ میں القاہرہ، محفوظ اور فسطاط کے ناموں سے بھی مشہور ہے۔ یہ شہر دراصل ملکہ نیل ہے۔ زرخیز، شاداب اور لازوال۔ سارے ایشیا کے تاجر اسی کی طرف کھنچے چلے آتے اور اسکندریہ کی بندرگاہ سے جہاز ہفت اقلیم کے سمندروں کی طرف روانہ ہوتے۔ صدیوں کی بے بہا دولت سے اس کے خزانے معمور تھے۔

لیکن اس وقت قاہرہ کی حالت نہایت زار و زبوں تھی۔ عظیم الشان جامعہ سے ملے ہوئے محلات کے پرشکوہ ایوان گذشتہ چند سال میں کشت و خون کے کئی ہنگامے دیکھ چکے تھے۔ باجبروت خلفاء کے مزار اور امراء کے مقبرے غفلت و نکبت کا شکار ہو چکے تھے۔ ان کے دود زدہ کھنڈروں میں بدوؤں کے خیمے نظر آتے تھے۔

فاطمی خلیفہ عالی شان محل میں رہتا تھا۔ غلام گردشوں میں سیاہ فام سوڈانی محافظ آبدار تلواریں سونتے پہرہ دیتے رہتے۔ گاہے گاہے بوقلموں فرشوں پر ان کے ہوشیار قدموں کی مدھم چاپ سنائی دیتی۔ مرمریں فواروں کے گرد ہفت رنگ مور ناچتے اور زمردیں طوطے شور مچاتے۔

ایوان عام جواہرات سے بھرپور خزانے کی طرح جگ مگ کرتا۔ اس کی مرصع چوبی چھت پر سونے کی کندہ کاری تھی۔ جس کی روپہلی ضیا میں نقرئی پرندوں کے سیمیں پر اور یاقوتی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ خلیفہ شان و شوکت کے اس خیرہ کار ماحول میں عوام کی متجسس نظروں سے روپوش رہتا اور ایوانِ عام میں جلوس بھی کرتا تو نفیس چرمی تاروں کی منقیشی جھالروں کی اوٹ میں۔ مشہور تھا کہ وہ اور اس کے اہل حرم طلائی طشتریوں میں کھاتے اور عنبریں پیالوں میں پیتے ہیں۔ جب وہ شہر کے باہر جاتا تو زربفت و اطلس کے محمل میں سوار کرتا اور شام کو ہواخوری کے لئے نکلتا تو نیل کی خنک سطح پر چاندی کے بجرے اس کے قدموں کے منتظر ہوتے۔

شہر میں طرح طرح کی افواہیں گرم تھیں۔ مثلاً کئی خوبصورت دوشیزائیں محل کی دیواروں میں قربانی کے طور پر زندہ چنوا دی گئی ہیں۔ فوج ظفر موج بغداد کو مسخر کرنے کے لئے پابہ رکاب ہے اور خلیفہ بغداد کو مقید کرنے کے لئے ایک تفریحی پنجرہ بھی تیار کرایا گیا ہے۔

بعض افواہیں تو اس حد تک پہنچ گئیں کہ خلیفہ مصر نے دریا کے کنارے ایک خفیہ طرب گاہ مقدس کعبہ کے نمونہ پر بنوائی ہے اور چاہ زمزم کے مقابلے میں ایک سنگ مرمر کا حوض تیار کرایا گیا ہے، جو ہر وقت شراب سے لبریز رہتا ہے۔ شاہی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حرم کے پُرعافیت گوشوں میں اس قسم کی لرزہ خیز خبریں بھی سنائی دے جاتیں کہ خلیفہ نے اپنے بیٹے کو زہر دے کر مروا دیا اور شاہی کنیزوں کے اشارے پر ایک وزیر کی تکا بوٹی کر دی گئی۔

خلیفہ کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی۔ اصل اقتدار وزیر کے ہاتھ میں تھا۔ وزیر ہی حقیقی مختار اور آمر تھا۔ خلیفہ کی شخصیت محض نمائشی ہو کر رہ گئی تھی۔ سلطنت کا دفاع کمزور پڑ گیا تھا، خلیفہ اور وزیر کئی سال تک حملہ آوروں کو زر و مال دے کر اپنی سرحدوں سے ٹالتے رہے۔ خلیفہ کو خزانے جمع کرنے کا جنون تھا۔ انہوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے نورالدین کی ظفرمند افواج کے مقابلے میں صلیبیوں کو صف آراء کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیر کوہ کے حملے کی مدافعت کے لیے صلیبی معرکہ آزماؤں کو رشوت دے کر اس سے بھڑا دیا تھا اور دوسری مرتبہ انہوں نے یروشلم کے مسیحی حکمران کی یلغار روکنے کے لیے شیر کوہ کو مدد کے لیے بلایا تھا۔[1]

فاطمی خلفاء کی زندگی کے چند دیگر پہلو

ائمہ مستورین میں سے امام عبداللہ محمد بن اسماعیل نے سلمیہ میں ایک شاندار محل بنوایا۔[2]

قصر شرقی کبیر میں سونے کا تخت اور سونے کا محل: ''اس (قصر) کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس میں تقریباً چار ہزار قطعے تھے جن میں ہر قطعہ قصر یا محل کہا جاتا تھا۔ ان محلات کے مجموعے کا نام قصر کبیر تھا۔ اس میں سونے کا ایک محل تھا جسے قصر الذہب کہتے تھے۔ اس کا دروازہ بھی سونے کا تھا۔ اس میں ایک شامیانے کے نیچے سونے کا تخت تھا جس پر خلفاء جلوہ نما ہوتے تھے۔ تخت کے سونے کا وزن ایک لاکھ دس ہزار مثقال بتایا جاتا ہے۔ مستنصر کے زمانے میں اس کے سامنے ایک پردے میں ایک ہزار پانچ سو ساٹھ مختلف رنگوں کے ہیرے جڑے گئے تقریباً تین لاکھ مثقال خالص سونا استعمال کیا گیا۔''[3] (مقریزی)

> ''ماہ ربیع الآخر ۵۶۷ھ/ ۱۱۷۲ء میں جب دولتِ فاطمیہ کے مخصوص خزانے کھولے گئے تو درہم و دینار، گھڑی ہوئی اشیاء جواہرات، پوشاک، اثاثہ، کپڑا اور طرح طرح کے ہتھیار تھے...... اس کا حساب وہی کر سکتا ہے جو آخرت میں خلق کا حساب کرے۔'' (مقریزی)[4]

المعز لدین اللہ کی بیٹیوں کا ترکہ

''معز کی بیٹی عبدہ کے ترکہ میں پانچ زمرد کی تھیلیاں اور مختلف قسم کے قیمتی جواہرات کے علاوہ سو صندوق جن میں

1۔ صلاح الدین ایوبی'' مصنفہ ہیرلڈ لیم، اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور
2۔ تاریخ فاطمیین مصر، حصہ دوم صفحہ ۲۹۷
3۔ تاریخ فاطمیین مصر، ص ۱۲۶۔ ۱۲۷ بحوالہ مقریزی (حصہ دوم)
4۔ تاریخ فاطمیین مصر، حصہ دوم ص ۱۲۶ تا ۱۲۷ .... سبحان اللہ مقریزی کا جملہ کس قدر معنی خیز ہے۔
5۔ ایضاً

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خالص چاندی کے کام کے تین ہزار برتن تھے۔ تیس ہزار قطعے صقلی زردوزی اور کارچوبی کے...... معز کی دوسری بیٹی کے مال واسباب کی قیمت کا اندازہ ۲۷ لاکھ دینار ہے۔ اس کے علاوہ بارہ ہزار رنگ برنگ کے کپڑے کافور قیصری سے بھرے ہوئے سو صندوق، سر پر ڈالنے کے جواہر دوزی کئی رومال برآمد ہوئے۔" (مقریزی)[5]

فاطمی وزراء کی دولت وثروت

ابن میسر لکھتا ہے:

"(وزیر افضل) کے گھر میں آٹھ سو لونڈیاں اور پچاس بیویاں تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایوان مخصوص تھا جس محل میں یہ شراب پیتا تھا اس میں آٹھ لڑکیوں کی مورتیں، چار سفید کافوری اور چار سیاہ عنبریں، ایک دوسرے کے سامنے نصب کی گئی تھیں۔ ان کو نہایت عمدہ پوشاک پہنائی گئی تھی اور انہیں قیمتی زیوروں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں بیش بہا جواہرات رکھے گئے تھے جب وزیر افضل اپنے محل میں داخل ہوتا تو یہ مورتیں اس کی تعظیم کے لئے سر جھکا دیتیں اور جب اپنی جگہ بیٹھتا تو پھر سیدھی کھڑی ہو جاتیں۔ جب وہ شراب پینے کے لئے بیٹھتا تو اس کے سامنے جواہرات سے بھرے ہوئے سونے کے طبق رکھے جاتے۔ پھر اس کے حکم دینے پر ان جواہرات کو خالی کر کے ان میں شراب بھر دی جاتی تھی۔" [1]

ائمہ کے لئے سجدے اور صلوٰۃ

اس دولت وثروت کے بعد ہم فاطمی خلفاء کی زندگی کا ایک اور رُخ پیش کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام انسانوں سے اعلیٰ سمجھتے تھے اور بعض حقوق الٰہی سے نہیں بلکہ خدا کے اوصاف سے اپنے آپ کو موصوف کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ داعی ناصر خسرو علوی کے قلم سے سنئے:

"ورسم ایشاں آں بود کہ ہر کجا سلطان بمردم رسیدے او را سجدے کردندے وصلوٰت دادندے۔ [2]

1۔ تاریخ فاطمین مصر، حصہ دوم ص ۱۲۶ تا ۱۳۷

2۔ ایضاً

3۔ تاریخ فاطمین مصر، حصہ دوم ص ۱۲۶ تا ۱۳۷

مندرجہ بالا دولت وثروت اور عیش کوشیوں نیز قتل وغارت گری کے واقعات ناظرین کیلئے نئے نہیں ہوں گے، عباسی خلفاء کا بھی یہی حال تھا۔ اندلس کے مسلمان فرمانرواؤں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ہندوستان کے بادشاہ بھی کچھ کم نہ تھے مگر ان میں کوئی بھی مامور من اللہ ہونے یا معصوم ہونے کا مدعی نہ تھا اور نہ ان کو معصوم بنا کر پیش کیا گیا۔

4۔ محققینِ انساب کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ بنی عبید کو خاندانِ نبوت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ ان کا مورثِ اعلیٰ عبید، مجوسی یا یہودی تھا۔ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب نے اپنی کتاب "الکشف عن اسرار الباطنیه" اور قاضی عبدالجبار نے کتاب "تثبیت النبوة" اور مقدسی نے اپنی کتاب "کشف ما کان علیه بنو عبید" میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ائمہ سے ملاقات

یہی حکیم ناصر خسرو علوی جو اسماعیلیہ کے ایک نامور داعی ہیں ان کی بے چارگی ملاحظہ کیجئے کہ انہیں امام ال مستنصر باللہ سے ملاقات کے لئے مؤید شیرازی کی طرح ڈیڑھ سال انتظار کرنا پڑا۔ 3

فاطمی حکومت کا زوال اور صلاح الدین کا دوسرا کارنامہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سلطان صلاح الدین کا مصر میں اقتدار، عبیدی سلطنت [4] (جو عام طور پر فاطمی مشہور ہے) کا خاتمہ تھا، جو ۲۹۹ھ سے ۵۶۷ھ تک پورے دوسو اڑسٹھ سال بڑی شان وشوکت سے قائم رہی، اور اس نے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصہ کے عقائد، اعمال واخلاق اور تمدن پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا، یہ دورِ حکومت اعتقادی عجائبات، عجیب وغریب احکام اور مضحکہ خیز قوانین سے پُر تھا، جس کے بعض نمونے مشہور مؤرخ مقریزی کی کتاب "الخطط وال آثار" سے پیش کئے جاتے ہیں:

"۳۶۲ھ میں قانونِ میراث میں ترمیم کی گئی اور قانون بنایا گیا کہ اگر متوفی نے بیٹی چھوڑی ہو تو بیٹے، بھتیجے چچا وغیرہ کو میراث میں کوئی حصہ نہیں ملے گا، اس قانون کی خلاف ورزی کو حضرت فاطمہؓ کے ساتھ عداوت کا مرادف سمجھا جاتا ہے، ہلال کا دیکھنا پوری مملکت مصر میں موقوف ہوگیا، روزہ اور عید حساب سے ہونے لگے۔

۳۷۲ھ میں پورے ملک مصر میں تراویح کی سرکاری ممانعت کردی گئی، مؤطا امام مالک کے ایک نسخہ کے پائے جانے پر ایک شخص کی تشہیر کی گئی۔

۳۹۳ھ میں ۱۳ آدمیوں کو اس جرم میں زدوکوب کیا گیا، اور ان کی تشہیر کی گئی کہ انہوں نے صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) پڑھی تھی، ۳۹۵ھ میں ملوخیا (ایک ترکاری) کو جو اہلِ مصر کو بہت مرغوب ہے، اس لئے ممنوع قرار دیا گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی، جرجیر کی اس لئے ممانعت ہوئی کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو مرغوب تھی، اسی سنہ میں تمام مساجد، دیواروں، مقابر، اور صحرا میں سلف کو سبّ وشتم اور لعنت لکھی گئی، اور اس کو منقش کیا گیا۔ ۴۱۱ھ میں "الظاہر لاعزاز دین اللہ" نے شراب کی عام اجازت دی، عیش و عشرت اور لہوولعب کی گرم بازاری ہوئی، اسی زمانہ میں ملک میں سخت گرانی اور بیماریوں کا زور تھا، لوگ محل شاہی کے گرد جمع ہوجاتے تھے اور "الجوع الجوع" (بھوک بھوک) کے نعرے لگاتے تھے، لوٹ مار کی کثرت ہوئی۔

۴۲۴ھ میں ولی عہد کی جس کی عمر ۴ سال کی تھی، سواری نکلی، تمام بازار آراستہ تھے، لوگ زمیں بوس ہوتے تھے۔ ان خلفاء میں متعدد اشخاص ایسے تھے جو نہایت کم سنی میں خلیفہ بنائے گئے، اور مسلمانوں پر ان

1۔ کتاب الخطط وال آثار للمقریزی ص ۳۴۰، ۳۵۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کی اطاعت فرض قرار دی گئی، مستنصر باللہ جب خلیفہ ہوا تو سات برس کی عمر تھی، آمر باحکام اللہ کی عمر خلافت کے وقت پانچ سال ایک مہینہ کچھ دن تھی، الفائز بنصر اللہ خلافت کے وقت صرف پانچ سال کا تھا، عاضد لدین اللہ کی عمر جب وہ خلیفہ ہوا گیارہ سال تھی۔" [1]

سلطان صلاح الدین کی حکومت سے اس دور کا خاتمہ اور دوسرے دور کا آغاز ہوا۔ مصر سے شیعیت و رفض کے آثار مٹنے لگے، سنت کا فروغ ہوا، جا بجا مدارس قائم ہوئے جن میں علمائے سنت علومِ دینیہ کی تعلیم دیتے، رفتہ رفتہ عبیدی حکومت کے اثرات بالکل زائل ہو گئے، اس کے ساتھ اسماعیلیت جو تقریباً تین صدیوں تک مصر کا سرکاری مذہب رہا تھا، مصر میں غریب الوطن ہو گیا، مؤرخ مصر مقریزی لکھتا ہے:

واختفٰی مذھب الشیعۃ والاسماعیلیۃ والامامیۃ حتّٰی فقد من ارض مصر کلّھا۔

"شیعیہ، اسماعیلیہ اور امامیہ کا مذہب روپوش ہو گیا، یہاں تک کہ پورے ملک مصر میں اس کا کہیں وجود نہیں تھا۔"

عبیدی حکومت کا یہ صد سالہ عہد اسلام کے لئے ایک دورِ ابتلاء تھا، جس میں مسلسل شریعت و سنت اور عقائد و اخلاق کے ساتھ تمسخر و تلاعب جاری رہا، اہلِ سنت اور اہلِ علم مقہور و مغلوب رہے، سفلہ طبیعت، اوباش مزاج اور بددین غالب و حاوی رہے، علامہ مقدسی اپنی کتاب "کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین" میں اس دور کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبقی ھذا البلاء علی الاسلام من اوّل دولتھم الٰی اٰخرھا وذالک من ذی الحجۃ سنۃ تسع و تسعین ومأتین الٰی سنۃ سبع وستین وخمس مأۃ وفی ایامھم کثرت الرافضۃ واستحکم امرھم ووضعت المکوس علی الناس واقتدی بھم غیرھم وافسدت عقائد طوائف من اھل الجبال الساکنین بثغور الشام کالنصیریۃ والدروزیۃ والحشیشیۃ نوع منھم وتمکن دعاتھم منھم لضعف عقولھم وجھلھم ما یتمکنوا من غیرھم واخذت الفرنج اکثر البلاد بالشام والجزیرۃ الٰی ان منّ اللہ علی المسلمین بظھور البیت الاتابکی وتقدمہ مثل صلاح الدین فاستردوا البلاد وازالوا ھذہ الدولۃ عن ارقاب العباد۔ [1]

"عبیدیوں کی حکومت آغاز سے انجام تک یہ بلاء اسلام پر مسلط رہی، اس کی ابتداء ذی الحجہ ۲۹۹ھ سے ہوتی ہے اور اس کا خاتمہ ۵۶۷ھ پر ہوتا ہے، ان کے دورِ حکومت میں روافض کی کثرت اور ان کا غلبہ ہوا، لوگوں پر محاصل اور ٹیکس مقرر کئے گئے اور دوسروں نے ان کی اقتدا کی، شامی حدود پر بسنے والے کوہستانوں، نصیریوں، دروزیوں کے عقائد انہی کے اثر سے خراب ہوئے، حشیشی (بھنگ استعمال کرنیوالے) انہی کی

1۔ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین۔ ج ۱ ص ۲۰۱

2۔ ایضاً ص ۲۰۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایک قسم ہیں، ان اسماعیلیوں کے مبلغین کا جو اثر ونفوذ ان کوہستانیوں کے اندر ان کی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے ہوا، وہ دوسروں میں نہیں ہو سکا، انہی کے دورِ حکومت میں فرنگیوں نے شام اور جزیرہ کے اکثر اسلامی شہروں پر قبضہ کرلیا، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا کہ خاندانِ اتابک برسرِ اقتدار ہوا، اور صلاح الدین جیسے مجاہد سامنے آئے، جنہوں نے اسلامی ملک از سرِ نو باز یاب کیا، اور اس حکومت سے بندگانِ خدا کو نجات دی۔"

اس انقلابِ سلطنت پر جو ایک بڑے دینی واخلاقی انقلاب کا پیش خیمہ تھا، صحیح العقیدہ مسلمان اور محبینِ سنت کی مسرت بالکل قدرتی بات تھی، علامہ مقدسی نے جن کی ولادت سے صرف ۲۹ سال پہلے انقلاب ہوا تھا، اور ان تغیرات و اثرات کا انہوں نے خود مشاہدہ کیا تھا، جو اس کے نتیجہ میں پیش آئے تھے، اپنی مسرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

انقرضت تلک الدولة وزالت من الاسلام بمصر بانقراضها الذلة۔[2]

"یہ حکومت ختم ہوئی، اور اس کے ساتھ ساتھ مصر میں اسلام کی ذلت کا دور بھی اختتام کو پہنچا۔"

حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "الصَّواعق المرسلة" میں باطنیوں کے عروج اور اس کے اثرات، پھر نور الدین اور صلاح الدین کے ہاتھوں اس سلطنت کے زوال کا تذکرہ ان پُرجوش الفاظ میں کیا ہے:

"ان باطنیوں کی دعوت مشرق میں تو مضمحل ہوگئی، اور مغرب میں رفتہ رفتہ اس کا ظہور شروع ہوا، یہاں تک کہ وہ بڑی طاقتور دعوت بن گئی، اور اس کے پنجے جم گئے، اور اس کے علمبردار مغرب اقصیٰ کے اکثر شہروں پر قابض ہوگئے، پھر انہوں نے آگے قدم بڑھایا، اور مصر تک پہنچ گئے، انہوں نے اس پر قبضہ کرلیا، اور قاہرہ کی بنیاد رکھی، انہوں نے اور ان کے حکام وقضاۃ نے کھلے طریقہ پر اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، انہی کے زمانہ میں رسائل اخوان الصفاء تصنیف ہوئے، اور ابن سینا نے "اشارات" اور "شفا" اور دوسری تصنیفات کیں، خود ابن سینا کا بیان ہے کہ میرے والد حاکم باللہ (فاطمی خلیفہ اور داعی) کے مبلغین میں سے تھے، ان فاطمیوں کے دور میں سنت وآثار کا چلن موقوف ہوا، اور کتبِ سنت بالائے طاق رکھ دی گئیں، کہیں کوئی چھپ چھپا کر ان کو دیکھتا ہوگا، اور عمل کرتا ہوگا، اس دعوت کا تمغۂ امتیاز اور بنیادی اصول یہ تھا کہ عقل کو انبیاء علیہم السلام کی وحی وتعلیمات پر ترجیح حاصل ہے۔

رفتہ رفتہ سارے ملک مغرب، مصر وشام وحجاز پر ان باطنیوں کا تسلط ہوگیا، عراق پر بھی سال بھر ان کا قبضہ رہا، اہلِ سنت ان کے دورِ حکومت اور ان کی مملکت میں ذمیوں (مسلمان حکومت کی غیر مسلم رعیت) کی طرح رہتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ذمیوں کو وہ امن وامان اور عزت واعتبار حاصل تھا، جو اہلِ سنت کو نصیب نہ تھا۔ کتنے علماء اس دور میں قابلِ گردن زدنی قرار پائے، کتنے وارثین انبیاء ان کے قید خانوں میں پڑے پڑے دنیا سے چلے گئے۔

1۔ الصواعق المرسلة علی الجھمیہ والمعطلہ ج ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴

2۔ کتاب الروضتین ج ۱ ص ۱۹۸، ۱۹۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آخر غیرتِ الٰہی کو جوش آیا، اور نورالدین اور صلاح الدین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان باطنیوں کے پنجۂ غضب سے چھڑایا، ان ملکوں میں اسلام کا دمِ واپسیں معلوم ہوتا تھا، لیکن اس انقلابِ سلطنت سے اسلام کو نئی زندگی عطا ہوئی، اور اس کا آفتابِ اقبال گہن سے نکلا، اور روئے زمین کے مسلمانوں کو اس سے مسرت ہوئی، جب کہ ہر طرف یہ پوچھا جا رہا تھا کہ اس دورِ ابتلاء میں اسلام کا کوئی حامی و مددگار ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور لشکرِ مجاہدین کے ذریعہ بیت المقدس کو پرستارانِ صلیب سے آزاد کرایا، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے انصار نے اپنی اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق دینِ حق کی نصرت کا حق ادا کیا۔"
1

اس عصر کی تاریخی کتابوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عالمِ اسلام نے بالعموم اور شام وعراق نے بالخصوص اس اطلاع کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا، اور عام وخاص مسلمانوں نے اس پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔[2]

اس طرح صلاح الدین نے ایک طرف مجاہدینِ صلیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کر عالمِ اسلام کو سیاسی غلامی اور اخلاقی وتہذیبی بدنظمی اور مغربی ترکتازوں کی ہوس کا شکار بننے سے صدیوں تک کے لئے محفوظ کر دیا، دوسری طرف عبیدی (مشہور بفاطمی) حکومت کا خاتمہ کر کے اس نے ایک چشمۂ فساد کو بند کر دیا، جو مصر سے نکل کر عالمِ اسلام میں باطنیت واسماعیلیت کے اثرات کو پھیلا رہا تھا، اور دو تین صدیوں سے امت میں ذہنی انتشار اور اعتقادی واخلاقی فساد کا ذمہ دار تھا، تاریخِ اسلام صلاح الدین کے ان دونوں کارناموں کو کسی طرح فراموش نہیں کر سکتی، اور کسی ملک کا مسلمان اس کُردی مجاہد کے بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔[1]

جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرَ الجزاء...

1۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا مضمون ان کی تصنیف "تاریخ دعوت وعزیمت" سے ماخوذ ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حسن بن صباح اور اس کی کارروائیاں

حسن بن صباح کے ابتدائی حالات

حسن بن صباح اپنے دعویٰ کے مطابق عرب قبیلہ ''حمیر'' سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ یمن سے کوفہ وہاں سے قم اور قم سے رے آیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی، حسن بن صباح یہیں پیدا ہوا، اس کا نام مع ولدیت یہ ہے: حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن محمد بن صباح حمیری۔

حسن بن صباح اپنے بارے میں خود بیان کرتا ہے کہ:

''میرا آبائی مذہب شیعہ اثنا عشری تھا، ری میں امیرہ ضراب نامی ایک شخص رہتا تھا۔ اس کا مذہب مصر کے باطنیوں کا تھا، ہمارا ایک دوسرے سے ہر وقت مناظرہ ہوتا رہتا تھا۔ وہ میرے مذہب کا رَد کرتا تھا اور میں اسے تسلیم نہ کرتا تھا۔ مگر میرے دل پر اس کی بات اثر کرتی تھی، اسی زمانے میں مجھے ایک خطرناک اور سخت بیماری لاحق ہوگئی۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ باطنیوں کا مذہب سچا ہے اور میں نے انتہائی تعصب کی بناء پر اس کی تصدیق نہ کی اگر خدانخواستہ موت آ گئی تو میں حق تک پہنچے بغیر ہی مر جاؤں گا۔ جب مجھے اس بیماری سے شفاء نصیب ہوئی تو میں نے باطنیوں کے ایک اور آدمی ابونجم سراج سے باطنیوں کے مذہب کے بارے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں معلومات حاصل کیں۔ اور "مومن" نامی باطنی رہنما کی بیعت کرلی۔ جب ۴۶۴ھ میں عبدالملک جو کہ اس وقت عراق کا داعی تھا، ری آیا، تو وہ مجھ سے بہت خوش ہوا، اور مجھے دعوتِ باطنیہ کا نائب مقرر کیا۔ اس نے مجھے مصر جانے کا بھی مشورہ دیا۔ اس وقت مصر کا حکمران المستنصر تھا۔

۴۶۹ھ میں میں مصر کے قصد سے اصفہان گیا اور وہاں سے آذربائی جان کے راستے خطرات سے دوچار اور پریشانیاں اٹھاتا ہوا شام پہنچا۔ وہاں سے میں ۴۷۱ھ میں مصر پہنچا، میں وہاں ڈیڑھ سال تک مقیم رہا۔ ہر چند کہ اس مدتِ قیام میں مستنصر کے قریب نہ پہنچا، مگر مستنصر میرے حال سے واقف تھا اور وہ اکثر میری تعریف کرتا تھا۔ امیر الجیوش (افضل شاہنشاہ) مستنصر کا سپہ سالار اس پر مسلط اور ملک کا حاکم مطلق بنا ہوا تھا، وہ سب سے چھوٹے بیٹے مستعلی کا خسر تھا جسے مستنصر نے نص دوم سے ولی عہد مقرر کیا تھا، مگر میں اپنے مذہب کے اصول کے مطابق نزار کی دعوت (تبلیغ) کرتا تھا۔ اسی بناء پر امیر الجیوش مجھ سے ناراض تھا۔ اس نے مجھے فرنگیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مغرب کی جانب جانے والے جہاز پر زبردستی بٹھا کر روانہ کردیا۔ قسمت کا کرنا ایسا ہوا کہ سمندر میں طوفان آیا اور جہاز کو شام کے ساحل پر لا پھینکا۔ میں وہاں سے حلب آیا اور پھر بغداد و خوزستان، کی راہ سے ۴۷۳ھ میں اصفہان پہنچا۔

پھر میں کرمان و یزد کی سرحد تک گیا جہاں کچھ دنوں دعوت (تبلیغ) کا کام کیا۔ اس کے بعد میں اصفہان واپس آیا۔ (بعد ازاں) میں دوبارہ خوزستان گیا اور وہاں سے بیابان کے راستے فریم (پریم) و شہریار کوہ پہنچا اور دامغان میں تین سال مقیم رہا، وہاں سے داعیوں کی ایک جماعت کو اندج رود اور ولایت الموت کے دیگر اضلاع کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ لوگ وہاں کے باشندوں کو دعوت (باطنیہ) کے دائرے میں لائیں۔ میں (دعوت کی اشاعت کے سلسلہ میں) جرجان، طرز، سرحد اور چنا شکست بھی گیا۔

چونکہ نظام الملک نے بومسلم رازی کو یہ حکم دیا تھا کہ حسن کو گرفتار کرلے، سو وہ (میری) تلاش میں بڑا اہتمام کر رہا تھا، اس لئے میں ری نہ آسکا اور چاہتا تھا کہ دیلمان چلا جاؤں کیونکہ میں وہاں داعیوں کو روانہ کر چکا تھا چنانچہ میں سباری آیا اور وہاں سے دنباوند و خوار ری کے راستہ قزوین پہنچا، میں ری جانے سے بچتا رہا۔ اس لئے میں نے قزوین سے دوسری بار ایک داعی کو الموت بھیجا۔" 1

حسن بن صباح کے حشیشین

ہیرلڈ لیم کہتا ہے:

عمر خیام کی شاعری کی صدائے بازگشت قاہرہ میں سنی گئی جہاں آزاد خیال لوگ جمع ہو گئے تھے۔ یہ شہر خلیفہ بغداد

1۔ تاریخ سیدنا بحوالہ تاریخ اسمٰعیلیہ ص ۷۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے حلقۂ اقتدار سے باہر تھا۔ اس کے محلات میں بے فکرے لوگ دن رات اہل سنت کے اسلام کا مذاق اڑاتے۔ اسماعیلی فرقے کے یہ لوگ مخصوص عقائد و اسرار کے حامل تھے۔ وہ اپنے جماعت خانوں میں علیحدہ عبادت کرتے اور بلادِ مشرق میں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے داعی بھیجتے۔ اس فرقے کی سرگرمیوں سے ایک عجیب داستان متعلق ہے جس کی صداقت اگرچہ مدّتوں سے مسلم ہے، پھر بھی اس پر افسانے کا گمان ہوتا ہے۔ اس داستان کا مرکزی کردار وہ شخص ہے جسے صلیبی ''الشیخ الجبل'' کہا کرتے تھے۔

عمر خیام کا ایک ہم عصر حسن بن صباح تھا جو مذہبی عقائد میں اسماعیلی تھا۔ یہ شخص بڑا آزاد خیال اور انتہائی اولوالعزم تھا۔ وہ محض آزاد خیالی کی تبلیغ پر ہی قانع نہ تھا، بلکہ اسے طاقت و عظمت کے خواب کی عملی تعبیر کے لئے آلہ کار بنانا چاہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر مجھے نصف درجن جاں نثاروں کی خدمات حاصل ہو جائیں تو میں ساری دنیا کو زیرنگیں کرلوں۔

کہا جاتا ہے کہ جب حسن بن صباح نے یہ بڑ ہانکی تو اس کے ایک دوست نے اس کی ضیافت کی اور اسے زعفران کھلا کر ایک ایسی شراب پلائی جو دیوانگی کا علاج سمجھی جاتی تھی۔ چند سال بعد حسن نے اپنے دوست کو پیغام بھجوایا ''اب کہو! ہم دونوں میں سے کون پاگل ہے؟''

چونکہ اس نے ایک حد تک اپنی پیشین گوئی کو پورا کر دیا تھا، اس لیے اب لوگ اسے ''شیخ الجبل'' کہنے لگے۔

تاریخ اسمٰعیلیہ میں اس واقعہ کی تفصیلات لکھی ہیں، ملاحظہ ہوں:

''حسن بن صباح جب مصر سے واپس آیا تھا تو اصفہان بھی گیا تھا، یہاں باطنیوں کی جانب اس کے انتساب اور اس کی دعوت کی شہرت پہنچ چکی تھی، سو وہ لوگ جنہیں مسلمانوں کی فکر اور ایمان داروں کا خیال دامن گیر تھا حسن کی تلاش میں تھے۔ وہ اس سبب سے روپوش ہو گیا تھا، اور اصفہان میں رئیس ابوالفضل کے گھر میں جس نے خفیہ طور پر حسن کی دعوت کو قبول کرلیا تھا، چھپا ہوا تھا۔ اس نے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ جب یہ رئیس حسن کے پاس جاتا تو دونوں اپنی اپنی داستان غمِ دل بیان کرتے۔ ایک دن زمانہ کی شکایت اور سلطان و ارکانِ دولت کے تعصب کے ذکر کے دوران حسن بن صباح نے ایک سرد آہ بھری اور کہا ''افسوس! اگر دو آدمی میرے ساتھ ہوتے تو میں اس ملک کو زیروزبر کر دیتا اور تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔'' رئیس ابوالفضل نے سوچا کہ تفکرات کی کثرت، خوف اور پُرخطر سفروں کے باعث حسن کو مالیخولیا ہو گیا ہے، ورنہ بادشاہی ملک جو مصر سے کاشغر تک اس کے خطبہ وسکہ کے تحت پھیلا ہوا ہے اور ہزاروں سوار و پیادہ اس کے علم تلے ایک اشارہ پر دنیا کو اُلٹ کر رکھ دیں، محض دو آدمیوں کے یکدل ہو جانے سے کیسے زیروزبر ہو سکتا ہے۔ رئیس ابوالفضل اس فکر میں پیچ و تاب کھاتا تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ حسن شیخی بگھارنے والا آدمی نہیں ہے، اس لئے بلاشبہ اس کے دماغ میں کوئی مرض پیدا ہو گیا ہے۔ سو اس نے حسن بن صباح پر ظاہر کئے بغیر اس کے مالیخولیا کا علاج کرنا شروع کیا اور معطر شربت، مزاج کے لئے مقوی دوائیں اور دماغ میں رطوبت پیدا کرنے والی غذائیں، جو ایسے مریضوں کے لئے ضروری

1۔ تاریخ اسماعیلیہ ص ۷۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہوتی ہیں، تیار کرائیں اور شربت و طعام کے تناول کرنے کے دوران انہیں پیش کیا۔ حسن بن صباح نے جب ان مشروبات و ماکولات کو دیکھا تو اسے رئیس ابوالفضل کے خیالات کا پتہ چل گیا اور اس نے فوراً وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ رئیس ابوالفضل نے جتنی بھی منت کی، حسن وہاں نہ ٹھہرا اور کرمان چلا گیا۔

جب حسن واپس آیا تو الموت پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا، نظام الملک فدائیوں کے ہاتھوں شہید ہو چکا تھا اور سلطان ملک شاہ، نظام الملک کی شہادت کے چالیسویں روز انتقال کر چکا تھا، ملک کے معاملات مختل و متزلزل ہو چکے تھے اور مملکت (سلجوقیہ) میں انتشار پھیل گیا تھا۔ اس مہلت کے باعث حسن بن صباح کا کام مضبوط و قوی ہو گیا تھا اور جسے کوئی خوف ہوتا حسن سے مدد کی درخواست کرتا تھا، (اس زمانے میں) رئیس ابوالفضل مذکور موقع نکال کر الموت گیا اور حسن کے مصاحبوں میں شامل ہو گیا۔ حسن بن صباح نے ایک دن اس سے کہا کہ ”کیوں تمہیں معلوم ہو گیا کہ مالیخولیا مجھے تھا یا تمہیں؟ تم نے دیکھ لیا کہ جب مجھے دو مددگار دوست مل گئے تو میں نے اپنی بات پوری کر دکھائی اور اپنے دعویٰ کی دلیل فراہم کر دی۔“ یہ سن کر رئیس ابوالفضل حسن کے پاؤں پر گر گیا اور توبہ کی۔ 1

بلاشبہ حسن کی شخصیت ابتدا میں بڑی کشش رکھتی تھی۔ اسے اپنی کامیابی کے لیے جن نصف درجن حلیفوں کی ضرورت تھی وہ اس نے اپنی جرأت اور خود اعتمادی سے پیدا کر لیے۔ اس نے بڑے ہی سادہ عقیدے کی تبلیغ کی۔ ”حق کچھ بھی نہیں، سب کچھ جائز ہے“۔ اور عوام کی توجہ مبذول کرانے کے لئے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے رسم و رواج کا نہایت بے دردی سے مضحکہ اڑایا۔

اس نے اپنے مریدوں کی ایک خفیہ جماعت منظم کی جس کے ارکان میں داعی، رفقاء اور فدائی شامل ہوتے تھے۔ جماعت کی کامیابی کا اصلی راز فدائی تھے۔ جنہیں حشیشین بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی سفید عباؤں کے اوپر سرخ رنگ کا خونی کمربند نمایاں نظر آتا تھا، جن میں دو لمبے خم دار خنجر آویزاں ہوتے۔ تمام فدائی نوجوان ہوتے تھے۔

ان نوجوانوں کو حسن یوں حشیش خوری اور ”عرق و معجون“ (یعنی شراب اور افیون کے مرکب) کے استعمال سے آشنا کرتا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ جاتے۔ وہ انہیں یقین دلا دیتا کہ موت حقیقی فنا نہیں، بلکہ ایک لازوال مسرت کا دروازہ ہے اور ان لذتوں کی تکمیل جن کے سنہرے خواب وہ حشیش یعنی بھنگ کے قرابے لنڈھانے کے بعد دیکھا کرتے۔

ان گمراہ نوجوانوں کے نزدیک حسن ایک ایسا باکمال اور صاحب قدرت پیغمبر تھا جس کے مقابلے میں اسلام کی ساری شخصیتیں ہیچ تھیں۔ وہ غیر مطمئن اور غیر آسودہ اشخاص کے سامنے نجات دہندہ کا روپ دھار لیتا، لیکن اس کا اصلی مقصد اس کے ہم نوالہ و ہم پیالہ چالاک ساتھیوں کے سوا کسی اور معلوم نہ تھا۔ وہ خوف و ہراس کے ذریعے مروجہ نظام کا تختہ الٹ کر اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ ان سے کہتا کہ ”ہر مقدس چیز کو سلطنت و مذہب کے کھنڈروں تلے دفن کر دو“۔

1۔ ”صلاح الدین ایوبی“، مصنفہ ہیرلڈلیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

چنانچہ اس نے خوف و دہشت پیدا کرنے کے لئے قتل و غارت کی باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ ایک شخص کو قتل کرنے کے لئے تین فدائی مقرر کیے جاتے تھے جو عام طور پر اپنے شکار کو مسجد میں نماز کے وقت خنجر کا نشانہ بناتے۔

پہلا فدائی جھپٹ کر وار کرتا، اگر وہ ناکام رہتا اور افراتفری پھیل جاتی تو اس ہنگامے میں دوسرا یا تیسرا فدائی اس کا کام تمام کر دیتا۔ فدائی موت سے خائف نہیں، بلکہ موت کے شائق ہوتے تھے، اس لئے شاذ و نادر ہی وہ اپنے مقصد میں ناکام رہتے۔ بعض اوقات وہ خدمت گاروں، ساربانوں اور سقوں کا بھیس بدل لیتے۔ چونکہ اسلامی شہروں کے بارونق بازاروں میں آقا اور غلام دوش بدوش چلتے تھے اس لیے انہیں اپنے خونی عزائم کی تکمیل میں چنداں دقت پیش نہ آتی تھی۔ [1]

قلعہ "الموت" پر قبضہ

مہدی نامی ایک علوی اس قلعہ کا ملک شاہ کی جانب سے حاکم تھا۔ الموت اصل میں "الہ آموت" ہے یعنی آشیانہ عقاب، وہاں عقاب بکثرت پائے جاتے تھے۔ الموت میں ایک جماعت نے (ہماری) دعوت قبول کر لی۔ انہوں نے علوی کو بھی دعوت دی، اس نے بھی اس دعوت کو زبانی قبول کر لیا مگر اس کے بعد ہر اس شخص کو جس نے دعوت (باطنیہ) کو قبول کر لیا تھا، اس نے حیلے بہانے سے قلعہ سے باہر نکال کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ قلعہ سلطان (ملک شاہ سلجوقی) کا ہے۔ بہر کیف اس (علوی حاکم) نے کافی گفت و شنید کے بعد اس گروہ کو قلعہ میں آنے کی اجازت دے دی۔ اب وہ لوگ (باطنی) اس کے کہنے پر قلعہ کے نیچے (باہر) نہ جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ میں قزوین سے دیلمان اور وہاں سے ولایت (ضلع) اشکوا اور وہاں سے اندج رود گیا جو الموت سے متصل ہے (میں نے) یہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔" [1]

چونکہ حسن حد درجہ زاہدانہ زندگی گزارتا تھا، بہت سے لوگ اس کے شکار ہو گئے۔ اور انہوں نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ بدھ چھ رجب ۴۸۳ھ کی رات میں باطنیوں نے چوری سے حسن کو قلعہ میں پہنچا دیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ الموت پر حسن کے قبضے کی تاریخ یعنی ۴۸۳ھ جمل کے حساب سے لفظ "الہ آموت" سے برآمد ہوتی ہے۔ حسن وہاں کچھ عرصہ تک چھپا بیٹھا رہا اور اپنے کو "دہ خدا" کے نام سے موسوم کیا۔ جب علوی (حاکم قلعہ الموت) کو اس بات کا علم ہوا (تو وقت گزر چکا تھا) اور اس کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہ رہا تھا۔ باطنیوں نے اسے قلعہ سے چلے جانے کی اجازت دے دی اور قلعہ کی قیمت کے بطور تین ہزار دینار (اشرفیوں) کا شقہ (رقعہ) گردکوہ اور دامغان کے حاکم (گورنر) رئیس مظفر مستوفی کے نام جس نے حسن کی (باطنیوں کی) دعوت خفیہ طور پر قبول کر لی تھی، لکھ دیا۔ حسن کا طریقہ یہ تھا کہ رقعے (شقے) حد درجہ مختصر تحریر کرتا تھا، مثلاً زیر تذکرہ رقعہ کی عبارت یہ تھی: "رئیس م، حفظہ اللہ سہ ہزار دینار بہائی الموت بعلوی مہدی رساند، علی النبی المصطفیٰ و آلہ السلام و حسبنا اللہ و نعم الوکیل" یعنی رئیس مظفر مستوفی مہدی علوی کو مبلغ تین ہزار دینار قلعہ الموت کی قیمت کے بطور ادا کر دے۔ نبی مصطفیٰ اور ان کی آل پر سلام ہو اور ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا

1۔ ملخص تاریخ اسماعیلیہ بحوالہ تاریخ سیدنا۔ 2۔ تاریخ اسماعیلیہ ص ۷۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نگراں ہے الغرض علوی مذکور نے اس رقعہ کو لے لیا اور دل میں یہ سوچا کہ رئیس مظفر ایک بڑا آدمی ہے اور امیر داد حبشی بن التونتان کا نائب ہے۔ حسن کے رقعہ پر اتنی بڑی رقم کیونکر دینے لگا، ایک مدت کے بعد کہ وہ دامغان میں تھا اور مالی اعتبار سے بدحال تھا اس رقعہ کو امتحان کی غرض سے رئیس مظفر کی خدمت میں لے کر گیا۔ اس نے رقعہ کو چوما، آنکھوں سے لگایا اور رقم ادا کردی۔ [2]

دعوتِ ملاحدہ کی اشاعت

حسن، جب قلعہ الموت پر پوری طرح قابض ہوگیا تو اس نے اطراف و جوانب میں اپنے داعی بھیجے اور اپنا سارا وقت دعوتِ باطنیہ کے غلبہ اور کوتاہ نظروں کو گمراہ کرنے پر صرف کرنا شروع کیا۔

دعوتِ جدیدہ

اس بدعت (مذہب باطنیہ) میں اس نے جو تغیر و تبدل کیا اور جسے اس کے بعد اس کے پیروؤں نے دعوتِ جدیدہ کا نام دیا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس گروہ کے متقدمین نے تنزیل (قرآن) کی تاویل خصوصاً آیاتِ متشابہہ (کی تاویل) اور اخبار و آثار سے عجیب و غریب معانی نکالنے (استخراج) پر اور ایسی ہی دوسری باتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی تھی۔ اور وہ اس بات کے قائل تھے کہ ہر تنزیل کی ایک تاویل ہے اور ہر ظاہر کا ایک باطن۔ (مگر اس کے برعکس) حسن بن صباح نے تعلیم و تعلم کے دروازے کو بالکل بند کردیا اور کہا، خداشناسی عقل و نظر سے ممکن نہیں ہے بلکہ امام کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا کے بیشتر لوگ صاحبانِ عقل ہوتے ہیں اور دین کے معاملے میں ہر شخص کی اپنی ایک رائے ہوتی ہے۔ اگر خداشناسی کے لئے عقل کی نگاہ کافی ہوتی تو کسی مذہب کے ماننے والے کو دوسرے مذہب کے ماننے والے پر اعتراض کا حق نہ ہوتا اور سبھی مساوی ہوتے کیونکہ عقل کی رو سے سب متدین اور صحیح مذہب کے پیرو ہیں چونکہ اعتراض و انکار کی راہ کھلی ہوئی ہے اور کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں کی تقلید کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے یہ بات از خود ثابت ہو جاتی ہے کہ عقل کافی نہیں ہے، اور ایک امام کی ضرورت ہے تاکہ ہر دور میں لوگ اس سے علم سیکھیں اور دین حاصل کریں۔

حسن صباح نے چند مختصر (موجز) کلمات کو اپنی خدیعت (مکاری) کی بنیاد و دلیل بنایا اور اس کا نام "الزام" رکھا۔ جاہلوں اور عام لوگوں نے یہ سمجھا کہ اس مختصر لفظ میں بہت سے معانی و مطالب پوشیدہ ہیں ان الفاظ و معانی میں سے ایک جو دقیق ترین ہے یہ ہے کہ حسن اپنے مذہب پر اعتراض کرنے والوں سے پوچھتا ہے، عقل کافی ہے یا کافی نہیں ہے؟ یعنی اگر خداشناسی کے لئے عقل کافی ہے تو ہر وہ شخص جو با عقل اور عقل سے بہرہ مند ہے معترض کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا، اور اگر معترض یہ کہے کہ (خداشناسی کے لئے) عقل کافی نہیں ہے، تو یقیناً ایک معلم کی ضرورت ہوگی۔ یہ (حسن بن صباح کا) مذہب ہے۔ (ایضاً ص ۷۳)

حسن بن صباح ایسی ہی خرافات بیان کرتا تھا جو بظاہر مکر کی جادوگری اور بباطن شیطان کے فریب و گمراہی ہیں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور جن کا مقصد یہ ہے کہ عقل اور حصولِ علم سے لوگوں کو روکا جائے۔

حکومت کی توسیع

مختصر یہ کہ حسن بن صباح الموت کے متصل علاقوں اور اس کے قریب کے مقامات پر قبضہ کرنے میں بڑی کوشش کرتا تھا اور جس مقام کی تسخیر دعوتِ باطنیہ کے مکر سے ممکن ہوتی، اس پر قبضہ جما لیتا تھا، اور جو اس کے مکر اور فریب میں نہ آتا اس پر قتل، خوں ریزی، لوٹ مار اور جنگ کے ذریعہ قابض ہو جاتا تھا۔ اس کا طریقہ تھا کہ پہلے سے بنے ہوئے جو قلعے ہوتے ان پر قبضہ کر لیتا اور جہاں تعمیر کے لائق کوئی محفوظ پہاڑی مقام دکھائی دیتا وہاں قلعہ تعمیر کرتا تھا۔

ملک شاہ کے امراء میں سے ایک امیر کا نام یورن تاش تھا۔ الموت کے نواحی علاقے اس کی جاگیر میں تھے۔ وہ متواتر الموت پر یلغار کرتا رہتا تھا اور جہاں کے لوگ حسن بن صباح کی دعوت قبول کر کے اس کے مطیع ہو گئے تھے انہیں قتل کرتا تھا۔ چونکہ ابھی الموت میں دفاع کا ساز و سامان اکٹھا نہ ہوا تھا، ان حملوں سے وہاں کے رہنے والے پریشان و عاجز ہو گئے تھے اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ قلعہ (الموت) کو کچھ (جریدہ) آدمیوں کے سپرد کر کے خود کسی جانب چلے جائیں۔ اس کے بعد حسن بن صباح نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے امام یعنی مستنصر سے اسے یہ پیغام ملا ہے کہ اس جگہ سے (قلعہ الموت سے) منتقل نہ ہوں، انہیں اس مقام سے اقبال و خوش قسمتی کی توقع ہے۔ اس مکر سے حسن بن صباح کے ساتھی تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور الموت میں ٹھہرے رہے، اس لفظ کی مناسبت سے جس کا ذکر ابھی کیا گیا اس قلعہ کا نام ان لوگوں نے بلدہ اقبال رکھا۔

دعوتِ ملاحدہ قہستان میں

۴۸۴ھ میں اپنے ایک داعی حسین قاینی کو حسن بن صباح نے قہستان بھیجا کہ وہاں دعوت کا کام کرے۔ وہاں کی ایک جماعت نے اس کی دعوت کو قبول کیا اور قہستان کے ایک گوشے میں مقیم ہو گئی اور حسن بن صباح کی جانب سے ایک نائب ان کے حاکم کی حیثیت سے نامزد ہوا۔ جیسا کہ حسن بن صباح نے الموت میں طریقہ اختیار کیا تھا، ان لوگوں نے بھی قہستان میں اس کی دعوت کے اظہار اور اطراف و جوانب کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں وہی طریقہ اختیار کیا۔ اور وہ فریب سازی اور قلعوں پر قبضہ کرنے میں جہاں تک ان کے بس میں تھا، مشغول و مصروف ہو گئے۔

ملاحدہ کے خلاف ملک شاہ کا اقدام

جب حسن بن صباح کی بدعت کی داستان آشکارا ہوئی اور قرب و جوار کے مسلمانوں کو اس گروہ سے جو نقصانات پہنچتے تھے ان کی خبریں عام ہوئیں تو سلطان ملک شاہ نے ۴۸۵ھ کے اوائل میں ارسلان تاش نامی ایک امیر کو حسن بن صباح اور اس کے پیروؤں کے قلع قمع اور استیصال پر مامور کیا۔ اس امیر نے جمادی الاولیٰ سال مذکور میں قلعہ الموت کا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

محاصرہ کرلیا۔اس وقت الموت میں حسن بن صباح کے ساتھ ساٹھ ستر آدمیوں سے زیادہ نہ تھے،اور کھانے پینے کا ذخیرہ بھی ان کے پاس بہت کم اور بقدر سدرمق تھا۔ یہ لوگ تھوڑی خوراک پر گزر بسر کرتے اور محاصرہ کرنے والوں سے جنگ میں مصروف رہتے تھے۔

دہ دار بوعلی

حسن صباح کا ایک داعی دہدار (حاکم) بوعلی نامی کہ زوارہ وار دبستان سے تعلق رکھتا تھا،قزوین میں مقیم تھا،اور قزوین کے کچھ لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تھا۔اس طرح ولایت طالقان،کوہ برہ اور ولایت ری میں بہت سے لوگوں نے حسن صباح کی اتباع کر لی تھی،اور ان سب کا مرجع وہی داعی تھا جو قزوین میں اقامت گزیں تھا۔حسن صباح نے دہدار بوعلی سے مدد مانگی،اس نے کوہ برہ اور طالقان کے لوگوں کو اس کی مدد پر آمادہ کیا اور قزوین سے اسلحے اور سامانِ جنگ کے ساتھ تین سو آدمی حسن صباح کی مدد کو روانہ ہوئے۔یہ لوگ چالاکی سے الموت کے قلعہ میں گھس گئے۔انہوں نے الموت والوں اور رودبار کی ایک جماعت کی رو سے جو قلعہ کے باہر سے ان لوگوں کے ساتھ آئی تھی،اس سال کے شعبان کے اخیر میں ایک رات التونتاش کے لشکر پر شب خون مارا۔التونتاش شکست کھا کر الموت سے محاصرہ اٹھا کر ملک شاہ کے پاس چلا گیا۔

ملک شاہ کی وفات اور اس کی افواج کی شکست

سلطان ملک شاہ کو اس سے تشویش ہوئی اور اس گروہ کے استیصال کی فکر میں لگ گیا۔مگر چونکہ اس کا وقت اخیر آ پہنچا تھا،اس کی وفات سے ان بدبختوں کی پامالی میں تعویق و تاخیر ہوگئی جس سے ان کا فتنہ اور قوی ہو گیا۔ملک شاہ نے ۴۸۵ھ کے اوائل ہی میں اپنے خواص میں سے ایک دوسرے سردار کو جس کا نام غزل سارغ تھا قہستان کے ملاحدہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا اور خراسان کے لشکر کو اس کی متابعت و مدد کا حکم دیا تھا۔غزل سارغ نے اس گروہ کو درہ نامی قلعہ میں جو سیستان سے متصل مومن آباد کے مضافات میں ہے،محصور کر لیا اور ان سے جنگ چھیڑ دی۔مگر ان مقامات کی بازیابی سے پہلے اس کو ملک شاہ کی وفات کی خبر ملی،اس لئے اس نے وہاں سے محاصرہ اٹھا لیا اور اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔اب ملاحدہ کی اس جماعت نے بھی الموت کے سرکشوں کی طرح ہر طرف جور و ستم کا ہاتھ بڑھایا اور لوگوں پر مظالم توڑنے لگے۔[1]

قلعہ الموت یا آشیانۂ عقاب

ہیرلڈ لیم لکھتا ہے:

حسن کی بہترین حفاظتی تدبیر قلعوں کی تعمیر تھی۔عام طور پر مسلمان امراء کے قلعے شہر پناہ کے اندر بلندیوں پر واقع ہوتے،لیکن فدائیوں کا یہ سربراہ اور قاتلوں کا سرغنہ شہروں کے مقابل پہاڑ کی چوٹیوں پر اپنے قلعے تعمیر کرنے کی فکر

1۔تاریخ اسماعیلیہ ص ۷۵،۷۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں رہتا۔ اس نے چند کوہستانی قلعے خرید لیے اور کئی قلعے سازش اور عیاری سے ہتھیا لیے۔ اس نے دور افتادہ اور دشوار گزار کوہستانی علاقوں میں بھی کئی قلعے بنائے۔ پتھر کے یہ قلعے ناقابل تسخیر ہوتے اور آسانی سے چند جانباز ان کی مدافعت کر سکتے۔ ان قلعوں کی وجہ سے حسن شیخ الجبل کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ سارے بحری قذاق اس شیخ الجبل کی شرانگیزی اور فتنہ پردازی کے مقابلے میں ہیچ تھے۔ اطراف واکناف سے باغی، شرپسند اور مفسد عناصر ان قلعوں میں جمع ہو گئے تھے، حسن ان سب کو پناہ دیتا۔ شام اور فارس کے کوہستانی علاقوں میں شاید ہی کوئی شہر ایسا ہو جس کا فدائیوں کے کسی قلعے سے سابقہ نہ ہو۔

زندگی کے آخری ایام میں حسن اپنی بادشاہت کی بنیادیں اُستوار کرنے میں کامیاب ہو گیا، اس کی سلطنت کی حدود میں سمرقند سے لے کر قاہرہ تک کے کوہستانی علاقے شامل تھے۔ اس کی حکمت عملی بڑی سادہ تھی۔ اس نے خوف و ہراس کی مستقل فضا پیدا کر کے برسرِ اقتدار قوتوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور عوام کے باغی اور مفسد عناصر کے تعاون سے اپنا تسلط جما لیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد دوسرا شیخ سلسلے کا سربراہ بن گیا۔

اسی دوران جنت کی تعمیر ہوئی جس کی داستانیں سارے وسطِ ایشیا میں پھیل گئیں، لیکن دوسرے ممالک کو اس جنت کے وجود کا علم کئی نسلوں کے بعد ہوا۔

حشیشین کا صدر مقام الموت یعنی آشیانہ عقاب تھا۔ یہ قلعہ ایک دشوار گزار عمودی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس کی مہیب اور سنگین دیواروں کے اندر ایک وسیع باغ سجایا گیا تھا۔ اس باغ میں عجیب و غریب درخت زمردیں دوب پر سایہ ریز تھے۔ مرمر کے فواروں سے اُچھلتی ہوئی ارغوانی شراب کی ہلکی پھوار سورج کی کرنوں میں طلائی موتیوں کی طرح جگمگاتی تھی۔ مرصع ایوانوں اور آراستہ کوشکوں میں دیبا و حریر کے فرش بچھے ہوتے اور فضاء ان دیکھے موسیقاروں کے نغمات سے کیف بار رہتی۔ نوجوان افیون کے نشے میں سرشار اور سنہری خوابوں میں کھو جاتے۔

اس جنت میں صرف نوجوانوں ہی کو اذن باریابی ملتا تھا۔ پہلے حشیش پلا کر ان کے حواس معطل کر دیئے جاتے، پھر باغ میں لے جا کر چھوڑ دیا جاتا۔ جب وہ بیدار ہوتے تو اک ہنگامہ نکہت و نور ان کی خواب آلودہ نگاہوں کا استقبال کرتا۔ دو تین دن کے پیہم عیش و نشاط کے بعد انہیں پھر حشیش پلا کر جنت سے باہر لے آتے اور ان سے کہا جاتا کہ تمہیں اس جنت کی جھلک دکھائی گئی ہے جو موت کے بعد تمہاری منتظر ہے۔ یہ جنت ارضی خوابوں کے جزیروں سے بھی زیادہ حسین تھی۔ اس جنت کے دروازے کی لوح پر یہ عبارت کندہ تھی:

سلام علی مستنصر باللہ امیر الدنیا و قابر لسلاسل الدین۔

لوگ حشیشین کو ایک پُراسرار اور اعلیٰ قوت سمجھنے لگے۔ یہ ایشیائے قدیم کا ایک راز سربستہ ہے۔ اس پُراسرار سرزمین کا ایک کرشمہ، جہاں سیدھی راہیں بھی رہین پیچ و خم ہوتی تھیں اور جہاں پیغمبر رمز و تمثیل کی زبان میں باتیں کیا کرتے

1۔ صلاح الدین ایوبیؒ، مصنف ہیرلڈ لیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تھے۔ جہاں معبد مخفی اور ملفوف ہوتے تھے، اور جہاں انسان ضابطے کے بجائے تصورات کے تابع تھے۔

دراصل حشیشین کرگسوں کی طرح تھے۔ جو اونچی چٹانوں پر کمین گاہوں میں بیٹھے، نیچے کی پُررونق وادیوں میں انسانوں کی ہر حرکت کا تیز نظروں سے جائزہ لیتے رہتے تھے۔ کوئی نہ جانتا تھا کہ ان کے منحوس پروں کا سایہ کہاں پڑے گا اور ان کی خونخوار چونچیں کس کی تکا بوٹی کر دیں گی۔ ان کی آماجگاہ مشرقی ایران کا کوہستانی علاقہ اور لبنان کا شمالی سلسلہ کوہ تھا جو صلیبی ریاستوں کو دنیائے اسلام سے جدا کرتا تھا۔ گذشتہ پُرآشوب صدی میں وہ اقتدار کی معراج کو پہنچ گئے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر جگہ غالب و مختار تھے۔ [1]

نظام الملک اور دیگر اہم شخصیات کی شہادت

حسن بن صباح کی سرکشی کے آغاز میں نظام الملک حسن بن علی بن اسحاق طوسی رحمۃ اللہ علیہ ملک شاہ کا وزیر تھا۔ اس نے اپنی نظر باریک بین سے حسن کے کرتوت اور اس کے پیروؤں کے لچھن بھانپ لئے تھے اور اسلام میں ان کی فتنہ گری کا اندازہ لگا لیا تھا، اس لئے ان کے استیصال کی کوشش شروع کر دی تھی اور وہ ان کے خلاف لشکر کشی میں خاص اہتمام کرتا تھا لیکن حسن صباح نے اپنے مکر وفریب کا سلسلہ شروع کیا اور پہلے ہی حملہ میں نظام الملک جیسے شخص کو ہلاکت کے جال میں پھنسا کر بڑی شہرت پائی۔ اس نے فدائیوں کے قواعد مرتب کر کے مکر و فریب سے اپنا رعب و داب قائم کر لیا۔ ابو طاہر نامی شخص کہ اران کا باشندہ تھا شب جمعہ ۱۲ / رمضان ۴۸۵ھ کو نہاوند کے حدود میں سحنہ کے مقام پر ایک صوفی کے بھیس میں نظام الملک کی پالکی کے سامنے گیا۔ نظام الملک افطار کرنے کے بعد بارگاہِ سلطان سے محفہ (پالکی) میں اپنے حرم کے خیمے میں جا رہا تھا، ابو طاہر ارانی نے اسے چھری ماری اور نظام الملک اسی زخم سے شہید ہو گیا۔ سب سے پہلے جس شخص کو فدائیوں نے شہید کیا یہی نظام الملک تھا۔

حسن بن صباح کے ستم کا پہلا نشانہ معاصر اسلامی دنیا کا دانا ترین شخص نظام الملک تھا جو سلجوق سلاطین کا وزیر باتدبیر، عمر خیام کا مربی اور حسن کا محسن تھا۔

نظام الملک کی موت کے بعد سلطنت سلجوقیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور چاروں طرف بدنظمی پھیل گئی۔ حسن نے اس ابتری سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کی بنیادیں استوار کر لیں۔ اس کے بعد غازی شمال یعنی سلطان مودود کو بھی قتل کرا دیا۔ چنانچہ ہر طرف فدائیوں کی ہیبت طاری ہو گئی۔ لوگ ان کے خنجروں کے اٹل وار سے لرزاں و ترساں رہنے لگے۔ حسن نے بڑی عیاری سے خوف و ہراس کی اس کیفیت سے فائدہ اٹھایا۔ بھلا کون تھا جسے اپنی جان پیاری نہ تھی؟ وہ کون تھا جو اپنی سلامتی کی خاطر سالانہ خراج ادا کرنے سے انکار کرتا؟ حسن اپنے وعدے کا پکا تھا، اگر وہ کسی کی سلامتی کا ذمہ لیتا تو پھر اس شخص کو کوئی گزند نہ پہنچاتا۔

کئی سلاطین و امراء اس کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ انہوں نے اطراف و اکناف سے اس کے ملحد مریدوں کو

1۔ صلاح الدین ایوبیؒ، مصنف ہیرلڈ لیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

چن چن کر قتل کیا، لیکن وہ خود ہمیشہ چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا اور ان امیروں کے ہاں پناہ لے لیتا جو اس کے فدائیوں کی خنجر زنی سے سہمے ہوتے۔

ایک ذی اثر عالم ہمیشہ اپنے وعظ میں حسن بن صباح اور ملحدہ کو ہدفِ لعنت بنایا کرتا تھا، ایک دن وہ اپنے دارالمطالعہ میں محوِ استراحت تھا، اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک فدائی اس کے سینے پر گھٹنے ٹیکے بیٹھا اپنے چمک دار خنجر کی نوک سے اس کے پیٹ کی ملائم جلد سہلا رہا ہے۔ وہ فدائی فوراً غائب ہو گیا، لیکن اس کے بعد اس عالم نے حسن بن صباح کے خلاف کبھی لب کشائی نہ کی۔ اسکے مریدوں نے اس کی زباں بندی کی وجہ دریافت کی تو اس عالم نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ان کے پاس کچھ ایسے دلائل بھی ہیں جن کا واقعی جواب نہیں"۔

اسی طرح سے فدائی اپنے دشمنوں اور حریفوں کو خوف زدہ کرتے۔ وہ اپنے دشمنوں کے سرہانے وہ خنجر گاڑ دیتے اور جب ان کی آنکھ کھلتی اور وہ ان خنجروں کو دیکھتے تو ان کے اوسان خطا ہو جاتے۔ ان کو ہر وقت موت اپنے سروں پر منڈلاتی محسوس ہوتی اور جو لوگ اعلانیہ جنگ کی تاب نہ رکھتے، ان کے چھکے چھوٹ جاتے۔ ان کے حملوں سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا، یہاں تک کہ ایک فاطمی خلیفہ بھی ان کے خنجروں کا نشانہ بنا۔ [1]

قلعہ الموت کے فدائیوں کے حوالے سے سید امیر علی لکھتے ہیں:

"حسن بن صباح کی باطنیت مغربی اسماعیلیوں (فاطمی) سے مختلف تھی جیسا کہ شہرستانی اور محسن فانی نے واضح کیا ہے۔ ان کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے قلم پر فدائیوں کا خنجر سوار تھا۔"

امام فاضل فخر الدین رازی رے میں فقہ کے متعلق درس دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے اسماعیلیہ

☆......فدائی تنظیم سے متعلق خود اسماعیلی تاریخ سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

"سیدنا راشد الدین سنان نے (۵۵۸ھ تا ۵۹۸ھ/ ۱۱۶۲ تا ۱۱۹۳ء) جو شام میں اسماعیلی دعوت کے انچارج تھے، سب سے پہلے اسماعیلیوں کو اندرونی طور پر منظم اور متحد کیا۔ دوسری طرف بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے فدائی بڑے بہادر تھے اور امام الوقت کے نام پر جان قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ یہ مختلف زبانیں جانتے تھے اور بڑے بڑے حکمرانوں کے خفیہ راز معلوم کرنے کے ماہر تھے۔ سیدنا سنان نے مختلف اسماعیلی قلعوں کے مابین پیغام رسانی کے لئے کبوتروں کو تربیت دے رکھی تھی، اور اس پیغام رسانی کے لئے ایک خفیہ زبان استعمال کی جاتی تھی۔ اس طرح آپ کبوتروں سے موجودہ دور کے وائرلیس کا کام لیتے تھے اور اس ذریعہ سے چونکہ آپ کو دشمنوں کے پروگراموں کی اطلاع پہلے سے مل جاتی تھی اس لئے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ (تاریخ ائمہ اسماعیلیہ حصہ سوم ص ۶۸، ۶۹)

مندرجہ بالا اقتباس صاف ظاہر کر رہا ہے کہ شام میں چھٹی صدی ہجری میں اسماعیلی فدائیوں نے جو قتل و غارت گری کی اس کا تعلق راشد الدین سنان کی تنظیم سے تھا۔ راشد الدین سنان کو تاریخ ائمہ اسماعیلیہ میں نزاری امام حسن علی ذکرہ السلام (۵۵۷ھ تا ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۲ تا ۱۱۶۶ء) اور امام اعلاء محمد (۵۶۱ھ تا ۶۰۷ھ/ ۱۱۶۶ تا ۱۲۱۰ء) کے زمانہ میں شام میں اسماعیلی دعوت کا انچارج بتایا گیا ہے اور لکھا ہے: "آپ (راشد الدین سنان) نے صلاح الدین ایوبی (۵۶۷ھ تا ۶۰۷ھ/ ۱۱۶۶ تا ۱۱۹۳ء) والی مصر اور صلیبیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔" (ایضاً ص ۶۷)

1۔ The spirit of Islam . p341

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaqi

سے متعلق تنقید کی۔اس کی اطلاع ''الموت'' جس کو عقاب کا آشیانہ کہا جاتا تھا پہنچی اور فوراً ایک فدائی کو امام کی تنبیہ کے لئے مامور کیا گیا۔فدائی نے رے پہنچ کر خود کو جناب امام کے درس میں شامل کرلیا۔سات ماہ کے انتظار کے بعد امام کو اپنے حجرہ میں تنہا پا کر ان کی چھاتی پر سوار ہو کر ان کے گلے پر خنجر رکھ دیا۔☆ جناب امام کے دریافت کرنے پر فدائی نے کہا کہ تم کو اس لئے مارا جاتا ہے کہ تم نے اسماعیلیہ کی ملامت کی ہے۔جناب امام نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا نہ کریں گے۔فدائی نے ان کی بات کو ماننے سے اس وقت تک انکار کیا جب تک کہ انہوں نے خداوند''الموت'' سے وظیفہ لینا قبول نہ کرلیا تا کہ وہ آئندہ نمک حرامی نہ کر سکیں۔'' 1

فدائیوں کی خنجر زنی

نظام الملک کی شہادت کے ایک عرصہ بعد دو موقعوں پر اس کے دو بیٹوں کو فدائیوں نے چھری ماری۔ان میں سے ایک (بیٹے) کا نام احمد تھا اور وہ بغداد میں مفلوج (اپاہج) ہوگیا۔اور نظام الملک کے دوسرے بیٹے فخر الملک کو فدائیوں نے نیشاپور میں چھری ماری (جس سے وہ شہید ہوگیا)۔اس کے بعد امراء، سپہ سالاروں، دانشوروں کو فدائیوں کے ذریعہ متواتر اور پے در پے حسن صباح قتل کراتا رہا۔اور جو بھی اس کے ساتھ تعصب کا اظہار کرتا اس طریقے سے اس کا خاتمہ کر دیتا تھا۔ان مقتولین کے ناموں کو شمار کرنا فضول اور بے کار ہے، اس سبب سے دور و نزدیک کے لوگ ان کی محبت یا نفرت میں مبتلا ہو گئے اور ہلاکت کے بھنور میں پھنسے۔اس کے دوست تو اس لئے تباہ ہوئے کہ بادشاہانِ اسلام نے انہیں تباہ کیا اور اس کے دشمن اس لئے برباد ہوئے کہ حسن کے مکر و حیلہ سے بھاگ بھاگ کر احتیاط و حفاظت کی خاطر محفوظ مقامات کی طرف پناہ لیتے رہے اور ان میں سے بیشتر مارے جاتے۔

سلاجقہ میں اختلاف اور ملاحدہ کی طاقت میں اضافہ

جب ملک شاہ کے بیٹوں برکیارق اور محمد کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور ملک میں اضطراب و آشوب کا غلبہ ہو گیا تو دامغان کے حاکم رئیس مظفر نے امیر داد حبشی کو جس کا وہ نائب تھا اس بات پر آمادہ کیا کہ قلعہ گردکوہ کو سلطان برکیارق سے اس کے لئے مانگ لے۔سلطان نے اس کی درخواست منظور کر لی۔حبشی کی نیابت کے ناطے رئیس مظفر قلعہ گردکوہ میں داخل ہو گیا۔اس کی تعمیر و استحکام پر زرِ کثیر صرف کیا اور امیر حبشی کا سارا خزانہ وہاں منتقل کر دیا۔جب وہ ذخائر اور خزانوں سے قوی پشت ہو گیا تو اس نے حسن صباح کی دعوت قبول کرنے کا بھید کھول دیا اور اس کے کفر و الحاد کے طریقہ کو لازم پکڑنے کا راز فاش کر دیا۔وہ حسن بن صباح کی جانب سے (قلعہ گردکوہ) پر چالیس سال تک حکومت کرتا رہا۔رئیس مظفر کی پشت پناہی اور حمایت سے حسن کے کام اور اس کی دعوت کو ترقی ہوئی۔

قلعہ المسر کی تسخیر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس کے بعد قلعہ المسر کی تسخیر کی غرض سے (چونکہ وہاں کے رہنے والوں نے حسن کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا) حسن نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کیا بزرگ کو ملاحدہ کی ایک جماعت کے ہمراہ بھیجا، وہ چارشنبہ ۲۰ ذی القعدہ ۴۹۵ھ کی رات میں چوری سے قلعہ میں داخل ہو گیا اور وہاں کے تمام باشندوں کو جان سے مار ڈالا۔ بزرگ امید بیس سال تک اس قلعہ میں مقیم رہا اور جب تک حسن نے اسے وہاں سے نہ بلایا وہ قلعہ سے نیچے نہ اُترا۔

نورالدین زنگی کی حکمتِ عملی

کچھ بھی ہو، ابھی تک عباسی خلفاء بغداد میں حکمران تھے، قبائے رسول ابھی تک ان کے شانوں کی زینت تھی۔ علَم اور ملبوس میں ان کا امتیازی سیاہ رنگ ابھی تک باقی تھا، لیکن یہ خلیفہ محض نام کے حکمران تھے۔ زمامِ اختیار ان کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ انہیں تو پہلے خلفاء کی عظمت کا محض پرتو سمجھئے، بغداد کے شمال میں قدیم دجلہ وفرات کے جو بالائی علاقے تھے، ان میں چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان ریاستوں کے جنگ آزما حکمران اتابیگ کہلاتے تھے۔ ان حکمرانوں کے مشہور قلعے، حلب اور الروحہ تھے۔ حلب کا قلعہ سرخ گیہوں کے لہلہاتے کھیتوں کے درمیان ایک بھوری چٹان کی چوٹی پر واقع تھا۔ الروحہ کے عظیم الشان قلعے میں گرجوں کے کھنڈر ماضی کی نشاندہی کرتے تھے۔ الروحہ کے شمال میں کوہِ طورس حد فاصل کا کام دیتا تھا جس کے دامن میں جنگجو ارمنی قبائل کی بستیاں تھیں۔ اس سے پرے ایشیائے کوچک کی بلند سطح مرتفع تھی۔ جہاں سلطانِ روم قلیچ ارسلان کے گھوڑوں کی چراگاہیں تھیں۔ وہ سلجوقی خاندان کا آخری تاجدار تھا اور بیزنطینیوں کو آہستہ آہستہ قسطنطنیہ کی دیواروں کی طرف دھکیل رہا تھا۔

اسی طرح سلطان نورالدین زنگی مشرق اوسط کی بوقلموں سیاست کو ضبط و یکسانی کی لڑیوں میں پرو رہا تھا۔ اس نے طوائف الملوکی اور انتشار کو مٹا کر نظم و وحدت کی بنیادیں استوار کیں۔ عمادالدین زنگی کا یہ فرزند ارجمند نورالدین واقعی اسم بامسمّٰی تھا۔ وہ اخلاق کا حامل تھا۔ منصف مزاج، سخت کوش اور متقی۔ اب وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور بذاتِ خود جنگ وجدال میں افواج کی راہنمائی کرنے کے قابل نہ تھا۔ لیکن اس کے احکام کی تعمیل کے لیے شیر کوہ اور ایوب جیسے تجربہ کار سردار ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ یہ وہ کرد سردار تھے جن کے لیے سیاست ایک تفریح تھی اور جنگ ایک مشغلہ۔

عروس البلاد دمشق نورالدین کا پایۂ تخت تھا۔ لیموں اور سفیدے کے درخت اس کے شاداب باغوں کی زینت تھے۔ سبزے کی افراط کی وجہ سے فضا صحرا کی گرد و غبار سے پاک رہتی تھی۔ وہ اس پُرفضا شہر کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ اس کی زندگی آرام سے گزر رہی تھی وہ جامع مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتا، مسجد کی رنگین شیشوں والی کھلی کھڑکیوں سے سفید عمامے باندھے حافظ پیہم تلاوتِ قرآن میں مشغول نظر آتے۔ وہ تلاوت سنتا تو اس پر رقت و سوز کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اسی مسجد کے اردگرد شہتوت کے گہرے سایوں تلے گلاب کے باغیچوں میں اسلام کے اولین دور کے مشاہیر کی قبریں اور مزار تھے۔ شہر کے چاروں دروازوں سے کبھی بچوں کے تیز قدموں کی چاپ سنائی دیتی جو بھاگتے ہوئے مکتب جاتے،

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کہیں ہانپتے ہوئے ست خرام مریض دکھائی دیتے اور کبھی امراء کے پُرتمکنت قدموں کی آواز کانوں میں پڑتی۔

سلطان نے دمشق کو امن وامان بخشا تھا۔ ہر طرف خوشحالی اور سکون تھا۔ محراب دار گلیوں کی سنگین جالیوں کے پیچھے کئی بوڑھے بے فکری سے آبنوس اور ہاتھی دانت کی مرصع بساطوں پر سفید سر جھکائے شطرنج کھیلنے میں مستغرق نظر آتے۔ کئی باریش جوان بازاری گپ سے دل بہلاتے۔ رات کو ہر طرف رنگینی و رعنائی کا سماں ہوتا۔ پُرشکوہ ایوانوں میں رنگین قالینوں پر اُجلے دستر خواں بچھے ہوتے۔ لوبان کی تیز خوشبو سے فضا گراں بار ہوتی اور عود و رُباب کے تاروں کی کیف آفرینی سے ایک سرخوشی کا عالم طاری ہوتا۔ معنبر و معطر شخصیتیں تمکنت وشان سے ایوانوں میں جلوہ افروز ہوتیں اور ضیافت کا پُرمسرت ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ جھروکوں کی مرمریں جالیوں سے لگے ہوئے کسی حسین چہرے کی منتظر سیاہ غزالی آنکھیں کوچہ و بازار سے گزرنے والے سایوں کا تعاقب کرتی ہوئی کسی امیر کے رسالے کی مشعلوں کی روشنی یا کسی نیم خوابیدہ راہرو کے چراغ کی جھلملاتی لو میں گم ہو جاتیں۔

یہ سب کچھ امن کا کرشمہ تھا جو نور الدین کی حکمت عملی کا سنہری نتیجہ تھا۔ عماد الدین اتابیگ کے اس لائق فرزند کے حسن تدبیر کی وجہ سے مشرق اوسط ۱۱۶۹ء میں امن وسکون کا گہوارہ بن گیا تھا۔ اس نے شمال کے شورش خیز علاقوں کو تسخیر کرنے کے بعد صلیبی معرکہ آزماؤں سے عارضی صلح کر لی تھی۔ جنہوں نے سرزمین اسلام میں اپنے قدم جما لیے تھے۔ سلطان کے قلمرو اور غیر ملکی صلیبی ریاستوں کے درمیان لبنان کا طویل علاقہ ایک قدرتی حدِ فاصل تھا جس کے ساتھ ساتھ دریائے اردن بہتا ہوا بحیرہ مردار میں جا گرتا تھا۔

صلاح الدین کا فدائیوں سے ٹاکرا

ہیرلڈ لیم لکھتا ہے:

اہل دمشق نے صلاح الدین کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور شہر کے دروازے کھول دیئے لیکن اس کے چند ہم وطن اتابیگ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، انہیں سلطان موصل کی حمایت حاصل تھی، وہ اعلیٰ پائے کے شہسوار اور بے خوف جنگ آزما تھے۔ ایک مرتبہ وہ فرن الحما[1] کے میدان کے قریب سلطان کی فوج پر اچانک ٹوٹ پڑے اور دوسری مرتبہ انہوں نے قلعہ حلب کے سامنے پھیلے ہوئے گندم کے سرخ کھیتوں میں ایک خون ریز معرکہ برپا کیا اور سلطان کی فوجوں سے شکست کھا کر بھاگ گئے۔ بالآخر مجبور ہو کر صلاح الدین نے مصلحت کوشی ترک کر دی اور سرزمین شام کو اعلانیہ طور پر اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ خلیفہ بغداد نے شام پر اس کے تسلط کی توثیق کر دی اور اسے خلعت و علَم مرحمت فرمائے۔

1۔ قرون حماہ: اس پہاڑ کی دو سینگ نما چوٹیاں ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ حماہ ولایت کا صدر مقام تھا۔ تیرہویں صدی میں اس کے گرد مستحکم فصیل تھی۔ یاقوت اور دمشقی نے اس شہر کے عمدہ نظامِ آب رسانی کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ (مترجم "سید صلاح الدین ایوبی")

2۔ حلب کے شمال میں ایک قصبہ تھا جہاں حشرات الارض نہیں ہوتے تھے۔ ابوالفداء کا بیان ہے کہ یہ نہایت خوشگوار مقام ہے۔ یہاں کپاس اور پھل بکثرت پیدا ہوتے تھے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس عرصے میں ایک خوفناک دشمن اس کے خلاف صف آراء ہو گیا۔ قاہرہ کو مفسدوں اور مجرموں کے اڈوں سے پاک کرنے کی مہم میں اسے اسماعیلیوں کی خفیہ آماجگاہ کو بھی تباہ کرنا پڑا۔ اس کے بعد اسماعیلی اسکے پکے دشمن بن گئے۔ انہوں نے سوڈانی شرپسندوں کو بغاوت پر اُکسایا، صلاح الدین نے فوراً بغاوت کچل دی اور شہر کے دروازوں پر سرغنوں کو سولی پر لٹکا دیا۔ اسماعیلیوں کی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے فدائی میدان میں اُتر آئے۔ وہ صلاح الدین کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ فدائیوں کی پہلی قاتلانہ کوشش کو صلاح الدین کے محافظ دستے کی ہوشیاری نے ناکام بنا دیا۔

ہر ایک کو خیمۂ سلطانی میں داخل ہونے کی اجازت تھی، وہ کسی کو باریابی سے نہ روکتا۔ ایک دن ایک چھوٹی سی بُرقع پوش لڑکی آئی، اس نے نقاب اٹھا کر کہا کہ "میں سلطان نورالدین کی بیٹی ہوں"۔ سلطان نے بڑی متانت اور تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اور پوچھا "میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

"مجھے اعزاز[2] کا شہر بخش دیجئے"۔

سلطان نے وہ شہر بلا تامل سلطان نورالدین کی صاحبزادی کے حوالے کر دیا جسے اس نے جان پر کھیل کر صبر آزما محاصرے کے بعد فتح کیا تھا۔ سخاوت اس کی فطرت تھی۔

صلاح الدین حسب معمول اپنے خیمے میں بیٹھا تھا کہ تین مختلف وضع کے مہمان وارد ہوئے۔ وہ تینوں فدائی سلطان پر ٹوٹ پڑے۔ سب سے پچھلے کو تو محافظ کی تلوار کے وار نے گرا دیا، لیکن باقی دو سلطان پر حملہ آور ہو گئے۔ پہلے نے خنجر کا وار کیا جو سلطان نے بڑی مستعدی سے روک لیا اور پینترا بدل کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اس کے فولادی خود پر دوسرے خنجر کی تیز ضرب لگی، اسے گردن پر معمولی سا زخم آیا، لیکن پیشتر اس کے کہ حشیش کے نشے میں چور فدائی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہوتے، سلطان کے محافظوں نے لپک کر انہیں پچھاڑ دیا۔ ان کے ہتھیار چھین لئے گئے۔ انہیں سخت اذیت ناک عذاب دے کر اعترافِ جرم کروایا گیا اور بعد میں ان کے سرتن سے جدا کر دیئے گئے۔ انہوں نے اعتراف کر لیا کہ ہمیں شیخ الجبل نے اس کام کے لیے مامور کیا تھا۔

دوسرا حملہ سلطان کے تحمل اور اس کے امراء کی برداشت سے باہر تھا۔ ساری فوج کو صف در صف کھڑا کیا گیا اور جس سپاہی کی وفاداری کی تصدیق نہ ہو سکی اسے فوراً نکال دیا گیا۔ پھر فوج نے حشیشین کی کمین گاہوں کا رُخ کیا جو اسامہ کے وطن سے مغرب کی جانب طویل وادی حما اور سمندر کے درمیان پہاڑوں میں واقع تھیں۔

یہ کوہستانی سلسلے چیڑ کے جنگلوں سے سیاہ نظر آتے تھے۔ چٹانوں کے سبز کناروں پر نیم وحشی مویشی چرتے رہتے۔ دور بلند چوٹیوں پر ایستادہ قلعے بادلوں میں معلق دکھائی دیتے۔ صلاح الدین کے سواروں نے وادیوں کو تاخت و تاراج کیا۔ وہ مویشیوں کو ہنکاتے ہوئے دامنِ کوہ میں پہنچ گئے۔ جہاں دیہات کے کچے مکانوں کی پست چھتوں سے اوپر سنگلاخ اور دشوار گزار چٹانوں کے دائرے میں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ ان عمودی چٹانوں کے اوپر قلعے کی ساٹھ فٹ اونچی دو دیواریں کھڑی تھیں۔ یہ صیاف کا قلعہ تھا۔ جو بلادِ شام کے فدائیوں کی قوت کا مظہر اور مرکز تھا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شامی فدائیوں کا سربراہ شیخ رکن الدین تھا۔ یہ مشہور تھا کہ وہ دن کے وقت مصیاف کی چار دیواری سے کبھی باہر نہیں نکلتا۔ البتہ رات کو اس کے تصرف روحانی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ ہر مادی رکاوٹ کو غیر مرئی طور پر عبور کر لیتا ہے۔ فدائی اسے انسان کے بجائے زندہ خدا سمجھتے تھے، کیونکہ کبھی کسی نے اسے کھاتے، پیتے، سوتے، حتیٰ کہ تھوکتے ہوئے بھی نہ دیکھا تھا۔

چٹانوں کی عمودی بلندی پر ایستادہ قلعے کی مضبوط فصیلیں ہفتہ بھر صلاح الدین کے آلاتِ محاصرہ کا منہ چڑاتی رہیں۔ اس محاصرے کا کیا انجام ہوا؟ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت ہے کہ ایک دن سلطان بیدار ہوا تو اس کے بستر کے قریب زمین میں ایک خنجر گڑا ہوا تھا، جس کے ساتھ ایک رقعہ تھا۔ اس میں لکھا تھا:

”جو کچھ تمہارے پاس ہے، بال آخر ہمارے پاس لوٹ آئے گا، جان لو کہ تم ہمارے قبضے میں ہو اور ہماری گرفت میں رہو گے، جب تک کہ محاصرہ ختم نہ ہو جائے“۔

دوسری رات صلاح الدین کے محافظ دستے نے شاہی خیمے کے گرد ایک آہنی گھیرا ڈال دیا اور خیمے کے پردوں کے چاروں طرف آٹا بکھیر دیا۔ انہوں نے صبح دیکھا تو سلطان محفوظ تھا۔ رات بھر کسی مشکوک شخص کی صورت نظر نہ آئی تھی۔ بھلا کوئی آدم زاد بیدار محافظوں کے نرغے میں کیوں کر گھسنے کی کوشش کرتا، لیکن سفید آٹے کی تہہ پر پاؤں کے نشان تھے۔ کوئی خیمے میں داخل ہو کر باہر نکلا تھا۔ آمد و رفت کی صورت میں پاؤں کے پنجے باہر کی طرف مڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہ دیکھ کر پہرہ دار خوف زدہ ہو گئے اور چند ایک نے مرنے مارنے کے ارادے سے فوراً تلواریں سونت لیں۔ دوسرے دن مصیاف سے تیر کے ساتھ بندھا ہوا ایک رقعہ لشکر گاہِ سلطانی میں گرا، لیکن اس مادی ذریعۂ مراسلت سے بھی لشکر کا ہراس دور نہ ہوا، اس رقعہ میں مرقوم تھا:

”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جہاں چاہتے ہیں، جاتے آتے ہیں۔ تم کسی طرح ہمیں نہیں روک سکتے“۔

اس واقعے کے بعد سلطان کی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا اور رات کو کوئی بھی آرام کی نیند نہ سو سکا۔ یہ افواہ گرم ہو گئی کہ اگر سلطان نے ایک ہفتے کے اندر مصیاف کا محاصرہ نہ اٹھایا تو وہ قتل کر دیا جائے گا۔

صاحب المصیاف نے حسب وعدہ اپنے روحانی تصرف کا مظاہرہ کیا۔ رات کی تاریکی میں ہر ایک نے اسے قلعہ مصیاف سے حیرت انگیز طریقے پر نکلتے اور محاصرین کے نرغے سے غائب ہوتے دیکھا۔

مصیاف کے سنگین برجوں پر ایک نیلی روشنی نمودار ہوئی اور پھر ایک دم نیچے کسی چٹان پر اتر آئی۔ سیاہ چٹانوں پر سے پھلانگتی ہوئی یہ روشنی لحہ بھر میں تاریک گہرائیوں میں ڈوب گئی اور پھر آناً فاناً کہیں دور جا ابھری۔ اس روشنی کو نشانہ بنانے اور اس پر مشعلیں پھینکنے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ غول بیابانی کی طرح یہ روشنی کبھی دفعتہً نزدیک آجاتی اور کبھی دور چلی جاتی۔ بال آخر وہ ان کی صفوں کو تیر کی طرح چیرتی ہوئی پہاڑوں میں جا کر گم ہو گئی۔

اس حکایت کی حیثیت کچھ بھی ہو، امر واقعہ یہ ہے کہ شیخ الجبل نے صلاح الدین کو فدائیوں کے حملوں سے

1۔ صلاح الدین ایوبیؒ، مصنف ہیرلڈ لیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حفاظت کی ضمانت دی اور سلطان نے بھی ہفتے کے آخر تک مصیاف کا محاصرہ اٹھالیا۔اس کے بعد فدائیوں نے سلطان کو پریشان نہ کیا اور نہ سلطان ہی نے ان کے علاقے کا رخ کیا۔ 1

حسن بن صباح اور زید حسنی

حسن صباح کے دو بیٹے تھے۔ایک کا نام استاد حسین تھا۔الموت کے قلعہ میں زید حسنی نامی ایک علوی رہتا تھا۔وہ خفیہ طور پر اپنی امامت کی دعوت دیتا تھا اور قریب تھا کہ حسن کا کام اس کے ہاتھوں تمام ہوجائے،اس (زید حسنی) نے اپنے کام کی ابتداء یوں کی کہ قہستان کے داعی حسین قاینی کو حسین (احمد؟) دنباوندی کے ہاتھ سے مروادیا۔چونکہ اس حسین قاینی کے قتل کا الزام حسن صباح کے بیٹے استاد حسین پر لگایا گیا اس لئے حسن کے حکم سے اس کے بیٹے استاد حسین اور احمد (حسین؟) دنباوندی کو قتل کردیا گیا۔ایک سال بعد حقیقتِ حال کا علم ہوا تو حسن صباح نے علوی (زید حسنی) کو اس کے بیٹے کے ساتھ قتل کرادیا۔

حسن کا زہد وورع

چونکہ حسن صباح نے اپنے کام کی بنیاد زہد وورع اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر رکھی تھی،الموت میں اس کے پینتیس سالہ قیام کے دوران،اس کے ملک میں کسی شخص نے علانیہ شراب نہ پی یہاں تک کہ ایک آدمی نے قلعہ میں بانسری بجائی تو اسے قلعہ سے نکال دیا اور دوبارہ اندر آنے کی اجازت نہ دی۔حسن صباح کے دوسرے بیٹے کا نام محمد تھا،اس پر شراب خوری کی تہمت لگائی گئی اور وہ حسن صباح کے حکم سے قتل کردیا گیا۔حسن صباح اپنے دونوں بیٹوں کے قتل کی وجہ یہ توجیہہ کرتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد کسی کے دل میں یہ خیال نہ آئے گا کہ اس نے دعوت کا سلسلہ انہیں جانشین بنانے کی غرض سے شروع کیا تھا اور اس کا مقصد ان کی بھلائی تھا۔

اس سلسلہ میں اس نے دوسری بات یہ کی کہ قلعہ الموت کے (سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے آٹھ سالہ) محاصرہ کے دوران اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو قلعہ گردکوہ بھیج دیا،اور رئیس مظفر کو لکھا یہ عورتیں دعوت اسماعیلیہ کے لئے سوت کاتتی ہیں،ان کی ضروریات کا انتظام اس کی اجرت سے کیا جائے۔اس وقت سے (یہ قاعدہ قرار پایا کہ) باطنیوں (ملاحدہ) کے سردار (محتشم) اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد اپنی بیویوں کو اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔

سلطان محمد سلجوقی کا ملاحدہ پر حملہ اور وفات

جب حسن صباح کی حکومت زبردست ہوگئی اور اسے بڑا اقتدار حاصل ہوگیا تو اس کے استیصال کی غرض سے سلطان محمد بن ملک شاہ نے فوجیں اکٹھی کیں اور خواجہ نظام الملک (طوسی) کے بیٹے نظام الملک احمد کو اس لشکر کا سردار بنا کر ان کے خلاف روانہ کیا (یہ واقعہ ۵۰۳ھ کا ہے) یہ لوگ الموت اور استاوند میں جو الموت کے قریب اندج رود کے کنارے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پر ہے، مرکز بنا کر ایک عرصہ تک ملاحدہ سے جنگ کرتے اور ان کے غلہ جات کو تلف کرتے رہے۔ حسن صباح جب اس مصیبت سے عاجز آ گیا تو لشکر (قلعہ) رودبار سے باہر نکل آیا۔ ملاحدہ کے قلعوں میں بڑا کال پڑ گیا تھا اور لوگ گھاس پات کھا کر پیٹ بھر رہے تھے۔ اس وجہ سے وہ لوگ اپنے بال بچوں کو مختلف مقامات پر بھیج رہے تھے۔ حسن صباح نے بھی اپنی بیوی اور بیٹیوں کو گردکوہ بھیج دیا تھا۔ مسلسل آٹھ سال تک سلجوقی لشکر گردکوہ آتا اور غلہ جات کو برباد کر دیتا تھا اور جانبین چوکنا اور ایک دوسرے کی نگرانی کرتے رہتے تھے جب سلاجقہ کو معلوم ہو گیا کہ ملاحدہ کے پاس نہ تو سامانِ خوراک باقی رہ گیا ہے اور نہ لڑنے کی قوت، تو ۵۱۱ھ میں اتابک نوشتگین شیر گیر کو امیر لشکر بنا کر حکم دیا کہ ملاحدہ کے قلعوں کا محاصرہ کریں۔ انہوں نے یکم ماہ صفر کو لمسر کا اور ۱۱ ربیع الاول کو الموت کا محاصرہ کر لیا اور **منجنیقیں** نصب کر کے سخت جنگ شروع کر دی مگر اس سال کے ماہ ذی الحجہ میں جب کہ قریب تھا کہ ملاحدہ کے قلعوں پر قبضہ کر کے لوگوں کو ان کے فتنے سے نجات دلا دی جائے خبر آئی کہ سلطان محمد بن ملک شاہ نے اصفہان میں وفات پائی، اس خبر سے لشکر منتشر ہو گیا اور یہ ملاحدہ زندہ بچ گئے۔ ذخائر، سامانِ جنگ اور ہتھیار جو اس لشکر نے اکٹھا کیا تھا وہ سب ملاحدہ اپنے قلعوں میں اٹھا لے گئے۔

سنجر کی ناکامی

سلطان سنجر سلجوقی اپنے بھتیجے سے اختلاف کے باعث ملاحدہ کا بروقت تدارک نہ کر سکا۔ جس سے انہوں نے بار دیگر زور پکڑ لیا۔ جب سلطان سنجر کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے ملاحدہ کے سدّ باب کی غرض سے قہستان پر فوج کشی کی اور سالہا سال لڑائیوں کے سلسلے جاری رہے۔ حسن صباح نے صلح کی نیت سے قاصد بھیجے مگر سلطان نے قبول نہ کیا، آخر حسن صباح نے طرح طرح کی فریب کاریوں سے سلطان کے خواص کی ایک جماعت کو اپنا ہم نوا بنا لیا جو سلطان کی باتیں ملاحدہ تک پہنچا دیتے تھے۔ پھر سلطان کے خادموں میں سے ایک کو بھاری رقم دے کر اس کی خواب گاہ میں تخت کے قریب زمین میں خنجر گڑوا دیا۔ جب سلطان بیدار ہوا تو خنجر دیکھ کر ڈر گیا مگر چونکہ کسی پر تہمت نہیں رکھی جا سکتی تھی اس لئے اس بات کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حسن صباح نے قاصد بھیج کر پیغام دیا کہ اگر مجھے سلطان سے حسنِ ظن نہ ہوتا تو یہ خنجر جسے رات کے وقت سخت زمین میں گاڑا گیا سلطان کے نرم سینے میں بھی اتارا جا سکتا تھا۔ سلطان اس بات سے ڈر گیا اور ملاحدہ سے صلح کر لینے پر آمادہ ہو گیا۔ الغرض اس مکر کے باعث سلطان سنجر نے ان کے دفعیہ سے احتراز کیا اور ان کا کام کافی ترقی کر گیا۔

ملاحدہ کو خراج کی ادائیگی

سلطان نے قومس کے خراج سے تین ہزار دینار ان ملاحدہ کے نام جاری کر دیئے اور اس بات کی اجازت دے دی کہ گردکوہ کے دامن سے گزرنے والے مسافروں سے وہ بدرقہ (رہنمائی) اور خراج کے بطور ایک رقم وصول کریں۔ اب تک اس رسم کے آثار باقی ہیں۔ سلطان سنجر کے منشورات (احکامات) میں سے جو چند ملاحدہ کے کتب خانے میں باقی رہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

گئے ہیں ان سے ان کی تعریف و دل جوئی کا پتہ چلتا ہے اور سلطان کی سلامت طلبی اور دامن پسندی کا حال معلوم ہوتا ہے۔

حسن کی ہلاکت

القصہ یہ لوگ سنجر کے دور میں آسودہ، مرفہ الحال رہے۔ حسن سنجر کے دورِ حکومت میں ماہ ربیع ال آخر ۵۱۸ھ میں بیمار پڑا۔ لمسر (ل م س ر) سے بزرگ امید کو بلا کر اپنا جانشین بنایا۔ دہدار ابو علی اردستانی کو اس کے دستِ راست پر مقرر کر کے "دعوت دیوان بتخصیص" اس کے حوالہ کی اور حسن آدم قصرانی کو دست چپ پر اور کیا باجعفر کو کہ صاحب جیش (سپہ سالار) تھا بطور مقدمہ (پیشی) میں مقرر کیا اور وصیت کی کہ جب تک امام اپنے ملک میں نہ آئے چاروں اشخاص اتفاق و مشورہ باہمی سے کام کرتے رہیں۔ حسن منگل، ۶/ربیع ال آخر ۵۱۸ھ مر گیا۔

حسن بن صباح کی خلوت نشینی

یاد رہے کہ حسن بن صباح جس دن سے قلعہ الموت میں آیا وہاں اپنے پینتیس سالہ قیام کے دوران اس قلعہ سے نیچے نہ اترا اور جس مکان میں اس کا قیام تھا وہاں سے دوبار سے زیادہ باہر نہ نکلا، وہ دوبار گھر کی چھت (بالا خانہ) پر گیا اور باقی اوقات میں اس مکان میں معتکف (خانہ نشین) کتابوں کے مطالعہ، اپنی بدعت کی بات کی توضیح اور اپنی مملکت کی تدبیر میں مشغول رہا۔

بزرگ امید کا دور

بزرگ امید اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مسندِ حکومت پر متمکن ہوا تو چودہ سال ایک ماہ اور بیس دن اقتدار پر رہا اور ۲۶/جمادی الاولیٰ ۵۳۲ھ کو ہلاک ہو گیا۔

چونکہ یہ سلطان سنجر کی حکومت کا زمانہ تھا، کسی نے ان کے قلعوں کو مسمار کرنے اور ان کے گھروں کو منہدم کرنے کی کوشش نہ کی۔

حسن بن صباح کی زندگی ایک مستشرق کی نظر میں

فان ہمیر کے قلم سے حسن بن صباح کی زندگی کا نچوڑ بھی ملاحظہ ہو:

"After a blood stained reign of thirty five years, during which he not only never quitted the castle of Alamunt, but had never removed more than twice, during this long period from his chamber to the terrace. immovable in one spot, and persisting inone plan, he meditated the revolutions of empires by camage and rebellion, or

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

wrote rules for his order, and the catechism of the secret doctrine of libertinism and impiety. Fixed in the centre of his power, with the hand, he guided the daggers of his assasins."

''حسن بن صباح خونِ ناحق سے داغدار، ۳۵ سالہ حکومت کے بعد قدرتی موت مرا۔ اس عرصہ میں اس نے قلعہ الموت سے پاؤں باہر نہیں نکالا، حتیٰ کہ وہ اپنے حجرہ سے بھی صرف دوبار صرف ٹیریس (روش) تک آیا، وہ اپنی جگہ سے ہلتا تک نہ تھا اور تمام وقت یا تو حکومتوں میں قتل وغارت اور بغاوت کے ذریعہ انقلاب لانے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا یا اپنی تنظیم کے قواعد وضوابط مرتب کرتا رہتا تھا یا اپنے خفیہ اعتقاد رندی وسرمستی سے متعلق تعلیم کے لئے سوال وجواب ترتیب دیتا رہتا تھا...... وہ قلم ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی تنظیم کے فدائیوں کے خنجروں کے لئے سینوں کی نشاندہی کرتا تھا۔''

داعی حسن بن صباح اور اس کے بعد ایک امام حسن علی ذکرہ السلام کے متعلق مشہور مؤرخ امیر علی لکھتے ہیں:

''یہ مجنوں انقلابی (حسن) الموتی تاریخ میں علی ذکرہ السلام کے نام سے مشہور ہے جو بگڑ کر ''ذکرالسلام'' ہو گیا۔ اس وقت سے الموت کی تباہی تک ان دونوں حسنوں (حسن بن صباح اور حسن علی ذکرہ السلام) کے مریدین نے بے گناہ معاشرہ (عوام) سے ظلم وستم کے لئے ذرا سے بھی پچھتاوے کے احساس کے بغیر جنگ جاری رکھی۔ وہ حقیقت میں دنیائے اسلام کے Nihilists تھے۔ ان کے خنجروں کے عیسائی اور مسلمان دونوں شکار ہوئے۔'' (سپرٹ آف اسلام ص ۳۴۲)

لیکن نزاری اسماعیلیوں نے بجائے اس کے کہ اپنا داغدار دامن چھپاتے اس کو بھی اپنے ماتھے کا ٹیکہ بنالیا۔ وہ اس طرح کہ خواجہ نصیرالدین طوسی کو جو اس تباہی کے اہم کردار ہیں۔ الموت کا تربیت یافتہ بلکہ نزاری امام علاءالدین محمد (۶۱۸ھ۔ ۶۵۳ھ/۱۲۲۱ء۔ ۱۲۵۵ء) کا مشیر بتلایا گیا ہے۔ (تاریخ اسماعیلیہ حصہ سوئم ص ۸۷)

''آپ (نصیرالدین طوسی) نے سب سے پہلے قہستان کے اسماعیلی گورنر ناصرالدین عبدالرحیم بن منصور جو خود ایک عالم و فاضل تھے کی ملازمت کی اور اسی کے نام پر ''اخلاق ناصری'' لکھی۔ اس کے بعد طوسی ''الموت'' چلے گئے اور وہاں اسماعیلی امام کی زیر سرپرستی علم وادب کا کام کرنے لگے۔ آپ نے اسماعیلی عقائد پر متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے ''روضۃ التسلیم'' (تصورات) مطلوب المومنین اور مرآۃ المحققین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ریاست ''الموت'' کے خاتمہ کے بعد نصیرالدین طوسی نے منگول سردار ہلاکو خاں کی ملازمت اختیار کرلی۔ اور سقوطِ بغداد میں ہلاکو کے ساتھ مل کر گھناؤنا کردار ادا کیا۔'' (تاریخ اسماعیلیہ ص ۹۲، ۹۳)

نصیرالدین طوسی نے مسلمانوں کی تباہی کے لئے جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی بھی ذی فہم مسلمان بلکہ انسان کے لئے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

باعث فخر نہیں ہوسکتا۔مگر کیا کیا جائے جب بھی مسلمانوں کی تباہی کا ذکر آتا ہے تو در و دیوار سے آواز آنے لگتی ہے:

سعدیؔ از دست خویشتن فریاد

خلیفہ مسترشد اور سلطان مسعود میں اختلافات

اس زمانہ میں امیرالمومنین المسترشد باللہ اور سلطان مسعود سلجوقی کے درمیان جو اپنے چچا سلطان سنجر کے نائب کی حیثیت سے عراق، ایران و آذربائیجان کا حاکم تھا، اختلاف پیدا ہوا۔اس کا سبب یہ تھا کہ یہ دستور تھا کہ جو سلطان غالب وقوی ہوتا اس کا ذکر بغداد میں خطبہ میں خلیفہ کے بعد کیا جاتا تھا جیسا کہ آل بویہ کے زمانے میں ہوتا تھا۔چونکہ بغداد کی مساجد کے منبروں پر سلطان مسعود کا نام نہیں لیا جاتا تھا اس نے بغداد پر فوج کشی کا فیصلہ کرلیا۔خلیفہ المسترشد باللہ (کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے پیش قدمی کر کے سلطانی افواج پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور بغداد سے چل پڑا۔جب وہ لشکر کے ساتھ ہمدان کے نزدیک پہنچا تو سلطان مسعود دوسری جانب سے فوج لے کر مقابل ہوا۔بغداد کے اہل لشکر میں سے ایک گروہ نے غداری کی اور سلطان کے لشکر سے آملا، اس وجہ سے خلیفہ کا لشکر کمزور ہوگیا اور لشکر سلطان پہلے سے دوگنا ہوگیا۔ جنگ میں شکست کھا کر المسترشد باللہ اپنے وزیر اور تمام ارکانِ دولت کے ساتھ سلطان کے ہاتھوں اسیر ہوگیا۔سلطان نے حکم دیا کہ خلیفہ کے لشکر میں سے کسی شخص کو کوئی گزند نہ پہنچے اور فوج صرف لوٹ مار پر قناعت کرے۔اس مخاصمت میں جانبین کے صرف پانچ آدمی ہلاک ہوئے۔سلطان مسعود نے خلیفہ کے ارکانِ دولت کو قلعہ میں مقید کر دیا مگر خلیفہ کا مکمل احترام کیا اور اس کے ساتھ مراغہ تک گیا نیز اس واقعہ کی اطلاع اپنے چچا سلطان سنجر کو دی، مگر اتفاق ایسا ہوا کہ انہی دنوں زلزلے اور بجلی گرنے کے واقعات متواتر پیش آئے اور سخت آندھیوں نے سارے خطہ کو تہس نہس کر دیا۔عوام نے اس بلائے ناگہانی کو خلیفہ کی اسیری کا نتیجہ خیال کیا۔سلطان سنجر نے مسعود کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے کہ ''امیرالمومنین کی خدمت میں فوراً جا کر معافی مانگے، اپنی غلطیوں سے توبہ کرے اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ بجلیوں کا بار بار گرنا اور ایسی تند و تیز آندھیوں کا جسے کسی نے اب تک نہیں دیکھا بیس روز تک لگاتار چلتے رہنا اسی سبب سے ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اس تشویش سے فوجیں اور مخلوقِ خدا مضطرب و بے قرار ہوں گی، اس غلطی کی تلافی کو واجب اور ضروری جانے۔'' اس واقعہ سے سلطان سنجر کی خداترسی و خوش اعتقادی پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

بہرکیف سلطان مسعود اس حکم کی بجا آوری کے لئے امیرالمومنین کی خدمت میں گیا اور عذر و استغفار و اقرارِ گناہ کے بعد معافی مانگی۔سلطان مسعود نے برکت (تیمن) کی خاطر امیرالمومنین کا غاشیہ (زین) اٹھایا اور اس کی سواری کے ساتھ پاپیادہ اس کے سراپردہ تک جو اس نے نصب کیا تھا خود گیا۔جب امیرالمومنین تخت پر متمکن ہوئے تو سلطان مسعود حامیوں اور نائبوں کی جگہ پر کھڑا رہا۔

سلطان سنجر نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ امیرالمومنین کو بغداد جانے کا خیال ہوگا اس لئے اس بارے میں شایانِ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شان انتظام کیا جائے۔ اس کی اطلاع کی غرض سے سلطان سنجر نے اپنے ایک معتمد کو سلطان مسعود کے پاس روانہ کیا۔ سلطان مسعود اس قاصد کے استقبال کے لئے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ ملعون ملاحدہ کی ایک جماعت جو اس تاک میں تھی درگاہِ خلافت کو لشکر و سپاہ سے خالی پا کر اچانک بارگاہ میں گھس گئی اور امیر المومنین کو خنجر مار دیا۔ یہ واقعہ ۱۷/ذی القعدہ ۵۲۹ھ کو پیش آیا۔ سلطان مسعود کو اس کا بڑا رنج ہوا اور شایانِ شان مجلس تعزیت برپا کی، اور خلیفہ کو مراغہ کے اندرونی حصے میں دفن کر دیا۔

محمد بن بزرگ امید

بزرگ امید کا بیٹا محمد جسے اس نے اپنی موت سے تین دن پہلے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا، اس کے طریقہ کا متبع ہوا۔ اس کے باپ کا گھناؤنا انجام خلیفہ المسترشد کے قتل پر ہوا اور اس کے کام کا مذموم آغاز المسترشد کے بیٹے خلیفہ الراشد کے قتل سے ہوا۔

الراشد کا قتل

اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب الراشد مسندِ خلافت پر متمکن ہوا تو کچھ لوگوں نے اسے خلافت سے ہٹانے کا ارادہ کیا مگر لوگوں کی بڑی تعداد اس کی بیعت پر قائم رہی۔ وہ سلطان مسعود کے ساتھ کئی بار جنگ کرنے کے بعد ملاحدہ پر حملہ کے پختہ ارادہ اور اپنے باپ کے خون کے انتقام کے عزم کے ساتھ بغداد سے روانہ ہوا۔ راستے میں بیمار پڑ گیا مگر اس کمزوری کی حالت میں بھی اس نے سفر جاری رکھا اور اصفہان پہنچ گیا۔ فدائیوں نے اچانک اس کی بارگاہ میں گھس کر اسے خنجر سے ہلاک کر دیا۔ وہیں اس کی تدفین عمل میں آئی۔ اس وقت سے عباسی خلفاء عوام سے حجاب میں رہنے لگے۔

محمد بن بزرگ امید کی ہلاکت

محمد بن بزرگ امید حسن صباح اور اپنے باپ کے مذہب کی اتباع میں اس کے قواعد (ارکان) کے استحکام میں لگا رہتا تھا۔ وہ اسلام کے رسوم کے قیام اور شرع کے التزام (پابندی) میں بھی ملاحدہ کے ظاہر کردہ طریقہ پر کاربند تھا۔ وہ ۳/ربیع الاول ۵۵۷ھ میں فوت ہو گیا......۔

محمد بن بزرگ امید کے بیٹے حسن کی ولادت کا بیان

حسن ۵۲۰ھ میں پیدا ہوا، جب حسن بلوغ کے قریب پہنچا تو حسن بن صباح کے مذہب کی تعلیم میں منہمک ہو گیا۔ اور اس میں بڑی مہارت پیدا کر لی۔ اس نے ان کلمات میں صوفیوں کے مواعظ و نکات کی آمیزش کر دی تھی اور اپنے باپ کے زمانہ میں ہی اپنی سخن آرائی سے لوگوں کو بہت زیادہ اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کا باپ (محمد) اس طریقہ سے نابلد و ناواقف تھا جبکہ بیٹا اپنی ان فریب کاریوں اور ملمع سازیوں کے باعث اس سے کہیں زیادہ برتر دکھائی دینے لگا۔ اس

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وجہ سے اس کی گمراہی اور بڑھ گئی اور عوام میں اس کی اتباع کی خواہش پیدا ہوگئی چونکہ ان لوگوں نے اس کے باپ سے اس قسم کے مقالات نہ سنے تھے وہ اس شک میں پڑ گئے کہ جس امام کا حسن بن صباح نے وعدہ کیا تھا وہ یہی ہے۔ اس وجہ سے عوام کی عقیدت اس سے اور زیادہ ہوگئی اور وہ اس کی پیروی میں بڑی عجلت سے کام لینے لگے۔

محمد کا حسن کی حرکات سے اظہارِ بیزاری

اس کے باپ محمد نے جب یہ حال سنا تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا "یہ حسن میرا بیٹا ہے اور میں امام نہیں ہوں بلکہ امام کے داعیوں میں سے ایک داعی ہوں۔ جو شخص اس بات کو کہ حسن امام ہے سن کر اس کی تصدیق کرے گا وہ کافر اور بے دین ہو جائے گا۔" پھر اس نے ایک جماعت کو جس نے اس کے بیٹے حسن کی امامت قبول کر لی تھی، ٹکڑے ٹکڑے کروا دیا اور اس جرم کی سزا کے طور پر ایک ہی دفعہ دوسو پچاس آدمیوں کو الموت میں مروا ڈالا۔ اور دوسرے دوسو پچاس افراد کو جن پر یہی جرم عائد کیا گیا تھا، گرفتار کر کے قلعہ سے باہر نکلوا دیا، چنانچہ حسن کے پیروکار اس سبب سے خوف زدہ اور محتاط ہو گئے۔ حسن بھی خائف ہو گیا اور اپنے باپ سے ڈر کر اپنی برأت کے بارے میں مضامین لکھے۔ جو اب تک اس جماعت میں مشہور ہیں۔ حسن پوشیدہ طور پر شراب نوشی میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے باپ کو اس کی بھنک پڑی تو اس نے اس کا کھوج لگانے کی بڑی کوشش کی، حسن نے اس تہمت سے خود کو طرح طرح کے حیلوں سے بچایا۔

ملاحدہ کے باطل عقائد

ادھر حالت یہ تھی کہ اس کے بے دین گمراہ پیروکار جو شریعتِ اسلامیہ کے خاتمہ کے درپے تھے، حرام کے ارتکاب اور شراب نوشی کو امام موعود کے ظہور کی علامت جانتے تھے۔ جب حسن خود اپنے باپ کا جانشین ہوا تو اس کے حامی و پیروکار جو اسے امام سمجھتے تھے، اس کی تعظیم میں بڑا مبالغہ کرنے لگے۔ وہ جب حکومت پر بلا شرکت غیرے قابض ہو گیا تو لوگوں کو اس ہذیان پر کسی قسم کی سرزنش نہ کی اور نہ کوئی سزا دی بلکہ اپنی تخت نشینی کے آغاز میں ہی وہ ان رسوم شرعی اور اسلامی قاعدوں کو جن کی پابندی حسن صباح کے وقت سے وہ لوگ کرتے تھے مسخ و فسخ ہونے کو درست و صحیح قرار دیا اور ان قدیم رسوم شرعیہ میں تغیر و تبدل کرنے لگا۔

شریعت کے ابطال کا اعلان

۵۵۹ھ کے رمضان میں حسن نے حکم دیا جس کا رخ اہلِ اسلام کے قاعدے کے برخلاف قبلہ کی جانب تھا۔ جب ۱۷ رمضان کا دن آیا تو اس نے اپنے ملک کے باشندوں کو قلعہ الموت میں جمع کیا اور حکم دیا کہ اس میدان میں جمع ہوں۔ چار بڑے علم جن کے رنگ سپید، سرخ، سبز اور زرد تھے اور جنہیں اس دن کے لئے تیار کرایا گیا تھا، منبر کے چاروں ارکان میں نصب کئے گئے۔ حسن منبر پر بیٹھا اور خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ:

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

”ان کے امام نے مسلمانوں اوران پر رحمت وسکون کے دروازے کھول دیئے ہیں، ان کے لئے ترحم ومہربانی (کا پیغام) بھیجا ہے، انہیں اپنا خاص منتخب غلام کہا ہے، شریعت کے فرائض، ذمہ داریوں اور رسوم کو ان سے اٹھالیا ہے اور انہیں قیامت میں پہنچادیا ہے۔“

بعد ازاں حسن نے عربی زبان میں ایک خطبہ، جس کے تمام مطالب ومعانی جھوٹ، فریب اور خرافات تھے، اکثر الفاظ غلط اور عبارتیں اُلجھی ہوئی اور ژولیدہ تھیں، یہ کہہ کر پڑھا کہ ان کے معدوم امام کی یہ نامعلوم باتیں ہیں۔ پھر اس نے اپنے جاہل وگمراہ متبعین میں سے ایک شخص کو جو عربی زبان سے واقف تھا۔ ان مردود مطالب وناپسندیدہ الفاظ کو فارسی زبان میں حاضرین سے بیان کرنے کے لئے کھڑا کیا۔ خطبہ کا مضمون یہ تھا: ”حسن بن محمد بن بزرگ امید ہمارا خلیفہ (جانشین و نائب)، حجت اور داعی ہے۔ ہمارے شیعہ دینی ودنیاوی امور میں اس کے مطیع وتابع رہیں۔ اس کے حکم کو ہمارا حکم جانیں اور اس کے قول کو ہمارا قول سمجھیں اور جان لیں کہ ہمارے مولا (امام) نے اسماعیلیوں پر رحم کیا اور انہیں اپنی رحمت کی جانب بلایا، خدا تک پہنچایا اور اس سے جاملایا ہے۔“

حسن نے اس طرح کے دھوکے، مکر، اور لادینی کی قبیح باتیں پڑھ کر سنائیں، پھر منبر سے اترا، دو رکعت نماز عید ادا کی، دسترخوان بچھوایا، لوگوں کو سامنے بلایا کہ افطار کریں، لوگوں نے افطار کیا اور یہ سارے افعال عید کی رسومات کے بطور لہو ولعب ومنہیات شرعیہ کے ارتکاب اور اظہار طرب ونشاط کے ساتھ انجام پائے۔

عید قیام

حسن نے اس دن کو عید کا دن قرار دیا چنانچہ اس وقت سے ملاحدہ ۱۷ر رمضان کو عیدِ قیام کہتے ہیں، ان میں سے اکثر اس روز شراب نوشی میں انہماک اور کھیل کود کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ اس بے شرمی و پردہ دری سے اپنے درمیان مقیم مسلمانوں سے اپنی عداوت ودشمنی کا اظہار کرتے ہیں۔

حسن کا دعویٰ امامت

حسن اپنی باتوں سے یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ بظاہر محمد بن بزرگ امید کا بیٹا جانا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ امام ہے، امام کا بیٹا ہے اور نزار بن المستنصر کی اولاد سے ہے۔

چنانچہ جس وقت اس نے اپنی دعوت قیام (قیامت کا پیغام) نشانات (یعنی چار علَموں) کے ساتھ قہستان بھیجا کہ وہاں بھی اس کی تشہیر کی جائے تو اس نے اس بات کا صراحت سے ذکر کیا کہ وہ نزار کی نسل سے ہے۔ رئیس مظفر جو قہستان کا حاکم اور اس کا نائب تھا اس کے پاس حسن نے محمد خاقان نامی شخص کے ہاتھ اس خطبہ دستاویز اور مقالہ کی ایک نقل جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے، لوگوں کے سامنے پڑھنے اور اعلان کی غرض سے روانہ کی۔ رئیس مظفر نے ۲۸ر ذوالقعدہ ۵۵۹ھ کو

1۔ تاریخ اسماعیلیہ ص ۸۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اپنے قلعہ میں جسے مومن آباد کہتے تھے منبر پر بیٹھ کر اس خطبہ، دستاویز اور مقالہ کو پڑھا اور محمد خاقان نے منبر کے دوسرے پایہ پر کھڑے ہو کر حسن کی زبان سے پیغام سنایا کہ ”مستنصر نے اس سے پہلے الموت میں پیغام بھیجا تھا کہ لوگوں کے درمیان خدا کا خلیفہ (نائب) ہمیشہ رہنا چاہئے اور اس خلیفہ کا بھی ایک خلیفہ ہونا چاہئے۔ آج خدا کا خلیفہ میں ہوں اور میرا خلیفہ حسن صباح ہے۔ اگر لوگ اس کا حکم بجالائیں گے اور اس کی اتباع کریں گے تو گویا وہ میرا فرمان بجالائیں گے۔ آج میں حسن یہ کہتا ہوں کہ روئے زمین پر خدا کا خلیفہ (نائب) میں ہوں، اور میرا خلیفہ یہ رئیس مظفر ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس کا حکم بجالائیں اور وہ جو کچھ کہے اسے اپنا دین سمجھیں۔

جس دن مومن آباد کے دار الحاد میں اس بے شرمی کا افشاء اور اس برائی کا اعلان ہوا، اس منبر کے نیچے اس مجمع میں چنگ ورباب بجائے گئے اور برملا شراب پی گئی۔ 1

حسن کے نسب سے متعلق پہلی روایت

ان مجہول نادانوں اور باطل پرستوں کے ہاں حسن کی بے بود ولادت اور س کے نزار کی نسل کے ایک فرضی مدعی کی جانب انتساب سے متعلق دو روایتیں ہیں۔ اور وہ بھی محال و بعید از حقیقت ہیں۔ اس میں سب سے مشہور توجیہ جس پر اکثر ملاحدہ کا اعتقاد ہے، یہ ہے کہ مصر سے ایک شخص قاضی ابوالحسن صعیدی جو مستنصر کے مقربوں اور بااعتماد لوگوں میں تھا مستنصر کی وفات سے ایک سال بعد ۴۸۸ھ میں حسن صباح کے پاس الموت آیا۔ اس نے یہاں چھ ماہ قیام کیا اور اس سال رجب کے مہینے میں مصر واپس چلا گیا۔ حسن صباح اس شخص کی تعظیم و توقیر میں بڑا مبالغہ کرتا تھا۔ یہ شخص نزار کی نسل کے ایک لڑکے کو چھپا کر الموت لایا اور اس راز کا حسن صباح کے سوا کسی سے ذکر نہ کیا۔ اس لڑکے کو الموت کے زیر قلعہ میں واقع ایک گاؤں میں ٹھہرایا گیا۔ اس میں یہ حکمت عملی تھی کہ امامت کا مرکز مصر سے دیلم کے علاقے میں منتقل ہونا تھا اور دعوت قیامت کا اعلان و اظہار بھی الموت میں ہونا تھا۔ (المختصر) وہ لڑکا جو مصر سے الموت آیا تھا یا اس کا بیٹا جو الموت کے علاقے میں پیدا ہوا تھا اور لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہ تھا، محمد بن بزرگ امید کی بیوی سے اس نے زنا کیا جس سے اس عورت کے حمل ٹھہر گیا۔ چونکہ یہ نامبارک ولادت محمد بن بزرگ امید کے گھر میں ہوئی تھی محمد نے بھی اور اس کے پیروؤں نے بھی یہی

1۔ ان اسماعیلیوں کا کہنا ہے کہ حسن کا محمد بن بزرگ امید کی جانب سے یہ انتساب بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کا انتساب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی جانب تھا کیونکہ اسماعیل دراصل ملک السلام کے بیٹے تھے (نہ کہ ابراہیم کے) اس ملک السلام کا ذکر توریت میں ”ملیخیز واق ملخ شولیم“ کے نام سے آیا ہے (اس کا عربی میں ترجمہ ملک الصدق یا ملک السلام ہے) یہ شخص اس گمراہ گروہ کے زعم میں اس کے اماموں میں سے تھا اسماعیل اس کے بیٹے تھے، مگر لوگ انہیں حضرت ابراہیم کا بیٹا سمجھتے تھے۔ اس دعویٰ کی بنیاد پر اسماعیلیوں کے نزدیک حضرت اسماعیلؑ امام ہوئے حضرت ابراہیم نہیں۔ (تاریخ اسماعیلیہ ص ۹۰)

2۔ یہ دوسری توجیہ پہلی توجیہ سے بھی زیادہ رُسوا کن اور لغو ہے، کہ ایک اجنبی عورت بادشاہ کی حرم سرا میں داخل ہو جائے اور بادشاہ کے بچے کے قریب کوئی نہ ہو کہ وہ غیر کے بچے کو اس کی جگہ رکھ کر بادشاہ کے بچے کو اٹھا کر یوں چلتی بنے کہ کسی کو خبر نہو۔ اور اس کے بعد باپ، ماں، دایہ، ملازمین اور خدمت گاروں میں سے کسی کو غیر کے بچے اور اپنے بچے کی صورت میں فرق و تفاوت کا پتہ نہ چلے اور کوئی اسے پہچان نہ سکے۔...... بقیہ اگلے صفحہ پر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سمجھا کہ یہ نومولود (حسن) اسی (محمد) کا بیٹا ہے۔ حالانکہ حسن خود امام اور امام زادہ تھا۔ اسماعیلیوں کے نزدیک درست تر و مناسب تر روایت یہی ہے اور ان کے جمہور کا اسی پر ایمان ہے، حالانکہ یہ بات طرح طرح کی رسوائی و ذلت پر مبنی ہے۔

اول یہ کہ جس بچے (حسن) کی امامت کے وہ قائل ہیں وہ حرامزادہ اور ولد الزنا تھا۔

دوم یہ کہ حسن کے اس فرضی نسب کا اثبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے صریحاً خلاف ہے کہ الولد للفراش و اللعاھر الحجر . . . یعنی بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

سوم یہ کہ اسماعیلیوں نے اس سقیم و نادرست امر کی تصحیح و درستی کی خاطر انبیاء و رسل کے حالات سے اسے تشبیہ دی اور پاک پیغبروں[1] کے بارے میں اس قسم کی شرمناک بات گھڑی۔ یہ بہت بڑی مصیبت اور آخرت میں محرومی و بدبختی کا سبب ہے۔

نسب کی دوسری توجیہہ

حسن کے انتساب کی دوسری توجیہہ جس پر بزرگ امید کی اولاد و اقارب یعنی الموت کے نواح کے خواص کا ایمان تھا، یہ ہے کہ محمد بن بزرگ امید کے ہاں الموت کے قلعہ میں ایک بیٹا پیدا ہوا، اسی روز اس امام مجہول کے ہاں جس کا کوئی وجود نہ تھا الموت کے زیر قلعہ ایک گاؤں میں یہ حسن بطنِ مادر سے تولد ہوا۔ اس کے تین دن بعد ایک عورت الموت کے قلعہ میں آئی اور محمد بن بزرگ امید کے گھر میں داخل ہوگئی۔ کئی اشخاص نے دیکھا کہ اس عورت کے پاس چادر میں کوئی چیز تھی، وہ اس جگہ جہاں محمد بن بزرگ امید کا بیٹا سو رہا تھا، بیٹھ گئی۔ اس وقت حکمتِ خداوندی سے کوئی اور شخص وہاں موجود نہ تھا۔ اس عورت نے حسن کو جو امام کا بیٹا تھا، اس جگہ رکھ دیا اور محمد بن بزرگ امید کے بیٹے کو چادر میں چھپا کر وہاں سے چلی گئی۔[2]

محمد بن بزرگ امید پر قتلِ امام کا الزام

وہ اسماعیلی جو پہلی روایت پر اعتقاد رکھتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ محمد بن بزرگ امید کو بیٹے (حسن) کی ولادت کے بعد یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے اور اس شخص نے جسے یہ گمراہ گروہ اپنا امام مانتا تھا، اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے۔ سو اس نے خفیہ طور سے اسے مروا ڈالا۔ اس بدگمانی کی وجہ سے کہ محمد بن بزرگ اُمید نے امام کو قتل کرا دیا تھا اور نیز اس لئے کہ وہ حسن بن صباح کے مذہب کے اصول پر جو عین رسوائی تھا، نہایت سختی سے کاربند تھا، اسماعیلی اس کے خلاف

بقیہ حاشیہ.......... یہ توجیہہ بے شبہ عقل و حس اور عرف و عادت کے خلاف ہے۔ اسماعیلی اس دوسری توجیہہ کی تصدیق میں حسن کے بیٹے محمد بن حسن سے یہ روایت کرتے ہیں کہ حسن، محمد بن بزرگ امید کا اسی طرح بیٹا تھا جس طرح اسماعیل حضرت ابراہیم کے بیٹے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیم کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت اسماعیل ان کے بیٹے نہیں، بلکہ امام کے بیٹے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور ملخیز واق کے بچوں کی یہ تبدیلی حضرت ابراہیم کے علم و رضا سے عمل میں آئی تھی اور یہ راز ان سے مخفی نہ تھا مگر محمد بن بزرگ امید اس راز سے ناواقف تھا سو وہ حسن کو جو امام تھا اپنا بیٹا سمجھ بیٹھا۔ (تاریخ اسماعیلیہ ص ۹۱)

1۔ تاریخ اسماعیلیہ ص ۹۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہیں اور اکثر اس پر لعنت بھیجتے ہیں وہ اس کی قبر کی زیارت کو، جو حسن بن صباح، بزرگ امید اور دہدار بوعلی اردستانی کے پہلو میں ہے، روا نہیں رکھتے اور اس کا احترام جائز نہیں سمجھتے۔ 1

حسن کے نسب کا بیان مزید

اکثر ملاحدہ اس حسن اور نزار کے درمیان آباء کی تعداد میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں اور مختلف الخیال ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ حسن و نزار کے درمیان تین آباء (نام) ہیں۔ اور چونکہ ان تینوں کے نام معلوم نہیں ہیں، اس لئے محض ان کے القاب سے انہیں موسوم کرتے ہیں۔ اس طرح حسن بیٹا ہے القاہر بقوۃ اللہ کا اور وہ بیٹا ہے المہتدی کا اور یہ بیٹا ہے الہادی کا جو المصطفیٰ نزار بن خلیفہ المستنصر باللہ کا بیٹا ہے (یعنی حسن بن القاہر بقوۃ اللہ بن المہتدی بن الہادی بن مصطفی نزار بن المستنصر) دوسرے گروہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حسن اور نزار کے مابین دو آباء سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور القاہر بقوۃ اللہ خود حسن کا لقب ہے۔ یہ لوگ اس نسب کو یوں بیان کرتے ہیں کہ حسن بیٹا ہے المہتدی کا اور وہ بیٹا ہے ہادی کا جو نزار کا فرزند ہے (یعنی حسن بن المہتدی بن ہادی بن مصطفی نزار بن المستنصر باللہ)۔ (تاریخ اسماعیلیہ ص ۹۲)

حسن علی ذکرہ السلام

ملاحدہ کے اس گروہ میں اس حسن کی شہرت ''علی ذکرہ السلام'' کے لقب سے ہے۔ اس شخص کے لئے یہ لقب ابتداء میں بطور دعاء ہوگا جسے اس کے حین حیات وہ لوگ آپس میں کہتے ہوں گے۔ اس کے بعد اس لقب کی اتنی شہرت ہوئی کہ اسے اس کے سوا کسی اور نام سے وہ لوگ پکارتے ہی نہیں۔ (ایضاً)

ملاحدہ کے عقائد

فی الجملہ اس بے فائدہ مذہب کا ماحصل اور اس سراسر شر دعوت کا راز یہ تھا کہ فلاسفہ کی طرح عالم کو قدیم کہتے تھے، زمانہ کو لامتناہی اور معاد (بعث بعد الموت) کو روحانی سمجھتے تھے۔ بہشت و دوزخ اور جو کچھ ان میں ہے ان کی یہ تاویل کرتے تھے کہ وہ سب روحانی ہیں۔ وہ اس بناء پر یہ کہتے تھے کہ قیامت بھی اس وقت برپا ہوگی جب مخلوق، خدا تک پہنچ جائے، اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے، کائنات کے بواطن (پوشیدہ چیزیں) وحقائق (اصلیت، حقیقت) ظاہر ہو جائیں اور اعمالِ طاعت (عبادت) مرتفع ہو جائیں (اٹھا لئے جائیں) کیونکہ عالم دنیا سرتا سر عمل ہے اور آخرت سب کی سب حساب و جزاء ہے اور یہ حساب روحانی ہے۔ وہ قیامت جس کا تمام ملل و مذاہب میں وعدہ کیا گیا ہے اور جس کا انتظار ہے وہی ہے جس کا حسن نے اعلان و اظہار کیا اور یوں شریعت کی پابندی (تکالیف شرعی) لوگوں سے اٹھا لی گئی ہے کیونکہ اس دورِ قیامت میں سب کو تمام وجوہ سے اللہ کی جانب متوجہ ہونا چاہئے اور شریعت کی رسوم و عبادت موقت (وقت کی پابندی کے ساتھ عبادت گزاری) کو ترک کر دینا چاہئے۔ اسماعیلیوں کی شریعت کے مطابق رات دن میں پانچ بار خدا کی عبادت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کرنے اور خدا کا ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ تکلیف ظاہری تھی۔ مگر دورِ قیامت میں ہمیشہ خدا کے وجود کا اقرار اور اپنے نفس کو برابر خدا کی جانب متوجہ رکھنا نماز حقیقی ہے۔ اسی طرح انہوں نے شریعت کے تمام ارکان اور اسلام کی رسوم کی تاویل کی، انہوں نے ان کے تظاہر (ظاہراً عبادات و رسوم کی بجا آوری) کو مرتفع سمجھا اور اکثر حرام و حلال کے فرق کو اٹھا دیا۔ حسن نے متعدد مقامات پر کبھی صراحت کے ساتھ اور کبھی کنایہ کے بطور بیان کیا ہے کہ جس طرح دورِ شریعت میں اگر کوئی طاعت و عبادت بجا نہ لائے اور دورِ قیامت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے طاعت و عبادت کو روحانی سمجھے تو اسے سزا دینی اور سنگ سار کر دینا چاہئے، اسی طرح اگر کوئی دور قیامت میں دور شریعت کے حکم پر چلتے ہوئے عبادت اور جسمانی رسوم کی ادائیگی کی پابندی کرے، تو اسے سزا دینا، مار ڈالنا، سنگ سار کر دینا اور عذاب دینا نہایت ضروری ہے۔ اس خرافات کے طریقے کی وجہ سے یہ اسماعیلی اس حد تک گمراہ ہوئے کہ اباحت کے چکر میں پھنس گئے۔ ان کے غلاۃ (غالی، متعصب، متشدد) یا تو نادانی سے یا دانستہ اباحت کے قائل ہو گئے اور ان میں سے ایک گمراہ جماعت نے اپنے گروہ ائمہ کے بارے میں الوہیت کا دعویٰ کیا جبکہ یہ (ائمہ) چوپایوں، درندوں اور حشرات الارض (کیڑے مکوڑوں) سے بھی زیادہ گھٹیا تھے۔ (ایضاً ص ۹۳)

حسن کا قتل

اس بے ہودہ عقد (اعلانِ قیامت) کی وجہ سے اسماعیلی حسن بن محمد بن بزرگ اُمید کو، کہ ان کے بقول علی ذکرہ السلام تھا، ''قائم قیامت'' اور اس کی دعوت کو ''قیامت'' کہتے تھے۔ ان لوگوں میں جن کے ضمیر کے مشام میں خدا ترسی و ایمان داری کی خوشبو پہنچی تھی، حسن کی بیوی کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام حسن بن نام آور تھا یہ شخص دیارِ دیلم کے بویہیوں کی نسل سے تھا۔ وہ ان بے شرمی کی باتوں (فضائح) اور گمراہیوں (اضالیل) کے افشاء و اظہار پر صبر نہ کر سکا، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کی حسنِ نیت کا اسے نیک اجر دے، اس نے یک شنبہ، ۲ ربیع الاول ۵۶۱ھ کو گمراہ کن و گمراہ حسن کو قلعہ لمسر میں چھری مار کر ہلاک کر دیا اور وہ دنیا سے دوزخ کی جلتی ہوئی آگ کی طرف چلا گیا۔

محمد بن حسن اور اس کے بیٹے کے متضاد عقائد

حسن کا بیٹا محمد، جس پر گزرے ہوئے بد بخت ''شقی ماضی'' نے گمراہی کا حکم (حکم ضلالت) اور بزعم ملاحدہ ''نص امامت'' کر رکھی تھی، ۱۹ سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا۔ اس نے حسن بن نام آور کو اس کے تمام قرابت داروں، مردوں، عورتوں اور بچوں سمیت کہ اس دیار میں قبیلہ بویہ کے باقیات سے تھے، بڑے عذاب سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مروا ڈالا۔ یہ نام کا محمد اور اپنے اعمال میں مذمم اور اسماعیلیہ دعوت قیامت میں اپنے باپ سے بھی زیادہ غالی اور متشدد تھا۔

جلال الدین حسن

اس کے کئی بیٹے تھے۔ ان میں سب سے بڑا حسن تھا جسے جلال الدین کے لقب سے پکارتے تھے۔ یہ ۵۶۲ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں پیدا ہوا۔ بچپنے میں ہی اس کے باپ نے اس پر قائم مقامی کی نص کی تھی اور اسے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو اس نے باپ کے طریقۂ الحاد و اباحت کی رسوم کو پلید و ناپاک سمجھ کر ان سے کراہت کی۔ اس کے باپ نے اس بات کو بھانپ لیا جس کی وجہ سے ان کے درمیان ایک طرح کا عناد پیدا ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے سے خائف اور محتاط رہنے لگے اور باپ اپنے بیٹے کے خوف سے اپنے کپڑوں کے نیچے زرہ پہنتا تھا اور اپنی جان کی حفاظت کی غرض سے اپنے ساتھ محافظ رکھتا تھا۔

محمد، ۱۰ ربیع الاول ۶۰۷ھ کو مر گیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔

جلال الدین حسن کا دورِ حکومت اور اظہارِ اسلام

محمد کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین حسن تخت نشین ہوتے ہی اپنے اسلام کا اظہار کرنے لگا اور اپنی قوم کو الحاد سے منع کیا، انہیں اسلام کو لازم پکڑنے اور شریعت کی پیروی پر مجبور کیا اس نے اپنے اسلام کے سلسلہ میں خلیفہ بغداد ناصر لدین اللہ اور سلطان محمد خوارزم شاہ و نیز عراق اور دوسرے اطراف کے ملوک و امراء کے پاس ایلچی روانہ کئے۔ چنانچہ مسلمان خلفاء اور حکمرانوں کی طرف سے اس کے اسلام کی تصدیق کی گئی اس پر عنایتیں کی گئیں، اس کے ساتھ خط و کتابت کا راستہ کھولا گیا اور اس کو عزت و احترام کے القاب سے نوازا گیا۔ اور بلادِ اسلامیہ کے ائمہ نے اس کے اور اس کی قوم کے اسلام کا فتویٰ دیا۔ اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے، اتحاد کرنے اور شادی بیاہ کرنے کی اجازت دی۔ وہ جلال الدین نو مسلم کے نام سے مشہور ہوا اور لوگ اس زمانے میں اس کے پیروؤں کو نو مسلم کہتے تھے۔

شعائرِ اسلام کا احیاء

جلال الدین حسن نے اپنے زیر نگیں علاقوں میں مساجد تعمیر کرائیں۔ خراسان و عراق سے فقہاء کو اپنے ہاں بلایا اور ان کی عزت افزائی کی، یہ لوگ اس کے ملک میں قضاء، خطابت اور ان جیسی دوسری دینی خدمات انجام دینے لگے۔

اہلِ قزوین سے تعلقات

مگر قزوین کے باشندے کچھ تو اس لئے کہ وہ اسلام کے سختی کے ساتھ پابند اور بڑے متدین مسلمان تھے اور کچھ اس لئے کہ ملاحدہ کے پڑوس اور قربت کی بناء پر ان کے مکر و فریب سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ واقف تھے، ان کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاتے اور نقصانات برداشت کرتے رہتے تھے، فریقین کے درمیان بار ہا لڑائیاں ہو چکی تھیں اور دلوں میں دشمنی بیٹھ گئی تھی، شروع شروع اس کے اور اس کی قوم کے اسلام کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے، ان کے اسلام پر یقین کرنے سے انکار کر دیا، ان کے قاضیوں اور اماموں نے ملاحدہ کے بارے میں جانچ پڑتال اور غور و فکر کیا اور ان کے دعویٰ اسلام پر

1۔ تاریخ اسماعیلیہ سے ماخوذ ملخص

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اٹھارہواں باب:

شیعہ خاندان آلِ بویہ کا اقتدار

تاریخِ اسلام کے موضوع پر قلم اٹھانے والوں نے قبل از اسلام کی قبائلی مخاصمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دفعہ پھر زندہ ہوتا ہوا دکھانے پر اتفاق کر کے شیعی نظریے کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے اور قیاس آرائیوں کے ذریعے اسلام، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے اثر کو زائل کرنے کی سعی نامشکور کا ارتکاب کیا ہے۔ عمومی طور پر مورخین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی سے بنو ہاشم کو غیر قبیلہ میں خلافت کا جانا کسی قدر ناگوار ہوا لیکن پہلے دونوں خلفاء حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حسنِ انتظام نے عام طور پر اس خیال کو لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں سبائی فرقے کے کھڑے کیے گئے جھگڑوں نے مضمون کو پھر تازہ کر دیا لیکن یہ محض سیاسی احوال تھے، مذہبی اختلافات کی کوئی صورت ابھی معرضِ وجود میں نہ آئی تھی، ہمارے نزدیک اتنا کہنا بھی محض تکلف ہے۔ بعد وفاتِ رسول، خلافت کے مسئلہ پر بنو ہاشم اور دیگر قبیلوں کے مابین کسی بھی قسم کے اختلافات کی کہانی پر یقین رکھنا ضروری نہیں، بلکہ عبداللہ بن سبا ہی ان سیاسی اختلافات اور مذہبی اختلافی نظریات کا موجد ہے، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت میں سیاسی اختلافات رونما ہوئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی شیعانِ علی اور شیعانِ علی کے ساتھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کھلے عام سیاسی تبصرے کرتے تھے، اس دوران ممکن ہے فریقین کی طرف سے ایک دوسرے کے بارے میں نامناسب الفاظ بھی نکل جاتے ہوں، لیکن یہ ایک پولیٹیکل بحث تھی مذہبی بات نہ تھی۔ خلفائے عباسیہ نے شروع شروع بنو امیہ کی بہت کچھ توہین اور ان پر ظلم کیے۔ لیکن محض پولیٹیکل خیال سے علویوں سے ان کا برتاؤ اچھا بھی رہا۔ جیسا موقع ہوا ویسا کیا گیا۔ سنیوں اور شیعوں کی جیسی تفریق اب ہے تین صدیوں تک نہ تھی۔ اس کی ابتدا خاندانِ دیالمہ یا بنو بویہ سے پڑی چنانچہ اخیر حکمران معز الدولہ نے تمام مساجدِ بغداد کے دروازوں پر حکم دیا کہ امیر معاویہ کے نام و دیگر صحابہ پر تبرا لکھا جائے۔

خلافت کے جھگڑے کو جزوِ ایمان قرار دینا اور اہلِ تشیع کے مذہب کو اہل سنت والجماعت سے الگ کر کے دکھانا، یعنی مذہبِ اسلام کو یوں دو مستقل حصوں میں تفریق کرنا اس بدعت کا بانی معز الدولہ ہوا اور اسی خیال کے مؤید اکثر سلاطین دیالمہ تھے ورنہ اس سے پہلے یہ باتیں مسائل جزویہ کی طرح سے مافی الذہن رہتی تھیں، اپنے مخالف خیال والے کو کوئی مذہبی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طور پر جدا نہیں سمجھتا تھا۔

سن ۳۲۰ھ سے ۴۴۸ھ تک ایران کی سطح مرتفع، پھر عراق میں خراسان اور ماوراء النہر کے سامانیوں کے دوش بدوش آلِ بویہ نامی شیعہ خاندان نے حکومت کی اور اپنے اقتدار کے بل بوتے پر شیعیت کی بھرپور سرپرستی کرتے اور اس مذہب میں نت نئی بدعات اور ایجادات کے ذریعے اس مذہب کو فروغ بخشا۔ درج ذیل سطور میں ہم تاریخی واقعات کے ذریعے اس پر روشنی ڈالیں گے۔

سلاطین دیالمہ یا بویہ

سلاطین دیالمہ کو مورخ بہرام گور کی نسل سے بتاتے ہیں جبکہ مشہور ماہر علم الانساب ابن ماکولا کے بقول یہ لوگ یزدجرد بن شہریار آخر ملوک عجم کی نسل سے تھے۔ دیالمہ جمع ہے دیلم کی۔ دیلم مقام کا نام ہے۔ اس کو جیلان بھی کہتے ہیں جس کا شہ نشین اودبار تھا جو بحر خزر کے جنوبی غربی ساحل پر واقع تھا۔ ایک زمانہ میں ریوان کا صوبہ بنا۔ پہلے یہاں بت پرست تھے۔ سامانی حکمران نصر دوم کے زمانے میں علی بن اطروش کی تبلیغ کی وجہ سے بلاد دیلم میں شیعیت رائج ہوئی، بالآخر چوتھی صدی ہجری میں یہاں سے دیلمی خاندان، جسے آلِ بویہ کہا جاتا ہے، نے سر اٹھایا۔

بنو بویہ کے معاملات کی ابتدا اور اس کی حکومت کا ظہور

یہ لوگ تین بھائی تھے۔ (۱) عماد الدولہ ابوالحسن علی (۲) رکن الدولہ ابوعلی الحسن (۳) معز الدولہ ابوالحسین احمد۔

ان تینوں کے والد کا نام ہے، ابوشجاع بویہ بن قباخسرو بن تمام ابن کوہی بن شیرزیل الاصغر بن شیر کیدہ بن شیر زیل الاکبر بن شیران شاہ بن شیرویہ بن سیسان شاہ بن سیس بن فیروز بن شیرزیل بن سیسان بن بہرام جور الملک بن یزدجر الملک بن صابورذے الاکتاف الفارسی۔

ابونصر بن ماکولا نے اپنی کتاب میں ان کا نسب نامہ اسی مذکور طریق پر ذکر کیا ہے۔ ان کو دیالمہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے دیلم کی مجاورت کی اور ایک مدت تک ان کے درمیان رہے۔ ان کا باپ ابوشجاع بویہ بالکل کنگال تھا، مچھلیوں کا شکار کرتا اور اس کے یہ بیٹے لکڑیاں کاٹ کر اپنے سروں پر رکھ کر لاتے تھے۔ اس کی بیوی ان تینوں بیٹوں کو چھوڑ کر مر گئی تھی۔ اس لیے بیوی کے مر جانے اور بچوں کے ماں کے بغیر رہ جانے پر یہ بہت مغموم رہتا تھا۔

ایک دن وہ اسی فکر میں اپنے ایک ساتھی شہریار بن رستم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس سے ایک نجومی گزرنے لگا، تو اسے اس نے بلوا کر کہا کہ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے، تم میرے اس خواب کی تعبیر مجھے بتادو۔

میں نے دیکھا ہے کہ میں بیٹھا پیشاب کر رہا ہوں اچانک میرے پیشاب گاہ سے زبردست آگ نکلی اور آسمان کے قریب تک پہنچ گئی۔ پھر اس کی تین شاخیں ہوگئیں۔ پھر ہر شاخ مختلف شاخوں میں بٹ گئی۔ یہاں تک کہ بہت سی شاخیں ہوگئیں۔ اور اس کی وجہ سے ساری دنیا روشن ہوگئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ سارے علاقے اور اس کے انسان سب

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس آگ کے سامنے جھک گئے۔

اس نجومی نے کہا، تمہارا یہ خواب بہت زبردست ہے۔ اور بہت زیادہ مال لیے بغیر میں تم کو اس کی تعبیر نہیں بتاؤں گا۔ اس نے کہا، اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی چیز بھی تمہیں دینے کے لائق نہیں ہے، اور سوائے اس گھوڑے کے میں کسی چیز کا مالک بھی نہیں ہوں۔ تب اس نے کہا، خواب یہ بتا رہا ہے کہ تمہاری پشت سے تین لڑکے بادشاہ ہوں گے۔ پھر ہر ایک کی نسل سے متعدد بادشاہ ہوتے رہیں گے۔

یہ سن کر اس نے نجومی سے کہا، کیا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ ساتھ ہی اپنے بیٹوں کو اسے تھپڑ مارنے کا حکم دیا۔ پھر اسے دس درہم دے دیئے۔ درہم لے کر نجومی نے کہا، اس وقت اور اس بات کو یاد رکھنا، جبکہ میں تمہارے پاس تمہاری بادشاہت کے زمانہ میں آؤں گا۔ یہ کہا اور ان سے رخصت ہو گیا۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ یہ تینوں بھائی ماکان بن کافی نامی بادشاہ کے پاس طبرستان کے علاقوں میں رہتے تھے۔ اس پر ایک شیعہ مرادویج نے اپنا قبضہ جما لیا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ کی حالت بہت کمزور ہو گئی۔ اس لیے ان تینوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس کے پاس سے نکل جانا چاہیئے، یہاں تک کہ اس کے حالات صاف نظر آنے لگیں، چنانچہ کچھ دوسرے حکام کے ساتھ وہاں سے نکل کر وہ اسی مرادویج کے پاس چلے گئے، تو اس نے ان سبھوں کی بہت عزت افزائی کی اور مختلف شہروں میں انہیں عامل بنا کر بھیج دیا۔

چنانچہ اس نے عماد الدولہ علی بویہ کو کرخ کی نیابت سونپی۔ وہاں اس نے ان لوگوں کے ساتھ بہت عمدہ برتاؤ کیا، اس لیے وہ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس سے محبت کرنے لگے، یہ سن کر مرادویج کو اس پر حسد ہوا، اور اسے وہاں سے معزول ہونے کا حکم بھیج کر اپنے پاس بلوا بھیجا۔ لیکن اس نے اس کے پاس واپس آنے سے انکار کر دیا اور اصبہان کی طرف روانہ ہو گیا، تو وہاں کے نائب نے اس سے لڑائی کی، مگر اس نے اس نائب کو شکست دے دی اور اصبہان کا حاکم ہو کر بیٹھ گیا، حالانکہ اس کے ساتھ صرف سات سو گھوڑ سوار تھے اور انہی سے اپنے مقابل کو جو دس ہزار تھے، شکست دی تھی۔ اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کا سکہ بیٹھ گیا۔

جب مرادویج کو اس بات کی خبر ملی، تو اُسے بہت زیادہ قلق ہوا۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں ایک بڑا لشکر روانہ کیا، جس نے اسے اصبہان سے نکال دیا۔ اب اس نے آذربائیجان کا رُخ کیا اور وہاں کے نائب حاکم سے شہر چھین لیا، جس کی وجہ سے اسے بے شمار مال ہاتھ لگا۔ آہستہ آہستہ اس نے اور بھی دوسرے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے رعب داب اور حسنِ اخلاق کا شہرہ دور دور ہو گیا۔ اور لوگ اس سے محبت اور اس کے ساتھ عظمت سے پیش آنے لگے۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کے پاس بھی ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ اس کے علاوہ عوام کی بھیڑ لگ گئی، اور دنیا میں ترقی کے تمام منازل طے کرتا گیا۔

بالآخر یہ نتیجہ ہوا کہ یہ اور اس کے دونوں بھائی، تینوں نے بغداد کو عباسی خلفاء کے ہاتھوں سے چھین لیا، اور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان ہی لوگوں کو ان علاقوں میں جوڑ توڑ کرنے، اوران لوگوں کو عہدوں پر بحال کرنے اور معزول کرنے کی پوری قوت حاصل ہوگئی۔ اوران ہی لوگوں کے پاس ملک کی آمدنی جمع ہونے لگی اور سارے معاملات اور حالات ان کے ہی سامنے پیش کیے جانے لگے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس خاندان میں چھ بادشاہ ہوئے لیکن ان لوگوں کا کوئی مستقل پایۂ تخت نہ تھا۔ مختلف مقامات پر یہ لوگ رہتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی وقت میں اس خاندان کے دو تین اشخاص کی جدا جدا خود مختار حکومتیں قائم رہیں۔

لیکن ایک مستقل سلسلہ انہی لوگوں کا ہے جو خلفائے بغداد پر حاوی تھے، اور دوسرے وہ سلاطین ہیں جو بغداد سے الگ اصفہان، کرمان اور فارس میں رہے۔ ان تمام کا بیان یکجا کیا جاتا ہے۔ ناظرین پڑھتے وقت اس کا لحاظ رکھیں تاکہ خلطِ بحث سے غلط فہمی نہ ہو۔

عمادالدولہ ۳۰۰ ہجری

خلیفہ مقتدر کے گورنر یاقوت کو شکست دے کر اس نے چوتھی صدی کی ابتداء میں فارس پر قبضہ کرلیا۔ اور اپنے بھائی رکن الدولہ کو بھیج کر عراق فتح کیا اور معزالدولہ کو کرمان بھیجا جو کرمان فتح کرکے بغداد پر بھی مستولی ہوگیا۔[1]

رکن الدولہ ۳۱۸ ہجری

متوفی ۳۶۵ ہجری اس کی حکومت کا زمانہ بہت کم تھا۔ عمادالدولہ تو اس کے بیٹے عضدالدولہ کو اپنا ولی عہد کرگیا تھا لیکن معلوم نہیں کہ کیونکر یہ تخت نشین ہوگیا۔ ظاہر اً لڑکے نے باپ سے لڑنا پسند نہیں کیا۔ مرتے دم اس نے کرمان، اہواز، فارس، عضدالدولہ کو دیا۔ ہمدان، رے اور طبرستان کی حکومت اس نے اپنے دوسرے بیٹے فخرالدولہ کو اور اصفہان کی حکومت اپنے تیسرے بیٹے مؤیدالدولہ کو دے کر ان دونوں کو تاکید کی کہ وہ عضدالدولہ کے مطیع رہیں۔[2]

معزالدولہ ۳۳۱ ہجری

معزالدولہ کو جب اس کے بھائی عمادالدولہ نے فتح کرمان کے لئے بھیجا تو اس نے کرمان فتح کیا۔ اس کے بعد بغداد کے حاکم سے اہواز چھین لیا۔ بغداد پر بھی تین مرتبہ حملہ کرنے کے بعد اس نے قبضہ کرلیا۔ خلیفہ کا امیر الامراء توزن جب تک زندہ رہا معزالدولہ کو کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے مرنے پر ابن شیرزاد اس کا قائم مقام تاب بمقابلہ نہ لاسکا۔ خلیفہ مکتفی کی مجلس میں آکر اس نے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے لئے معزالدولہ، رکن الدولہ،

1۔ تجارب الامم جلد ۶ ص ۱۱۷ بحوالہ تاریخ ملت

2۔ ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۲۱

3۔ تجارت الامم جلد ۶ ص ۸۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عمادالدولہ کے خطاب حاصل کئے۔ 3

لیکن بیعت اور خطاب کی عجیب نوعیت تھی کہ بظاہر اس کی کچھ ضرورت نہ تھی لیکن اس کے حاصل کرنے کو محمود ایسے سلطان نے بھی اپنا فخر سمجھا تو سلاطین دیالمہ اس کے مقابلہ میں کس شمار میں تھے۔ احمد ابن بویہ بصرہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اس کا قیام بغداد میں بطور سپہ سالار خلیفہ کے تھا۔

خلیفہ بغداد راضی باللہ نے احمد بن بویہ کو معزالدولہ کا خطاب دے کر اصفہان و اہواز کی حکومتیں عطا کی تھیں، لیکن یہی "اقتدار بخش" خلیفہ بہت جلد معزالدولہ اور اس کے دونوں بھائیوں علی بن بویہ "عمادالدولہ" اور حسن "رکن الدولہ" کے ہاتھوں شاہ شطرنج بن بیٹھا۔ اور اسی حالت میں ۳۲۹ھ میں فوت ہو گیا۔

راضی باللہ کے بعد متقی باللہ تخت نشین ہوا تو دیلمیوں کو مزید ترقی نصیب ہوئی، لیکن جلد ہی ۳۳۳ھ میں المتقی باللہ کو معزول کر کے اس کی جگہ المستکفی باللہ کو تخت نشینِ خلافت کیا گیا۔ المستکفی کے کاتب جعفر بن شہزاد کو امرائے دربار نے امیرالامراء بنا دیا، یہ امیرالامراء درپردہ آلِ بویہ کا آدمی تھا۔ اس وقت پورے ایران پر آلِ بویہ قابض تھے۔ جن کا نسلی، مذہبی اور لسانی تعصب مسلّماتِ تاریخ میں سے ہے۔ یہ لوگ نہ کسی غیر ایرانی کو اقتدار میں دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی غیر شیعہ ان کے ہاں معزز سمجھا جاتا تھا۔

المستکفی نے یہ حماقت کی کہ معزالدولہ کو امیرالامراء مقرر کر کے سلطان کا لقب بھی دے دیا۔ چنانچہ معزالدولہ کا آفتاب نصف النہار پر آ گیا اور ساتھ ہی مستکفی کی کمبختی بھی! اس محسن کش معزالدولہ نے ۳۳۴ھ میں مستکفی کو گرفتار کر لیا اور سرِ دربار اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر اسے اندھا کر دیا، اور کوشش کی کہ کسی علوی فاطمی کو تختِ خلافت پر بٹھائے، لیکن اس کے مصاحبوں نے اسے مشورہ دیا کہ ایسا کرنے سے ایک زبردست انتشار پیدا ہو گا۔ عوام کے دل میں عباسیوں کی ہمدردی جاگ اٹھے گی اور شیعوں کے دل میں بھی آپ کی عظمت قائم نہ رہے گی۔ آپ تختِ خلافت پر کسی عباسی کو ہی بٹھائیں، اس طرح شیعہ آپ کو اپنا سرپرست سمجھ کر مطمئن رہیں گے۔ چنانچہ اس نے مطیع اللہ عباسی کو تخت نشین کر دیا اور خود شیعیت کی دھن میں مگن رہا۔

اقتدار کی طاقت بنی بویہ کو آرام سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی اور اہل سنت اکثر و بیشتر ان کے مظالم کا نشانہ بنتے تھے۔

۳۴۶ھ میں کرخ کے شیعوں اور اہل سنت کے درمیان صحابہؓ کو گالی گلوچ کرنے کی وجہ سے زبردست قتال کی نوبت آئی، جس سے بے حساب آدمی مارے گئے۔

معزالدولہ کی کارستانیاں

علامہ ابن کثیرؒ کے مطابق ماہِ محرم ۳۴۷ھ میں معزالدولہ نے موصل پر حملہ کر کے (عباسیوں کے مقرر کردہ عامل) ناصرالدولہ سے اپنے قبضہ میں لے لیا، اور ناصرالدولہ شکست کھا کر نصیبین کی طرف بھاگ گیا، اس کے بعد

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میافارقین کی طرف گیا تو معزالدولہ وہاں بھی پہنچ گیا۔اب وہ اپنے بھائی سیف الدولہ کے پاس پہنچ گیا تو سیف الدولہ نے مصالحت کے لیے معزالدولہ کو خط لکھا، بالآخر ان دونوں بھائیوں اور معزالدولہ کے درمیان سالانہ انتیس لاکھ دینار کی ادائیگی پر صلح ہوگئی، اس صلح کے مکمل ہوجانے کے بعد معزالدولہ اپنی جگہ بغداد واپس آ گیا، اس وقت پورے علاقہ میں رافضی بھر گئے، اور بنی بویہ، بنی ہمدان اور فاطمیوں کی طرف سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو گالی گلوچ کرنا عام ہوگیا۔مصر، عراق، شام اور خراسان کے بادشاہ سب کے سب رافضی ہوگئے تھے۔ایسے ہی حجاز وغیرہ اور مغربی شہروں میں بھی غالب آ گئے تھے، جن کی وجہ سے ان کی طرف سے صحابہ کرام کو گالیاں دینا اور ان کو کافر کہنے کا بہت زور ہوگیا تھا۔[1]

ماہِ محرم ۳۵۰ھ میں معزالدولہ بن بویہ پیشاب بند ہوجانے کی بیماری میں مبتلا ہوگیا، جس سے اس کو بہت پشیمانی ہوئی اور اپنے خاص لوگوں میں سے سبکتگین اور اپنے وزیر المہلبی کو ایک جگہ بلوا کر دونوں میں مصالحت کرادی، اور اپنے لڑکے بختیار کے بارے میں ان کو بہتر سلوک کرنے کی وصیت کی، پھر اس مرض سے اسے شفایابی ہوگئی، تو اس نے بغداد سے اہواز منتقل ہوجانے کا پختہ خیال کرلیا۔اپنے اس اعتقاد کی وجہ سے کہ اس مرض کا سبب بغداد کی ہوا اور پانی کا ناموافق ہونا ہے، لیکن تمام مشیروں نے اس خیال کی مخالفت کرتے ہوئے یہیں رہنے پر زور دیا، ساتھ ہی بغداد کے بالائی حصوں میں ایسی جگہ پر رہائشی مکان بنوانے کا اصرار کیا، جہاں کی ہوا بہت عمدہ اور پانی بہت صاف ہو۔چنانچہ اس نے ایک گھر بنوایا جس پر ایک کروڑ تیس لاکھ اور ایک قول میں بیس لاکھ دینار خرچ ہوئے، اس سلسلہ میں کچھ لوگوں پر مال کی فراہمی کے لیے اسے جبر بھی کرنا پڑا۔لیکن اس کی بدقسمتی سے ابھی تک اس کا کام پورا نہیں ہوا اور اس میں اسے رہنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ عزرائیل نے اس کا گلہ دبادیا۔اور پہلے خلفاء نے جو کچھ خاصی تعمیرات کی تھیں ان میں بہت سی چیزوں کو اس نے برباد بھی کردیا۔ان ہی میں سُرَّ من رأیٰ کو بھی اس نے برباد کردیا۔اسی طرح لوہے کے وہ دروازے بھی جو شہر منصورہ اور رصافہ اور اس کے محلات سے اس کے گھر تک لگائے ہوئے تھے سب توڑ ڈالے۔

اصحابِ رسول ﷺ پر سبّ وشتم

۳۵۱ھ میں معزالدولہ نے جامع مسجد بغداد سمیت تمام مسجدوں کے دروازوں پر صحابہ کرامؓ کے خلاف مختلف جملے اور نعرے لکھوادیئے تھے، ان میں سے چند یہ ہیں:

☆ ''معاویہ'' بن سفیان پر لعنت ہو۔ (معاذ اللہ)

☆ ''جس نے فاطمہؓ کے حق کو غصب کیا اس پر لعنت ہو''۔(معاذ اللہ) اس سے مراد حضرت ابوبکرؓ تھے۔

☆ ''جس نے حضرت عباسؓ کو مجلس شوریٰ سے نکال باہر کیا، اس (یعنی حضرت عثمانؓ) پر لعنت ہو۔''
اللہ تمام صحابہ کرامؓ سے راضی رہے اور ان پر لعنت کرنے والوں پر لعنت کرے۔

1۔تاریخ ابن کثیر، واقعات ۳۴۷ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

☆ ''اور جس نے حضرت حسن ؓ کو ان کے نانا جان کے پاس دفن کرنے سے روکا (یعنی مروان بن حکم) اس پر لعنت ہو۔''

آئے روز کے مظالم سے خائف اہل سنت نے غیرتِ ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ عبارتیں مٹادیں۔ مگر اقتدار کے نشے میں چور شیعوں نے دوبارہ لکھ دیں۔ جس پر شیعہ سنی فسادات کی آگ بھڑک اٹھی اور ہزاروں کی تعداد میں اہل سنت شہید کر دیئے گے۔ شیعوں کے شہید ثالث نور اللہ شوستری کے بقول یہ فتنہ اتنا بڑھ گیا کہ معز الدولہ بغداد کے تمام سنیوں کو تہہ تیغ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ لیکن اس کے وزیر محمد بن مہلبی نے درخواست کی کہ معاویہ کے سوا کسی شخص پر لعنت نہ کریں، چنانچہ اب جامع مسجد بغداد کے دروازے پر یہ عبارت لکھوائی گئی:

لعن اللہ معاویۃ ابن ابی سفیان و من غصب فاطمۃ فدکاً و من منع من دفن الحسن عند جدّہٖ و من نفٰی اباذرّ و من اخرج العباس عن الشوریٰ۔[1]

خلیفہ بغداد جو اِن بویوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا وہ اس کفر کو مٹانے سے قاصر تھا، لیکن اہل سنت کے لئے بہر حال یہ جسارت نا قابلِ برداشت تھی، چنانچہ انہوں نے پھر اس عبارت کو مٹا دیا۔ معز الدولہ نے پھر لکھوانے کا ارادہ کیا تو وزیر مہلبی نے مشورہ دیا کہ صرف معاویہ کے نام کی تصریح کی جائے اور ان کے نام کے بعد ''و الظّٰلمین لاٰلِ محمد'' کا فقرہ بڑھا دیا جائے، معاذ اللہ۔ یعنی معاویہ پر اور آلِ محمد پر ظلم کرنے والوں پر لعنت۔ چنانچہ یہ عبارت لکھوادی گئی۔

اسی طرح حلب میں سیف الدولہ بن حمدان کے اندر بھی شیعیت بھری ہوئی تھی اور روافض کی طرف اس کا میلان تھا۔ اس کی نحوست کی وجہ سے فرنگی حلب پر چڑھ دوڑے اور اس عظیم شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔

اسی بنا پر جب مصر اور شام کے شہروں پر فاطمیوں کی حکومت قائم ہوگئی اور ان میں روافض بھرے ہوئے تھے، شام کے ساحلی اور شہری تمام علاقوں، یہاں تک کہ بیت المقدس پر بھی فرنگیوں کا غلبہ ہوگیا اور مسلمانوں کے قبضہ میں یہ علاقے نہ رہ سکے، سوائے حمص، حلب، حماۃ اور دمشق اور جگہ جگہ چند عاملوں کے۔

بقیہ ساحلی علاقے وغیرہ سب فرنگیوں کے قبضہ میں آ گئے تھے، تمام بڑی بڑی شاندار عمارتوں اور محلات پر ان ہی انگریزوں کے ناقوس اور طبل بجتے رہے اور ایمان کے مرکزوں اور مسجدوں اور محترم عمارتوں اور مقامات میں کفریہ افعال برملا کیے جاتے اور کلمات کہے جاتے، تمام مسلمان ان کے قبضہ میں انتہائی گھٹن اور دینی تنگی میں زندگی گزار رہے تھے، اور اس علاقہ کے لوگ بھی جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھے ان فرنگیوں کی وجہ سے بہت زیادہ خوف اور وحشت کی حالت میں اپنے شب و روز گزار رہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ سب ان کے گناہوں اور نافرمانیوں اور نبیوں کے بعد ساری مخلوق میں افضل لوگوں کو گالیاں دینے کے نتیجے

1۔ تاریخ ابن اثیر ج ۸ ص ۱۷۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں تھا۔

ماتم حسینؓ کے جلوس کی ابتداء

ماہِ محرم ۳۵۲ھ میں دسویں محرم کو معز الدولہ بن بویہ نے عام حکم دیا کہ سارے بازار بند رکھے جائیں۔ عورتیں بالوں کے کمبل بدن پر ڈالیں، اور چہرے کھول کر سر کے بال بکھیرے ہوئے اپنے چہروں پر طمانچے مارتے ہوئے حسین بن علیؓ بن ابی طالب پر نوحہ خوانی کرتے ہوئے بازاروں میں نکلیں۔ شیعوں کی بہت زیادتی اور بادشاہِ وقت کی اس کام میں موافقت کی وجہ سے اہل سنت کو بھی اس کی مخالفت ممکن نہ ہو سکی، اسی سال دسویں ذی الحجہ کو معز الدولہ بن بویہ نے بغداد میں اظہارِ زینت کرنے، عید کے دن کی طرح رات کو بھی بازار کھلے رکھنے اور نقارے اور بگل وغیرہ کے بجانے اور امراء کے دروازوں اور فوجیوں کے پاس چراغاں کرنے کا بھی حکم دیا۔ غدیر خم، عید الغدیر کی خوشی کی مانند وہ وقت انتہائی تعجب خیز اور تاریخی تھا، اور انتہائی بدترین بدعت اور کھلم کھلا منکر کا مرتکب تھا۔

موجودہ شیعیت کی تمام تر ماتمی تقریبات کا موجد یہی معز الدولہ دیلمی ہے اور یہ سب رسوم اسی کی شریعت ہیں۔ گیارہ اماموں کا دامن اِن رسوم سے بالکل پاک رہا ہے۔

المطیع نے ۹۴۶ء سے لے کر ۹۷۴ء تک حکومت کی۔ مشہور مستشرق Hitti اس دور کے متعلق لکھتے ہیں:

"Shia Festivals were now established, particularly the Public mourning on the anniversary of al-Husayn's death (10th of Muharram). [1]

ترجمہ:۔ ''شیعہ میلے اب اِس دور میں قائم ہوئے، خاص طور پر حضرت امام حسینؓ کا پبلک مقامات پر ماتم جو دسویں محرم کو ہوتا ہے اسی دور کی ایجاد ہے۔''

جسٹس امیر علی بھی رقمطراز ہیں:

"Muiz-ud-Daula, although a patron of Arts and Literature was cruel by nature. He was a Shia and it was he who established the 10th Day of the Muharram as a day of mourning in commemoration of the Massacre of Karbla." [2]

ترجمہ:۔ ''معز الدولہ اگرچہ علم وادب کا مربی تھا، مگر اس کی فطرت بہت ظالم تھی۔ وہ شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے دسویں محرم کو شہادتِ کربلا کی یاد میں یہ طریقہ قائم کیا۔''

اگرچہ آلِ بویہ کی حکومت کو ختم ہوئے صدیاں بیت گئیں لیکن معز الدولہ دیلمی کا حکم آج بھی جوں کا توں پاکستان

1۔ ص ۴۷۷ مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء History of the Sarcens

2۔ ص ۳۰۳ مطبوعہ لندن ۱۹۵۱ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں نافذ العمل ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس وقت بغداد میں شیعہ حکمران شیعہ فوج کی نگرانی میں توہینِ اسلام اور قدحِ صحابہؓ پر مشتمل ماتمی جلوس نکلواتے تھے جبکہ پاکستان (جو غالب ترین سنی اکثریت کا ملک ہے) میں سنی حکمران سنی فوج اور سنی پولیس کی نگرانی میں یہ فریضہ ادا کرتے ہیں۔ (فیا اسفا)

بہرحال یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ واقعہ کربلا کے تین سو سال بعد "ماتمِ حسینؓ" کی رسم ایجاد ہوئی۔ جس کی بنیاد کسی قریشی ہاشمی، علوی، حسنی، حسینی یا کسی عربی النسل نے نہیں بلکہ ایرانی النسل ایک شیعہ حاکم نے محض اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے ڈالی۔ [1]

عید غدیر کی ابتداء

معزالدولہ نے حکم جاری کیا کہ ۳۵۱ھ کے ۱۸ ذی الحجہ کو "عید غدیر" منائی جائے، چنانچہ اس کے حکم سے شہر میں بازاروں کو آراستہ کیا گیا۔ عمارتوں پر چراغاں اور آتش بازی کے مظاہرے کیے گئے، ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں۔ [2]

دراصل عید غدیر اس فرضی، بے اصل اور خیالی واقعے کی یاد میں ایجاد کی گئی جس میں بقول شیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر اثناءِ راہ "غدیر خم" کے مقام پر اپنے بعد حضرت علیؓ کے جانشین بنائے جانے کا اعلان فرمایا تھا، مگر بعد میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ نے حضرت علیؓ کا مفروضہ حق غصب کر لیا۔

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت علیؓ کو اپنا غصب شدہ حق مل گیا۔ گویا سبائیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے نام پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خوشی کے لئے یہ جشن (عید غدیر) ترتیب دیا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:

"اسی سال کی اٹھارہویں ذوالحجہ کو معزالدولہ نے حکم دیا کہ عید غدیر کی خوشی میں پورے بغداد میں آرائش کی جائے، عیدین کی طرح رات بھر بازار کھلے رہیں، ڈھول اور نقارے بجائے جائیں اور امراء کے دروازوں اور چھاؤنی کے علاقوں میں آتش بازی کی جائے۔" [3]

شیعہ کی معتبر کتاب "تحفۃ العوام" میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان ہے "باب چودھواں، بارہ مہینوں کی تاریخہائے سعد و نحس میں" اس میں ماہ ذی الحجہ کی ۱۸ تاریخ کے تحت لکھا ہے کہ:

"نیک یعنی سعد ہے، عید غدیر ہے۔ خلیفہ ثالث مقتول ہوئے۔"

1۔ شیعیت تاریخ و افکار۔ ص ۳۲۳

2۔ شیعیت۔ ص ۳۲۰

3۔ البدایہ والنہایہ جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۲۴۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فصل تیسری فضیلت عید غدیر میں اور وہ اٹھارہویں ذی الحجہ کی ہے۔ سب عیدوں سے عظیم تر ہے کہ اس روز کامل کیا خدا نے دین کو کہ رسولِ خدا نے جناب امیر المومنین ؑ کو بحکم خدا اپنا خلیفہ اور جانشین کیا اور ہزاروں آدمیوں پر جناب امیر کی فضیلت ظاہر ہوئی اور یہ عید مخصوص شیعوں کی ہے۔ جناب امام رضا سے بسند معتبر منقول ہے کہ حق تعالیٰ حکم فرماتا ہے، نویسندگان اعمال کو کہ شیعان علی و محبانِ اہل بیت کے گناہ تین روز تک نہ لکھو یعنی اٹھارہویں سے بیسویں تک بسبب کرامت محمد، علی و فاطمہ و ائمہ ہدیٰ کے (کیونکہ ۱۸ تاریخ کو شیعوں نے حضرت عثمان ؓ کو شہید کیا تھا اور اس کے بعد مسجد نبوی اور مدینۃ النبی میں طوفانِ بدتمیزی، شور و غل اور اودھم مچائے رکھا، یہ ان کے ناقابل معافی جرم و گناہ تھے اس لئے انہوں نے اپنے امام کی وساطت سے نامہ اعمال میں درج ہی نہیں ہونے دیئے) اور اگر کوئی محب اہل بیت آج کے روز مرے گا گویا شہید مرے گا یعنی شہید کا ثواب اس کو عطا ہوگا۔"[1]

معزالدولہ کے دور میں فضائلِ صحابہ کو مساجد میں بھی ب آواز بلند بیان کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور دوسرے فرقہ کے نزدیک جو صحابہ مبغوض ہیں نام بہ نام اُن پر لعن کرنے کی روک ٹوک نہ تھی۔

قبر علی ؓ اور کلامِ علی ؓ کی بھی "دریافت" اسی دورِ بنی بویہ میں ہوئی، "نہج البلاغہ" میں اندرونی شہادتیں اس امر کی صاف غمازی کر رہی ہیں کہ اس کے واضعین عجمی اثرات سے متاثر تھے اور جارحانہ فرقہ پرستی کی، جس کا اس زمانہ میں غلبہ تھا، نمائندگی کرتے ہیں۔

معزالدولہ ۳۵۶ھ میں مر گیا۔ اس کو آکلہ کا مرض ہو گیا تھا۔ آخر وقت میں وہ اپنی حرکات سے حسبِ بیانِ صاحب البدایہ والنہایہ تائب ہوا۔ اور جب اس کو یہ علم ہوا کہ حضرت عمر ؓ کے حبالۂ عقد میں اُم کلثوم بنت علی ؓ تھیں جو فاطمہ ؓ کے بطن سے تھیں تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا تھا: "واللہ ما سمعت بھذا قط" (بخدا میں نے یہ قطعاً نہیں سنا تھا) اس پر اُس نے اپنے عقیدہ سے توبہ کی۔[2]

عضدالدین بن رکن الدولہ ۳۳۵ھ متوفی ۳۷۲ھ

یہ اپنے چچا معزالدولہ کی جگہ فارس اور کرمان کا بادشاہ ہوا۔ اس نے جوڑ بند سے قیصر روم سے اپنے لئے ہدیہ اور تحفے منگوائے اور اس طرح اپنے کو عام نظروں میں معزز ثابت کیا۔ یہ بڑا زبردست بادشاہ گزرا ہے۔ شہر بغداد اور مکہ مکرمہ کی راہ میں جتنے کنوئیں اور نہریں خراب ہو گئی تھیں سب کو اس نے درست کرایا۔ مکہ مدینہ، نجف اور کربلا میں اس نے غرباء کے لئے روپے بھیجے اور شکستہ گرجاؤں اور خانقاہوں کی مرمت بھی کرائی۔ اس کا وزیر نصر بن ہارون نصرانی تھا۔ چونتیس برس تک اس نے سلطنت کی۔ یہ اس خاندان کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ اس کے عہد میں بغداد کی حکومت ہارون الرشید کی حکومت

1۔ تحفۃ العوام صفحہ ۱۶۸

2۔ البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۶۱ ج ۱۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے برابر وسیع ہو گئی۔اس نے خلیفہ الطائع کی لڑکی سے شادی کی اور اپنی لڑکی اس کے عقد میں دی تا کہ اس سے جو اولاد ہو وہ خلیفہ بن سکے۔اس نے رفاہِ عامہ کے کام کیئے۔اس نے بغداد میں ایک لاکھ دینار کے وقف کے ساتھ بیمارستان العضدی تیار کرایا۔عضد کا پایہ تخت شیراز تھا۔لیکن بغداد اور دوسرے شہروں پر بے حد درجہ ترقیاتی کاموں کی مد میں اخراجات کئے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: عضد الدولہ بن رکن الدولہ بن بویہ متوفی ۳۷۲ھ نے اپنے چچا کے بیٹے عز الدولہ بختیار کو قتل کر کے امیر الامرائی کا عہدہ حاصل کیا اُس کا اقتدار بغداد میں ایسا تھا کہ کسی کو مجالِ دم زدن نہ تھی۔اس کے زمانے میں وعظ و تقریر کی ممانعت، صحابہؓ کے فضائل بیان کرنا در کنار ان کا ذکر بھی ممنوع تھا۔"ولا یسأل سائل باسم احد من الصحابه"[1]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقبرے کی تعمیر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کے وجود کا تقریباً سوا تین سو برس تک کسی کو علم نہ تھا، عہد بنی بویہ میں عضد الدین بن رکن الدولہ کے دورِ حکومت میں یہ قبر پہلی مرتبہ دریافت کی گئی۔عضد الدولہ نے نجف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی تربت بنا کر ایک عالی شان عمارت اس پر قائم کی اور اس کو زیارت گاہ قرار دیا باوجودیکہ فرضی مزار ہے ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بقول ابن تیمیہ قصر امارت کوفہ میں دفن کیے گئے۔

ابنِ خلکان نے عضد الدولہ دیلمی خاندانِ بنی بویہ کے حالات میں تصریح کی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کو دریافت کیا اور رقم کثیر صرف کر کے اس پر عمارت بنوائی اور اسی میں اپنی تدفین کے لئے بھی وصیت کی،اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وللناس فی هذا القبر اختلاف کثیر حتّٰی قیل انّه قبر المغیره بن شعبة الثقفی فاِنَّ علیًا لا یعرف قبرهٗ...

"لوگوں کا اس قبر کے بارے میں اختلاف کثیر ہے،حتیٰ کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قبر مغیرہ بن شعبہ ثقفی کی ہے کیونکہ حضرت علیؓ کی قبر لاپتہ ہے۔"

علامہ ابن کثیرؒ نے جو روایات نقل کی ہیں ان کے مطابق درج ذیل گیارہ مقامات پر حضرت علیؓ کے جسد مبارک کی تدفین کے دعوے کیے گئے ہیں:

(۱) کوفہ کا قصرِ امارت (۲) جامع مسجد کوفہ کا پہلو (۳) جعدہ بن ہبیرہ کوفی کا مکان (۴) نواحِ کوفہ (۵) مقامِ ثوبیہ (۶) کناسہ (۷) جنت البقیع (۸) بلادِ طئی (۹) لحفۂ حیرہ (۱۰) نجف (۱۱) بلخ کا ایک گاؤں جسے قریۃ الخیر کہا جاتا ہے۔

دیگر مؤرخین خاص کر خطیب بغدادی، جو اسی عہدِ بنی بویہ کا معتبر مورخ ہے اپنی تصنیف "تاریخ بغداد" میں

1۔البدایہ والنہایہ ص۲۸۹ ج۱۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حالاتِ حضرت علیؓ کے ضمن میں لکھتا ہے کہ حسن بن علیؓ جب بعدِ صلحِ معاویہؓ مع کثیر خزانہ کے مدینہ جانے لگے انہوں نے اپنے والد محترم کی میت کو بھی ایک صندوق میں رکھ کر اور اس میں بہت سا کافور ڈال کر ایک اونٹ پر رکھوایا تا کہ مدینہ لے جا کر دفن کریں۔

بلادِ طے میں اس دھوکے سے کہ اس میں بھی خزانہ ہے وہ اونٹ ہی رات میں کھول کر لے گئے، پھر اس کا پتہ نہ لگا۔ ابن ابی الحدید نے اس روایت کو غلط بتایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو ان کی قبر معلوم تھی اور ہر شخص کی اولاد اپنے آباء کی قبور سے واقف ہوا کرتی ہے بہ نسبت غیر لوگوں کے۔ [1]

قدیم مورخین ابن قتیبہ اور طبری نے نجف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تدفین کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا۔ شیعہ مورخ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے بھی اپنی کتاب "التنبیہ والاشراف" میں نجف والے مزار کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی دوسری کتاب مروج الذہب میں آپؓ کے مدینہ منورہ میں دفن ہونے کا ذکر کیا ہے۔

دوسرے شیعہ مؤرخوں کو اس کا اعتراف ہے کہ ہارون رشید کے زمانہ (۱۷۰۔۱۹۳ھ) تک قبر علیؓ کا جو دشمنوں کے خوف سے مخفی رکھی گئی تھی، کسی کو پتہ نہیں تھا، خود حضرت علیؓ کی ایک کرامت سے اس کا پتہ چلا۔ چنانچہ صاحب عمدۃ الطالب نے بعنوان "ابتداء بناء قبر علیؓ" ایک حکایت بیان کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید ایک دن نواحِ کوفہ میں شکار کو نکلا، پرندوں اور ہرنوں کے شکار کرنے کے لئے باز اور شکاری کتے جب چھوڑے جاتے تو ریت کے ایک ٹیلہ سے جہاں شکار موجود تھا واپس آجاتے۔ ہر چند اُن کو اُدھر ہنکایا جاتا مگر وہ اس ٹیلہ پر نہ جاتے۔ خلیفہ اس عجیب واقعہ سے متحیر ہوا، تحقیق کرنے پر "بعض شیوخ الکوفہ" نے بتایا کہ یہ "امیر المومنین علیؓ" کی قبر ہے۔ ہارون الرشید نے اس پر عمارت بنوائی، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ عضد الدولہ دیلمی نے بہت روپیہ صرف کر کے اس پر عمارت عظیم بنوائی اور اوقاف مقرر کئے۔ انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ کوفہ کے قریب مشہد علی کی عمدہ عمارت بعد میں بنائی گئی لیکن ان کی قبر جہاں وہ دفن ہوئے لاپتہ ہے۔

1۔ شرح ابن ابی الحدید ص ۴ ج ۱

قبر کو مخفی رکھنے کا خوف شیعہ مورخوں کے نزدیک بنی اُمیہ سے تھا۔ مگر ۱۳۲ھ میں جب ان کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا تو پھر کس سے خوف تھا جو کہ نصف صدی تک اسے مخفی رکھا گیا؟ اس روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید رات کو اس مقام پر خیمہ زن ہوا، رات بھر نمازیں پڑھتا اور گریہ وبکا کرتا رہا۔ علی بن عیسیٰ ہاشمی بھی ساتھ تھے، صبح کو انہیں جگایا اور کہا کہ اپنے "ابنِ عم" کی قبر کے پاس نماز پڑھو اور بتایا کہ یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، پھر صاحبِ قبر سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے ابنِ عم! خدا کی قسم میں آپ کے حق کو جانتا ہوں، آپ کی فضیلت سے انکار نہیں کرتا لیکن آپ کی اولاد میرے اوپر خروج کرتی، مجھے قتل کر کے میرا ملک چھیننا چاہتی ہے۔

واللہ یا ابن عم! انی لاعرف حقک ولا انکر فضلک ولکن ولدک یخرجون ویعتصدون فتنی وسلب ملکی۔

(ص ۴۴ عمدۃ الطالب)

اس قسم کی نامستند روایات سے قبر کے دریافت کرنے کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الغرض عضد الدولہ کے دور میں بھی شیعیت نہایت دھوم دھام سے ترقی کرتی رہی اور حسبِ سابق اس مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی، علامہ ابن کثیرؒ ۳۶۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں:

''۳۶۳ھ میں بھی حسبِ معمول سابق عاشوراءِ محرم میں روافض نے من مانی حرکتیں کیں اور بدعت اور حرام کاموں کا ارتکاب کیا۔ اس سال بغداد میں سنیوں اور شیعوں کے درمیان فتنہ برپا ہوا۔

دونوں فریقوں میں زبردست قتال ہوا اور بیشمار انسان قتل کئے گئے، فسادیوں نے اس موقع پر لوگوں کے مال لوٹے، بعد میں کچھ لوگ پکڑے گئے جنہیں قتل کیا گیا، اور سولی دیا گیا، اس طرح فتنہ دب گیا۔

اسی سال بختیار بن معزالدولہ نے موصل پر قبضہ کرلیا۔ اور اسی سال دیلمیوں اور ترکیوں کے درمیان بصرہ میں فتنہ برپا ہوگیا، اور دیلمی ترکیوں پر بھاری ہوگئے۔ بعد ازاں المعز کے آزاد کردہ غلام سبکتگین اور ترکیوں کی طاقت بغداد میں بہت بڑھ گئی، اور ترکیوں نے دیلمیوں کے گھروں کو لوٹ لیا اور عام مجمع میں سبکتگین کو خلعت پنائی گئی، کیونکہ یہ لوگ اس کے ساتھ دیلمیوں کے مخالف تھے، اس وقت سنیوں کی شیعوں کے مقابلہ میں طاقت بڑھ گئی اور کرخ کو آگ لگادی گئی، کیونکہ یہ رافضیوں کا دوسرا گڑھ تھا، اور ترکیوں کے ہاتھوں سنیوں کا غلبہ ہوگیا۔ چنانچہ خلیفہ مطیع نے اپنی خلافت سے دستبرداری کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد بنادیا۔'' 1

طائع کی خلافت اور المطیع کی دستبرداری

ابن الاثیر کے بقول تیرھویں ذی القعدہ کو اور ابن الجوزی کے بقول ذی القعدہ کی انیسویں تاریخ، المطیع للہ اپنے عہدہ سے دستبردار ہوا کیونکہ اس پر مرض فالج کا حملہ ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے اس کی زبان بھاری ہوگئی تھی، اس لیے سبکتگین نے اس کو مشورہ دیا کہ خود دستبردار ہوکر اپنے بعد اپنے بیٹے طائع کو ولی عہد بنادے، چنانچہ اس نے اس مشورہ کو قبول کرلیا اور اور حاجب سبکتگین کے ہاتھوں دارالخلافہ میں طائع کے لیے بیعت منعقد ہوگئی۔

بیعت کا معاملہ ختم ہوجانے کے بعد الطائع لوگوں کے سامنے اس ہیئت کے ساتھ آیا کہ اس نے چادر اوڑھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے سبکتگین اور لشکر تھا۔ اس نے اس کے دوسرے دن سبکتگین کو شاہی خلعت پہنایا اور اس کا لقب ناصرالدولہ رکھا اور اسے امیر کی ذمہ داری سونپی۔ عیدالاضحیٰ کے دن طائع اس طرح ظاہر ہوا کہ اس کے بدن پر سیاہ کپڑے تھے۔ ابن الجوزی نے اپنی کتاب المنتظم میں ذکر کیا ہے کہ مطیع للہ کا نام دستبرداری کے بعد الشیخ الفاضل رکھ دیا گیا تھا۔

۳۶۴ھ میں عضدالدولہ بن رکن الدولہ بن بویہ اپنے ساتھ اپنے والد کے وزیر ابوالفتح بن العمید کو لے کر آیا۔ اس لیے افتکین بغداد میں ترکیوں کے پاس بھاگ کر چلا گیا، تو عضدالدولہ بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا، اور بغداد کے مشرقی

1۔ تاریخ ابن کثیرؒ۔ واقعات ۳۶۳ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حصہ میں قیام کر کے بختیار کو حکم دیا کہ آس پاس کے علاقوں پر غارت گری کریں، اور وہ غلہ اور اسباب خوراک وغیرہ جو کچھ باہر سے وہاں پہنچتا ہے سب کو وہاں پہنچنے سے روک دیں۔ اس طرح تمام چیزوں کی قیمت بہت بڑھ گئی اور فسادیوں اور لوٹ مار کرنے والوں کی زیادتی کی وجہ سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوگئی اور فکین نے خوراک کے حصول کے لئے اپنے گھروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، لوگوں کی حالت بہت خراب ہوگئی، آخر کار ان ترکیوں اور عضدالدولہ میں مقابلہ ہوا تو عضدالدولہ نے ان لوگوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ مجبوراً وہ لوگ تکریت کی طرف بھاگ گئے اور عضدالدولہ نے بغداد اور اس کے متعلقات پر قبضہ کرلیا۔

جب بغداد اور ملک عراق میں عزالدولہ بختیار کی حکومت پورے طور پر مستحکم ہوگئی، یہ اپنی پرانی سرکشی پر قائم رہا اور اپنی گمراہی، رافضیت اور شیعیت پر بھی جما رہا۔

بختیار بن بویہ الدیلمی

۳۶۷ھ میں بختیار بن بویہ الدیلمی کا انتقال ہوا۔ یہ اپنے باپ کے بعد حکومت کا بادشاہ بنا، اس وقت اس کی عمر صرف بیس برس کی تھی، بدن کا خوبصورت، حملہ میں سخت اور دل کا بہت قوی تھا، لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک مضبوط بیل کے پاؤں پکڑ کر بغیر کسی دوسرے کی مدد کے اسے زمین پر گرا دیا کرتا تھا اور سوراخوں میں بڑے بڑے سانپوں کو تلاش کرتا پھرتا تھا، لیکن یہ بہت زیادہ لہولعب میں مشغول رہتا اور لذتوں میں مست رہا کرتا تھا، اہواز کے علاقوں میں جب اس کے چچازاد بھائی نے اسے شکست دی تو جتنے بھی آدمی اس کے گرفتار کیے گئے ان میں ایک امرد (بے داڑھی مونچھوں والا نوجوان) بھی تھا جس سے یہ بہت زیادہ محبت کرتا، اور اس کے بغیر اس کا عیش مکمل نہیں ہوتا تھا، اس لیے اس کی واپسی کے لیے اس نے بہت عاجزی اور نرمی کے ساتھ درخواست بھیجی اور قیمتی بے شمار تحفے اور بہت سا مال اور انتہائی حسین وجمیل انمول دو باندیاں بھی بھیجیں۔

چنانچہ اس نے اس غلام کو واپس کر دیا مگر لوگوں نے اس وجہ سے اسے بہت برا بھلا کہنا شروع کیا اور یہ بادشاہ کی نظروں سے گر گیا۔ اس کے جواب میں وہ کہا کرتا کہ پورے بغداد بلکہ پورے عراق کے قبضہ سے نکل جانے سے بھی اس معشوق کا میرے پاس نہ رہنا زیادہ تکلیف دہ ہے، اس کے بعد ایسا ہوا کہ اس کے چچازاد بھائی نے اسی کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا یہ کل چھتیس برس زندہ رہا اور اکیس برس چند ماہ حکومت کی، اسی نے بغداد میں شیعیت کو فروغ دیا اور اسی کی وجہ سے سینکڑوں خرابیاں پیدا ہوئیں، جن کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

۳۷۰ میں عضدالدولہ دیلمی ہمدان کے سفر سے واپس آیا تو عباسی خلیفہ اس کے استقبال کے لئے بغداد سے باہر نکلا حالانکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ عباسی خلیفہ نے اس طرح کسی کا استقبال کیا ہو۔ ۳۷۲ھ میں عضدالدولہ فوت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا صمصام الدولہ دیلمی نائب السلطنت بغداد ہوا۔

موئد الدولہ بن رکن الدولہ (۳۷۲ ہجری)

اپنے بھائی عضد الدولہ کے وقت میں یہ اصفہان کا حاکم تھا اور عضد الدولہ کا مطیع تھا۔ عضد الدولہ کے مرنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ بھی مرگیا۔ اس نے صرف اپنے بھائی فخر الدولہ سے جنگ کی تھی۔ اس لئے کہ وہ عضد الدولہ سے سرتابی کر کے خراسان چلا گیا تھا اور وہاں سے سامانیوں کی مدد سے موئد الدولہ کے مقابلہ کو آیا تھا جیسا کہ نوح بن سامانی کے حال میں لکھا گیا ہے۔ اس کی حکومت کا زمانہ تو بہت پہلے سے شروع ہوا لیکن بادشاہت ۳۷۲ ہجری میں ہوئی کہ یہی عضد الدولہ کی وفات کا زمانہ ہے۔

فخر الدولہ بن رکن الدولہ (۳۷۳ ہجری۔م ۳۸۵ ہجری)

دونوں بھائیوں کے مرنے پر اُمرائے دولت نے اس کو خراسان سے (جہاں یہ بھائیوں کے خوف سے جا چھپا تھا) بلا کر تخت پر بٹھایا۔ اس کے لئے صمصام الدولہ نے خلیفہ بغداد سے خلعت بھجوائی اور اسی طرح ایک مدت کے بعد ملک موروثی پر آسانی سے قابض ہو گیا۔ یہ ذی علم تھا۔ اس کے عہد میں علمی ترقی بہت ہوئی۔ اس کا وزیر بن عبادہ تھا جو علم و فضل میں یگانہ روزگار تھا۔ امیر بخارا نے در پردہ اپنی وزارت کے لئے طلب کیا۔ ابن عبادہ نے نہ آسکنے کے لئے دو عذر لکھے۔ اس میں یہ بھی تھا کہ صرف میری کتابوں کے اٹھانے کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وزیر ممدوح کے ہمراہ سفر میں صرف ادب کی کتابوں کے تیس اونٹ رہتے تھے۔ [1]

۳۸۱ھ میں دیلمیوں نے عباسی خلیفہ الطائع للہ کو معزول کر کے قید کر دیا اور قادر باللہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ شمالی افریقہ میں قائم ہونے والی شیعہ اسماعیلیہ حکومت پہلے ہی مصر پر قابض ہو چکی تھی۔ الطائع کے عہد میں فاطمی حکومت نے بغیر کسی روک ٹوک کے بڑھ کر شام اور حجاز پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ دولتِ عباسیہ کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی کیونکہ آلِ بویہ دیلمی کے جو امیر الامراء بغداد کی حکومت پر قابض تھے یعنی عز الدولہ، عضد الدولہ، صمصام الدولہ، شرف الدولہ، بہاء الدولہ یہ سب ایک ہی خاندان (بویہ) کے افراد تھے۔ نسلاً ایرانی اور انتہائی متعصب اور غالی قسم کے شیعہ تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ شیعہ قوی تر حکومت فاطمیہ کی وسعت پذیری میں کوئی مزاحمت ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فاطمیوں کے نام کا خطبہ حرمِ مکہ میں پڑھا گیا۔

پروفیسر قاضی طاہر الہاشمی کے بقول اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ خواہ وہ زیدی ہو یا اسماعیلی، یا اثنا عشری سنیوں کے لئے ہمیشہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہے۔

فخر الدولہ بن بویہ

1۔ ابن خلکان جلد ا۔ ص ۷۶، ۲۳۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۳۸۷ھ میں علی بن رکن الدولہ ابوعلی الحسن بن بویہ الدیلمی کا انتقال ہوا جس نے رَی اور اس کے اطراف میں بادشاہت کی، اس وقت جبکہ ان کے بھائی مؤید الدولہ کا انتقال ہو گیا تھا، اس وقت یہ اپنے شہر سے باہر تھے، اس وقت کے وزیر ابن عباد نے انہیں اطلاع دی کہ فی الفور وہ یہاں پہنچ جائیں، چنانچہ وہاں پہنچتے ہی انہیں بادشاہت سپرد کر دی گئی، اس کے بعد انہوں نے دوبارہ ابن عباد کو عہدۂ وزارت پر بحال کر دیا، چھیالیس برس کی عمر پا کر وفات پائی، جن میں تیرہ برس دس مہینے سترہ دن بادشاہت کی، بے شمار دولت ترکہ میں چھوڑی، جن میں صرف سونا ہی تیس لاکھ دینار کا، جواہر کے ٹکڑے پندرہ ہزار، جن کی مجموعی قیمت تقریباً تیس لاکھ تھی، ان کے علاوہ سونے کے برتن دس لاکھ دینار کے، چاندی کے برتن تین لاکھ درہم کے، یہ سب برتن کی شکل میں تھے، کپڑے تین ہزار گٹھریاں اونٹوں کے بوجھ کی، ہتھیاروں کا خزانہ ایک ہزار اونٹوں کے وزن کا، فرش وغیرہ پندرہ ہزار اونٹوں کا بوجھ اور بادشاہوں کے مناسب دوسری متفرق چیزیں تو اتنی تھیں کہ ان کا حساب بھی ممکن نہیں تھا۔

اتنی دولت چھوڑنے کے باوجود ان کی موت کی شب ان کے پاس کچھ بھی سامان نہ تھا، یہاں تک کہ کفن کے لیے بھی مسجد کے مجاورین کے دیئے ہوئے کپڑوں سے تکفین ہوئی، اور جنازہ کو چھوڑ کر لوگ قائم مقام بادشاہ بنانے میں مشغول رہے، بالآخران کے بیٹے رستم کو بادشاہت سونپی گئی، اس عرصہ میں نعش اس قدر بدبودار ہوگئی تھی کہ وہاں تک لوگوں کا پہنچنا بھی ناممکن ہو گیا، بمشکل تمام کسی طرح رسیوں سے باندھ کر کھینچ کر قلعہ کے کسی گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ ایسا کرنے سے اجزاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ یہ اللہ کی طرف سے عمل کا پورا پورا بدلہ تھا۔ [1]

۳۹۲ھ میں مصر کی شیعہ سلطنت کے گورنر دمشق نے ایک سنی امیر کو گدھے پر سوار کر کے سارے شہر میں گھمایا اور یہ اعلان کرایا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے محبت رکھے، اس کے بعد اس سنی امیر کو شہید کر دیا گیا۔

۳۹۵ھ میں حاکم عبیدی نے مصر میں بہت سے علماء کو قتل کرایا اور مسجدوں کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرامؓ کو گالیاں لکھ کر لگائیں اور عمال کو حکم دیا کہ صحابہ کو علیٰ وجہ الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔

صمصام الدولہ

علاء الدولہ کے مرنے پر صمصام الدولہ بغداد کا امیر الامراء بنا۔ اس کو اُتار کر شرف الدولہ نے اپنے کو امیر الامراء بنایا اور چھ برس کے بعد اپنی موت مر گیا۔

بہاء الدولہ بن عضد الدولہ

شرف الدولہ کے مرنے پر یہ امیر بغداد ہوا۔ ۴۰۱ ہجری میں یہ مرا اور اس کا تابوت مشہد امام میں بھیجا گیا۔

1۔ تاریخ ابن کثیر واقعات ۳۸۷ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مجد الدولہ بن فخر الدولہ ۳۸۷ ہجری

فخر الدولہ کے بعد اس کا نابالغ بیٹا مجد الدولہ تخت پر بیٹھا۔لیکن انتظامِ سلطنت اس کی (مجد الدولہ کی) والدہ کرتی تھی اور اپنی زندگی تک سلطنت دیلمی کی رونق اس نے قائم رکھی۔ سلطان محمود غزنوی نے اس پر چڑھائی کرنی چاہی تھی اس نے کہلا بھیجا کہ بیوہ پر فتح یابی سے محمود کا کیا نام ہوگا اور کہیں شکست ہوئی تو ذلت بڑی ہوگی۔ محمود نے پھر اس کی زندگی میں ادھر توجہ نہ کی۔لیکن اس کے مرتے ہی محمود نے اس پر چڑھائی کر کے اور مجد الدولہ کو گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا اور خلیفہ قادر باللہ کو لکھا کہ مجد الدولہ کا چلن شرعِ محمدی کے خلاف تھا اس لئے میں نے ایسا کیا۔

سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ ۴۰۱ ہجری

اپنے باپ کے بعد یہ فارس اور بغداد میں حکمران ہوا۔اس کے ملک کو زیادہ تر محمود غزنوی نے کمزور کیا اور کچھ خانہ جنگیوں نے خراب کیا۔

۴۰۲ھ کے ماہِ محرم میں فخر الملک وزیر نے روافض کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ بری حرکتوں اور بدترین بدعتیں جو کیا کرتے تھے۔ مثلاً ماتم، سرکوبی، سینہ کوبی وغیرہ ٹاٹوں کو بازاروں میں لٹکانا صبح سے شام تک اور ان کی عورتیں کھلے چہرے ننگے سر ہو کر سارے بازاروں میں گشت کرنا، ان کا اپنے چہروں کو طمانچے مارتے رہنا، قدیم ترین زمانہ جاہلیت کے طریقوں کے مطابق حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہوئے وہ اب سب کچھ کر سکتے ہیں۔

۴۰۳ھ کے ماہِ محرم کی سولھویں تاریخ الشریف الرضی ابوالحسن الموسوی کو طالبین کو نقابت کے عہدہ پر سارے ملک میں فائز کیا گیا۔ اور وزیر فخر الملک کے گھر میں اس کے عہد نامہ کی قرأت کی گئی۔ تمام معزز شہری اور بڑے بڑے عہدیداروں نے اس مجلس میں شرکت کی۔ اسے سیاہ جوڑے کا خلعت دیا گیا۔ یہ طالبیوں میں پہلا وہ شخص ہے جسے سیاہ خلعت دیا گیا ہو۔ اور یہ وہی شخص ہے جس نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر نہج البلاغہ مرتب کی، جس کے بارے میں مفصل تبصرہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

شرف الدولہ بن بہاء الدولہ ۴۱۱ ہجری

۴۱۱ ہجری میں شرف الدولہ کا نام بغداد کے خطبہ میں داخل ہوا اور سلطان الدولہ کا نام متروک ہوا۔ شرف الدولہ علمی مذاق کا حکمران تھا۔ ابراہیم بن بلال اس کا ندیم تھا۔[1]

ابو کالنجار بن سلطان الدولہ

محمود کا اور بغداد پر ترکوں کے حملے دیالمہ کی باہم لڑائیاں، اس پر طرہ یہ کہ تین بادشاہ کالنجار و جلال الدین و قوام

1۔ تجارب الامم جلد ۶ ص ۱۰۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الدولہ باہم جھگڑنے میں مصروف ہوئے۔ ملک میں بدامنی تھی۔ سلطنت دیالمہ کے ضعف کے ساتھ خلافت کو بھی ضعف تھا۔ پہلے سلاطین دیالمہ سے ملک کو فوجی تقویت تھی اور خلفاء سے درباری عزت تھی۔ ترکوں نے پھر زور پکڑا اور بجائے ملوک غزنی کے سلجوقیوں کا زور شروع ہوا جس کا اثر بغداد تک پہنچا۔

خسرو بن فیروز بن کالنجار

اس بادشاہ کا لقب ملک رحیم تھا اس کے وقت میں دیالمہ نے چاہا کہ متفقہ طاقت سے وہ اپنے کو سنبھال لیں لیکن سنبھال نہ سکے، خلیفہ نے بھی ان کی عزت کم کردی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ملک رحیم سے پہلے طغرل بیگ کا نام خطبہ میں پڑھا جائے۔

طغرل بیگ خلیفہ کی اجازت سے حج کو چلا۔ راہ میں وہ خلیفہ سے ملنے کو ٹھہرا۔ دیالمہ اپنی غلط فہمی سے طغرل بیگ کے ساتھی ترکوں سے لڑ پڑے اور مغلوب ہوئے۔ تمام شہر میں لوٹ مار ہوئی۔ خسرو کو طغرل قید کر کے لے گیا۔ لیکن ابو منصور بن ابو کالنجار کو ایک موقع مل گیا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے فارس کا بادشاہ ہو گیا۔ اور پھر اپنے سپہ سالار فضل بن حسن کے ہاتھ سے جس کی نسل کو مورخ فضلویہ کہتے ہیں ۴۴۸ ہجری میں مارا گیا اور اس کے ساتھ دیالمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ فضلویہ کو بھی تھوڑے ہی دنوں میں ملک قادر سلجوقی نے بھگا کر اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔ [1]

اذان کی بجائے نقارہ بجانے کا حکم

۴۱۸ھ میں جلال الدولہ دیلمی امیر الامراء و نائب السلطنت بغداد نے حکم جاری کیا تھا کہ نماز پنج وقت کے لئے مسجدوں میں اذان نہ دی جائے اور بجائے اذان کے نقارہ بجایا جائے۔ خلیفہ قادر باللہ نے اس بدعت کو سخت ناپسند کیا اور جلال الدولہ سے اس حکم کو منسوخ کرنے کی فرمائش کی۔ جلال الدولہ نے یہ حکم منسوخ تو کر دیا مگر خلیفہ سے ناراض ہو گیا۔ خلیفہ جلال الدولہ کی ناراضگی سے ڈرا اور چند دن بعد دوبارہ نقارہ بجانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ جلال الدولہ نے نقارہ بجانے کا حکم دوبارہ جاری کیا اور بجائے اذان، نقارہ بجنے لگا۔

۴۲۲ھ میں قادر باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا قائم بامر اللہ تخت نشین ہوا، قادر باللہ کے تمام عہد خلافت میں بغداد کے اندر شیعہ سنی ہنگامے برپا رہے۔ قائم بامر اللہ کے تخت نشین ہونے کے بعد شیعوں نے سنیوں پر مظالم کی حد کر دی اور سنیوں کی زندگی پہلے سے زیادہ تلخ ہو گئی۔ اسی زمانے میں سلطان محمود غزنوی نے وفات پائی اور سلجوقیوں نے ماوراء النہر اور خراسان میں اپنی حکومت قائم کی۔ مکہ معظمہ اور حجاز پر مصر کے عبیدیوں یعنی شیعوں کا قبضہ ہو چکا تھا، اسی زمانہ میں اندلس کی خلافت کا بھی خاتمہ ہوا اور وہاں خاندانِ بنواُمیہ کی زبردست سلطنت پارہ پارہ ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل ہو گئی جو باہم دست و گریباں رہنے لگیں۔

1۔ کتاب التاج لابن بلال و ناسخ التواریخ۔ آثار الباقیہ و ابن اثیر و ابن خلدون۔ تجارب الامم۔ ابن مسکویہ جلد ۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۴۲۹ھ میں جلال الدولہ دیلمی نے عباسی خلیفہ سے "ملک الملوک" کے خطاب کی فرمائش کی اور خلیفہ کو مجبوراً یہ خطاب دینا پڑا حالانکہ وہ اس خطاب کو مذہباً شرک اور بُرا جانتا تھا۔

بغداد کے شیعوں نے سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر چاہا کہ بغداد پر بھی عبیدی شیعوں کا قبضہ کرا دیں۔ دوسری طرف عبیدی شیعوں نے بحرین، بلوچستان، افغانستان، نائجریا اور فارس وغیرہ صوبوں میں اپنے خفیہ ایجنٹ اور داعی پھیلا رکھے تھے اور تمام عالمِ اسلام میں شیعہ سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھے۔

دیلمیوں کا زوال اور طغرل بیگ کا بغداد پر قبضہ

آلِ بویہ کا دورِ اقتدار سنیوں کے لئے نہایت دردانگیز اور سخت اذیت ناک تھا، ان کے زمانے میں عربی سیادت کے تمام نقوش مٹ گئے۔ انہوں نے تمام ملک میں شیعہ، سنی فسادات کو ہوا دینے میں ہی مصلحت سمجھی۔ ان کی حکمرانی کے سو برس بدنظمی، لوٹ مار، فتنہ و فساد اور قتل و غارت سے بھرے ہوئے ہیں۔

بالآخر طغرل بیگ سلجوقی نے جو متبع کتاب و سنت تھا، ۴۴۷ھ میں بغداد میں فاتحانہ داخل ہو کر دیلمیوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح شیعوں کے وہ تمام منصوبے بھی خاک میں مل گئے جن کے تحت وہ پورے عالم اسلام میں ایک عظیم اور مستحکم شیعہ سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔

ولایت موصل دیلمی شیعوں نے آخر میں عبیدیوں کے سپرد کر دی تھی۔ ۴۵۰ھ میں سلطان طغرل سلجوقی جب ہمدان کی بغاوت فرو کرنے گیا ہوا تھا تو شیعوں نے موصل سے فوجیں لا کر دوبارہ بغداد پر قبضہ کر کے خلیفہ القائم کو معزول کر دیا اس طرح ۸ ذیقعد ۴۵۰ھ کو جامع مسجد بغداد میں مصر کے عبیدی خلیفہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ مسجدوں میں شیعوں کی مخصوص اذانیں دی گئیں، خلیفہ کے وزیر اعظم کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا گیا اور بغداد کے سنیوں پر ہر طرح کے مظالم ڈھانے کے علاوہ قصر خلافت کو بھی خوب لوٹا گیا۔

یہ خبر سن کر طغرل بیگ سلجوقی بغداد کی جانب روانہ ہوا اور ذیقعد ۴۵۱ھ کو بغداد پہنچا۔ شیعہ بغداد سے بھاگ گئے۔ سلطان طغرل بیگ نے خلیفہ کو دوبارہ تختِ خلافت پر بٹھایا۔ سلجوقیوں نے ترکستان، خراسان، فارس، عراق، آذربائیجان اور شام وغیرہ کے تمام علاقے فتح کر کے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی۔ جس سے مسلمانوں کو بہت راحت پہنچی۔ کتاب و سنت کی پیروی آزادی سے ہونے لگی اور دیلمیوں کے زمانہ کی بہت سی خرابیاں دور ہو گئیں۔ سلاطینِ سلاجقہ امرائے بویہ سے بہت زیادہ طاقتور تھے۔ ۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم والیٔ مکہ نے مصر کے عبیدی شیعہ بادشاہ کا نام خطبہ سے نکال کر خلیفہ قائم بامراللہ اور سلطان الپ ارسلان کا نام داخل کیا اور مکہ معظمہ میں شیعوں کی اذان بھی موقوف کر دی۔ اسی طرح حلب میں بھی خطبہ و اذان تبدیل ہوئی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خلیفہ قائم بامر اللہ نے طغرل کو الملک المشرق والمغرب کا خطاب دیا۔ طغرل بیگ نے بغداد پر تقریباً ۸ برس حکومت کی، وہ ایک تجربہ کار منتظم، زبردست جرنیل اور راسخ العقیدہ سنی تھا۔ اس نے رومیوں کے خلاف جہاد کیا جسے آلِ بویہ نے عرصہ سے موقوف کر رکھا تھا۔ طغرل بیگ نے اسلامی عظمت اور وقار کو دوبارہ بحال کیا اور ایک بار پھر خلافت کے تنِ مردہ میں جان پیدا کی، طغرل کے بعد الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی حکمران رہے۔

بویہی اور فاطمی دور کے محدثات اور بدعات

ڈاکٹر محمد البندار ی کے بقول جونہی بویہی فارسی دور شروع ہوا تو فارسیوں نے شیعیت کے پردے میں دینی مناسبات کے لئے نئی نئی رسوم ایجاد کرنی شروع کیں تا کہ ان کے ذریعہ حکومت حاصل کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ معزالدولہ نے جب خلافت کو علویین کی طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے مشیروں نے بھی اس کی موافقت کر لی تو انہی میں سے ایک نے کہا کہ یہ تصرف آپ کی سلطنت کے لئے خطرہ کا باعث ہوگا تو اس نے اپنی رائے بدل لی اور ارادہ ترک کر دیا۔[1]

بویہی دور کے محدثات کو اجمالاً اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

(۱) مساجد کے دروازوں پر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کے الفاظ لکھے جاتے تھے۔[2]

(۲) دس محرم کو بازار بند کر دینا اور عورتوں کو حکم دینا کہ کھردرے کپڑے پہن کر بازاروں میں منہ کھلے، پراگندہ بال، چہروں کو پیٹتے اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) پر نوحہ کرتی ہوئی نکلیں۔[3]

(۳) ۱۸ ذوالحجہ کو نئے کپڑے پہن کر خوشی کا اظہار کرنا، رات کو بازار کھلے رکھنا، ڈھول اور بگل بجانا، آگ جلانا، غدیر خم کی خوشی میں۔[4]

(۴) تحریف شدہ قرآن کے نسخہ کا ظہور اور اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ یہ عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کا مصحف ہے، جبکہ یہ نسخہ تمام مصاحف سے مختلف تھا۔[5]

(۵) فارسی شیعیت کے نصرانیوں اور بغداد کے یہودیوں میں تعاون۔ یہی وجہ ہے کہ ۴۲۲ھ کے فساد میں یہودیوں کے گھر لوٹ لیے گئے، کیونکہ ان پر شیعیت کے دعاۃ کی معاونت کی تہمت تھی۔[6]

1۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۱۲، ۲۱۳

2۔ ایضاً ج ۱۱ ص ۲۴۰۔ المنتظم، ابن جوزی ج ۷ ص ۱۵۔ الکامل ابن اثیر ج ۸ ص ۵۴۹

3۔ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۴۳، ابن جوزی ج ۷ ص ۱۵۔ الکامل ابن اثیر ج ۸ ص ۵۴۹ جب کہ اموات پر نوحہ کرنے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ دیکھو عیون الاخبار قرشی ج ۴ ص ۳۶

4۔ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۴۳، ابن جوزی ج ۷ ص ۱۵۔ الکامل ابن اثیر ج ۸ ص ۵۴۹

5۔ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۳۳۸، ۳۳۹۔ ابن جوزی ج ۷ ص ۳۷

6۔ ابن کثیر ج ۱۲ ص ۳۱، الکامل ابن اثیر ج ۹ ص ۴۱۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عراق میں بویہی فارسیوں کا جب دور شروع ہوا تو اسی وقت مصر میں فاطمی سلاطین کا ظہور ہوا۔ فاطمی بھی شیعیت کے پردے میں حکومت کے طالب تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے جبکہ اہل بیت کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ حقیقت میں یہ لوگ ملحد اور فساق وفجار تھے۔ اور ان کا تعلق مجوسیت، ثنویت اور دیصانیت کے ساتھ تھا۔[1] اور انہوں نے دین میں جو بدعات اور محدثات نکالے اور ان سے وہ ایرانی شیعیت نے اپنائے ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ اذان کے الفاظ میں حی علٰی خیر العمل کا اضافہ اور اذان میں دو دو بار اور اقامت میں تکبیر دو دو بار کہنا۔[2]

۲۔ بندوں کو سجدہ کرنا۔ چنانچہ حاکم بن معز فاطمی پہلا وہ سلطان ہے جس نے لوگوں کو اپنے لیے سجدہ کا حکم دیا۔ اس لیے جب خطیب منبر پر اس کا نام لیتا تو لوگوں پر لازم تھا کہ سب کھڑے ہو جائیں اور پھر کھڑے ہو کر سجدہ میں گر پڑیں اور ان کو دیکھا دیکھی بازاروں میں پھرنے والے بھی سجدہ میں گر پڑتے۔[3]

باوجود ان تمام عقلی بحثوں کے اثنا عشری شیعیت کی تکفیر کافی دیر تک سلف کے قریب رہی۔ یہاں تک کہ صفوی دور شروع ہوا اور شیعیت اسلامی معاشرے کے بالمقابل ایک مستقل دینی فرقہ بن کر کھڑا ہو گیا۔[4]

جب بویہی اور فاطمی دور میں تحریف کا عمل جاری تھا، اس وقت سلف صالحین نے اپنے وجود اور اپنے بنیادی اصولوں کی حفاظت کی۔ چنانچہ ۳۵۵ھ میں ابو عبداللہ محمد بن الحسین نے جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے تھے اور دیلم میں مقیم تھے، اطراف عالم اور اہلِ بغداد کو خط لکھا کہ چونکہ جابجا حضرات شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کو گالیاں دی جا رہی ہیں اس لیے تم ان لوگوں کے خلاف جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔[5]

حضرت ابو عبداللہ علوی حسن بن داؤد جو حضرت زید بن الحسین کی اولاد میں سے تھے اور اپنے زمانے میں خراساں میں آلِ بیت کے بڑے عالم اور علوم کے ماہر تھے، ان کے بارے میں حاکم نے لکھا ہے کہ میں ایک مدت تک ان کی مجلس میں جاتا رہا۔ اس عرصہ میں جب بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر فرماتے تو انہیں شہید کے نام سے

1۔ ان کے نسب کے بارے میں طعن پر وہ قرارداد دیکھیں جس پر بغداد کے علماء نے دستخط کیے بشمول علوی علماء کے جیسے المرتضٰی اور رضی وغیرہ۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۳۴۵، ۳۴۶۔ ابن جوزی ج ۷ ص ۳۵۵

2۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۶۶۔ ۲۷۰۔ الکامل ابن اثیر ج ۸ ص ۵۹۰

3۔ // // // ج ۱۲ ص ۹۔ ۱۰

4۔ التشیع العلوی۔ ڈاکٹر شریعتی ۱۸۲

5۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۵۳۔ ۲۶۱

6۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۶۱۔ ابن جوزی المنتظم ج ۷ ص ۳۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ذکر کرتے اور رو پڑتے۔ اسی طرح جب اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے تو ان کو ان الفاظ سے یاد فرماتے:

"الصدیقة بنت الصدیق حبیبة حبیب اللہ" اور رو پڑتے۔[6]

فقہ جعفریہ کی کتبِ اصول کی تدوین

چوتھی صدی ہجری اور بالخصوص خاندانِ دیالمہ، بنو بویہ کا دورِ حکومت باقاعدہ طور پر فقہ جعفریہ کا دورِ تدوین قرار دیا جاتا ہے، تاریخ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ فقہ جعفریہ نہ تو حضرت جعفر صادقؒ کی خود وضع کردہ فقہ ہے اور نہ ہی آپؒ کی نگرانی میں ہی اسے مرتب و مدون کیا گیا۔ تو لامحالہ پھر آپؒ کے ارشادات و خطابات کو کسی نے تحریری طور پر جمع کر کے آپ کی نسبت سے اُسے یہ نام دے دیا ہوگا۔

گذشتہ صفحات میں شیعیت کی مذہبی اور تاریخی دلالتوں کے معتبر اور مستند حوالوں سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جن شریف الطبع راویوں نے حضرت جعفر صادقؒ کے گرد محاصرہ قائم کر رکھا تھا اور بیرون کی شیعیت ان اندرون کے راویوں کی چشم دید اور گوش شنید روایات کی منتظر بیٹھی ہوئی تھی ان میں زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم اور ابو بصیر وغیرہ سرفہرست تھے اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی بعض خصوصیات کی بناء پر حضرت جعفر صادقؒ نے ان پر لعنتوں کی بوچھاڑ فرمائی اور انہیں بدترین کذاب قرار دیا۔

حیرتناک امر یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں جب فقہ جعفریہ کو کتابوں میں مرتب و مدون کیا جا رہا تھا، اس فقہ کے مرتبین کو حضرت جعفر صادقؒ کے انہی معتوب راویوں کی خدمات حاصل کرنا پڑیں کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو اس فقہ کو کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ دورِ نبوت میں تکمیلِ دین کے مرحلہ پر حلال و حرام، جائز و ناجائز گویا عبادات و معاملات اور عقائد تمام کی تکمیل کر دی گئی تھی۔ یہ سب کچھ بتلانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط پر موجود معاشرہ بھی قائم فرما دیا تھا، ان اصولی خطوط پر خلافتِ راشدہ کے دور میں تمام مہاجرین و انصار نے عمل کیا اور انہی اصول و ضوابط پر حضرات اہل بیت کرامؓ بھی پابندی کرتے رہے۔ کسی ایک نے بھی سرِمو انحراف نہ کیا۔ اس دور میں یہ تمام حضرات ایک جیسی نمازیں پڑھتے رہے۔ ایک طرح کا حج کرتے اور اسی طرح دیگر معاملات و عبادات میں کامل یکسانیت اور ہم آہنگی تھی۔ خلفائے ثلاثہؓ کی اقتداء میں حضرت علی المرتضیٰ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا نماز جیسی اہم عبادت ادا فرمانا اسی یگانگت کی ناقابلِ تردید مثال ہے۔

کسی ایک مسند مرفوع اور صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ ان میں سے کسی نے نماز پڑھتے ہوئے اپنے امام کی مخالفت کی ہو۔ یعنی امام نے نماز ہاتھ باندھ کر اور مقتدی نے چھوڑ کر پڑھی ہو۔ اور یہ بھی ہرگز ہرگز ثابت نہیں کہ ان کی اقتداء میں پڑھی گئی نمازیں اِن حضرات نے پھر لوٹائی ہوں۔ یہی حقیقت خود ملا باقر مجلسی، بحار الانوار میں نقل کرتا ہے کہ کسی

1۔ بحار الانوار جلد ۱۰ص ۱۴۰۔ طبع قدیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شخص نے حسنین کریمینؓ سے پوچھا کہ:

ماکان ابوک یصلّی اذا رجع الی البیت فقال لا واللہ۔[1]

''یعنی کیا آپ کے والدان نمازوں کو گھر میں آ کر لوٹایا کرتے تھے جو انہوں نے خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں ادا کی ہوتیں؟ فرمایا خدا کی قسم ہرگز ایسا نہ کرتے تھے۔''

مختصر یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ اس مقدس دور میں ایک ہی دین اور مسلک کے پابند اور کاربند تھے۔ اور ان میں عملی طور پر باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔ جو حلال تھا وہ سبھی کے نزدیک حلال تھا اور جو حرام تھا اسے تمام حرام ہی سمجھتے تھے۔ اور یہی احکام ان حضرات نے آنے والوں کی طرف منتقل کیے۔ پہلی صدی ہجری میں شیعوں کے مزعومہ ائمہ نے کوئی نئی راہ نہیں نکالی، یہاں تک کہ اصول کافی کی ایک روایت کے مطابق حضرت محمد باقرؒ کا دور آ گیا۔

ثم کان محمّد بن عليٍ ابو جعفر و کانت الشیعة قبل ان یکون ابو جعفر و ھم لا یعرفون مناسک حجّھم و حلالھم و حرامھم حتّٰی کان ابو جعفر ففتح لھم و بیّن لھم مناسک حجّھم و حلالھم و حرامھم حتّٰی صار الناس یحتاجون الیھم من بعد ما کانو ایحتاجون الی الناس۔[1]

''پھر امام محمد بن علی ابو جعفر تشریف لائے۔ اور شیعیانِ علی ان کی آمد سے قبل احکاماتِ حج اور حلال و حرام کو قطعاً نہ جانتے تھے۔ انہوں نے آ کر طریقہ حج اور حلال و حرام کو خوب بیان کیا۔ یہاں تک کہ اب اور لوگ (غیر شیعہ) ان معاملات و مسائل میں اہل تشیع کے محتاج ہو گئے۔ حالانکہ ان سے پہلے خود شیعہ ان لوگوں سے مسائل معلوم کرنے کے محتاج تھے۔''

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے دور سے پہلے تک اس فقہ کو جسے بعد میں فقہ جعفریہ کا نام دیا جانا تھا کوئی وجود نہیں تھا۔ نہ ہی آپؒ سے قبل کوئی شیعہ حلال و حرام اور مسائل حج سے واقف تھا، بلکہ ان باتوں میں وہ دوسرے لوگوں (یعنی سنیوں) کے محتاج تھے۔ یعنی حلال و حرام کا امتیاز تو تھا اور اہل تشیع انہیں پوچھنے ان لوگوں کے پاس جایا کرتے تھے جو ''شیعیانِ علی'' نہ تھے۔ پھر ۷رذی الحجہ ۱۱۴ھ کو پانچویں امام حضرت محمد باقرؒ بھی انتقال کر گئے، وہ بھی اس روایت کے مطابق تمام تر علوم اور حلال و حرام کی تمیز کے بغیر دنیا سے چلے گئے یا کم از کم انہوں نے اپنے شیعوں کو ضرور محروم کئے رکھا، حتیٰ کہ حضرت جعفر صادقؒ کا دور شروع ہوا اور ان کے اپنے حلال و حرام و احکامِ حج جاری و ساری ہوئے۔ تو اب انہیں اپنے گھر میں سے ہی سب کچھ ملنے لگا۔ لیکن اس مقام پر یہ وہم دور کر دینا چاہئے کہ متقدمین حضرات سے ہٹ کر حلال و حرام کا ایک نیا مسلک حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے گھڑا ہوگا؟ نہیں نہیں، بلکہ شیعہ کتب سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ موصوف نے صرف حلال و حرام کی حدود سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ امام موصوف نے کسی نئی فقہ کی تدوین کی۔ یا آپ کی زیر نگرانی یہ کام سرانجام دیا گیا۔ حضرت

1۔ اصول کافی ص ۴۹۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جعفر صادق رحمہ اللہ کا سنِ وصال بحوالہ ''تاریخ الائمہ'' ۱۵/شوال ۱۴۸ھ بمطابق ۷۶۵ء ہے۔ جب آپ نے نہ خود کسی فقہ کی تدوین فرمائی اور نہ ہی آپ کی نگرانی میں اس کا بیڑا اٹھایا گیا۔ تو پتہ چلا کہ ۱۴۸ھ تک فقہ جعفریہ کا بالکل وجود نہ تھا۔ اس کی تفصیل الشافی جلد سوم ترجمہ فروع کافی کے دیباچہ میں مرقوم ہے، یہاں صرف خلاصہ پیش نظر ہے:

مصنف سید ظفر حسین کے بقول:

''حضرت علی المرتضیٰ، حسن و حسین اور زین العابدین رضی اللہ عنہم کا زمانہ نہایت پُرخطر تھا۔ اس لیے مشکلات اور مصائب کی وجہ سے انہیں اپنے دین کی اشاعت کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور نہ ہی ان کے دور میں کوئی حدیث کی کتاب لکھی جا سکی۔ البتہ ان کے بعد پانچویں اور چھٹے امام یعنی امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کو بایں وجہ کچھ فرصت ملی کہ بنو اُمیہ اور بنو عباس باہم دست و گریبان تھے۔ لہٰذا ان دونوں نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں کو مسائل فقہ کی تعلیم دینا شروع کی اور لوگوں نے ان سے کسبِ فیض کیا۔''[1]

اور گویا بزعمِ شیعہ یہاں سے فقہ جعفریہ نے جنم لیا، یوں ۱۴۸ھ میں وفات پانے والے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے نام سے منسوب وہ فقہ چوتھی صدی ہجری میں کتابوں کی زینت بنی، جو زرارہ بن اعین، ابو بصیر، محمد بن مسلم وغیرہ راویوں اور پھر ان کے شاگردوں کے ذریعے مزید کم و بیش دو سو سالوں کا سفر طے کر کے سب سے پہلے محمد بن یعقوب کلینی کے پاس پہنچی تھی۔

فقہ جعفریہ کے ''اصولِ اربعہ'' کا تعارف

(۱) الکافی

اس کتاب کے مصنف کا نام نامی ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی ہے۔ جن کا سالِ پیدائش یا وفات ۳۳۰ ہجری ہے۔ یعنی حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے وصال سے تقریباً ایک سو اَسّی برس بعد یہ کتاب مرتب کی گئی۔ مصنفِ کتاب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو ''امامِ غائب'' کے حضور پیش کیا، جنہوں نے اظہارِ اعتماد و مسرت فرماتے ہوئے اس کی پیشانی پر لکھا ''ھٰذَا کَافٍ لِشِیْعَتِنَا'' یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔

کلینی کو مقتدر باللہ عباسی کے دور میں فقہاءِ شیعہ کی رءاست حاصل تھی، اور بعد کے تمام شیعہ الکافی کی افضلیت پر متفق ہیں اور اس کے احکام کو ''کافی'' سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح اہل سنت امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ''الصحیح البخاری'' کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' قرار دیتے ہیں، اسی طرح شیعہ ''اصولِ کافی'' کو اصح الکتب قرار دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' نہیں بلکہ فقط ''اصح الکتب'' ہے کیونکہ اِسی اصول کافی میں ان روایات کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے جس کے ذریعے کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کو محرف، مبدل اور غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے، اور لطف یہ کہ

1۔ دیباچہ الشافی ترجمہ فروع کافی ص ۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان روایات کو براہِ راست ائمہ معصومین کی جانب منسوب بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چند روایات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن میں تحریف کے بارے میں ''ائمہ معصومین'' کے ارشادات

(۱) سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں آیت نمبر ۲۳ ہے۔ ''وان کنتم فی ریبٍ ممّا نزّلنا علٰی عبدنا فاتوا بسورۃٍ من مّثلہٖ'' اس آیت کے بارے میں شیعوں کی ''اصح الکتب'' اصولِ کافی میں ان کے پانچویں امام ''امام معصوم'' امام باقرؒ کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے:

نزل جبرئیل بھذہ الایۃ علی محمد صلی اللّٰہ علیہ و الہ ھکذا و ان کنتم فی ریبٍ ممّا نزلنا علٰی عبدنا فی علیٍّ فاتوا بسورۃٍ من مثلہٖ۔[1]

''جبریل امین یہ آیت اس طرح لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوئے تھے: وان کنتم فی ریبٍ ممّا نزلنا علٰی عبدنا فی علیٍّ فاتوا بسورۃٍ من مثلہ۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے موجودہ قرآن کو مرتب کیا یا کرایا، (یعنی حضرات خلفائے ثلاثہؓ) انہوں نے اس آیت میں سے ''فی علیٍّ'' کے الفاظ نکال دیئے۔

(۲) سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۵ اس طرح ہے ''ولقد عھدنا الٰی ادم من قبل فنسی''...... اصول کافی میں روایت ہے کہ اثنا عشریہ کے چھٹے ''امام معصوم'' جعفر صادقؒ نے قسم کھا کے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی:

ولقد عھدنا الٰی ادم من قبل کلماتٍ فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریّتھم فنسی... ھکذا واللّٰہ انزلت علٰی محمدٍ صلی اللّٰہ علیہ و الہ۔[2]

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے پورا خط کشیدہ حصہ نکال دیا گیا ہے۔

(۳) سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں آیت ہے ''ومن یّطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزًا عظیمًا'' اصول کافی ہی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی: ''ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فی ولایۃ علی والائمۃ من بعدہ ☐ فقد فاز فوزًا عظیمًا''[3]۔ مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے بھی خط کشیدہ الفاظ نکال دیئے گئے۔

(۴) موجودہ قرآن پاک میں سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۷۰ اس طرح ہے ''یا ایھا الناس قد جاء کم الرّسول بالحق من رّبکم فاٰمنوا خیرًا لکم وان تکفروا فانّ للّٰہ ما فی السّمٰوات وما فی الارض وکان اللّٰہ علیمًا

1۔ اصول کافی ص ۲۶۴

2۔ اصول کافی ص ۲۶۳

3۔ اصول کافی ص ۲۶۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حکیمًا۔" اصول کافی میں ہے کہ اس آیت کے بارے میں امام باقرؒ نے ارشاد فرمایا:

نزل جبرئیل بھذہ الاٰیۃ ھٰکذا۔۔۔ یا ایھا الناس قد جاء کم الرّسول بالحق من رّبکم فی ولایۃ عليٍّ فاٰمنوا خیرًا لکم وان تکفروا بولایۃِ عليٍّ فِاِنّ لِلّٰہ ما فی السّمٰوات وما فی الارض وکان اللّٰہ علیمًا حکیمًا۔[1]

امام باقرؒ کے اس ارشاد کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں "فی ولایۃ عليّ" اور "بولایۃ عليّ" کے الفاظ تھے اور اس طرح اس میں امیر المومنین علیؓ کی ولایت وامامت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور اس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا تھا۔ لیکن موجودہ قرآن کو مرتب کر کے اُمت کے سامنے پیش کرنے والوں (خلفائے ثلاثہؓ) نے آیت میں سے یہ الفاظ نکال دیئے!!

اثنا عشریہ کی اسی اصح الکتب "اصول کافی" سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں ان کے ائمہ معصومین نے قرآنی آیات میں اس طرح کی تحریف اور قطع و برید کا قسمیں کھا کھا کر دعویٰ فرمایا ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی صرف ایک ہی روایت اور ملاحظہ فرمالی جائے۔

عن ھشام بن سالم عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال ان القراٰن الّذی جاء بہٖ جبرئیل علیہ السلام الٰی محمّدٍ صلی اللّٰہ علیہ والہٖ سبعۃ عشر الف اٰیۃٍ۔[2]

"ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قرآن جو جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لے کر نازل ہوئے تھے، اس میں سترہ ہزار (١٧٠٠٠) آیتیں تھیں۔"

موجودہ قرآن پاک میں خود شیعہ مصنفین کے لکھنے کے مطابق کل آیات چھ ہزار سے کچھ ہی اوپر ہیں (ساڑھے چھ ہزار بھی نہیں ہیں) لیکن امام جعفر صادق کا ارشاد ہے کہ اصلی قرآن جو جبریل علیہ السلام لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں نے دو تہائی کے قریب قرآن غائب کر دیا۔ اصولِ کافی کے شارح علامہ قزوینی نے اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

مراد انیست کہ بسیارے ازاں قرآن ساقط شدہ۔ ودر مصاحف مشہورہ نیست۔[3]

ترجمہ:- "امام جعفر صادق کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اصل قرآن میں سے بہت سا حصہ ساقط اور غائب کر دیا گیا۔ اور وہ موجودہ قرآن کے مشہور نسخوں میں نہیں ہے۔"

1۔ اصول کافی ص ٢٦٧

2۔ اصول کافی ص ٦٦٣

3۔ صافی شرح اصول کافی جز ششم ص ٧٥ طبع لکھنؤ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اصول کافی کی یہ صرف پانچ روایتیں نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ اسی کتاب سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن میں قرآن کریم کو ناقابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔ نیز اس کتاب میں ایک بہت بھاری مقدار اُن روایات کی ہے جن میں خلفاء ثلاثہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ پر سب وشتم کیا گیا ہے، حتیٰ کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت اپنے دیگر مزعومہ ائمہ کے خلاف بھی رطب ویابس اور ناگفتنی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ

اس کے جامع شیخ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ جو صدوق کے لقب سے مشہور ہیں، انہوں نے تین سو کتابیں لکھی ہیں جن میں زیادہ مشہور ''من لا یحضرہ الفقیہ'' ہے۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے اور روایات کی جانچ پرکھ کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں مسند و مرسل احادیث کی تعداد چھ ہزار پانچ سو ترانوے (۶۵۹۳) ہے۔

شیخ صدوق کی دوسری کتاب ''اکمال الدین'' ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انہوں نے امام کے حکم سے لکھی ہے جو انہوں نے خواب میں انہیں دیا تھا اور وہ خواب انہوں نے مکہ میں دیکھا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ امام قائم کی دعا کی برکت سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کے بارے میں بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام نے اپنے اس خط میں جو اُن کے دستخط سے ان کی مقدس جانب سے آتا تھا لکھا ہے کہ یہ مبارک فقیہ ہیں۔[1] ان کی وفات ۳۸۱ھ میں ہوئی۔

(۳) تہذیب الاحکام

اس کے جامع شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی (م ۴۴۰ھ) ہیں۔ اس میں تیرہ ہزار پانچ سو نوّے (۱۳۵۹۰) احادیث درج ہیں۔

(۴) الاستبصار

اس کے جامع بھی ابوجعفر طوسی ہیں اس کتاب کے تین حصے ہیں، اور روایات کی تعداد چھ ہزار پانچ سو اکتیس (۶۵۳۱) ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک یہ چار کتابیں الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ اور تہذیبین قطعی ہیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ صحیح اور حجت ہے۔

جیسا کہ اس سے قبل ہم عرض کر چکے ہیں۔ یہ کتابیں آلِ بویہ کے دور میں مرتب ہوئیں اور ان میں شیعوں کے وضعی عقائد کو ائمہ سے منسوب کر کے انہیں تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔

چنانچہ ایک شیعہ عالم ڈاکٹر محمد البندا اری، جو اثنا عشری شیعیت کو فارسی شیعیت قرار دیتے اور اس کی اصلاح کے

1۔ علل الشرائع ابن بابویہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مدعی ہیں نے اپنی کتاب "التشیع بین مفہوم الائمۃ والمفہوم الفارسی" (اردو نام "شیعیت اہل بیت اور فارسی مجوسیت کی نظر میں") میں "اصولِ اربعہ" کی حقیقت پر سیر حاصل علمی بحث کی ہے، اور شیعہ کتب رجال کے ذریعے اصول کے راویوں کو پرکھا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اپنے قارئین کی خدمت میں مصنف مذکور کی تحقیقات کی ایک جھلک پیش کریں، جس کے ذریعے انہیں حقیقت تک پہنچنے میں مدد ملے گی۔

ڈاکٹر محمد البنداری لکھتے ہیں:

کلینی کی کتاب "کافی" ان چار کتابوں میں سرفہرست ہے۔ مازندرانی کا قول ہے: "یہ کتاب "کافی" اسلامی علم میں ایک جامع کتاب ہے اور ضبط کے اعتبار سے سب سے عمدہ اور الفاظ کے اعتبار سے سب سے زیادہ محفوظ...... اہل بیت کی میراث کو اکٹھا کرنے والی اور ان کے علوم کے لیے جامع ہے اور قرآن کریم کے بعد افضل کتب ہے۔ اور ثقلین میں سے ایک ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تمسک کا حکم دیا ہے۔[1]

اور رضی الدین بن طاووس کہتے ہیں: "کلینی وہ شیخ ہیں جن کی امانت اور ثقہ ہونے پر اتفاق ہے اور نور اللہ تستری تو انہیں ثقۃ الاسلام اور احد الاعلام بتاتے ہیں اور یہ کہ وہ روایات کے جامع اور اس میدان میں سب سے آگے نکلنے والے، جس کی گرد کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اور ان کے لغزش پر کوئی مطلع نہیں ہوسکتا۔ اور آفندی کا قول ہے: وہ قدوہِ اعلام اور بدرِ تمام ہیں اور امام کے سفراء کی موجودگی میں سنن اور آثار کو جمع کرنے والے ہیں اور محدث نیشاپوری کا قول ہے: تیسری صدی کے آخر میں اہل بیت کے طریقہ کو زندہ کرنے والے ہیں۔ اور نجاشی کا قول ہے: وہ سب سے زیادہ ثقہ اور اثبت ہیں۔ اور ابن طاووس نے کہا ہے کہ: حضرت مہدی کے وکلاء کے زمانے میں ان کا پایا جانا ان کی کتابوں کی صحت کی واضح دلیل ہے۔[2] اور قزوینی کا قول ہے کتاب "کافی" امام صادق سے بلاواسطہ مروی ہے اور اس کی تمام روایات حق ہیں اور ان پر عمل واجب ہے۔ یہاں تک کہ اس میں کوئی تقیہ کی روایت نہیں ہے۔[3]

لیکن اسی کتاب "کافی" کو پڑھنے کے بعد چند باتیں سامنے آتی ہیں جو قابلِ غور ہیں:

(۱) کلینی کی روایات میں سے بعض روایات کی سند محمد بن اسماعیل اور علی بن محمد سے شروع ہوتی ہیں اور یہ دو ایسے راوی ہیں جن کے نام ضعفاء راویوں کے ساتھ مشترک ہیں اور ہمارے پاس کوئی ایسا قرینہ نہیں جو وثوق کے ساتھ ان کو آپس میں جدا کر سکے کیونکہ یہ نام ایک جماعت میں مشترک ہیں جن میں ضعیف بھی موجود ہیں۔ اسی بناء پر ایک جماعت نے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے کہ کلینی جب کسی روایت کو محمد بن اسمٰعیل سے شروع کرتے ہیں تو وہ ضعیف ہوگی

1۔ مقدمہ شرح کافی، مازندرانی

2۔ وسائل الشیعہ، حر عاملی: ۲۰/ ۳ حاشیہ نمبر ۲

3۔ الصادق، ابوزہرہ: ۴۳۵

4۔ قواعد الحدیث، غریفی: ۱۷۵-۱۷۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور ماحقانی ایسی روایت کے قبول کرنے سے توقف کرتے ہیں جس کی سند کو کلینی علی بن محمد سے شروع کریں۔[4] اور ان روایات کو جب شمار کیا گیا جو علی بن محمد سے صرف جز اول میں مروی ہیں (اور یہ جز عقل، علم، توحید اور حجت کے ابواب کو شامل ہے) تو ان کی تعداد ایک سو اکیاسی نکلی۔[1] اور ان میں اکثریت ان روایات کی ہے جو علی بن محمد نے سہل بن زیاد سے نقل کی ہیں۔ جسے نجاشی اور شیخ نے ضعیف قرار دیا ہے اور جو جھوٹ اور غلو سے متہم ہے۔[2] یا یہ کہ وہ روایت کو مرسل یا مرفوع روایت کرتا ہے۔

(۲) جز اول میں سہل بن زیاد صرف ۱۲۲ روایات کی اسناد میں ذکر کیا گیا ہے۔[3]

(۳) اس کی بعض روایات کو کلینی محمد بن حسن کے واسطہ سے لائے ہیں اور جز اول میں ۴۵ روایتیں ہیں کی اکثریت سہل بن زیاد سے مروی ہے۔

(۴) اسی طرح ایک بڑی تعداد مرفوع اور مرسل اسانید کی ایسی ہے جن میں بہت سے مجہول راوی ہیں۔ مثلاً یوں آتا ہے کہ فلاں سے اسے مرفوع بیان کیا گیا، یا فلاں سے مرسل روایت کی گئی ہے، یا فلاں سے اس سے بیان کرنے والے سے، یا فلاں سے اور اس سے جس نے اس سے روایت کی ہے، یا فلاں سے اس نے ایک شخص سے، یا فلاں سے اس نے اس سے جسے اس نے ذکر کیا، یا فلاں کے ساتھیوں سے یا اس کے بعض مردوں سے یا فلاں یا اس کے سوا کسی دوسرے سے یا فلاں سے یا فلاں سے اس نے اس سے جو فلاں کے پاس تھا یا فلاں سے اس نے اس سے جس سے اس نے سنا، اسی طرح کی روایات صرف جزء اول میں ۱۷۲ ہیں۔

(۵) اسی طرح ایک بڑی تعداد ضعفاء کی ہے جو اس کی روایات کی سند میں آئی ہے جن میں ہم بعض کو ذکر کرتے ہیں:

☆ **ابراہیم بن اسحاق احمد:** ضعیف ہے اور دین میں متہم ہے اور اس کا معاملہ بہت گڑبڑ ہے۔[4]

☆ **احمد بن محمد سیادی:** ضعیف اور فاسد المذہب ہے، ہلاک ہونے والا غالی اور تحریف کرنے والا ہے۔[5]

☆ **اسحاق بن محمد ابو یعقوب احمد:** خلط ملط کرنے کا مرکز، فاسد المذہب، روایت میں جھوٹا،

1۔ دیکھو کافی جز اول

2۔ معجم رجال الحدیث، خوئی: ۸/ ۳۳۹

3۔ سہل بن زیاد کو نجاشی، شیخ، کشی اور ابن غضائری نے ضعیف کہا ہے اور اس کے ضعف کی گواہی ابن ولید، ابن بابویہ، ابن نوح نے دی ہے اور احمد بن عیسیٰ نے اس کے غلو اور جھوٹ کی گواہی دی ہے اور اسے قم سے نکال دیا، اور لوگوں کو اس سے سننے اور روایت کرنے سے روک دیا۔ اس کے باوجود ۲۳۰۴ روایتوں میں اس کا نام آیا ہے۔ دیکھو خوئی معجم رجال الحدیث: ۸/ ۳۳۹ بعض کا خیال ہے کہ اس کی توثیق بہتر ہے۔ اور بحر العلوم نے کہا ہے کہ احمد بن عیسیٰ اور قم والے طعن اور مدح میں جلد بازی کرتے ہیں اور قم سے نکالنا تہمت کی بناء پر تھا۔ دیکھو رجال، بحر العلوم: ۳/ ۲۱۔ ۳۰

4۔ معجم رجال الحدیث خوئی: ۱/ ۷۱ 5۔ ایضاً ج ۲ ص ۲۸۹ 6۔ ایضاً ج ۳ ص ۶۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حدیث وضع کرنے والا ہے، اسحاقیہ فرقہ اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔[6]

☆**جماعۃ بن سعد جعفی:** غالی اور خطابی ہے۔[1]

☆**حسین بن عبد اللہ بن سہل:** مطعون ہے اور اس کی طرف غلو کی نسبت کی گئی ہے۔[2]

☆**عبد اللہ دہقان:** ضعیف ہے۔[3]

☆**عثمان بن عیسیٰ ابو عمر عامری:** حق سے منحرف اور حضرت رضا سے معارضہ کرنے والا تھا۔[4]

☆ **علی بن عباس خوازینی:** غالی اور ضعیف ہے۔[5]

☆**سہل بن زیاد:** غلو، جھوٹ، حماقت اور فسادِ روایت سے موصوف ہے۔[6]

☆ **سلیمان دیلمی:** بہت بڑا غالی ہے، کذاب ہے[7]، اسی طرح اس کا بیٹا محمد بھی۔

☆ **فراشا بن احمد:** غالی ہے۔[8]

☆ **قاسم بن ربیع:** ضعیف اور غالی ہے۔[9]

☆ **محمد بن اسلم طبری:** غالی اور فاسد المذہب ہے۔[10]

☆ **محمد بن جمہور قمی:** غالی اور فاسد المذہب ہے۔[11]

☆**محمد بن حسین بن شمعون:** غالی اور فاسد المذہب ہے۔[12]

☆**محمد بن سنان:** ضعیف اور مطعون ہے۔[13]

☆**محمد بن عبد اللہ بن مہران:** غالی، نہایت جھوٹا (کذاب) اور فاسد المذہب والحدیث ہے۔[14]

☆**محمد بن موسیٰ بن حسن:** نصیری ہے۔[15]

☆**مقاتل بن مقاتل بلخی:** واقفی اور خبیث ہے۔[16]

☆**مفضل بن عمر:** فاسد المذہب، خطابی اور غالی ہے۔[17]

1۔ معجم رجال الحدیث، خوئی ج ۴ ص ۱۶۴
2۔ ایضاً ج ۶ ص ۱۹
3۔ ایضاً ج ۱۱ ص ۸۲
4۔ ایضاً ج ۱۱ ص ۱۲۶
5۔ ایضاً ج ۱۳ ص ۷۳
6۔ ایضاً ج ۸ ص ۳۳۹
7۔ ایضاً ج ۸ ص ۲۶۳، ۲۷۵، ۲۸۸
8۔ ایضاً ج ۱۳ ص ۲۷۵
9۔ ایضاً ج ۱۴ ص ۲۰
10۔ ایضاً ج ۱۵ ص ۱۹
11۔ ایضاً ج ۱۵ ص ۱۹۷
12۔ ایضاً ج ۱۵ ص ۱۴۶
13۔ ایضاً ج ۱۶ ص ۱۶۸
14۔ ایضاً ج ۱۶ ص ۲۷۶
15۔ ایضاً ج ۱۷ ص ۳۱۶
16۔ ایضاً ج ۱۸ ص ۳۵۸
17۔ ایضاً ج ۱۸ ص ۳۳۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

☆ **منخل بن جمیل**: ضعیف، فاسد الراویہ، اور غلو کے ساتھ متہم ہے۔[1]

☆ **موسیٰ بن سعدان**: ضعیف ہے اور اس کے مذہب میں غلو ہے۔[2]

☆ **یونس بن ظبیان**: غالی، خطابی اور حدیثیں وضع کرنے والا ہے۔ حضرت رضا نے اس پر لعنت بھیجی ہے۔[3]

اس قسم کی کتابوں کے مواد پر شیعیت کے ''اسلامی عقیدہ'' اور ''دینی اعمال'' کی عمارت قائم ہے، اور اس شیعیت کا ان کتابوں کی ہر بات سے تمسک کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے علم الرجال کی ضرورت کا انکار کر دیا۔ کیونکہ ہر روایت جس پر عمل ہو چکا وہ ان کے ہاں مشہور ہے اور مشہور حجت ہے اور جس روایت پر عمل نہیں ہوا وہ حجت نہیں چاہے اس کے راوی ثقہ ہوں یا ضعیف۔[4] اور ان کے مؤرخوں نے احادیث کی تقسیم کے خلاف پروپیگنڈا کیا ہے اور اسے ایسی بدعت قرار دیا ہے جس پر عمل کرنا حرام ہے اور اس تقسیم کو باطل قرار دینے اور چاروں کتابوں کو صحیح ثابت کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔[5] اور یہ بھول گئے کہ یہ اور چار دوسری کتابیں سب قدیم کتابوں پر اعتماد کیے ہوئے ہیں جو اصول کہلاتی ہیں اور طوسی نے فہرست کی ابتداء میں اصحابِ اصول کو اس طرح ذکر کیا ہے: ''بے شک بہت سے مصنفین اور اصحابِ اصول فاسد مذاہب کو اپنائے ہوئے تھے۔ اگرچہ ان کی کتابیں قابلِ اعتماد ہیں۔''[6]

ان چار کتابوں کی روایات کی قطعیت کے قول پر رد کرتے ہوئے خوئی کہتے ہیں: ''یہ قول اصلاً باطل ہے اور چار کتابوں کی روایات کی صداقت کی قطعیت کا دعویٰ کرنا اس کی کوئی بنیاد نہیں اور یہ دعویٰ بلا دلیل و برہان ہے۔''[7]

اور خوئی مزید کہتے ہیں: ''اگر ہم تسلیم کر لیں کہ محمد بن یعقوب (کلینی) نے کافی کی تمام روایات کی صحت کی گواہی دی ہے تو یہ شہادت قابلِ سماع نہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان کی کتاب کی تمام روایات میں حجیت کے شرائط پائے جاتے ہیں تو یہ دعویٰ بھی قطعی باطل ہے کیونکہ اس میں بلا سند روایات موجود ہیں اور ایسی روایات بھی جن کی اسانید میں مجاہیل وضاعین اور کذابین موجود ہیں اور صدوق (ابن بابویہ) کا اس کی روایت کی صحت اور حجیت کی خبر دینا ان کی اپنی رائے اور اپنی فکر ہے۔ یہ کسی دوسرے کے حق میں حجت نہیں۔

اور شیخ طوسی کی دونوں کتابوں کا حکم بھی وہی ہے جو صدوق کی شہادت کا حکم ہے۔

1۔ معجم رجال الحدیث، خوئی: ج۱۸ ص۳۷۶

2۔ ایضاً ج۱۹ ص۵۴، ۵۶

3۔ ایضاً ج۲۰ ص۲۲۹

4۔ ایضاً ج۱ ص۳۵

5۔ قواعد الحدیث۔ غریفی ۱۶۔۱۷

6۔ الفہرست، طوسی: ۲۴۔۲۵

7۔ معجم رجال الحدیث، خوئی ج۱ ص۳۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور خوئی آخر میں خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان چار کتابوں کی تمام روایتوں کی صحت ثابت نہیں ہوئی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان کی ہر سند کو پرکھا جائے۔[1]

جب ان چار معتمد کتابوں کے بارے میں شیعہ عالم کی یہ رائے ہے تو ان بہت سی کتابوں اور رسائل کے بارے میں کیا رائے ہوگی جنہوں نے ان چار کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے روایات نقل کی ہیں اور ان میں کوئی سوچ اور فکر سے کام نہیں لیا اور پھر یہ کتابیں بھی تشریح میں قابلِ اعتماد بن گئی ہیں اور ان پر شیعیت کے عقائد کی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے۔ خصوصاً جب کہ ان کتابوں کے مصنف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی روایات ائمہ کرام سے منقول ہیں۔

اس پر خوئی سوال کرتے ہیں: "اگر مفید اور شیخ قدس سرّہما جیسے حضرات کو اپنے زمانے کے قریب ہونے اور اپنی وسعتِ علم کے باوجود ان تمام روایات کے معصومین کی طرف سے ہونے میں یقین نہیں ہے تو جو لوگ ان کے بعد آئے جو زمانہ اور رتبہ کے اعتبار سے ان دونوں سے پیچھے ہیں ان کو ان پر کیسے یقین ہو گیا۔"[2]

اس ضمن میں انہوں نے شیخ محمد بن مشہدی کا قول نقل کر کے جس میں اس نے اپنی کتاب کی روایات کی تمام اسانید کی توثیق کی ہے کہا ہے: لیکن اس توثیق پر دو وجہ سے اعتماد کرنا ممکن نہیں۔ ایک یہ کہ خود یہ کتاب قابلِ اعتبار نہیں، کیونکہ محمد بن مشہدی کا نہ حال معلوم ہوا ہے اور نہ ہی اس کی شخصیت کا کسی کو علم ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ محمد مشہدی متاخرین میں سے ہے اور ابھی گزر چکا کہ ان کی توثیق کا ان لوگوں کے حق میں کوئی اعتبار نہیں جن کا زمانہ ان کے زمانے کے قریب نہیں۔"[3]

باقی رہا حدیث کی سند اور جرح و تعدیل کا موضوع، تو اس کے بارے میں مندرجہ ذیل ملاحظات سامنے آتے ہیں:

۱۔ شیخ مفید، ابن شہر آشوب اور طبرسی نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں سے چار ہزار کی توثیق کی ہے اور ان میں سے رجال کی کتابوں میں جو موجود ہیں وہ تین ہزار سے کچھ کم ہیں اور ان میں سے ثقات کو معلوم کرنے کا کوئی راستہ نہیں جبکہ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کشی نے کہا ہے کہ حضرت باقر، حضرت صادق، حضرت کاظم اور حضرت رضا علیہم السلام کے کل ساتھی جن کی تصدیق پر جماعت کا اجماع ہے اور ان سے جو صحیح روایتیں منقول ہیں اور ان کی تصحیح کی جاتی ہے ان کی تعداد ۱۸ ہے۔[4]

۲۔ بہت سے متاخرین نے ان راویوں کی روایات پر عمل کیا ہے جن کے بارے میں کشی نے کہا ہے کہ یہ اصحاب الاجماع ہیں لیکن انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان راویوں اور امام کے درمیان جو واسطہ (راوی) ہے اس کا حال

1۔ معجم رجال الحدیث، خوئی: ج ۱ ص ۱۰۳۔۱۱۰

2۔ ایضاً: پہلا مقدمہ

3۔ معجم رجال الحدیث، خوئی ج ۱ ص ۶۵۔۶۶۔ تیسرا مقدمہ

4۔ ایضاً ج ۱ ص ۶۹ چوتھا مقدمہ، وسائل الشیعہ، حر عاملی: ۲۰/ ۷۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کیا ہے، کیونکہ سند کی صحت کا مدار اس پر ہے کہ وہ اول سے لے کر اس راوی تک صحیح ہو۔ لیکن جو راوی کہ اصحابِ اجماع میں سے ہے تو اس کی مسند، مرسل، مرفوع اور مقطوع سب صحیح احادیث شمار ہوں گی، لیکن جب یہ بزرگ ثقات، اصحابِ اجماع، ضعفاء، کذابین اور مجاہیل سے روایت کریں تو پھر ضروری ہے کہ ان کے اس فعل اور صحت کی شہادت کی ایسی تاویل کی جائے جس سے ان حضرات پر کوئی طعن نہ آ سکے۔[1]

۳۔ طوسی نے ان تمام اصحابِ اجماع پر اعتماد نہیں کیا جو ثقہ راوی کے بغیر کسی سے نہ روایت کرتے ہیں نہ ارسال کرتے ہیں اور انہوں نے ان میں سے صرف تین پر اکتفا کیا ہے لہٰذا ان کی احادیث پر عمل لازم ہے۔ لیکن یہ بھی معلوم رہے کہ ان تین حضرات کی روایت ضعفاء سے ثابت ہے۔ خود طوسی نے علی بن ابی حمزہ بطائنی کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس سے ان تینوں نے رویت کی ہے جن پر طوسی نے اعتماد کیا ہے اور محقق نے بعض روایتوں کو ان کی سند میں طعن کی بنا پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ ابن ابی عمیر[2] کی مراسیل پر اصحابِ اجماع عمل کرتے ہیں تو ہم اس قول کو رَد کر دیں گے کیونکہ اس کے رجال میں ایسے راوی ہیں جن پر خود اصحاب نے اجماع طعن کیا ہے۔ لہٰذا جب وہ ارسال کرتے ہیں تو اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ ساقط کیا ہوا راوی ان مطعون شدہ میں سے کوئی ایک ہو۔[3]

۴۔ طوسی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کی جو مشہور کتابیں ہیں ان کی احادیث تین قسم کی ہیں: بعض متواتر ہیں، بعض کے ساتھ ایسے قرائن موجود ہیں جو خبر کے معنی کی قطعیت کو واجب قرار دیتے ہیں اور بعض وہ ہیں جن میں نہ یہ صفت پائی جاتی ہے اور نہ وہ۔[4]

جب ہمیں یہ معلوم ہو چکا کہ متواتر احادیث بہت کم ہیں، جیسا کہ خوئی نے کہا ہے کہ ائمہ کے ساتھی تقیہ کے دور میں گزرے ہیں اور انہیں احادیث کو اعلانیہ پھیلانے کا موقع نہیں ملا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حال میں وہ احادیث کیسے تواتر یا اس کے قریب کے درجہ کو پہنچ گئیں؟[5]

ان معلومات کے بعد تو حدیث صحیح صرف وہی رہ جاتی ہے جس کے ساتھ قرینۂ صحت موجود ہو۔

۵۔ کچھ ایسے راوی بھی ہیں جن کی توثیق کی گئی ہے لیکن اُن کے نام اُن میں اور ضعفاء راویوں میں مشترک ہیں اور کوئی ایسا قرینہ نہیں جو ان کے درمیان فرق کر سکے، ان ناموں میں: محمد بن اسماعیل، علی بن محمد ہیں نیز ان میں ایک ابوبصیر ہے جو چار راویوں کی کنیت ہے، چونکہ ان میں سے بعض کی ثقاہت میں ضعف ہے اس لیے جب

1۔ وسائل الشیعہ، حر عاملی۔ ۲۰/ ۱/ ۷۰، ۷۱۔ قواعد الحدیث غریفی: ۲۲، ۳۷

2۔ یہ ان تین میں سے ہیں جن پر طوسی نے اعتماد کیا ہے۔

3۔ دیکھو قواعد الحدیث، غریفی۔ ۶۵۔ ۷۵

4۔ وسائل الشیعہ، حر عاملی: ۲۰/ ۶۴۔ ۶۵

5۔ معجم رجال الحدیث، خوئی ۱/ ۳۶ پہلا مقدمہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مطلق کنیت ذکر کی جاتی ہے تو حدیث کی سند میں اشکال رہتا ہے۔[1]

اسی طرح ان کتابوں میں ایسے راوی بھی ہیں جن کی توثیق کے ساتھ ان پر جرح بھی کی گئی ہے اور اس کا عکس بھی ہوا ہے اور ایسے راویوں کی تعداد کافی ہے جن میں بعض یہ ہیں:

☆ **جعفر بن محمد بن مالک:** نجاشی اور ابن غفائری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ نے اسے ثقہ کہا ہے۔

☆ **احمد بن سعید:** نجاشی اور ابن غفائری نے اسے ضعیف کہا ہے اور صدوق نے اس کی توثیق کی ہے۔

☆ **حسن بن محمد بن یحییٰ بن حسن:** صدوق نے اس کی توثیق کی ہے اور اس سے کثرت سے روایت کی ہے، لیکن نجاشی اور ابن غضائری نے اسے ضعیف کہا ہے۔ یاد رہے کہ ابن قولویہ قمی نے اپنی کتاب ''کامل الزیارات'' میں جن سے بھی روایت کی ہے سب کی توثیق کی ہے لیکن ان میں سے اکثر کو نجاشی، شیخ کشی اور ابن غفائری نے ضعیف قرار دیا ہے۔[2] اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک راوی کو ایک جگہ ثقہ بتا رہا ہے اور دوسری جگہ اس کو ضعیف قرار دیتا ہے۔ جیسے شیخ مفید کا قول محمد بن سنان کے بارے میں متعارض ہے اور وحید بہبہانی کا قول ابن غفائری کے حق میں متعارض ہے۔[3]

۶۔ متاخرین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ تین کتابوں میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں وہاں سند کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ صدوق نے اپنی کتاب کے شروع میں اور شیخ نے اپنی کتاب ''المشیخہ'' میں ذکر کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سند کی جہالت اور اس کا کسی مجہول یا ضعیف راوی پر مشتمل ہونا مضر نہیں ہے، اس پر بحر العلوم رَد کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''خصوصاً ایسی اخبار جو مخصوص الفاظ سے منقول ہیں، وہاں تو واسطہ اور سند کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اگرچہ اصل کتاب متواتر ہو۔ نیز واسطہ کی ضرورت وہاں نہیں ہوتی جہاں یہ معلوم ہو جائے کہ حدیث کو فلاں کتاب کی فلاں حدیث سے لیا گیا ہے۔[4]

فقہ جعفریہ بطور دستورِ سلطنت

الغرض فقہ جعفریہ کے بنیادی مآخذ کے متعلق ان تحقیقات کو پیش کرنے کے بعد ہم تاریخ کے آئینہ میں اجمالاً اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ آیا ''فقہ جعفریہ'' کسی بھی دور میں کہیں نفاذ پذیر بھی ہوئی؟ ...... اس سلسلہ میں عرض ہے کہ فقہ جعفریہ کا زمانہ تدوین وترتیب خلفائے عباسیہ میں سے اکیسویں خلیفہ المتقی باللہ کا دور تھا۔ اور ان چاروں میں سے آخری کتاب کے مصنف ومرتب کے سنِ وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ کتاب خلفائے عباسیہ کے چھبیسویں خلیفہ القائم

1۔ قواعد الحدیث، غریفی: ۱۷۵۔۱۷۶

2۔ معجم رجال الحدیث، خوئی ۲/۹۱، ۴/۱۱۹، ۵/۱۱۳

3۔ قواعد الحدیث، غریفی: ۱۷۸، ۲۰۱

4۔ الرجال، بحر العلوم: ۴/۷۶۔۷۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بامر اللہ کے دور میں لکھی تھی۔ گویا پانچویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں یہ فقہ کامل طور پر وجود میں آئی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ پانچویں صدی بلکہ سقوطِ بغداد تک اس فقہ کا عملی طور پر کہیں نفاذ ناممکن رہا ہوگا۔

تاریخ کی مزید ورق گردانی کی جائے تو عباسی خلیفہ مستنصر باللہ ۶۵۹ھ سے خلیفہ متوکل علی اللہ ثالث ۹۲۳ھ تک مصر میں اس فقہ کا نفاذ بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد ترکانِ عثمانی کی خلافت عثمان خان اوّل ۱۲۸۸ء سے ۱۹۲۴ء تک رہی۔ آخر مصطفی کمال پاشا نے خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ اس دور میں بھی "فقہ جعفریہ" کے نفاذ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ادھر برصغیر میں سلطان محمود غزنوی ۱۱۹۳ء سے لے کر آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر ۱۸۵۷ء تک یہ فقہ کہیں عملی صورت میں دکھائی نہیں دیتی۔ مختصر یہ کہ چھٹی صدی سے لے کر جب تک مختلف ممالک میں اسلامی حکومتیں رہیں، کسی نے بھی اپنے دور میں "فقہ جعفریہ" کو اپنے ہاں رائج نہ کیا، اور نہ ہی اسے قانون و دستور میں کوئی جگہ دی گئی۔ البتہ ۱۹۷۹ء میں ایران کے شیعی انقلاب کے نتیجے میں پہلی مرتبہ ایران میں فقۂ جعفریہ کا نفاذ ممکن ہوا۔ جبکہ پاکستان میں "تحریکِ نفاذ فقہ جعفریہ" معرضِ وجود میں آئی اور نہایت متشددانہ طریقے سے حکومت کو مجبور کیا گیا کہ پاکستان میں فقۂ جعفری کو قانون کا درجہ دیا جائے۔ ادھر ردِّ عمل کے طور پر اہل سنت کی تنظیم سپاہِ صحابہؓ قائم ہوئی، جس نے شیعوں کا یہ خواب بکھیر دیا، اس پر مفصل بحث اپنے مقام پر پیش کی جائے گی۔

نہج البلاغہ کی تصنیف دورِ آلِ بویہ کا ایک اور کارنامہ؟

شیعیت کی مشہور زمانہ کتاب "نہج البلاغہ" جسے حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ یہ ان کے خطبات، مقالات اور ارشاداتِ عالیہ کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب چوتھی صدی کی تالیف ہے، اس کا مؤلف صحیح طور سے متعین نہیں۔ شریف الرضی کا نام اس کے مؤلف یا جامع کی حیثیت سے عام طور پر مشہور ہے اور کتاب پر بھی یہی نام درج ہے مگر اس کے بڑے بھائی شریف المرتضیٰ کو بھی اس کا مؤلف بتایا جاتا ہے۔ شریف الرضی (متوفی ۴۰۶ھ) چھوٹا اور شریف المرتضیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) بڑا بھائی تھا۔ یہ دونوں بھائی فضائل علمی سے بہرۂ وافر رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد (الرضی) وعلی (المرتضیٰ) ابنائے احمد بن موسیٰ بن محمد موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ الکاظم۔ ان دونوں کی والدہ فاطمہ بنت حسین بن الحسن الناصر صاحب دیلم بن علی بن حسن بن عمر بن علی زین العابدین تھیں۔ مؤلفین نہج البلاغہ کے جدِّ مادری، الحسن الناصر (متوفی ۳۰۴ھ) وہ صاحب دیلم ہیں جن کے بارے میں حضرت علیؓ سے ایک پیش گوئی منسوب کی گئی ہے کہ طبرستان (دیلم) میں ان صاحب کا ظہور ہوگا۔ ابن ابی الحدید نے بزمرہ "اخبارِ غیب" اس کو شامل کیا ہے۔ شریف المرتضیٰ اپنے دور کا متعصب ترین شیعہ تھا، اور اپنے عقیدہ میں ایسا غلو رکھتا تھا کہ اس کی تصانیف سے ابن جوزی نے وہ سب قبیح باتیں جو کبار صحابہ کی تکفیر اور ان کے سب وشتم کے بارے میں اس نے لکھی ہیں یک جا کی ہیں۔ چھوٹا بھائی شریف الرضی بڑا ادیب اور قادر الکلام شاعر تھا۔ ۱۴ سال کی عمر سے شعر کہنے لگا تھا۔ ہر صنفِ شعر میں اس کا کلام موجود ہے۔ کہتے ہیں قوم قریش میں اس کے زمانہ سے لے کر آج تک ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ چالیس بیالیس کی عمر میں فوت ہوگیا۔[1]

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

صاحب فوات الوفیات (جس کا نام وفیات الاعیان بھی ہے) شریف المرتضٰی کے حالات میں لکھتا ہے کہ وہ علم کلام، ادب اور شعر کا امام تھا۔ شیعہ مذہب پر اس کی متعدد تصانیف ہیں اور ایک ضخیم دیوان بھی اس کا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ:

وقد اختلف الناس فی نھج البلاغۃ المجموع من کلام الامام علیؓ بن ابی طالب ھل ھو جمعہ ام جمع اخیہ الرضی وقد قیل انہ لیس من کلام علیؓ وانما الذی جمعہ ونسبہ الیہ ھو الذی وضعہ۔[2]

''لوگوں کو نہج البلاغہ مجموعہ کلام امام علی بن ابی طالب کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس نے جمع کیا یا اس کے بھائی الرضی نے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ علیؓ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہی المرتضٰی ہے جس نے اس کو جمع کیا اور ان سے منسوب کر دیا اور اس نے اس کو وضع کیا تھا۔''

نیز کشف الظنون، البدایہ والنہایہ وغیرہ میں نہج البلاغہ کی تالیف شریف المرتضٰی ہی سے منسوب کی گئی ہے دوسرے محققین کی رائے ہے کہ یہ مجموعہ کسی ایک یا دو اشخاص کی موضوعات سے نہیں بلکہ فصحائے شیعہ کے مقالات اور ان کے عقائد کا مجموعہ ہے۔[3]

بہر حال منجملہ اور جدتوں کے یہ کتاب بھی ایک ایسے دَور کی یادگار ہے۔ جب بغداد میں بنی بویہ کا، جو شیعیت میں غلو رکھتے تھے، طوطی بولتا تھا اور انہوں نے اپنے عہد امیر الامراء میں جو ۳۲۴ھ سے تقریباً ۴۴۶ھ تک رہا، اپنے فرقہ کے مراسم و معتقدات کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں خاص ایجادات کیں اور یہ امور انجام دیئے۔[4]

کتاب (نہج البلاغہ) کے تین جزء ہیں۔ پہلے اور دوسرے جزء میں ۲۳۶ خطبے، تیسرے میں ۷۹ مراسلے اور ۴۸۰ مواعظ و حکم ہیں۔ یہ سب مجموعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔ شریف الرضی نے، جسے اس مجموعہ کا جامع یا مؤلف بیان کیا جاتا ہے، حضرت علیؓ کے کلام کو ایک بحر مواج و ناپیدا کنار سے تشبیہ دی ہے۔[5]

اور لکھا ہے کہ یہ مجموعہ ان کے کلام کا محض انتخاب ہے، جس میں صرف ''محاسن خطب، محاسن کتب، و محاسن حکم و ادب'' شامل کئے گئے ہیں۔[6]

عربی نثر کا اتنا بڑا مجموعہ خصوصاً صدر الاسلام کے کسی مسلمان کا کلام کہیں نہیں پایا جاتا۔ خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کے جو خطبے اور تقریریں قدماء کی تالیفات میں موجود ہیں، جن میں خود حضرت علیؓ کے بھی چند خطبے شامل ہیں، وہ اس مجموعہ کے بیسویں حصہ کے برابر بھی نہیں حالانکہ صحابۂ کبار میں سے متعدد حضرات خاص کر حضرت عمرؓ اور حضرت

1۔ نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں۔ از محمود عباسی حاشیہ ص ۱۸

2۔ فوات الوفیات ص ۴۲۳

3۔ الاسلام الصحیح النشاشبی صفحہ ۳۳۲

4۔ نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں، از محمود احمد عباسی

5۔ واما کلامہ فھو من البحر الذی لا یساجل والعجم الذی لا یحائل۔ (صفحہ ۳ دیباچہ)

6۔ اعنی مختار کلام مولانا امیر المومنین علیہ السلام فی جمیع فنونہ۔ (صفحہ ۲ دیباچہ)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

معاویہ رضی اللہ عنہم کو اپنے اپنے عہد خلافت وحکومت میں جو حضرت علیؓ کے مختصر زمانہ خلافت سے زیادہ طویل اور کامیاب عہد تھے، تقریریں کرنے اور مجامع عام میں خطبے دینے کے اکثر مواقع پیش آئے، اور ان میں جو معرکۃ الآراء تقریریں کی گئیں ان کے بہت سے جملے، جو فصاحت و بلاغت کی جان ہیں انہیں کتب تاریخ وسیر نے محفوظ رکھا ہے مگر ان سب کی مجموعی تعداد "نہج البلاغہ" کی ضخامت وحجم کے مقابلے میں بہت ہی کم اور نہایت قلیل ہے۔ صرف دس بارہ خطبے اس تمام مجموعہ "نہج البلاغہ" میں ایسے ہیں جو دوسری قدیم کتابوں میں بہ تغیر الفاظ ملتے ہیں ورنہ جو کلام، خطبے اور مراسلے، صاحب "نہج" نے حضرت علیؓ سے منسوب کئے ہیں ان میں ایسی لفاظی اور مضامیں پائے جاتے ہیں جنہیں حضرت ممدوح رضی اللہ عنہ سے منسوب کرنا دُشواری سے خالی نہیں۔ ان میں اکثر یا تو نسبی تعلّیاں اور نسل وقبیلے پر فخر ومباحات ہیں یا اپنی ذات اور خاندان کی مدح سرائی ہے، تفاخر علی النسب میں یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ "اللہ نے اوّل ہم (بنی ہاشم) کو بنایا اور بعد میں دوسروں کو"۔ (فایا صنائع ربنا والناس بعد صنائع لنا)

یا پھر دوسرے صحابہؓ اور اپنے بعض محترم معاصرین کی مذمت ہے، اس کے ساتھ غیب دانی کے دعاوی اور صدیوں بعد ہونے والے تاریخی واقعات کی صراحتاً اور کنایتاً پیشین گوئیاں کی گئی ہیں جو ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیمات کے منافی بلکہ نصوصِ قرآنی کے خلاف ہیں، انہیں کسی طرح بھی حضرت علیؓ جیسے بزرگ صحابی اور اعلیٰ شخصیت سے نسبت نہیں دی جاسکتی۔

جامع کتاب، الشریف الرضی، چوتھی صدی ہجری کے بالکل آخر کا مصنف ہے اور یہ مجموعہ اس نے اپنی وفات سے، جو ۴۰۶ھ میں ہوئی تھی، چند سال پہلے تقریباً ۴۰۰ھ میں مرتب کیا تھا۔ گویا حضرت علیؓ کی وفات سے تین سو ساٹھ برس بعد۔ بایں ہمہ روایت کی کوئی سند نہیں پیش کی جس سے اُن کی تاریخی صحت اور سلسلۂ رواۃ معلوم ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تاریخی واقعات کے اعتبار سے چار حصے ہیں۔ پہلا مکی زندگی کا ہے جو ان کے بچپن اور حداثت سن کا زمانہ ہے ہجرت کے وقت اُن کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ جنگ بدر ۲ھ کے آخری ایام میں ہوئی، اس وقت، جیسا کہ انہوں نے خود بیان کیا ہے، وہ پورے بیس برس کے بھی نہ تھے۔ [1]

اس حصۂ زندگی میں تقریر کرنے اور خطبہ دینے کا کوئی موقع نہ تھا۔ ہجرت کے بعد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک جو تقریباً گیارہ سال کی مدت ہوئی ہے اس میں وہ فتح مکہ (۸ھ) سے پہلے کے غزوات میں شریک رہ کر دادِ شجاعت دیتے رہے، کوئی موقع خطبے دینے کا پیش نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ حضرات شیخین السیدین (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی مجالس میں برابر موجود رہے مگر یہاں خطبے ارشاد کرنے کا کیا محل تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ سے چند روز پہلے سے وہ مفسدوں کو سمجھاتے اور اُن کی شکایات کو خلیفۂ مظلوم

1۔ صفحہ ۶۶ سطر ۶ خطبہ ۲۶ لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین (میں ہنوز پورا بیس برس کا بھی نہ تھا کہ میں لڑائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا) کامل المبرد وعقد الفرید وغیرہ میں بھی یہی قول درج ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تک پہنچاتے رہے۔ اسی زمانے سے ان کی گفتگوؤں اور تقریروں کے جملے کتبِ تاریخ میں ملتے ہیں اور جنگِ جمل (۳۵ھ) کے بعد سے آخر زمانے تک جس کی مدت تقریباً پانچ سال کی ہوتی ہے انکی خلافت کا زمانہ ہے، اسی میں انہوں نے تقریریں بھی کیں اور مراسلے بھی بھیجے جو قدیم کتبِ تاریخ میں جابجا مندرج ہیں۔ لیکن ان کے خطبات و مراسلات کو کبھی جداگانہ شکل میں مرتب و مدوّن نہیں کیا گیا۔ سب سے قدیم اور شاید سب سے پہلا راوی جس کے مرتب کردہ روایات سے مابعد کے مؤرخین خصوصاً طبری نے زیادہ اخذ کیا ہے، ابومخنف لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف الازدی تھا، جس کا دادا مخنف، جو قبیلۂ ازد کا سردار تھا، صفین کی جنگ میں بذاتِ خود مع اپنے قبیلہ کے حضرت علیؓ کی جانب سے شریکِ کارزار و نبرد آزما رہا تھا۔ ابومخنف [1] نے جنگِ جمل سے اپنے زمانے تک کے حروبِ داخلیہ یعنی جنگِ صفین (۳۸ھ) و واقعۂ کربلا (۶۱ھ) و فتنہ مختار ثقفی و مصعب ابن زبیر و ابن الاشعث وغیرہ گویا ۱۲۳ھ تک کے واقعات کو مؤرخانہ انداز پر مرتب کیا تھا۔ خاص کر صفین کے حالات کو اپنے بزرگوں اور ایسے لوگوں کی سند سے بیان کیا ہے جو خود اس واقعہ میں شریک اور موجود تھے۔ اور اپنے کانوں سے حضرت علیؓ کی تقریریں اور خطبے سن چکے تھے۔ ابومخنف شیعیانِ علیؓ میں ہے اور بعض باتوں کو وہ اپنی پارٹی کی طرفداری یا اپنے ممدوح کی رعایت سے ترک و حذف بھی کر جاتا ہے۔ مثلاً اس نے جنگِ صفین کے حالات میں حضرت علیؓ کے برادرِ بزرگ عقیل بن ابی طالب کا اپنے بھائی کے برخلاف حضرت امیر معاویہؓ کا ساتھ دینے اور صفین کے شامی کیمپ میں موجود ہونے کا مطلق ذکر نہیں کیا بایں ہمہ اس نے حضرت علیؓ کے خطبے اور مراسلے بھی نقل کئے ہیں اور جو روایتیں اس کو قدیم راویوں یا اپنے معاصرین سے بہم پہنچیں ان کو جمع کیا ہے۔[2]

نہج البلاغہ میں خلافِ واقعہ باتوں کا ثبوت

خطبہ نمبر ۱۹۲ صفحہ ۱۹۶ کا یہ فقرہ جو قطعاً خلافِ واقعہ ہے، ملاحظہ ہو:

ولقد قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الی آخرہ)

”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک قبض کی گئی تو آپ کا سر میرے سینہ پر تھا اور جب آپ نے قے کی تو میں نے اس کو اپنے ہاتھوں پر لے لیا اور اپنے چہرے پر مَل لیا“۔

یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کا زمانہ زیادہ تر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں بسر ہوا اور وہیں جب صبح سے آپ کی طبیعت قدرے اچھی تھی اور لوگ اس حالت سے مطمئن ہو کر اپنے اپنے کاموں کو باہر چلے گئے تھے۔ اس حالت میں روح پاک جسمِ اطہر سے جدا ہوئی کہ اپنی محبوب بیوی کے سینہ پر آپ کا سر مبارک تھا اور وہ ہمیشہ اس پر فخر کیا کرتی تھیں کہ میں نے اپنے دانتوں سے مسواک نرم کر کے دی وہ آپ نے مَل

1۔ ابومخنف لوط کا سالِ ولادت صحیح طور سے متعین نہیں لیکن یہ ثابت ہے کہ فتنہ الاشعث کے زمانے میں وہ عنفوانِ شباب کی حد تک پہنچ چکا تھا، گویا اس کی ولادت حادثۂ کربلا (۶۱ھ) کے دو چار سال بعد ہونا قرینِ قیاس ہے۔ وفات کا سنہ ۱۵۷ھ ہے۔

2۔ نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لی اور اسی کے بعد میرے سینہ پر دم توڑا۔ حضرت علیؓ کی زبان سے نہج البلاغہ میں کئی جگہ ایسے واضعین نے جن کو تاریخی مسلّمات کی پرواہ نہیں یہ غلط الفاظ کہلوائے ہیں۔

نہج البلاغہ کی زبان

نہج البلاغہ کی عربی باوجود فصاحت کے بناوٹی ہے۔ اس میں متعدد ایسے الفاظ اور علم کلام کی ایسی مصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جو صاف بتلاتی ہیں کہ یہ صدرِ اول کا کلام نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ ذیل کے چند الفاظ جو ''کلام العرب'' (اصل عربی زبان) یعنی جاہلیہ اور عصر الاوّل وثانی کی عربی زبان کے الفاظ نہیں بلکہ تیسری چوتھی صدی ہجری میں مستعمل ہوئے اور لغت میں ''مولدۃ'' کہلاتے ہیں۔ ''نہج البلاغہ'' کے مختلف خطبات سے اخذ کر کے مثالاً پیش کئے جاتے ہیں جو سب سے قوی دلیل اس کلام کے مصنوعی ہونے کی ہے۔

(۱) ھمامة۔ یہ لفظ نہج البلاغہ کے پہلے ہی خطبہ میں جس کا عنوان ہے کہ آسمان وزمین وآدم کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوئی (ص ۹ سطر ۵) کسی کام کے اہتمام کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اصل عربی کا لفظ نہیں (مولدۃ) ہے۔ خود ابن ابی الحدید نے اپنی شرح (ص ۱۷ سطر ۱۴) میں لکھا ہے کہ یہ اصطلاحی لفظ ہے۔ عربی لغت اس سے نا آشنا ہے۔

> ''وھی لفظ اصطلحوا علیھا واللغة العربية ماعرفنا فيها استعمال الھمامة بمعنی الھمة والذی عرفناہ الھمة بالکسر والفتح والمھة وتقول لاھمام لی بھذا الامر (مبنی علی الکسر کتلام) ولکنھا لفظة اصطلاحية عند اھلھا''
>
> ابن ابی الحدید اس لفظ کو اصل عربی کا نہیں سمجھتا مگر پھر بھی اس کلام کو کلامِ علی قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے (ص ۱۶ سطر ۲۸) کہ اس جملہ میں جہاں یہ لفظ آیا ہے یعنی (ولا ھمامة نفس اضطرب فيھا) عقیدۂ مجوس وثنویہ کا رَد ہے اور یہ دلیل ہے حضرت علیؓ کے اس قول کی کہ ''میں متقدمیں ومتاخرین کے آراء کو جانتا ہوں اور جتنے علوم (دنیا کے ہیں) سب کا علم رکھتا ہوں۔''

(۲) کیفية: یہ لفظ نہج البلاغہ کے مختلف خطبات (ص ۱۴۶ سطر ۲، ص ۱۶۱ سطر ۹ اور دوسرے خطب) میں متعدد بار آیا ہے۔ عربی لغت میں اس کو ''مولدۃ'' کہا گیا ہے۔ القاموس المحیط میں ہے ''وقول المتکلمیں کیفية نتکیف قیاس لا سمع فیه'' صاحب لسان العرب نے اس کو ''مولد'' کہا ہے۔ ''واما قولھم: کیف الشیء فکلام مولد''

(۳) ازلية:۔ خطبہ ص ۵۳ سطر ۲ اور دوسرے مقامات پر ''ازلیۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن کلام العرب میں اس کا استعمال ثابت نہیں۔ زمخشری نے ''اساس البلاغہ'' میں تشریح کی ہے کہ (ازلی) اور ازلیہ مصنوعی ہے اور کلامِ عرب میں نہیں پایا جاتا وقولھم: کان فی (الازل) قادرًا عالمًا وعلمه (ازلی) وله (ازلية) مصنوع۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لیس من کلام العرب"۔

صاحب شفاء العلیل اس لفظ کے بارے میں لکھتا ہے کہ ابن الجوزی والازہری کا قول ہے کہ: (الازلی) خطاء۔ لا اصل فی کلام العرب" نیز (ازلی) و (الازل) و (ازلیۃ) کلہ خطاء لا اصل لہٗ فی کلام العرب۔"

(۴) تلاش و تلاشت:۔ تلاش فارسی زبان کا لفظ ہے۔کلام العرب میں نہیں پایا جاتا، اس سے (تلاشی) اور (تلاشت) کی تصریف صحیح نہیں ہوسکتی یہ لفظ خطبہ ۱۷۷ ص ۱۲۷ جزء دوم میں استعمال ہوا ہے۔ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ تلاشی الشیء بمعنی اضمحل استعمال کیا جاتا تھا مگر اہلِ لغت نے اس کا تذکرہ نہیں کیا، حقیقتاً یہ لفظ مولد ہے اور حضرت علیؓ کی زبان سے ادا ہونا قیاس میں نہیں آسکتا۔"

(۵) کیف اور این: یہ الفاظ اور طریقہ عددیہ کی اصطلاحیں مثلاً: الاستغفار علی سنۃ معان الایمان علی اربع دعائم" صدر اول میں مستعمل نہ تھے۔علوم یونانی کے عربی زبان میں ابتدائے عہد عباسی میں منتقل ہونے کے بعد تیسری صدی ہجری سے استعمال ہوئے، یہ اصطلاحیں نہج البلاغہ کے مختلف خطبوں میں استعمال ہوئی ہیں۔[1]

نہج میں کی گئی پیشین گوئیوں کی حقیقت

بنی اُمیہ کی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند ماہ بعد سے شروع ہوئی اور تقریباً ایک صدی تک رہی۔ پہلے تو علویوں کے بعض افراد یکے بعد دیگرے وقتاً فوقتاً ان پر خروج کرتے اور ناکام ہوکر مارے جاتے، آخر میں عباسیوں اور ان کے شیعوں نے یورش کر کے ان کا استیصال کرا دیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے خلافتِ بنی امیہ کا حال اس طرح بیان کرایا گیا ہے:

الا ان اخوف الفتن عندی علیکم فتنۃ بنی أمیۃ فانّھا فتنۃ عمیآء مظلمۃ عمت خطتھا و خصت بلیتھا...... نحن اھل البیت منھا بمنجاۃ ولسنا فیھا بدعاۃ، ثم یفرجھا اللہ عنکم کتفریج الادیم بمن یسومھم خسفًا ویسوقھم عنقا ویسقیھم بکلس مصبرۃ لا یعطیھم الا السیف ولا یجلسھم الا الخوف۔[2]

"آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارے لئے میرے نزدیک بدترین فتنہ بنی اُمیہ ہیں۔بے شک یہ اندھے اور تاریک فتنے ہیں۔عوام (ان کے وقت میں حق کی طرف اصلاً) نظر نہیں کرتے ان کی بلائیں ہم اہل بیت کے ساتھ مخصوص ہیں.....مگر ہم اہل بیت ان کی (برائیوں اور بے دینیوں سے) خود تو رستگار رہیں گے مگر اس زمانہ میں کسی کو حق کی طرف دعوت نہ کرسکیں گے پھر خدا تم سے اس فتنہ کو اس طرح قطع کرے گا جیسے قاسد چمڑے کو کاٹ دیتے

1۔ نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں
2۔ خطبہ نمبر ۸۹۔ص ۱۹۴، جزء اول

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہیں۔ ان میں سے اس شخص کے سبب سے جو انہیں رسوائی کے میدانوں میں چرانے والا اور شدت کی طرف ہنکانے والا ہے انہیں موت کا تلخ پیالہ پلا دیا جائے گا، سوائے تلوار کے ان کو دوسری چیز عطا نہ ہوگی اور پیراہنِ خوف کے سوائے کوئی چیز ان کو نہ پہنائی جائے گی"۔

خلافتِ بنی اُمیہ کے عالمِ وجود میں آنے میں ابھی کئی برس باقی تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ (۱۰۱ صفحہ ۲۰۰) میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

فاقسم یا بنی اُمیة عما قلیل لتعرفنها فی ایدی غیر کم و فی دار عدوّ کم۔

"اے بنی اُمیہ! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس (خلافت وسلطنت) کو تم اپنے اغیار (یعنی بنی عباس) کے ہاتھوں اور اپنے دشمنوں کے گھروں میں پاؤ گے"۔

پھر ایک اور خطبہ (۱۵۳ صفحہ ۶۶ جزء ۲) میں اسی کا اعادہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

فاقسم ثم اقسم لتنخمنها امیة من بعدی کما تلفظ النخامة ثم لا تذو قها و لا تطعم بطعمها ابدًا ما کر الجدیدان۔

"میں قسم کھاتا ہوں اور پھر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بہر صورت بنی اُمیہ میرے بعد (خلافت کو) اس طرح منہ سے باہر پھینک دیں گے جیسے سینہ سے بلغم پھینک دیا جاتا ہے اس کی شیرینیوں کو نہ چکھ سکیں گے اور کبھی اس کے طعام کو نہ کھا سکیں گے جب تک شب وروز کی گردش باقی ہے۔"

اسی طرح خطبہ (۱۶۱ صفحہ ۹۵ جزء ۲) میں بنی اُمیہ کے خلاف بنی ہاشم (علویوں اور عباسیوں کے) حامیوں کا اجتماعی شان سے نکلنا اور بنی عباس کا اموی خلافت کا قلع قمع کر کے اپنی حکومت قائم کر لینا اس طرح سے بیان کرایا گیا ہے:

علی انّ اللّٰہ تعالٰی سیجمعهم لشرّ یوم لبنی اُمیة کما تجتمع قزع الخریف یو لف اللّٰہ بینهم ثم یجعلهم رکامًا کر کام السحاب ثم یفتح اللّٰہ لهم ابو ابًا یسیلون من مستشارهم کسبل الجنتین حیث لم تسلم علیه قارة و لم تثبت علیه اکمة و لم یرد سنة رضُ طود و لا حداب ارض یذعذعهم اللّٰہ فی بطون او دیته ثم یسلکهم ینابیع فی الارض یاخذ بهم من قوم حقوق قوم و یمکن لقوم فی دیار قوم و ایهم اللّٰہ لیذوبن ما فی ایدیهم بعد العلو و التمکین کما تذوب الالیة علی النار۔

"عنقریب خدا انہیں (یعنی شیعیانِ علی) کو بدترین قوم بنی اُمیہ کے سبب سے اس طرح جمع کرے گا جس طرح فصلِ خریف میں اَبر کے ٹکڑے جمع ہوا کرتے ہیں اور اللہ ان کے درمیان اُلفت ومحبت قائم کر دیتا ہے پھر ان سب کو ملا کر ابرِ غلیظ کے مانند بنا دیتا ہے پھر خدا ان لوگوں کے لئے ایسے دروازے کھول دے گا جو اپنے برانگیختہ ہونے کی جگہ سے اس طرح رواں ہوں گے جیسے شہر سبا کے دو باغوں کے سیل۔ پھر نہ کوئی نشیب میں واقع ہونے والا پہاڑ سالم رہے گا نہ کوئی ٹیلہ، پھر خدا پہلے تو وادیوں کے پوشیدہ مقامات میں متفرق کر دے گا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پھر چشموں کے مانند انہیں زمیں میں رواں کرے گا تا کہ ایک قوم (بنی اُمیہ) سے دوسری قوم (بنی ہاشم) کے حقوق لے لے ایک قوم (بنی عباس) کو دوسری قوم (بنی اُمیہ) کی ولایت میں متمکن کر دے۔ خدا کی قسم یہ مال و متاع جو کچھ ان کے (بنی اُمیہ کے) ہاتھ میں ہے اس بلندی و اقتدار کے بعد اس طرح پگھلا دیئے جائیں گے جیسے چربی کو آگ پر پگھلا دیتے ہیں۔"

شارح نہج البلاغہ (ابن الحدید) نے مندرجہ بالا فقرے کی تشریح میں لکھا ہے کہ یہ اشارہ ہے شیعہ ہاشمیہ کے اجتماع کی جانب جواز الۂ ملک بنی اُمیہ کے لئے ہوا تھا (ص ۵۱۵ جلد ۱) زوالِ دولتِ بنی مروان کے بارے میں تو پیش گوئی کر دی گئی لیکن دولت ہاشمیہ عباسیہ کے زوال کے بارے میں کوئی پیش گوئی کسی خطبہ میں درج نہیں کی گئی۔ سبب ظاہر ہے کہ مؤلف نے صرف ان تاریخی واقعات کے "اخبار" بطور پیش گوئی کے حضرت علیؓ کی زبان سے خطبوں میں درج کئے جو اس کے زمانہ تک واقع ہوئے اور کتب تاریخ میں ان کا ذکر ملتا ہے لیکن اپنے زمانہ کے بعد کے کسی تاریخی واقعہ کے بارے میں کوئی پیش گوئی درج نہیں کی۔ لطف یہ ہے کہ ان "اخبار" کے بارے میں ابن ابی الحدید نے بہت ہی بھولے پن سے لکھا ہے کہ ہم نے ان کو جانچا تو مطابقِ واقعہ کے پایا جو ان (حضرت علیؓ) کے دعویٰ غیب دانی پر دلیل ہے۔ (ولقد امتحنا اخبارہ فوجدناہ موافقًا فاستدللنا بذالک علی صدق الدعوی المذکورۃ)[1]

مگر اس سلسلے میں دلچسپ پیش گوئی عبیدیوں کے ظہور اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بارے میں ہے جنہوں نے بعد میں اپنے کو فاطمی کہلوایا۔ امام جعفر الصادقؒ کے بڑے بیٹے اسمٰعیل تھے جو فرقۂ امامیہ کے دستور کے مطابق اپنے والد کے بعد امام ہوتے لیکن وہ اپنے باپ کی حیات میں فوت ہو گئے تھے، ان کی موت اپنے والد کے انتقال سے کوئی بیس برس پہلے ۱۲۳ھ میں ہوئی۔ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ جب اسماعیل فوت ہو گئے اُن کے والد نے اُن کی میت کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا۔ پھر اپنے اکابر شیعہ کو چادر ہٹا کر اُن کی میت دکھاتے تھے تا کہ کسی کو ان کے فوت ہو جانے کے متعلق کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اس بنا پر اسمٰعیل کو "المسجی بالرّدا" کہا گیا ہے۔ ایک شخص عبداللہ نے جس کے نسب کے بارے میں اختلافِ کثیر ہے بلادِ مغرب (مراکش) میں قبیلۂ کتامہ کی امداد و نصرت سے ۲۹۹ھ میں حکومت کی بنیاد ڈالی جو وہاں تقریباً ساٹھ برس تک قائم رہی پھر یہ لوگ مصر کو منتقل ہو گئے اور دو سو برس تک یہاں حکمراں رہے۔ ان کے متعلق بھی حضرت علی کی زبان سے پیش گوئی کرائی گئی ہے:

ثم یظھر صاحب القیروان الغضّ البضّ ذو الحسب المحض المنتخب من سلالۃ ذی البداء المسجی بالرداء۔

"پھر ظاہر ہو گا قیروان (مراکش) کا حاکم، نوخیز و نازک اندام، سچے نسب و حسب والا بزرگ اور اعلیٰ خاندان والے چادر سے ڈھکے ہوئے کے اخلاف سے ہو گا"۔

1۔ ص ۳۶۴ سطر ۱۹ جلد ۱ مطبوعہ ایران در مطبع میر باقر طہرانی ۱۲۷۱ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نہج البلاغہ کے مؤلف یا "جامع" الشریف الرضی کو عبیدیوں سے، جو اس کے زمانہ میں مصر پر حکمراں تھے، ایسی عقیدت تھی کہ بغداد میں بیٹھ کر ایک قصیدہ لکھا تھا جس کے تین شعر یہ تھے:

الیس الذل فی بلاد الاعادی وبمصر الخلیفة العنوی

وابوه ابی ومولاه مولا ی اذا ضاحنی البعید القصی

لف عیصتی بعیصه سید الناس جمیعًا محمد وعلی

ابن ابی الحدید کا بیان ہے کہ جب اس کی اطلاع خلیفہ عباسی کو ہوئی تو شریف الرضی کے باپ کو طلب کر کے پوچھا گیا کہ اس کے بیٹے کے ساتھ ہمارے یہاں کیا ذلت اور کیا ناانصافی کا برتاؤ ہوا۔ اور حاکمانِ مصر سے کیا فیض حاصل ہوا جو یہ شعر کہے؟ اس کے باپ ابواحمد نے عرض کیا کہ میں نے یہ شعر کبھی اس کے منہ سے نہیں سنے اور نہ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دیکھے۔ کسی دشمن نے اُن کو اس سے منسوب کیا ہے۔ خلیفہ عباسی نے اس پر کہا کہ تم لوگ حاکمانِ مصر کو اگر فاطمی نسب نہیں جانتے ایک محضر اُن کے نسب کی قدح میں تیار کرو جس پر رضی سے دستخط کراؤ۔ چنانچہ ایسا محضر تیار کیا گیا، رضی کے باپ ابواحمد نقیب، اس کے بھائی شریف المرتضیٰ اور دوسرے اعیان و اکابرین نے دستخط کئے لیکن رضی نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ مجھے حاکمانِ مصر کی دشمنی کا خوف ہے۔ یہ بیان تو ابن ابی الحدید کا ہے (صفحہ ۸ جلد ا شرح نہج البلاغہ) کتب تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ اس قسم کا ایک محضر ۴۰۲ھ میں تیار ہوا تھا جس پر اس زمانے کے بڑے بڑے علماء وفقہاء مثلاً ابی الفرح ابن الجوزی، ابوالقاسم التنوخی، ابوعبداللہ البیضاوی، ابوالحسن القدوری، ابوحامد الاسفراینی، ابوالقاسم الجذری اور دیگر اکابرین نے عبیدیوں کے علوی و فاطمی نسب ہونے کی تکذیب و تردید میں دستخط ثبت کئے تھے لیکن رضی نے باوجود حلفیہ قسمیں کھانے کے کہ یہ اشعار میرے نہیں ہیں دستخط کرنے سے انکار کیا تھا اس کے بھائی مرتضیٰ کے دستخط کرنے کی وجہ ابن ابی الحدید نے یہ لکھی ہے کہ اُس نے تقیۃً دستخط کئے تھے کیونکہ اس کو خلیفہ عباسی کا خوف بھی تھا اور اس فعل سے تسکین دینا بھی مقصود تھا (وکان المرتضی فعل ذالک تقیة وخوفًا من القادر وتسکینًا له صفحہ ۹) بہر حال مقصود اس تفصیل سے یہ ہے کہ عبیدیوں کے فاطمی نسب ہونے کے متعلق عام طور سے شبہات تھے لہٰذا ان کے طرفدار نہج البلاغہ کے مؤلف نے حضرت علیؓ سے یہ پیش گوئی منسوب کردی اور اس طرح عبیدیوں کے نسب کی سند (معاذ اللہ) حضرت علیؓ سے دلوادی۔

عبیدی فاطمی تو پھر بھی دوسری مملکت کے لوگ تھے، بویہ خاندان کے لوگ جو دیلمی یا دیالمہ کہلاتے ہیں، مؤلف نہج البلاغہ کے زمانے میں بغداد پر مسلط تھے۔ خلیفہ عباسی اُن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا، یہ لوگ شریف الرضی اور اس کے باپ بھائی کے سرپرست تھے۔ ان کے متعلق جو "خبر" حضرت علیؓ کی زبان سے بیان کرائی گئی ہے وہ اس خاندان کی گویا چند الفاظ میں مختصر تاریخ ہے:

ویخرج من دیلمان بنو الصیّاد ثم یستشری امرهم حتّٰی یملکوا الزوراو یخلعوا الخلفاء۔

"اور نکلیں گے دیلمان سے صیاد کے بیٹے، پھر ان کی حکومت پھیل جائے یہاں تک کہ وہ دور دراز ملکوں پر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قابض ہوں اور خلفاء کو تخت سے اُتار دیا کریں"۔

اس کے بعد فرضی حاضرین میں سے کسی سے یہ سوال بھی کرا دیا ہے کہ: فکم مدّتھم یا امیر المومنین؟ ... ان کی (حکمرانی کی) مدت کتنی ہوگی؟ فرضی سوال کے بعد فرضی جواب بھی دلوا دیا ہے، مائة او تزید قلیلًا ... یعنی ایک سو برس یا اس سے کچھ زیادہ۔ شریف المرتضیٰ کی وفات، جو اپنے بھائی کی اس تالیف میں شریکِ کار رہا تھا، ۴۳۶ھ میں ہوئی اور یہی وہ زمانہ ہے جب بویہ خاندان کے تسلط و اقتدار کا زوال ہوا۔ کیوں کہ اس سے ایک سال پہلے جلال الدولہ بن بہاء الدولہ بن بویہ دیلمی مر چکا تھا اُدھر طغرل بیگ نے بویہ خاندان کی حکومت کا ایران میں قلع قمع کر دیا تھا، اس اعتبار سے ان کی مدتِ حکومت سو برس یا اس سے کچھ زیادہ حضرت علیؓ کے منہ سے کہلوائی گئی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اپنے سرپرست عضدالدولہ کے ایک واقعہ کو جو اپنے خاندانی رقیب کے قتل کر دینے کے سلسلہ میں سرزد ہوا تھا، ان الفاظ میں بیان کرایا گیا:

و کقوله فیھم و المترف ابن الاجذم یقتله ابن عمه علٰی دجلة و ھو اشارة الی عز الدولة بختیار بن معز الدوله ابی الحسین و کان معز الدولة اقطع الید قطعت یده النکوص فی الحرب و کان ابنهٗ عز الدوله بختیار مترفا صاحب لھو و شرب و قتله عضد الدولة فناخسرو ابن عمه بقصر الجص علی دجله فی الحرب و سلبه ملکه۔[1]

"اور مثل قول (علیؓ) کے جوان کے متعلق ہے فرمایا: وہ عیش پرست جو ہاتھ کٹے ہوئے کا بیٹا ہوگا اس کو اس کا چچیرا بھائی دجلہ پر قتل کرا دے گا۔ یہ اشارہ ہے عزالدولہ بختیار ولد معزالدولہ ابی الحسین کی جانب۔ معزالدولہ کا ہاتھ کٹا ہوا جو ایک لڑائی میں کٹ گیا تھا اس کا بیٹا عزالدولہ بختیار عیش پرست لہو و لعب اور شراب نوشی میں مبتلا اس کو عضدالدولہ فناخسرو اس کے چچیرے بھائی نے ایک لڑائی میں دجلہ کے متصل قصر جص میں قتل کرا دیا اور اس کے ملک پر قبضہ کر لیا۔"

یہ سب پیشگوئیاں پانچویں صدی ہجری کے اوائل یعنی شریف المرتضیٰ کے زمانہ تک کی ہیں اس کے بعد سے جو بعض اہم واقعات تاریخ میں پیش آئے ان کا کوئی اشارہ تک نہیں۔ عباسی خلافت کے قائم ہونے کا کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے لیکن ابن علقمی کی سازش سے ہلاکو خاں اور اس کے ٹڈی دل نے خلافت ہاشمیہ کا خاتمہ جس سفا کی سے کیا، جس میں حضرت علیؓ کی نسل سے بھی صدہا اشخاص قتل ہوئے اس کا مطلق ذکر نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ نہج کے مؤلف یا مؤلفین کو آئندہ کے حوادث کا کیسے علم ہو سکتا تھا، انہوں نے تو تاریخ کی کسی کتاب کو سامنے رکھ کر یہ سب "اخبار" وضع کر ڈالے اور حضرت علیؓ سے منسوب کر دیے ورنہ کوئی بات نہیں کہ عباسی خلافت کے قیام کے لئے تو وہ ان الفاظ میں پیش گوئی کر دیں کہ سیاہ جھنڈے لئے ہوئے بنی زریق خراسان سے نکلیں گے جو دولتِ عباسیہ کے "دعاة" ہوں گے۔ "ظھور الرایات السود من خراسان ... دعاة الدولة العباسية۔[1]

1۔ ص ۳۶۴ سطر ۳۳ شارح ابن ابی الحدید ج ۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پھر سرزمیں عراق میں جو حوادث پیش آئے ان کی پیش گوئیاں بڑی تفصیل سے کی گئی ہیں مثلاً خطبہ ۹۷ صفحہ ۱۹۴ میں خلیفہ اُموی، عبدالملک بن مروان کی لشکر کشی کا حال ان الفاظ سے کیا ہے۔

کانی أنظر الی ضلیل قد نعق بالشام ... الخ

''گویا میں ایک سخت گمراہ ہو جانے والے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو شہر شام میں حیوانوں کی طرح آواز نکال رہا ہے۔ اس نے نواحیٔ کوفہ میں اپنے علَم ظاہر اور بلند کئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب اس کا منہ درندوں کی طرح کھل جائے۔ اس کی سرکشیاں شدید ہو جائیں وہ زمیں میں نہایت سختی سے منہ مارنے لگے۔ اس کے فتنہ آمیز اور نکیلے دانت ابنائے زمانہ کو گزند پہنچائیں، لڑائی کی موجیں جنبش کریں، دنوں میں اس کے ظلم وستم کی گرفت ظاہر ہو اور راتوں میں اس کے جور و اَلم کی گزند۔ امیری آنکھوں میں ہے کہ اس کی زراعت سرسبز ہو۔ اس کے رسیدہ میوے نہال ہو جائیں۔ اس کا گلو شقشقۂ شترمست کی طرح آواز دینے لگے۔ اس کی تلوار کی بجلیاں چمکیں، اس کے فتنے شبِ تیرہ تار اور بحرِ متلاطم و مواج کی طرح نظر آنے لگیں اور شہر کوفہ توڑ دینے والی آندھیوں سے شگافتہ ہو جائے، تند و اور سخت ہواؤں کا اس پر گزر ہو، تھوڑے ہی زمانہ میں یہ گروہِ مردم (بنی اُمیہ) دوسرے گروہ (بنی عباس) کے ساتھ لپٹ جائے اور یہ لوگ کھنچی ہوئی تلواروں سے ریزہ ریزہ ہو کر زیرِ خاک پنہاں ہو جائیں''۔

دوسرے عراقی شہر بصرہ کی تباہی کا حال ایک اور واقعہ کے سلسلہ میں بیان کرایا گیا ہے۔ ۲۵۵ھ میں قبیلۂ بنی عبدالقیس کے ایک فتنہ پرداز نے جس کا نام علی بن محمد بن عبدالرحیم تھا، علوی نسب ہونے کا دعویٰ کر کے حبشیوں کی ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے لیا اور خلیفہ المہتدی عباسی پر خروج کر دیا۔ بغداد و کوفہ کے اطراف کو خوب لوٹا کھسوٹا اور غارت کیا۔ تاریخ میں یہ ''فتنہ صاحب الزنج'' موسوم ہے۔ اس کے متعلق جو پیش گوئی کرائی گئی ہے وہ ان لفظوں سے شروع ہوتی ہے: فویل لک یا بصرۃ عند ذالک من جیش الخ ''......یعنی ''اے ولایت بصرہ! ماتم ہو تجھ پر، جس وقت وہ عقوبت الٰہی کا لشکر آئے کہ نہ تو اس کے گھوڑوں کے پاؤں کا غبار نظر آئے گا اور نہ اس کے اسلحہ کی جھنکار سنائی دے گی اس وقت تیرے شہری سخت تر، موت اور ناداری و قحط کی بھوک سے دوچار ہوں گے''۔

یہ پیش گوئی خطبہ ۱۲۴ کی ابتدائی سطور میں درج ہے اور اس خطبہ کا عنوان یہ ہے ''بصرہ میں جو بڑے خونی واقعات ہوئے ان کی خبروں کے بارے میں'' ابن ابی الحدید نے بیس صفحے اپنی کتاب کے ان تین سطروں کی پیش گوئی کی شرح اور ''صاحب الزنج'' کے حالات میں صَرف کر ڈالے ہیں۔ اس شخص نے جو اپنے کو زید علی بن حسین کی اولاد سے کہتا تھا اور چودہ برس تک فساد مچاتا رہا تھا، ۲۵۷ھ میں اہالیانِ بصرہ کو تہ تیغ کر ڈالا تھا (طبری) اس کی پیشگوئی اور اس کے حالات کی تفصیلات تو وہ کچھ ہیں جس کا ذکر ابھی ہو چکا لیکن خلافت عباسی کے خاتمہ اور عظیم دارالخلافہ بغداد کی تباہی کی کوئی

1۔ ص ۳۶۴ سطر ۳۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پیشین گوئی کہیں نظر نہیں آتی حالانکہ بنی اُمیہ کی خلافت کے خاتمہ اور بنی عباس کی خلافت قائم ہونے کے بارے میں متعدد پیشین گوئیاں نہج البلاغہ میں ہیں۔ آخری کے متعلق ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ یہ "غیب صریح" ہے۔ (ص ۱۰۵۸ سطر ۶) یعنی اقبلت الدولۃ الھاشمیۃ وزوال ملک بنی أمیۃ، لیکن اسی دولتِ ہاشمیہ (خلافت عباسیہ) کا خاتمہ جس تباہی کے ساتھ ہوا کہ:

خونِ فرزندانِ عمِ مصطفی شد ریختہ
ہم برآں خاکے کہ سلطاناں نہاوند بے جبین

اس حادثہ کی کوئی پیشین گوئی نہیں اور اس وجہ سے نہیں کہ واضعین نہج البلاغہ (الرضی والمرتضیٰ) سے تقریباً ڈھائی سو برس بعد یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ یہی قوی ثبوت اس کلام کے وضعی ہونے کا ہے جو اخبارِ غیب کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کیے گئے ہیں۔

دراصل اس کتاب (نہج البلاغہ) کے چمکنے کا بڑا سبب وزیر ابن علقمی ہے۔ اسی نے ابن ابی الحدید [1] سے یہ شرح لکھوائی جو اپنی مثال آپ ہے۔ ہر چند کہ اس میں بے سروپا باتیں بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں مگر مجموعی طور سے اس کے مصنف کی ہمہ گیری اور جامعیت کا پتہ دیتی ہیں۔ اس شرح نے نہج البلاغہ کو اس کے درجہ سے ہزار درجہ زیادہ کر دیا، اور اس کلام کو (دون کلام الخالق وفوق کلام المخلوق) کہلوا دیا۔ یہ شرح ابن ابی الحدید نے اس زمانہ میں لکھی ہے جب چنگیز خان نے مختلف ممالک اسلامیہ کو تاراج کر ڈالا تھا اور اس کی اولاد نے زیرِ کمان تاتاری فوجیں مدینۃ الاسلام بغداد کی طرف بھی بڑھی تھیں۔ ابن ابی الحدید نے ان حالات کو کہ اس کے چشمِ دید تھے شرح و بسط سے لکھا ہے، کہتا ہے کہ "وقد کان الخلیفۃ المستعصم باللہ اخرج عسکرہ الی ظاھر سود بغداد علی سبیل الاحتیاط" پھر کہتا ہے کہ بغدادی اور تاتاری لشکروں میں جھڑپیں ہوئیں بال آخر تاتاری لوٹ گئے اور یہ دلائلِ نبوت سے ہے (وکان ماجری من دلائل النبوۃ لان الرسولؐ وعد ھذہ الملۃ بالظھور والبقاء الٰی یوم القیامۃ) کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ملتِ اسلامی یومِ قیامت تک باقی رہے گی۔ اب اگر بغداد میں پھر بھی کوئی ایسا حادثہ پیش آ جاتا جو دوسرے اسلامی ملکوں کو پیش آیا تو ملتِ اسلام کا خاتمہ ہو گیا تھا"۔

اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں: "لو حدث علی بغداد منھم حادثۃ کما جزی علی غیرھا من البلاد لا نقرضت ملۃ الاسلام ولم یبق لھا باقیۃ" [1] مگر یہ سطریں لکھتے وقت اس کو کیا معلوم تھا کہ اس کا سرپرست چند ہی سال بعد اسی فوج تاتار سے جو خلیفہ عباسی سے ہزیمت اٹھا کر چلی گئی تھی ساز باز کرے گا اور وہ حادثہ پیش آئے گا جس کی پیش گوئی واضعین نہج البلاغہ نہیں کرا سکے تھے۔

1۔ اس کا اصل نام عبدالحمید (عز ابن ابو حامد عبدالحمید بن ھبۃ اللہ بن محمد بن حسین بن ابی الحدید) سالِ ولادت ۵۸۵ھ، ادیب، شاعر، فقیہ تھا، ۶۵۵ھ میں بغداد میں فوت ہوا۔ ابنِ علقمی نے اس شرح کی تصنیف پر گرانبہا انعام زر نقد و خلعت عطا کیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نہج البلاغہ کی اصلیت کا کچھ اندازہ حضرت علیؓ کے دیوان سے بھی کیا جاسکتا ہے جو عام طور سے ملتا ہے حالانکہ حضرت علیؓ نے کبھی شاعری نہیں کی۔ زمانہ حال کے ایک نقاد احمد تیمور پاشا کا یہ مقولہ صحیح ہے کہ "دیوانِ علی" میں جو شعر ہیں اگر وہ اصل مالکوں کے حوالے کر دیئے جائیں تو "دیوانِ علی" کی جیب خالی خالی ہو جائے۔ یہ واضعین خواہ نہج البلاغہ کے ہوں یا دیوانِ علی کے، اس سرزمیں سے تعلق رکھتے ہیں جو ابتدائی خانہ جنگیوں کا مرکز بن گیا تھا یعنی عراق۔ یہاں عجمیوں نے اپنے تمدن، اپنی روایات اور قومی خصوصیات کا مذہب اسلام پر کیا اثر ڈالا اس کی ایک جھلک نہج البلاغہ کے مشمولہ کلام سے بھی ملتی ہے۔ تفاخر نسبی، شہنشاہوں کی اولاد کی طرح بزرگ قوم کی اولاد کا حقِ وراثت وغیرہ جس سے ایک مستشرق کے الفاظ میں ان عجمیوں نے اسلام کو اپنے مخصوص رنگ سے رنگ دیا اور خاص طور سے اس کو اپنے اس قومی اور سیاسی خصائص سے محروم کر دیا جو بعد ہجرت اس میں پیدا ہوئی تھیں۔ [2]

شیخ مفید کے مختصر حالات

آلِ بویہ کے دور کی ایک عظیم علمی شخصیت محمد بن نعمان (م ۴۱۳ھ) ہے۔ جن کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب مفید ہے۔ یہ ملتِ جعفریہ کے جلیل عالم و بزرگ اور اپنے وقت کے قائد اور استاد تھے۔ ان کے والد معلم تھے اس لئے انہیں "ابن المعلم" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے بعد جتنے بھی علماء ہوئے انہوں نے ان ہی سے استفادہ کیا۔ انہیں فقہ و کلام کا بادشاہ، روایت میں انتہائی موثق و معتبر اور اعلمِ وقت قرار دیا گیا۔

تذکرۃ الاطہار اردو ترجمہ کتاب الارشاد مؤلفہ شیخ مفید کے تاثر لکھتے ہیں کہ:

شیخ مفید چوتھی صدی ہجری کی ایک عظیم مقدس علمی شخصیت ہیں، ان کے تقدس کے لئے یہی کافی ہے کہ ایک روز آپ نے خواب دیکھا کہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اپنے دونوں بچوں کی انگلیاں پکڑے ہوئے تشریف لائی ہیں اور انہیں آپ کے حوالے کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ "شیخ انہیں دینی تعلیم دو"۔ بیدار ہونے پر شیخ مفید انتہائی پریشان تھے۔ خواب کی کچھ تعبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ دن چڑھا تو سادات کے ایک ممتاز گھرانے کی فاطمہ نامی خاتون اپنے دونوں بچوں کی انگلیاں پکڑے آئیں اور انہیں تعلیمِ دین کی غرض سے آپ کے حوالے کیا، یہ دونوں بچے وہ تھے جو بعد میں آسمانِ علم کے آفتاب و ماہتاب بنے۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ جو اپنے دور کے سب سے بڑے فقیہ تھے اور سید شریف رضی جو ساداتِ بغداد کے سربراہ ہوئے اور علومِ اسلامیہ کی عظیم الشان کتاب فرمودات علی علیہ السلام "نہج البلاغہ" کے جامع تھے۔ [3]

ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ امام صاحب العصر نے آپ کو "مفید" کا لقب عطا فرمایا۔ عضد الدولہ بعض اوقات آپ کی زیارت کے لئے آیا کرتا تھا۔ آپ نے دو سو سے زیادہ کتب تصنیف کیں۔ آپ کا جنازہ دیکھنے کے قابل تھا۔ جس میں اسّی ہزار شیعوں اور رافضیوں نے شرکت کی۔ آپ کی عظمت امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ' وسہّل اللہ مخرجہ'

1۔ شرح ابن ابی الحدید ص ۵۵۴ سطر ۱۳

2۔ نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں۔ مصنفہ محمود عباسی

3۔ تذکرۃ الاطہار ص ۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے ان تین خطوط سے ہویدا ہے جو تین سال کے دوران آپ کے پاس آئے۔ خط کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

"الاخ السید والمولی الرشید الشیخ المفید ابی عبداللہ محمد بن محمد بن نعمان ادام اللہ اعزازہٗ"

"سچے بھائی ہدایت یافتہ دوست شیخ مفید ابو عبداللہ محمد بن محمد بن نعمان خدا آپ کے اعزاز و احترام کو دوام بخشے۔"

آپ کی وفات ۳/رمضان المبارک ۴۱۳ھ شبِ جمعہ میں ہوئی۔ نماز جنازہ آپ کے شاگرد رشید علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے میدانِ اشنان میں پڑھائی، لوگوں کی اتنی کثرت تھی کہ یہ وسیع و عریض میدان تنگ ہو گیا۔ پہلے آپ کو گھر میں دفن کیا گیا اور کئی سال بعد کاظمین میں امام محمد تقی علیہ السلام کے قدموں میں شیخ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔[1]

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ شیخ مفید نے صحابہؓ اور سلف صالحین پر طعن کئے ہیں۔ عضدالدولہ بویہی کی حکومت میں اس کا کافی اثر تھا۔ اس کی کتابوں میں بعض کے نام یہ ہیں:

الاعلام فیما اتفقت الامامیۃ علیہ من الاحکام، الارشاد، الرسالۃ المقنعۃ، الامالی، اصول الفقہ۔[2]

اہل تشیع نے اپنے بارہویں امام کو چار پانچ سال کی عمر میں ۲۶۰ھ میں غائب کر دیا۔ اس کے بعد سفیروں کے ذریعے ان سے رابطہ رکھا جسے غیبَتِ صغریٰ کا نام دیا گیا جو ۳۲۹ھ میں آخری سفیر کی وفات سے چند دن پہلے ہی ختم ہو گئی۔ ان کے بعد امام کی غیبتِ کبریٰ کا دور شروع ہوا جس میں سفیروں کا اپنے امام سے رابطہ ختم ہو گیا لیکن یہ امام کی شفقت و مہربانی ہے کہ اس نے سفیروں کے واسطہ کے بغیر ہی اپنے "پیاروں" کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم کیے رکھا۔ ان میں سے ایک شخصیت شیخ مفید کی بھی ہے جنہیں غیبَتِ صغریٰ کا دور ختم ہو جانے کے بعد بھی امام العصر خطوط لکھتے رہے جو کسی غیبی نامعلوم طریقے سے ان کو مل جاتے تھے۔[3]

1۔ حوالہ مذکور صفحہ ۱۱۔۱۳

2۔ الاعلام للزرکلی جلد ۷ ص ۲۴۵

3۔ شیعیت تاریخ و افکار۔ ص ۳۳۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اُنیسواں باب:

بغداد پر ہلاکو کی یلغار میں شیعیت کا کردار

۶۲۲ھ میں عباسی خلیفہ الناصرلدین اللہ کی وفات ہوئی اور مستنصر باللہ (۶۲۳ھ۔ ۶۴۰ھ) اس کا جانشین ہوا۔ یہ خلیفہ دیندار، پاکباز، نیک سیرت، پاکیزہ خصائل اور بہت سے اوصاف وخصوصیات میں خلفاء صالحین کی یادگار تھا۔ لیکن افسوس کہ اس کو انتظام واصلاح کے لئے زیادہ مدت نہ مل سکی۔ ۶۴۰ھ میں اس کی وفات پر اس کا فرزند مستعصم باللہ خلیفہ ہوا، مستعصم ایک صحیح العقیدہ، دیندار، محتاط خلیفہ تھا، جو کبھی مسکرات ومحرمات کے قریب نہیں گیا۔ ہر مہینہ دوشنبہ (سوموار) اور جمعرات اور ماہِ رجب کے روزے رکھتا تھا، قرآن کا حافظ تھا، وقت پر نماز پڑھنے کا شدت سے پابند تھا، لیکن مؤرخ ابن اثیر کے قول کے مطابق طبیعت میں ضرورت سے زیادہ نرمی اور بیدار مغزی کی کمی تھی، دولت کے معاملہ میں کسی قدر حریص اور بخیل واقع ہوا تھا۔

۶۴۲ھ میں ابن العلقمی کے نام خلافتِ عباسیہ کی وزارتِ عظمٰی کا قرعۂ فال نکلا، خلافت کے نظم ونسق میں اس وقت سے بڑی برہمی پیدا ہوئی، جب ۶۵۵ھ میں بغداد میں شیعہ سنی کا زبردست جھگڑا ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن علقمی نے وزارت کا قلمدان سنبھالتے ہی شیعوں کو نوازنا شروع کر دیا، اعلیٰ عہدوں اور مناصب پر شیعہ براجمان ہونے لگے۔ خلیفہ عضو معطل بن کر رہ گیا اور علقمی نے کسی علوی کو خلیفہ بنانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے، حالات روز بروز خراب ہوتے چلے گئے اور دیلمیوں کے دور کی بدعات ابن علقمی کی سرپرستی میں زندہ ہوتی چلی گئیں، نوبت بہ ایں جارسید کہ اہل سنت مشتعل ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور زبردست ہنگامہ آرائی ہوئی، جس کے نتیجہ میں شیعوں کو قدرے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ یہاں تک کہ ابن علقمی کے عزیزوں کے مکانات تک لوٹ لیے گئے۔[1] اس وقت اگرچہ تاتاری خطرہ بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا، اور تاتاری فوجیں بغداد کی طرف بڑھ رہی تھیں، وزیر ابن العلقمی کی ہدایت اور حکم سے بغداد کی افواج میں زبردست تخفیف کی گئی، سواروں کی تعداد گھٹا کر دس ہزار کر دی گئی، بقیہ سپاہیوں کو رخصت کر دیا گیا، اور ان کے منصب روک لئے گئے یہاں تک کہ ان کو بازاروں اور مسجدوں کے دروازوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا۔ شعراء نے اسلام کی کسمپرسی پر مرثیے کہے۔[2]

سقوطِ بغداد

1۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۹۶

2۔ ایضاً ص ۲۰۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۶۵۶ھ شروع ہوا تو بغداد کے مسلمانوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ تاتاریوں کی فوج نے ہلاکو خان کے عظیم لشکر کے ہراول دستے کے دو امیروں کی قیادت میں بغداد پر یلغار کردی۔ اسی دوران شاہِ موصل کی افواج بھی ہلاکو سے کیے گئے معاہدے کے تحت ان کی مدد کے لئے آ گئیں، نیز شاہِ موصل نے ہلاکو کی افواج کو رسد بھی فراہم کی، ظاہر ہے یہ سب کچھ انہیں بطورِ رشوت دیا جا رہا تھا کہ وہ چاہیں تو بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں لیکن موصل پر حملہ نہ کریں۔ بہرحال تاتاریوں کے لشکر نے بغداد کو چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کر دیا۔ خلیفہ مستعصم باللہ عباسی اس وقت اپنے محل میں اپنی ایک چہیتی لونڈی کے رقص سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ تاتاریوں کے تیر محل کی دیواروں کو چھیدتے ہوئے اندر آنے لگے، ایک تیر عرفہ نامی اس لونڈی کی گردن میں آ لگا اور اس سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، عرفہ گر کر تڑپنے لگی، خلیفہ مستعصم بوکھلا گیا۔ لونڈی کی گردن سے تیر کھینچ کر نکالا گیا تو اس پر لکھا ہوا تھا:

"جب اللہ تعالیٰ اپنی قضا و قدر کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو عقلمندوں کی عقل کو مار دیتا ہے۔"

خلیفہ کو جب صورتحال کا ادراک ہوا تو حالات پر اس کی گرفت تقریباً ختم ہو چکی تھی، اس نے اپنے طور پر حفاظتی اقدامات کرنے کا حکم دیا لیکن اِسی دوران ہلاکو خان اپنی دو لاکھ افواج کے ہمراہ بغداد پہنچ گیا۔ یہ محرم کی بارہ تاریخ تھی۔ ہلاکو خان خلیفہ مستعصم کے خلاف سخت غیظ و غضب میں مبتلا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب شروع شروع میں ہلاکو نے ایران میں اپنی کارروائیوں کا آغاز کیا اور عراق کی طرف بڑھنے لگا تو خلیفہ مستعصم کے وزیر مؤیدالدین محمد بن العلقمی نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ ہلاکو کی طرف قیمتی تحائف بھیجے جائیں تاکہ ان سے متاثر ہو کر وہ ہماری سلطنت میں تاخت و تاراج سے باز آئے۔ لیکن دویدار صغیر ایبک وغیرہ نے خلیفہ کو اس سے منع کیا اور کہا کہ ابن العلقمی ان تحائف کے ذریعے ہلاکو کو رشوت دینا چاہتا ہے۔ خلیفہ کو چاہئے کہ قیمتی تحائف کی بجائے کوئی معمولی سی چیز بھیج دے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ ہلاکو ان معمولی قسم کے تحائف کو دیکھ کر بگڑ گیا اور اس نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ صغیر ایبک اور سلیمان شاہ کو اس کے حوالے کیا جائے۔ بادشاہ نے اس پیغام کو اہمیت نہ دی، اس کے اس طرزِ عمل نے ہلاکو کے غصے کو بھڑکا دیا۔

ادھر ابن علقمی نے ہلاکو کے ساتھ ساز باز شروع کر دی اور اسے بادشاہ کی تمام تر کمزوریوں سے آگاہ کر کے بغداد پر حملے کی ترغیب دی، چنانچہ ہلاکو اہلِ بغداد پر قہرِ الٰہی بن کر ٹوٹ پڑا۔

اس کی افواج نے بغداد کو اس کی شرقی اور غربی جانب سے گھیر لیا۔ بغدادی فوجیں بہت کم اور کمزور تھیں، جن کی تعداد دس ہزار سواروں تک بھی نہ پہنچتی تھی، انہوں نے اور باقی ماندہ سب فوج نے اپنے دستوں سے منہ پھیر لیا، حتیٰ کہ ان میں سے بہت سوں نے بازاروں اور مساجد کے دروازوں پر عطیات مانگے اور شعراء نے ان کا مرثیہ کہتے ہوئے اور اسلام اور اہلِ اسلام پر غم کرتے ہوئے ان کے بارے میں قصائد کہے اور یہ سب کچھ وزیر ابن العلقمی رافضی کے مشوروں سے ہوا۔

علامہ ابن کثیرؒ کے مطابق ابن العلقمی سب سے پہلے تاتاریوں کے پاس گیا اور اپنے اہل و اصحاب اور خدم و حشم کو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بھی ساتھ لے گیا اور اس نے سلطان ہلاکو خان سے ملاقات کی، پھر اس نے واپس آ کر خلیفہ کو اس کے پاس جانے کا مشورہ دیا اور اس کے پیش نظر یہ بات تھی کہ مصالحت اس شرط پر ہو کہ عراق کا نصف خراج ان کے لیے اور نصف خلیفہ کے لیے ہو گا، چنانچہ خلیفہ محتاج ہو کر سات سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوا، جو قضاۃ، فقہاء، صوفیاء اور اعیان و امراء اور حکومت کے سرکردہ لوگوں پر مشتمل تھے، اور جب وہ ہلاکو خان کی فرودگاہ کے قریب ہوئے، تو انہوں نے سترہ آدمیوں کے سوا، باقی لوگوں کو خلیفہ کے ساتھ جانے سے روک دیا۔ پس خلیفہ مذکورہ لوگوں کے ساتھ گیا اور بقیہ کو ان کی سواریوں سے اتار دیا گیا اور انہیں لوٹ کر سب کو قتل کر دیا گیا۔ اور خلیفہ کو ہلاکو خان کے سامنے پیش کیا گیا، تو اس نے خلیفہ سے بہت سے سوالات کئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ نے اہانت و جبروت کے خوف کو جو دیکھا تو اس کی گفتگو میں گڑ بڑ ہو گئی، پھر وہ بغداد واپس آ گیا، خواجہ نصیر الدین طوسی اور وزیر ابن العلقمی وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے، اب اسلامی سلطنت کا خلیفہ ہلاکو کی طرف سے نگرانی اور مطالبات کے تحت تھا، ہلاکو نے دار الخلافہ سے سونے، زیورات، ڈھلے ہوئے زیورات، جواہر اور نفیس اشیاء وغیرہ کثرت کے ساتھ منگوائیں، اور رافضہ کے سرداروں اور دیگر منافقین نے ہلاکو خان کو مشورہ دیا کہ وہ خلیفہ سے مصالحت نہ کرے اور وزیر نے کہا، جب نصف نصف پر صلح ہو گئی تو یہ ایک دو سال تک قائم رہے گی، پھر پہلے والی بات ہو جائے گی، ساتھ ہی انہوں نے اسے خلیفہ کے قتل پر اُبھارا، پس جب خلیفہ سلطان ہلاکو خان کے پاس واپس آیا تو اس نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے قتل کا مشورہ وزیر ابن العلقمی اور نصیر الدین طوسی نے دیا تھا۔ یہ نصیر الدین اس وقت سے ہلاکو خان کی خدمت میں تھا، جب اس نے الموت کے قلعوں کو فتح کیا تھا، ہلاکو نے اسماعیلیہ کے ہاتھوں سے طوسی کو چھین کر اپنے ہمراہ لے لیا تھا، یہ وہاں نصیر الدین شمس الشموس کا وزیر تھا، اور اس سے پہلے اس کے باپ علاؤ الدین بن جلال الدین کا وزیر بھی رہ چکا تھا۔ ہلاکو خان نے نصیر الدین کو منتخب کیا تا کہ وہ اس کی خدمت میں مشیر وزیر کی طرح رہے، پس جب ہلاکو خان آیا تو وہ خلیفہ کے قتل کرنے سے خوفزدہ ہوا، مگر وزیر نے اسے یہ کام معمولی کر دکھایا۔

ہلاکو نے بغداد پر حملہ اور خلیفہ مستعصم کو قتل کرنے کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیا۔ اصل میں ہلاکو ایک توہم پرست آدمی تھا۔ حسام الدین نامی ایک سُنی نجومی اس کے دربار میں تھا، اس نے کہا کہ حملۂ بغداد کی یہ گھڑی سعد نہیں نحس ہے، اور جب بھی کسی بادشاہ نے خلافت پر ہاتھ ڈالا ہے تو اسے منہ کی کھانی پڑی ہے، اور کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہوا ہے۔ اگر آپ حملہ کرتے ہیں تو بارش بند ہو جائے گی، طوفان اور زلزلے آئیں گے، اور ایک عالَم ویران ہو جائے گا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بادشاہ منکوقا آن (ہلاکو کا بڑا بھائی) ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سن کر ہلاکو متردّد ہو گیا۔ ہلاکو نے طوسی کی رائے معلوم کی کہ ''اگر ببغداد حملہ کنیم عاقبت چہ خواہد شد؟'' طوسی نے جواب میں کہا ''چیزے نہ خواہد شد جز اینکہ بجائے خلیفہ خان خواہد بود''۔ یعنی کچھ بھی نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ خلیفہ کی جگہ منکوقا آن حکمران بن جائے گا۔ ہلاکو نے طوسی اور حسام الدین دونوں کو بلا کر مناظرہ کرایا، طوسی نے کہا ہزاروں صحابہ شہید کر دیئے گئے کوئی زلزلہ برپا نہیں ہوا، اگر عباسیوں کی خصوصیت بتاتے ہو تو طاہر کو دیکھو جس نے مامون کے حکم سے خلیفۂ وقت امین سے جنگ کی اور اس نے قتل کر دیا۔ متوکل

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کو اس کے لڑکوں اور غلاموں نے مار ڈالا۔ مستنصر اور معتضد کو امراء اور غلاموں نے ختم کر دیا، مگر کوئی زلزلہ اور طوفان نہیں آیا (تو مستعصم کو قتل کر دینے سے کسی کا کیا بگڑے گا؟) چنانچہ ہلاکو نے ہلاکت کا عزم کر لیا۔

مختصر یہ کہ ہلاکو کے لشکر شہر پر جھپٹ پڑے اور انہوں نے مردوں، عورتوں، بوڑھوں، ادھیڑ عمر لوگوں اور جوانوں میں سے جن پر بھی قابو پایا، ان سب کو قتل کر دیا، اور بہت سے لوگ کنوؤں اور کھجوروں کے جھنڈوں اور گڑھوں میں داخل ہو گئے، اور اسی طرح کئی روز تک باہر نکلے بغیر چھپے رہے اور کچھ لوگ سراؤں میں جمع ہو جاتے اور دروازے بند کر لیتے تو تاتاری انہیں توڑ کر یا آگ لگا کر کھول لیتے، پھر اندر داخل ہو جاتے، لوگ ان سے خائف ہو کر بلند جگہوں کی طرف بھاگ جاتے، اور تاتاری انہیں چھتوں پر قتل کر دیتے حتیٰ کہ گلیوں میں خون کے پرنالے رواں ہو جاتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہی حال مساجد، جوامع اور خانقاہوں کا تھا، تاتاریوں کے اس غولِ بے اماں سے صرف یہود و نصاریٰ کے اہل ذمہ نے اور ان لوگوں نے جنہوں نے ان کی پناہ لے لی تھی، نجات پائی اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے وزیر العلقمی رافضی کے گھر میں پناہ لی تھی، بغداد کے تاجروں کی ایک جماعت نے اپنے لیے امان حاصل کی، جس کے لئے انہیں بہت اموال خرچ کرنے پڑے، حتیٰ کہ وہ اور ان کے اموال بچ گئے، بغداد عروس البلاد تمام شہروں سے قابل دید شہر ہونے کے بعد ویران اور برباد ہو گیا۔ اور اس میں صرف تھوڑے سے لوگ باقی رہ گئے، وہ بھی خوف، بھوک، ذلت اور قلت کی حالت میں تھے، اس واقعہ سے پہلے وزیر ابن العلقمی فوجوں کو بددل کر کے ہٹانے اور رجسٹر سے ان کا نام ساقط کرنے کے عمل میں بہت کوشش کرتا تھا، مستنصر کے آخری ایام میں فوج تقریباً ایک لاکھ جانبازوں پر مشتمل تھی، اور ان میں سے بعض امراء وہ بھی تھے جو اکابر اکا سر بادشاہوں کی طرح تھے، وہ ہمیشہ ان کے کم کرنے کی کوشش کرتا رہا، حتیٰ کہ وہ صرف دس ہزار رہ گئے، پھر ابن علقمی نے تاتاریوں سے خط و کتابت کی اور انہیں ملک پر قبضہ کرنے کا لالچ دیا۔ اور اس نے ان کے لیے یہ بات آسان کر دی اور ان کے سامنے حقیقتِ حال بیان کی اور انہیں مردوں کی کمزوری کے متعلق بتایا اور اس نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ وہ اہل سنت کا کلیۃً خاتمہ کر دے اور یہ کہ رافضہ کی بدعت غالب آ جائے، اور وہ فاطمیوں کے خلیفہ کو کھڑا کرے، اور علماء اور مفتیوں کو تباہ کر دے اور اللہ کی قدرت غالب ہے اس نے اس کی تدبیر کو ناکام کر دیا اور اسے پائیدار عزت کے بعد ذلیل کر دیا۔ اور وہ خلفاء کا وزیر ہونے کے بعد تاتاریوں کا دم چھلا بن گیا۔ اور اس نے بغداد کے مردوں، عورتوں اور بچوں کے قتل کا گناہ کمایا اور فیصلہ رب السّمٰوات والارض ہی کا ہے۔[1]

اس معرکہ میں بغداد کے جو مسلمان قتل ہوئے، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے، محتاط اندازے کے مطابق کم و بیش بارہ لاکھ یا اٹھارہ لاکھ مسلمان قتل کیے گئے۔

بغداد میں تاتاریوں کی آمد محرم کے آخر میں ہوئی اور تلوار مسلسل چالیس روز تک اس کے باشندوں کو قتل کرتی رہی، اور خلیفہ مستعصم باللہ ۱۴ صفر کو بدھ کے روز قتل ہوا اور اس کی قبر مٹا دی گئی، اس وقت اس کی عمر ۴۶ سال ۴ ماہ تھی اور

1۔ البدایہ والنہایہ، اردو ترجمہ حالات ۶۵۶ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس کی مدتِ خلافت ۱۵ سال ۸ ماہ اور کچھ دن تھی، اور اس کے ساتھ اس کا بڑا بیٹا ابوالعباس احمد بھی قتل ہو گیا جس کی عمر ۱۵ سال تھی، پھر اس کا منجھلا بیٹا ابوالفضل عبدالرحمن بھی قتل ہو گیا اس کی عمر ۱۳ سال تھی، اور اس کا چھوٹا بیٹا مبارک قیدی بن گیا اور اس کی تینوں بہنوں فاطمہ، خدیجہ اور مریم کو بھی قیدی بنایا گیا اور دارالخلافت سے تقریباً ایک ہزار دوشیزگان کو قیدی بنایا گیا۔ واللہ اعلم، اناللہ وانا الیہ راجعون۔[1]

خلیفہ المستعصم اور اس کی اولاد کا قتل

جامع التواریخ (۳: ۶۰، ۶۱) کے مطابق ہلاکو انسانوں اور جانوروں کی لاشوں سے پھیلی ہوئی بدبو اور وبا کے باعث بیرون بغداد سے اٹھ کر چہارشنبہ ۱۴ ر صفر ۶۵۶ھ کو مضافات کے دیہہ وقف اور جلابیہ نامی قصبے میں چلا گیا۔ یہیں اسیر خلیفہ کو طلب کیا گیا۔ خلیفہ کو آثار سے اپنے قتل اور تباہی کا یقین ہو گیا۔ سو اس نے اپنے وزیر ابن العلقمی سے تدبیر پوچھی اس نے طنزآمیز جواب دیا۔ خلیفہ نے غسل کی اجازت چاہی تو پانچ منگول سپاہیوں کی موجودگی میں دی گئی۔ خلیفہ نے اس موقع پر اپنی بدحالی پر کچھ پُراثر اشعار بھی پڑھے اور اسی دن سورج ڈھلتے اس کا ولی عہد خلافت اور پانچ خدام کے ساتھ کام تمام کر کے بنوعباس کے ڈھلتے سورج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈوبا دیا گیا ۔

بہا لے گئی سیلِ تاتار اُن کو

شیخ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں:

خلیفہ کے متعلق عام طور پر مشہور ہو چکا تھا کہ اگر اس کا خون زمین پر گرا تو کوئی بڑی آفت آئے گی، ہلاکو کو تردد تھا، نصیرالدین طوسی نے کہا کہ یہ کچھ مشکل بات نہیں، خلیفہ کا خون نہ بہایا جائے بلکہ دوسری طرح اس کی جان لی جائے۔ چنانچہ اس کو فرش میں لپیٹ دیا گیا اور ٹھوکروں اور لاتوں سے اسے ختم کر دیا گیا۔[2]

المستعصم کے تین بیٹے تھے۔ بڑا الامیر الکبیر ابوالعباس احمد، اسے عوام ابوبکر کہتے تھے کیونکہ کرخ کے شیعوں کے خلاف تادیبی کاروائی اسی سے منسوب کی جاتی ہے، سو یا تو شیعوں نے طنزاً اسے ''ابوبکر'' کا لقب دیا یا پھر سنیوں نے شیعوں کی پامالی پر اس کی عزت افزائی کی غرض سے اسے اس نام سے موسوم کیا۔ ابوالعباس ۴ ر صفر ۶۵۶ھ کو اپنے والد، بھائیوں اور تین ہزار سادات، ائمہ، قضاۃ، اکابر و اعیان کے ہمراہ ہلاکو کے معسکر میں آیا۔ اور ۱۴ ر صفر کو باپ اور پانچ خدام کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی جو عباسی بھی ہاتھ لگا شہید کر دیا گیا۔ خلیفہ کا دوسرا بیٹا الامیر الاوسط ابوالفضائل (یا حسب روایت رشیدالدین ابوالفضل) عبدالرحمن بڑا بہادر اور باصلاحیت تھا۔ ہلاکو کے سامنے جب اسے پیش کیا گیا تو وہ بھی اس کی جرأت اور شجاعت و قابلیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ بھی باپ کے ساتھ ۴ ر صفر کو ہلاکو کے معسکر میں آیا اور گرفتار ہوا اور بروز جمعہ ۱۶ ر صفر ۶۵۶ھ کو درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ خلیفہ کا تیسرا بیٹا الامیر الصغیر ابوالمناقب مبارک بھی

1۔ البدایہ والنہایہ، اردو ترجمہ حالات ۶۵۶ھ

2۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۵ ص ۱۱۴، ۱۱۵ بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

باپ کے ساتھ منگولوں کی قید میں آیا۔اسے ہلاکو کی بیوی اولجائی خاتون نے جان بخشی کرا کے مراغہ بھجوا دیا۔خواجہ طوسی کو اس کی تربیت کا حکم دیا اور اس کی شادی ایک منگول خاتون سے کر دی جس سے اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔خلیفہ کی بیٹیاں منگولوں کے ہاتھوں اسیر ہوئیں اور بعد میں ان کی شادیاں مسلمان امراء کے بیٹوں سے کی گئیں۔[1]

دار الخلافتہ کے استاذ شیخ محی الدین یوسف بن شیخ ابو الفرج ابن الجوزی کو بھی قتل کر دیا گیا، کیونکہ وزیر ابن العلقمی سے ان کی دشمنی تھی۔پھر اس کے تینوں بیٹوں عبداللہ، عبدالرحمن اور عبدالکریم اور اکابر حکومت کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا گیا، جن میں دیودار صغیر مجاہد الدین ایبک، شہاب الدین سلیمان شاہ اور امرائے اہل سنت اور اکابر شہر کی ایک جماعت بھی شامل تھی، ہلاکو نے ان سب کو عبرتناک طریقے سے قتل کیا، بعد ازاں دار الخلافتہ سے بنوعباس کے ایک شخص کو بلایا جاتا اور وہ اپنی اولاد اور بیویوں سمیت آتا اور اسے الخلال کے قبرستان میں تماشا گاہ کے سامنے لے جایا جاتا، جہاں اسے بکری کی طرح ذبح کر دیا جاتا، اس مقتول کی بیٹیوں اور لونڈیوں میں سے جسے تاتاری پسند کرتے قیدی بنا لیا جاتا، شیخ الشیوخ مؤدب الخلیفہ صدر الدین علی بن النیار کو بھی قتل کر دیا گیا، نیز خطباء ائمہ اور حفاظِ قرآن کو بھی قتل کر دیا گیا اور کئی ماہ تک بغداد میں، مساجد، جماعات اور جمعہ کی نمازیں معطل رہیں اور وزیر ابن العلقمی نے (خدا اس پر لعنت کرے) کوشش کی کہ وہ بغداد میں مساجد، مدارس اور خانقاہوں کو بیکار کر دے اور رافضیوں کے محلات اور مزارات کو قائم رہنے دے۔نیز یہ کہ وہ رافضہ کے لیے ایک عظیم مدرسہ تعمیر کرے اور وہ اپنے علم اور علَم کو وہاں پھیلائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی طاقت نہ دی بلکہ اس کی آسودگی کو ختم کر دیا اور اس واقعہ کے چند ماہ بعد اس کی عمر کا خاتمہ کر دیا، اور اس کے پیچھے اس کے بیٹے کو بھی بھیج دیا اور وہ دونوں دوزخ کے نچلے گڑھے میں اکٹھے ہو گئے۔واللہ اعلم[2]

بغداد اپنی تباہی کے چالیس دن بعد

علامہ ابن کثیرؒ کے مطابق جب امرِ مقدر گزر گیا اور چالیس دن بھی گزر گئے، تو بغداد اپنی چھتوں کے بل گرا پڑا تھا۔اور وہاں کوئی شاذ آدمی ہی تھا اور راستوں میں مقتولین ٹیلوں کی طرح پڑے تھے اور ان پر بارش ہوئی اور ان کی شکلیں بدل گئیں اور شہر ان کی مردار لاشوں سے بدبودار ہو گیا، اور ہوا بدل گئی جس کے باعث سخت بیماری پیدا ہو گئی، حتیٰ کہ وہ متعدی ہو کر ہوا میں سرایت کر کے بلادِ شام کو چلی گئی اور فضا کے بدل جانے اور ہوا کے خراب ہو جانے سے بہت سے لوگ مر گئے اور لوگوں پر گرانی، وبا، فنا اور طاعون اکٹھی ہو گئی۔اناللہ وانا الیہ راجعون

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو بغداد میں امان کا اعلان کیا گیا، جس کے نتیجہ میں وہ لوگ جو زیر زمین، زمین دوز قید خانوں، گڑھوں اور قبرستانوں میں پوشیدہ تھے باہر نکل آئے اور جب انہیں ان کی قبریں اکھیڑ کر نکالا گیا تو وہ مردوں کی طرح تھے اور انہوں نے ایک دوسرے کو نہ پہچانا اور باپ اپنے بیٹے کو اور بھائی اپنے بھائی کو نہ پہچانتا تھا، پھر انہیں سخت بیماری نے

1۔ جامع التواریخ ۳:۵۹ تا ۶۱۔والفخری ۲۴۴

2۔ البدایہ والنہایہ، اردو ترجمہ حالات ۶۵۶ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آلیا، اور وہ فنا ہو گئے اور اپنے پہلے مقتولین کے ساتھ جا ملے۔

سلطان مسلط ہلاکو خان اس سال کے جمادی الاولیٰ میں بغداد سے اپنے ملک کے ہیڈکوارٹر کو کوچ کر گیا اور بغداد کے علاقے کو امیر علی بہادر کے سپرد کر دیا۔ اور اس نے اسے الشحنکیہ اور وزیر ابن العلقمی کے سپرد کر دیا، مگر اللہ نے اسے مہلت نہ دی اور نہ اسے چھوڑا، بلکہ اسے جمادی الآخر ۶۶۳ھ کے آغاز میں مقتدر غالب کی طرح گرفت میں لے لیا اور اسے انشاء اور ادب میں فضیلت حاصل تھی، لیکن وہ سخت شیعہ اور خبیث رافضی تھا، پس وہ غم واندوہ اور ندامت سے مر گیا اور موت نے اس کے کجاوے کو گرا دیا، اس کے بعد اس کے بیٹے عزالدین بن الفضل محمد نے وزارت سنبھالی اور اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اس سال کے باقی ماندہ ایام میں اس کے باپ کے ساتھ ملا دیا۔

۴ر صفر سے پہلے شہر کے باہر جو میدانِ کارزار گرم رہا اس میں اَن گنت جانیں گئیں۔ اس دوران میں ہلاکو نے دوات دار مجاہد الدین ابوالسیامن اور سلیمان شاہ کو جھوٹی تسلی دے کر شہر میں واپس بھیجا کہ اپنے آدمیوں کو لے کر باہر آئیں تاکہ انہیں شام روانہ کیا جائے۔ اس فریب میں آ کر بقول رشید الدین "خلقے بے اندازہ" گلوخلاصی کی اُمید میں شہر سے باہر دواتدار اور سلیمان شاہ کے گرد جمع ہو گئی۔ ان سب کو ہزار، سو اور دس کی ٹولیوں میں بانٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پھر دواتدار اپنے متبعین و متعلقین کے ساتھ ۱۶ر صفر کو اور بعد ازاں سلیمان شاہ سات سو افراد کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ اسی طرح ۴ر صفر کو ہلاکو نے خلیفہ کو طفل تسلی دے کر یہ اعلان کرا دیا کہ لوگ ہتھیار ڈال دیں اور شہر سے نکل آئیں تاکہ انہیں شمار کیا جا سکے۔ جب لوگ اس وعدہ پر باہر آئے تو ان سبھوں کو منگولوں نے تہ تیغ کر دیا۔ خلیفہ کی گرفتاری کے بعد ۷ر صفر ۶۵۶ھ کو باقاعدہ قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہوا۔ منگولوں کے مؤرخ رشید الدین کا مجبور قلم صرف اتنا لکھ کر دریا کو کوزہ میں بند کر گیا ہے:

"ولشکر بیک بار در شہر افتادند و تر و خشک می سوختند مگر خانہ معدودے چند از ارکاد ناں و بعضے غرباء"

یعنی "منگولوں کا لشکر یک بارگی ہلہ کر کے شہر میں گھس آیا۔ جو بھی ہاتھ لگا اسے انہوں نے جلا کر راکھ کر دیا۔ صرف عیسائی پادریوں اور باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے گھر اس لوٹ مار سے بچ سکے۔"

مختصر یہ کہ شہر خاک کا ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ قصر خلافت کی غارت گری پر منگول سردار سونجاق مامور ہوا تھا اس نے سب کچھ ضبط کر کے شہر سے باہر معسکر منگول میں بھجوا دیا اور چھ سو سال کے طویل عرصے میں جو زر و مال اکٹھا کیا گیا تھا اسے انبار کر کے بغداد کے باہر لے جایا گیا۔ شہر کے بیشتر محلے اور مقدس مقامات جلا دیئے گئے۔ انہی میں بغداد کی جامع مسجد، امام موسیٰ کاظمؒ اور امام محمد جواد کا روضہ اور رصافہ کے مقابر بھی تھے جن کی بے حرمتی کی گئی اور جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ شہر کے علماء، مشائخ و سادات کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ صرف خلیفہ کے ہمراہ ہلاکو کے ہاں جانے والے ایسے تین ہزار معززین کو ۱۵ر صفر کو باب کلواذئی کے سامنے موت کی نیند سلا دیا گیا۔ خاندانِ عباسی کا جو نام لیوا مِلا اسے تلوار کی دھار پر رکھ لیا گیا۔ اس خاندان کے صرف معدودے چند افراد جو کسی شمار قطار میں نہ تھے جان سلامت لے جا سکے۔ خلیفہ کے بڑے بیٹے احمد کو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

باپ کے ساتھ شہید کیا گیا۔ اور دوسرے بیٹے عبدالرحمن کو اس کے تیسرے دن یعنی ۱۶ رصفر کو ابدی نیند سلا دی گئی۔ بیس لاکھ آبادی کا شہر اپنی اسی فیصد (۸۰ فیصد) آبادی سے محروم ہوگیا، شہر کی عالی شان عمارتیں، باعظمت مساجد اور مقدس روضے زمین دوز کر دیئے گئے بیشمار کتابیں جلادی گئیں اور دارالسلام، قبۃ الاسلام و مرکز خلافت تہس نہس ہوگیا۔ اتابکان شیراز کے مدح خواں سعدی، جس کا آقا منگولوں کا نمک خوار تھا اور جس نے بغداد کی تباہی پر ہلاکو کو مبارکباد دینے کی نیت سے مراغہ کا سفر کیا تھا، اس واقعہ پر چیخ اٹھا اور عربی اور فارسی میں نہایت جاں سوز و دل دوز مراثی لکھے:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنیں
اے محمد گر قیامت سر بروں آری زِ خاک
سر بروں آرو قیامت درمیان خلق بیں

جب شہر میں لاشوں کے انبار لگ گئے، بدبو سے شہر کے باہر ٹھہرنا بھی ممکن نہ رہا تو ہلاکو نے وہاں سے اپنا پڑاؤ اٹھایا اور دیہہ وقف و جلابیہ میں تھوڑا ٹھہر کر خلیفہ و اعیان خلافت کا کام تمام کیا اور پھر واپسی کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ ان حالات میں خواجہ نصیرالدین طوسی کا ڈھونگ رچانا اور فرمانا کہ اہل شہر کو امان دی گئی اور شہر کی آبادی کا حکم دیا گیا:

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

سے زیادہ نہیں۔ بغداد کی لوٹ مار کا مال آذربائی جان کے علاقہ کوہ تلہ پر کہ اورمی و سلماس کی ندی پر تھا، ایک مضبوط و بلند عمارت بنوا کر محفوظ کر لیا گیا۔ (تفصیل کے لئے رشیدالدین کی جامع التواریخ وصاف اور دوسری معاصر کتب سے رجوع کریں)۔[1]

مسلمانوں کے علمی ورثہ کی تباہی

جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ بغداد کی ساری دولت لٹ گئی لیکن اس ساری دولت سے بڑھ کر علم و فضل کی بے انداز دولت تھی جو کتابوں کی شکل میں محفوظ کی گئی تھی۔ کتابیں جلادی گئیں اور کچھ دجلہ میں پھینک دی گئیں۔"

قطب الدین الحنفی لکھتا ہے:

"شائقینِ علوم و فنون نے اس واقعہ سے پہلے اس قدر علمی ذخیرہ جمع کیا تھا کہ جس وقت تاتاریوں نے مدارس کی کتابوں کو دریائے دجلہ میں ڈال دیا تو اس سے ایک پل تیار ہوگیا جس پر سے سوار اور پیدل بخوبی گزر سکتے تھے اور قلمی مخطوطوں کی سیاہی کی وجہ سے دریا کا پانی بالکل سیاہ ہوگیا۔"

1۔ مقالاتِ تاریخی از پروفیسر علی محسن صدیقی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مسلمانوں کا یہ عظیم الشان شہر جو صدیوں خلافت کا صدر مقام تھا، علم وفن کا مرکز، علماء اور فقہاء کا مرجع، دولت و ثروت کا مخزن تھا، وہ تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ بیس لاکھ کی آبادی میں سے صرف چار لاکھ بچ رہے جس میں زیادہ تعداد شیعہ کی تھی، سوا پانچ صدی کے بعد دولتِ بنی عباس کا خاتمہ مستعصم کی ذات پر ہوا، ۱۹ر محرم ۶۵۶ھ کو باب کلواذی کی جانب برج عظمیٰ پر مغلوں کا پرچم لہرایا گیا۔ عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنا چاہا مگر ہلاکو نے ٹھکرا دیا۔

ابن علقمی کا کردار اور حشر

ہلاکو خان نے ابن عمران کو بغداد کا حاکم بنا کر ابن علقمی کو اس کا چپراسی مقرر کیا اور علی بہادر کو شحنہ بغداد کیا۔ صفی الدین بن عبدالمومن شیعی نے بھانڈ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور گانا سنا کر ہلاکو کے ہاتھوں جان بچائی بلکہ انعام واکرام حاصل کیے۔ محقق طوسی کی فرمائش پر شیعوں کی جان بخشی ہوئی اور ان کے محلے لوٹ سے بچ رہے۔

ہلاکو خان قصر مامونیہ میں جو مشرقی بغداد میں تھا خود ٹھہرا۔ تمام شاہی خاندان کے افراد گرفتار کر لیے گئے اور سب کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ پھر شہر میں آگ لگا دی گئی۔ اس آگ نے خلیفہ کی مسجد، امام موسیٰ کاظم کا مشہد رصافہ کا شاہی قبرستان اور بڑی بڑی عمارتوں کو خاکستر کر دیا اور چند روز میں یہ بہشت ارضی (بغداد) کھنڈرات نظر آنے لگا۔

وکان ما کان ممّا لست اذکرہٗ

فظن خیر اولا تسأل عن الخبر

''اس دن جو کچھ ہوا میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا، تم گمان اچھا ہی رکھو اور حالات کو نہ پوچھو۔''

موید الدین ابو طالب محمد بن احمد علقمی ادب کتابت و مراسلہ نگاری میں ممتاز تھا، کتابوں کا شوقین تھا اور اس کا نجی کتب خانہ دس ہزار کتابوں پر مشتمل تھا۔ وہ علماء کی سرپرستی کے لئے بھی شہرت رکھتا تھا۔ اور ابن ابی الحدید سے نہج البلاغہ کی ضخیم شرح اُسی نے لکھوائی تھی۔ آخری عباسی خلیفہ المستعصم باللہ نے اپنے باپ کے کے وزیر نصر الدین احمد کے انتقال کے بعد اسے وزارت کے منصب پر فائز کیا اور وہ انتزاع خلافت عباسیہ تک اس عہدہ پر بنا رہا۔ خلیفہ کی شہادت اور اس کے خاندان کی تباہی کے بعد بھی ابن العلقمی ۲ر جمادی الاخرہ ۶۵۶ھ یعنی سقوطِ خلافت کے چار ماہ بعد اپنی موت تک منگولوں کی جانب سے بغداد کا وزیر رہا۔ اس کی موت کے بعد یہ منصب اس کے بیٹے شرف الدین ابوالقاسم کو عطا کیا گیا۔ بغداد پر ہلاکو کے قبضے کے بعد جب شہر میں آگ اور خون کا کھیل کھیلا جا رہا تھا وہی وزیر تھا، ابن العلقمی پر عباسی عہد کے مورخین غداری کا الزام لگاتے ہیں کہ وہ در پردہ ہلاکو سے ملا ہوا تھا۔ اور خلیفہ کی باتوں سے اُسے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے بغداد کی سپاہ کو منتشر کرایا تھا۔ اپنے غلط مشوروں سے خلیفہ کو تاریکی میں رکھا۔ اور بغداد پر ہلاکو کو آسانی سے قابض کرا دیا، اس کے بعد اس نے اہل بغداد کے قتل عام میں حصہ لیا اور خلیفہ کو مروانے میں بھی اس کا مشورہ شامل تھا۔ ابن خلدون نے تو یہاں تک لکھا ہے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کہ خلیفہ کی لاش پر بھی ابن العلقمی کو ترس نہ آیا اور اس نے اسے اپنے پاؤں سے روند کر دشمنی کی آگ بجھائی۔ شیعہ مؤرخ ابن الطقطقیٰ نے الفخری میں ابن العلقمی کے خلاف اس الزام کا ذکر کیا ہے، مگر اس کی صحت سے اس بناء پر انکار کیا ہے کہ اگر وہ غدار ہوتا تو ہلاکو جیسا شخص اس پر اعتماد کر کے اس کے درجات بلند نہ کرتا۔ ابن الطقطقیٰ کی یہ دلیل عجیب ہے کہ جو بات الزام کے ثبوت میں پیش کی جارہی ہے اُسی سے وہ الزام کی تردید کرنا چاہتا ہے۔ یہ اعتماد جو ابن العلقمی پر ہلاکو کو تھا وہ اس کی وفاداری و خلافت کے خلاف سازش کا ثمرہ ہی تو تھا، منگولوں کے مورخ رشید الدین کو اس امر کا اقرار ہے کہ خواجہ طوسی نے ہلاکو کو خلیفہ کے قتل اور بنو عباس کی بربادی کا مشورہ دیا تھا۔ ابن الطقطقیٰ نے بھی خواجہ کا نام لئے بغیر اس کا اعتراف کیا ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ وزیر اور خواجہ میں گاڑھی چھنتی تھی اور دورانِ محاصرہ ان کی طویل ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں۔ بغداد کے امراء بھی شہر کی تباہی سے کم از کم دو سال پہلے یعنی ۶۵۴ھ میں بھی ابن العلقمی پر ہلاکو سے ساز باز اور منگولوں کے لئے جاسوسی کرنے کے الزام لگاتے تھے اور رشید الدین نے بھی اس کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ خواجہ بھی دبی زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اس لئے ابن العلقمی پر خلافت کی تباہی، بغداد کی بربادی اور مسلمان کے قتل عام کی سازش کا الزام درست معلوم ہوتا ہے۔ 1

علامہ ابن کثیرؒ ابن علقمی ملعون کی موت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وہ خبیث رافضی، اسلام اور اہلِ اسلام کے بارے میں بُری نیت رکھتا تھا اور اسے مستعصم کے زمانے میں اس قدر تعظیم اور وجاہت حاصل تھی جو کسی دوسرے وزیر کو حاصل نہ تھی، پھر اس نے اسلام کے خلاف مدد دی اور اس کے ساتھی کفار ہلاکو خان تھے، حتیٰ کہ اس نے اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کا ذکر پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پھر اسے ان تاتاریوں کے ہاتھوں جن کی اس نے مدد کی تھی، ذلت اور اہانت پہنچی اور اس سے اللہ کا پردہ ہٹ گیا اور اس نے دنیاوی زندگی میں رسوائی کا مزا چکھا اور آخرت کا عذاب بڑا سخت اور باقی رہنے والا ہے۔ اور اسے ایک عورت نے دیکھا کہ وہ تاتاریوں کے زمانے میں ذلت و رسوائی کی حالت میں ایک ٹٹو پر سوار تھا اور اس پر نشان لگا ہوا تھا اور اسے ایک ہانکنے والا ہانک رہا تھا، اور اس کے گھوڑے کو مار رہا تھا اور وہ اس کے ایک طرف کھڑے ہو کر اسے کہنے لگی: اے ابن العلقمی! بنو عباس اس طرح تیرے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے؟ یہ بات اس کے دل میں گڑ گئی اور وہ اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گیا، یہاں تک کہ غم، دھوکے، تنگی اور قلت و ذلت میں اس سال کے جمادی الآخرہ کے آغاز میں مر گیا اور اس کی عمر ۶۳ سال تھی، اسے روافض کی قبور میں دفن کیا گیا اور اس نے اپنے دونوں کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی ایسی اہانت دیکھی جو بیان نہیں کی جاسکتی اور اس کے بعد اس کے خبیث بیٹے نے وزارت سنبھالی، پھر اللہ تعالیٰ نے ظالم بستیوں کی طرح اسے جلد ہی پکڑ لیا اور ایک شاعر نے اس کی ہجو کرتے ہوئے اس کے بارے میں کہا ہے ؎

”اے فرقہ ہائے اسلام نوحہ کرو اور افسوس کے ساتھ اس مصیبت پر جو مستعصم پر نازل ہوئی ہے مذبہ کرو۔
وزارت کا صدر مقام اس کے زمانے سے قبل ابن فرات کے لیے تھا، پس وہ ابن العلقمی کے لئے ہو گیا“۔ 1

1۔ ملاحظہ فرمایئے الفخری ص ۱۰۲، ۲۴۹۔ جامع التواریخ ج ۳ ص ۳۹، ۴۰، ۴۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بغداد کے محاصرہ کے دوران میں حلہ شیعوں کا گڑھ تھا، کچھ علوی صاحبانِ عقل و دانش (چند علوی دانشمند) ہلاکو کی خدمت میں حاضر ہوئے، اطاعت قبول کی اور منگولی شحنہ کی تقرری کی درخواست کی۔ ہلاکو نے دو افراد کو حلہ کی امارت پر مقرر کر کے علویان دانش مند کے ہمراہ کر دیا۔ بعد ازاں ہلاکو نے اہل حلہ کی وفاداری کے امتحان کے غرض سے اپنے برادر نسبتی بوقا تیمور کو کہ اولجائی خاتون کا بھائی تھا، ایک فوج کے ساتھ حلہ بھیجا۔ حلہ والوں نے دریا پر پل باندھ کر منگولی لشکر کا شاندار استقبال کیا۔ بوقا تیمور نے ان لوگوں کی ثابت قدمی دیکھ کر ۱۰/صفر ۶۵۶ھ کو وہاں سے کوچ کیا۔[2]

حلہ کی آبادی اہل تشیع پر مشتمل تھی اور ہر چند کہ وہ عباسیوں کے ماتحت تھے، مگر باہمی تعلقات کی نوعیت دگرگوں ہی رہی۔ عباسیوں کو کمزور یا مشغول پا کر اہل حلہ ان کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکتے۔ ان کے دشمنوں کی مدد کرتے اور ان کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اسی طرح عباسی جب ان پر قابو پاتے انہیں تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے، مثلاً ۵۵۲ھ میں سلطان محمد سلجوقی نے بغداد کا محاصرہ کیا تو عباسی خلیفہ المقتفی کے خلاف اہل حلہ نے سلجوقیوں کی مدد کی، اس کا انتقام لینے کی غرض سے المقتفی کے جانشین المستنجد نے ۵۵۸ھ میں حلہ پر حملہ کیا۔ اور یہاں آباد بنی اسد کو شکست دے کر شہر سے نکال دیا۔[3]

خواجہ نصیر الدین طوسی کا ایک خط

ہم اپنے مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک مکتوب کا ذکر کرنا چاہیں گے جو ہلاکو کے حکم سے خواجہ نصیر الدین طوسی نے عربی زبان میں اہل حلب کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں بغداد پر منگولوں کے تسلط، المستعصم اور اس کی فوج کی تباہی کا ذکر کر کے اہل حلب کو ڈرایا گیا تھا کہ وہ بغداد کے حشر سے عبرت پکڑیں اور جادۂ اطاعت سے انحراف نہ کریں۔ اس خط کے بیشتر فقرے قرآنی آیات سے ماخوذ ہیں اور قرآن میں اہل ایمان کے لئے جو فقرے اور کلمے استعمال ہوئے ہیں، خواجہ نے انہیں ہلاکو اور اس کی سپاہ کے لئے اور جو کلمے اور فقرے اہل شرک و کفر کے حق میں استعمال ہوئے ہیں، انہیں المستعصم باللہ اور مظلوم مسلمانوں کے لئے مخصوص کیا ہے۔ خواجہ نے مکتوب کے اخیر میں ہلاکو کی اطاعت کو راہ ہدایت کا اتباع قرار دیا ہے۔ یہ مکتوب خواجہ کے تملق و تعصب کی بدنما مثال ہے، ہم جامع التواریخ کی تیسری جلد صفحہ ۶۳ سے اسے بلفظہٖ نقل کر کے اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں، یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مکتوب ہلاکو کی جانب سے لکھا گیا ہے۔ اس میں متکلم کی ضمیر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے استعمال کی ہے۔ لیکن خواجہ نے اسے ہلاکو کے لئے استعمال کیا ہے۔ فشتان ما بینھما۔

اما بعد فقد نزلنا بغداد سنة ست و خميس وست مأة فساء صباح المندرين، فدعونا مالكها

1۔ البدایہ والنہایہ، واقعات ۶۵۶ھ بیان موت ابن العلقمی

2۔ جامع التواریخ ج ۳ ص ۶۲، ۶۳

3۔ الکامل لابن الاثیر بر مواقع یعنی سنین مذکورہ کے تحت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

والبی، فحق علیه القول، فاخذناہ اخذاً وبیلا وقد دعوناک الی طاعتنا، فان اتیت فروح وریحان وان ابیت فخری وخسران فلاتکن کالباحث عن حتفه بظلفه والجارع مارن انفه بکفه فتکون من الاخسرین اعمالاً الذین ضلّ سعیهم فی الحیاۃ الدنیا وهم یحسبون انّهم یحسنون صنعًا وما ذالک علی اللّٰه بعزیز، والسّلام علٰی من اتبع الهدٰی۔

''حمد وثنا کے بعد۔ ہم ۶۵۶ھ میں بغداد پہنچے (پڑاؤ کیا) پس وہ لوگ جو عذاب سے ڈرائے گئے تھے ان کی صبح بڑی بُری ہوئی، ہم نے (بغداد) کے مالک (مستعصم) کو (صلح واطاعت کی جانب) بلایا مگر اس نے (ہماری اطاعت قبول کرنے سے) انکار کیا، سو اس پر بات ثابت ہوگئی اور ہم نے اسے سخت گرفت میں لیا (اے حاکم حلب) ہم تجھے اپنی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تو مطیع ہو کر ہماری خدمت میں حاضر ہوگا تو تیرے لئے مسرت وشادمانی ہے اور جو تو نے (ہماری اطاعت سے) انکار کیا تو تیرے واسطے ذلت وخواری (خسارہ) ہے تو اس کی طرح نہ بن جو اپنی موت (قبر) اپنے کھر (پاؤں) سے کھودتا ہے اور اپنی ناک کا سرا (پھنگ نرمہ) اپنے بازو (ہاتھ) سے کاٹتا ہے، یوں تو ان لوگوں میں سے ہوگا جو اپنے اعمال کے لحاظ سے بڑے گھاٹے میں رہتے ہیں، اس دنیوی زندگی میں ان کی کی کرائی محنت اکارت جاتی ہے حالانکہ وہ (اپنی نادانی سے) یہ سمجھتے ہیں کہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ کے لئے یہ کوئی دشوار بات نہیں ہے (کہ جسے چاہے سیدھا راستہ دکھائے) اور سلامتی ہے اس کے لئے جو ہدایت کی راہ (ہلاکو کی اطاعت) اختیار کرتا ہے۔''[1]

دیگر بلاد کا حشر

ہلاکو نے انتظامِ بغداد کے بعد محقق طوسی سے فرمان لکھوا کر مختلف ممالک میں بھیجے۔ ملک کامل ناظم حلب نے جس نے خلیفہ کی مدد کے لئے فوج بھیجی تھی۔ مگر خلیفہ کی شکست کی خبر سن کر واپس ہوگئی تھی لڑائی کا سامان تیار کیا۔ ہلاکو نے ملک کامل کے مقابلہ کے لئے بشمت کو فوج دے کر بھیجا۔ ملک کامل گھبرا گیا اور خزانہ وغیرہ چھوڑ کر قلعہ انکلیک ویمانیہ میں جا کر پناہ لی۔ بشمت حلب پہنچا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ بشمت شہر پر قابض ہوگیا۔ حلب کا بڑا خزانہ اس کے ہاتھ آیا۔

دوسری طرف ہلاکو نے کیدلوقا کو فوج دے کر شام بھیجا۔ اہل شام خوف زدہ ہوگئے۔ ملک ناصر الدین کی دمشق کی رائے سے کچھ امراء وادی رمل چلے گئے۔ جب دمشق والوں نے مقابلہ کی تاب نہ پائی تو اطاعت قبول کی۔ کیدلوقا سات مہینے یہاں رہا۔ ناصر الدین نے قاہرہ کے حاکم ملک ظفر کو مدد کے لئے لکھا۔ ادھر علامہ تقی الدین حرانی نے تاتاریوں کے مظالم دیکھ کر مسلمان عوام میں وعظ کہہ کر جہاد کے لئے جذبہ پیدا کر دیا۔

1۔ ماہ نامہ الولی، حیدر آباد ۱۹۸۷ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حاکم قاہرہ نے فوج بھیجی۔ علامہ معہ مجاہدین کے فوج میں شامل تھے آ کر فوج تاتاری کے مقابل ہوئے اور کیدلوقا کو تلوار پر رکھ لیا۔ ہزار ہا تاتاری کھیت رہے اور اس کو شکست فاش اٹھانا پڑی۔ ہلاکو دربند پر حملہ آور ہوا اور ہر کہ انمول کی فوج کو تہ تیغ کیا۔ پھر موصل، دیار بکر وغیرہ بھی فتح کر لیے۔ مراغہ جا کر اس نے محقق طوسی سے ۶۵۷ھ میں شمالی رخ رصد تیار کرائی۔

اس کی تیاری کے لئے نجم الدین کاتب کو قزوین سے، مؤید الدین عرصی کو دمشق سے، فخر الدین مراحی کو موصل سے اور فخر الدین اعلاطی کو تفلیس سے بلوایا۔ یہ رصدگاہ تعمیر ہوگئی تو ہلاکو نے سب کو انعامات عطا کئے۔ ۶۶۳ھ میں ہلاکو فوت ہوا۔ بہت سی حسین لڑکیوں کے ساتھ دفن کیا گیا تا کہ اس کی روح کو تسکین ہو۔ [1]

ارکانِ سلطنتِ ہلاکو

سوغونجاق نو میں وزیر ہلاکو تائجو کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہوا تھا۔ تائجو امیر العسکر، قیفبتائی، تنفور، سلوک سفرائے ہلاکو خان۔ کیدلوقا وزیر جنگ، علماء میں علاء الدین، شمس الدین کرت، نصیر الدین طوسی اس کے مشیر کار تھے۔

آخری عباسی خلیفہ مستعصم کے ذاتی اوصاف

مستعصم میں بہت زیادہ اخلاقی خوبیاں تھیں مگر ابن علقمی نے اس کو عیش وعشرت پر لگا دیا تھا۔

مستعصم احسان فراموش نہ تھا۔ نیک سیرت، متدین، نرم خو، نیک طبیعت، گفتگو میں محتاط، خوش اخلاق اور مرنجاں مرنج انسان تھا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فہم وفراست سے بڑی حد تک بے بہرہ، فوجی صلاحیتوں سے عاری، امورِ سلطنت سے بے خبر، لالچیوں کی امیدگاہ اور بے رعب ودبدبہ کا خلیفہ تھا اور معاملات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اس کا زیادہ وقت نغمہ وسرود اور مسخروں کی صحبت میں گزرتا تھا۔

علامہ طقطقی اس کے اوصاف یہ لکھتے ہیں:

> "مستعصم میں خوبیاں بہت تھیں۔ نیک فطرت، نرم خو، شیریں زبان، پاک باز وخوش خلق، مگر اوصاف جہاں بانی سے کورا تھا۔ طبیعت کا کمزور، رائے کا کچا اور مملکت سے نابلد، رعب داب نہ تھا۔ اس کا مشغلہ ہنسی، مذاق اور تفریح تھا۔ اس کا مصاحب وحاشیہ نشین ادنیٰ درجہ کے جاہل عوام تھے"۔ [2]

ذیل میں عباسی خلفاء کا شجرہ دیا گیا ہے جس سے ان واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

1۔ ملخص از البدایہ والنہایہ، (واقعات ۶۶۳ھ)

2۔ الفخری ص ۲۶۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شجرۂ خلفاء عباسی

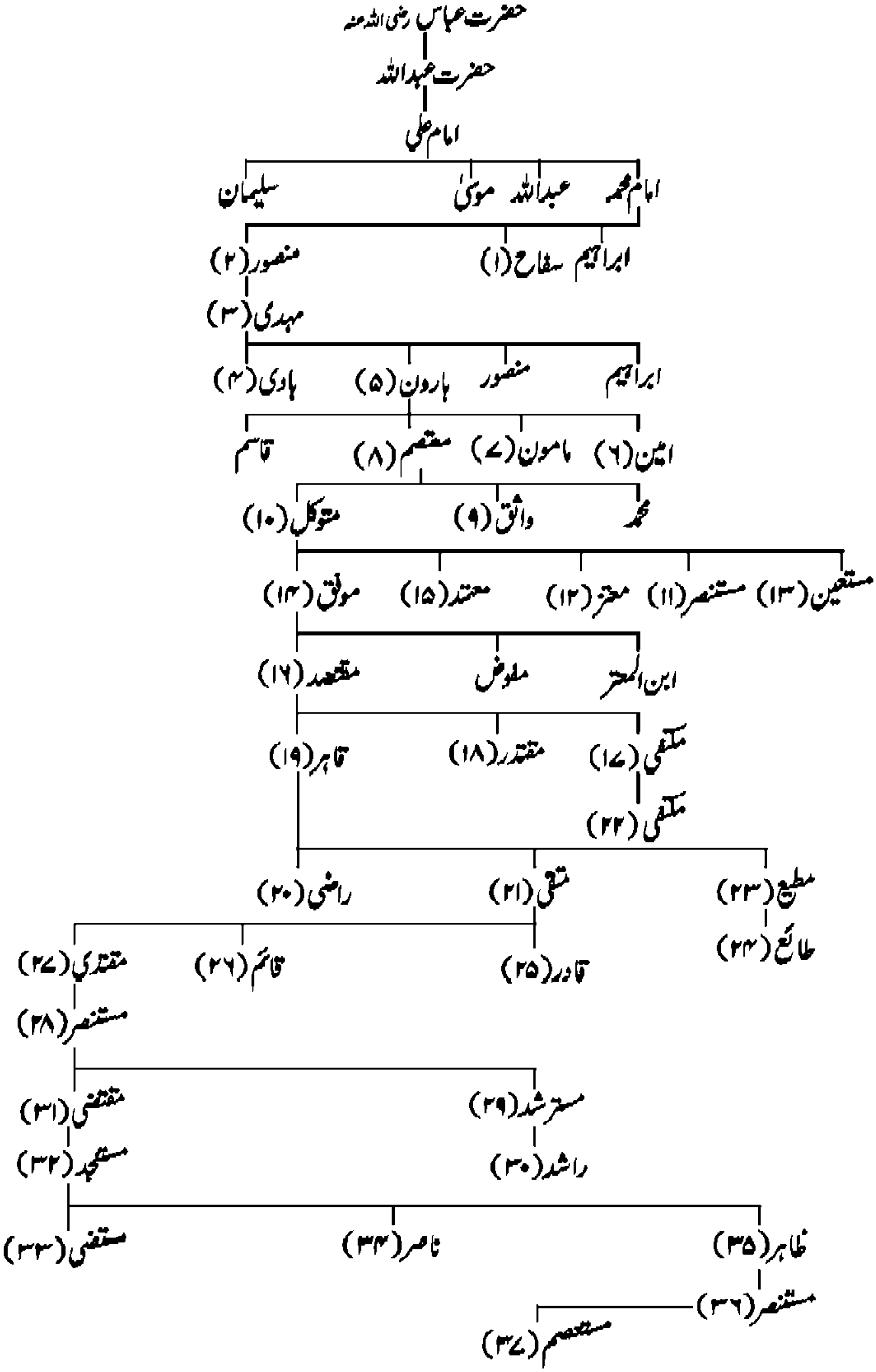

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بغداد، مابعد

بغداد پر تاتاری سیلاب ۶۵۶ ہجری کے بعد مسلمانوں کا دارالسلطنت پھر نہ بن سکا۔ ایک عرصہ تک جلائر خاندان کے سردار شیخ حسن بورزگ بغداد پر قابض ہوگیا۔ پچاس برس بعد ۱۳۹۳ء میں تیمور کا تسلط بغداد پر ہوگیا۔ جس وقت جانے لگا اپنی طرف سے گورنر مرزا ابوبکر کو کرتا گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد سلطان احمد جلائری پھر بغداد پر قابض ہوگیا۔ اس کی حکومت ۱۴۱۲ء تک رہی۔ پھر ترکمان شاہ سودا نے قبضہ کیا۔ ۱۴۶۹ عیسوی تک اس کے خاندان حکمران رہے۔ ترکمان شاہ بیضہ کے قبضہ میں آ گیا۔ ۱۵۰۸ء میں اسماعیل صفوی شاہِ ایران کی افواج بغداد میں داخل ہوئیں۔ ۱۵۳۴ء میں سلیمان قانونی کے دورِ حکومت میں ایک ترکی جنرل نے اس پر قبضہ کرلیا۔ عثمانیوں کی حکومت بغداد پر قائم ہوگئی۔ لیکن شاہ عباس کے زمانے میں ترکوں سے صفویوں نے پھر اسے چھین لیا۔ یہ بکر آغاز انکشاری کی غداری کا نتیجہ تھا۔ ۱۶۳۸ء میں ترکوں نے ایرانیوں سے اسے دوبارہ لے لیا۔[1]

سیاسی حالت

۶۵۶ ہجری میں خلافت عباسیہ ختم ہوئی۔ نظامِ خلافت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اب ہر طاقت ور حاکم مدعیٔ خلافت تھا، اس کو اب سند حکومت کی بھی ضرورت نہ تھی۔

فارس میں غازان مسلمان ہونے کے بعد سلطان اعظم، سلطان الاسلام والمسلمین بن گیا۔ شاہ رخ اور تونس کا حاکم ابوعبداللہ محمد حفصی نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ ابوعنان فارس مراکش کے خانوادہ مرینہ کے ایک فرد نے اپنے لئے خلیفہ امیر المومنین اور امام کا لقب اختیار کیا۔ سلطان علاؤالدین خلجی اور اوزن حسن ترکمانی بھی خلافت کے مدعی تھے۔ بلاد ماوراء النہر میں دولت ازبک کے بانی محمد شیبانی اور مصر کے مملوک سلاطین قائتبائی اور قالفوہ غوری نے بھی اپنے لئے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔

سقوطِ بغداد کے بعد عالمِ اسلام میں ہر طاقت ور اور ہر فرماں روا خلافت کا مدعی تھا۔

1۔ مسلمانوں کا نظامِ مملکت ص ۱۱۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

زوالِ خلافت عباسیہ کے اثرات[1]

"خلافت عباسیہ کا زوال کوئی معمولی حادثہ نہ تھا جس سے تاریخ کا طالب علم سرسری گزر جائے۔ یہ ایک خاندانِ حکومت کا زوال نہ تھا کہ خانوادہ ہائے حکومت کے عروج و زوال کی داستانوں سے کسی قوم یا ملک کی تاریخ خالی نہیں اور ایسا ہونا کبھی موجب حیرت و استعجاب نہیں سمجھا گیا ہے۔ بلکہ آل عباس کا زوال اور بغداد کا سقوط ایک ملت کا زوال، ایک تہذیب کا اختتام اور ایک دور کا خاتمہ تھا۔

تا تاریوں کے ٹڈی دل نے ایشیا کے وسیع و عریض خطوں کو پامال کر ڈالا، جدھر ان کا گزر ہوا تباہی اور بربادی کے ہولناک مناظر نگاہوں کے سامنے پھر گئے اور خاک و خون کے طوفان فضاؤں پر چھا گئے۔ چین کی عظیم شہنشاہیت ان وحشیوں کے ہاتھوں تہس نہس ہو گئی۔

خوارزم شاہوں کی باجبروت سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

بخارا، سمرقند، نیشاپور، اصفہان اور رے کے بارونق شہر خاک کے تودوں میں تبدیل ہو گئے۔

ساحر الموت کا سحر ان کی تیغ جہاں سوز سے ٹوٹا، اور یہ آشیانہ عقاب اجڑ گیا۔

ستر لاکھ فرزندانِ توحید خاک و خون میں مل گئے اور شاید چشم فلک نے خون انسانی کی اتنی ارزانی اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی ہو۔ اور اس خونی ڈرامے کا ڈراپ سین، جو دراصل ایک نئے المیہ کا افتتاحیہ تھا، اس وقت منظر عام پر آیا جب ہلاکو کے خونی دستے ہمدان کو پامال کرتے ہوئے دارالسلام، مدینۃ الاسلام بغداد کی جانب بڑھے، اور ۶۵۶ھ (مطابق ۱۲۵۸ء) میں قبۃ الاسلام گر گیا۔ بغداد کا عظیم الشان شہر وحشی تا تاریوں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور شہر کے دروازے پہلی بار ایک غیر مسلم حملہ آور کے لیے کھول دیے گئے۔ آخری عباسی خلیفہ امیر المومنین المستعصم باللہ اپنے بیٹوں اور علماء و عمائدین کی معیت میں سفید پرچمِ امن لیے ہلاکو کے لشکر گاہ میں داخل ہوا۔ خلیفہ اسلام کی پذیرائی کے لیے ذلت و رسوائی آگے بڑھیں اور قید و بند نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

ہلاکو کے حکم سے بقیۃ السیوف علماء کو مدرسہ مستنصریہ میں جمع کیا گیا اور ان کے سامنے ایک فتویٰ پیش کیا گیا کہ ان دونوں میں کون بہتر ہے؟ کافر بادشاہ عادل یا مسلم بادشاہ ظالم؟ حالات سے مجبور ہو کر ان علماء نے کافر بادشاہ عادل یعنی ہلاکو کو فضیلت کا فتویٰ دیا۔

1۔ پروفیسر علی محسن صدیقی کے مقالات سے ماخوذ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خلیفہ کے قتل اور خلافت کے انتزاع کا فیصلہ چنداں آسان نہ تھا، کہ یہ خیال عام تھا کہ اگر خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کیا گیا تو سورج تاریک ہو جائے گا اور دنیا تباہ ہو جائے گی۔ مگر اس عہد کے مشہور فلسفی اور عالم نصیر الدین طوسی نے کہ ہلاکو کے مشیر تھے اور بغداد سے پہلے الموت کی پامالی میں نمایاں حصہ لے چکے تھے، اس خیال کی تغلیط کی اور ۴ صفر ۶۵۶ھ کو مستعصم باللہ قتل کر دیا گیا۔

بادی النظر میں عوام کا یہ خیال ان کے واہمہ کا آفریدہ تھا اور دنیا پر کوئی مصیبت مستعصم باللہ کے قتل سے نہ نازل ہوئی۔ لیکن واقعات کے اسباب وعلل پر نظر رکھنے والے ارباب فکر نے محسوس کیا کہ مستعصم باللہ کی شہادت سے وحدت اسلامی کا سورج گہنا گیا، دنیائے اسلام تاریک ہوگئی اور وہ عظیم ثقافت، جس نے انسانیت کو نئے اقدار حیات دیئے تھے، برباد ہوگئی۔ اس تباہی سے دنیائے اسلام میں ایک تہلکہ مچ گیا اور ہر مسلمان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے۔

اتابکان شیراز کے پروردۂ نعمت سعدی شیرازی نے، گو ان کے مربی تاتاریوں کے ساختہ پرداختہ تھے اور اس عظیم ابتلا کے موقع پر تاتاریوں کے خلاف یا عباسیوں کی موافقت میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا جرم عظیم تھا۔ سقوط خلافت کا مرثیہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کہا۔ جہاں یہ مرثیہ بغداد اور عباسیوں کی تباہی کا مرثیہ ہے وہیں مسلمانوں کی تباہی اور اسلام کی بے کسی کا دردناک نوحہ بھی ہے۔ اس کے بتدائی اشعار یہ ہیں:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
برزوال ملک مستعصم امیر المومنیں
اے محمدؐ! گر قیامت سر بروں آری زخاک
سر بروں آرد قیامت درمیانِ خلق بیں
نازنینانِ حرم را موجِ خونِ بے دریغ
ز آسماں بگوشت و مارا خونِ دل از آستیں
خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰ ﷺ شد ریختہ
ہم برآں جائے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

سعدی نے ایک عربی قصیدہ بھی لکھا تھا جس کے دو اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

بکت جدر المستنصریته ندیته
علیٰ العلماء الراسخین ذوی الحجر

”مدرسہ مستنصریہ کے در و دیواران علماء پر گریہ کناں ہیں جو ان کے حجروں میں رہا کرتے تھے۔“

فاین بنو العباسِ مفتخرُ الوریٰ ذوی الخلقِ المرضیٰ والغرد الزهر

کہاں گئے آل عباس جو دنیا کے لیے باعث فخر تھے اور جن کے اخلاق پسندیدہ، روشن و تابندہ تھے۔“

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس عہد کے ایک مشہور عربی شاعر تقی الدین بن ابی الیسر نے خلافت عباسیہ کے زوال پر یوں آنسو بہائی:

لِسائلِ الدمعِ عن بغداد اخبار فما وقوفُک والاحبابُ قد ساروا

بہتے ہوئے آنسو بغداد کی تباہی کی داستان سنا رہے ہیں۔ اب کہ دوست رخصت ہوئے تم کیوں ٹھہرے ہوئے ہو؟

تاجُ الخلافۃِ والربعُ الذی شرفت به المعالمُ قد اعفاه اقفار

تاج خلافت اور وہ قصر جن سے دنیا کو شرف حاصل ہوا آج سنسان پڑے ہیں۔

وکم حریمٍ سبتهُ التتزُ غاصبةً وکان دون ذاک السترِ استارا

کتنی ایسی نازنینانِ حرم ہیں جنھیں زبردستی تاتاریوں نے اپنی باندی بنالیا۔ حالانکہ وہ کئی کئی پردوں میں رہا کرتی تھیں"۔ 1

خلافت عباسیہ ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں قائم ہوئی اور ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں ختم ہوگئی۔ ۵۲۳ سال کے طویل عرصہ میں خلافت عروج وزوال کے مختلف مراحل سے گزری۔ اقتدار میں قوت وضعف کے اعتبار سے خلافت عباسیہ کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دورِ اول:

بنو عباس کی عظمت کا دراصل یہی دور ہے۔ اس کا آغاز ۱۳۲ھ میں ابو العباس السفاح کی خلافت سے ہوا، اور اس کا اختتام ۲۴۷ھ میں جعفر المتوکل علی اللہ کی شہادت پر ہوا۔ اس دور میں دس خلفاء نے حکومت کی۔ جن میں ابو جعفر المنصور (۱۳۲ھ۔ ۱۵۸ھ) اور ہارون الرشید (۱۷۰ھ۔ ۱۹۳ھ) جیسے لائق افراد بھی شامل ہیں جن کا شمار دنیا کے چند عظیم حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ اسی دور سے مامون (۱۹۸ھ ۲۱۸ھ) کا بھی تعلق ہے جس کے عہد حکومت میں علوم وفنون کو کافی ترقی ہوئی۔

دور دوم:

ترک غلاموں کے استیلا، خلفاء کے عزل ونصب، قید وبند، بغداد اور سامرہ کی تباہی وبربادی کا یہ پہلا دور منتصر (۲۴۸ھ) کی خلافت سے معتمد کی تخت نشینی (۲۵۶ھ) تک رہا۔ اسی زمانہ میں عباسیوں کے مشرقی نائب خاندان آل طاہر کے ضعف کی وجہ سے صفاریوں کی خود مختار حکومت قائم ہوئی۔ اور مغرب میں ابن طولون نے مصر میں اپنی امارت قائم کرلی۔ خلافت عباسیہ کا زوال یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ جو بعض مستثنیات کے سوا اخیر تک باقی رہا۔

دور سوم:

1۔ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندویؒ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

معتمد کے عہد خلافت سے مکتفی (۲۸۹ھ۔۲۹۵ھ) کی وفات تک یہ دور باقی رہا۔اس عہد میں معتمد کے بھائی موفق طلحہ کے حسن تدبیر سے ترکوں کا زور ٹوٹا اور خلیفہ کو کسی قدر آزادئ عمل حاصل ہوئی۔موفق کے بیٹے معتضد (۲۷۹ھ۔ ۲۸۹ھ) کا زمانہ عباسی خلافت کی نشاۃ ثانیہ کا دور ہے اور اس لیے اسے ''سفاح ثانی'' کہا جاتا ہے۔اس کے عہد میں داخلی شورشوں کے باوجود خلافت کے عروقِ مردہ میں خون زندگی دوڑا اور اس کی عظمتِ رفتہ باز آئی۔

دور چہارم:

مقتدر باللہ (۲۹۵ھ ۳۲۰ھ) کی تخت نشینی سے پھر انتشار کا آغاز ہوا۔خلیفہ کی کم سنی سے ترک غلاموں نے فائدہ اٹھایا اور حکومت پر مستولی ہو گئے۔اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوئی اور خانہ جنگیوں کی ابتدا ہوئی۔اسی زمانہ میں شمالی افریقہ میں عبیداللہ المہدی (۲۹۷ھ۔ ۳۲۲ھ) نے بنی فاطمہ کی خلافت قائم کی اور عملی انتشار کے ساتھ ساتھ نظری انتشار بھی شروع ہوا۔اس بدحالی کی اصلاح کی جو تدبیر کی گئی اس سے مزید خرابیاں پیدا ہوئیں۔اصلاح حال کے خیال سے راضی باللہ (۳۲۲ھ۔۳۲۹ھ) نے امیر الامراء کا ایک نیا منصب قائم کر کے ان صوبوں کو، جو براہ راست خلافت کی تحویل میں تھے، محمد بن رائق والی بصرہ کو ٹھیکے پر دے دیا۔راضی کے بھائی متقی للہ (۳۲۹ھ۔ ۳۳۳ھ) کا عہد بھی انتشار اور دو عملی کی نذر رہا۔خلیفہ کے نام پر امیر الامراء مالیہ کی وصولی یابی میں جبر و استحصال کے مرتکب ہوتے اور اس منصب جلیل کے حصول کی خاطر باہم دگر زور آزمائی کرتے رہے۔

دور پنجم:

یہ دور بنو بویہہ کے تسلط کا دور ہے۔امراء کی باہمی آویزشوں سے تنگ آ کر ۳۳۴ھ میں مستکفی (۳۳۳ھ۔ ۳۳۴ھ) نے معزالدولہ دیلمی کو بغداد آنے کی دعوت دی۔اس وقت سے ۴۴۷ھ تک جب قائم بامراللہ (۴۲۲ھ۔ ۴۶۷ھ) خلیفہ تھا۔بغداد اور اس کے ماتحت علاقوں پر بنو بویہہ متغلب رہے۔آل بویہہ بغداد کے عملاً حکمران تھے اور انھوں نے عباسیوں کو ذلیل وخوار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ان کے صد سالہ دور استیلاء میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب بویہی امیر الملک الرحیم کے سپہ سالار ارسلان بساسیری نے ۴۵۰ھ میں بغداد پر قبضہ کر کے ایک سال تک بغداد کی مساجد سے فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کے نام کا خطبہ جاری کیا اور یوں اس زمانہ میں عباسیوں کی خلافت عملاً ختم ہو چکی تھی۔

دور ششم:

۴۴۷ھ میں سلطان طغرل سلجوقی بغداد آیا اور آل بویہہ کا خاتمہ کر کے عباسی خلیفہ قائم بامراللہ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ابتداء میں عباسیوں اور سلجوقیوں کے تعلقات خوش گوار رہے مگر جلدی ہی ولی عہد کے مسئلہ پر سلطان ملک شاہ سلجوقی اور خلیفہ مقتدی (۴۶۷ھ۔۴۸۷ھ) میں اختلافات کا آغاز ہوا اور اگر ملک شاہ کا اچانک انتقال نہ ہو جاتا تو مقتدی کو بغداد

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور خلافت دونوں ہی سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ اس سے بھی زیادہ سنگین اختلافات مسترشد باللہ (۵۱۲ھ۔ ۵۲۹ھ) اور سلطان محمود سلجوقی کے درمیان رونما ہوئے اور نوبت جنگ تک پہنچی۔ یہ تنازعات وقتی صلح سے دب گئے مگر سلطان مسعود سلجوقی سے مسترشد کی جنگوں کا سلسلہ پھر سے شروع ہوا جس میں خلیفہ قتل ہوا۔ خلفائے عباسی نے سلاطین سلجوقی کے اقتدار سے گلوخلاصی کی جدوجہد جاری رکھی تا آنکہ خلیفہ مقتفی لامر اللہ (۵۳۰ھ۔ ۵۵۵ھ) نے سلجوقیوں کے اقتدار کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

دور ہفتم:

مقتفی کے عہد خلافت سے شروع ہو کر مستعصم باللہ (۶۴۰ھ۔ ۶۵۶ھ) کی شہادت پر یہ دور ختم ہوا۔ اس دور کے خلفاء میں ناصر لدین اللہ (۵۷۵ھ۔ ۶۲۲ھ) کے عہد کو نہ صرف اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ اس نے تمام عباسی خلفاء سے زیادہ عرصے تک حکومت کی بلکہ اس لیے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اس نے اپنی صلاحیتوں سے خلافت کی عظمتِ رفتہ کو واپس لانے کی کوشش کی اور خودمختار امراء کے مقابلے میں خلافت عباسیہ کی حیثیت برقرار رکھنے میں ایک حد تک کامیاب ہوا۔

خلافت عباسیہ سطوت و اقتدار اور قوت و تسلط کے مختلف مدارج میں امت اسلامیہ کے بیشتر طبقات میں مقبول رہی اور اسے وحدت اسلامی کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ منصور کے عہد سے متوکل کے عہد تک خلافت عباسیہ صرف اسی لیے مطاع نہ تھی کہ اس کی عسکری قوت بے پایاں تھی یا اس کا مرکزی نظام حکومت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا بلکہ اس کی سب سے بڑی وجہ عوام و خواص کا یہ خیال تھا کہ خلافت کے جائز وارث آل عباس ہیں اور امت مسلمہ کی سربراہی کا حق انہی کو پہنچتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب خلیفہ مامون نے خلافت کو علویوں کی جانب منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور علی الرضا کو اپنا ولی عہد نامزد کر کے عباسیوں کے سیاہ علم کو علویوں کے سبز پرچم سے بدل دیا تو بغداد میں کہرام مچ گیا اور اس کے دو چچاؤں منصور بن مہدی اور ابراہیم بن مہدی کو یکے بعد دیگرے خاندان عباسی کی قیادت تفویض کی گئی لیکن مامون نے علویوں کی جانب انتقال خلافت کا خیال ترک کر دیا تو اس کی مخالفت بھی ختم ہو گئی۔ یہی استحقاق خلافت کا نظریہ تھا جس کے زیر اثر مشہور طالع آزما یعقوب بن لیث صفار کے خراسانی سردارانِ فوج نے خلیفہ معتمد علی اللہ کے خلاف نہ صرف یہ کہ لڑنے سے انکار کر دیا بلکہ عین معرکۂ کارزار میں یعقوب کے لشکر سے علیحدہ ہو کر خلیفہ کے علم کے نیچے چلے آئے اور نتیجۃً صفاریوں کو پسپا ہونا پڑا۔ عباسیوں کے اقتدار ہی کا اثر تھا کہ اسماعیل سامانی نے ساز و سامان کی کمی کے باوجود عمرو بن لیث صفار کو بلخ کے مقام پر شکست دی، جو محض تائید غیبی اور ایک اتفاقی حادثہ کا نتیجہ تھی، تو لوگوں نے اسے خلیفۂ عباسی کی کرامت پر محمول کیا۔ عباسیوں سے گرویدگی ہی کی وجہ سے مشہور فاتح اور کشورکشا محمود غزنوی نے ہمیشہ بارگاہ خلافت کی اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھا اور فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ کے پیغام کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ اور اسی وجہ سے آل بویہ خلافت عباسیہ کو ختم کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اسی طرح

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یہ بھی اسی اعتقاد کا اثر تھا کہ سلطان طغرل سلجوقی اور دوسرے سلاطین سلجوقیہ نے عباسیوں کی اطاعت کو اپنا شعار بنایا اور عموماً اس سے انحراف نہ کیا اور اگر کبھی ایسا کیا بھی تو انھیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ ملک شاہ اور خلیفہ مقتدی میں مخالفت کا آغاز ہوا اور ملک شاہ نے ایک ماہ کی مدت میں خلیفہ کو بغداد سے نکل جانے کا حکم دیا، جو ملک شاہ کی اچانک موت سے نافذ نہ ہوسکا، تو خلیفہ کی ناراضگی کو اس کی موت کا سبب قرار دیا گیا اور اس کے جانشین خلیفہ سے مصالحت کرنے پر مجبور ہوئے۔ حقیقت ہے کہ عوام وخواص کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ عباسیوں کی مخالفت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان سے سرتابی کے مترادف ہے۔ اسی طرح جب خلیفہ ناصرلدین اللہ اور علاؤالدین محمد خوارزم شاہ میں اختلاف کا آغاز ہوا اور خوارزم شاہ کی فوج مدائن کے قریب ۶۱۴ھ میں طوفان ابروباد کی نذر ہوگئی تو یہ عقیدہ اور بھی پختہ ہوگیا کہ عباسیوں سے گردن کشی منشائے الٰہی سے سرکشی ہے۔ یہ بات خلیفہ ناصرلدین اللہ کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو اس نے اپنے وزیر مؤیدالدین محمد بن برزالقمی کے تقرر کے موقع پر جاری کیا تھا۔ اس میں تحریر تھا:

> محمد بن برزالقمی ملک میں ہمارا نائب ہے۔ جس نے اس کی اطاعت کی اس نے ہماری اطاعت کی۔ اور جس نے ہماری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اور خدا اسے جنت میں داخل کرے گا۔ جس نے اس کی نافرمانی کی، اس نے ہماری نافرمانی کی۔ اور جس نے ہماری نافرمانی کی، اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ اور خدا اسے دوزخ میں ڈالے گا۔

یہی عقیدہ تھا جس کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اگر خلافت عباسیہ ختم ہوگئی تو دنیا تاریک ہوجائے گی۔ عباسیوں کے اسی اقتدار کا اثر تھا کہ مشرق ومغرب کی خودمختار امارتوں نے خانہ جنگیوں اور باہمی جنگ وجدل کے باوجود انہی کو اقتدار اعلیٰ کا منبع سمجھا، خطبوں میں ان کا نام لیا اور ان کے نام سے سکے ڈھلوائے۔ ان سے حکومت کی اجازت لینا ان کے لیے سرمایۂ افتخار تھا۔ یہ اقتدار صرف انہی علاقوں میں نہ تھا جو کبھی عباسیوں کے زیر نگیں رہ چکے تھے بلکہ وہ علاقے بھی، جن پر عباسیوں نے کبھی حکومت نہ کی، وہاں بھی جب نئی حکومتیں قائم ہوئیں تو عباسیوں ہی سے حکومت کی اجازت حاصل کی گئی۔ مراکش اور اندلس میں مرابطون کی حکومت کے بانی امیرالمسلمین یوسف بن تاشفین نے بھی اپنے حق حکمرانی کے جواز پر عباسیوں سے مہر تصدیق ثبت کرائی اور ان کی بارگاہ سے خلعت وخطاب پایا۔ یہ کیفیت ہندوستان میں خاندان غلاماں کی تھی۔ سلطان شمس الدین التمش نے خلیفہ مستنصر باللہ (۶۲۳ھ۔۶۴۰ھ) سے ۶۲۶ھ میں فرمان حکومت خطاب وخلعت حاصل کیا اور دلی میں اس کے نائب کی حیثیت سے حکومت کی۔ یہ سلسلہ خلافت عباسیہ کے انتزاع وانقراض کے بعد بھی جاری رہا۔ اور سلطنت دہلی کی قلمرو میں آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت کے بعد ۶۹۵ھ تک، یہ جانتے ہوئے بھی کہ خلیفہ شہید ہوچکا ہے۔ اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا اور سکوں میں اسی کا نام کندہ ہوتا رہا۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ خلافت عباسیہ کی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت پیش آئی۔ اور مصروشام میں سلطان الملک الظاہر بیبرس بندقداری نے خلافت عباسیہ کا ۶۵۹ھ میں احیاء کیا اور مستعصم باللہ کے چچا احمد بن خلیفہ ظاہر باللہ کو مسند خلافت پر متمکن کیا۔ یوں عہد انحطاط میں بھی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

خلافت کے جائز حق دار عباسی ہی سمجھے جاتے تھے اور ہر نیا حکمران ان سے اجازت لینے اور ان کی نیابت میں حکومت کرنے کو اس لیے ضروری سمجھتا تھا کہ اس کے بغیر اس کی حکومت جائز نہ سمجھی جائے گی۔ مگر خلافت عباسیہ کے زوال سے اقتدار سیاسی کی یہ مرکزیت ختم ہوگئی، اور پھر مسلمانوں میں سیاسی وحدت باقی نہ رہی، اور خلافت عباسیہ کا زوال ملت اسلامیہ کی مرکزیت اور وحدت اقتدار کا زوال ثابت ہوا۔

عباسیوں کی سیاسی برتری عملی نقطۂ نگاہ ہی سے نہیں بلکہ نظری اعتبار سے بھی مسلم تھی۔ مشہور سیاسی مفکر ابوالحسن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں خلافت ہی کو جائز طرز حکومت قرار دیا ہے اور امارت و سلطنت کو اسی وقت درست تسلیم کیا ہے جب اسے بارگاہِ خلافت سے منظوری کی سند مل جائے۔ امام غزالی نے بھی خلافت کے وجود کو خالص مذہبی نقطہ نظر سے باقی رکھنے پر زور دیا ہے کہ اس کے بغیر اعمال دین اور امور دنیوی کی بجا آوری درست نہیں۔ جب سیوطی نے خلافت عباسیہ کے زوال پر نوحہ خوانی کی تو ان کے پیش نظر خلافت کا یہی مذہبی پہلو تھا۔ خلافت عباسیہ کے خاتمہ سے اس حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا جو نظریاتی اعتبار سے جائز خیال کی جاتی تھی، اور جسے مذہبی حیثیت حاصل تھی۔

خلافت راشدہ میں امور دنیا احکام دین کے تابع تھے۔ خلفائے راشدین مسلمانوں کے دینی اور دنیوی دونوں ہی سربراہ تھے، اور قرآن کی اشاعت، حدیث کی روایت اور مسائل پیش آمدہ میں تشریع کی نگرانی و ذمہ داری ان کے فرائض میں محسوب ہوتی تھیں۔ اس طرح تشریع بالکلیہ حکومت کے دائرۂ اختیار میں تھی۔ انفرادی تشریع کی کوئی گنجائش نہ تھی خلافت راشدہ کے بعد جب بنوامیہ کی خلافت قائم ہوئی تو یہ صورت باقی نہ رہی۔ حکومت کے بجائے تشریع کی جانب مختلف مقامات کے علما نے نجی طور پر توجہ مبذول کی، اور ایسی تشریع کا سلسلہ شروع ہوا جس میں مرکزیت نہ تھی بلکہ اہل حجاز، اہل عراق اور اہل شام کے اصول استخراج، بنیادی ماخذات کی قدر مشترک کے باوجود ایک دوسرے سے ہیئت و ترک میں مختلف ہوگئے، اور ایسا اس لیے ہوا کہ مختلف مقامات کے علماء محدثین و فقہاء کے معیارِ رد و قبولِ روایت میں فرق تھا و نیز اصول درایت کے استعمال میں بھی کوئی یکساں طریقہ ان کے مابین موجود نہ تھا۔ اس عدم ارتباط اور فکری غیر مجانست کے باعث مختلف مذاہب فقہی پیدا ہوئے اور ہر شہر کے فقہاء مستقل مدرسۂ قانون کے بانی ہوگئے بلکہ بعض اوقات تو ایک شہر میں بھی متعدد مسالک فقہی قائم ہوئے۔ خلافت عباسیہ کے آغاز میں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ نے ایک مبسوط اور باقاعدہ ضابطۂ قانون مرتب کیا۔ اپنی خوبیوں اور ائمۂ احناف کی وجہ سے یہ ضابطۂ قانون دنیائے اسلام کے بہت بڑے حصے میں رائج ہوگیا۔ امام ابو یوسف کے عہد ہارون میں منصب قاضی القضات پر فائز ہونے سے اس کی اشاعت کو مزید تقویت پہنچی۔ اس کے بعد امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن محمد بن حنبل کے فقہی مذاہب مدون ہوئے۔ اور دنیائے اسلام میں قانونی ہم آہنگی کا آغاز ہوا۔ مگر اس کے باوجود اجتہاد کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور داؤد ظاہری، ابن جریر طبری اور دوسرے فقہاء کے فقہی مذاہب وجود میں آئے۔ اجتہاد نے اسلامی تشریع کو فروغ دیا اور فقہ اسلامی متحرک اور ترقی پذیر رہی۔ خلافت عباسیہ کے دور زوال میں امت مسلمہ انتشار کا شکار ہوئی اجتہاد کی نشوونما رکنے لگی اور جب خلافت عباسیہ کا سقوط ہوا تو اس کا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بالکل خاتمہ ہوگیا۔تقلید کی بندشیں سخت سے سخت ہوگئیں اور یوں خلافت عباسیہ کا زوال اجتہادی صلاحیتوں کے انحطاط اور فقہ اسلامی کے جمود کا باعث ہوا۔اجتہاد کے سوتے خشک ہو گئے۔اسلامی تشریع ارتقاء کی نئی منزلیں نہ طے کر سکی اور جہاں تک اسے عباسیوں کے دور اقتدار میں پہنچا دیا گیا تھا اس سے آگے اس کے قدم نہ بڑھے۔

خلافت عباسیہ اپنے آغاز سے اختتام تک کبھی بھی تمام دنیائے اسلام پر حکمران نہ رہی۔سب سے پہلے اندلس میں عبدالرحمن اول نے ایک آزاد حکومت قائم کرلی،جس نے عباسیوں کی بالادستی کبھی تسلیم نہیں کی۔اس کے بعد ادریس بن عبداللہ علوی نے مغرب اقصیٰ میں ایک دوسری خودمختار حکومت قائم کی۔۲۹۷ھ میں عبیداللہ المہدی نے شمالی افریقہ میں بنو فاطمہ کی خلافت کی بنیاد رکھی۔اس طرح آغاز ہی سے مملکت اسلامیہ میں عباسیوں کے علاوہ متعدد حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔ جنھوں نے خلفائے عباسی کی کبھی اطاعت نہ کی بلکہ اپنے کو ان کا حریف اور مقابل سمجھا،لیکن جہاں تک ثقافتی اور تمدنی مسائل کا تعلق ہے،بغداد کا سکہ ہر جگہ چلتا تھا،اور قرطبہ،فارس،مہدیہ و قاہرہ اور ان تمام مقامات پر جہاں عباسیوں کے حریفوں کی حکومتیں تھیں،ثقافت کی دنیا میں خلفائے عباسیہ ہی کی عمل داری تھی۔تمام دنیائے اسلام ایک واحد ثقافت کی حامل تھی۔جو ثقافت وتہذیب بغداد کے شہر میں پروان چڑھی اس کا چلن قرطبہ اور قاہرہ میں بھی ہوا،اور یوں خلافت عباسیہ کی بدولت دنیائے اسلام کو ایک واحد تمدن اور مشترکہ ثقافت ملی۔جس نے نہ صرف اپنے عہد کی دنیا کو حضارت وتہذیب کے درس دیئے بلکہ صحیفۂ عالم پر اس کے دوام کی مہر بھی ثبت کردی اور آج کی تہذیبی ترقی میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔زوال بغداد کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ ثقافت وتہذیب کی یہ ہم آہنگی اور یکسانی باقی نہ رہی۔

عہد عباسیہ میں گو مملکت اسلامیہ کی مادری زبان صرف عربی نہ تھی،بلکہ اسپینی،فارسی،بربری،کردی،ترکی و ہندوستانی زبانیں بولنے والی اقوام بھی اس کی حلقہ بگوش تھیں،اور ان میں سے بعض زبانوں کو اسلام سے پہلے بھی علمی حیثیت حاصل تھی مگر مسلمانوں کی علمی وتعلیمی زبان عربی تھی۔ایک مشترک ذریعہ افہام وتفہم کی حیثیت سے اس زبان کو عمومیت حاصل ہوئی۔اسلامی ممالک کے طلبہ وعلماء کے علمی رحلات واسفار،جو اتحاد خیال اور ذہنی وفکری ہم آہنگی کا بہت بڑا سبب تھے،صرف اس لیے ممکن تھے کہ بلاد اسلامیہ میں ذریعۂ تعلیم وتعلم اور علمائے اسلام کی تصانیف کی زبان عربی تھی۔مسلمانوں کی ذہنی کوششوں کا اظہار عموماً عربی زبان کے ذریعے ہوتا تھا۔اس سے دنیائے اسلام میں علمی اتحاد کی فضا قائم ہوئی اور مسلمانوں کے علمی کارنامے عموماً،بلا اختلاف وطن وزبان،ایک ہی قوم کے کارنامے اور ایک ہی زبان کی تصانیف محسوب ہوئے۔خلافت عباسیہ کے زوال سے عربی زبان کی یہ عمومی حیثیت اور نتیجۃً علماوطلبہ کے علمی سفروں کے سلسلے اگر ختم نہ ہوئے تو بھی ان میں اس حد تک کمی واقع ہوگئی کہ ان کے اثرات کا مسلمانوں کی علمی زندگی پر کوئی شائبہ نہ رہا۔

خلافت عباسیہ کے زوال کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ لوگوں میں مایوسی اور قنوطیت بڑھی۔جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ترک دنیا،زندگی سے بے زاری،حقائق سے اغماض اور جدوجہد سے صرف نظر کا جذبہ پیدا ہوا۔ان میں راہبانہ طرز حیات کو مقبولیت حاصل ہوئی اور یوں ایک ایسے تصوف نے فروغ پایا جو اسلام کی روح کے خلاف تھا کیونکہ اسلام میں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رہبانیت نہیں ہے۔اور بقول علامہ اقبال خلافت عباسیہ کے زوال کے نتیجہ کے طور پر اسلامی معاشرہ میں عجمی تصوف نے برگ و بار پایا۔سخت کوشی، مشکل طلبی اور جدوجہد کا جذبہ قوم کے دلوں سے مفقود ہوگیا۔اور حقائق سے مقابلہ کرنے کے بجائے امت مسلمہ صوفیہ کے تصرف وکرامات پر تکیہ کرنے لگی۔

سطور بالا کی روشنی میں یہ دعویٰ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ خلافت عباسیہ کا زوال مسلمانوں کی سیاسی وحدت، ملی یک جہتی، قانونی ہم آہنگی، مدنی وثقافتی یکسانی، لسانی وعلمی وتعلیمی اتحاد اور جذبہ اتحاد وسخت کوشی کا زوال تھا۔اور آخری خلیفہ امیرالمومنین المستعصم باللہ کی شہادت، بغداد کی تباہی، دنیائے اسلام کی بربادی اور مسلمانوں کا قتل عام وقتی حادثے نہ تھے کہ آئے اور گزر گئے اور انھوں نے تاریخ پر اپنے اثرات نہ چھوڑے۔بلکہ یہ سانحے اپنے اثرات کے لحاظ سے بڑے دور رس ثابت ہوئے اور ان کی وجہ سے امت اسلامیہ کی اجتماعیت کا شیرازہ ایسا بکھرا کہ پھر مجتمع نہ ہوسکا۔اور اسلام کے قصر بلند میں ایسا رخنہ پڑا جو آج تک بند نہ ہوسکا:

فما كانَ قيسُ هلكه هلكُ واحد ولٰكنه بنيانُ قومٍ تهدما [1]

سربداری حکومت کا قیام

حسن عسکری کے فرزند مہدی جن کے وجود پر گذشتہ صفحات میں حقیقت افروز مفصل بحث ہو چکی ہے، خود تو کم عمری میں تابوتِ سکینہ، صحف فاطمہ، اور دیگر بھاری بھرکم اشیاء کے ہمراہ غار سامرہ میں تشریف لے گئے لیکن شیعوں کو اپنے انتظار کی کڑکتی دھوپ میں چلنے کے لئے چھوڑ گئے، نظریہ انتظارِ مہدی نے شیعوں کو انتظار کی صلیب پر لٹکائے رکھا۔اور زندگی کی کتنی ہی سرگرمیاں موقوف رہیں۔

آٹھویں صدی ہجری کے نصف میں اگرچہ سیاسی موضوعی حالات انقلاب کے لئے سازگار تھے، مگر نظریہ انتظارِ امام مہدی کے ساتھ ایمان شیعہ علماء کو روکے ہوئے تھا کہ وہ انقلاب یا حکومت قائم کرنے کے جواز کا فتویٰ دیں جیسا کہ یہ نظریہ امت خصوصاً شیعہ امامیہ کو تحرک اور قیام کے بجائے شل اور معطل کیے ہوئے تھا۔تاریخ کے صفحات میں ایک بہت منفرد انداز کا واقعہ بھی موجود ہے، جو فکر اور امرواقع میں کشمکش کو واضح کرتا ہے اور یہ ہے سرزمین خراسان کے علاقہ نیسابور میں تحریک سربداریہ کا واقعہ۔

یہ شیعہ تحریک خراسان کے علاقہ میں اس وقت پیدا ہوئی تھی، جب ہلاکو کی اولاد کی حکومت ختم ہوگئی تھی، ابوسعید فوت ہوگیا تھا، مغل حکمرانوں نے سرکشی اختیار کرکے اپنے ماتحت علاقوں پر قبضہ جمانے کے بعد چھوٹی چھوٹی کئی حکومتیں قائم کرلی تھیں، تو یہ تحریک مغلیہ فوجوں کی خرابی اور ان کے ظلم واستبداد کے مقابلہ کے لئے شروع ہوئی، اس تحریک کے قائد شیخ خلیفہ تھے، جو ۷۳۶ھ میں قتل ہوئے، ان کے قتل کے بعد اس تحریک کی قیادت ان کے شاگرد شیخ حسن جوری نے سنبھال

1۔مقالات تاریخی از علی محسن صدیقی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لی، جو امام مہدی کے خروج کے لئے تیاری کر رہا تھا، وہ ہر جمعہ کی صبح اپنے رفقاء کے ساتھ تلوار اور گھوڑا لے کر جاتا اور یہ لوگ صاحب زمان کو پکارتے، ظہور کے لئے ان سے فریاد کرتے اور الحاح وزاری کے ساتھ التجا کرتے کہ انہیں مشکلات سے نجات دلانے کے لئے اب وہ تشریف لے ہی آئیں۔

مغل فوجیں لوگوں کا مال واسباب لوٹنے کی عادی ہو چکی تھیں، ایک دن ان کا ایک سپاہی شیخ حسن جوری کے گھر میں داخل ہوا، اس نے ہر اچھی چیز کو لوٹنا شروع کر دیا، شیخ خاموشی اور حسرت کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے رہے، انہیں اس کے مقابلہ کی قطعاً تاب نہ تھی، اس دوران میں اس سپاہی کی شیخ جوری کی بیوی پر نظر پڑ گئی، تو اس نے اس پر ہاتھ رکھا اور دیگر مال غنیمت کے ساتھ اسے بھی پکڑنا چاہا، شیخ نے کہا کہ جو مال چاہو لے لو مگر ان کی بیوی کو چھوڑ دو مگر سپاہی نے اسے لینے پر بھی اصرار کیا تو اس سے شیخ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، انہوں نے تلوار نکالی اور اس سپاہی کو قتل کر دیا، اس سپاہی کے ساتھی جب انتقام کے لئے آئے تو ان کے مقابلہ کے لئے تحریک برپا ہو گئی، نیسابور میں شیعہ کو معلوم ہو گیا کہ مغل فوجیں اندرونی طور پر بہت کمزور ہیں، بہر حال شیعہ نے علاقہ پر قبضہ کر کے خراسان میں ایک شیعہ حکومت قائم کر دی، جو ۷۳۸ھ سے تقریباً پچاس سال تک باقی رہی، بعد میں تیمور لنگ کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ ہوا تھا۔

علی بن مؤید کا خط ''شہید اوّل'' کے نام

سربداری حکومت کا آخری بادشاہ سلطان علی بن مؤید تھا، جس نے ۷۶۶ھ میں حکومت سنبھالی تھی، اسی نے شہید اوّل [1] کو خط لکھ کر خراسان آنے کی دعوت دی تھی تاکہ یہ ان کے دینی مرجع بن جائیں، جو مشکل فقہی مسائل کا حل پیش کریں اور شیعہ زندگی کے مسائل میں رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کر سکیں۔ مؤید نے اپنے خط میں آداب وسلام کے بعد لکھا کہ:

> ''اللہ تعالیٰ مولیٰ ہمام، عالم عامل، فاضل کامل، سالک زاہد، با اخلاق، با کردار، علامۂ عالم، مرشد امم، قدوۃ علماء راسخین، اسوہ فضلاء محققین، مفتی فرق، جامع فضائل علیا، وارث علوم انبیاء ومرسلین، محی مراسم ائمہ طاہرین، سرّ اللہ فی الارضین، مولنا شمس الملۃ والدین کو زندہ سلامت رکھے اور محمد وآلِ محمد کے ساتھ آپ کے سایہ کی رسیوں کو دراز کرے۔ ایسی حکومت کی طرف سے جس کی بنیادیں بہت مضبوط اور جس کی نعمتیں قیامت تک

1۔ عام قارئین کے لئے یہ انکشاف باعث حیرت ہوگا کہ شیعیت نے اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں ''تین شہید'' پیدا کئے ہیں، دراصل یہ تین شہید اپنے عقائد میں اس قدر متعصب اور اپنے معمول میں اس قدر سفاک، بے باک اور زبان دراز تھے کہ ان کی زبانِ تبرا نہ صحابہ کرام ؓ کو معاف کرتی تھی اور نہ ان کے سب وشتم سے کسی بزرگ اور ولی کا دامن محفوظ تھا۔ اس جرم کی پاداش میں وقت کی مسلمان حکومتوں نے ناموسِ صحابہ ؓ کے باب میں اپنی اسلامی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں کیفر کردار تک پہنچایا۔ یہاں جس شہید اوّل کا ذکر ہو رہا ہے ان کا نام شیخ شمس الدین محمد بن مکی ال آملی تھا، یہ قاضی برہان الدین مالکیؒ اور علامہ ابن جماعۃ الشافعیؒ کے حکم سے قتل کیے گئے۔ شیعیت کے دوسرے شہید کا نام شیخ زین الدین اور تیسرے شہید کا نام قاضی نور اللہ شوستری ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جاری رہنے والی ہیں، وبعد!

محب مشتاق آنجناب کی خدمت میں جو ہمیشہ سے اصحابِ عقل کا مرجع رہے ہیں، عرض گزار ہے کہ شیعانِ عراق آپ کی زلال وصال کے پیاسے ہیں اور وہ آپ کے بحر فضائل وافاضات سے تشنگی دور کرنا چاہتے ہیں، زمانے کی روش نے اس علاقے کے اصحابِ علم وفضل کے شیرازہ کو منتشر کر دیا اور لیل ونہار کی گردش نے ان سب یا اکثر کو ادھر ادھر منتشر کر دیا ہے، امیر المومنین (ع) نے فرمایا ہے کہ علماء کی موت دین کا ضیاع ہے، ہم میں اب کوئی ایسا عالم نہیں ہے جس کے فتویٰ پر اعتماد کیا جا سکے، جس کی رشد وبھلائی سے لوگ ہدایت حاصل کریں، لوگ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہے ہیں کہ وہ انہیں کسی ایسے عالم کے دیدار کا شرف عطا فرمائے جس کے نور کی شعاعوں سے کسبِ ضوء کریں، جس کے علوم شریفہ کی اقتداء کریں، جس کے پاکیزہ خیالات سے رہنمائی حاصل کریں، انہیں اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل وکرم سے یقین ہے کہ وہ ضرور ان کی امید کو پورا فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والّذین یصلون ما آمر اللّٰہ بہٖ ان یُوصل۔۔۔

(اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ان کو جوڑے رکھتے ہیں)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صلہ رحمی کا سب سے زیادہ مستحق رشتہ، اسلامی روحانی رشتہ ہے، تمام قرابتوں سے حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ایمانی اور پھر جسمانی قرابت ہے، یہ دو ایسی گرہیں ہیں جنہیں ادوار و اطوار کھول نہیں سکتے بلکہ یہ دو ایسی شاخیں ہیں، جنہیں زمانے توڑ نہیں سکتے۔

ہم رشد کے فقدان اور عدمِ ارشاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرتے ہیں، لہٰذا آپ کے انعامِ عام اور کرامِ تام سے اُمید ہے کہ آپ ہم پر خصوصی شفقت فرماتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ہمارے پاس تشریف لے آئیں گے اور کسی قسم کا بھی عذر پیش نہیں فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

والسلام علی اہل الاسلام......

محب مشتاق علی بن مؤید

لیکن شہید اول نے بادشاہ علی بن مؤید کی اس پیشکش کو مسترد کر دیا اور ساتھ ہی اس وفد کو واپس کر دیا جو اہل خراسان نے ان کی طرف بھیجا تھا۔ شہید اول نے اس دعوت کو قبول کرنے کے بجائے ''اللمعۃ الدمشقیہ'' کے نام سے ۷۸۴ھ میں ایک مختصر فقہی کتاب لکھ دی تا کہ وہ ان کے لئے ایک فقہی مرجع کا کام دے۔

شہید اول نے بیدمر و کے ساتھ جو کہ مصر کے مملوکی بادشاہ برقوق کی طرف سے شام کا گورنر تھا، یالوش کے ساتھ جنگ کرنے کا عہد و پیمان کیا تھا۔ یالوش ایک بے حد غالی اور صوفی شیعہ تھا جو گمراہ ہو گیا تھا، اسے امام مہدی کے زمانۂ غیبتِ کبریٰ میں قوت استعمال کرنے کے بارے میں شہید اول کے موقف میں ایک نمایاں تبدیلی قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انہوں نے طاقت استعمال کرنے کی اجازت دی، خواہ اس کے نتیجہ میں قتل و غارت اور خوں ریزی ہی کیوں نہ ہو مگر "الدروس" میں انہوں نے اس کے برعکس لکھا اور اسے امام کے سپرد کر دیا تھا۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ عملی واقعات نے شہید اوّل، علماء اور عام شیعہ کو مجبور کیا کہ وہ نظریۂ انتظار کے بجائے زندہ موقف اختیار کریں کہ اس نظریہ نے انہیں شل کر کے عمل اور ترقی سے روک رکھا ہے۔ لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ شہید اول نے خراسانی شیعہ بادشاہ ابن مؤید کے پاس جانے سے کیوں انکار کر دیا تھا، کیا اس لئے کہ موصوف اسے ظالم بادشاہ سمجھتے تھے کیونکہ انہیں امام مہدی کی تائید حاصل نہ تھی:؟ یا اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ کے زیر سایہ یہ سوائے فتویٰ و ارشاد کے اور کوئی مثبت کردار ادا نہیں کر سکیں گے؟ یا انہیں بادشاہ کی دوستی و محبت ہی کے بارے میں شک تھا؟ یا اس کے اسباب کچھ اور بھی تھے؟ آپ نے اپنی کتاب "الدروس" میں فتویٰ دیا تھا کہ ظالم بادشاہ کی طرف سے منصب قضاء پر فائز ہونا جائز نہیں، اِلَّا یہ کہ مجبور کر دیا جائے...... شائد انہیں کوئی روشنی حاصل ہوئی ہو کہ عراق و شام سے خراسان جانا صحیح نہیں ہے۔

سربداریہ حکومت کے بطن سے مازندان میں ۷۶۲ھ/ ۱۳۶۰ء میں ایک اور حکومت پیدا ہوئی، جس کے سربراہ حسن جوری کے شاگرد سید قوام الدین مرعشیٰ تھے، یہ حکومت سادات مرعشیہ کے نام سے مشہور ہوئی اور ۷۹۵ھ تک جاری رہی، اس کے بعد تیمور لنگ نے اس کا خاتمہ کر دیا تھا، تیمور کی وفات کے بعد یہ حکومت دوبارہ پھر مازندان میں قائم ہو گئی اور لاہیجان و کیلان تک پھیل گئی اور پھر ۱۰۰۱ھ/ ۱۵۹۲ء میں ایران میں صفوی حکومت قائم ہونے کے بعد ختم ہو گئی۔

خوزستان و عراق کی مشعشعیہ حکومت

سربداریہ حکومت کے سقوط کے ایک سال بعد ہی خوزستان میں ۷۸۳ھ میں ایک اور شیعہ حکومت وجود میں آئی، اسے سعید محمد بن فلاح حویزی مشعشی ملقب بہ مہدی نے قائم کیا تھا، یہ حکومت ۱۱۱۷ھ تک باقی رہی، اس حکومت کے بانی کا تصوف کی طرف میلان تھا اور اس کا شیخ احمد بن فہد حلی (۔۸۴۱) سے بھی تعلق تھا جو کہ عراق کے شہر کربلا کے باشندے تھے۔

پانچویں صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک شیعوں کی تعداد میں خاطرہ خواہ اضافہ ہوتا رہا جیسا کہ چوتھی صدی ہجری کے دوران ان کی افزائش جاری رہی، اس دوران بعض ایسے بادشاہوں نے بھی حکومت کی جو شیعہ تھے اور مذہب شیعہ کو رواج دیتے رہے۔ پانچویں صدی ہجری کے آخر میں اسماعیلیہ کی تحریک اور دعوت نے "الموت" کے علاقوں میں اپنی حکومت کو مضبوط کر لیا تھا اور اس طرح اسماعیلی فرقے کے بادشاہ تقریباً ڈیڑھ صدی تک ایران کے بالکل درمیانی حصے میں مکمل آزادی کے ساتھ اور اپنی مذہبی رسومات کے مطابق زندگی گزارتے رہے۔ مرعشی سادات نے بھی کئی سالوں تک مازندران کے علاقوں پر حکومت کی تھی۔

مغلوں کے ایک بادشاہ "خدابندہ" نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا اور اس کی اولاد میں سے بھی بہت زیادہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بادشاہوں نے ایران میں سلطنت اور حکومت کی تھی اور چونکہ یہ سب لوگ شیعہ تھے، اس لئے وہ سب مذہب شیعہ کی ترویج وترقی کے لئے کوشاں رہے تھے۔ اسی طرح آق قویونلو اور قرہ قویونلو خاندان کے سلاطین جو تبریز میں حکومت کیا کرتے تھے اور ان کی حکمرانی اور بادشاہت کی وسعت فارس، شیراز اور کرمان تک پہنچ چکی تھی، مذہب شیعہ کے پیرو تھے۔ مجموعی اور کلی طور پر ان پانچ صدیوں میں شیعہ آبادی کے لحاظ سے مسلسل بڑھتے رہے اور طاقت و آزادی کے لحاظ سے اپنے وقت کے بادشاہوں کی مرضی یا مخالفت کے ماتحت رہے۔[1]

شیعہ مجتہد کے خود اپنے اس تبصرہ سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ نویں صدی ہجری تک مذہب شیعہ کے فروغ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی اور اس دوران شیعہ کی تعداد میں بھی مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہا۔ علاوہ ازیں اس دوران مختلف شیعہ خاندانوں کو حکمرانی کے مواقع بھی ملتے رہے۔[2]

سلطان خدابندہ

مغل بادشاہ خدابندہ، آلِ بویہ یعنی دیلمی حکمرانوں کے بعد دوسرا بادشاہ ہے جس کے دور میں فقہ اثنا عشری نے سرکاری سرپرستی میں خوب ترقی کی۔ ''خدابندہ'' فارسی لفظ ہے، عربی میں اس کے معنی ہیں عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ۔ ''خدابندہ'' ایلخانی بادشاہوں میں سے آٹھواں بادشاہ اور چنگیز خان کی چھٹی پشت میں سے تھا۔ اس کا اصلی نام ''اولائتو معروف بہ سلطان محمد خدابندہ'' (م ۷۱۶ھ) تھا۔ چنگیز خان کا لقب ''ایلخان'' تھا یہ سلطنت اسی کی جانب منسوب ہے۔ چنگیز خان کی اولاد میں سے سلطان غازان بن ارغون نے امیر نوروز بیگ کی رہبری وترغیب سے شیخ صدر الدین حموی کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کرلیا اور اسلامی نام محمود خان رکھا۔[3]

امام ابن کثیر نے بھی ان کے اسلام لانے کا ذکر ۶۹۴ھ کے واقعات میں بڑی مسرت کے ساتھ کیا ہے۔

''اس سال قازان بن اغون تاتاریوں کا بادشاہ ہوا اور امیر توزون (آرنلڈ اور دوسرے مؤرخین اس کو نوروز بیگ کے نام سے یاد کرتے ہیں) کے ہاتھ پر اعلانیہ مشرف باسلام ہوا اور تاتاری لوگ بیشتر اسلام میں داخل ہوگئے، اس نے اپنا نام محمود رکھا۔ جمعہ اور خطبہ میں شرکت کی بہت سے مندر اور گرجے گرادیئے اور ان پر جزیہ مقرر کیا۔ بغداد اور دوسرے شہروں اور ملکوں کی غصب کی ہوئی چیزیں واپس کردی گئیں۔ لوگوں نے اللہ کے فضل و احسان کا شکریہ ادا کیا۔

1۔ شیعہ۔ ص ۵۳، ۵۴

2۔ شیعیت تاریخ وافکار ص ۳۴۰

3۔ شیعیت تاریخ وافکار ص ۳۴۱

4۔ البدایہ والنہایہ۔ ص ۳۴۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آرنلڈ لکھتا ہے کہ ۱۳۰۴ء میں غازان کا بھائی سلطان بن محمد خدا بندہ کے نام سے تخت ایران پر بیٹھا، اس سلطان کی ماں عیسائی تھی اور بچپن میں اس کی تعلیم وتربیت بھی عیسوی طریقے سے ہوئی تھی اور نکولس کے نام سے اس نے اصطباغ پایا تھا لیکن ماں کے مرنے پر وہ اپنی بیوی کے کہنے سے مسلمان ہو گیا۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ نکولس خان یعنی سلطان خدا بندہ کے مسلمان ہونے سے مغلوں میں بڑا اثر پیدا ہوا۔ غرض اس زمانہ سے قلمرو ایلخانیہ میں اسلام سب مذہبوں پر غالب آ گیا۔[1]

مؤرخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

''سلطان محمد خدا بندہ نے تخت نشین ہوتے ہی حکم دیا کہ شریعت اسلام کی پابندی کا تمام ملک میں خاص طور لحاظ رکھا جائے اور خلافِ شرع تمام مراسم کو مٹا دیا جائے۔ سلطان محمد خدا بندہ کی حکومت وسلطنت کو بہت جلد قبولیتِ عامہ حاصل ہو گئی اور روس وخوارزم و بلغاریہ، روم وشام سے لے کر قراقرم، سندھ اور عراق تک تمام ممالک میں اس کی شہنشاہی تسلیم کی گئی۔ سلطان محمد خدا بندہ کے عہد حکومت میں سلطنتِ مغلیہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ گئی اور اس کی سلطنت وحکومت سے مخالفت وانحراف کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آخر تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد بعمر ۳۶ سال شب عید الفطر ۷۱۶ھ کو اس نیک دل اور باخدا سلطان نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابوسعید بہادر خان تخت نشین ہوا۔''[2]

پروفیسر طاہر الہاشمی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

سخت حیرت ہے کہ اس عقابی نگاہ رکھنے والے مؤرخ نے ایک متعصب اور غالی شیعہ بادشاہ کا تعارف کن الفاظ میں کرا دیا۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان محمود غازان بن ارغون خان کی وفات ۷۰۳ھ کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی اولجائتو سلطان محمد خدا بندہ تخت نشین ہوا۔ غازان نے اہل سنت کا مذہب اختیار کیا لیکن جب ۷۰۳ھ میں اس کا بھائی خدا بندہ اس کا قائم مقام قرار پایا تو اس نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا، اس کے امراء وخواص اکثر شیعہ تھے۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ خدا بندہ نے ایک روز اپنی بیوی سے ناراض ہو کر اسے طلاق دے دی پھر جلد ہی نادم ہو گیا اور اسے گھر میں آباد کرنا چاہا۔ اہلسنت علماء نے متفقہ فتویٰ دیا کہ دوسرے خاوند سے نکاح کئے بغیر خانہ آبادی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ خدا بندہ کو بڑی مشکل پیش آئی اس کے شیعہ خواص وامراء نے مشورہ دیا کہ شہر حلہ کے مشہور شیعہ عالم ابن المطہر کو بلا کر مشورہ کیجئے وہ اس کا کوئی حل پیش کرے گا۔ ابن المطہر نے فتویٰ دیا کہ وہ حسب سابق اپنی بیوی کو آباد کر سکتا ہے۔ بادشاہ اس فتویٰ سے بہت خوش ہوا اور ابن المطہر کو اپنا خصوصی مصاحب بنا لیا۔ ابن المطہر کے بہکانے سے خدا بندہ نے دیار و امصار میں حکم ارسال کیا کہ منبر پر خطبہ دیتے وقت بارہ اماموں کا نام لیا جائے۔ ائمہ کے نام سکوں اور مساجد کے دروازوں

1۔ ابن بطوطہ جلد ۲ ص ۵۷۔ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ ص ۳۲۹

2۔ تاریخ اسلام ج ۳ ص ۲۶۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پر کندہ کئے جائیں۔اس طرح اس عہد میں پوری سلطنت میں شیعہ مذہب نے پر پُرزے نکالنے شروع کر دیئے۔

علامہ ابن المطہر الحلّی کا تعارف

ابن المطہر کا پورا نام حسن بن یوسف بن علی ابن المطہر (المتوفی ۷۲۶ھ) ہے۔یہ نصیر الدین طوسی (م ۶۷۲ھ) کا شاگردِ خاص ہے۔ابن المطہر الحلی نے اپنی کتاب میں طوسی کا ذکر کرتے ہوئے بڑی تعظیم وتقدیس کے ساتھ ان کا نام لیا ہے اور ''شیخنا الامام الاعظم خواجہ نصیر الملۃ والحق والدین محمد بن الحسن الطوسی قدس اللہ روحہ'' کے الفاظ لکھے ہیں۔

مشہور ظالم وسفاک ہلاکو خان نے ۶۵۶ھ میں بغداد میں قتل عام کا جو بازار گرم کیا تھا اس کی براہِ راست ذمہ داری نصیر الدین طوسی، ابن علقمی اور اس کے مشیر ابن ابی الحدید پر عائد ہوتی ہے طوسی ایک ملحد فلسفی تھا اور زوال بغداد کا اولین محرک تھا۔زوالِ بغداد سے قبل یہ بلاد الجبل اور قلعہ الموت میں سکونت پذیر تھا اور فرقہ اسماعیلیہ کا طرف دار تھا۔طوسی نے اپنی مشہور تصنیف ''اخلاق ناصری'' اسماعیلی سلطان علاؤالدین محمد بن جلال حسن کے وزیر ناصر الدین کے لئے تحریر کی تھی۔ناصر الدین بلاد الجبل کا حاکم تھا اور بڑا بد باطن شخص تھا۔

بہر حال نصیر الدین طوسی کا شاگرد ابن المطہر شیعہ کے علماء کبار میں سے ایک ہے۔اس کی تربیت ہی صحابہؓ و تابعین کے بغض وعناد پر ہوئی تھی۔ابن المطہر الحلی نے اپنے ولی نعمت اور مخدوم تاتاری بادشاہ خدابندہ کے لئے ایک کتاب اثباتِ شیعیت وامامت وردّ سنیت وخلافت میں ''منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ'' کے نام سے لکھی۔مؤلف کتاب کے مقدمہ میں سلطان کے بارے میں لکھتا ہے کہ میں نے اس کتاب میں روئے زمین کے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی ہے جس کی حکومت دائمی ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ، خواقین کا خاقان، بندوں کی گردنوں کا مالک، اپنے دشمنوں پر غالب، جس کے ساتھ آسمان کے معبود کی نصرت شامل ہے۔[1]

سلطان خدابندہ کے ہاں اس کا بہت اونچا مقام تھا اور سلطان سے اس کے قرب اور عزت کا یہ حال تھا کہ سلطان ذرہ بھی اس کی جدائی برداشت نہ کر سکتا تھا اس لئے سلطان نے حکم دیا کہ حسن حلی کے لئے ایک چلتا پھرتا خیموں کا مدرسہ بنایا جائے۔

ابنِ تیمیہؒ کے قلم سے ''منہاج السنۃ'' کی تالیف

الحلّی کی یہ کتاب اہل سنت وشیعہ کے مابین تنازع مسائل ومباحث سے بھرپور تھی اور اس میں سابقین اولین صحابہ کرامؓ کو جی بھر کر گالیاں دی گئی تھیں۔اس کا بڑا حصہ حضرت علیؓ اور اہل بیتؓ کی امامت وعصمت کے ثبوت اور ثلاثہؓ کی خلافت کی تردید اور ان کے اور دیگر صحابہؓ کے مطاعن پر مشتمل تھا۔شیعوں کو اس کتاب پر بڑا ناز تھا اور وہ اسے ناقابلِ

1۔ لؤلؤۃ البحرین للبحرانی صفحہ ۲۶۴ بحوالہ شیعیت ص ۱۰۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تردید اور لاجواب تصنیف سمجھتے تھے۔ اہل سنت نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) سے اس کتاب کا جواب لکھنے کے لئے شدید اصرار کیا۔ اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کی طرف سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو جزائے خیر دیں، جنہوں نے کتاب مذکور کے جواب میں "منهاج الاعتدال فی نقض کلام اهل الرفض و الاعتزال" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جو چار جلدوں میں "منهاج السنة النبویه فی نقض کلام شیعة و القدریة" کے نام سے چھپی۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

وهذا المصنف سمّی کتابه منهاج الکرامة فی معرفة الامامة وهو خلیق بان یسمی منهاج الندامة۔[1]

"اور اس کتاب کے مصنف نے اپنی کتاب کا نام "منہاج الکرامۃ" رکھا ہے حالانکہ مناسب یہ تھا کہ اس کا نام "منہاج الندامۃ" رکھا جاتا۔"

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

درحقیقت "منہاج السنۃ" ان کی تمام تصانیف میں ایک امتیازی شان کی حامل ہے۔ ابن تیمیہؒ کے علمی تبحر وسعت نظر، حاضر دماغی، پختگی، ارتقان اور ذہانت و طباعی کا اگر صحیح نمونہ دیکھنا ہو تو اس کتاب کو دیکھنا چاہئے۔ منہاج الکرامۃ کی عبارت نقل کرنے کے بعد جب ابن تیمیہؒ کے علم و حمیت دینی کو جوش آتا ہے اور ان کے علم کے سمندر میں طوفان اٹھتا ہے اور تفسیر و حدیث، تاریخ و سیر کی معلومات کا لشکر امڈتا ہے تو بے اختیار ان کے فریق مخالف کی خدمت میں سورۃ النمل کی یہ آیت پیش کرنے کو جی چاہتا ہے:

یا ایها النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنّکم سلیمانُ و جنودهُ وهم لا یشعرون۔ (آیۃ:۱۸)

"اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔"[2]

شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہؒ کی عظیم تصنیف "منہاج السنۃ" کو دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ امتِ مسلمہ ان کے عظیم احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

بہر حال شیعہ تصریحات کے مطابق اس دور میں شیعہ آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت و ترویج کرتے رہے اور انکی تعداد میں بھی برابر اضافہ ہوتا رہا۔ سلطان محمد خدابندہ کی اولاد سے بھی بہت زیادہ بادشاہوں نے حکومت کی

1۔ منہاج السنۃ ج ۱ ص ۵

2۔ بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۱۲ ۳ ج ۲

3۔ شیعیت تاریخ و افکار۔ ص ۳۴۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تھی اور ان کا تعلق بھی شیعہ مذہب سے تھا، اس لئے وہ بدستور شیعیت کی سرپرستی کرتے رہے۔

علاوہ ازیں سلطان ابوسعید بہادر خان بن خدابندہ کے عہد (۷۲۶ھ) میں عضد الدولہ دیلمی کی یادگار تعمیر ''مشہد حسینؑ '' کی رونق میں بہت اضافہ ہوا۔ ۷۴۰ھ سے ۸۲۷ھ تک ایلخانی امراء اور آل جلائر کی بغداد پر حکمرانی رہی جنہوں نے روضے کی نگہداشت کی۔ [3]

امیر تیمور کا عہدِ حکومت

تیمور ۷۳۶ھ بمطابق ۱۳۳۶ھ میں سمرقند میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام ترغائی اور دادا کا نام الغائی ہے، اس کا شجرہ نسب چغتائی خان سے جاملتا ہے۔ تیمور کا باپ ترغائی گورگان قبیلے کے تاتاریوں کا سردار تھا اور گورگان ترکی قبیلہ برلاس کی ایک شاخ تھی۔ تیمور کو بچپن میں ایک شکاری کی حیثیت سے شہرت ملی اور جوانی میں جنگجو سپاہی ہونے کی وجہ سے ناموری حاصل ہوئی۔

امیر تیمور کو ''تیمور لنگ'' بھی کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک جنگ میں ایک تیر پاؤں پر لگا اور ایسا کاری زخم آیا کہ جس کی وجہ سے تمام عمر کیلئے لنگڑا ہو گیا اور تیمور لنگ کے نام سے مشہور ہوا۔

ایشیا کے فاتحین میں سے جس نے ایشیا اور یورپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ امیر تیمور ہے۔ تیمور سکندر اور چنگیز کی آخری فاتحانہ حدود سے بھی آگے نکل گیا اور اس نے اس قدر فتوحات حاصل کیں کہ کوئی ایشیائی فاتح اس کی فتوحات کو نہیں پہنچ سکا۔ وہ ایک غیر معمولی فاتح تھا۔ اس نے ہر طرف لشکر کشی کی اور کہیں ناکام نہ ہوا، وہ جب فوت ہوا تو روس کی دولگا وادی سے لے کر خلیج فارس تک، گنگا سے دمشق تک اور اس کے علاوہ ایشیائے کوچک اس کی مملکت میں شامل تھے۔

امیر تیمور بعمر ۷۱ سال سمرقند میں فوت ہوا جسے دنیا کے ایک عظیم اور خوبصورت مقبرے میں دفن کیا گیا۔ اس کو فوت ہوئے چھ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر اب بھی اس مقبرہ کو مقبرہ تیمور کہنے کی بجائے امیر تیمور کہتے ہیں۔ سمرقند میں مقبرہ تیمور کی ڈیوڑھی کے کتبے پر یہ الفاظ کندہ ہیں۔

''آرام گاہ شہنشاہ دوراں، سلطان جہاں پناہ، صاحب سیف تیمور بادشاہ فاتح عالم''۔

اس کے جانشینوں خلیل سلطان، شاہ رُخ، اُلغ بیگ، سلطان ابوسعید، سلطان حسین بائقرا نے ۹۰۶ھ مطابق ۱۵۰۰ء تک مختلف حصوں پر حکومت کی۔ سلطان حسین اس سلسلے کا آخری بادشاہ ہے جسے شیبانی خان نے شکست دے کر اپنی حکومت قائم کرلی۔ شیبانی خان بابر اور شاہ اسماعیل صفوی کا ہم عصر تھا۔ ان دونوں کے ساتھ اس کی جنگیں ہوتی رہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بال آخر بابر اور اسماعیل صفوی نے مل کر اسے شکست دی اور قید ہو کر ۱۵۱۰ء میں قتل ہوا۔

تیمور لنگ کی سفاکی

امیر تیمور رافضی انتہائی سفاک، ظالم اور درندہ شخص تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا اور تقریباً بارہ لاکھ مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے۔ یورپ کے فاتح سلطان غازی بایزید خان اول (جنہیں دشمن پر انتہائی سرعت کے ساتھ حملہ آور ہونے کی وجہ سے "یلدرم" یعنی بجلی کا لقب دیا گیا) جو اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اور عیسائی اقتدار کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے لیکن امیر تیمور کی رگِ سبائیت پھڑکی، اس نے قیصر روم کے ساتھ ساز باز کر کے بایزید کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جسے تاریخ میں "جنگ انگورہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جنگ ۱۹/ ذی الحجہ ۸۰۴ھ بمطابق ۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء کو لڑی گئی۔ بایزید کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل تھی جبکہ تیمور کی فوج کی تعداد عام طور پر پانچ لاکھ سے زیادہ اور بعض مؤرخین کے مطابق ۸ لاکھ تھی۔ اس جنگ میں بایزید شکست کھا کر گرفتار ہو گئے اور یوں عیسائیوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"فیروز شاہ تغلق کی وفات ۷۸۸ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد تخت کے دعویداروں میں خانہ جنگی ہوئی۔ جو بادشاہ فیروز کے جانشین ہوئے، وہ بڑی ذمہ داریوں کے اہل نہ تھے۔ چنانچہ حکومت دہلی کا اقتدار بہت کم ہو گیا، اور رہا سہا اقتدار تیمور کے حملے نے مٹا دیا، جو ۷۹۸ھ میں افغانستان کے رستے ہندوستان آیا۔ راستے میں جہاں کہیں وہ گزرا قہرِ الٰہی کی طرح علاقوں کو تاخت و تاراج اور باشندوں کو قتل کرتا آیا۔ دہلی میں محمود تغلق بادشاہ تھا۔ وہ دہلی چھوڑ کر گجرات فرار ہو گیا۔ تیمور نے شہر کو لوٹا اور باشندوں کا قتل عام کیا۔ پھر میرٹھ اور جموں کے راستے واپس گیا۔ اور قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کی درخواست پر اُس لڑائی کے لئے تیاری شروع کی جس میں اس نے سلطان بایزید یلدرم کو شکست فاش دے کر یورپ کو ایک عرصے کے لئے عثمانی ترکوں سے محفوظ رہنے کا موقعہ دیا۔

بعض لوگ تیمور کا ایک خواب نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوستان پر حملہ کرنے سے اس کا مقصد کفر و شرک کی بیخ کنی تھا۔ حقیقتاً خود فریبی کی اس سے زیادہ نمایاں مثال ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔ تیمور نے ایران اور دوسرے اسلامی ممالک میں جو ظلم ڈھائے اور جا بجا بدنصیب مسلمان مقتولوں کے سر کاٹ کر کلہ مینار بنائے تھے، ان سے کون سے شرک کی بیخ کنی ہوتی تھی۔ اور ہندوستان میں بھی دہلی کی اسلامی حکومت کو تباہ کرنے اور اسلامی تہذیب و تمدن پر ضرب لگانے کے سوا اس نے کچھ نہیں کیا۔ تیمور ہلاکو اور چنگیز کا جانشین تھا۔ اور اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا (بلکہ خراسان کے خوشامدی لوگوں کی باتوں میں آ کر اپنے آپ کو مجدد بھی یقین کرنے لگا تھا[1]) لیکن اس پر اور اس کے ساتھیوں پر اسلامی تعلیمات کا

1۔ آئینہ حقیقت نما از شاہ اکبر خاں نجیب آبادی جلد دوم ص ۱۹۹

2۔ رودِ کوثر ص ۴۴۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ابھی وہ اثر نہ ہوا تھا جو آہستہ آہستہ بابر اور بعد کے مغلوں پر ہوا، اور ابھی تک اس میں اپنی نسل کی روایتی سخت گیری اور درشت مزاجی بہت حد تک باقی تھی۔[2]

یلدرم کی شکست عالمِ اسلام کی شکست تھی

مؤرخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی کے بقول:

''میدانِ انگورہ میں اگر تیمور کو شکست ہوتی تو یقینا تیمور اور اس کے خاندان کو نقصان عظیم پہنچتا لیکن عالم اسلام کو تیمور کی شکست سے کسی نقصان کا اندیشہ نہ تھا کیونکہ مشرقی ممالک جو تیمور کے قبضے میں تھے وہ تیمور کے بعد بھی مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہتے، ان کی نسبت یہ اندیشہ ہرگز نہ تھا کہ اسلامی ممالک کسی غیر مذہب کی حکومت میں شامل ہو جائیں گے۔ لیکن بایزید کی شکست سے عالم اسلام کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ یورپ کی طرف اسلامی پیش قدمی رُک گئی اور نیم مردہ یورپ پھر اطمینان وسکون کے سانس لینے لگا۔

تیمور کی تمام ترک وتاز اور فتح مندیاں مسلمان سلاطین کو زیر کرنے اور مسلمانوں کے شہروں میں قتل عام کرانے میں محدود رہیں اور اس کو یہ توفیق میسر نہ آسکی کہ غیر مسلموں پر جہاد کرتا یا غیر مسلم علاقوں میں اسلام پھیلاتا۔[1]

موصوف کا یہ شکوہ بے جا ہے اس لئے کہ شیعہ مذہب اسلام کے بالمقابل کفر وارتداد، الحاد وزندقہ اور نفاق وشقاق کی پہلی تحریک ہے جو اسلام کو مٹانے کے لئے کھڑی کی گئی تو ایسے مذہب کے کسی حامل اور پیروکار سے اس بات کی توقع کیوں کر کی جاسکتی ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو اسلام یا مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنے۔ اس مذہب کی تو ساری تاریخ ہی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش غداری اور فریب دہی سے بھری ہوئی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ!

''تاریخ کے ہر دور میں شیعوں نے کفار ومشرکین کا ساتھ دیا اسلام سے بے وفائی کی اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچایا۔ پھر موصوف اپنی تحقیق اور معلومات کا نچوڑ پیش کرتے ہیں کہ ''فایامھم فی الاسلام کلھا سود'' مختصر یہ کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کی تاریخ میں شیعیت ایک سیاہ ترین بدنما داغ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔''[2]

امیر تیمور تعزیے کی بدعت کا بانی

شیعہ عالم غلام احمد کاکوروی لکھتے ہیں کہ:

1۔ تاریخ اسلام ج ۳ ص ۳۵۶۔ ۳۵۴

2۔ منہاج السنہ ص ۱۱۱ ج ۴

3۔ ماہنامہ المعرفت حیدرآباد ۱۳۸۹ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''سب سے پہلا تعزیہ صاحب امیر تیمور نے رکھا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تیمور کو حضرت امام حسینؓ سے بے حد عقیدت تھی اور وہ ہر سال کربلا معلی روضہ اطہر کی زیارت کو جاتا تھا ایک سال جنگ و جدل میں وہ اس قدر مصروف رہا کہ وہ زیارت نہ کر سکا چنانچہ اس نے روضۂ اقدس کی شبیہ منگوا کر اس کو تعزیہ کی صورت میں بنا لیا اور اس کی زیارت سے تسکین حاصل کر لی۔'' 3

الغرض امیر تیمور اور اس کے جانشینوں کے ایک سو چوبیس سالہ (۷۸۲ھ تا ۹۰۶ھ) دور میں شیعہ اور مذہب شیعہ نے خوب ترقی کی اور اس میں اہلسنت مظالم کا نشانہ بنے رہے۔

قرا قویونلو (۷۸۰ھ۔ ۸۷۴ھ) کا عہد

شیعہ مجتہد سید محمد طباطبائی لکھتے ہیں کہ!

''اسی طرح آق قویونلو اور قرہ قویونلو خاندان کے سلاطین جو تبریز میں حکومت کیا کرتے تھے اور ان کی حکمرانی اور بادشاہت کی وسعت فارس (شیراز) اور کرمان تک پہنچ چکی تھی مذہب شیعہ کے پیرو تھے۔'' (شیعہ ص ۵۴)

قرا قونلی خاندان نے آذربائیجان میں نہروان کے جنوبی ملکوں میں اپنی حکومت قائم کی اور ۷۸۰ھ سے ۸۷۴ھ تک حکمران رہے۔ قرا قویونلو ترکمانوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ اس خاندان کا مشہور حکمران قرا یوسف تھا۔ ان کا اپنا قومی علَم تھا جس پر سیاہ بھیڑ کا نشان ہوتا تھا۔ قرا قونلی کے معنی سیاہ بھیڑ کے ہیں۔ اسی وجہ سے مؤرخین یورپ انہیں Black Sheep Dynasty لکھتے ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں انہوں نے روس کی وادی والگا میں اقتدار حاصل کیا۔ امیر تیمور کے زمانے میں یہ لوگ وطن سے نکل کر آرمینیا اور آذربائیجان میں آبسے پھر ان کے ایک رئیس بیرم خواجہ نے سلطان اویس جلائر کے دربار میں ملازمت اختیار کی جس سے انہیں کچھ استحکام حاصل ہو گیا۔ اویس فوت ہوا تو بیرم خواجہ نے موصل، سنجر اور ارجش کے علاقے فتح کئے آخر ۷۸۲ھ میں اس نے وفات پائی۔

آق قویونلو (۷۸۰ھ تا ۹۰۸ھ)

قرا قویونلو قبیلے کی طرح یہ بھی ترکمانوں کا ہی ایک قبیلہ تھا۔ اس کا اپنا الگ جھنڈا تھا جس پر سفید بھیڑ کا نشان ہوتا تھا۔ آق قویونلو کے معنی سفید بھیڑ کے ہیں۔ اس قبیلے کے اقتدار کا زمانہ بھی کم و بیش وہی ہے جو قرا قویونلو کا تھا۔ اس قبیلے کا سب سے پہلا شخص جسے شہرت حاصل ہوئی بہاؤالدین قرا عثمان تھا۔ اس نے شام اور ایشیائے کوچک کی فتوحات میں مغلوں کو مدد دی تھی جس کے صلے میں امیر تیمور نے اسے دیار بکر کی حکومت دے دی۔ بعد میں ۹۰۸ھ میں شام اسماعیل صفوی نے ان کی سلطنت کو مٹا کر تمام ممالک پر قبضہ کر لیا۔ قرا قویونلو اور آق قویونلو شیعہ فرقہ اثنا عشریہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور دوسرے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

علاقوں سے بھی علمائے اثنا عشری یہاں آ کر جمع ہو گئے اور سرکاری سرپرستی میں اپنے مذہب کو فروغ دینے لگے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بیسواں باب:

ایران میں صفوی خاندان کا اقتدار

دسویں صدی کی ابتدا (۹۰۵ھ) میں ایران وخراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا، اس سلطنت کا بانی شاہ اسماعیل صفوی تھا (۹۰۵ھ۔۹۳۰ھ) اس خاندان نے رفتہ رفتہ اس پورے علاقہ پر اپنا مستحکم اقتدار قائم کرلیا۔ یہ سلطنت عثمانیہ کے متوازی سلطنت تھی، جس نے سلطنتِ عثمانیہ کے بالمقابل مذہب اثناعشری جعفری کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا، حکومت کے اقتدار اور وسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے پورے ایران میں اس مذہب کی اشاعت و ترویج کا بیڑہ اٹھایا، اور اس میں اس نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔

سلطنت عثمانیہ کا قیام[1]

انہی دنوں دسویں صدی کے اوائل میں عرصہ کے بعد (غالباً سلطان صلاح الدین ایوبی متوفی ۵۸۹ھ کے بعد)

1۔ بانیٔ خلافتِ عثمانیہ سلطان سلیم نے جب اپنی خلافت کا اعلان کیا تو ان کے خلاف کسی کو بھی آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ سلطان سلیم اوّل نے ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء میں مصر کو فتح کر کے دولت چراکسہ مصر کا خاتمہ کر دیا اور خلیفہ المتوکل الثالث کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ (استنبول) لے آئے۔ پھر خلیفہ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ منصبِ خلافت سے دست بردار ہو کر خلافت کا بار امانت سلطان سلیم کے حوالے کر دیں۔ خلیفہ نے یہ تجویز رضا اور رغبت سے منظور کر لی اور تبرکاتِ خلافت سلطان سلیم اول کے سپرد کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔ سلطان سلیم کے خلیفہ اسلام تسلیم کرنے اور مرکز خلافت کو قاہرہ کی بجائے استنبول منتقل کرنے کے مسئلہ پر علمائے اسلام میں رائے کا اختلاف پیدا ہوا۔ آخر طویل بحث کے بعد علمائے مصر نے جامع ازہر میں مجلس منعقد کر کے اور علمائے ترکی نے قسطنطنیہ کی جامع ایوبی میں اجتماع کر کے سلطان سلیم کے خلیفہ بننے اور مرکزِ خلافت کے منتقل ہونے کو جائز قرار دینے کا فتویٰ صادر کر دیا اور مکہ معظمہ کے علمائے کرام نے بھی اس فتویٰ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس طرح ترکی کے سلطان سلیم اوّل خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار کر کے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین بن گئے۔ اہل سنت والجماعت کے علماء نے ہر جگہ قسطنطنیہ، قاہرہ اور مکہ معظمہ کے علمائے دین کے اس فتویٰ کو صحیح تسلیم کر لیا۔ (بحوالہ شیعیت تاریخ وافکار۔ص ۳۵۳)

مولانا سید علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں، دسویں صدی ہجری میں پوری دنیائے اسلام کے ذہن پر مذہب کی گرفت مضبوط تھی، عوام عام طور پر (اپنی علمی واخلاقی کمزوریوں کے باوجود) راسخ الاعتقاد مسلمان، دین پسند، اور اسلام دوست تھے۔ ان میں خاص دینی حمیت اور اسلامی جوش پایا جاتا تھا، اگرچہ بہت سی بدعات اور خلافِ اسلام افعال کے مرتکب ہوتے رہتے تھے، لیکن عام طور پر کفر والحاد سے بیزار و متنفر تھے۔

ان کے اس عمومی دینی ذوق اور مزاج کی وجہ سے سلاطینِ اسلام کو بھی (جو بڑی سے بڑی مخالف طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور جن کی فوجی طاقت نے یورپ کو بھی لرزہ براندام کر رکھا تھا) شعائر اسلام کا احترام، اور دین کی حمایت ونصرت کا اظہار واعلان کرنا پڑتا تھا، اور عوام کے دلوں پر اس وقت تک ان کی عظمت ومحبت کا نقش قائم نہیں ہونے پاتا تھا جب تک کہ وہ اپنے اس دینی پہلو کو نمایاں نہ کریں...... بقیہ اگلے صفحہ پر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عالمِ اسلام کے مرکزی حصہ (مشرق وسطیٰ) کو سیاسی استحکام حاصل ہوا تھا، اور مغربی ایشیا کے عرب ممالک ایک ایسے جھنڈہ کے نیچے جمع ہوئے تھے جس کے بلند کرنے والے اپنے کو حامیٔ اسلام، خادم الحرمین الشریفین اور مسلمانوں کا پاسبان کہتے تھے، اور جنہوں نے (خواہ اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر) خلافت کو بھی زندہ کر دیا تھا، جو آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کی تاتاریوں کے ہاتھوں شہادت (۶۵۶ھ) کے بعد سے مصر میں "عیسوی پاپائیت" کی طرح رہ گئی تھی۔ 1

صفوی عہد کی بنیاد کیسے پڑی؟

ساسانیوں کے بعد یہ پہلا خاندان ہے جس نے مذہبی بنیاد پر آزاد حکومت قائم کی اور سرزمین ایران کو ملی وحدت بنا دیا اور گویا ایرانی قومیت کا نئے سرے سے آغاز کیا، اس مذہبی اور ملّی تحریک کا مؤسس اوّل شاہ اسماعیل صفوی ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

اسماعیل کے مورث اعلیٰ شیخ صفی الدین (م ۱۳۳۴ء) جن کا سلسلہ نسب امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے، شیخ زاہد گیلانی (م ۱۳۰۰ء) کے مرید اور داماد تھے۔ انہوں نے اردبیل میں سکونت اختیار کی اور اپنی خانقاہ میں تصوف کی تعلیم دیتے رہے۔ ان کے عقائد میں بجز "اہل بیت کی محبت" کے شیعی عقائد کی کوئی خاص جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے نام کی مناسبت سے "صفوی عہد" کی بنیاد قائم ہوئی۔ شیعہ مذہب اور شیعی تکنیک سے باخبر لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ "شیعیت" میں داخلہ کا دروازہ ہی "حُبِّ اہل بیت" کا نعرہ ہے۔ اس گروہ کے نزدیک "اہل بیت" سے اُمہات المومنین ازواجِ مطہرات خارج ہیں جو کہ اصلاً اور حقیقتاً اہل بیت کے زمرے میں داخل ہیں۔ جبکہ اہل سنت تمام اہل بیت کے ساتھ محبت جزء ایمان سمجھتے ہیں۔ شیعہ اصطلاح میں "حب اہل بیت" کو "تولّا" اور مخالفین اہل بیت (جو شیعہ کے نزدیک ازواجِ مطہرات وصحابہ کرامؓ ہیں) سے اظہارِ بیزاری ولعن طعن کو "تبرّا" کہا جاتا ہے۔ شیخ صفی الدین کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ ان کے عقائد میں "بجز اہل بیت کی محبت" کے شیعی عقائد کی کوئی خاص جھلک نظر نہیں آتی۔ 2

بقیہ حاشیہ.........

سلطان سلیم اوّل کی سلطنت میں اس وقت تک استحکام نہیں پیدا ہوا جب تک کہ اس نے خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار نہیں کیا، اس نے اپنے دمشق کے قیام کے دوران مقاماتِ مقدسہ سے اپنی نیازمندی اور عقیدت کا برملا اظہار کیا، ذی الحجہ ۹۲۳ھ میں سلیم نے حاجیوں کا ایک قافلہ دمشق سے روانہ کیا جس کے ساتھ پہلی مرتبہ ترکی سلطان کی طرف سے بطور ہدیہ غلافِ کعبہ بھیجا گیا، اس وقت سے سلاطین ترکی خادم الحرمین الشریفین کا خطاب استعمال کرنے لگے، جس کی وجہ سے انہیں اسلامی دنیا میں بڑا وقار حاصل ہوا، سلیمان اعظم کی زندگی میں تواضع اور خاکساری اور گہرے دینی جذبات کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، اس نے قرآن مجید کے آٹھ نسخے اپنے ہاتھ سے لکھے جو سلیمانیہ میں محفوظ ہیں، وہ اپنے دیوان کی غزلوں اور نظموں سے ایک راسخ الاعتقاد مسلمان ظاہر ہوتا ہے، اس نے مفتی ابوالسعود (م ۹۵۲ھ) (صاحب تفسیر ابوالسعود) کے فتوے کی سند پر کعبۃ اللہ کی از سرِ نو تعمیر کی، اور مکہ مکرمہ کی پختہ کاریزیں بنوائیں، سلطان مراد نے ۹۸۴ھ میں کعبۃ اللہ کی عمارت کی تکمیل کی، (جس پر وہ اس وقت تک قائم ہے) یہ سب دسویں صدی کے سلاطین آلِ عثمان کے کارنامے ہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۴ ص ۳۱)

1۔ تاریخ دعوت وعزیمت ج ص ۲۵

2۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۳۶۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaqi

اسی مقالہ نگار کے مطابق رفتہ رفتہ محبتِ اہل بیت نے ہی شیعیت کا رنگ اختیار کیا۔ یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ صفوی خاندان کی حکومت سات ترکی قبائل (استاجلو، تکرلو، بہارلو، ذوالقدر، شاملو، قاچار، افشار) کی بدولت قائم ہوئی اور ان لوگوں میں شیعی عقائد صوفیوں کے تبلیغی طریقے سے پھیلائے گئے تھے۔1

''حب اہل بیت'' کے اس بنیادی عقیدے کے ساتھ ساتھ اگر شیعہ عقیدۂ تقیہ شریفہ بھی پیشِ نظر رکھا جائے تو معاملہ بالکل ہی صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اردبیل کا شہر ماژندران کے علاقے میں شامل ہے جہاں پر خود شیعہ مجتہد کی شہادت کے مطابق ''مرعشی سادات نے کئی سالوں تک حکومت کی تھی''۔2

امیر تیمور جو خود رافضی تھا اس نے ایک معتقد کی حیثیت سے شیخ صدرالدین کے ساتھ ملاقات کی اور باقاعدہ پروگرام کے تحت قیدی آزاد کئے جنہوں نے آگے چل کر اعلانیہ شیعہ مذہب قبول کرلیا۔

پھر یہ علاقہ قراقویونلو خاندان کی حکومت میں رہا جو ایک شیعہ خاندان تھا۔ شیخ صدرالدین کے پڑپوتے شیخ جنید کی شادی آق قویونلو قبیلے کے شیعہ حکمران حسن اوزون کی بہن کے ساتھ ہوئی پھر شیخ جنید کا لڑکا شیخ حیدر اسی شیعہ حکمران کا داماد بنا جس نے بارہ ائمہ کی یاد میں بارہ گوشوں والی سرخ ٹوپی ایجاد کی تھی۔

شیخ صفی الدین ۷۳۵ھ مطابق ۱۳۳۴ء میں فوت ہوئے تو ان کا بیٹا صدرالدین ان کا جانشین ہوا، موصوف سلطان بایزید یلدرم اور تیمور کے ہم عصر تھے، تیمور نے جب بایزید کو شکست دی اور گرفتار کرلیا تو اس کے ساتھ اور بھی بہت سے ترک سپاہی اس لڑائی میں قید ہوئے۔ تیمور اس فتح کے بعد اردبیل پہنچا تو وہاں عقیدتاً شیخ صدرالدین کی خانقاہ میں بھی گیا۔ اس موقع پر شیخ نے امیر تیمور سے کہا کہ وہ دیار بکر کے ترک قیدیوں کو رہا کردے۔ اس نے فوراً تعمیل کرتے ہوئے انہیں آزاد کردیا۔ اس پر دیارِ بکر کے ترک قبائل سب کے سب شیخ کے مرید ہو گئے اور اردبیل میں ہی قیام کر کے شیخ کی خدمت گزاری میں مصروف رہنے لگے۔ بالآخر یہی ترک صفوی حکومت قائم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ صفوی خاندان کا اقتدار ۲۴۰ سال (۹۰۷ھ تا ۱۱۴۸ھ مطابق ۱۴۴۴ء تا ۱۷۳۷ء) تک قائم رہا۔ شیخ صدرالدین کے بعد ان کے جانشین خواجہ علی مقرر ہوئے پھر ۸۳۰ھ مطابق ۱۴۲۶ء میں ان کے جانشین شیخ ابراہیم بنے اور ان کے بعد مسند ارشاد شیخ جنید نے سنبھالی۔ رفتہ رفتہ اگر ایک طرف محبت اہل بیت نے ''شیعیت'' کا رنگ اختیار کیا تو دوسری جانب علاوہ دینی وجاہت کے دنیوی اعتبار سے بھی انہوں نے اس حد تک جاہ و اقتدار حاصل کرلیا کہ انہیں اچھی خاصی فوجی طاقت بھی حاصل ہوگئی۔ بعد میں ''شیخ سلسلہ'' کا لقب شیخ کے بجائے ''شاہ'' مقرر ہوگیا۔

تیمور کی وفات کے بعد تیمور کی سلطنت اس کی اولاد میں تقسیم ہو کر پارہ پارہ ہوگئی تھی۔ آذربائیجان میں ترکمانوں کے قبیلہ قراقویونلو نے تیمور کے بعد ہی اپنی حکومت دوبارہ قائم کر لی تھی اسی طرح عراق کا شمالی حصہ ترکمانوں کے دوسرے

1۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ج ۳ ص ۶۴۵۔ تحت ایران

2۔ ''شیعہ'' ص ۵۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حصے آق قویونلو قبیلے کے قبضے میں تھا...... شیخ جنید کی مقبولیت اور اثر و رسوخ سے ڈر کر آزربائیجان کے حکمران جہاں شاہ قراقویونلو نے انہیں اردبیل سے نکال دیا۔ شیخ یہاں سے نکل کر دیار بکر چلے گئے جہاں کے حکمران اوزون حسن آق قویونلو نے ان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور اپنی بہن خدیجہ ان کے عقد میں دیدی۔ شیخ جنید جو اَب شاہی خاندان کے قریبی رشتہ دار بن چکے تھے انہوں نے اپنے مریدوں کو "درویشوں" سے سپاہیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا اور ایک فوج ترتیب دے کر اردبیل پر حملہ کر دیا اور جس میں شیخ لڑتے ہوئے مارے گئے۔

قزلباشوں کا جنم

شیخ جنید کے بعد ان کا بیٹا حیدر جو اوزون حسن کا بھانجا تھا گدی نشین اور "زہد و ارشاد" کے سلسلہ کا پیر تسلیم کیا گیا۔ شیخ حیدر ماں کی جانب سے شہزادہ اور باپ کی جانب سے درویش تھا، اس طرح اس میں "امارت اور طریقت" دونوں چیزیں جمع ہو گئیں۔ اوزون حسن نے اپنی بیٹی عالم شاہ بیگم کی شادی شیخ حیدر سے کر دی۔ یہ بیٹی اوزون حسن کی اس عیسائی بیوی کے بطن سے تھی جو ترابزون کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس سے شیخ حیدر کے تین بیٹے علی، ابراہیم اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ شیخ حیدر نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ کلاہ کے بجائے بارہ کنگروں والی سرخ ترک ٹوپی پہنیں جو دراصل بارہ اماموں کی عقیدت کا کنایہ تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ٹوپی کے ہر کنگرے اور گوشے میں ان ائمہ کے نام لکھے جاتے تھے اور یہ ٹوپی شیعہ اور غیر شیعہ میں امتیاز کی خاطر خاص اثنا عشری شیعوں کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس علامت کی وجہ سے شیخ کے مرید "قزلباش" (یعنی سرخ سر) کہلائے جانے لگے جو بعد میں ان کا مشہور عرف ہو گیا۔ چونکہ سرخ رنگ کو ترکی میں "قزل" کہا جاتا تھا اس لیے اس ٹوپی کو اوڑھنے والے قزلباش مشہور ہو گئے۔ اوزون حسن کی زندگی میں شیخ حیدر بالکل خاموش رہے۔ لیکن اس کی وفات کے بعد جب اس کا بیٹا امیر یعقوب تخت نشین ہوا تو شیخ نے اپنے مریدوں کی ایک فوج تیار کر لی اور دوسرے لوگوں کو بھی فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دی تا کہ شاہ شروان سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے، بالآخر شیخ حیدر بھی اپنے والد کی طرح شروان شاہ کے خلاف لڑتے ہوئے ۸۹۳ھ مطابق ۱۴۸۷ء میں مارے گئے۔

شیخ حیدر کے بعد اس کے مریدوں نے اس کے بڑے بیٹے علی کو اپنا پیر بنایا اور اس کے گرد بھی مریدوں کا ہجوم رہنے لگا۔ امیر یعقوب نے یہ دیکھ کر کہ علی بھی اپنے باپ دادا کی طرح شروان پر چڑھائی کی تیاری کر رہا ہے اور اس سے ملک میں خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہو گا اس نے علی اور اس کے بھائیوں کو ایک قلعہ کے اندر نظر بند کر دیا اور شروان سے صلح کر لی۔ یاد رہے کہ اسی امیر یعقوب کے باپ اوزون حسن نے شیخ حیدر کے باپ شیخ جنید کا پُرتپاک استقبال کیا تھا ان کے عقد میں اپنی بہن دی تھی اور شیخ حیدر کو اپنا داماد بنایا تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس کی اولاد محض اقتدار کی خاطر اس خاندان کی دشمن بن گئی۔ تینوں بھائی چار سال سے زیادہ عرصہ تک اس قلعہ میں قید رہے، جب امیر یعقوب فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا الوند بیگ تخت نشین ہوا تو علی بمع اپنے بھائیوں کے قید سے فرار ہو گیا اور اردبیل پہنچ کر فوج کی فراہمی میں مصروف ہو گیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لیکن الوند بیگ نے حملہ کر کے قتل کر دیا۔ جبکہ دوسرے دو بھائی ابراہیم اور اسماعیل لباس بدل کر اردبیل سے گیلان کی طرف بھاگ گئے۔ ابراہیم گیلان پہنچ کر فوت ہو گیا، اسماعیل جو کم عمر تھا اسے اس کے مریدوں نے اپنی حفاظت میں رکھا یا خود الوند بیگ نے اسے کم عمر اور کم حوصلہ سمجھ کر اس کے حال سے کوئی تعرض نہ کیا اور اسے آزاد رہنے دیا۔[1]

شاہ اسماعیل صفوی (۹۰۸ھ)

جب اسماعیل کی عمر تیرہ برس ہوئی تو اس نے ان سات ترکی قبائل (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کی بدولت (جو خاندانِ صفوی کے ہمیشہ پشت پناہ رہے) ایک عظیم لشکر تیار کر کے شروان شاہ فرخ یسار (سیر) سے ۱۵۰۰ء میں جنگ چھیڑ دی اور اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ اسماعیل نے بڑی بے رحمی سے اپنے باپ کے قاتلوں کا بدلہ لیا۔ باکو فتح کرنے کے بعد اسماعیل آذربائیجان کی طرف بڑھا تو آق قویونلو افواج نے الوند بیگ کی قیادت میں اس کا مقابلہ کیا مگر انہیں بھی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ان پیہم فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عراق و ایران اسماعیل کے قبضہ میں آ گئے۔

شاہ اسماعیل نے (بعمر چودہ سال) ۹۰۷ھ مطابق ۱۵۰۱ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کی رسم تاج پوشی بڑی دھوم دھام سے ادا کی گئی اور "شاہ" کے علاوہ اس نے "خاقان اسکندر شاہ" اور "شاہ دین پناہ" کے القاب اختیار کئے۔[2]

نیابتِ ملوکیت کا نظریہ

احمد الکاتب شاہ اسماعیل صفوی اور اس کی تحریک کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تبریز میں صفویوں کے ہاتھوں ایک نئی تحریک پیدا ہوئی، یہ صوفیہ کی ترکمانی تحریک تھی، جو شیعہ تحریک میں تبدیل ہو گئی تھی، اس کا قائد چودہ سال سے بھی کم عمر کا ایک نوجوان اسماعیل بن صفی الدین بن حیدر تھا، جس نے تبریز میں دسویں صدی ہجری کے آغاز ہی میں ۹۰۷ھ میں صفوی حکومت کے قیام کا اعلان کیا تھا، صوفیہ کی تحریک میں اسے قطب شمار کیا جاتا تھا اور اسے یہ لقب اپنے والد کی طرف سے وراثت میں ملا تھا۔ یہ شیخ تکیہ تھا اور اپنے پیروکاروں میں اسے بلند روحانی مرتبہ پر فائز سمجھا جاتا تھا خصوصاً اس لئے بھی کہ اس کا تعلق علوی خاندان سے تھا۔

صفویوں نے اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے جب فوجی تحریک شروع کی تو شیعیت کا نظریہ انتظارِ مہدی ان کے راستے میں زبردست رکاوٹ تھا، لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ "نظریہ انتظارِ امام مہدی" غیر معقول اور غیر حقیقت پسندانہ ہے، اگرچہ عرصہ دراز سے انہوں نے مذہب امامی اثنا عشری سے اپنی وابستگی کا اعلان کر رکھا تھا مگر حقیقت میں انہوں نے امامتِ الٰہیہ کے نظریہ کو مکمل طور پر قبول نہیں کیا تھا بلکہ عملی طور پر انہوں نے اسے رَد کرتے ہوئے ایک تاریخی نظریہ میں

1۔ شیعیت تاریخ و افکار ص ۳۴۸ تا ۳۵۱

2۔ ایضاً ص ۳۵۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تبدیل کر دیا تھا، انہوں نے اپنے قائدین کو جو غیر معصوم تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر منصوص بھی، یہ اجازت دے دی کہ وہ حکومت قائم کر کے امامت کی ذمہ داریوں کو ادا کریں جیسا کہ امویوں، عباسیوں اور عثمانیوں نے کیا تھا۔ نظریہ انتظار سے تجاوز کرنے میں انہیں قطعاً کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

صفوی حکومت کا تجربہ اپنے ابتدائی مرحلہ (شاہ اسماعیل بن صفی الدین کے ایام میں) سابقہ شیعہ سیاست کے تجربات یعنی بویہہ، سربداریہ، مرعشیہ اور مشعشیہ حکومتوں سے کافی مختلف رہا کیونکہ یہ حکومتیں خالص سیاسی حکومتیں تھیں، نظریاتی نہیں تھیں لیکن صفوی حکومت نے اپنے آپ کو ایسی دینی حکومت کے طور پر پیش کیا، جس کا روحانی وغیبی طور پر رابطہ ائمہ اثنا عشریہ سے تھا اور یہ شیعہ کے سیاسی افکار میں ایک انقلابی تبدیلی تھی کیونکہ اس طرح شیعہ کو انتظار کے سلبی اور الگ تھلگ کر دینے والے نظریہ سے حکومت وسلطنت کی ہنگامہ آرائیوں کی طرف منتقل کر دیا گیا تھا۔

شاہ اسماعیل کے دعوے اور ان کا تاریخی جائزہ

شاہ اسماعیل کے ہاتھوں ایک نئے سیاسی فکر نے جنم لیا اور انہوں نے تقیہ وانتظار کے نظریہ کی طرف التفات کے بعد ایک دن یہ دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے صاحبِ زمان مہدی منتظر سے انقلاب برپا کرنے اور ان ترکمانی امراء کے خلاف خروج کرنے کی اجازت لے لی ہے، جو ایران میں برسراقتدار تھے۔ ایک دن یہ اپنے صوفیاء رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ سیر کے لئے تبریز کے علاقہ میں نکلا ہوا تھا کہ ان کا ایک نہر کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے یہاں رک جائیں، وہ رک گئے تو اس نے اکیلے ہی نہر کو پار کیا اور ایک غار میں داخل ہو گیا اور پھر گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے باہر نکلا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اس نے غار میں صاحبِ زمان کو دیکھا اور انہوں نے فرمایا ہے کہ "ان کے خروج کا وقت قریب آ گیا ہے"۔[1] انہوں نے اس کی کمر کو پکڑا اور اسے تین بار اٹھایا اور پھر زمین پر رکھ دیا، اس کے تنگ کو اپنے ہاتھ سے باندھا، تنگ میں خنجر رکھا اور کہا کہ "جاؤ میں نے تمہیں اجازت دے دی ہے"۔[2]

اس کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے خواب میں امام علی بن ابی طالب کو دیکھا ہے، آپ نے انہیں قیام اور شیعہ حکومت کے اعلان کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا کہ:

> "میرے بیٹے! قلق واضطراب آپ کے افکار کو پریشان نہ کرے، قزلباشیہ......صوفیہ کے ملیشیا......کو ان کے کامل اسلحہ سمیت تبریز کی مسجد میں جمع کرو اور انہیں حکم دو کہ وہ لوگوں کا محاصرہ کر لیں اور اگر یہ لوگ اہل بیت

1۔ غور فرمایئے اگر شاہ اسماعیل اپنے دعوے میں سچا تھا اور امام مہدی نے واقعی سے یہ فرمایا تھا کہ "ان کے خروج کا وقت قریب آ گیا ہے" تو پھر کیا وجہ ہے کہ امام مہدی نے دسوی صدی ہجری کے آغاز میں دی گئی اس بشارت کو تاحال (جبکہ پندرہویں صدی کے بھی تیس برس بیت چکے ہیں) پورا نہیں کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ بھی شیعیت کے فریبی قائد کا فریب خوردہ قوم کے ساتھ ایک مذاق ہے۔

2۔ تاریخ شاہ اسماعیل۔ ص ۸۸۔ مرکز تحقیقاتِ فارس ایران و پاکستان

3۔ ایران فی العصر الصفوی، راجر سیوری ص ۲۶) (شیعہ کے سیاسی افکار و نظریات، احمد الکاتب ص ۵۵۸)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے نام کے خطبہ کے دوران میں کسی قسم کی مخالفت کا اظہار کریں تو فوج کو چاہئے کہ وہ انہیں منع کرے"۔[3]

نوجوان اسماعیل بن صفی الدین قطب صوفیہ نے اسی طرح کیا کہ قزلباشیہ کو حاضر کیا، جمعہ کے دن جامع تبریز کا محاصرہ کرلیا اور امامی اثناعشری مذہب کی سیادت اور صفوی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا اور اس کی بنیاد دو دعووں پر تھی (۱) انہیں امام مہدی کی طرف سے وکالت خاصہ حاصل ہے اور (۲) انہوں نے امام علی کو خواب میں دیکھا ہے۔

ان دونوں دعوؤں نے صفویہ کی اس صوفی تحریک کو یہ موقعہ فراہم کیا کہ وہ تقیہ وانتظار کے نظریہ سے آزادی حاصل کر کے حکومت صفویہ (شیعہ اثناعشریہ) کی بنیادوں کو استوار کر سکے۔(ایضاً)

ایران میں سنی اکثریت کی اقلیت میں تبدیلی

تخت نشینی کے بعد اسماعیل صفوی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک اعلان کے ذریعے اثناعشری شیعیت یعنی شیعہ مذہب کو ملک کا سرکاری دین قرار دیا حالانکہ تبریز میں اس وقت مسلمانوں (سنیوں) کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی اور خطرہ تھا کہ اس اعلان سے صفوی طاقت کو نقصان پہنچے گا لیکن اسماعیل اپنے فیصلے پر قائم رہا۔ اس اعلان سے جہاں دولتِ عثمانیہ میں بددلی کی لہر دوڑ گئی وہاں ایران کے مختلف حصے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس وقت ایران میں سنی اکثریت تھی جسے بزورِ شمشیر اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا۔

شاہ اسماعیل کی شیبانی خان سے جنگ

۱۵۰۳ء سے لے کر ۱۵۱۴ء تک شاہ اسماعیل نے ایک ایک کر کے اپنے حلیفوں کو شکست دی اور طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا۔ یوں بغداد اور دیار بکر سے لے کر ہرات تک سارے علاقے صفویوں کے قبضے میں آ گئے۔

۱۵۰۶ء اور ۱۵۱۰ء کے درمیان اس نے ہمدان، بغداد، لورستان اور فارس کے صوبے فتح کئے اور پھر مغربی اور شمال مغربی ایران پر قبضہ کر لیا۔ شمال مغرب میں عروج حاصل کرنے کے بعد شاہ اسماعیل نے محمد شیبانی خان ازبک حاکم خراسان (جو بڑا راسخ الاعتقاد سنی تھا) پر بابر خان (جس نے آگے چل کر ہندوستان میں مغل حکومت قائم کی) کے تعاون کے ساتھ چڑھائی کر دی۔ لڑائی سے قبل شاہ اسماعیل نے شیبانی خان کے پاس ایک سفارت بھیجی جس کا مقصد شیبانی خان پر اپنی طاقت کا لوہا منوانا تھا لیکن شیبانی خان نے مرعوب ہونے کی بجائے اس کو جواب دیا کہ "اگر تمہارے جدی مال میں سے کوئی چیز گم ہو گئی ہے تو یہ عصائے فقیری اور کشکول گدائی حاضر ہے" مطلب یہ تھا کہ تم تو فقیروں اور درویشوں کی اولاد ہو آج بادشاہ بن بیٹھے ہو اپنی اصلیت کو پہچانو، تمہارا ورثہ اور باپ دادا کی جائیداد یہی ہے۔ تم بھی گدائی کا پیشہ اختیار کرو۔

شاہ اسماعیل نے بھی جواب میں دھاگہ اور چرخہ بھیج دیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے الفاظ کو ایک عورت کی باتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا کیونکہ یہ ہتھیار عورتوں کے ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بال آخر ۱۵۱۰ء میں مرو کے قریب ایک بڑا خون ریز معرکہ ہوا جس میں شیبانی خان مارا گیا۔شاہ اسماعیل نے اس کا سر کاٹ کر اس کی کھوپڑی میں جواہرات جڑوا کر پیلے کے طور پر استعمال کیا۔(کیا گدی نشینوں کا یہی کردار ہوتا ہے؟) اس کے بعد ہرات اور بلخ پر شاہ اسماعیل کا قبضہ ہو گیا اس کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ وسط ایشیا میں صدیوں تک ازبک سلطنت قائم رہی۔ [1]

شاہ اسماعیل کی خلافتِ عثمانیہ سے محاذ آرائی

شاہ اسماعیل نے مذہبی تعصب کا بھرپور مظاہرہ کیا اور شیعوں کو بھرپور مراعات سے نوازنے کے علاوہ خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بھی سازشیں جاری رکھیں جس کی بناء پر ترکی میں بھی شیعوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے اور ان کی سازشیں اور سرگرمیاں ملکی امن وامان کے لئے خطرات پیدا کرنے لگی تھیں۔ترکی کے شیعوں نے صفوی حکومت کے ایماء پر ایشیائے کوچک میں بغاوت بھی کر دی جسے بڑی سختی سے فرو کیا گیا جس میں ہزاروں شیعہ اپنے سرغنوں سمیت کیفر کردار کو پہنچے۔اس واقعہ پر ایران کے شاہی دربار میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی اور شاہ اسماعیل صفوی نے اس سخت گیری کے خلاف احتجاجی مراسلت بھیجی۔جس کا جواب سلطان سلیم اوّل نے بڑے تہدید آمیز لہجے میں دیا۔ادھر سے بھی ویسا ہی گستاخانہ اور استہزاء آمیز جواب دیا گیا۔بال آخر وہ دن بھی آ گیا جب دونوں طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔تبریز سے بیس فرسنگ کے فاصلے پر چالدران میں ایک زبردست جنگ کے بعد شاہ اسماعیل نے بُری طرح شکست کھائی۔ترکی لشکر آگے بڑھ کر تبریز پر قابض ہو گیا جہاں سلطان سلیم اوّل نے ایک ہفتہ قیام کیا۔شاہ اسماعیل کے دل پر اس شکست کا اثر مرتے دم تک رہا، کہا جاتا ہے کہ اس حادثہ کے بعد کسی نے شاہ اسماعیل کو ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔سلطان سلیم اول واپس ہوئے تو شاہ اسماعیل پھر آذربائیجان آیا اور تبریز میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا، وہ ترکوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہی تھا کہ بعمر ۳۸ سال ۹۳۰ھ مطابق ۱۵۲۴ء میں اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ گیا۔ایران کے طول وعرض میں اس کا ماتم منایا گیا۔بعد میں اس کی اولاد ترکوں کے خلاف جنگ و پیکار میں مصروف رہی۔ [2]

شاہ طہماسپ ابن اسماعیل (۹۳۱ ہجری)

شاہ اسماعیل کی موت کے بعد اس کا بیٹا شاہ طہماسپ اس کا جانشین ہوا، ہمایوں بادشاہِ ہند نے اسی سے مدد چاہی تھی۔یہ بھی بڑا نامی بادشاہ ہوا ہے۔اور ترویجِ شیعیت میں اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتا رہا، اور مشہور شیعہ عالم محقق کرکی کا نہایت ہی فرمانبردار عقیدتمند تھا۔تمام امورِ حکومت شیعہ علماء بالخصوص ملا باقر مجلسی اور محقق کرکی وغیرہ کے مشورے سے سرانجام دیتا تھا۔ترویج شیعیت کے حوالے سے اس کی خدمات پر آئندہ سطور میں بحث کی جائے گی۔

1۔شیعیت تاریخ وافکار ص ۳۵۳

2۔ شیعیت تاریخ وافکار ص ۳۵۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شاہ اسماعیل ثانی بن طہماسپ (۹۸۹ ہجری)

یہ اپنے بھائی اسماعیل ثانی کے مرنے پر تخت پر بیٹھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد راہیٔ ملک عدم ہوا۔

حمزہ بن محمد خدابندہ (۹۹۴ ہجری)

اس نے برائے نام سلطنت کی۔

شاہ اسماعیل ثالث (۹۹۴ ہجری)

اس نے بھی برائے نام سلطنت کی۔

شاہ عباس (۹۹۴ ہجری)

اسماعیل اول اور شاہ طہماسپ سے بڑھ کر اس خاندان کا صاحبِ عظمت و شوکت فرد، جس کا زبردست بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے، شاہ عباس ہے، جسے عباسِ اعظم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ہندوستان کے بادشاہوں اکبر اور جہانگیر کا ہم عصر ہے۔ اس نے سلطنتِ عثمانیہ سے لڑکر نجف اور کربلا کو حاصل کیا، اور اپنا پورا دورِ اقتدار شیعیت کی بھرپور سرپرستی کے ساتھ ساتھ سنیوں بالخصوص عثمانی خلفاء کے خلاف سازشوں اور مہمات میں گزار دیا۔

شاہ صفی (۹۹۴ ہجری)

اس کے وقت میں خاندان صفوی نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔

شاہ عباس ثانی (۱۰۵۲ ہجری)

اسماعیل، طہماسپ، عباس اول کی طرح یہ بھی بڑا زبردست بادشاہ ہوا ہے۔ غیر مذہب والوں سے لڑنے کی وجہ سے غازی اس کو لقب ملا۔

سلیمان ۱۰۷۷ھ، شاہ حسین ۱۱۰۶ھ، شاہ طہماسپ دوم ۱۱۲۵ھ

سلیماں تک خیریت تھی۔ اس کے بعد خلجیوں اور ابدالیوں نے اس خاندان کو کمزور کر دیا۔

خاندان صفوی کے انحطاط کے زمانہ میں ابدالیوں اور خلجیوں کو کچھ زور رہا۔ ابدال اور درانی ایک ہی قوم ہے اور غور کے پہاڑوں پر اس کا ٹھکانہ تھا۔ لیکن اس وقت ہرات کے آس پاس آباد ہو گئے تھے۔

خلجیوں کی قوم اس زمانے میں قندھار کے گردونواح میں بستی تھی۔ خلجی اور ابدالی آپس میں بھی لڑتے تھے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے لئے خلجیوں اور ابدالیوں نے مل کر ایرانیوں کی سلطنت کو کمزور کر دیا اور پھر اس کے بعد خلجیوں نے جا کر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایران پر قبضہ کر لیا۔ خلجیوں کا سردار محمود قندھار سے روانہ ہو کر ایران میں داخل ہوا اور ۱۷۲۲ء کو تخت نشین ہوا۔ خلجیوں اور ایرانیوں کی جنگ کی ابتدا شاہ حسنین کے وقت میں ہوئی اور اس کے بیٹے شاہ طہماسپ ثانی نے محاصرے کی تکلیف سے گھبرا کر تاجِ شاہی محمود خلجی کے حوالے کر دیا۔

اپنے چچا محمود کے مرنے پر اشرف خاں تخت پر بیٹھا۔ سلطانِ ترکی نے سلطانِ روس سے مل کر اشرف خان کو دبانا چاہا، شمالی ملک کا روس خواہاں تھا اور مغربی حصہ کو سلطانِ ترکی دبانا چاہتا تھا۔ اشرف خاں نے لڑائیوں میں بڑی بہادری دکھائی۔ ان دونوں سلطنتوں نے اس کی سلطنت تسلیم کی۔ لیکن اشرف خاں ان حصوں کو واپس نہ لے سکا جو دشمنوں کے قبضے میں آ گئے تھے۔

مرزا طہماسپ جب تاجِ سلطنت محمود شاہ کے حوالہ کر کے علیحدہ ہوا کسی طرح نادر قلی درانی کے قبضہ میں آ گیا اور نادر شاہ نے اپنے کو اس کا سپہ سالار بنا کر ملکی فتوحات شروع کر دی۔ نادر قلی پہلے قزاقوں کی طرح لوٹ مار کرتا تھا، اب طہماسپ کی سپہ سالاری نے اس کی حالت میں بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا۔ نادر شاہ کے عہد میں (۱۷۲۹ء) اشرف خاں قتل کیا گیا، جو ملک اشرف خاں کے عہد نامہ سے سلطنت ترکی میں داخل ہو گئے تھے اسے نادر شاہ نے بزورِ شمشیر لے لیا۔

صفوی حکمرانوں کا ایک اہم استدلال

راجر سیوری نے ''ایران فی العصر الصفوی'' میں لکھا ہے کہ صفویوں کا اس فکر پر انحصار تھا کہ ایرانی بادشاہوں کو سات ہزار سال قبل یعنی اسلام سے بھی پہلے سے حق الٰہی حاصل ہے، انہیں یہ حق سادات ہونے کی وجہ سے حاصل ہے، ان کے جد امجد امام حسین بن علی نے یزدجرد کی بیٹی سے شادی کی تھی، جس کے بطن سے امام زین العابدینؒ پیدا ہوئے اور اس طرح ان کے دو حق جمع ہو گئے، خلافت کے لئے اہل بیت کا حق (حسب نظریۂ امامیہ) اور ایرانی بادشاہوں کا حق، اور پھر امام مہدی کی نیابت اس پر مستزاد ہے۔ اسی وجہ سے شاہ اسماعیل اپنے آپ کو ''اللہ کا نائب، رسول اور ائمہ اثناعشریہ کا خلیفہ اور غیبت میں امام مہدی کا نمائندہ قرار دیتا تھا۔ صوفیہ کے سپاہی قزلباش یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اللہ ہی کا جسم ہے۔

صوفیہ کی بعض روایات کے مطابق ایک صوفی شیخ زاہد کیسانی نے شاہ اسماعیل کے ظہور سے قبل نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اس نے شاہ اسماعیل کے دادا صفی الدین سے کہا جس نے اپنی بیٹی کا اسے رشتہ دے دیا تھا ''اے میرے بیٹے سید صدر الدین تجھ پر سلام ہو، اس سے ان کا اشارہ ان کے اس پوتے کی طرف تھا، جس کے بارے میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ اسے پیدا ہونے سے بھی پہلے انہیں دیکھ لیا ہے، اس کی نشانیاں بھی دکھائیں اور یہ کہتے ہوئے پیش گوئی کی کہ ''اس قائد کی اولاد دنیا کی بادشاہ بنے گی اور وہ قائم مہدی منتظر کے زمانہ تک آئے دن ترقی ہی کرتے جائیں گے''۔ یہ غیبی عقیدہ ان صفوی صوفیوں میں بہت مشہور ہو گیا تھا، جنہوں نے صفوی حکومت کو قائم کیا تھا، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ حکومت امام مہدی کے ظہور تک باقی رہے گی، لیکن یہ حکومت تو اسی وقت زوال پذیر ہو گئی تھی، جب شاہ اسماعیل کو جالدران کی جنگ میں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۹۲۰ھ/ ۱۵۱۲ء میں عثمانی بادشاہ سلیمان قانونی سے شکست ہوئی اور اس کے بعد قزلباشوں نے اس کے بارے میں اس غالی عقیدہ کو ترک کرنا شروع کر دیا کہ یہ موجود الٰہی یا نصف الٰہی یا زمین میں اللہ کا سایہ ہے، انہوں نے اس کی حکومت کے خلاف خروج کر کے آپس میں لڑائی بھی شروع کر دی تھی۔

صوفیہ نے صفوی تحریک کی مدد کی اور شاہ اسماعیل کے ساتھ تعاون کیا، جس کا یہ دعویٰ تھا کہ اسے کشف ہوتا ہے، ائمہ معصومین کے ساتھ اس کا شخصی رابطہ ہے اور وہ ان سے براہِ راست تعلیم حاصل کرتا ہے، ان دعووں کی وجہ سے اسے دینی و دنیوی طور پر وسیع اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔[1]

اگرچہ کئی ایک سیاسی وفکری تبدیلیاں پیدا ہوئیں مگر حکومت صفویہ کا پہلا نظریہ (یعنی بادشاہ امام مہدی کے نائب ہیں) کسی نہ کسی صورت میں ایک طویل وقت تک موجود رہا حتیٰ کہ یہ نظریہ حکومت صفویہ کے خاتمہ کے بعد بھی باقی رہا۔ مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ مرزا عبدالحسین ملا باشی جو نادر شاہ کے ایام میں رئیس العلماء تھا، اس نے نادر شاہ کی مخالفت کی جو کہ صفوی حکومت کے خاتمہ کے بعد آیا تھا، اور اس نے کہا کہ ”شریعت صفوی خاندان کے ساتھ ہے، جس کا اس وقت نمائندہ طہماسپ مرزا یا ان کا بیٹا عباس مرزا ہے، نادر شاہ نے اسے قتل کرا دیا تھا۔[2]

ایران میں بعض حکومتیں صفویوں کے نام سے قائم ہوئیں مگر کریم خان زند نے جس نے ایران پر قبضہ کر لیا تھا، اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان نہ کیا بلکہ کہا کہ وہ آل صفوی کے ایک چھوٹے سے فرد ہیں، قاجاریوں نے بھی صفویہ خاندان کے ساتھ خونی رشتہ تلاش کرنے کی کوشش کی، اس خاندان میں شاہِ اول (فتح علی شاہ) نے ارادہ کیا کہ وہ قرابت داری کی وجہ سے اپنے صفوی شاہ ہونے کا اعلان کر دے مگر قاچار کے سرداروں نے اسے اس سے منع کر دیا تھا۔[3]

صفوی بادشاہوں کا عمومی طرزِ عمل

قابل ذکر بات یہ ہے کہ چند ایک کے سوا دیگر تمام صفوی بادشاہ عموماً اسلامی شریعت اور دین حنیف کے احکام کی پابندی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ شراب پیتے، اندھا دھند سزائیں دیتے، قتل کرتے اور جس طرح ان کا جی چاہتا محرمات کا ارتکاب کرتے تھے، ان کی حکومت کسی بھی آمر، باغی اور فاسد حکومت سے مختلف نہ تھی۔[4]

صفوی حکومت نے اپنے اس بہت بڑے تضاد کو بہت سے انتہا پسندانہ نعروں اور باتوں سے چھپانے کی کوشش کی مثلاً خلفاء ثلاثہ پر منبروں اور سڑکوں پر سب و شتم حالانکہ (بقول احمد الکاتب) یہ طرزِ عمل سیرت اہل بیت (ع) اور (حقیقی) شیعہ جعفریہ کے اخلاق کے خلاف ہے، اسی طرح اذان میں ایک تیسری شہادت ”اشھد ان علیًا ولی اللہ“ کو داخل کرنا

1۔ تاریخ شاہ اسماعیل صفوی ص ۸۸ طبع مرکز تحقیقات فارس ایران و پاکستان۔ اسلام آباد
2۔ نقشِ روحانیت ص ۴۴
3۔ اسماعیل نوری علاء، جامعہ شناسی تشیع اثنا عشری ص ۵۰
4۔ ایران فی العہد الصفوی۔ بحوالہ شیعہ کے سیاسی افکار و نظریات ص ۵۶۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حالانکہ یہ ایک ایسا عمل ہے۔

جسے چوتھی صدی ہجری میں بعض انتہا پسند اور غالی شیعہ نے شروع کیا تھا اور علماء شیعہ امامیہ نے اسے شدت کے ساتھ مسترد کرتے ہوئے بدعت اور حرام قرار دیا تھا جیسا کہ شیخ صدوق نے ''من لا یحضرہ الفقیہ'' میں اسے بدعت اور حرام قرار دیا ہے، اسی طرح انہوں نے کئی حسینی شعائر مثلاً تعزیہ، سینہ کوبی، پرچم کشائی اور نماز میں سجدہ کے لئے مٹی رکھنے وغیرہ کو زندہ کرنے میں بھی بے حد غلو اور انتہا پسندی کا ثبوت دیا۔

صفویوں کا بدترین عمل

شیعہ مصنف احمد الکاتب کے بقول صفویوں کا سب سے زیادہ بدتر عمل یہ تھا کہ انہوں نے طاقت اور قوت کے زور پر لوگوں کو شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے مجبور کیا اور دوسرے مذاہب کے ان ہزاروں لوگوں اور علماء کو بے دردی سے قتل کر دیا، جنہوں نے شیعہ مذہب قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، عثمانی حکومت کی طرف سے اس پر شدید ردّعمل ہوا اور اس کے نتیجہ میں ہر جگہ بہت کثیر تعداد میں شیعہ کو قتل کر دیا گیا اور اس سے اسلامی وحدت کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور اس وقت سے لے کر اب تک شیعہ اور سنیوں میں بغض و نفرت چلی آ رہی ہے۔

صفویّوں کا باہمی رویّہ

احمد الکاتب لکھتے ہیں:

ان صفویوں نے شیعیت کو اس کی علوی حسینی جعفری روح سے خالی کر دیا اور اس کی شکل وصورت کو مسخ کر کے اسے مسلمانوں کے ایک باغی اور دشمن فرقے کا روپ دے دیا۔ زہد، حلم اور تواضع کے اعتبار سے بھی صفوی اہل بیت کے اخلاق سے کوسوں دور تھے، آپس میں ان کی چپقلش جاری رہتی اور اقتدار کے حصول میں ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگتے رہتے تھے بلکہ ان کے بہت سے بادشاہ اس قدر سفاک تھے کہ وہ اقتدار کی خاطر اپنی اولاد، اپنے بھائیوں اور اپنے رشتہ داروں کو قتل کرتے، ان کی آنکھیں پھوڑ دیتے اور پھر ان کا مثلہ تک کروا دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُمویوں، عباسیوں اور پہلے اور بعد میں آنے والے تمام ظالم حکمرانوں سے زیادہ بُرے تھے۔ شیعہ آج تک ان کی غلط سیاست کی قیمت ادا کر رہے ہیں اور ان بدعات کی وجہ سے ابھی تک تکلیف اٹھا رہے ہیں، جسے انہوں نے شیعہ ثقافت میں داخل کر دیا تھا۔[1]

جناب احمد الکاتب مزید لکھتے ہیں:

جب فکر پر جمود طاری ہو جائے، علماء رجعت پسند ہو جائیں اور نظریۂ انتظار جیسے غلط افکار و نظریات کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیں تو پھر یقیناً کچھ ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو ان افکار و نظریات کو رَد کرتے ہیں اور اگر انہیں کوئی صحیح فکر

1۔ شیعہ کے سیاسی افکار و نظریات ص ۵۶۲ 2۔ ایضاً

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نہ ملے تو پھر وہ ایسے غلط افکار ونظریات کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو سابقہ افکار سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، بعینہٖ اسی طرح یہ صفوی نظریہ بھی نظریہ انتظار سے زیادہ خطرناک تھا۔ بہر حال اس صفوی تجربہ نے شروع میں عراق، جبل عامل اور بحرین کے شیعہ کو خوب متاثر کیا اور خصوصاً علماء نے اس نو آموز شیعہ حکومت کی تائید وحمایت کی اور اس کے سراسر باطل افکار ونظریات کو پروان چڑھایا۔[2]

سلاطین صفویہ کے مظالم

جس وقت اسماعیل صفوی مملکتِ ایران میں شیعیت کو سرکاری مذہب کے طور پر رائج کرنے لگا تھا تو اس وقت اس کے بعض مشیروں نے اسے مختلف خدشات کی بناء پر اس اقدام سے منع کرنا چاہا اور مشورہ دیا کہ تبریز کی دو تہائی آبادی سنی ہے اس لئے خدشہ ہے کہ کہیں وہ متحد ہو کر بغاوت نہ کر دیں۔ اس لئے شیعہ خطبہ (جس میں پہلے تین خلفاء حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ پر تبرّا ہوتا ہے) فی الحال علی الاعلان نہ پڑھا جائے، تو اس نے جواب دیا کہ:

> ”خدائے عالم با حضرات ائمہ معصومین ہمراہ منندو من از ہیچ کس باک ندارم اگر رعیت حرفے بگوئید شمشیر بکشم ویک کس را زندہ نمے گذارم“

> ترجمہ:۔”اللہ تعالیٰ ائمہ معصومین کے ساتھ میری مدد میں ہیں اور مجھے کسی کی کچھ پرواہ نہیں۔ اگر رعایا میں سے کسی نے ایک لفظ بھی کہا تو میں تلوار نکال لوں گا اور ایک شخص کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

اسماعیل جو ایران کو جبراً شیعہ بنا رہا تھا اور اس کے ہاتھوں سنیوں پر بڑے بڑے مظالم ہوئے۔ چنانچہ ۱۵۱۲ء میں اس نے قرشی میں ان کے قتل عام کا حکم دیا جس میں بڑے بڑے سنی علماء مارے گئے۔[1]

عقیدۂ شیعیت کی تبلیغ بزورِ شمشیر

احسن التواریخ میں لکھا ہے کہ شاہ اسماعیل نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی سلطنت کے تمام خطیبوں کو حکم دیا کہ خالص شیعہ کلمہ ”اشھد ان علیًا ولی اللہ“ کو اقرارِ ایمان کا جزو بنایا جائے۔

فاضل روزگار ایڈورڈ براؤن اس مضمون پر ایک مستقل سرخی قائم کرتے ہیں ”عقیدۂ شیعیت کی تبلیغ بزور شمشیر“ اور حکومت کا یہ حکم نقل کرتے ہیں ”بازاروں اور گلیوں میں پہلے تین خلفائے راشدین پر تبرا بازی کا حکم دیا اور عدول حکمی کی سزا قتل قرار دی۔“[2]

حنفی ایران کو شیعی ایران میں بدلنے کا عمل

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۳۸۷

2۔ تاریخ ادبیات ایران جلد نمبر ۴ صفحہ ۸۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اہل سنت کے جمعہ و اجتماعات پر پابندی عائد کر دی گئی اور خطبوں میں برسرِ منبر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ اور بڑے بڑے صحابہؓ پر اعلانیہ تبرا کیا گیا بلکہ بازاروں اور گلیوں میں بھی ان پر لعنت کرائی گئی۔ ہزاروں علمائے اہل سنت کو قتل کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ان کی قبریں اکھڑوا کر ہڈیاں تک جلا دی گئیں۔ جیسے عین القضاۃ ہمدانی اور قاضی ناصرالدین بیضاوی وغیرہ۔ صفوی دور میں بچے کھچے ہزاروں اہل سنت خانہ بدوش ہو کر توران میں بادشاہانِ ماوراء النہر کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ الغرض اس طرح صفوی حکمرانوں نے انتہائی ظلم و بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایران میں سنی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا۔

مشہور مؤرخ ابن عماد حنبلی (م ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں کہ:

اسماعیلی صفوی ایران کے تمام امراء پر حاوی ہو گیا اس نے خراسان، آذربائیجان، تبریز، بغداد، عراق و عجم فتح کر لیا۔ ان علاقوں کے فرمانرواؤں کو مغلوب کر دیا۔ دس لاکھ سے زائد افراد کو اس نے قتل کیا۔ اس نے علماء کو قتل کیا۔ ان کی کتابیں اور مصاحف جلائے۔ سنی علماء اور اعیان کی قبریں کھدوا کر ہڈیاں نکلوائیں اور انہیں جلا کر خاکستر کر دیا۔[1]

مشہور ایرانی فاضل مؤرخ سعید نفیسی پروفیسر تہران یونیورسٹی لکھتے ہیں کہ:

صفوی بادشاہوں نے شیعہ مذہب کی اشاعت پر بہت زور دیا کیونکہ ان سے پہلے ایران کی اکثریت حنفی المسلک مسلمانوں کی تھی۔[2]

نصرانیوں کی حمایت میں عثمانیوں کے خلاف جنگ

یہ تو صفوی حکومت کی ''داخلہ پالیسی'' تھی جہاں تک اس کی ''خارجہ پالیسی'' کا تعلق ہے تو اس کے تحت انہوں نے یہود و نصاریٰ سے تعلقات اور روابط قائم کئے۔ چونکہ اس وقت خلافتِ عثمانیہ کی صورت میں مسلمانوں کی ایک مضبوط و مستحکم حکومت قائم تھی جس سے یورپ کے عیسائی لرزاں و ترساں تھے بالخصوص سلطان محمد فاتح کا نام سنتے ہی عیسائیوں پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ یہی وہ عظیم فاتح تھا جس نے عیسائیت کے مرکزی شہر قسطنطنیہ (جسے مسلمان آٹھ سو برس تک بار بار کی مساعی جمیلہ کے باوجود فتح نہیں کر سکے تھے) کو فتح کر کے پورے یورپ پر اپنی قابلیت اور عسکری مہارت کا سکہ بٹھا دیا۔ اس عظیم مجاہد اور ملتِ اسلامیہ کے قائد سے یورپ اس قدر مرعوب اور خوفزدہ تھا کہ اس کے انتقال پر پاپائے اعظم نے جشنِ مسرت منانے کا حکم دیا اور فرمان صادر کیا کہ تین روز تک مسلسل شکرانہ کی ''نمازیں'' پڑھی جائیں۔[3]

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ صفوی شیعہ حکمرانوں نے اپنے پیش روشیعوں کی اتباع میں کفار کی حمایت کرتے

1۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابت ماہ اپریل ۱۹۸۷ء ص ۳۹، ۴۰

2۔ مقدمہ نثر فارسی ص ۲۲

3۔ فلسفہ تاریخ العثمانی صفحہ ۲۷۴ از محمد جلیل

4۔ تاریخ مسلم اقوام صفحہ ۵۰۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہوئے اپنے پورے دور میں خلافتِ عثمانیہ کے ساتھ جنگ جاری رکھی تا کہ وہ اپنی فتوحات کا سلسلہ یورپ تک نہ بڑھا سکے۔

جرمن مستشرق بروکلمان لکھتا ہے کہ:

۱۵۸۸ء تا ۱۶۲۹ء صفوی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا اس زمانہ میں شاہ عباس صفوی نے حکومت چلانے کے لئے انگریز مشیر کاروں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ جن میں قابل ذکر مسٹر انتھونی اور سر رابرٹ چارلی تھے۔ شاہ ایران نے اپنے غیر ملکی مشیروں کی مدد سے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف کامیابیاں حاصل کیں اور اسٹریا کے خلاف انگریزوں کی مکمل حمایت کی۔[4]

اس سے قبل صفوی حکومت کا بانی شاہ اسماعیل بھی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف عیسائی حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرتا رہا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

بہر حال یہ شاہ اسماعیل تھا جس نے ایک باقاعدہ اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ کوشش کی کہ لیو (leo) دہم اور میکسلمین (Maximilian) اول سے دوستانہ تعلق قائم کرے۔ ۱۵۱۴ء یعنی چالداران کی شکست کے بعد اس نے چارلس پنجم کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا تا کہ دونوں متحد ہو کر اپنے مشترکہ دشمن دولتِ عثمانیہ سے انتقام لیں۔[1]

رافضی مؤرخین نے بھی ان تعلقات کا اقرار کیا ہے:

علاقہ میں پرتگالیوں کے بعد ایران نے برطانیہ، فرانس اور ہالینڈ کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کئے۔ یہ تعلقات شاہ عباس اوّل کے عہد میں بڑھ کر سیاسی، ثقافتی اور دینی تعلقات میں بدل گئے۔ ۱۵۸۷ء میں ایران کے یورپ کے ساتھ تعلقات میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ کے دربار میں پادریوں کے علاوہ یورپین تاجروں، سیاست دانوں اور کرائے کے فوجیوں کا میلہ لگا رہتا تھا اور یورپ کے انہی باشندوں نے ایران میں گرجا گھروں کی بنیادی رکھیں۔[2]

شیعہ مؤلف شیخ محمد حیات لکھتے ہیں کہ:

سر رابرٹ شرلے اپنے بھائی اور دوسرے چھبیس ہمراہیوں کے ساتھ سیاحت کی غرض سے ایران آئے ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ ایران اور انگلستان کے مابین آزادانہ تجارت شروع کر دی جائے۔ انہوں نے اپنے آپ کو بحیثیت انگریز سرداروں کے پیش کیا اور ساتھ ہی شاہ کی خدمت میں تحائف پیش کر کے فوجی ملازمت کے لئے درخواست کی تا کہ شاہ ان کے جنگی تجربات سے فائدہ اٹھا کر ترکوں کو شکست دے۔ شاہ عباس ان کی خوشامد سے بے حد متاثر ہوا اور انہیں بیس گھوڑے مع ساز و سامان جن میں سے دو پر سونے کے جڑاؤ والی کاٹھیاں بھی تھیں عطا کیے۔ علاوہ ازیں ٹٹو، اونٹ، خیمے اور کچھ نقدی

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۷۳۹

2۔ تہذیب و تمدن میں ایران کا مقام ص ۱۰۰

3۔ تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران ص ۱۶۵۔۱۶۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان کے تحائف کے بدلے میں دی۔ یہی شرلے تھا جس نے ترکوں کے خلاف شاہ کو اُبھارا (کیا خود شاہ ترکوں یعنی مسلمانوں کا کم مخالف تھا جسے اُبھارنے کی ضرورت پیش آئی ہو؟) اسی بدولت ایران میں عیسائیوں کو مذہبی، تجارتی اور دوسری ہر قسم کی رعایت دی گئی۔ یہ سچ ہے کہ ان بھائیوں نے ترکوں کے خلاف جنگوں میں بڑی قابل قدر خدمات سرانجام دیں، جن کے صلے میں شاہ نے انہیں طرح طرح سے نوازا، ان دونوں بھائیوں کے ذریعے شاہ عباس نے بیرونی ملکوں سے بھی سیاسی رابطے کئے۔ [3]

سرجان مالکم لکھتا ہے کہ:

شاہ عباس نے ایک خط یورپ کے عیسائی حکمران کی طرف لکھ کر سرانتھونی شرلے کے حوالے کیا جس خط میں اس نے عیسائی بادشاہوں سے اپنے تعلقات بڑھانے اور مستحکم کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاہ عباس نے ترکوں سے جن سے یورپی حکمران خوف زدہ رہتے تھے جنگ کرنے کا عزم دکھایا۔ چنانچہ شاہ عباس نے اپنے ارادہ کے مطابق قسطنطنیہ کے حکمران پر حملہ کردیا۔ [1]

خلافتِ عثمانیہ کو انگریزوں کے خلاف پیش قدمی سے روکنے کی ایرانی خدمات کا اعتراف خود آسٹریائی سفیر نے بھی کیا ہے۔

ہمارے اور ہماری تباہی کے درمیان اہل ایران ہی صرف ایک روک ہیں ترک ہمیں ضرور دباتے مگر ایرانی انہیں روکے ہوئے ہیں۔ ایرانیوں کے ساتھ ترکوں کی اس جنگ سے ہمیں صرف مہلت مل گئی ہے مخلصی اور نجات حاصل نہیں ہوئی ہے۔ [2]

صفوی حکمرانوں کی اس انتہاپسندی اور غداری کی وجہ سے ایران اسلامی ممالک کی صف سے خود بخود باہر ہوگیا۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

اسماعیل اول صفوی نے شروع ہی سے شیعی مسلک کو ایران کے سرکاری مذہب کا درجہ دے دیا۔ ان حالات میں ایران گرد و پیش کے اسلامی ممالک سے بالکل کٹ گیا۔ دوسری طرف یورپ میں دولتِ عثمانیہ کے دشمنوں کو اُمید ہوگئی کہ دولتِ عثمانیہ کی بیخ کنی کے مشترکہ مقصد میں ایران ایک قابل قدر شریک کار ثابت ہوگا۔ یورپی طاقتوں مثلاً وینس اور ہسپانیہ سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کا سبب یہی تھا۔ [3]

ان حقائق سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ صفوی حکمرانوں نے بھی شروع سے لے کر آخر تک اپنی پالیسی کا پورا رُخ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کی طرف موڑے رکھا اور اکثر یورپ کے عیسائی حکمرانوں سے ان کی سازباز رہی۔ جس کی

1۔ تاریخ ایران۔ بحوالہ الفرقان ص ۳۲ لکھنؤ۔ اپریل ۱۹۸۵ء

2۔ تاریخ ترکان عثمانی ج ۲ ص ۱۷۱۔ بحوالہ الفرقان ص ۳۱۔ اپریل ۱۹۸۵ء

3۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ ص ۶۵۱

4۔ لمحات من تاریخ العراق، ڈاکٹر وردی۔ ۵۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وجہ سے خلافتِ عثمانیہ جو یورپ میں اسلام کی اشاعت کے لئے بہت کچھ کرسکتی تھی مگر وہ ایران کی گھناؤنی سازشوں کا سدّ باب کرنے میں مصروف رہی۔

صفوی دور کی بدعات

براؤن کہتا ہے: اسماعیل صفوی ایک طرف تو انتہائی قاسی القلب اور خون کا پیاسہ تھا کہ جس کا ماننا مشکل ہے اور دوسری طرف خوبصورت، خوش اخلاق اور اپنی فوج میں محبوب تھا۔[4] اور یہ بھی اعلان کرتا تھا کہ اس کی حرکت وسکون ائمہ اہل بیت کے احکام کے مطابق ہوتی ہے اس لیے وہ معصوم ہے اور یہ کہ اس کے اور امام مہدی کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں اور اپنی ولایت کے بارے میں کہتا تھا کہ میری ولایت ختم نبوت اور کمالِ ولایت کی پَرتو ہے اور یہ کہ قرآن کریم کی آیت: و اذکر فی الکتاب اسماعیل (سورۂ مریم: ۵۴) میں اسماعیل سے میں مراد ہوں۔

اس کے اتباع اس کے ظہور کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبوت سے جوڑتے تھے اور یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہایت غالی تھا اور اس کے اتباع نے اس کے بارے میں اتنا غلو کیا کہ اسے سجدہ کرنے لگے۔[1]

اسماعیل صفوی نے امامی مذہب کی نشر واشاعت کے لیے نصر اللہ زیتونی پر اعتماد کیا اور ابن مطہر حلی کی کتاب "قواعد الاحکام" کی پہلی جلد کو تعلیم وتعلم کے لیے بنیاد قرار دیا اور جبل عامل کے بہت سے شیعہ علماء کو لالچ دے کر ایران آنے کی ترغیب دی تا کہ یہاں آکر شیعہ مذہب کی بنیاد پر حکومت قائم کریں۔[2]

سلطان طہماسپ کی زندگی میں اس کی آرزوؤں نے بہت کردار ادا کیا۔ اسے یہ گمان تھا کہ امام رضا اسے نظر آتے ہیں، وہ اپنی زندگی کے بیس سال تک شراب نوشی کرتا تھا۔ اس کا بیٹا اسماعیل ایک گمنام شخصیت ہے جسے منشیات نے برباد کر دیا تھا اور اس کے والد نے اس کی زندگی برباد کر رکھی تھی کہ اسے زندگی بھر جیل میں ڈالے رکھا اور راجح قول یہ ہے کہ اس کی موت ایک لونڈے کے گھر میں جس پر وہ عاشق تھا، زہر کھانے سے ہوئی۔

اسی طرح سلطان عباس ثانی شراب نوشی کے گڑھوں میں گر چکا تھا جس سے اس کی رونق ختم ہو گئی اور جلد ہی موت نے اسے گھیر لیا اور یہی حال اس کے بیٹے سلیمان کا تھا۔

اور حسین بن سلیمان کا حال تو یہ تھا کہ نہایت گھٹیا اور کمزور انسان تھا، اس نے اپنا نظام مملکت مذہبی اشخاص کے سپرد کر دیا تھا، انہوں نے پورا نظام خراب کر دیا۔[3] ان صفوی سلاطین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول بلیغ منطبق ہوتا

1۔ الفکر الشیعی۔ ڈاکٹر کامل مصطفی شیبی۔ ۴۱۳، ۴۱۴

2۔ الفکر السلفی جابری ص ۲۵۴

3۔ تاریخ الشعوب الاسلامیہ، بروکلمان ص ۵۰۰

4۔ دلائل النبوۃ، اصفہانی ۳/۲۰۰

5۔ الشیع العلوی، ڈاکٹر شریعتی ۵۸۔۸۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے جسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے عبداللہ! میرے بعد مسلمانوں کے ایسے حکمران ہوں گے جو سنتوں کو مٹائیں گے اور بدعات پھیلائیں گے اور نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات کے بعد ادا کریں گے"۔[4]

چنانچہ صفوی دورِ حکومت میں شیعیت ایسے سرکاری عہدوں میں بدل چکی تھی جس کا مقصد کینہ، بغض، سب وشتم، جعل سازی، جھوٹ، فریب، تغیر وتبدل اور تاویل تھا تاکہ موجودہ دین کو ختم کر کے ایک نیا دین پیش کریں۔ اندھے تعصب کا دور تھا اور عقیدہ کو سمجھنے کی ان میں استعداد نہ تھی۔ سلطان کے مزاج اور رائے کے خلاف ہر چیز کو حرام کر دیا جاتا اور معاشرے میں فکری انحراف اور دینی انحطاط کا دور دورہ تھا۔ اور ایرانی معاشرے کو امت اسلامیہ سے الگ کر دیا گیا تھا۔[5] اور یہ ایک ایسی تحریک تھی جس میں نرمی اور مسامحت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

اس دور کے کھلے ہوئے محدثات اور بدعات یہ ہیں:

۱۔ سب وشتم اور جماعتی سختیاں۔ ایرانیوں کو تین خلفاءِ راشدین (ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم) کے سب وشتم کے ذریعہ آزمایا جاتا تھا اور سڑکوں، بازاروں اور منبروں پر ان کو برا بھلا کہا جاتا تھا۔

۲۔ خوف وہراس اور قتل کے ذریعہ شیعیت کو پھیلایا گیا۔ چنانچہ جب اسماعیل نے تبریز کو فتح کیا اور وہاں طاقت کے ذریعہ شیعیت کو پھیلانے کا ارادہ کیا تو اس کے مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ایسا نہ کرے کیونکہ شہر کی آبادی کا دو تہائی حصہ اہل سنت پر مشتمل ہے، تو کہنے لگا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ اور ائمہ معصومین میرے ساتھ ہیں، اور میں کسی سے نہیں ڈرتا، اگر کسی نے مجھ پر اعتراض کیا تو اللہ کی مدد سے اپنی تلوار نکال لوں گا اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔[1]

۳۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یومِ شہادت کو منظم طریقہ سے منانے اور تعزیتی مجالس میں اضافے کیے گئے۔

۴۔ اسلامی حکومت کے حساب پر (جو اس وقت عثمانی خلفاء کی صورت میں موجود تھی) عیسائی کنائس سے مضبوط تعلقات جوڑے گئے اور شیعہ علماء پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ تعزیت کے خاص جلوسوں میں عیسائی مذہبی شخصیات کو اپنے ساتھ شریک کریں اور عیسائیوں سے بہت سی دینی اور اجتماعی رسوم نقل کی گئیں جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے مصائب کی مناسبت سے بجالاتے تھے اور ان رسوم کے ساتھ وہ تمام وسائل اور آلات بھی منتقل کر کے سب کو شیعیت پر چسپاں کر دیا گیا اور ان عیسائی مظاہر پر ایرانی شیعیت کا رنگ چڑھا دیا گیا جسے ایران ہی میں اختراع کیا گیا۔ جس کی نظیر نہ اس سے پہلے ایران میں ملتی ہے اور نہ ہی دین اسلام میں اور نہ شیعہ مذہب میں۔[2]

1۔ لمحات من تاریخ العراق، ڈاکٹر وردی ص ۵۷

2۔ التشیع العلوی۔ شریعتی ۱۳۲-۱۳۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۵۔ اذان میں تیسری شہادت (علی ولی اللہ) کا اضافہ ابن بابویہ نے ذکر کیا ہے کہ فرقہ "مفوضہ" (اللہ کی ان پر لعنت ہو) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اذان میں (اشهد انّ عليًا ولی الله يا اشهد انّ عليًا امير المومنين) کا اضافہ کیا۔ الغرض ان غالی فرقوں کے افکار فارسی شیعیت کے مصادر بن چکے تھے جن کو ائمہ کرام اور شیعہ عرب علماء رَد کر چکے تھے۔

٦۔ اذان میں "حیّ علی خیر العمل" کا اضافہ اور جو اس بارے میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی جاتی ہے اس کا کوئی وجود نہیں جس کے بارے میں ابن بابویہ کا قول یہ ہے کہ راوی نے اس روایت کو تقیہ کے طور پر ذکر نہیں کیا[1] اور اس قول سے اس کا مقصد اس روایت کو تاریخی حیثیت دینا ہے جبکہ شیعی فکر کے مصادر اس روایت کے ائمہ یا علماء شیعہ کے ذریعہ وجود کا اشارہ تک نہیں کرتے۔

۷۔ تربتِ حسینیؓ پر سجدہ کرنا۔

۸۔ بندوں کو سجدہ کرنا۔

۹۔ ایران میں مساجد کے قبلہ کی تبدیلی۔

۱۰۔ مردوں کا نجف میں دفن کرنا ضروری سمجھنا۔

۱۱۔ دینی شخصیات (شیعہ علماء) کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کی گئیں اور انہیں زرعی گاؤں الاٹ کر دیے گئے تاکہ ان کا خراج وصول کریں جس کے نتیجہ میں اوقاف کی زمین شیعہ علماء کی شخصی جائیدادیں بن گئیں اور ان تنخواہ خور شیعہ علماء کی تعداد جو سلطان حسین کے دور میں ماہوار وصول کرتے تھے ۷۰ ہزار تک پہنچ چکی تھی اور یہ لوگ جس کو چاہتے قتل کر دیتے اور جس کا چاہتے مال لوٹ لیتے۔[2] اس طرح ان مذہبی شخصیتوں کو پوری چھٹی مل گئی کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرائیں اور ان کے اختیار میں تھا کہ ہر چیز کو شرعی، قانونی اور قرآنی تحفظ دیں۔[3] جس کی ایک مثال یہ ہے کہ مغولی سلطان خدابندہ نے جب اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ابن مطہر حلی نے فتویٰ دے دیا کہ یہ طلاق باطل ہے[4] کیونکہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مصداق تھے جس میں

1۔ ابن بابویہ، التوحید ۲۳۸۔۲۴۱

2۔ ان محدثات کی تفصیل کے لئے دیکھئے: الفکر السلفی، جابری: ۲۵۴، ۲۵۵۔ لمحات من تاریخ العراق، ڈاکٹر وردی: ۵۸۔۶۰، التامرون، بہرام ایران من الصراع الدینی، فلیشر: ۱۵۳۔ تاریخ الشعوب الاسلامیت بردکلمان ۵۰۴۔ معجم رجال الحدیث، خوئی: ۱۰/٦

3۔ التشیع العلوی، شریعتی: ۹۵

4۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، حسن امین: ۲۸/۹، ۲۹

5۔ مسئولیۃ الشیعہ، شریعتی: ۱۱

6۔ النہج، شریف رضی ۱۷۲/۲/۱

7۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱۷۴/۳/۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انہوں نے فرمایا: ''یہ لوگ بغیر علم اور بغیر ہوش کے عبادت کرتے ہیں، جیسے گدھا کسی رہٹ کے ساتھ باند دیا گیا ہو۔''[5] اور ان کے اس قول کے مصداق ہیں جس میں انہوں نے فرمایا: ان میں بعض ایسے ہیں جو دنیا کو آخرت کے اعمال کے بدلے طلب کرتے ہیں اور اللہ کی جانب سے پردہ پوشی کو انہوں نے معصیت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔[6] یہ وہ لوگ ہیں جو دین کے پردے میں دنیا طلب کرتے ہیں۔[7]

صفوی شیعیت کا سب سے بڑا کارنامہ

مشہور شیعہ مجتہد ڈاکٹر علی شریعتی کے بقول صفوی شیعیت کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شیعیت کی اصلی روح اور اس کی ثقافت کو ختم کیا ہے اور یہی ایران کی اکثریت کا مذہب اور ان کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے۔[1]

یہ ایسا مذہب ہے جو ذمہ داریوں سے فرار کی راہ ہموار کرتا ہے اور قرآن کریم کی ظاہری جلد، اسے سنہری حروف میں لکھنے اور اس کی ظاہری تعظیم تک محدود ہے اور قرآن کریم میں غور وفکر کرنے اور اس کی تفسیر سمجھنے کے لیے آگے نہیں بڑھتا۔ یہ ایسا مذہب ہے جو قرآن کو بند رکھنا چاہتا ہے، کیونکہ اس کا کھولنا بڑا مشکل ہے اور اس سے ذمہ داریاں سامنے آتی ہیں۔[2]

صفوی شیعیت کے تمام ملا اپنی غلط توجیہات اور پُرفریب تاویلات سے مشترک مسائل کو اختلافی شکل میں پیش کرتے ہیں اور قرآن کی منزلت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ اشارہ کنایہ، مجاز اور استعارے کے پردے میں خلفاء کی نسبت گالیوں سے بھرا ہوا ہے۔[3]

علی شریعتی مزید لکھتے ہیں:

فارسی شیعیت اپنے غلو میں اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اس کے بعض محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب کی بنوّت (بیٹیاں ہونا) کا انکار کر دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''مؤرخین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام ولادت کی ترتیب سے یہ ہیں: زینب، رقیہ، اُم کلثوم اور فاطمہ (رضی اللہ عنہن) لیکن ان تاریخی نصوص میں غور وفکر کے بعد ہمیں فاطمۃ الزہراءؓ کے علاوہ کسی اور صاحبزادی کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ دوسری صاحبزادیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیاں پہلے خاوند سے تھیں۔''

اس طرح جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجات کا ذکر کیا ہے، ان میں حضرت اُم المومنین عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کا نام چھوڑ دیا ہے اور صرف حضرت زینب اور سودہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو ذکر کیا ہے۔[4]

1۔ الاعتماد علی الدین۔ ڈاکٹر شریعتی ص ۳۳

2۔ مسئولیۃ الشیعۃ، ڈاکٹر شریعتی ص ۳۰

3۔ التشیع العلوی، 〃 〃 〃 ص ۸۸

4۔ دائرۃ المعارف، حسن الامین ۱/ ۲۷۔ ۳۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اذان میں اشھد ان علیًا ولی اللّٰہ کا اضافہ

سید مرتضیٰ جو پانچویں صدی ہجری کے اکابر علماء شیعہ امامیہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں جس نے نمازوں کی اذان میں "اشھد انّ علیًا ولی اللہ" کہا اس نے حرام عمل کا ارتکاب کیا۔ اس رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں اس تیسری شہادت کا اضافہ غیبت کبریٰ کے بعد کیا گیا ہے لیکن مذہبی واقعات میں رسمی طور پر اس کا اظہار اس وقت ہوا جس وقت شاہ اسماعیل صفوی نے ایران کو تشیع میں داخل کیا اور اس نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ چبوتروں پر نماز کے وقت کہی جانے والی اذان میں تیسری شہادت کا اضافہ کریں اس طرح اس نے امام علی ﷺ کو رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کا مستقل مقام دے دیا، وہ دن اور آج کا دن تب سے پوری دنیا میں شیعہ کی تمام مساجد میں یہی طریقہ جاری ہے جسے صفوی حکمران نے وسعت و ترویج دی۔ ہم مشرق و مغرب کی ایک بھی شیعہ مسجد اس سے مستثنیٰ نہیں کر سکتے۔

اس سلسلے میں دلچسپ اور باعثِ تعجب بات یہ ہے کہ شیعہ فقہاء کا اس پر مطلق و مکمل اجماع ہے کہ اس شہادت کا اذان میں اضافہ زمانہ ائمہ کے بہت بعد ہوا ہے اور چوتھی صدی تک اسے کوئی نہیں جانتا تھا اور اس پر سب فقہاء متفق ہیں کہ اگر حضرت علی ﷺ بقید حیات ہوتے اور اپنے بارے میں سن لیتے کہ ان کا نام اذان میں پکارا جاتا ہے تو ایسا کہنے والے پر شرعی حد نافذ کرتے۔ اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ شیعہ فقہاء میں سے کسی نے اسے منع نہیں کیا بلکہ ان چند فقہاء کے خلاف مخالفانہ موقف اختیار کیا جنہوں نے اس بدعت کے خلاف آواز اٹھائی اور انہیں شیعیت سے خروج اور علی ﷺ اور ان کی اولاد سے لاتعلقی کے طعنے دیئے اور انہیں یکہ وتنہا چھوڑ دیا عوام اور جاہل لوگ بھی اسی اکثریت کے نقش قدم پر چلے۔

اس سے اندھے تعصب کا پتہ چلتا ہے جو بیک وقت بعض فقہاء اور جاہلوں کے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی کا کرب

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی جو شیعیت میں در آنے والی بے شمار قباحتوں اور بدعتوں کے خلاف اصلاح کا علم اٹھائے ہوئے ہیں، اپنی کتاب "الشیعة والتصحیح" میں لکھتے ہیں:

> "میں اس مسئلہ پر اپنے فقہاء کے ساتھ مجادلہ کر کے اُکتا چکا ہوں، مگر وہ گذشتہ کئی صدیوں سے ایک ہی نوعیت کے جواب دینے کے عادی ہو چکے ہیں اور ان جوابات میں کوئی نئی بات نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ تیسری شہادت (اشھد انّ علیًا ولی اللہ) نماز کا جزو تو نہیں ہے کہ اس سے نماز فاسد ہوتی ہو اس لئے اس کے اضافے کی کوئی وجہ ممانعت نہیں ہے"۔
>
> ہم ان سے کہتے ہیں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تیسری شہادت نماز کا جزو ہے یا نہیں بلکہ مسئلہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ اذان کے الفاظ رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمائے، لہٰذا یہ الفاظ سنتِ توقیفی ہیں ان میں کسی کمی یا اضافے کا جواز نہیں ہے خواہ کئی کلمات اپنی جگہ درست، صحیح اور مبنی بر حقیقت ہی ہوں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پھر وہ کہتے ہیں کہ تیسری شہادت اب شیعہ فرقہ کا شعار بن چکی ہے۔

ہم نے ان سے کہا کہ شیعیت کی نسبت اسلام کا شعار زیادہ اہم ہے، کیا شیعیت اسلام سے الگ کوئی فرقہ ہے اور اسے اپنی شناخت کے لئے الگ شعار کی ضرورت ہے؟

یہاں پہنچ کر وہ اپنی ذمہ داری دوسروں کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے کہتے ہیں، ہم شیعہ سے اذان میں سے تیسری شہادت ترک کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ان کی طبیعت کا حصہ بن چکی ہے اور شیعہ اس سے اسی طرح دلچسپی رکھتے ہیں جس طرح ایک بچہ اپنی ماں کے دودھ سے۔ اس طرح ہماری بات گرد وغبار کی طرح ہوا میں اڑ جاتی ہے۔

ہم ان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اکٹھے ہو کر ایک رائے کا اظہار کرو اور پوری صراحت اور شجاعت سے حکمِ الٰہی بیان کرو تو کوئی بھی اس کی اطاعت سے گریز نہیں کرے گا بصورتِ دیگر تمہاری ذمہ داری حکمِ الٰہی بیان کر دینا ہے اسے نافذ کرنا تو نہیں ہے۔

ان فقہاء کا ایک جواب یہ بھی ہوتا ہے کہ خلیفہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے اذان میں سے "حیَّ علیٰ خیر العمل" حذف کر کے اس کی جگہ "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے الفاظ کو دی۔

ہم کہتے ہیں: اوّلاً تو الزامی جواب حق کو مسترد کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور اگر یہ بات درست ہوتی تو امام علی رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں اسے برقرار نہ رکھتے بلکہ اس جملے کو تبدیل کرنے کا حکم دیتے اور شیعہ کی منطق کے مطابق اگر امام کا عمل صحیح ثابت ہو جائے تو حجت ہوتا ہے۔ نیز اس پر تمہارے نزدیک اجماع ہے کہ تیسری شہادت عہدِ نبوی میں نہیں پائی جاتی تھی اور نہ ہی عصرِ آئمہ میں اس کا وجود تھا بلکہ دیر بعد اذان میں اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

جب کہ "الصلاۃ خیر من النوم" کی عبارت ایک اختلافی امر ہے شیعہ کے علاوہ تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ یہ عہدِ رسولؐ سے وارد ہے بخلاف شیعہ کے جو اسے خلیفہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ایک اجماعی مسئلہ جس میں دو فقیہ آپس میں اختلاف نہ کرتے ہوں اور ایک اختلافی مسئلہ جس میں متعدد، مختلف اور متضاد آراء ہوں، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔"[1]

صفویوں کی طرف سے مروّجہ ماتم کی سرپرستی

جب شاہ اسماعیل صفوی نے زمامِ اقتدار سنبھالی اور ایران کو شیعیت میں داخل کر دیا اور اہلِ ایران میں مذہب کے ساتھ خصوصی تعلق پیدا کر دیا تاکہ ایران کے پڑوس میں واقع ممالک خلافت عثمانیہ کے مقابلے میں ڈٹ جائیں۔ چنانچہ اسماعیل صفوی شاہی دربار میں ہر سال عشرہ محرم میں سوگ منانے کا اعلان کرتا اور عاشوراء کے دن تقریب کے لئے آنے والوں کا استقبال شاہ خود کرتا شاہی محل سرا میں اس غرض سے خاص محفلیں منعقد ہوتیں جس میں عام لوگ جمع ہوتے اور

1۔ اصلاحِ شیعہ، ص ۱۸۵، ۱۸۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شاہ بذاتِ خود ان میں حاضری دیتا۔ ایسے ہی شاہ عباس اول صفوی جس نے پچاس برس حکومت کی اور وہ شاہانِ صفویہ میں، قوت، گرفت، اور مکاری وعیاری میں سب سے بڑھا ہوا تھا، وہ بھی عاشوراء محرم کو سیاہ لباس پہنتا اور اپنی پیشانی پر کیچڑ مل لیتا اور جلوس جب امام کی مدح اور ان کے قاتلوں کے خلاف اظہارِ نفرت کرنے کے لئے مرثیے گاتے ہوئے سڑکوں پر چلتے تو شاہِ مذکور ان کی قیادت کرتا تھا۔

ہمیں یہ تو بالضبط معلوم نہیں ہو سکا کہ عاشوراء کے دن آہنی زنجیروں سے کندھے پیٹنے کا آغاز کب ہوا اور ایران، عراق وغیرہ جیسے شیعی علاقوں میں اس رسم نے کب رواج پایا لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تلواروں سے سرکوبی اور اسے زخمی کر کے عاشوراء محرم کو حضرت حسین ؓ پر اظہارِ غم کا طریقہ ایران اور عراق میں ہندوستان سے انگریزی استعمار کے زمانے میں گیا ہے اور انگریز شاطر نے شیعہ کی جہالت، سادگی اور امام حسین ؓ کے ساتھ اندھی عقل سوز محبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں امام کے غم میں سرکوبی کی تعلیم دی۔

حتیٰ کہ ماضی قریب میں بھی بغداد اور تہران میں برطانوی سفارت خانے حسینی تعزیہ کے جلوسوں کی مدد کرتے رہے ہیں جو اسی مذکورہ بالا بدترین مظاہرے کی شکل میں گلیوں اور بازاروں میں چکر لگاتے تھے۔ انگریزی استعمار کے ان بدترین جلوسوں کی کاروائی کی ترویج واشاعت کے پس پردہ انتہائی مکروہ سیاسی مقاصد تھے، وہ ان کی نمائش کو برطانوی عوام اور آزاد اخبارات کے سامنے جو حکومتِ برطانیہ کے ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں نوآبادیاتی نظام کی مخالفت کر رہے تھے بطور ایک معقول درجہ جواز کے پیش کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ ان ممالک کے عوام کے وحشیانہ مظاہر سے یہ ثابت کر سکے کہ یہ قومیں کسی ایسے منتظم کی محتاج ہیں جو انہیں جہالت و بربریت سے نکال سکے۔ یہ تعزیتی جلوس جو دس محرم کو عام بازاروں کے چکر لگاتے ان میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے جو آہنی زنجیروں سے اپنی پیٹھوں کو لہولہان کر لیتے، تلواروں اور خنجروں سے اپنے سروں کو زخمی اور خون آلود کر لیتے ان کی تصویریں یورپ کے انگریزی اخبارات میں چھاپی جاتیں اس سے شاطر سامراجی یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جن اقوام کی ثقافت کا مظہر یہ تصویری جھلکیاں ہیں، نوآبادیاتی نظام کے ذریعے ان ممالک کے عوام کو شہریت و ترقی کے راستے پر گامزن کرنا ہماری انسانی ذمہ داری ہے۔

کہتے ہیں کہ عراق میں انگریزی عہد اقتدار میں اس وقت کے عراقی وزیر اعظم یاسین ہاشمی جب انگریزی راج ختم کرانے کے لئے مذاکرات کرنے لندن گئے تو انگریز نے ان سے کہا ہم تو صرف اس لئے عراق میں رُکے ہوئے ہیں کہ عراقی قوم کو احمقانہ انارکی سے نکالیں تا کہ وہ ہم دوشِ سعادت ہو سکے۔ یاسین ہاشمی اس بات پر برافروختہ ہو کر غصے کی حالت میں کمرۂ مذاکرات سے باہر نکل آئے تو انگریز نے ان سے بڑی لجاجت اور نرم خوئی سے معذرت کر لی پھر پورے احترام سے ہاشمی کو عراق کے بارے میں ایک دستاویزی فلم دیکھنے کو کہا جس میں نجف، کربلا اور کاظمیہ کی شاہراہوں پر چکر لگاتے ہوئے تعزیہ حسین کے جلوس دکھائے گئے تھے، جو بڑے خوفناک منظر پیش کر رہے تھے گویا انگریز یہ کہنا چاہتا تھا کہ جس قوم میں ذرہ بھر بھی تہذیب کا حصہ ہو، وہ خود اپنے ساتھ یہ مار دھاڑ کر سکتی ہے؟؟

اور جب ایران میں اسلامی جمہوریت کا اعلان ہوا اور اقتدار پر ''ولایتِ فقیہ'' نے قبضہ کیا تو مذہبی سیاست کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حصے کی حیثیت سے ان اعمال کے احیاء کے لئے احکام صادر ہوئے اور تازہ دم ''اسلامی جمہوریہ'' نے پوری دنیا میں موجود شیعہ کو مالی اور اخلاقی مدد کرکے اس بدعت کے احیاء کے لئے برانگیختہ کیا جسے انگریزی استعمار نے دوسو برس قبل عالم اسلام کے شیعی علاقوں میں رواج دیا تھا، انگریز کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا یہ قبیح اور بدنما مظہر دنیا کے سامنے پیش کر کے عالم اسلام پر اپنے استعمار کا جواز حاصل کر سکے۔

افسوس صد افسوس کہ پاکستان، ایران، ہندوستان اور لبنان کے شہروں میں دس محرم کو ہر سال بڑے بڑے جلوسوں کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی وحشیانہ صورت میں سڑکوں پر گشت کرتے ہیں جس کی ہم تصویر کشی کر چکے ہیں اور پھر اسی روز خوفناک جنون اور انسانی حماقت کی منہ بولتی تصویریں مشرق و مغرب کی ٹی وی سکرین پر دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں پر بُرے وقت کا انتظار کرنے والے دشمنانِ اسلام کی تقویت کا باعث بنیں۔

صفوی دور کے شیعہ علماء

احمد بن محمد الاردبیلی

اس کی کتابوں میں ''مجمع القاعدة والبرہان'' اور شرح جو اس نے ''الارشاد و حدیقة الشیعہ'' پر لکھی ہے، مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شاہ عباس کبیر اور لوگوں میں واسطہ تھا۔ [1]

نور الدین علی بن عبد العالی الکرکی

اس کی کتابوں میں ''جامع المقاصد'' مشہور ہے۔ شاہ طہماسپ نے اسے بلایا اور اس کے لیے اپنے ماتحت ممالک کو خط لکھا اور اسے مملکت کا بڑا اقرار دیا کیونکہ وہ امام غائب کا نائب ہے۔ لہٰذا جسے وہ معزول کردے اس سے دوبارہ کام نہیں لیا جائے گا، اور جسے وہ مقرر کرے اسے معزول نہیں کیا جائے گا اور شاہ نے اس کی بڑی تنخواہ مقرر کی اور بہت سے زرعی گاؤں اسے دیدیئے تاکہ وہ ان کا خراج وصول کرے۔ [2]

1۔ عقیدۃ الشیعہ رونلدسن ۲۹۸
2۔ لؤلؤۃ البحرین، بحرانی ۱۵۳
3۔ لؤلؤۃ البحرین، بحرانی ۱۵۳
4۔ لؤلؤۃ البحرین، بحرانی ۱۵۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

صفوی خاندان نے دین میں جتنی بدعات جاری کی تھیں اس نے حد سے زیادہ ان کی تائید کی اوران کے ایسے کاموں میں ان کی موافقت کی جن میں موافقت کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ یہاں تک کہ بہت سے عجمی شہروں میں اس نے قبلہ کا رُخ بدل دیا۔ [3]

اسی بنا پر اس کے مخالفین نے اسے مخترع الشیعہ کا لقب دیا ہے۔ یعنی شیعوں میں مذہب گھڑنے والا۔ اس کے رسائل میں جن میں اس نے صفویوں کے مستحدثات کی تائید کی ہے، ایک رسالہ وہ ہے جس میں اس نے بندوں کو سجدہ جائز قرار دیا ہے اور دوسرے رسالے میں کربلا کی مٹی پر سجدہ کو جائز قرار دیا ہے اور ایک رسالہ شیخین رضی اللہ عنہما کے سب وشتم میں لکھا ہے جس کا نام (نفخات اللاهوت فی لعن الجبت والطاغوت) اور اس کی حالت یہ تھی کہ چلتے پھرتے کھلے طور پر شیخین رضی اللہ عنہما کو لعن طعن کرتا رہتا تھا۔ [4]

میر محمد باقر الداماد

اس کی ایک کتاب ہے ''الصراط المستقیم'' اور یہ شاہ عباس کا مقرب تھا۔ [1]

میر ابوالقاسم الفندرسکی

شاہ عباس نے اس کی بہت عزت افزائی کی لیکن عوام سے زیادہ میل جول اور خاص کر ویکہ نامی معرکہ میں شرکت پر اس سے شاکی تھا۔ [2]

صدر الدین محمد ابراہیم

اس کی کتابوں میں ''شرح الکافی''، ''الاسفار الاربعۃ'' اور تفسیر القرآن مشہور ہیں۔

محمد باقر بن محمد تقی بن منصور المجلسی (المعروف ملا باقر مجلسی)

(۱۰۳۷ـ۱۱۱۱ھ) دار السلطنت اصفہان میں شیخ الاسلام اور دینی اور دنیوی ریاست کا مالک تھا۔ (لؤلؤة البحرین، بحرانی ۵۵)

صفوی حکومت کے آخری دور میں عیش وعشرت کی زندگی گزاری۔ نہایت متعصب تھا اور اپنے تمام مخالفین کو

1۔ عقیدة الشیعہ رونالڈسن ۲۹۸

2۔ عقیدة الشیعہ رونالڈسن ۳۰۱

3۔ لمحات من تاریخ العراق۔ ڈاکٹر وردی ۷۶

4۔ لمحات وردی ص ۷۷

5۔ خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' میں مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لئے مجلسی کی خاص کر فارسی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ (کشف الاسرار: ص ۱۲۱)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پریشان کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ [3]

اسی نے کہا ہے کہ ائمہ کی دو قسم کی طبیعتیں ہوتی ہیں، نیز متعہ، رجعت اور معاد جسمانی کا قائل تھا۔ شفاعت ائمہ اور ان کے مخالفین سے برأت کے اصول پر قائم تھا۔ اپنی کتاب ''بحار الانوار'' جو اس نے ۲۵ جلدوں میں لکھی ہے، سے مشہور ہوا اور دوسری تالیفات کے بالمقابل اسے عربی میں لکھا اور اس میں شیعوں کی زیادہ تر احادیث، اخبار، قصے اور افسانے اور رطب و یابس جمع کیے۔ [4]

اس سب کے باوجود ملا باقر مجلسی شیعیت میں دوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ مقبول ہیں۔ اس کو شیعہ مذہب کا ترجمانِ اعظم کہا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنی کتابوں میں حضرات خلفاءِ ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق زہر اُگلا اور غلیظ و خبیث قسم کی روایات جمع کر کے پیش کی ہیں۔ [5] مجلسی نے اپنی کتاب ''جلاء العیون'' میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے ایک طویل روایت نقل کی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

در جہنم تابوتے ہست کہ دوازدہ کس در آں تابوت ہستند شش کس از گزشتگان و شش نفر ازیں امت، و آں تابوت در چاہے ہست در قعر جہنم، و بر آں چاہ سنگے افتادہ است کہ حق تعالیٰ ہر گاہ بخواہد کہ جہنم را مشتعل سازد امر می فرماید کہ آں سنگ را از سر چاہ بردارند چوں سنگ را بر می دارند، جمیع جہنم مشتعل شود از حرارت آں چاہ۔ پس من در حضور شما پرسیدم کہ آنہا کیستند؟ فرمود کہ اما از پیشینیاں پس ایں شش نفر قابیل و فرعون و نمرود، و پے کنندہ ناقہ صالح، و دو کس از بنی اسرائیل کہ بعد از موسیٰ و عیسیٰ دین ایشاں را تغیر دادند، و امت ایشاں را گمراہ کردند۔ اما ازیں اُمت پس دجال است و پنج نفر ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح و سالم مولیٰ حذیفہ و سعد بن العاص۔ [1]

ترجمہ: ''جہنم میں ایک صندوق ہے جس میں بارہ آدمی بند ہیں، چھ پچھلی امتوں کے اور چھ اس امت کے اور وہ صندوق جہنم کے ایک آتشی کنویں میں ہے اور وہ کنواں ایک پتھر سے بند کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب جہنم کی آگ کو بھڑکانا چاہے گا، تو حکم فرمائے گا کہ جس پتھر سے کنواں بند کیا گیا ہے اس کو ہٹا دیا جائے، جب وہ پتھر ہٹا دیا جائے گا تو اس کنوئیں کی آگ سے سارا جہنم بھڑک اٹھے گا (آگے راوی کہتا ہے) میں نے حضرت امام سے پوچھا کہ وہ بارہ آدمی کون ہیں جو اس صندوق میں بند ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگلی امتوں کے چھ آدمی تو یہ ہیں (۱) قابیل (۲) نمرود (۳) فرعون اور (۴) حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قاتل اور (۵) بنی اسرائیل میں سے وہ دو آدمی جنہوں نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) کے بعد ان کے دین کو

1۔ جلاء العیون ص ۱۴۷ طبع ایران

2۔ حق الیقین ص ۵۰۲

3۔ جلاء العیون ص ۳۰ و حق الیقین ص ۵۰۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بدل ڈالا اور ان کی امتوں کو گمراہ کیا۔ اور اِس امت کے چھ آدمی یہ ہیں: دجال اور ابوبکر، عمر، ابوعبیدہ بن الجراح، سالم مولیٰ حذیفہ اور سعد بن العاص۔"

مجلسی نے جہنم کے اس آتشی تابوت کی روایت جس میں بارہ آدمی بند ہیں، جن میں (معاذ اللہ) شیخین رضی اللہ عنہما بھی ہیں، اپنی دوسری کتاب "حق الیقین" میں بھی ذکر کی ہے۔[2]

اور "جلاء العیون" اور "حق الیقین" ہی میں ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں حضرات شیخین کے بارے میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ:

آں دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا و رسول نیاوردہ بودند یعنی ابوبکر و عمر۔[3]

ترجمہ: "وہ دو اعرابی جو خدا اور اس کے رسول پر ہرگز ایمان نہیں لائے یعنی ابوبکر اور عمر۔"

اور "جلاء العیون" ہی میں مجلسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ہیچ عاقل را مجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر۔ پس لعنتِ خدا و رسول بر ایشاں باد و بر ہر کہ ایشاں را مسلمان داند و ہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید۔[1]

ترجمہ: "کسی صاحبِ عقل کیلئے اس کی مجال اور گنجائش نہیں ہے کہ عمر کے کافر ہونے میں شک کرے، پس خدا اور رسول کی لعنت ہو عمر پر اور ہر اس شخص پر جو اُس کو مسلمان جانے، اور ہر اس آدمی پر جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کرے (یعنی لعنت کرنے سے زبان کو روکے)۔"

ملا باقر مجلسی کی تصانیف جلاء العیون، حق الیقین، زاد المعاد، حیات القلوب وغیرہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق اس طرح کی انتہائی زہریلی اور اشتعال انگیز روایتیں اور عبارتیں بلا مبالغہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، یہاں "حق الیقین" سے صرف ایک روایت اور نقل کی جاتی ہے جو مجلسی نے شیخ مفید کی کتاب "اختصاص" کے حوالہ سے شیعوں کے چھٹے امام معصوم جعفر صادق ؒ کی روایت سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیان کی حیثیت سے نقل کی ہے...... واضح رہے کہ شیعوں کے نزدیک شیخ مفید کا مقام یہ ہے کہ اُن کے بارہویں امام غائب (امام مہدی) غار میں روپوش ہو جانے اور غیبَتِ صغریٰ کا دور ختم ہو جانے کے بعد بھی شیخ مفید کو خطوط لکھتے تھے جو کسی غیبی نامعلوم طریقے سے ان کو مل جاتے تھے۔ شیعوں کی معتبر کتاب "احتجاج طبرسی" میں ان کے نام امام غائب کے وہ خطوط موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام غائب کے خاص معتمدین میں سے تھے۔[2] اس لئے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ یہ روایت شیعوں کی معتبر ترین روایتوں میں سے ہے۔ اسی لئے اس کی طوالت اور اس کے مضمون کی انتہائی خباثت اور دل آزاری کے باوجود دل پر جبر کر کے اس پوری

1۔ جلاء العیون ص ۴۵

2۔ امام غائب اور ان کے خطوط کے بارے میں یہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے۔ شیعوں کے عقیدہ کی بنیاد پر لکھا گیا ہے ہمارے نزدیک تو امام غائب کی شخصیت ہی ایک فرضی شخصیت ہے جس پر گذشتہ صفحات میں بھرپور بحث کی جا چکی ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

روایت کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ (نقل کفر کفر نباشد) ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

شیخ مفید در کتاب اختصاص از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمود کہ روزے بیروں رفتم از پشت کوفہ وقنبر در پیش روئے من راہ می رفت، ناگاہ ابلیس پیدا شد۔ گفتم من کہ عجیب پیر گمراہ شقی ہستی تو۔ گفت چرا ایں رامی گوئی یا امیر المومنین! بخدا سوگند ترا حدیثے نقل کنم از خود واز خداوند عزّوجل و در مابین ما ثالثے نہ بود۔ بدرستیکہ چوں مرا بزمین فرستاد خدا بہ سبب آں خطائے کہ کردم۔ چوں ب آسمانے چہارم رسیدم۔ ندا کردم کہ الٰہی وسیدی گماں نہ دارم کہ از من شقی تر خلقے آفریدہ باشی۔ حق تعالیٰ وحی فرمود سوئے من کہ بلکہ آفریدہ ام خلقے راکہ از تو شقی تر است۔ برو بہ سوئے خازن جہنم تا صورت او را و جائے او را بہ تو بنماید۔ رفتم بسوئے مالک۔ وگفتم خداوند ترا سلام میرساند۔ وی فرماید کہ بہ من بنمائے کسے را کہ از من شقی تر است مالک مرا برو بہ سوئے جہنم وسرپوش بالائے جہنم را برداشت۔ آتشے سیاہ بیروں آمد کہ گماں کردم کہ مرا و مالک را خواہد خورد۔ مالک ب آں گفت کہ ساکن شو۔ ساکن شد۔ پس مرا برو بہ طبقہ دوم آتشے بیروں آمد ازاں سیاہ تر وگرم تر پس گفت ساکن شو۔ ساکن شد وہم چنیں کہ بہر مرتبہ اے کہ میبرد از مرتبہ سابق تیرہ تر وگرم تر بود تا بہ طبقہ ہفتم برد آتشے ازاں بیروں آمد کہ گماں کردم کہ مراد مالک را وجمیع آنچہ خدا آفریدہ است خواہد سوخت، پس دست بدیدہائے خود گزاشتم وگفتم۔ اے مالک امر کن او را کہ سرد وساکن شود۔ والاّ ی میرم مالک گفت۔ تو نخواہی مرد تا وقت معلوم۔ پس صورت دو مرد را دیدم کہ در گردن ایشاں زنجیرہائے آتش بود وایشاں را بجانب بالا آویختہ بودند۔ وبر سرِ آنہا گروہے ایستادہ بودند۔ وگرزہائے آتش در دست داشتند و بر ایشاں می زدند۔ گفتم مالک ایں ہا کیستند؟ گفت مگر نہ خواندی انچہ در ساق عرش نوشتہ بود۔ ومن دیدہ بودم کہ خدا بر ساق عرش دو ہزار سال پیش ازانکہ دنیا را یا آدم را خلق کند نوشتہ بود لا الٰہ الا اللہ محمد رّسول اللہ ایدتہٗ و نصرتہٗ بعلیٍ ایں ہا دو دشمن ایشاں و دوستم کنندہ برایشانند یعنی ابوبکر وعمر۔ 1

ترجمہ:۔ ”شیخ مفید نے ”کتاب اختصاص“ میں حضرت جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ایک دن میں شہر کوفہ کے پیچھے باہر گیا۔ اور قنبر (خادم وغلام) میرے آگے جا رہا تھا۔ کہ اچانک ابلیس میرے سامنے آ گیا، میں نے اس سے کہا کہ عجیب گمراہ بدبخت ہے تو! اس نے کہا اے امیر المومنین آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں، خدا کی قسم کھا کے میں آپ کو ایک بات سناتا ہوں، جو میرے اور خداوند عزّوجل کے درمیان ہوئی، اور ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ نے مجھے میری اس خطا کی بنا پر جو میں نے کی تھی آسمان سے زمین پر بھیج دیا۔ تو جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا، تو میں نے خداوند عزوجل سے عرض کیا کہ اے میرے خدا اور میرے مالک وآقا، میں گمان نہیں کرتا کہ تو نے مجھ

1۔ حق الیقین ص ۵۰۹، ۵۱۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے زیادہ شقی اور بدبخت کوئی مخلوق پیدا کی ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ میں نے ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو تجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے۔ تو جہنم کے داروغہ کے پاس جا، تا کہ وہ تجھ کو اس مخلوق کی صورت اور اس کی جگہ دکھلا دے، تو میں جہنم کے داروغہ کے پاس گیا، اور میں نے اس سے کہا کہ خداوند عزّوجل تجھ کو سلام کہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ مجھے اس آدمی کو دکھلا دے جو مجھ سے زیادہ شقی اور بدبخت ہے تو مجھے وہ جہنم کی طرف لے گیا اور جہنم کے اوپر جو سرپوش تھا، وہ اس نے اٹھایا، اس میں سے سیاہ رنگ کی ایسی آگ باہر نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنم کو بھی کھا جائے گی، داروغہ جہنم نے اس سے کہا کہ ساکن ہوجا، تو وہ ساکن ہوگئی، پھر وہ مجھے جہنم کے دوسرے طبقہ میں لے گیا، تو اس میں سے ایسی آگ نکلی جو پہلی والی آگ سے بھی زیادہ سیاہ اور گرم تھی تو داروغہ جہنم نے اس آگ سے کہا کہ ساکن ہوجا تو وہ ساکن ہو گئی۔ اسی طرح داروغۂ جہنم جس طبقے میں مجھے لے جاتا اس میں سے ایسی آگ نکلتی جو اس سے پہلے سب طبقوں کی آگ سے زیادہ تیرہ وتار اور زیادہ گرم ہوتی، یہاں تک کہ وہ مجھے جہنم کے ساتویں طبقہ میں لے گیا۔ اس میں سے ایسی آگ نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنم کو بھی اور اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات کو جلا کے بھسم کر دے گی تو میں نے اس آگ کی دہشت اور خوف سے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور اس طرح آنکھیں بند کرلیں، اور میں نے داروغہ جہنم سے کہا کہ اس آگ کو حکم دو کہ یہ ٹھنڈی اور ساکن ہو جائے۔ ورنہ میں مرجاؤں گا۔ داروغہ جہنم نے کہا تو ہرگز اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ وقت نہ آ جائے جو تیری موت کے لئے خدا کی طرف سے مقرر اور اس کے علم میں ہے (آگے ابلیس بیان کرتا ہے کہ) میں نے جہنم نے اس ساتویں طبقہ میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ ان کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہیں، اور ان کو اوپر کی جانب لٹکا دیا گیا ہے، اور ان کے سر پر دو گروہ کھڑے ہیں، اور آگ کے گرز اُن کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ ان دونوں آدمیوں پر آگ کے وہ گرز مارتے ہیں، میں نے کہا کہ اے داروغۂ جہنم یہ دونوں کون ہیں؟ اس نے کہا کہ تو نے وہ نہیں پڑھا جو عرش کے پایہ پر لکھا ہوا تھا؟ (ابلیس کہتا ہے کہ) میں نے دیکھا تھا کہ خدا نے دنیا کے یا آدم کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا کہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رّسول اللّٰہ ایدتہٗ و نصرتہٗ بعلیؑ " (کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اور محمد اللہ کے رسول ہیں، میں نے محمد کی مدد علی کے ذریعہ کی اور قوت بخشی) یہ دونوں آدمی (جن کے گلے میں آتشی زنجیریں ہیں، اور جن پر آگ کے گرزوں کی مار پڑ رہی ہے) یہ دونوں علی کے دشمن اور ان پر ظلم وستم کرنے والے ہیں، یعنی یہ ابوبکر اور عمر ہیں۔"

راقم سطور ناظرین کرام سے معذرت خواہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق ایسی خبیث و دل آزار عبارتیں اور روایتیں ان کے سامنے پیش کیں، جن کا مطالعہ یقیناً انتہائی تکلیف کا باعث ہوگا۔ خود راقم سطور نے کتابوں میں ان کا مطالعہ انتہائی قلبی اذیت کے ساتھ کیا تھا اور شدید کراہت کے ساتھ ان کو اپنے قلم سے لکھا ہے۔ صرف اس لئے کہ شیعہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مذہب کی حقیقت اور اثنا عشریہ کا عقیدہ و مسلک صحیح طور پر سامنے آ جائے اور کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

مجلسی کی یہ غلیظ کتابیں صفوی دورِ حکومت کی سرپرستی میں معرضِ وجود میں آئیں اور عوام میں پھیلائی گئیں۔ چنانچہ شیعہ اور دیگر کمزور ایمان کے لوگوں میں صحابۂ کرام ؓ بالخصوص خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے خلاف بغض و عداوت، نفرت اور کینہ کے جذبات پروان چڑھنے لگے اور شیعیت ایک کفر صریح کی صورت میں اپنی جڑیں پھیلاتی چلی گئی۔

صفوی مظالم پر شیعہ علماء بھی متنفر ہو گئے

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، ملا باقر مجلسی نے صفویوں کے اقتدار سے بھرپور فائدہ اٹھایا، زندگی عیش و عشرت سے گزاری اور اس عیش و عشرت کے بدلے میں صفوی حکمرانوں کی خوشامد اور چاپلوسی کو وطیرہ بنائے رکھا، چنانچہ ''زاد المعاد'' کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

> ''اس کتاب کی ابتدا اور انتہا ایسے دورِ حکومت میں ہوئی جو عدل و انصاف اور سعادتمندی کی حکومت ہے۔ اور زمانے کے بادشاہوں کے سردار اور خواقینِ زمانہ کے قائد، سید المرسلین کے نواسوں کے برگزیدہ، ملت اور دین کے قواعد کی بنیاد رکھنے والے، یعنی سلطان اعظم خاقانِ اعدل و اکرم، اکاسرہ کے جائے پناہ اور قیاصرہ کے سہارا، شریعت کو زندہ کرنے والے......شاہ سلطان حسین موسوی۔'' [1]

بعد ازاں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ صفوی حکومت کے یہ حامی اور معاون شیعہ علماء بھی اس کے جور و استبداد کی تاب نہ لا سکے اور انہوں نے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی، انہوں نے شاہ اسماعیل کے اس دعویٰ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ اسے امام مہدی کی نیابت خاصہ حاصل ہے۔

ان علماء میں سے شیخ محقق علی بن حسین بن عبد العالی کرکی (جبل عامل) بھی تھے، جو ایران چلے گئے۔ وہاں سے ۸۱۶ھ میں واپس آئے اور نجف کے حوزہ علمیہ میں بیٹھ گئے تھے۔ تاکہ امام مہدی کی طرف سے فقہاء کے لیے نیابت عامہ کے نظریہ کو ترقی دے سکیں، جو اس وقت تک ایک جزئی، محدود اور غیر سیاسی نظریہ تھا، انہوں نے اسے ایک ترقی یافتہ سیاسی نظریہ میں تبدیل کرنا چاہا، وہ صفوی حکومت کے قیام اور تقیہ کے حالات کے خاتمہ سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے ''جامع المقاصد'' میں لکھا ہے کہ ''فقیہ مامون جو شرائط فتویٰ کا جامع ہو، وہ امام مہدی کی طرف سے مقرر ہوتا ہے لہٰذا اس کے احکام نافذ ہوتے ہیں اور اقامت حدود اور لوگوں میں فیصلے کرنے کے لئے اس کی مدد کرنا واجب ہے۔ [2]

1۔ شیعیت۔ ڈاکٹر محمد البندراری

2۔ ایران فی العہد الصفوی ج ۲ ص ۳۷۸

3۔ ایضاً ص ۴۹۰۔ بحوالہ شیعہ کے سیاسی افکار و نظریات ص ۵۶۳

4۔ ایضاً ص ۴۸۸

5۔ ایضاً ص ۳۷۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انہوں نے پورے وثوق سے لکھا ہے کہ حالتِ غیبت میں فقہاء حدود قائم کر سکتے ہیں۔ [3]

انہوں نے جامع الشرائط فقیہ کے لئے اس بات کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا ہو تو وہ قتل و جرح بھی کر سکتا ہے۔ [4]

انہوں نے فقیہ کے اختیارات کو حدود و قضاء سے لے کر نمازِ جمعہ تک بڑھا دیا تھا، انہوں نے کہا کہ "یہ نہ کہا جائے کہ فقیہ فیصلہ و افتاء کے لئے متعین ہے اور نماز ان دونوں سے خارج ہے کیونکہ یہ بات حد درجہ ساقط الاعتبار ہے، فقیہ ائمہ (ع) کی طرف سے بطور حاکم متعین ہے جیسا کہ روایات سے ثابت ہے، اسی وجہ سے انہوں نے حالتِ غیبت میں جامع الشرائط فقیہ کی موجودگی کے بغیر نماز جمعہ ادا کرنے کو رَد کر دیا تھا۔ [5]

محقق کرکی نے زمانہ غیبت کی تاریخ شیعہ میں پہلی مرتبہ خراج کے حلال ہونے کے بارے میں "قاطعة اللجاج فی تحقیق حل الخراج" کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور اس میں یہ بیان کیا کہ بطریق اہل بیت یہ ثابت ہے کہ سرزمین عراق وغیرہ جو تلوار کے ساتھ فتح ہوئی، اس کا کوئی خاص انسان مالک نہیں ہے بلکہ یہ تمام مسلمانوں کی ملکیت ہے، اس سے خراج وصول کیا جائے گا اور اسے اس کے ان مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن میں خرچ کرنے کا دین میں رواج ہے اور پھر اسے اہل بیت کے امام حق کے حکم سے خرچ کیا جائے گا جیسا کہ امیر المومنین کے ایام میں تھا اور امام مہدی کی غیبت کی حالت میں ہمارے ائمہ (ع) نے اپنے شیعہ کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اسے ظالم بادشاہوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ [1]

محقق کرکی کا اظہارِ حق

محقق نے اپنے فتاویٰ میں صفوی حکومت میں علماء کے موقف کی تعریف کی، صفویوں کے دستوری حق کی نفی کی اور اسے امانت دار فقہاء (امام مہدی کے عام نائبین) کے لئے مخصوص کر دیا اور شاہ اسماعیل کے ان دعوؤں کو مسترد کر دیا کہ اسے امام مہدی کے ساتھ خفیہ ملاقات یا خواب میں حضرت علیؑ کی زیارت کی وجہ سے نیابتِ خاصہ حاصل ہے۔ محقق کرکی نجف اشرف میں جب دستوری حق اور نیابتِ عامہ کے نظریہ کے ساتھ مسلح ہو کر اپنے موقف کو بیان کر رہے تھے، شاہ اسماعیل طاقت و قوت کے زور پر حکومت کر رہا تھا اور اسے محقق کرکی کی باتوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہ تھی، اور پھر مطلق العنان حکمرانی کے تیئس سال بعد یہ حکمران ۹۳۰ھ میں فوت ہو گیا اور اس کی مسند اقتدار کا وارث اس کا چودہ سال کی عمر کا بیٹا طہماسب تھا، اس کی جانشینی کی وجہ سے اقطاب صوفیہ (قزلباشیہ) میں داخلی کشمکش شروع ہو گئی، جس کی وجہ سے ان کی معنوی قوت میں کمی اور تحریک میں ضعف پیدا ہو گیا۔

شاہ طہماسب کا خط محقق کے نام

1۔ ایضاً ص ۲۶۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طہماسب میں جب پختگی پیدا ہوئی اور اس کی عمر انیس سال ہوگئی، تو اس نے فقہاء (امام مہدی کے عام نائبین) سے مدد لینے کا پروگرام بنایا تا کہ اپنے دستوری حق کو مستحکم کر سکے اور اقتدار کے لئے قزلباشیہ کی کشمکش کو ختم کر سکے، اس مقصد کے لئے اس نے شیخ علی کرکی کو نجف اشرف سے بلایا اور ۹۳۹ھ کے آخر میں ان کے نام ایک خط لکھا جس میں اس بات کا اظہار تھا کہ یہ نیابت عامہ کے نظریہ کا پابند ہے، اس نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ:

''اس شخصیت کے نام جسے اس زمانہ میں ائمہ ہدیٰ (ع) کے مرتبہ کے ساتھ خاص کیا گیا...... نائب امام...... ہم ہمت عالیہ اور نیتِ صادقہ کے ساتھ تمام ساداتِ عظام، اکابر واشراف فخام، امراو وزراء اور تمام ارکانِ حکومت کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ مذکورہ بالا شخصیت کی اقتداء کریں، انہیں اپنا امام بنائیں، تمام امور میں ان کی اطاعت کریں، ان کی فرمانبرداری کریں، ان کے احکام کو تسلیم کریں، نواہی کی پابندی کریں، حکومت اور فوج میں امورِ شرعیہ کے لئے جس کو یہ مقرر کریں وہ مقرر ہوگا اور جسے یہ الگ کریں، وہ الگ ہوگا۔ اس کے علاوہ تقرر اور تعطل کے لئے کسی اور دستاویز کی ضرورت نہ ہوگی۔'' 1

شاہ طہماسب نے فرمان عام حسب ذیل صورت میں جاری کیا:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم...... امام صادق (ع) کی حدیث میں ہے کہ ''اس شخص کو دیکھو جس نے ہماری حدیث کو روایت کیا ہو، ہمارے مقرر کردہ حلال وحرام کو جانا ہو، ہمارے احکام کو پہچانا ہو، تو اس کے حاکم ہونے پر خوش ہو جاؤ، میں نے اسے تم پر حاکم بنا دیا ہے، جب وہ کوئی فیصلہ کریں اور کوئی ان کے فیصلہ کو قبول نہ کرے، تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی توہین کی ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ اس کی تردید کریں کیونکہ اس نے اللہ کے حکم کو رَد کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو رَد کرنا اللہ کے ساتھ شرک ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین یعنی محافظین شرع سید المرسلین ﷺ کے حکم کی مخالفت شرک کے درجہ تک پہنچی ہوتی ہے لہٰذا خاتم المجتہدین، وارث علوم سید المرسلین اور نائب ائمہ معصومین جو اپنے اسم گرامی علی ہی کی طرح ہمیشہ بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ رہے ہیں، آپ کی فرماں برداری نہ کرنے والے کو ہر صورت میں ملعون تصور کیا جائے گا، اسے ملک سے باہر نکال دیا جائے گا، اس کا احتساب کر کے اسے سخت سزا دی جائے گی۔

طہماسب بن شاہ اسماعیل صفوی موسوی کے بارے میں سید نعمت اللہ الجزائری نے اپنی کتاب ''شرح غوالی اللئالی'' کے شروع میں لکھا ہے کہ جب شیخ کرکی، سلطان عادل طہماسب کے عہد میں اصفہان وقزوین میں آئے، تو انہوں نے حکومت وملک کو آپ کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ ''بادشاہت کے آپ مجھ سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ آپ نائب امام ہیں، میں آپ کا کارکن ہوں، آپ کے اوامر ونواہی کی اطاعت بجالاؤں گا''۔ کرکی نے شاہ طہماسب کو، نائب امام مہدی

1۔ آفندی اصفہانی: ریاض العلماء ص ۴۴۸ بحوالہ شیعہ کے سیاسی افکار ونظریات ص ۵۶۵

2۔ تاریخ الشاہ اسماعیل۔ ص ۲۳، ۲۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہونے کے اعتبار سے اپنی طرف سے وکالت کے طور پر حکومت کرنے کی اجازت دے دی، شاہ نے انہیں امام کا لقب عطا کر کے شیخ الاسلام مقرر کر دیا لیکن شیخ کرکی اس منصب سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکے کیونکہ اسی سال (۹۴۰ھ) میں وہ فوت ہو گئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں ان بعض امراء قزلباشیہ نے زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا، جو اس بلند منصب پر ان کے تقرر کے خلاف تھے۔ [2]

شیعہ کے سیاسی افکار میں اس بہت بڑی عملی و نظری تبدیلی کے باوجود، محقق کرکی نظریہ تقیہ و انتظار سے مکمل خلاصی حاصل نہیں کر سکے تھے، ان کا اس صفوی حکومت کی مشروعیت پر بھی ایمان نہ تھا حالانکہ فقیہ (نائب امام) کی حیثیت سے انہوں نے خود اس کی مکمل طور پر اجازت دی تھی گویا یہ امام معصوم ہی کی حکومت ہے۔ اس لئے انہوں نے حکومت یا فقیہ کی طرف زکوٰۃ پہنچانے کو واجب قرار نہیں دیا بلکہ اسے مستحب قرار دیا، انہوں نے حالتِ غیبت میں مؤلفۃ القلوب، کارکنانِ زکوٰۃ اور مجاہدین کے حصے کو بھی ساقط قرار دے دیا، اِلّا یہ کہ جہاد کی ضرورت پیش آ جائے۔ [1]

خمس کے بارے میں انہوں نے اختیار دے دیا کہ امام کے حصے کو چاہے خرچ کر دیا جائے یا امام کے ظہور تک اس کی حفاظت کی جائے، انہوں نے یہ فتویٰ بھی نہیں دیا کہ نماز جمعہ فرض عین ہے ہاں البتہ فقہاء کے لئے انہوں نے اسے جائز ضرور قرار دیا کیونکہ وہ امام مہدی کے عام نائبین ہیں، عصر غیبت میں انہوں نے جہاد کے جواز کا بھی فتویٰ نہیں دیا بلکہ اسے امام معصوم کے اذنِ خاص کے ساتھ مشروط قرار دیا، انہوں نے نیابت عامہ کے نظریہ کو بھی اس قدر ترقی نہیں دی کہ عصر غیبت میں زندگی کے تمام معطل ابواب پر یہ مشتمل ہو علاوہ ازیں نیابت عامہ کے نظریہ کو عامۃ الناس، صفوی حکومت کے ارکان اور اصحابِ طریقہ صوفیہ میں پذیرائی حاصل نہ ہو سکی یہی وجہ ہے کہ شاہ اسماعیل ثانی بن طہماسب نے اپنے والد کی وفات کے بعد اس نظریہ کو ترک کر دیا تھا، یہ ان علماء سے بھی الگ تھلگ ہو گیا تھا، جنہوں نے اس پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ اپنے والد کے ساتھ کھیل رہا ہے، اس نے ان کے اثر و رسوخ کو کم کر دیا، جس کی وجہ سے انہوں نے یہ الزام لگایا کہ یہ اہل سنت کی طرف مائل ہے۔ [2]

صفوی اقتدار کا خاتمہ

صفوی خاندان نے دوسو چالیس (۲۴۰) برس (۹۰۷ھ تا ۱۱۴۸ھ مطابق ۱۴۹۹ء تا ۱۷۳۷ء) تک حکومت کی اور اس کے تمام حکمران اسماعیل صفوی ہی کی طرح انتہا پسند اور غالی شیعہ تھے۔ پھر تاریخ نے وہ لمحہ بھی محفوظ کر لیا جس میں شاہ حسین صفوی کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ "صفوی تاج" اپنے حریف افغان محمود کی نذر کر دے۔ چنانچہ وہ ظالم بصد حسرت و یاس تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا اور ماتمی لباس پہن کر امراء کی معیت میں شہر سے باہر نکلا اور

1۔ جامع القاصد ج ۳ ص ۳۷

2۔ تاریخ الشاہ اسماعیل۔ ص: ۲۳، ۲۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

صفوی تاج محمود کے سر پر رکھ کر حکومت اس کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۲ء کا ہے۔

ایران میں افغانوں کا پائیدار حکومت کرنا آسان نہ تھا اور نہ ہی ایرانیوں نے ان کی حکومت کو دل سے قبول کیا تھا اس لئے وہ انتقام لینے کے لئے در پردہ کوششیں کرتے رہے۔ سلطان حسین کے زمانے میں صفوی حکومت بظاہر ختم ہو گئی تھی لیکن سلطان حسین کا بیٹا طہماسپ دوم (جو محض نام کا بادشاہ تھا) افغان محمود کے اصفہان پر قبضہ کرنے کے بعد مازندران (فرح آباد) میں مقیم تھا اور وہاں اس نے دربار بھی قائم کر رکھا تھا، فتح علی قاچار کی اسے حمایت حاصل تھی اور صفوی نام میں بھی کشش باقی تھی کہ اچانک طالع آزما نادر قلی طہماسپ دوم سے آملا۔ نادر قلی جو فتح علی قاچار سے مطمئن نہیں تھا (کیونکہ طہماسپ پر اس کا بڑا اثر تھا) اس لئے راستے میں موقع پا کر اس نے اسے ٹھکانے لگا دیا اور خود لشکر کا سپہ سالار بن گیا اور اس نے افغانوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ نادر فاتحانہ اصفہان میں داخل ہوا اور سب سے پہلے اس نے محمود خان کے مقبرے کو نابود کیا تاکہ افغانوں کی فتح کا یہ نشان باقی نہ رہے۔ بعد میں نادر قلی نے شاہ طہماسپ کو گرفتار کر کے خراسان بھجوا دیا ابھی وہ اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھتا تھا کہ اپنی بادشاہت کا اعلان کرے۔ چنانچہ اس نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں شاہ طہماسپ کے بیٹے عباس سوم کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بعد میں اس نے عباس سوم صفوی کی موت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے ایران پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ۱۱۴۸ھ مطابق ۱۷۳۷ء میں صفوی اقتدار کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔

دسویں صدی ہجری میں صفوی حکومت کے قیام اور فقہاء شیعہ کے لیے امام مہدی کی نیابتِ عامہ کے نظریہ میں تبدیلی نے شیعہ عالم محقق کرکی کے ہاتھوں ایک سیاسی نظریے کو جنم دیا جس نے فقہاء شیعہ کے لئے یہ دروازہ کھول دیا کہ صفوی بادشاہوں اور پھر قاچاریوں کو امام مہدی کے نائب یعنی فقیہہ عادل کی طرف سے حکومت کرنے کی شرعی اجازت دے دی گئی لیکن اس سے شیعی معاشرے میں شدید انتشار پھیل گیا جو کہ ''اخباری و اصولی کشمکش'' کے نام سے معروف ہے۔ اور یہ انتشار و خلفشار کئی صدیوں تک جاری رہا، یعنی یہ کشمکش نظریۂ انتظار کے ساتھ وابستہ شیعہ حضرات اور ان شیعوں کے مابین تھی جنہوں نے سخت شرائط سے تنگ آ کر نظریۂ انتظار سے آزادی حاصل کر لی تھی۔

امامی شیعوں کے نزدیک امام کے دو فرائض بنیادی ہیں۔

(۱) نئے پیدا ہونے والے مسائل میں اجتہاد کرنا۔

(۲) اسلامی شریعت اور احکامِ دین کا نفاذ اور ملت کی قیادت۔

امامی فکر کے مطابق امامت کے فرائض صرف وہ ائمہ معصومین ہی سرانجام دے سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہوں، ان کے علاوہ کسی اور شخص کو ان فرائض کی انجام دہی جائز نہیں ہے۔ اس کی مثال جہاد کی ہے کہ جہاد بھی صرف امام کی موجودگی اور اجازت ہی سے جائز ہے لہٰذا اس زمانے میں بیعت کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے یہ ان حرام بدعات میں سے ہے، جو موجبِ لعنت و ندامت ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اخباری تحریک بارہویں صدی میں پروان چڑھی، اس کے خاص خاص قائدین میں سے ملا اسماعیل خواجوئی اصفہانی، شیخ یوسف بحرانی، شیخ محمد رفیع کیلانی اور آقا محمد بیدآبادی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔اس تحریک کے مخالفین میں سید محمد باقر بہبانی پیش پیش تھے جو کہ کربلا عراق میں مدرس تھے اور جنہوں نے اخباریوں کے کفر کا فتویٰ دیا تھا نیز انہوں نے اس اصولی مدرسہ کی بہت زیادہ مدد کی جو اس کے تلامذہ کے پاس کافی عرصہ تک رہا۔

تیرہویں صدی کے آغاز میں جب قاجاری حکومت قائم ہوئی اور فتح علی شاہ آئے تو شیعہ حکومت کے قیام کے بارے میں مدرسہ اصولیہ اور مدرسہ اخباریہ میں کافی شدید اختلاف تھا، مدرسہ اصولیہ کے علماء کے اس وقت قائد شیخ جعفر کاشف الغطاء (۱۲۲۸ھ) اور سید محمد مجاہد (۱۲۳۲ھ) تھے جبکہ مدرسہ اخباریہ کے علماء کے قائد مرزا جمال الدین محمد اخباری (۱۲۳۲ھ) اور شیخ احمد زین الدین احسائی (۱۲۴۱ھ) تھے۔

مرزا محمد اخباری نے قاجاری شاہ فتح علی کی روسیوں کے ساتھ کشمکش میں کمزوری سے فائدہ اٹھایا، جو ان دنوں ایران کے شمالی جانب بڑھتے چلے آرہے تھے اور انہوں نے فتح علی شاہ سے کہا کہ وہ غیبی صورت میں چالیس دنوں کے اندر اندر روسی فوجوں کے سپہ سالار (سیپانیف) کا سر اس کے پاس لاسکتا ہے بشرطیکہ وہ قاجاری حکومت کا سرکاری مذہب اخباری قرار دے دے اور اصولی مذہب کو خیرباد کہہ دے، شاہ نے اس رائے سے اتفاق کیا، تو مرزا نے اپنے وعدے کو پورا کردیا۔ایک دن وہ شاہ کے پاس گیا تو وہ روسی قائد کا سر اٹھائے ہوئے تھا جو کہ مکران کا حاکم تھا، وہ مرزا کے پیروکاروں میں سے تھا، مرزا نے روسی سالار کو علیحدگی میں قتل کردیا تھا لیکن شاہ کو اپنی بادشاہت کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا اور اس نے اس بات کو بہت مشکل سمجھا کہ قاجاری حکومت کے آغاز ہی میں لوگوں کے مذہب کو بدل دیا جائے، اس لئے اس نے مرزا کو بہت سے اموال دے کر عراق کی طرف سفر کرادیا۔

وہ وعدہ جو شاہ فتح علی نے مرزا محمد اخباری سے کیا تھا کہ اس کے مذہب کی مدد کرے گا، اس نے نجف اشرف کے اصولی مرجع شیخ جعفر کاشف الغطاء کو مشتعل کردیا اور اس نے فوراً اپنی وہ کتاب لکھی جو ”کشف الغطاء عن معایب میرزا محمد عدو العلماء“ کے نام سے مشہور ہوئی۔اس نے اس کتاب کا شاہ قاجاری کے نام انتساب کیا اور اپنے نائب عام ہونے کی حیثیت میں اسے اجازت دی کہ وہ ان کی طرف سے وکیل بن کر حکومت کرسکتا ہے، مگر مرزا اخباری کے عراق کی طرف سفر کرادینے کے باوجود شاہ فتح علی کا اخباریوں کی طرف میلان ختم نہ ہوا، اس لئے اس نے شیخ احمد زین الدین احسائی کے ساتھ مضبوط رابطہ قائم کیا اور انہیں طہران آنے کی دعوت دی، ان کی طرف ایک خط لکھا کہ وہ شیخ کی اطاعت کے وجوب اور ان کی مخالفت کی حرمت کا عقیدہ رکھتا ہے۔یہی وجہ تھی کہ کاشف الغطاء نے فوری طور پر طہران جاکر شاہ سے تعلقات مضبوط کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ وہ نیابتِ عامہ کے اس نظریہ کی حفاظت کرسکے، جسے اخباری نے مسترد کردیا تھا، مگر شاہ نے کاشف الغطاء کا استقبال کرنے سے انکار کردیا نیز اس نے اس بات کی بھی اجازت نہ دی کہ یہ ان کے محل میں جاکر ان سے ملاقات کرسکیں مگر شیخ زبردستی محل میں داخل ہوگئے جس کی وجہ سے شاہ بھی ان کا استقبال کرنے پر مجبور ہوگیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اصولیوں کے لئے خوبیٔ قسمت کی بات یہ تھی کہ شیخ احمد احسائی نے بھی شاہ کی مدد کے لئے طہران میں مقیم ہونے سے اتفاق نہ کیا کیونکہ شاہ اور اس کی رعایا کے تعلقات کشیدہ تھے لیکن اس کے باوجود شاہ قاجاری شیخ احسائی کو بہت زیادہ مال و دولت دیتا رہا اور اسے طرح طرح سے نوازتا رہا۔ اصولیوں اور اخباریوں میں قاجاری حکومت پر قبضہ کرنے کی اس کشمکش کی وجہ سے بہت سے علماءِ اصول مثلاً شیخ محمد تقی برغانی، ملا آقا دربندی، ابراہیم بن سید محمد باقر، مرزا احمد مجتہد نے شیخ احسائی کے کفر کے فتوے جاری کیے اور اس کا سبب آخرت اور ائمہ (ع) سے متعلق ان کے بعض نظریات قرار دیئے گئے، اس دور کے اکثر فقہاء اصول نے بھی ان کی ہم نوائی اختیار کی۔

شیخ احسائی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اجتہاد کا تو منکر تھا مگر بطریق کشف و شہود علم کا مدعی تھا، اس نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ اس نے بارہ کے بارہ ائمہ کو یکجا طور پر خواب میں دیکھا ہے، تو اس وقت یہ امام حسن (ع) کے دامن سے چمٹ گئے اور ان سے عرض کیا کہ آپ کوئی ایسی چیز سکھا دیں، جس سے مشکلات آسان اور وہ مشکل امور حل ہو جایا کریں، جن کے بارے میں اسے علم نہیں، نیز یہ جب چاہیں خواب میں کسی نہ کسی امام کو دیکھ لیں، جن سے سوال و جواب بھی ہو سکے کیونکہ ائمہ سے مروی حدیث میں ہے کہ "جس نے ہمیں دیکھا اس نے ہمی کو دیکھا" تو امام حسنؓ نے ان کو کچھ اشعار سکھائے، جنہیں بیدار ہونے سے بعد یہ بھول گئے اور اس کی وجہ سے انہیں بہت افسوس ہوا، دوسری رات انہوں نے پھر یہی منظر دیکھا اور انہوں نے اشعار کو یاد کر لیا، یہ جب بھی کسی امام کو دیکھنا اور ان سے سؤال کرنا چاہتے تو ان اشعار کو پڑھ لیتے تھے اور اس طرح دیگر تمام مشکلات وغیرہ کو بھی حل کر لیا کرتے تھے۔

شیخ احمد زین الدین احسائی کا اگرچہ سقوط ہو گیا تھا کیونکہ علماء نے انہیں کافر قرار دے دیا تھا اور وہ نیابتِ عامہ کے نظریہ کے بجائے کوئی اور نظریہ پیش کرنے سے عاجز و قاصر رہے، تاہم شاہ قاجاری کو چاہئے تھا کہ وہ اپنی نئی حکومت کیلئے کوئی اور شرعی سہارا ڈھونڈ لیتا کیونکہ نظریہ تقیہ و انتظار کی روشنی میں تو حکومت کرنا حرام تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ اس زمانے کے مرجع کے لئے اخلاص و محبت کا اظہار کرتا تھا، یہ مرجع کاشف الغطاء کا جانشین سید محمد مجاہد تھا اور شاہ کا دعویٰ تھا کہ وہ تمام امور میں ان کی اطاعت بجالاتا ہے۔ لیکن اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہ تھی بلکہ یہ ایک مشکوک دعویٰ تھا اور اس کا واضح طور پر علم اس وقت ہوا جب سید مجاہد نے روس کے خلاف اس وقت جہاد کا اعلان کیا، جب اس نے آذربائیجان کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، سید مجاہد نے جہاد کی قیادت خود کی۔ شاہ فتح علی اب مجبور تھے کہ ایران کے دفاع کے لئے دینی مرجع کا ساتھ دیں مگر جب اس جنگ میں ایرانی فوج کو شکست ہوئی تو شاہ بدل گیا، اس نے دینی مرجع کو ملامت کرنا شروع کر دی اور اس کے ساتھیوں نے بھی مذاق کرنا شروع کر دیا اور پھر بالآخر سید مجاہد قزوین سے واپس لوٹتے ہوئے ۱۲۴۲ھ میں فوت ہو گیا۔

صوفیہ کی طرف میلان

شاہ محمد بن فتح علی قاچار جب اپنے والد کے بعد مسندِ اقتدار پر فائز ہوا تو وہ اخباری و اصولی علماء سے الگ تھلگ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہو گیا اور اس نے اس زمانے کے دستور کے مطابق ان میں سے کسی کی بھی تقلید نہ کی بلکہ ان کے بجائے وہ صوفیہ کی طرف مائل ہو گیا، صوفیہ کا خیال تھا کہ حقیقی شیعہ کے صرف وہی نمائندے ہیں، ائمہ کی طرف سے انہیں علم لدنی حاصل ہے، وہ صوفیہ حقائق کے مطابق باطنی پہلو کی نمائندگی کرتے تھے، علماء کے متضاد فتاویٰ کے بارے میں وہ شکوک وشبہات میں مبتلا تھے اور کہتے تھے کہ ''اسلام کامل ہے، اسے علماء کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کو مددگار کی ضرورت ہے یا یہ لازم آئے گا کہ نبی دین کے پھیلانے اور بیان کرنے سے غافل رہا اور یہ اللہ اور رسول پر عدم ایمان کی دلیل ہے، اسی وجہ سے یہ لوگ دنیوی امور میں علماء کی مداخلت کو گوارا نہیں کرتے تھے اور اسے دین کے لئے بہت زیادہ نقصان وہ تصور کرتے تھے۔ اسی وجہ سے شاہ محمد نے اپنے استاد حاجی مرزا آقاسی صوفی کو اپنا وزیر مقرر کر لیا تھا اور ان کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ یہ ''شریعت اور طریقہ الٰہیہ کے قطب ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا دائمی اور براہِ راست تعلق ہے، یہ خرقِ عادت ہر جگہ موجود ہیں، شاہ انہیں دینی مرجع کی حیثیت دیتا تھا''۔

اپنے استاد حاجی سے متاثر ہونے کی وجہ سے یہ فریدالدین عطار، شیخ محمود شبستری کے مزارات اور کرمان، نائین اور بسطام کے مزارات صوفیہ کی زیارت کرتا رہتا تھا، اس نے ماہان میں شاہ نعمت اللہ ولی کے مقبرہ کے لئے بہت سی زمین وقف کر دی تھی، حکومتی عہدے بھی اس نے صوفیاء کے سپرد کر رکھے تھے۔ شاہ محمد شیخ اخباری احمد زین الدین احسائی کی بھی مدد کرتا رہتا تھا حالانکہ اس کی احادیث کشف والہام کے بارے میں نہ تھیں اور نہ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ سچی اور جھوٹی احادیث کو پہچاننے کے لئے علم رجال کی ضرورت نہیں ہے بہرحال اس کا یہ نظریہ صوفیہ کے افکار و آراء اور شطحیات سے بہت بعید تھا۔

شیخیہ اور نظریہ رکن رابع

صوفیہ اور اخباریہ (خصوصاً احسائی کی آراء) کی کشمکش کی وجہ سے ایک نئی تحریک نے جنم لیا، جس کے قائد شیخ محمد کریم خان قاجار تھے، جو برسرِ اقتدار قاجاری خاندان کے ایک فرد تھے اور سید کاظم رشتی تلمیذ شیخ احسائی کے شاگرد تھے، یہ اجتہاد کے مدعی تھے، فتویٰ نویسی کا کام کرتے اور کرمان پر تسلط جمائے ہوئے تھے، ان کی یہ تحریک شیخیہ، کشفیہ یا ناطقیہ کے ناموں سے مشہور تھی، اس تحریک کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ، رسول اور امام کے ساتھ ساتھ ایک چوتھے رکن کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ چوتھا رکن الحاج محمد کریم خان ہیں۔ یہ تحریک ہر زمانے میں صرف ایک شخص کی اتباع کو واجب قرار دیتی تھی اور اسے ''خالص شیعی'' کا نام دیتی تھی اور دعویٰ یہ کرتی تھی کہ یہ شخص امام کی صفات کا آئینہ ہے اور اس شخص کی پہچان ایمان کا چوتھا رکن ہے۔

ڈاکٹر اسماعیل نوری علاء لکھتے ہیں کہ چوتھے رکن کے نظریہ کو شیخ احمد احسائی نے فتح علی شاہ قاچاری کے عہد میں ایجاد کیا تھا اور دعویٰ یہ کیا تھا کہ عہدِ غیبت میں بھی فیض ولطف الٰہی جاری رہتا ہے ان کے شاگرد سید کاظم دشتی نے اس نظریہ کی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ترویج وترقی کے لئے بہت کام کیا، اس تحریک کا نیابت عامہ کے نظریہ پر بھی ایمان تھا، کشف والہام کی وجہ سے جس کا شیخ احمد احسائی دعویٰ کرتے تھے، اس تحریک کو کشفیہ کے نام سے موسوم کیا گیا، اسے ناطقیہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا، اس لئے کہ اس کے نزدیک ہر زمانے میں فقہاء میں سے صرف ایک ہی کو یعنی شیخ یا رکن رابع کو بولنا چاہئے، دیگر تمام فقہاء کے نطق کو یہ تحریک جائز نہیں سمجھتی تھی بلکہ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ایک ہی وقت میں تمام معصومین کا بولنا بھی جائز نہیں لہٰذا ائمہ میں سے بھی صرف ایک ہی کو ایک وقت میں بولنا اور امامت کے فرائض کو انجام دینا چاہئے۔

معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہ نظریہ اخباری تحریک سے متاثر تھا، جو نیابتِ عامہ کے نظریہ کو ترقی دینا چاہتی تھی، جسے ہر فقیہ یا متفقہ نے دیگر فقہاء سے الگ تھلگ ہو کر اپنی مرضی کے معنی پہنانے شروع کر دیئے تھے، بہر حال اس تحریک کا زور اس بات پر تھا کہ سیاسی قیادت صرف ایک ہی شخص کی ہونی چاہئے اور اس کے علاوہ ہر ایک کے لئے اسے حرام ہونا چاہئے۔

بابی تحریک

شیخیہ اخباریہ تحریک نے ترقی کی اور اس کے بطن سے ایک اور فرقہ بابیہ نے جنم لیا جس کا قائد محمد کریم خان کا دوست اور سید کاظم دشتی کا شاگرد میر علی محمد شیرازی تھا، اس نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ امام مہدی منتظر کا نائب خاص اور باب امام زمان ہے۔ باب علی محمد شیرازی نے شاہ محمد بن فتح علی کو ایک خط لکھا تا کہ ان کی تائید حاصل کرے اور یہ اس لئے کہ یہ علماء اصول کے ساتھ ایک بحران کی زندگی بسر کر رہا تھا، شیراز، مازندان، مشہد، زنجان، تبریز اور ایران کے اکثر علاقوں کے تحریک شیخیہ کے لوگوں کی اکثریت نے باب کی پیروی شروع کر دی، امام مہدی کے انتظار کا مسئلہ شیخیہ اور شیعہ اثنا عشریہ میں قدرِ مشترک تھا اور انہی کی فکر نے بابی تحریک کو جنم دیا۔

شیخیہ کا عقیدہ تھا کہ امام مہدی غائب ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے جسم ہورقلیائی میں رہ رہے ہیں، اس سے مراد مادہ و روح کے درمیان ایک جسم لطیف ہے جو برزخ یا اس حدِ فاصل کی طرح ہے جو عالمِ محسوس اور اس عالم غیب میں ہے، جو اقلیم ثانی میں واقع اور فلک اطلس کے اوپر ہے، جیسا کہ شیخ احمد احسائی نے بھی لکھا ہے۔ بابی تحریک، شیخیہ کے ساتھ نظریہ رکن رابع اور نظریہ شیعی کامل میں مل جاتی ہے، ان کے نزدیک رکن رابع امت اور امام کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

تحریک شیخیہ نے جب یہ محسوس کیا کہ بابی تحریک اس کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، تو اس نے اس کے خلاف جنگ شروع کر دی، حاجی محمد کریم خان نے فتویٰ جاری کر دیا کہ باب اور اس کے پیروکار کافر ہیں، اس نے بابیہ کے کفر کے بارے میں ایک رسالہ لکھ کر ناصر الدین شاہ قاچاری کی خدمت میں پیش کیا۔

بابی تحریک نے ایک اور زنقد لگائی اور علی محمد شیرازی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ ایک ہزار سال سے مہدی منتظر ہے، اس کے دعویٰ کی بنیاد شیخ احسائی کا یہ نظریہ تھا کہ مہدی کی زندگی ایک لطیف جسم ہورقلیائی میں ہے اور اب وہ باب کے جسم میں حلول کیے ہوئے ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس خطرناک تحریک کے پس پردہ اجنبی ہاتھ بھی کارفرما تھے لیکن یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ایک بڑا سبب وہ مسئلہ بھی تھا جو زمانہ غیبت میں شیعہ کے لئے بہت پریشان کن تھا یعنی امام مہدی کے انتظار کے زیر سایہ سیاسی قیادت کا مسئلہ اور تقیہ وانتظار کے بجائے نیابت خاصہ یا دعویٰ مہدویت کا افسانہ۔ علماء اصول عصر غیبت میں امام مہدی کی نیابت عامہ ہی کے نظریہ پر ایمان رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے باب اور بابی تحریک کا بہت شدت سے محاسبہ کیا، اسے کافر اور شرعِ مقدس کا مخالف قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ باب کو پھانسی دے دی جائے، یہ اپنے اس مطالبہ میں کامیاب رہے اور ۲۷ رشعبان ۱۲۶۶ھ/ ۱۸۵۰ء کو باب کو تبریز میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

تبریز میں صاحبِ زمان کا باغیچہ

قابل ذکر بات یہ ہے کہ علماء اصول کو جو بابی تحریک کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوئی اور بابی تحریک کے قائد کو پھانسی دے دی گئی تو اس کے نتیجہ میں علماء کے نیابت عامہ کے نظریہ کی تائید وحمایت کے لئے بہت کوششیں شروع ہوگئیں، بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ انہوں نے وسط تبریز کے قبرستان میں امام مہدی کا مشاہدہ کیا ہے، وہ وہاں کئی مرتبہ ظاہر ہوئے ہیں، ان دنوں یہ بات بھی بہت مشہور ہوئی کہ ایک قصاب ایک گائے کو ذبح لے جارہا تھا کہ وہ اس سے بھاگ کر قبرستان میں چلی گئی، قصاب نے اسے دو مرتبہ کھینچا اور جب وہ اسے تیسری مرتبہ کھینچنے لگا تو فوراً مر گیا، تبریز کے باشندوں نے تبرک کے طور پر اس مقدس گائے کے بال کاٹنا شروع کر دیئے، اب یہ قبرستان مزار جمہور بن کر باغیچہ صاحبِ زمان کے نام سے معروف ہوگیا تھا اور لوگوں نے گائے کے لئے نذرانے پیش کرنے اور قبرستان میں چراغ جلانے شروع کر دیئے تھے، چراغ جلانے والوں میں برطانیہ کا قونصلر بھی تھا۔ تبریز کے امامِ جمعہ نے فتویٰ دیا کہ اگر کوئی اس قبرستان میں نشہ کرے یا جوا کھیلے تو اسے قتل کر دیا جائے، علاوہ ازیں حکومت نے شہر تبریز کو ٹیکسوں اور حکام کے احکام سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔[1]

ایران......صفویوں کے بعد

ایران کی صفوی حکومت کے قیام کے کم وبیش دو سو سال بعد جب صفویوں پر اضمحلال اور ابتری کا دور دورہ تھا، ہمسایہ ملک افغانستان نے فائدہ اٹھایا، اور اپنے حوصلہ مند حکمران محمود خاں علیزئی کی قیادت میں ۱۱۳۴ھ میں ایران پر حملہ کیا اور اصفہان کو فتح کرلیا۔ حسین شاہ گرفتار ہوا، افغانوں نے باقی ملک کو بھی فتح کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کی تعداد اس قدر نہ تھی کہ پورے ملک کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتے۔ محمود خاں تین سال سلطنت کرنے کے بعد ۱۱۳۷ھ/ ۱۷۲۴ء میں راہیٔ ملکِ بقا ہوا، اس کے جانشین اشرف خاں کے زمانہ میں ملک میں بدنظمی پھیل گئی، اس وقت روس کے فرمانروا پیطر اعظم نے ایران کے شمالی اضلاع پر حملہ کیا، صلح کے نتیجہ میں ایران کو اپنے بہت سے زرخیز اور اہم اضلاع سے دستبردار ہونا پڑا۔

1۔ نقش روحانیت ص ۱۹۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نادرشاہ افشار کا دورِ حکومت

شاہِ ایران قید میں تھا، خوش قسمتی سے اس کے شاہزادہ طہماسپ کو ایک لائق صاحبِ عزم ونظم قائد مل گیا، جو خاندانی طور پر معمولی حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود اپنی صلاحیتوں کی بناء پر اس گروہ میں شامل تھا، جو نئی سلطنتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، یہ نادرشاہ "افشار" تھا۔

نادر نے طہماسپ کو اس کے آبائی تخت پر بٹھادیا، دولت صفویہ زوال سے دوچار تھی اور اس کے دوبارہ عروج کے آثار نہ تھے، سارے ملک میں انتشار اور بے اعتمادی پھیلی ہوئی تھی، نادر نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر ایک نئی عسکری طاقت کی تنظیم کی، اس کی حوصلہ مندی اور مردانگی نے ایرانیوں میں ایک نئی روح پھونک دی، وہ آندھی پانی کی طرح اٹھا اور سارے ملک پر چھا گیا۔ اس نے ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء میں افغانوں کو ایران سے بالکل بے دخل کر دیا۔ ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۳ء میں اس نے روسیوں کو بحیرۂ خزر (Caspian Sea) پر روک کر باعزت اور خوددارانہ صلح کی، اہل عرب کو ملک کے مغربی حدود پر روک دیا، سلطان روم کو شمال سے پسپا ہونے پر مجبور کیا، اور قدیم سلطنت ایران کے صوبے غیرملکیوں سے واپس لئے۔ ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۵ء میں ایران کی سلطنت کو ایسی وسعت حاصل ہوگئی کہ اس کی سرحدیں اپنے قدیمی صورت پر واپس آگئیں اور ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں خاندانِ صفویہ کا خاتمہ ہوگیا، نادرشاہ افشار اس وقت ایران کا واحد تاجدار تھا۔[1]

نادرشاہ کی عجیب حکمت عملی

متعدد فتوحات کے بعد جب ۱۷۳۷ء میں نادرشاہ وادی مغاں میں داخل ہوا تو اعیان سلطنت نے ایران کا تاج اس کے سامنے پیش کیا۔ لیکن اس نے تاج کے قبول کرنے سے اس وقت تک کے لئے انکار کردیا جب تک شیعہ اور اہل سنت کا اختلاف دور نہ ہوجائے۔ تاریخ جہاں کشا میں ہے کہ اس نے ایرانی سرداروں سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے چار صحابہؓ خلافت پر مامور ہوئے۔ اس واقعہ کو ہندوستان، روم (ترکی)، ترکستان اور دوسرے ملکوں نے تسلیم کرلیا ہے۔ قدیم زمانہ میں ایران کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ پھر شاہ اسماعیل صفوی نے ملکی اسباب کی بنا پر اسے ترک کر دیا۔ اگر اہل ایران چاہتے ہیں کہ میں بادشاہی قبول کرلوں اور وہ خود اپنے اصلاح کے بھی خواہشمند ہیں تو ضروری ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اختیار کرلیں، جو ہمارے آباؤاجداد کا مسلک تھا۔ چونکہ امام جعفر صادق کو جو ہمارے نبی کی اولاد میں سے ہیں۔ تمام مسلمان امام تسلیم کرتے ہیں نیز چونکہ اہلِ ایران ان کے مسلک سے واقف ہیں، لہٰذا انہیں چاہئے کہ امام موصوف کے مسلک کو اپنا مذہب بنالیں۔

لوگوں نے یہ شرط منظور کی اور ایک محضر تیار کر کے اس پر اپنی مہریں ثبت کردیں۔ اس کے بعد نادرشاہ نے تاج

1۔ ملخص از کتب تاریخ ایران وہندوستان

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قبول کرلیا اور اس واقعہ کی اطلاع امیر المومنین سلطان ترکی کی خدمت میں بھیجی تا کہ دولت عثمانیہ اور حکومتِ ایران کے اختلافات دور ہو جائیں اور دوستانہ تعلقات پھر قائم ہو جائیں۔

چونکہ باب عالی میں یہ معروضات بے اثر رہیں، اس لئے جب ۱۱۵۶ھ میں نادر شاہ نجف گیا تو اس نے سلطان سے ان مطالبات کی منظوری حاصل کرنے کی ایک بار اور کوشش کی۔ اس نے اپنی سلطنت کے تمام بڑے بڑے علماء اور سر برآوردہ اشخاص کو دعوت دی کہ ایک مجلس منعقد کر کے معاہدۂ مغان کی تجدید و تصدیق کریں۔ چنانچہ احمد پاشا والی بغداد کو بھی لکھا گیا کہ وہ ایک ایسا عالم روانہ کرے جو دینیات کا فاضل ہو تا کہ ثالث کی حیثیت سے فریقین کے اختلافات دور کر کے ان کو باہم ملا سکے۔

احمد پاشا نے اس خدمت کے لئے علامہ عبداللہ سویدی کو منتخب کیا جو اپنے وقت میں بغداد کے سب سے بڑے فاضل تھے۔ یہ مجلس کامیاب ہوئی اور معاہدۂ مغان از سرِ نو مستحکم کیا گیا۔ نادر شاہ نے مرزا محمد علی نائب وزیر کو ایران کے تمام حصوں میں مجلس کے فیصلہ کا اعلان کرنے اور خلفائے اربعہؓ کے نام تمام ایران میں جمعہ کے خطبہ میں داخل کرانے کے لئے روانہ کیا۔ اس نے مجلس کی روئیداد دربارِ خلافت میں قسطنطنیہ بھیجی اور اپنے مطالبات کی منظوری کے لئے پھر استدعا کی اور تھوڑے تغیر کے ساتھ بالآخر سلطنت عثمانیہ اور حکومتِ ایران کے درمیان ایک صلح نامہ مرتب ہو ہی گیا۔

علامہ عبداللہ سویدی نے اپنے سفرنامہ میں جہاں نادر شاہ کی ملاقات کا تذکرہ لکھا ہے، بادشاہ کی گفتگو کو حسبِ ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ نادر شاہ نے ان سے کہا کہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ میری حکومت کے اندر بعض جماعتیں بعض دوسری جماعتوں کو کافر کہیں۔ اب میں تمہیں اپنا وکیل مقرر کرتا ہوں اور تم سے کہتا ہوں کہ تمام زندقہ کا استیصال کرو اور ان تینوں گروہوں کے درمیان جو معاہدہ ہو، میری طرف سے اس کے گواہ رہو، جو کچھ تم سنو اور دیکھو اس کی اطلاع مجھے دو۔ اسی دوران میں شیعہ مجتہد کا جو ملّا باشی کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، علامہ سویدی سے ایک مباحثہ بھی ہو گیا۔ چنانچہ خود سویدی کا بیان ہے کہ ”نادر شاہ کو اس بحث کی بھی اطلاع بالکل صحیح صحیح دے دی گئی اور اس نے فوراً علمائے ایران، علمائے افغانستان اور علمائے ماوراء النہر کو حکم دیا کہ جمع ہو کر بدعت و زندقہ کے ختم کرنے کا فیصلہ کریں۔ مجھ سے کہا کہ تم میرے نمائندہ کی حیثیت سے ان کو دیکھتے رہو اور زیر بحث مسائل پر جو اقرار نامہ ان کے درمیان مرتب ہو، اس کے گواہ رہو۔“

جلسہ کے روز مجمع بہت تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روضہ کے پیچھے ایران کے ستر علماء جمع ہوئے۔ ان میں مفتی اردلان کے سوا کوئی سنی نہ تھا۔ میں نے کاغذ اور قلم دوات منگائی اور جو لوگ ان میں سے زیادہ اہم تھے ان کے نام لکھ لئے۔ اس کے بعد افغانی علماء آئے، میں نے ان کے نام لکھ لئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد علماء ماوراء النہر آئے، جن کی تعداد سات تھی۔ رپورٹ میں ان کے نام بھی لکھ لئے گئے۔ جب مجلس باقاعدہ طور پر بیٹھ گئی تو ملا باشی نے بحر العلم علامہ ہادی خواجہ کو جو علماء ماوراء النہر میں سب سے زیادہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، مخاطب کر کے کہا کہ یہ ”عبداللہ سویدی ہیں جو سنی فرقہ کے اکابر علماء میں ہیں۔ انہیں وزیر احمد پاشا نے نادر شاہ کی دعوت پر بھیجا ہے تا کہ اس جلسہ میں ثالث کی حیثیت سے موجود

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رہیں۔لہٰذا یہ شاہ کے وکیل ہیں۔اگر ہمارے درمیان کسی بات پر اتفاق ہوگیا تو وہ ہم سب کی طرف سے اس کے گواہ ہوں گے۔اب بتایئے، آپ کن باتوں کی وجہ سے ہم پر کفر کا الزام رکھتے ہیں تاکہ ہم شیخ عبداللہ کی موجودگی میں ان سے باز آجائیں۔"

ملاباشی کے اس عجیب وغریب سوال پر طرفین میں ایک گونہ برہمی پیدا ہو جانا چاہئے تھی مگر سنیوں کے لیڈر ہادی خواجہ بحرالعلم نے بڑی برجستگی کے ساتھ اپنے خیالات پیش کر دیئے۔ملاباشی کے استفسار پر بحرالعلم نے جواب دیا:

بحرالعلم: آپ کافر ہیں، اس لئے کہ شیخین پر تبرّا کرتے ہیں۔

ملاباشی: ہم شیخین پر تبرا کہنا چھوڑتے ہیں۔

بحرالعلم: آپ کافر ہیں، اس لئے کہ صحابہ کو گمراہ اور کافر بتاتے ہیں۔

ملاباشی: تمام صحابہ عادل تھے۔

بحرالعلم: آپ حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں۔آپ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملنی چاہئے تھی۔

ملاباشی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ، تب عثمان رضی اللہ عنہ، پھر علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور ان کا منصب خلافت پر مامور ہونا ان کی فضیلت کی ترتیب کے مطابق تھا۔

بحرالعلم: جب صورتحال یہ ہے تو آپ مسلمان ہیں، ہمارا نفع نقصان آپ کا نفع نقصان ہے۔

سب لوگوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ ملائے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔تینوں گروہوں نے جلسہ کی کاروائی اور اپنے فیصلہ کی مجھ سے تصدیق کرائی۔ ۲۴ شوال چہارشنبہ کے روز قریب مغرب جلسہ برخاست ہوا۔دوسرے روز نادر شاہ کے حکم سے یہ مجلس پھر منعقد ہوئی اور شاہی مفتی آقا حسین نے نادر شاہ کا فرمان پڑھ کر سنایا۔وہ فرمان یہ تھا:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے نبیوں کا بھیجنا مقرر فرمایا۔وہ یکے بعد دیگرے نبیوں کو بھیجتا رہا۔ یہاں تک کہ سب سے آخر ہمارے نبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔جب آپ کا انتقال ہوا تو چونکہ آپ نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری نبی ورسول تھے، اس لیے آپؐ کے صحابہؓ نے آپ کی جانشینی کے لئے اپنے میں سے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دانشمند شخص ابوبکر صدیق بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔انہوں نے جمع ہو کر بالاتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فیصلہ کیا اور سب نے مل کر ان کی اطاعت اور وفاداری کا حلف لیا۔ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔انہوں نے بھی بہ رضا ورغبت اور بغیر کسی جبر یا دباؤ کے یہ حلف لیا۔اس طرح بیعت اور خلافت کی تصدیق ہوگئی اور صحابہ کا اتفاقِ آراء اس واقعہ کا قطعی ثبوت تھا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی تعریف فرمائی ہے۔یہ صحابہ تعداد میں سات سو تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت سب موجود تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے فرمایا کہ میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لئے اپنا جانشین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا اور تمام صحابہؓ نے ان کے سامنے بیعت کی، جس میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت صحابہ کے متفق علیہ فیصلہ کے مطابق بھی تھی اور خود خلیفہ کی ہدایت کے مطابق بھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا مسئلہ چھ آدمیوں کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا، جس میں ایک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مجلس نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر اتفاق کیا۔ جب وہ اپنے گھر میں شہید کیے گئے اور اپنا جانشین نہ نامزد کر سکے تو خلافت کا عہدہ معطل رہا۔ پھر صحابہؓ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا۔"

مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد فرمان کے الفاظ یہ ہیں:

"یہ چاروں حضرات ایک دوسرے کا اس قدر احترام اور مدح سرائی کرتے تھے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ دونوں راست باز اور عادل رہنما تھے۔ وہ حق پر زندہ رہے اور حق پر مرے۔ اسی طرح جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فرمایا: کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو، جبکہ علیؓ تمہارے درمیان ہیں"۔

اے اہلِ ایران! تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان حضرات کی فضیلت اور شان کی ترتیب وہی تھی جو بیان کی گئی۔ اب اگر تم میں سے کوئی شخص ان پر تبرا کہے گا یا ان کی عیب جوئی کرے گا تو اس کی دولت اور اس کے بال بچے، اس کے اعزا و اقرباء اور اس کا خون شاہ کے لئے جائز ہو جائے گا اور ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہوگی۔ جب تم نے ۱۱۴۸ھ میں وادی مغان میں میری وفاداری کا حلف لیا تھا تو میں نے یہ شرط تم پر پہلے ہی عائد کر دی تھی کہ تبرا یک قلم موقوف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اب میں اس کو بند کرتا ہوں۔ آئندہ اگر کوئی صحابہؓ پر تبرا کہے گا تو میں اس کو قتل کر دوں گا۔ اس کے بال بچوں کو قید اور اس کی جائیداد کو ضبط کر لوں گا۔

زمانہ قدیم میں مملکتِ ایران یا ان ممالک میں جو ایرانی علاقوں کے اطراف میں تھے، ان شرمناک بدزبانیوں کی قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔ ان کا رواج بدذات شاہ اسمٰعیل صفوی کے عہد میں ہوا اور اس کے جانشین اسی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ تبرا ترقی کرتا گیا، بدعت و زندقہ ہر طرف پھیل گیا اور رخنے وسیع ہو گئے۔ یہ ۹۰۷ھ میں ہوا۔ ان نفرت انگیز باتوں کو شائع ہوئے تین سو برس گزر چکے ہیں۔"

شاہی فرمان کے نیچے اسی کاغذ پر ایک اقرار نامہ اہلِ ایران کی طرف سے درج تھا۔ وہ یہ تھا:

"ہم لوگوں کو قبول ہے کہ صحابہ پر تبرا کہنا بالکل موقوف کر دیا جائے۔ ہم ان کی فضیلت اور ترتیبِ خلافت کو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جیسا کہ اس دستاویز میں مذکور ہے، تسلیم کرتے ہیں۔ ہم میں سے جو شخص تبرا کہے یا ان معاہدوں کے خلاف کچھ زبان سے نکالے، اس پر خدا کی لعنت، اس کے فرشتوں کی لعنت اور تمام نوعِ انسانی کی لعنت ہو اور ہم لوگوں پر نادر شاہ کا غضب نازل ہو اور ہماری جائیداد، خون اور بال بچے اس کے لئے جائز ہو جائیں۔"

ایرانیوں نے اس اقرار نامہ پر اپنی مہریں لگائیں۔ اس کے نیچے نجف، کربلا، حلات اور خوارزم کے لوگوں کی طرف سے بھی ایک اقرار نامہ تھا۔ اس کا مضمون بھی وہی تھا جو اہلِ ایران کے اقرار نامہ کا، پھر اس کے نیچے افغانوں کی طرف سے حسب ذیل اقرار نامہ تھا:

جب تک اہلِ ایران معاہدہ کے پابند رہیں گے اور اس کی خلاف ورزی نہ کریں گے، اس وقت تک وہ اسلامی فرقوں میں شمار ہوں گے۔ ان کا نفع نقصان مسلمانوں کا نفع نقصان سمجھا جائے گا۔ ان لوگوں نے بھی اپنے اقرار نامہ پر اپنی مہریں ثبت کیں۔ اس کے علاوہ علماء ماوراء النہر کی طرف سے ایک اقرار نامہ تھا جس کا مضمون افغانوں کے اقرار نامہ کے مثل تھا۔ انہوں نے بھی اپنی مہریں لگائیں۔ تب میں نے دستاویز کے سرے پر اپنی یہ شہادت درج کی:

"میں اس معاہدے کی تصدیق کرتا ہوں جس پر تینوں جماعتوں نے اتفاق کیا ہے اور اس پر پابند رہنے کا وعدہ کیا ہے، نیز اس امر کی کہ انہوں نے اپنے اس اقرار نامہ کا مجھے گواہ بنایا ہے"۔

نادر شاہ نے علامہ سویدی کو بلا کر ان کا شکریہ ادا کیا اور مجلس کی کامیابی پر نہایت مسرت ظاہر کی۔ دوسرے روز جمعہ کو اس کے حکم سے کوفہ کی مسجد (شیعہ) میں خلفائے اربعہ کے نام خطبہ میں بالترتیب پڑھے گئے اور سلطان محمود خان عثمانی اور اس کے بعد نادر شاہ کے لئے دعا کی گئی۔ نماز جعفری طریقہ کے مطابق ادا ہوئی۔ پھر علامہ موصوف کو بغداد واپس جانے کی اجازت ملی اور ان کے ساتھ معاہدہ مذکور اور اس خطبہ کی ایک نقل بھی روانہ کی گئی۔

(سفرنامہ علامہ عبداللہ سویدی بحوالہ النجم لکھنؤ۔ ۲۶ ر فروری ۱۹۳۷ء)

نادر شاہ کا یہ اقدام قابلِ صد آفرین ہے۔ بشرطیکہ تاریخ میں اس کی متضاد گواہیاں نہ پائی جاتی ہوں، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں تو یہی نادر شاہ ہمیں ایک تقیہ باز شیعہ حکمران اور سفاک قاتل کے روپ میں دِکھائی دیتا ہے تو لامحالہ ہم اس کے اس دوہرے رویے کو قابلِ تحسین ہرگز قرار نہیں دے سکتے۔

ہندوستان کے عظیم صاحبِ قلم سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"مغربی مورخین اور بعض مسلمان مصنفین کے اس بیان میں کہ نادر شاہ نے ایران سے شیعیت کے خاتمہ کی سنجیدہ اور باعزم کوشش کی اور یہ کہ وہ اصلاً سنی تھا، اس شبہ کی گنجائش ہے کہ یہ عقیدہ کی تبدیلی کا معاملہ تھا یا سیاسی تدبیر، دہلی پر حملہ اور وہاں کے قیام کے دوران نادر شاہ کی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ مذہباً سنی ہے، اور ایران کو سنیت کے جھنڈے تلے لانا چاہتا ہے"۔ (تاریخ دعوت وعزیمت حاشیہ)

1۔ تاریخ ایران جلد دوم صفحہ ۳۷۳، ۳۸۴۔ از پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

حقیقت یہ ہے کہ مذہب شیعہ کو نادر شاہ کے دور میں بھی بہت فروغ حاصل ہوا۔ چنانچہ مقبول بیگ بدخشانی لکھتے ہیں کہ ابتداء میں اس نے چال بازی اور مکاری کے تحت یہ تجویز پیش کی تھی کہ:

"اہل ایران سنی مذہب قبول کر لیں اور سب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مسلک اختیار کرنے کے بجائے حضرت امام جعفر صادق کی پیروی کریں جو شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک قابل احترام ہیں لیکن امراء نے نادر قلی کی بادشاہت کو تو دل و جان سے قبول کر لیا لیکن مذہبی تبدیلی کو نہ دل سے مانا اور نہ حکومت کے موروثی ہونے کو تسلیم کیا۔ نادر شاہ نے مذہب کا حکومت سے تعلق ختم کر کے اسلامی دنیا کو ملا کر ایک کرنا چاہا چنانچہ اہل تشیع اور اہل تسنن کے بین بین حضرت امام جعفر کے نام پر مذہب جعفریہ کی ترویج کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی"[1]

ایک شیعہ مورخ لکھتا ہے کہ!

"ہوسکتا ہے کہ اس نے خواب کی وجہ سے شیعہ سنی کا سوال مٹانے کے لیے ایسا سوچا ہو کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اسے آئندہ عثمانی (سنّی) حکومت کا وارث ہونا تھا اس لیے اس نے یہ سوچا ہو کہ شیعہ چونکہ سنیوں کے خلاف ہیں اس لیے اسے درمیانی پالیسی اختیار کرنی چاہیے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایران میں ابھی تک یہ معمہ حل نہیں ہوسکا کہ آیا نادر شاہ سنّی تھا یا شیعہ لیکن زیادہ تر مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ سنّی تھا ان مورخین میں سر پرسی سائیکس، ولیم ایل لنگر مصنف انسائیکلو پیڈیا، تاریخ عالم مولانا غلام رسول مہر وغیرہ ہیں"۔[1]

پروفیسر طاہر الہاشمی فرماتے ہیں: اس شیعہ مؤلف کو نادر شاہ کو سنی قرار دینے کے لئے کن مؤرخین کا سہارا لینا پڑا؟ معمہ ایران کا ہے اور اسے حل کرنے کے لیے غیر ایرانی بے چین نظر آتے ہیں۔ نادر شاہ کی "سنیت" تو دہلی کے حملے سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سید محمد طباطبائی (جو ایک شیعہ مجتہد اور مفسر ہیں) کا حوالہ بھی اوپر گذر چکا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نادر شاہ ایک کٹر شیعہ اور انتہائی ظالم شخص تھا اگر وہ شیعہ نہ ہوتا تو اس کے امراء اسے ایک لمحے کے لیے بھی تخت ایران پر جلوہ افروز نہ ہونے دیتے۔[2]

تاہم تمام تر کوششوں کے باوجود نادر شاہ ایرانیوں سے شیعیت چھڑوانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے جرنیلوں نے ۱۷۳۷ء میں بلوچستان اور بلخ لئے، ۱۷۳۸ء میں قندھار پر قبضہ کیا، وہاں سے تسخیر ہند کے لئے روانہ ہو کر کابل، پشاور اور لاہور کو تسخیر کیا۔ ۱۷۳۹ء میں دہلی کے قریب کرنال میں مغل شاہنشاہ کی بہت بڑی فوج کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا۔ دہلی پر قبضہ کی داستان ہندوستان کی متعلقہ تاریخ میں ملاحظہ فرمائیے۔

یہ ملحوظ رہے کہ مذہب شیعہ اور مذہب جعفریہ دونوں ایک ہی مذہب کے نام ہیں۔ شاہ اسماعیل صفوی نے ایران

1۔ تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران صفحہ ۱۹۴ از شیخ محمد حیات

2۔ شیعیت تاریخ و افکار۔ ص ۳۷۲

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں شیعہ مذہب کو مملکت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔اس مذہب کی یہ حیثیت اس کے بعد کسی دور میں بھی ختم نہیں ہوئی اور آج تک قائم ہے۔ چنانچہ شیعہ مجتہد سید محمد طباطبائی زیر عنوان "بارہویں سے پندرویں صدی ہجری کے دوران شیعوں کی حالت" لکھتے ہیں کہ:

"آخری تین صدیوں کے دوران شیعوں کی مذہبی ترقی اپنی سابقہ حالت اور شکل میں جاری رہی ہے اور اب جبکہ چودھویں صدی کا آخری حصہ گذر رہا ہے، مذہب شیعہ ایران میں سرکاری اور عوامی مذہب کے طور پر پہچانا جاتا ہے اور اسی طرح دوسرے بہت سے اسلامی ممالک مثلاً یمن، عراق میں شیعوں کی اکثریت ہے، ان کے علاوہ تمام اسلامی ممالک میں بھی کم وبیش شیعہ افراد زندگی گذار رہے ہیں لیکن مجموعی طور پر دنیا کے مختلف ممالک اور علاقوں میں شیعہ آبادی تقریباً ایک سوملین (دس کروڑ) نفوس پر مشتمل ہے"

نادرشاہ کے تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ نادرشاہ پیدائشی جرنیل تھا اس کی آواز بادل کی کڑک کی طرح گونج دار تھی اور دہلی پر تمام حملہ آوروں کی نسبت سب سے زیادہ ظالم تھا حتیٰ کہ اس کے مظالم سے اس کے اپنے خاندان کے افراد بھی محفوظ نہیں رہ سکے جس کے نتیجے میں اس کے بھتیجے علی خان نے بغاوت کی۔ بالآخر محمد صالح خان اور محمد قلی خان افشاریوں نے ۱۷۴۷ء اس کے خیمے میں داخل ہوکر اسے قتل کر دیا۔

ژندیوں اور قاچاریوں کا اقتدار

نادرشاہ کی موت کے بعد ایران میں ابتری پھیل گئی، اور طوائف الملوکی کا دوردورہ ہوا، اس کی فوج کے سالار اپنی اپنی سلطنت کے قیام کا خواب دیکھنے لگے، اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا علی قلی عادل شاہ (۱۷۴۷ء۔۱۷۴۸ء) تخت نشین ہوا، اس نے اپنے خاندان کو قتل کروادیا۔صرف شہزادہ شاہ رُخ مرزا بچا جس کی عمر اس وقت چودہ برس تھی۔عادل شاہ ایک سال کے اندر اندر اپنے بھائی ابراہیم کے ہاتھوں معزول ہوا، اور اندھا کر دیا گیا، لیکن ابراہیم کی فوج میں بغاوت ہو گئی۔فوجی افسروں نے اس کو شکست دے کر قید پھر قتل کر دیا۔اس کے بعد عادل شاہ کو بھی قتل کر دیا گیا، اس کے بعد ژند خاندان ایران پر غالب آیا، اور کریم خاں ژند (۱۱۶۴ھ/ ۱۷۵۰ء۔ ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء) نے انیس برس تک ایران پر حکومت کی، اس نے شیراز کو اپنا پایۂ تخت بنایا، وہ انصاف اور رحم دلی کی صفات سے متصف تھا۔اس نے ایران کو خونریز جنگوں کے بعد سکون وآرام کا موقعہ دیا۔اس لئے اس کی موت پر بڑا سوگ منایا گیا، متعدد کمزور جانشینوں کے بعد لطف علی کے عہد میں خاندانِ ژند کا زوال مکمل ہو گیا، لطف علی ۱۲۰۹ھ/ ۱۷۹۴ء میں قتل ہوا، اور ایران کا تخت خاندانِ قاچار کے لئے خالی ہوا۔

۱۷۷۶ء میں آغا محمد خان قاچار نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور "شاہ" کا خطاب اپنایا۔آغا محمد شاہ نے

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔صفحہ ۹۰۸ جلد ۱۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایران کے ان علاقوں کو دوبارہ فتح کیا جو خود مختار ہو چکے تھے۔اس نے بادشاہت کے دوسرے دعویداروں کو بے رحمی سے فنا کر دیا۔اس نے صفوی سلطنت کی سرحدوں کو بحال کیا اور ۱۷۹۷ء تک پورے جاہ وجلال کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد دامِ اجل کا شکار ہو گیا۔بعد ازاں اس کے بھتیجے فتح علی شاہ کا دورِ اقتدار شروع ہوا،لیکن وہ اپنے چچا آغا محمد شاہ کا مثل ثابت نہ ہو سکا،تاہم فتح علی شاہ اور اس کے جانشین اپنے آپ کو شہنشاہ کہلواتے چلے آئے۔

فتح علی شاہ قاچار کے کارنامے

شیعہ مجتہد مفتی جعفر حسین لکھتے ہیں کہ:

''دولتِ صفویہ کے زوال کے بعد سلاطینِ زندیہ اور قاچاریہ شیعیت کے لیے پشت پناہ ثابت ہوئے اور اس کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔اب ایران شیعیت کا سب سے بڑا مرکز ہے اور قم،مشہد،تہران،نیشاپور،نہاوند اور دوسرے شہروں میں ان کے بلند پایہ علمی مراکز اور دینی مدارس قائم ہیں۔'' 1

علاوہ ازیں جب ۱۲۱۶ھ میں عبدالوہاب نجدی کے متبعین کے حملے کے نتیجے میں ''مشہد حسینؓ'' کو نقصان پہنچا اور اس کے مال واسباب لوٹ لیے گئے تو فتح علی شاہ قاچار نے اس نقصانِ عظیم کی شاندار تلافی کی۔اب کی مرتبہ کربلا کی تاریخی تعمیر وآرائش ہوئی اور ۱۲۲۷ھ میں روضۂ انور از سرِ نو مطلاّ کیا گیا۔۱۲۵۰ھ میں اس بادشاہ نے حضرت امام حسینؓ اور حضرت عباسؓ کے روضوں کے گنبدوں پر سونا چڑھوایا۔۱۲۷۶ھ میں ناصرالدین شاہ قاچار نے دوبارہ زرِ کثیر خرچ کر کے طلاکاری کرائی۔۱۲۸۷ھ میں وہ خود زیارت کے لئے حاضر ہوا اور بہت سے مکانات خرید کر حرم کی توسیع کی اور اوقاف قائم کئے۔اس کے بعد سے اب تک کم وبیش کربلا اور اس کے مقدس مزارات مسلسل دیکھ بھال کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ 1

ایک اور مقالہ نگار عہد قاچاریہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انیسویں صدی میں فی الحقیقت قاچار خاندان قدیم شان وشوکت سے ایران پر حکومت کرنے میں کامیاب رہا کیونکہ وہ مفسد قبائل اور ان کے سرداروں کے دائمی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی سرگرمیوں کی روک تھام کرتا رہتا تھا۔ملک کے باشندوں پر شیعی مجتہدین کا اثر چھایا ہوا تھا اور ان کی نامزدگی میں حکومت کو مطلق دخل نہ تھا۔یہ لوگ زیادہ تر کربلا اور نجف کے مذہبی مرکزوں میں اقامت رکھتے تھے۔ان سے عام عقیدت کے باوجود بعض اختلافی دینی میلانات انیسویں صدی کے آغاز سے نشوونما پانے لگے تھے۔مثلاً ''فرقہ شیخیہ'' اس فرقے پر روحانیت کا غلبہ تھا اور اسی سے بالآخر ۱۸۴۴ء میں باب کے ظہور کا راستہ ہموار ہوا۔بابی تحریک میں چند سال تک ایک مذہبی سیاسی بغاوت کا پہلو موجود رہا۔لہٰذا حکومت کو خون ریز تدبیروں سے اسے دبانا پڑا۔ 2

1۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔صفحہ ۱۴۸ جلد ۱۷ تحت کربلا

2۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔صفحہ ۶۵۳ جلد ۳ تحت ایران

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فرقہ شیخیہ کا ظہور

قاچاریوں کے زمانہ میں شیعہ اثنا عشریہ کا ایک نیا فرقہ بنام ''شیخیہ'' سامنے آیا۔

یہ فرقہ شیخی یا شیخیہ الشیخ احمد بن زین الدین الاحسائی البحرانی کی طرف منسوب ہے۔ شیخ احمد احسائی ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوا، اور ۱۲۴۳ھ میں فوت ہوا۔ شیخ کے پیرو ایران اور عربستان کے اکثر علاقوں میں ہیں۔

شیخیوں کی رائے میں تخلیقِ کائنات کا اصل باعث ائمہ اثنا عشریہ تھے کیونکہ وہی مشیتِ الٰہی کے مظہر اور منشائے ایزدی کے ترجمان ہیں۔ اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو خدا کسی چیز کو پیدا نہ کرتا لہٰذا وہ تخلیق کی علتِ اولیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام کام انہی کے وسیلے سے صادر ہوتے ہیں لیکن انہیں بذاتِ خود یا اپنے بارے میں کوئی اختیار نہیں وہ محض مشیتِ ایزدی کی کارفرمائی کا ذریعہ یا آلہ ہیں۔ اسی وجہ سے شیعہ علماء ان پر تفویض کا الزام عائد کرتے ہیں۔ خدا کی ذات چونکہ فہم سے بالاتر ہے اور کسی ایسی ہستی کے خیال میں نہیں آتی جو مخلوق ہے لہٰذا اسے ہم صرف ائمہ ہی کے وسیلے سے سمجھ سکتے ہیں۔ جو فی الحقیقت اس اعلیٰ ترین ہستی کے مظاہر ہیں۔ ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ لوحِ محفوظ امام کا دل ہے جس نے تمام آسمانوں اور جہانوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ائمہ سب مخلوق سے افضل ہیں، ان کی پیدائش سب سے پہلے ہوئی۔

معاد کے سلسلے میں فرقہ شیخیہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہیں مادی جسم کے حشر سے انکار ہے۔ شیخی اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ انسان کے دو جسم ہیں ایک لباس کی طرح جسے انسان کبھی پہن لیتا ہے اور کبھی اُتار دیتا ہے اور جو زمانی عناصر سے بنا ہے، یہی جسم ہے جو قبر میں نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ دوسرا نہایت لطیف جو اس وقت بھی باقی رہتا ہے جب پہلا خاک میں مل جاتا ہے اس کا تعلق عالم غیر مرئی سے ہے (جسم ھُوَرقلیائی) قیامت کے دن یہی جسم اٹھایا جائے گا اور پھر جنت یا جہنم میں داخل ہوگا۔ جنت عبارت ہے اہل بیت اور ائمہ کی محبت سے، جنت اور جہنم کی تخلیق اعمال انسانی ہی سے ہوتی ہے۔ شیخی تصوف اور وحدۃ الوجود دونوں کی مذمت اس قسم کے اقوال سے کرتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ذات باری کو اپنی کنہ میں ایک کثیر الاشیاء ہستی ٹھہرایا جائے۔

معجزاتِ نبویؐ کی تشریح وہ مادی اعتبار سے نہیں بلکہ تمثیلاً اور عقلی انداز میں کرتے ہیں۔ ناصر الدین شاہ کے آغازِ حکومت میں تبریز (۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء) میں اس وجہ سے فساد ہو گیا کہ ایک شیخی کو کسی مجتہد کے فیصلے کی بناء پر عام حماموں میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ والی نے فساد پر قابو پالیا اور دونوں جماعتوں میں مصالحت کرادی۔ آگے چل کر اس فرقے پر کئی بار جبر و تشدد کیا گیا۔ علمائے شیخیہ کا اس امر پر اعتقاد ہے کہ امر دین جزئی اور کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ امر و نہی سب اس کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ اور اوصیاء کے وسیلے سے تمام جزئی اور کلی اوامر دین کو لوگوں تک پہنچایا اور انہوں نے راویانِ حدیث اور محدثین کے ذریعے ہم تک پہنچایا۔ علمائے شیخیہ ولایتِ امیر المومنین حضرت علیؓ اور آلِ محمد ﷺ کے علوم و آثار کی نشر و اشاعت کرتے ہیں۔

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ صفحہ ۸۷۲۔۸۷۶ جلد ۱۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عقائد شیخیہ

بارہ امام کہ جن میں سے پہلے امیر المومنین حضرت علیؓ اور آخری ابن الحسن العسکری جو پردۂ خفاء میں ہیں حجتِ خداوندی اور پیغمبر ﷺ کے جانشین ہیں۔ یہ بہترین خلقِ خدا ہیں اور معصوم ہیں ان کا امر خدا اور رسول ﷺ کا امر اور ان کی نہی خدا کی نہی ہے۔ حضرت پیغمبر ﷺ، فاطمۃ الزہراء، بارہ امام مقدس و معصوم ہیں کوئی مخلوق ان سے ملحق نہیں ہو سکتی۔

شیخیہ کے بنیادی عقائد چار ہیں۔ (۱) معرفتِ خدا (۲) معرفتِ پیغمبر ﷺ (۳) معرفتِ امامت جو ائمہ اطہار اور محافظانِ دین ہیں (۴) چوتھے عقیدے میں (تولاّ و تبرّا) دوست داروں کی دوستی اور دوست داروں کے دشمنوں سے دشمنی۔

اہل تشیع کا اجماع اس بات پر ہے کہ آلِ محمد ﷺ بھی نفسِ پیغمبر ﷺ ہیں اور ان سے ملحق ہیں اور معصومین سے امرِ پروردگار کے خلاف کوئی بات سرزد نہیں ہوتی۔ پس سب کام ان کے خدا سے نسبت رکھتے ہیں بلکہ ان کی مشیت کو خدا سے نسبت ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کوئی بات ایسی نہیں کرتے جو خدا نہ چاہے۔ پس چونکہ امام معصوم تمام مراتب فعل پروردگار پر رضامند ہوتا ہے، پس اس کا فعل، فعلِ خدا بن جاتا ہے اور فعلِ پروردگار کے آثار و صفات اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔[1]

پروفیسر قاضی طاہر الہاشمی کی تحقیق کے مطابق پاک و ہند میں رہنے والے عام اثنا عشری شیعہ وہی عقائد رکھتے ہیں جنھیں شیخ احسائی اور سید کاظم الرشتی نے رائج کیا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو شیخیہ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے مراکز کھول رکھے ہیں۔ پاکستان میں ملتان اور کراچی میں ان کے بڑے مراکز ہیں۔ زیادہ تر حکومت کویت کی طرف سے ان کی مالی امداد کی جاتی ہے۔[1]

تحریک بابیت

مرزا علی محمد باب کی تحریک بھی قاچاریوں کے زمانے میں پروان چڑھی۔ باب خود پہلے ایک اثنا عشری شیعہ تھا اور اسی مذہب کے عقائد میں تغیر و تبدل کر کے اس نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا اور باب کے تذکرہ نویس بھی اس بات پر متفق ہیں کہ شیعہ اثنا عشری فرقہ شیخیہ کے عقائد ہی سے بابی عقائد کا راستہ ہموار ہوا ہے۔ بلکہ مرزا محمد باقر نے اپنی کتاب ''روضات الجنات'' میں فرقہ بابیہ کو پیروانِ شیخ قرار دیا ہے۔

تحریک بابیت کا بانی علی محمد ہے۔ یہ شخص شیراز کے ایک اثنا عشری شیعہ تاجر کے گھر یکم محرم ۱۲۳۶ھ/۱۹ اکتوبر ۱۸۲۰ء کو پیدا ہوا۔ والد کا نام محمد رضا اور والدہ کا فاطمہ بیگم تھا۔ گھرانے کا پیشہ بزازی تھا۔ دو سال کی عمر میں والد فوت ہو

1۔ شیعیت، تاریخ و افکار ۳۷۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

گیا۔ ماموں آغا سید علی نے یتیم بھانجے کی پرورش کی۔ چھ سال کی عمر میں علی محمد کو شیخ عابد کے مکتب ''قہوۂ اولیاء'' میں بٹھا دیا گیا۔ جہاں اس نے پانچ سال تک ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ شیخ عابد شیخ احسائی (بانی فرقہ شیخیہ) اور کاظم رشتی کا مرید تھا۔ شروع ہی سے اس کا رجحان مذہب کی طرف تھا چنانچہ وہ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے کربلا چلا گیا۔ وہ اکثر شدید قسم کی ریاضتیں بھی کرتا تھا بعض اوقات وہ عین گرمیوں گھر کی چھت پر سورج کے سامنے ننگے سر گھنٹوں کھڑا رہتا اور بعض وظائف کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ زیارت کربلا کے سفر میں یہ شیخی عقیدے کے رہنما اور شیخ احسائی کے خلیفہ کاظم رشتی سے ملا اور اس سے تعلیم پانے لگا۔ یہ سلسلہ کوئی دو سال جاری رہا۔ پھر علی محمد کاظم رشتی کے غالی مریدوں میں شامل ہو گیا۔ بائیس سال کی عمر میں شادی کی۔ ایک بچہ احمد پیدا ہوا جو بچپن ہی (۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ء) میں فوت ہو گیا۔ باب کی بیوہ ۱۸۸۲ء تک زندہ رہی۔ باب نے دعویٰ سے پہلے پوری جائیداد ماں اور بیوی کے نام قانوناً منتقل کر دی تھی۔

کاظم رشتی کا خیال تھا کہ امام غائب کے ظہور کا وقت قریب آ پہنچا ہے، وفات سے قبل اس نے مریدوں کو ایران میں پھیلا دیا کہ مہدی منتظر کو تلاش کریں اس لئے اس نے کسی کو اپنا جانشین بھی نامزد نہ کیا۔ رشتی کی وفات کے پانچ ماہ بعد اس کا ایک سرفروش مرید ملا حسین جو ''بشرویہ'' کا رہنے والا اور رشتی کے مکتب میں علی محمد کے ساتھ پڑھ چکا تھا شیراز پہنچا اور اپنے پرانے ہم مکتب سے ملاقات کی۔ یہی شخص ہے جس نے اس موقع پر علی محمد کو حقانیت کا ''باب'' قرار دیا۔ بابی ملا حسین کو ''اوّل من امن'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں خود علی محمد نے اسے ''باب الباب'' کا لقب دیا تھا۔

پھر علی محمد کاظم رشتی کے کچھ مریدوں کو لے کر بغرض ریاضت و مراقبہ کوفے کی ایک مسجد میں چلا گیا اور وہاں چلہ کشی کی۔ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۶۰ھ/ ۲۳ رمئی ۱۸۴۴ء کو اس نے باب ہونے کا دعویٰ کیا اس وقت اس کی عمر چوبیس سال تھی۔ شیعہ مذہب کے ابتدائی دور میں امامِ وقت کے سب سے بڑے پیرو مختار کو ''باب'' کہا جاتا ہے جس کے لفظی معنی ہیں دروازہ۔ امام کے بعد اس کا رتبہ ہے۔ وہ امام سے براہِ راست فیض حاصل کرتا اور اعیانِ دعوت کا سردار ہوتا تھا۔ اسماعیلیوں کے ہاں بھی ''باب'' کی اصطلاح موجود ہے۔ شیعوں کے فرقہ نصیریہ میں بھی باب کا تصور موجود ہے۔ وہ ہر دور میں باب کا وجود مانتے ہیں۔ اثناعشریوں کی مذہبی تصانیف میں بالعموم ائمہ کرام کے بابوں کے نام مذکور ہوتے ہیں امام غائب محمد بن حسن عسکری کے بعد یکے بعد دیگرے چار باب ہوئے، یہ ابواب اربعہ اور ''ھو الاوّل و الآخر و الظاھر و الباطن'' کے مظاہر کہلاتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابوعمر عثمان بن سعید عمری۔ جس نے سب سے پہلے باب ہونے کا دعویٰ کیا۔

۲۔ ابوجعفر محمد بن عثمان ۳۔ ابوالقاسم الحسین بن روح نوبختی ۴۔ ابوالحسن علی بن محمد السمری

شیعہ اعتقاد کے مطابق پہلے باب کو خود امام غائب نے نامزد کیا تھا پھر ہر باب عد کے باب کی نامزدگی کرتا رہا۔ امام غائب کی غیبت کے بعد سے تقریباً ستر برس کے عرصے کو جس میں یکے بعد دیگرے ابوابِ اربعہ موجود رہے امام کی غَیبَتِ صغریٰ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ علی بن محمد السمری (م ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ) کے بعد امام کی غیبتِ کبریٰ کا زمانہ شروع ہو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جاتا ہے کیونکہ اس آخری باب نے اپنا جانشین نامزد کرنے کے بجائے کہہ دیا تھا کہ اب خود امام غائب کا ظہور ہوگا۔ اس کے بعد "باب" کا لفظ شیعوں کے ہاں امام غائب کے سب سے بڑے پیرومختار کے لئے استعمال ہونے لگا۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ "باب" کی اصطلاح اہلِ تشیع کے ہاں پہلے سے موجود ہے اور اسی شیعہ اصطلاح کے مطابق علی محمد نے "باب" ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایک ایسا دروازہ ہے جس سے گزر کر لوگ بارہویں امام کا علم حاصل کریں گے۔ آگے چل کر باب نے "مہدی" ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس کے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اپنے مذہب کو پھیلانے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے بابیوں نے مسلح اقدامات بھی شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ شاہِ ایران ناصرالدین شاہ قاچار پر قاتلانہ حملے تک سے گریز نہ کیا۔ جس کے نتیجے میں بابیوں کو سخت تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔ باب نے چھ سال تک ایران کی سیاسی فضاء کو مکدر رکھا اور عین اس وقت جب وہ اپنے مذہب کی داغ بیل ڈال رہا تھا، قتل ہو گیا۔ قتل ہونے سے ایک رات پہلے باب نے اپنے مریدوں کو "تقیہ" کی تلقین کی بلکہ یہاں تک کہا کہ کل جب میرے متعلق تم سے پوچھا جائے تو تقیہ سے کام لینا، میرا انکار کر دینا بلکہ مجھ پر لعنت بھیجنا کہ یہی تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ بال آخر باب کو ۱۸۵۰ء میں قاچاری علماء کے فتویٰ کی روشنی اور حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں تبریز میں گولی کا نشانہ بنا دیا گیا......۔

بابی تحریک میں قرۃ العین طاہرہ نے بہت فعال حصہ لیا۔ یہ آتش بیاں خطیبہ اور حسین و ذہین شاعرہ تھی۔ قرۃ العین کا اصل نام فاطمہ زرین تاج تھا۔ مشہور شیعہ عالم سید کاظم رشتی زرین تاج کے نام خطوں میں اسے "قرۃ العین" کے لقب سے مخاطب کرتا تھا۔ سید علی محمد باب نے اسے طاہرہ کا لقب دیا۔ قرۃ العین ایک مشہور شیعہ عالم ملا صالح کی بیٹی تھی۔ اس کا چچا اور خسر ایران کا ایک مجتہد تھا۔ قرۃ العین کو تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ فلسفہ والٰہیات کی بھی تعلیم دلائی گئی تھی جب اس نے کھلم کھلا بابی مذہب کی تبلیغ شروع کی تو ایک دنیا اس کی جادو بھری تقریروں پر شیدا ہوئی۔ بال آخر قرۃ العین بھی ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۵۲ء میں موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ بہائی اس کی یاد میں تقاریب منعقد کرتے رہتے ہیں جن میں نام نہاد مسلمان دانشور بھی قرۃ العین کی یاد میں ٹسوے بہاتے، ٹھنڈی آہیں بھرتے اور اس کی عظمت کے گن گاتے نظر آتے ہیں۔

سید علی محمد کا جانشین مرزا یحییٰ بنا جو "صبح ازل" کے لقب سے مشہور ہوا، یہ بابیوں پر ظلم وستم کی وجہ سے پہلے بغداد اور پھر "ایڈریا نوپل" چلا گیا۔ صبح ازل بہت کم آمیز اور امن پسند شخص تھا۔ اس کے بعد صبح ازل کے بھائی مرزا حسین علی نوری (جو بہاء اللہ کے لقب سے مشہور ہوا) نے بھی بغداد کا رُخ کیا، وہاں اس نے بابی مذہب میں بعض ترامیم کیں ان کی وجہ سے ایک نیا مذہب وجود میں آ گیا جو بہاء اللہ کی نسبت سے "بہائی مذہب" کہلایا۔ اب بابی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ صبح ازل کے نام کی نسبت سے "ازلی" اور دوسرا بہاء اللہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے "بہائی" مشہور ہوا۔ "ازلی" فرقہ کو فروغ حاصل نہ ہو سکا جبکہ "بہائی مذہب" ایشیاء، یورپ اور امریکہ میں خوب پھیلا۔[1]

1۔ شیعیت، تاریخ وافکار سے ماخوذ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بہاء اللہ کی تحریک

بابیت کے بعد بہائیت نامی تحریک نے سر اٹھایا، دراصل بہائیت بھی بابیت ہی کی ایک ترمیم شدہ شکل تھی اور بابیوں کی واضح اکثریت نے بہاء اللہ کی قیادت کو تسلیم کر کے ''بہائی مذہب'' قبول کر لیا۔ ظاہر ہے کہ ''بابیت'' نے شیعیت سے جنم لیا تو لازمی بات ہے کہ ''بہائیت'' کا سرچشمہ بھی مذہب شیعہ ہی ہے۔ بلکہ اسلام میں اکثر گمراہ فرقے ''باب شیعہ'' ہی سے داخل ہوئے ہیں۔

اس تحریک کے سربراہ بہاء اللہ کی پیدائش ۲/محرم ۱۲۳۳ھ/ ۱۲/نومبر ۱۸۱۷ء تہران میں ہوئی جبکہ وفات ۲/مئی ۱۸۹۲ء کو عکہ (فلسطین) میں ہوئی۔ باب نے اپنے بعد ایک ایسے شخص کی بعثت کی خبر دی تھی جسے اس نے ''من یظہرہ اللہ'' کا نام دیا تھا اور ایک بیان میں اس کا زمانہ بہت ہی قریب بتایا تھا۔ آخر بابیوں میں سے ایک شخص ''جناب دیان'' مرزا اسد اللہ خوئی نے ''من یظہرہ اللہ'' کا دعویٰ کر دیا۔ لیکن مرزا یحییٰ (صبح ازل) اور مرزا حسین علی (بہاء اللہ) نے اس کی شدید مخالفت کی۔ یہ شخص سریانی اور عبرانی زبانیں بھی جانتا تھا۔ اس کے بعد یہ قتل ہو گیا۔ اس کے پیرو ''اسدی'' کہلاتے ہیں۔ ''جناب دیان'' کے بعد اور بہت سے بابیوں نے بھی ''من یظہرہ اللہ'' کے مصداق ہونے کا دعویٰ کیا پھر ۱۸۶۷ء میں بہاء اللہ نے ''من یظہرہ اللہ'' کا دعویٰ کر دیا۔ صبح ازل اور دوسرے بابیوں نے اس دعوے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن بابیوں کی اکثریت نے اسے تسلیم کر لیا۔ بہاء اللہ کی وفات (۱۸۹۲ء) کے بعد تحریک دو حصوں میں بٹ گئی۔ دونوں حصوں کی قیادت بہاء اللہ کے دو بیٹوں کے ہاتھ میں آئی۔ (۱) عبد البہاء عباس آفندی کے پیرو جنہیں ان کے مخالفین مارقین کہتے ہیں۔ (۲) محمد علی کے پیرو جنہیں ان کے مخالف ''ناقضین'' کہتے ہیں۔ یہ اختلاف اسی قسم کا تھا جس طرح باب کے بعد اس کی جماعت ''ازلیوں'' اور ''بہائیوں'' میں تقسیم ہو گئی تھی۔

عبد البہاء نے گدی سنبھالنے کے بعد امریکہ میں اپنے ''مسیح اور امن اللہ'' ہونے کا اعلان کیا اور ہندوستان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ زرتشتی مذہب کا بہرام موعود وہی ہے۔ اس کے مرید اسے بہاء اللہ کی تحریرات کا مستند شارح، ترجمان، اس کا حقیقی جانشین، میثاق کا مرکز اور بہائی زندگی کا مثالی نمونہ سمجھتے ہیں۔ ۱۹۱۰۔۱۹۱۱ء میں عبد البہاء نے مصر، پیرس، لندن، امریکہ اور یورپ کا تبلیغی دورہ کیا۔

۱۹۲۰ء میں برطانوی حکومت نے اسے کے۔بی۔ای۔ (kinght of The Order of British Empire) کا خطاب دیا۔ عبد البہاء نے بہاء اللہ کے بعد انتیس برس تک بہائی دنیا کی قیادت کی اور ۲۸/نومبر ۱۹۲۱ء کو حیفہ (فلسطین) میں وفات پائی اور باب کے مقبرے میں اس کی قبر کے پاس دفن ہوا۔ یہ مقبرہ ۱۹۵۷ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ عبد البہاء کی نرینہ اولاد نہ تھی صرف تین لڑکیاں تھیں چنانچہ اس نے اپنی وصیت میں اپنے نواسے شوقی آفندی کو اپنا جانشین اور ولی امر اللہ مقرر کیا۔ ۱۹۵۷ء میں شوقی آفندی کے لاولد مر جانے کے بعد ستائیس بہائی بزرگ ''ایادی امر اللہ'' وارثان و والیان مقرر ہوئے۔ پھر

1۔ ممکن ہے کہ اہل بدعت نے ''عید میلاد النبی'' کی اصطلاح بھی بہائیوں سے اخذ کی ہو۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

۱۹۶۳ء میں بہائیت کے جملہ امور کی نگرانی اور قانون سازی کا عالمی ادارہ "بیت العدل اعظم" حیفہ (فلسطین) میں قائم کر دیا گیا۔

بہائی تحریک اپنے سرپرستوں کے دیس امریکہ، روس اور برطانیہ کے دورافتادہ علاقوں تک پھیل گئی۔ مختلف شہروں میں اس کے بڑے بڑے مراکز ہیں خصوصاً امریکہ میں شکاگو کا مرکز نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ چونکہ یہ تحریک ایران سے اٹھی تھی اس لئے ایران میں زیادہ کامیابی سے چلی اور شاہِ ایران کے دور میں اس گروہ کو بہت عروج حاصل رہا۔ حتیٰ کہ وزارتِ عظمیٰ سمیت بہت سے کلیدی مناصب پر اس گروہ کے افراد فائز رہے۔ شاہ کے دور میں امیر عباس ہویدہ وزیراعظم اسی مذہب کا پیرو تھا۔

بہائی مذہب کی عیدیں

بہائیوں کے عقائد کفریہ ہیں، جن کی تفصیل متعلقہ کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں بہائی سال میں پانچ عیدیں مناتے ہیں:

(۱) ظہور بہاء اللہ پر عید رضوان۔ یہ باغ جس میں بہاء اللہ نے قسطنطنیہ جاتے ہوئے بارہ دن قیام کیا "باغِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ ان ہی ایام میں بہاء اللہ نے "من یظہرہ اللہ" کا دعویٰ کیا تھا اور یہ ایام ان کے ہاں عید رضوان کہلاتے ہیں۔

(۲) عید بعثت باب (۳) عید میلاد بہاء اللہ (۴) عید میلاد باب[1]

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

(۵) عید نوروز۔ بہائیوں کو انیس دن کے روزے رکھنے کے لئے کہا گیا ہے یعنی بابی تقویم کے ماہ اعلیٰ میں جو ۲/ مارچ سے شروع ہو کر ۲۱/ مارچ کو ختم ہو جاتا ہے جب بہائیوں کی عید نوروز ہوتی ہے۔[1]

گویا اہل تشیع اور بہائی دونوں گروہ ان ہی ایام میں عید نوروز مناتے ہیں۔

عید نوروز کی حقیقت

لغت میں نوروز کے معنی ہیں۔(۱) سال کا پہلا دن (۲) ایرانیوں کا قومی جشن (فیروز اللغات اردو ص ۱۲۰۱) جبکہ فیروز اللغات فارسی میں "نوروز" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "ماہ فیروز" کی پہلی تاریخ جس روز سورج نقطہ حمل پر آتا ہے۔ یہ ۲۲/ مارچ کے مطابق ہوتی ہے اور یہ ایرانیوں کا عید کا دن ہے۔[2]

"نوروز" کے معنی نیا دن یا روزِ نو کے ہیں یعنی وہ دن جس سے نیا سال شروع ہوتا اور آفتاب برجِ حمل میں آتا ہے۔ مارچ کی بیسویں یا بائیسویں تاریخ۔ مگر فارس والے دونوں روز مانتے ہیں۔ ایک نوروز عامہ اور دوسرا نوروز خاصہ۔

نوروز عامہ

فارسی فیروز دین مہینے کا پہلا روز ہے کیونکہ اس روز آفتاب برج حمل کے اوّل نقطہ میں آتا ہے۔ موسم بہار کا شروع۔ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اسی دن دنیا کو پیدا کیا اور اسی روز ساتوں سیارے اوجِ تدویر میں تھے اور سب اوجِ حمل کے نقطہ اول میں تھے۔ اس روز سیاروں کو حکم ہوا کہ دورہ اور حرکت شروع کریں اور اسی روز خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پس اسی وجہ سے اس روز کو "نوروز" کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جمشید (شاہِ ایران) جسے پہلے صرف "جم" کہتے تھے دنیا کی سیر و سیاحت کر رہا تھا جب آذر بائیجان میں پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ ایک مرصع وزرنگار تخت کسی اونچی جگہ پر شرق رو بچھائیں۔ چنانچہ جب وہ تخت بچھا تو خود تاج مرصع پہن کر اس پر بیٹھا، جوں ہی آفتاب نکلا اس کا عکس تاج و تخت پر پڑا جس کے سبب سے وہ تاج و تخت جگمگا اٹھے، لوگ یہ کیفیت دیکھ کر خوش ہوئے اور کہا یہ "روزِ نو" ہے۔ چونکہ پہلوی زبان میں "شید" کا معنی شعاع آتا ہے پس "جم" کے نام میں "شید" کا لفظ اور بڑھا دیا اور اب شاہِ ایران کو بجائے "جم" کے "جمشید" کہنے لگے۔ شاہِ ایران نے اس دن بڑا بھاری جشن کیا چنانچہ اس روز سے مجوسیوں میں یہ رسم پڑ گئی اور ہمیشہ کے واسطے آج کا دن یومِ عید تصور ہونے لگا۔

نوروز خاصہ

وہ دن ہے جسے یوم خرداد کہتے ہیں۔ یہ فارسی فیروردین مہینے کی چھٹی تاریخ ہوتی ہے۔ اس دن بھی جمشید تخت پر

1۔ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ۵ تحت بہاء اللہ اور بہائیت

2۔ فیروا اللغات فارسی ص ۵۲۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بیٹا اور خاصانِ شاہی کو بلا کر عمدہ عمدہ رسمیں جاری کیں اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے آج ہی کے روز تمہیں پیدا کیا ہے۔ مناسب ہے کہ پاکیزہ پانی سے غسل کرو اور خوب نہاؤ دھوؤ اور اس کے شکر میں نماز و سجود سے مشغول ہو اور ہر سال اسی طرح سے آج کے دن عمل کیا کرو پس اسی وجہ سے اس روز کا نام ''نوروز خاصہ'' رکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ اکاسرہ (کسریٰ کی جمع) یعنی نوشیروان کی اولاد اور اس کے خاندان والے ہر سال نوروز عامہ سے نوروز خاصہ تک جس کے چھ روز ہوتے ہیں لوگوں کی مرادیں پوری کرتے، انعام و اکرام دیتے، قیدی چھوڑتے، مجرموں کے گناہ معاف کرتے اور عیش و نشاط میں مشغول رہ کر عید منایا کرتے تھے۔ دہلی کے شاہانِ مغلیہ بھی آج کے روز خوشی مناتے اور انڈے لڑایا کرتے تھے۔

ستائے گی بہت اب کے برس ہم کو شبِ فرقت
سنا ہے کہ چڑھ کے پشت فیل پر نوروز آیا ہے [1]

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ عید نوروز کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ایران کا ایک قومی تہوار ہے جو شروع میں ساسانی بادشاہ کی تاج پوشی کی خوشی میں منایا گیا تھا اور بعد میں مجوسیوں نے اسے ہر سال یوم عید قرار دے دیا۔ جسے اب اہل تشیع نے باقاعدہ مذہبی لبادہ اوڑھا دیا۔ چنانچہ شیعہ کی مقبول اور مستند کتاب ''تحفۃ العوام'' میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان ہے کہ ''باب اٹھائیسواں: بیان میں اعمالِ نوروز کے'' اس کے تحت مؤلف لکھتا ہے کہ:

''منقول ہے کہ نوروز کے دن روزہ رکھنا، غسل کرنا، پاکیزہ کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا سنت ہے اور جب نماز ظہر و عصر سے فارغ ہو چار رکعت نماز پڑھے۔ ہر دو رکعت میں ایک سلام اگر یہ نماز امکان میں نہ ہو تو دعا پڑھ لے اور جب نماز و دعا پڑھے تو گناہانِ پنجاہ سالہ بخشے جائیں گے۔'' [2]

اہل تشیع اور بہائی پاکستان میں بھی یہ دن بڑی دھوم دھام کے ساتھ مناتے ہیں بالخصوص صوبہ سرحد میں۔ ہنگو میں اس موقع پر فسادات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں۔ عید نوروز کے سلسلے میں روزنامہ پاکستان کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیں:

''ٹانک میں جشن نوروز عقیدت و احترام سے منایا گیا''

تحریک جعفریہ کے زیر اہتمام جشن نوروز عالم افروز نہایت عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ ٹانک سے دو کلومیٹر دور گرہ بلوچ میں یہ تہوار حسب سابق روایات تزک و احتشام سے منایا گیا جس میں ہر مکتب فکر کے لوگوں نے شرکت کی۔ اس روز کی اہمیت پر سید فیروز حسین شاہ نے روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ اسی روز ارض و سماء، جن و بشر کی تخلیق ہوئی، نوح کی کشتی کو کنارا ملا اور حضرت علیؓ کو مسندِ خلافت ملی۔ اسی روز امام مہدی ظہور فرمائیں گے۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر ہم ہر سال اسی روز کو بطور تہوار عقیدت و احترام سے مناتے ہیں۔ اس کے بعد جلوس روایتی مقام پر پہنچا جہاں نیزہ بازی، کبڈی، کشتی، وزن اٹھانے اور دیگر کھیلوں کا

1۔ بحوالہ فرہنگ آصفیہ صفحہ ۶۰۹ جلد ۴۔ از مولوی سید احمد دہلوی

2۔ تحفۃ العوام ص ۲۰۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مقابلہ ہوا۔اس تقریب کا اہتمام تحریک جعفریہ کے صدر سید فیروز حسین شاہ نے کیا تھا۔" 1

ایران کے دروازے پر انقلاب کی دستک

انیسویں صدی میں ایران کی بادشاہتیں ڈانواں ڈول رہیں اور روس کے ساتھ مختلف معاملات میں ان کا الجھاؤ شروع ہو گیا۔۱۸۲۶ء میں ایران نے تیاری کے بغیر روس پر حملہ کر دیا لیکن نتیجہ وہی نکلا جس کی توقع تھی، کہ اسے زبردست ہزیمت اٹھانا پڑی۔اپنے مختلف علاقے کھونے کے علاوہ اسے روس کو دو کروڑ روبل تاوان جنگ بھی ادا کرنا پڑا جو کہ اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔اب ایرانی بادشاہت مسلسل روبہ زوال تھی۔۱۸۴۸ء میں وزیر اعظم امیر کبیر نے ملک میں نظم ونسق بحال کرنے اور بادشاہت کو اس کی سابقہ شوکت وسطوت واپس دلانے کی کوشش کی لیکن اپنے سے پہلے کے بہت سے لوگوں کی طرح وہ بھی درباری سازشوں کا شکار ہو گیا۔بادشاہِ وقت اس سے ناراض ہو گیا۔اور اسے اپنے ہاتھوں اپنی جان لینے پر مجبور کر دیا۔بادشاہ ناصرالدین قاچار بادشاہت کے نشے میں چور مگر کوئی بھی اہم ذمہ داری ادا کرنے سے معذور تھا۔اسی دوران اسے ہرات (جو کہ موجودہ افغانستان کا حصہ ہے) پر قبضہ برقرار رکھنے میں ناکامی کی ذلت اٹھانا پڑی۔ ۱۸۵۶ء کے ایک معاہدے کے تحت امریکہ بغرضِ تجارت ایران میں موجود تھا۔اس نے حالات سے فائدہ اٹھایا اور ایرانی سیاست میں مداخلت کر کے بادشاہوں کو کٹھ پتلی کے طور پر استعمال کرنے لگا۔

پہلوی دورِ اقتدار

پہلوی عہد 1925ء سے حالیہ ایرانی وخمینی انقلاب ۱۱رفروری ۱۹۷۹ء تک شمار ہوتا ہے۔اس عہد کے پہلے تخت نشین ہونے والے بادشاہ رضا شاہ پہلوی (۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۱ء) ہیں۔قاچاریوں کے برعکس رضا خان خالص ایرانی النسل تھے۔وہ ۱۸۷۸ء میں صوبہ مازندران کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ان کے والد اور دادا ایرانی فوج میں ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔دادا نے افغانوں کے خلاف جنگ میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں اور والد مازندران میں مقیم فوج کے کمانڈنگ افسر تھے۔قاچاری دور کے آخر میں ملک میں افراتفری کا عالم تھا اور یہ ملک اب کسی "مردِ غیب" کا منتظر تھا۔ آخر یہ مردِ غیب اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

۱۹۲۶ء میں رضا شاہ ایران کا بادشاہ بنا اور ۱۹۴۲ء میں معزول کر دیا گیا۔اسی دوران نازی جرمنی کے خلاف جنگ میں سوویت یونین کو ضروری رسد فراہم کرنے کے لئے اتحادیوں (سوویت یونین، برطانیہ، اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ) نے ایران پر قبضہ کر کے اس کی آزادی عارضی طور پر معطل کر دی، ایرانی شاہی فوج نے مزاحمت تو کی لیکن اتحادی افواج نے باآسانی انہیں شکست سے دوچار کیا۔یہ سب کچھ محض ایک ہفتے میں مکمل ہو گیا۔جنگ کے خاتمہ کے بعد امریکی و برطانوی افواج وعدے کے مطابق اپنے زیر قبضہ ایرانی علاقوں سے واپس چلی گئیں لیکن سوویت فوج نے مقامی قوم

1۔روزنامہ پاکستان یکم اپریل ۱۹۹۸ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پرستوں کے تعاون سے آذربائیجان میں ڈیرے ڈالے رکھے۔ شاہ وقت از خود تو یہ مسئلہ حل کرنے میں ناکام رہا، تاہم وزیر اعظم احمد قوام نے ماسکو کا دورہ کر کے سٹالن سے ایرانی تیل کے بدلے ریڈ آرمی کے شمالی ایران سے اخراج کا معاہدہ کیا۔

دوسری جنگ عظیم کے موقع پر انگریز اور روس کے اتحادیوں نے اپنے مفاد کی خاطر رضا شاہ کو اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء میں رضا شاہ اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہو کر جانسبرگ (جنوبی افریقہ) جلاوطن کر دیئے گئے۔ جہاں انہوں نے ۱۹۴۴ء میں وفات پائی۔

شاہِ ایران کا اقتدار

اس کے بعد ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی تخت نشین ہوئے۔ جو فروری ۱۹۷۹ء میں ایرانی انقلاب کے نتیجے میں جلاوطن ہو گئے۔ ہمایوں محمد رضا شاہ کو ملک کو ترقی دینے اور قوم (شیعہ) کا سر بلند کرنے کے اعتراف میں ایرانی پارلیمنٹ نے ۱۹۶۷ء میں ''آریامہر'' کا قومی اعزاز پیش کیا، جس کا لفظی مطلب ''آریائی خورشید'' ہے۔

تیل کی دولت اور شاہِ ایران

۱۹۶۳ء کے بعد دس سال کے دوران ایرانی تیل کی آمدنی میں ڈرامائی اضافے سے بھی پہلے، معاشی ترقی متاثر کن تھی۔ ماہرینِ معیشت کہا کرتے تھے کہ ایران مستقبل کا جاپان ہے۔ حوصلہ افزا معاشی اعداد و شمار اور غیر ممالک میں کئے جانے والے تعریفی تبصروں نے شاہ کا کردار تبدیل کر دیا تھا۔ ۱۹۶۷ء آتے آتے شاہ اس قدر خود اعتمادی محسوس کرنے لگا تھا کہ اس نے تاخیر کے ساتھ سہی ایک نہایت عظیم الشان جشنِ تاجپوشی منانے کا فیصلہ کیا۔ اس سے قبل مجلس نے اسے ''آریامہر'' کا خطاب دیا تھا۔ اس خطاب کو اپنانے سے یہ پیغام ملا کہ شاہ اسلام سے پہلے کے ایران سے تعلق پر فخر محسوس کرتا ہے۔ ادھر نازی ازم کے عفریت سے نجات پانے والا مغرب اس خطاب میں نسل پرستی کی بو سونگھ رہا تھا۔ اس کے باوجود اسرائیل کی طرف اس کے جھکاؤ نے اسے مغرب میں قابل قبول بنائے رکھا۔ اسرائیل نے بھی شاہ کے بیٹے کی پیدائش پر اس کی شاہانہ انا کو تسکین دینے کے لیے کورشِ اعظم سے منسوب ایک قدیم بائبلی مخطوطہ بھیجا۔

معاشی ترقی اور سیاسی جبر و استبداد کی وجہ سے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۵ء تک کے دس سال محمد رضا شاہ کی بادشاہت کے پُرسکون برس تھے۔ اس دوران اگر کوئی کمزوری عیاں بھی ہوئی تو تیل کی بڑھتی ہوئی آمدنی نے اسے ڈھانپ دیا۔

ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کا جشن

۱۹۷۱ء میں شاہ نے تقریباً دس سال تک مسلسل ترقی اور داخلی استحکام کے تناظر میں فیصلہ کیا کہ ایرانی بادشاہت کے ڈھائی ہزار سال پورے ہونے کا جشن منایا جائے۔ بعض سکالرز نے اعتراض کیا کہ ایران کی تاریخ کو ڈھائی ہزار سال تک محدود کرنا درست نہیں، ایرانی تاریخ تو اس سے کہیں زیادہ پرانی ہے۔ روایتی اساطیری ایرانی تاریخ بلاشبہ اس سے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بہت پرانی ہے۔ ایران کی تاریخ کو ڈھائی ہزار سال تک محدود کر کے شاہ مغربی مؤرخوں کے مفروضوں کو درست تسلیم کر رہا تھا۔

شاہ کے لیے اس جشن کی اہمیت یہ تھی کہ اس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو کورشِ اعظم ثانی تسلیم کروا رہا تھا۔ دوسرے بادشاہوں کی بجائے کورش سے تشبیہ دینے اور ایران کی عسکری فتوحات کو زیادہ اہمیت دینے کی وجہ سے شاہ کے بارے میں بہت سے لوگوں کی رائے منفی ہو گئی تھی۔ صدر نکسن نے بھی پرسی پولس میں منعقد ہونے والے جشن میں شرکت کرنے سے معذرت کر لی اور اپنی جگہ اپنے نائب صدر کو بھیجا۔ تاہم دنیا کے دوسرے بے شمار حکمرانوں نے اس جشن میں شرکت کی، جس سے ایران خصوصاً شاہ کو دنیا بھر میں توجہ ملی۔ جہاں مغربی پریس میں شاہ کی قصیدہ خوانی کی گئی وہاں انسانی حقوق کے گروپوں اور دوسری غیر حکومتی تنظیموں نے شاہ پر تنقید بھی کی۔

مغرب زدہ ایران

ادھر امریکہ ایران میں بعض تبدیلیوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ مگر وہ بار آور نہیں ہو رہی تھیں۔ جیسا کہ مائیکل لیپ مین نے رسالے ''سپیکٹیٹر'' میں لکھا:

> ''ایران غلط مقامات سے مغربی ہو رہا ہے۔ پیپسی، کوک اور کینیڈا ڈرائی کے جدید کارخانے جگہ جگہ لگائے جا رہے ہیں جبکہ شہروں کے غریب گندے علاقوں میں لوگ نالیوں کا پانی پینے پر مجبور ہیں۔ تہران ایئرپورٹ مشرقِ وسطیٰ کے چند عمدہ ترین ایئرپورٹوں میں سے ایک ہے لیکن ملک میں سڑکیں اور ریل سسٹم نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہلٹن ہوٹل کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی جا رہی ہے جبکہ ہزاروں لوگ سڑکوں پر سوتے ہیں۔'' [1]

ایران کا مذہبی انقلاب، مختلف مراحل

شاہ کی زیادہ تر مخالفت تین طبقوں کی طرف سے تھیں۔ اولین مخالف طبقہ مذہبی لوگوں کا تھا۔ جو شاہ کی لادینی حکمت عملی، عورتوں کی مغرب زدگی اور ان کو حق رائے دہی دینے اور ہر سطح پر مذہبی طبقہ سے لاتعلقی کی وجہ سے اس کے خلاف تھا۔

شاہ کی مخالفت کا دوسرا ذریعہ طالب علموں کا طبقہ تھا۔ یہ لوگ ایک طرف تو تعلیمی معیار سے شاکی تھے، دوسری طرف اس بات سے ناخوش تھے کہ ان کی مخبری کے لئے ان کے درمیان طالب علموں کے بھیس میں ساواک [2] کے کارکن گھسا دیئے گئے تھے۔

صدام میزبان، خمینی مہمان

(FO 371149761 EP 1015/143 Internal Political Affairs, December 23, 1960)۔1

2۔ شاہ کی خفیہ ایجنسی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تیسرا طبقہ وہ تھا جو کسی نہ کسی طرح سے ساواک کے ہاتھوں ستم رسیدہ تھا۔ اس میں جنوبی تہران کے چھوٹے چھوٹے کاروباری لوگ مقابلتاً زیادہ مذہبی ہونے کی وجہ سے نمایاں تھے اور جن کا معیار زندگی شمالی تہران میں رہنے والے متمول ایرانیوں سے کہیں نیچا تھا۔ آیت اللہ خمینی ان لوگوں میں کافی مقبول تھے۔ 1963ء میں اسی علاقے میں مذہبی فسادات شروع ہوگئے جس کی بنا پر آیت اللہ خمینی کو ملک بدر کر دیا گیا۔ خمینی صاحب پہلے ترکی گئے، پھر عراق کے شیعہ نجف اشرف میں عراقی حکومت اور صدام حسین کے ذاتی مہمان کے طور پر سولہ سال قیام پذیر رہے۔ ان کے ہزاروں معتقدین بھی ہجرت کر کے عراق میں ان سے آملے۔

ان کے علاوہ چند ایسی خفیہ پارٹیوں کے ہاتھ بھی تھے جن کا ظاہراً کوئی نشان نہ تھا لیکن شاہ پر حملوں کی صورت میں پولیس کے ساتھ جھڑپ میں کبھی کبھی ظاہر ہوتے تھے۔ ان میں ایک تو وہ پارٹی ''فدائین'' کی تھی جو روس کی پروردہ جماعت سمجھی جاتی تھی اور دوسری ''مجاہدین خلق'' (اسلامک سوشلسٹ) تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ کرنل قذافی کے زیر اثر ہے اور اس کے کارکنوں کو لیبیا میں تخریب کاری کی تربیت دی جاتی ہے۔

شاہ کا خیال تھا کہ صاف ستھرا اور چمکتا دمکتا تہران ہی اصل ایران ہے۔ اس کو شاید احساس نہ تھا کہ 80 فیصد ایرانی دیہی علاقوں میں مٹی گارے کے مکانوں میں بجلی اور صاف پانی سے محروم انسانی معیار سے کہیں پست حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ لوگ حکومت کی بدترین بے توجہی کا شکار تھے۔ چونکہ ملک میں ہر قسم کے پھل اور سبزی کے علاوہ گندم بھی درآمد ہو رہا تھا اور ڈبوں میں بند کھانے پینے کی چیزیں اسرائیل سے آنی شروع ہوگئی تھیں۔ اس لئے ان کی پیداوار ٹھپ ہو کر رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ 1973 میں تیل کی قیمتوں اور ملک کی آمدنی میں بے پناہ اضافہ کے باوجود بھی دیہاتی آبادی کی زندگی پر کسی طرح کا کوئی مثبت اثر نہ ہوا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دیہاتی آبادی آہستہ آہستہ تہران منتقل ہونے لگی اور یہ لوگ سگرٹ، غبارے، چنگم اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچ کر گزارہ کرنے لگے۔

رہائش کے لئے ان لوگوں نے تہران کے جنوب میں کچے مکان بنانے شروع کر دیئے۔ اور چند مہینوں میں یہاں اچھی خاصی مضافاتی بستیاں آباد ہوگئیں۔

اب تہران کی تقریباً ہر خوبصورت سڑک اور پارک میں یہ خستہ حال لوگ سگریٹ اور غبارے بیچتے ہوئے نظر آنے لگے۔ حکمرانوں کی نظروں میں یہ ناجائز اور گندی بستیاں اور ان خستہ حال لوگوں کا شہر میں وجود خوبصورت تہران کے چہرہ پر ایک بدنما داغ تھا۔ چنانچہ حکومت کے کارندوں نے ان بستیوں کو بلڈوزروں سے گرانا اور دیہاتیوں کو شہر سے جبراً نکالنا شروع کر دیا۔ اس طرح تقریباً ہر روز شاہ کی خفیہ پولیس اور ان لوگوں کے درمیان خونی تصادم ہونے لگے اور ان علاقوں میں جہاں پہلے ہی شاہ کے خلاف نفرت پیدا ہو چکی تھی اور اضافہ ہو گیا اور شاہ کی مخالفت اور خمینی کی حمایت میں ایک اور زبردست قوت وجود میں انے لگی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایران میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر امریکہ بھی کافی عرصے سے تشویش کا اظہار کر رہا تھا۔اور شاہ پر زور دے رہا تھا کہ وہ ملک میں تھوڑی آزاد خیالی کو بھی فروغ دینا شروع کرے۔شاہ نے بھی سوچا کہ اس ملک کی سلامتی کا نظام اب اس درجہ مضبوط بنایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو تھوڑی آزاد خیال دینے کا خطرہ مول لے سکتا ہے۔

چنانچہ شاہ نے شیعہ ملاؤں کو خوش کرنے کے لئے تہران میں کچھ مکانوں کو امام باڑوں میں تبدیل کر دیا۔یہی امام باڑے بعد میں آہستہ آہستہ اسلحہ خانوں میں تبدیل ہو گئے اور آیت اللہ خمینی کے تقریروں کی کیسٹوں کی تقسیم کے مراکز بن گئے۔لیکن ابھی تک شاہ کی مزاحمت دبی دبی تھی تخریب کاری کے صرف اکا دکا واقعات ہوتے تھے۔اور تہران یونیورسٹی کے اردگرد مظاہرین اور انتظامیہ کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔

1977ء میں ایران کے حکومتی جریدہ "اطلاعات" میں خمینی اور ان کے پیروکاروں کے خلاف نازیبا زبان استعمال کی گئی۔جس پر احتجاج کرتے ہوئے قم میں خمینی کے ہزاروں معتقدین نے اس جریدے کی ہزاروں کاپیاں جلائیں۔20 دسمبر 1977ء اس ضمن میں ایک اجتماعی جلوس نکالا جو پر امن تھا۔شاہ ایران کی پولیس امن نے بلاوجہ اس جلوس پر گولیاں برسائیں۔نتیجتاً دو سو افراد مارے گئے۔انہی دنوں ایک بڑا حادثہ یہ ہوا کہ خمینی صاحب کا نوجوان بیٹا مصطفی خمینی ایک کار کے حادثے میں مارا گیا۔اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ مصطفی خمینی کی موت شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کے ایماء پر ہوئی ہے۔خمینی صاحب جب تک زندہ رہے یہ صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔تھوڑے ہی دنوں بعد جب عید کا چاند نظر آیا تو وہ چاند جہاں خمینی صاحب کے انقلاب کی کامیابی کی نوید لایا وہاں رضا شاہ پہلوی کی تباہی کا پیغام بھی لایا۔اس سال ایران کی یونیورسٹیاں بند رہیں۔یونیورسٹیوں کے طلباء یونیورسٹیاں کھلوانا چاہتے تھے تا کہ تعلیم کا حرج نہ ہو۔لیکن رضا شاہ پہلوی احتجاجی مظاہروں کے خوف کی وجہ سے کسی صورت بھی یونیورسٹیاں کھولنے کے لئے تیار نہ تھے۔ 13 نومبر 1978ء کو طلباء نے ایک بھرپور جلوس نکالا جس میں رضا شاہ پہلوی کو پھانسی دینے کا نعرہ لگایا گیا۔پولیس نے زبردست فائرنگ کی۔69 طلباء موقع پر مارے گئے۔مگر بغاوت نوجوانوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔اس دوران خمینی صاحب کی تقاریر کی کیسٹیں ایرانی زائرین کے ذریعے نجف اشرف سے ایران پہنچتی رہیں جو ایرانی لوگ اپنے مکانوں، دینی اداروں، مسجدوں اور چوپالوں میں سنا کرتے تھے۔ان میں شاہ کے اقتدار سے نجات حاصل کرنے کی تلقین ہوتی تھی۔رضا شاہ پہلوی کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے بے حد جذباتی انداز موجود ہوتا اور امریکہ کو ایران کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا جاتا۔دوسری طرف شاہ کے مخالف مظاہروں، جلسے جلوسوں کی وجہ سے صورتحال سنگین ہوتی چلی گئی۔ان دنوں جب پورے ایران میں یورش برپا تھی، شاہ نے بے شمار مراعات دینے اور پارلیمنٹ کے انتخابات کرانے کی خوشخبری سنائی۔مگر خمینی صاحب اپنی تازہ تقریر میں اس کے جواب میں یہ کہتے کہ شاہ تمہیں دھوکہ دے رہا ہے۔اس وقت تک اس تحریک کو ختم نہ کیا جائے جب تک ایران امریکہ کے تسلط اور فرعون جیسا غرور رکھنے والے رضا شاہ پہلوی اور اس کے ایجنٹوں سے پاک نہ ہو جائے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

1978ء کے شروع میں انتظامیہ نے سوچا کہ آزاد خیالی کی پالیسی کو اور زیادہ آزادی نہ دی جائے اور حکومت کی مخالف قوتوں کا حوصلہ پست کرنے کے لئے حکومت کے حق میں ایک بڑا مظاہر کروادیا جائے۔ چنانچہ ایران کے شہر قم میں جو شیعہ اثناعشری طاقت کا مرکز تھا، ایک بہت بڑی ریلی کا اہتمام کیا گیا۔ جہاں شاہ کے حق میں اور شیعہ علماء کے خلاف نعرے بازی کی گئی۔

سیاسی حلقوں کے مطابق اس ریلی کا انعقاد حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد ایران کے مختلف شہروں میں شاہ کے خلاف مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اب فدائین کے ساتھ ساتھ مذہبی لوگوں کے ذریعے تربیت یافتہ لوگ بھی کھل کر میدان میں آنے لگے۔ اور ملک میں بڑے پیانے پر تخریب کاری شروع ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ کے خلاف انقلاب کے سلسلہ میں بنیادی کام فدائین نے کیا تھا۔ جونہی 1978ء کے وسط میں انقلاب مخالف قوتیں زور پکڑنے لگیں۔ مذہبی حلقے اور فدائین اکھٹے ہو گئے اور ان سب نے یکجا ہو کر آیت اللہ خمینی کو اپنا علامتی رہبر قبول کر لیا۔

اسی دوران یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ پی ایل او کے لیڈر یاسر عرفات اور خمینی کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت جارج حبش ہزاروں ایرانیوں کو عراق اور لبنان میں تخریب کاری کی تربیب دے رہے ہیں۔ اور شاہ کے ازلی مخالف کرنل قذافی اس تمام کاروائی کے لیے مالی امداد اور روسی اسلحہ فراہم کر رہے ہیں۔ ان تربیت یافتہ اور مسلح ایرانی گوریلوں کی خفیہ فوج نے اب بڑے پیانے پر ملک میں تخریب کاری اور دھماکوں کے ذریعے انتشار اور بدامنی پھیلانی شروع کر دی۔

پہلے تو یہ گوریلے ایک ایک، دو دو کی ٹولیوں میں اور پھر درجنوں اور پھر سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں عراق سے ایران میں دھکیل دیئے جاتے رہے تھے اگست 1978ء میں ابادان میں ریکس سینما میں دھماکے سے 600 سے زیادہ لوگوں کا جل جانا اسی زنجیر کی ایک کڑی تھی۔ افواہ یہ تھی کہ یہ کام شاہ کے خفیہ ادارے ساواک کا ہے۔

خمینی کی تقریروں کے کیسٹوں نے بھی ایرانی لوگوں میں شاہ کے خلاف نفرت پھیلائی۔ اب یہ کیسٹ جنوبی تہران کے تقریباً ہر چوراہے پر لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے سنے جا رہے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکومت کی سلامتی کے اداروں کے ہاتھ سے ملک، خصوصاً تہران کا نظم و نسق نکلتا جا رہا ہے۔ اس کے بعد بنکوں، تجارتی مراکز، ڈیپارٹمنٹل سٹورز اور سینما گھروں میں بموں کے دھماکے شروع کر دیئے گئے۔ تاکہ حکومتی مشینری کو مزید ناکارہ بنایا جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک گیر ہڑتالوں نے بھی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ پیٹرول پمپوں پر پیٹرول نایاب تھا اور سردیوں میں لوگ مٹی کے تیل کے لئے مارے مارے پھر رہے تھے۔

پھر تہران میں افواہ پھیلی کہ شاہی فوج نے لوگوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا ہے۔ اور اب مظاہرین کو دبانے کے لئے اسرائیلی فوج بلائی گئی ہے۔ اور کئی اسرائیلی جہاز پہلے ہی تہران پہنچ چکے ہیں۔ اس سے لوگوں میں شاہ کے خلاف غم و

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

غصہ کی لہر میں اضافہ ہو گیا۔

خمینی کا عراق سے اخراج اور پیرس منتقلی

آخر کار حکومت نے صدام حسین سے پرزور مطالبہ کر دیا کہ خمینی کو عراق سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ صدام نے خمینی کو ملک چھوڑ دینے کا حکم دیا اور خمینی عراق سے پیرس چلے گئے۔ اکتوبر 1978ء میں عراق سے پیرس منتقل ہونے کے بعد خمینی کی سرگرمیوں اور اس کے بیانات کو نہ صرف بین الاقوامی تشہیر حاصل ہونے لگی بلکہ تہران کے اندر شاہ کے خلاف تحریک بھی مزید زور پکڑنے لگی۔ [1]

شاہ نے اپنے آخری دور میں جناب شاہ پور بختیار کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ جس کے متعلق پیرس سے خمینی صاحب نے فتویٰ دیا کہ شاہ پور کی حکومت شیطان کی حکومت ہے اس کا تختہ الٹنا پوری قوم پر واجب ہے۔ شاہ نے یہ دیکھا کہ وہ کسی صورت بھی تخت شاہی پر براجمان نہیں رہ سکتے اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

ادھر امریکہ میں کارٹر انتظامیہ کو بھی محسوس ہونے لگا کہ حکومت چلانا اب شاہ کے بس کی بات نہیں رہی اور خمینی کا اقتدار میں آنا یقینی ہو گیا ہے۔ اس لئے امریکی لیڈر خمینی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس سے ساز باز کرنے لگے۔ صدر کارٹر نے امریکہ کے سابق اٹارنی رمزے کلارک کو پیرس بھیجا جس نے خمینی سے کئی ملاقاتیں کیں اور ان کو امریکہ کی حمایت کا یقین دلایا۔ اس کے بعد امریکن انتظامیہ نے شاہ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ غیر فوجی حکومت بنا کر صرف عارضی طور پر ایران چھوڑ دے۔ کیونکہ ایران میں اس کی موجودگی میں حالات کے بہتر ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔

شاہ کا ایران سے فرار

7رجنوری 1979ء کو امریکہ کے ایک چوٹی کے افسر، ائیر فورس جنرل روبرٹ ہائسر اپنے ساتھ کارٹر کا ذاتی پیغام لے کر شاہ سے ملنے تہران پہنچے۔ اور ان کو عارضی طور پر ایران چھوڑنے کے لئے راضی کر لیا۔ یوں وہ گھڑی آ پہنچی جب ایران کے مطلق العنان ''شاہ'' کو ایران چھوڑتے ہی بنی۔

جب 16رجنوری 1979ء کو شاہ اور فرح آنسو بہاتے ہوئے اپنے آخری سفر پر جہاز پر سوار ہوئے تو ایک طرف تو لوگوں کی اکثریت نے خوشی کا اظہار کیا تو دوسری طرف چند ہزار لوگوں نے تہران کے امجدیہ سٹیڈیم میں اکٹھے ہو کر شاہ کے حق میں تقریریں کیں اور شاہ ''زندہ باد'' کے نعرے لگائے۔ یہاں تک کہ یہ ریلی زیادہ سے زیادہ جذباتی ہوتی گئی اور عورتوں نے رونا اور آدمیوں نے شاہ کے پرچوں کو چومنا شروع کر دیا۔

ہفت روزہ نیوز ویک (30.1.79) کے مطابق شاہ نے اپنے ملک کے سقوط کا ذمہ دار امریکی صدر کارٹر کو ٹھہرایا۔

1۔ ایران افکار و عزائم ص ۱۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شاہ کے ملک چھوڑنے کے بعد انتظامیہ اور فوج کی وفاداریاں تقسیم ہوگئیں۔ تہران میں شاہ کے حامی اور مغرب زدہ لوگوں میں بددلی پھیل گئی اور ان کو شیعہ ملاؤں کے تحت اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بے پناہ دولت کے ساتھ مغرب کے طرف خاموشی سے کوچ کرنا شروع کر دیا۔

جہاز میں سوار ہونے سے پہلے شاہ نے اپنے وزیراعظم شاہ پور بختیار کو تھپکی دی اور اپنی اور اپنی فوج کی حمایت کا یقین دلایا۔ لیکن شاہ کی طرح وہ بھی اپنی موت کے آخری لمحہ تک سکون کی نیند نہ سو سکا۔ انقلابی عمل کے دوران تو وہ کسی نہ کسی طرح ملک سے بھاگ کر پیرس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا لیکن ایرانی پاسداران انقلاب نے ایسی منصوبہ بندی کی کہ فرانسیسی پولیس کی حفاظت میں ہونے کے باوجود وہ ان کے ہاتھوں سے نہ بچ سکا اور آخر کار اگست 1979ء میں قتل کر دیا گیا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اکیسواں باب:

ایران میں شیعی انقلاب......
اور عالمِ اسلام پر اس کے اثرات

خمینی اور انقلاب کا ایران میں ورود

یکم فروری 1979ء کو آیت اللہ خمینی کی تہران واپسی پر تقریباً سارا تہران اس کے خیر مقدم کے لیے اُمڈ آیا تھا۔ لیکن شہر میں کہیں کہیں پولیس اور فوجیوں کے ساتھ لوگوں کی کشمکش جاری تھی۔ چند ہی دنوں میں مسلح دستوں نے یکے بعد دیگرے نئے رہنما کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا شروع کر دیا۔ شاہ کے کمانڈوز کا ایک دستہ ایسا تھا جس کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس نے بھی آخر کار ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح لوگوں کی ہتھیار بندی اور انقلابی جذبہ جس کو مسلح افواج کی قوم اور شاہ کے درمیان وفاداری میں پڑنے والی دراڑ سے مدد ملی، آخر کار 11 فروری 1979ء کو فتح یاب ہوا۔ اور ایران کی شہنشاہیت نے دم توڑ دیا۔ کہا گیا کہ کسی ملک کی فوج (جو دنیا کے بہترین اسلحے سے لیس ہو) کا یہ سریع ترین سقوط تھا۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ 15 مہینے کی خوفناک خونی کشمکش میں تقریباً دس ہزار لوگ مارے گئے۔ اخباروں نے لکھا کہ انقلاب کے بعد تہران میں اگر کوئی چیز آسانی سے دستیاب تھی تو وہ خود کار ہتھیار، رائفل اور مشین گن تھی۔ ہزاروں انقلابی ایک فوجی بیرک کے بعد دوسرے بیرک پر طوفانی طور پر حملہ آور ہوتے اور جو بھی اسلحہ ملتا اس کو قبضے میں لے لیتے اور چاروں طرف ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے شہر میں جشن مناتے۔ کچھ فوجی انقلابیوں کو دیکھ کر از خود اسلحہ خانوں کے دروازے کھول دیتے اور ان کی پسند کے ہتھیار لینے میں ان کی مدد کرتے۔

انقلاب کے بعد نئے حکمرانوں نے شاہی فوج کو سبکدوش کر کے ایک نئی فوج تشکیل دینی شروع کر دی۔ نوجوانوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کو اسلحہ استعمال کرنے اور فوجی تربیت دینے کے لئے بہت سے مرکز کھول دیئے گئے۔ اور ان کو پاسداران انقلاب کا نام دے کر گلیوں، محلوں اور سڑکوں پر وسیع اختیارات کے ساتھ تعینات کر دیا گیا۔ وہ ہر شخص کی پوچھ گچھ کرتے، تلاشی لیتے اور جس کو چاہتے پکڑ کر انقلابی کمیٹیوں میں لے جاتے۔ یہ کمیٹیاں ہر امام باڑے/مسجد میں قائم کی گئی تھیں جہاں مذہبی رہنما موقعہ پر ہی فیصلہ کر کے یا تو ان لوگوں کو چھوڑ دیتے یا جیل بھیج دیتے۔

بتایا گیا کہ لیبیا پہلا ملک تھا جس نے نئی حکومت کو تسلیم کیا اور پاکستان دوسرے نمبر پر تھا۔ روس اور امریکہ نے بھی 24 گھنٹے کے اندر اس حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ [1]

انقلابِ ایران اور اسرائیل

انقلابِ ایران کے ظاہری اسباب وعوامل تو بلاشبہ وہی تھے جو گذشتہ صفحات میں ہم نے بیان کئے لیکن پسِ پردہ عوامل کیا تھے؟ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو عرصۂ دراز تک زیر بحث رہا۔ عالمی حالات پر نظر رکھنے والوں نے اس کے ظاہر کو کافی سمجھنے سے انکار کر دیا، اور اس کے ڈانڈے بعض ان قوتوں سے ملائے جو اسلام کو کسی دور میں کسی بھی طور پر قبول کرنا تو کجا برداشت بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان قوتوں میں اسرائیل اور روس بھی شامل ہیں۔

جناب اختر کاشمیری اپنی کتاب ''آتشکدۂ ایران'' میں لکھتے ہیں:

''مسٹر بنی صدر نے اپنے انٹرویو میں حیرت انگیز انکشاف کیا کہ ایران اور اسرائیل کے درمیان تجارتی معاہدہ امام خمینی کے حکم پر میری نگرانی میں ہوا تھا اور اس معاہدے کے تحت کافی عرصے سے ایران کی مسلح افواج کے لئے اسرائیل اسلحہ بارود سپلائی کر رہا ہے...... مبینہ معاہدے کا انکشاف سب سے پہلے اس وقت ہوا جب 18 فروری 1981ء کو سویت یونین کی حدود میں ''یارفین'' نامی مقام پر ارجنٹائین کمپنی کا طیارہ سی ایل 244 گرایا گیا، یہ طیارہ تل ابیب سے گولہ بارود اور امریکی ساخت کے فاضل پرزے لیکر تہران کے لئے بارہ میں سے تیسری پرواز پر تھا ۲۸ اگست ۱۹۸۱ء کو نکوسیا میں حکومت قبرص کے ایک ترجمان نے بتایا کہ ارجنٹائن کا طیارہ سی ایل ۲۴۴ تیل لینے کے لئے ۱۷ جولائی کو لارنیکا کے ہوائی اڈے پر اترا تھا۔ یہ طیارہ معمول کی پرواز وائی، آر ۲۴۴ پر تھا قبرص کے سرکاری ترجمان کے مطابق اس طیارے میں پچاس صندوق تھے جن کا وزن ۶۷۵۰ کلوگرام تھا اور اس پرواز کے کیپٹن کا نام سکپر سیفرٹی تھا۔

قبرصی حکومت کے ترجمان نے مزید بتایا کہ ۱۲ اگست ۱۹۸۱ء کو تل ابیب سے تہران اور ۱۳ اگست کو طلوع آفتاب سے قبل تہران سے ابیب جاتے ہوئے بھی ایک طیارہ لارنیکا میں اترا تھا، اس طیارے کے کیپٹن کا نام سکپر کارڈیرو تھا۔

۲۲ جولائی کو ایران کی وزارت خارجہ نے یہ وضاحتی بیان جاری کیا کہ روس کے علاقے میں تل ابیب سے

1۔ ایران افکار وعزائم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تہران آنے والے طیارے کے گرائے جانے کی خبر سفید جھوٹ ہے یہ خبر ''اسلامی انقلاب'' کے دشمن اور مخصوص مفادات رکھنے والے ذہن کی اختراع ہے اور ارجنٹائن کے طیارے سے ایران کا کوئی تعلق نہیں، اس کا تعلق روس کی ایک حرکت سے ہے۔

روس کی حرکت کیا تھی؟ یہ روس جانے یا اس کا راز دان، بہر حال ایرانی ترجمان کی زبان پر روس کا نام آیا تو اگلے روز اس نے بھی لب کشائی کی اس کی لب کشائی میں بھی گرہ کشائی تھی روسی ترجمان کے بیان کا ماحصل یہ تھا کہ ایران نے جو دعوے کئے ہیں وہ درست نہیں، روس اس بات سے بے خبر نہیں کہ انقلاب ایران کے خلاف بہت سے شوشے چھوڑے جاتے ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ روس میں ارجنٹائن کا جو طیارہ گرایا گیا ایران کا اس سے براہ راست تعلق موجود ہے۔

روس کے بیان پر انقلابی ایران کا خاموش رہنا ایک غیر انقلابی رویہ سمجھا جاتا، چنانچہ ۲۷ جولائی کو قومی امور کے وزیر نے تہران میں ایک پریس کانفرنس طلب کی جس میں جواب آں غزل کے طور پر ارشاد فرمایا کہ ایران کو بھی اس بات کا علم ہے کہ روس نے اپنے علاقے میں طیارہ مار گرایا ہے، لیکن یہ بات درست نہیں کہ وہ طیارہ تل ابیب سے اسلحہ اور فاضل پرزے لا رہا تھا، روس نے اس طیارے کو تل ابیب سے تہران آتے ہوئے نہیں بلکہ تہران سے تل ابیب جاتے ہوئے گرایا ہے اس توضیح کا مفہوم ظاہر و باہر ہے۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی

قومی امور کے وزیر کی اس تقریر دلپذیر سے قوم خوش ہوئی یا نہ ہوئی، یہ بات تو قوم ہی جانتی ہے البتہ بیرونی حلقوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اسرائیل سے ایران کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور موجود ہے کیونکہ وزیر موصوف جس بات کی تردید کرنے آئے تھے شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کی تائید کر گئے، حکومت کے ترجمان ''اخبار کیہان انٹرنیشنل'' کے نمائندے نے پارلیمنٹ کے سپیکر ہاشمی رفسنجانی سے وضاحت طلب کی تو انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ روس نے جس طیارے کو تباہ کیا ہے، وہ بلاشبہ ایران ہی آرہا تھا مگر یہ بات غلط ہے کہ اس طیارے میں اسلحہ اور فاضل پرزے موجود تھے''۔

ہاشمی رفسنجانی کی اس وضاحت کے بعد شاید بات دب جاتی، لیکن ۱۹ اگست کو ایران کے ناظم الامور محسن الموسوی نے ایک اخباری بیان میں یہ توجیہہ پیش کر دی کہ ایران نے کھلی منڈی سے اسلحہ خرید کر قبرص پہنچایا تھا جہاں سے ارجنٹائن کے طیارے نے اسے تہران پہنچایا...... مگر اس توجیہہ سے ان کا اپنا دل بھی مطمئن نہ ہو سکا، اس لئے ۲۳ اگست کو ایران کی خبر رساں ایجنسی ''ارنا'' کے حوالے سے ان کی دوسری توجیہہ سامنے آگئی، اس توجیہہ میں کہا گیا کہ اگر ایران نے اسرائیل سے اسلحہ خریدا ہی ہے تو اس کے ذمہ دار سابق صدر مسٹر بنی ہیں کیونکہ جس وقت اسرائیل سے سودا طے پایا، اس وقت مسلح افواج کے سپریم کمانڈر وہی تھے، اور ان ہی کو اپنی مرضی سے اسلحہ خریدنے کا اختیار تھا...... معلوم نہیں کس کا شعر ہے لیکن اس

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دلچسپ صورت حال پہ بالکل صادق آتا ہے۔

اپنی قسمت میں رہا، ہائے برابر رونا
بدلا جس پہلو سے بھی نالاں کو نالاں نکلا

ایران اور اسرائیل کے درمیان ہونے والے مبینہ عرب دشمن معاہدے کی صداقت پر اگرچہ ایرانی ترجمانوں کی تضاد بیانی ہی بڑی وزنی دلیل ہے لیکن اس معاہدے کو طشت ازبام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عالمی پریس کے چند مزید حوالے بھی پیش کر دیئے جائیں۔

''سنڈے ٹائمز'' لندن نے ۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء کو روس کے علاقے میں گرنے والے اسلحہ بردار طیارے کے بارے میں جو تفصیلات شائع کیں ان کے مطابق جس شخص کو اسرائیلی اسلحہ ایران کے سپرد کرنا تھا وہ برطانیہ کا رہنے والا ہے اور اس کا نام سٹیورٹ میکفرٹی ہے مسٹر میکفرٹی کو سوئٹزرلینڈ کے ایک ایجنٹ اینڈریز جینے نے اس معاملے میں شریک کیا تھا۔ان دونوں نے ۱۲، ۱۴ اور ۱۷ جولائی کو اسرائیلی اسلحہ کی تین کھیپیں کامیابی کے ساتھ ایران پہنچادی تھیں اور چوتھی کھیپ لیکر جارہے تھے کہ روسی علاقے میں طیارہ مار گرایا گیا۔اس اخبار نے اینڈریز جینے کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسے یہ تو معلوم نہیں کہ جو اسلحہ اور فاضل پرزے اسرائیل سے ایران پہنچائے گئے ان کی مقدار اور تعداد کیا ہے،لیکن اسرائیلی حکام نے بڑا زور دیا تھا کہ اسلحہ اور فاضل پرزوں کی تمام کھیپیں جلد از جلد تل ابیب سے تہران پہنچادی جائیں۔

فرانس کے اخبار''لی فیگارو'' اپنی ۲۷ جولائی کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ خمینی نے لندن کی اس کمپنی سے خفیہ طور پر رابطہ قائم کیا تھا جو اسرائیل سے رابطہ رکھنے میں بہت شہرت رکھتی ہے اور اسرائیل کے مفاد کے لئے کام بھی کرتی ہے یہ کام اسی کمپنی کے ذریعے انجام پہنچا، جرمنی کے جریدے''ڈر سپیگل'' نے اسی دن اور اسی تاریخ کو اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ایران کی اسلامی جمہوریہ نے اسلحہ کے حصول لے لئے ایک اور ذریعہ تلاش کرلیا ہے یہ نیا ذریعہ کافی عرصے سے خمینی کی خدمت کررہا ہے ایرن آئندہ یورپی ممالک کے راستے اسرائیلی ہتھیار اور فاضل پرزے اسی وسیلے سے حاصل کرے گا۔

ایران اور اسرائیل کے درمیان ہونے والا معاہدہ چونکہ انتہائی خفیہ تھا اسے لئے تل ابیب سے اسلحہ اور فاضل پرزوں کی ترسیل کے لئے قبرص کا راستہ ہی محفوظ ترین سمجھا گیا اور لارنیکا کا ہوائی اڈہ استعمال کرنے کے لیے قبرص سے اجازت لی گئی۔ایران کے لئے اسرائیلی اسلحہ کی فراہمی کا مسئلہ عالمی پریس میں شدت سے ابھرا کہ امریکی ٹیلی ویژن نیٹ ورک اے بی سی نے ۲۰ اگست ۱۹۸۱ء کو اپنا جو سہ روزہ پروگرام شروع کیا اس میں بھی ایران، اسرائیل کے مابین اسلحہ کی خرد یاری کے سلسلے میں طے پانے والے سمجھوتے پر روشنی ڈالی گئی اس پروگرام میں یہ بھی بتایا گیا کہ امریکی ٹیلی ویژن کے نمائندوں نے جو سروے کیا ہے اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایران کو اسرائیل کی طرف سے اسلحہ کی فراہمی کا کام سوئٹزرلینڈ کے ایک ایجنٹ کی مدد سے پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، اس ٹی وی پروگرام میں متعلقہ افراد کے نام اور اسرائیل سے بھیجی گئی اشیاء کی تفصیل کے علاوہ وہ دستاویز بھی دکھائی گئیں جن میں دونوں ملکوں کے درمیان رقوم کے لین دین کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اندراج تھے۔

امریکی ٹیلی ویژن سے ٹیلی کاسٹ ہونے والے پروگرام میں یہ انکشاف بھی شامل تھا کہ ایران، عراق جنگ سے پیشتر ستمبر ۱۹۸۰ء میں فرانس کے ایک فنی مہر نے سرکاری دعوت پر ایران کا دورہ کی تھا، پھر ستمبر کے آخر میں مزید ماہرین کو ایران کی وزارت جنگ بحریہ اور فضائیہ کی ضروریات کا جائزہ لینے کے لئے مدعو کیا گیا۔ ان ماہرین نے اپنے دورے کے اختتام پر یہ رائے ظاہر کی کہ ایرانی فضائیہ میں اگرچہ ایف چار قسم کے طیاروں کی کمی نہیں، تاہم ان طیارون کو فوری طور پر سروس اور مرمت کی ضرورت ہے ماہرین نے تجویز کیا کہ ایرانی فضائیہ کے بیڑے میں ایف چار قسم کے مزید طیارے شامل کئے جائیں۔

رپورٹ کے مطابق ماہرین کے جائزے کے بعد ایرانی حکومت کے نمائندوں نے فرانس جا کر اسرائیلی سفارتخانے سے رابطہ قائم کیا اور اس گفت وشنید کے نتیجے میں فرانس کے جنوب مغربی علاقے کے ایک ایئر پورٹ پر اکتوبر ۱۹۸۰ء میں ایران کو ایف چار قسم کے طیارے، آواز سے تیز رفتار اڑھائی سو طیاروں کے فاضل پرزے اور جدید ترین ماڈل کے پچاس مکار پین ٹینک اسرائیل نے مہیا کر دیئے، مزید براں اسرئیل نے ایران کو اطالوی بندرگاہ کے ذریعے ایم ۴۰ قسم کے ٹینکوں کے فاضل پرزے بھی بھاری مقدار میں مہیا کئے یہ سامان تمام کا تمام لکسمبرگ کے جہاز ''کارگولوکس'' میں ترجیحی بنیادوں پر لاد کر تہران پہنچایا گیا اسی طرح اسرائیل نے کچھ سامان پرتگال کے راستے سے بھی ایران کو فراہم کیا اس سامان جنگ کی قیمت کی ادائیگی زیورچ میں اسرائیل کے فوجی اتاشی کے ذریعے کی گئی اسرائیل کو ادا کی جانے والی رقم کی پہلی قسط تین لاکھ ڈالر پر مشتمل تھی''۔

امریکی ٹیلی ویژن نیٹ ورک اے بی سی کے اس پروگرام میں امریکہ کے سابق صدر جمی کارٹر کے پریس سیکرٹری جوڈی پویل، اسرائیل کے وزیر اعظم مسٹر بیگن اور ایران کے سابق صدر مسٹر بنی صدر کے انٹرویوز بھی پیش کئے گئے، صدر کارٹر کے پریس سیکرٹری نے بتایا کہ جس زمانے میں وہ صدر کارٹر کے سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے تھے اسی زمانہ میں اسرائیل اور ایران کے درمیان معاہدہ ہوا تھا اس معاہدے کے بارے میں بڑی رازداری اور احتیاط برتی گئی تھی، امریکہ کو احساس تھا کہ ایران کو اسلحہ اور فاضل پرزوں کی سخت ضرورت ہے اسی طرح یہ بات بھی امریکہ کے علم میں تھی کہ ایران اسرائیل سے حصول اسلحہ کی درخواست کر چکا ہے، چنانچہ کارٹر انتظامیہ نے ایران کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اسرائیلی حکام سے سفارش کی جس پر حکومت اسرائیل نے اس معاملے پر ہمدردانہ غور کی یقین دہانی کرائی تھی۔

اسرائیلی وزیر اعظم نے اعتراف کیا کہ اسرائیل نے عرب دشمنی کی بنا پر ایران کو اسلحہ فراہم کرنے کا سمجھوتہ کیا ہے مگر اسرائیلی قانون انہیں اس سمجھوتے کی تفصیلات ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے وہ کسی خبر کی تردید یا تائید کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔

ایران کے سابق صدر نے کہا کہ انہیں نے حکومت ایران کو اس معاہدے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور یہ بھی کہا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تھا کہ ایران کو اسرائیل سے اس قسم کا معاہدہ کرنے کے بجائے عربوں سے تعلقات استوار کرنے کی ضرورت ہے لیکن امام خمینی نے ان کی بات نہ مانی اور ان کے حکم پر حکومت ایران نے اسرائیل سے معاہدہ کر لیا۔

۲۱/ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو پیرس کے ایک جریدے ''افریک الیسے'' نے اپنے نمائندہ خصوصی مقیم تہران کا جو مکتوب شائع کیا اس میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ اسرائیل کے سول اور جوجی ماہرین کا ایک وفد تین دن کے دورے پر تہران آیا، اس وفد کا مقصد ایران کی دفاعی ضروریات کا اندازہ لگانا تھا تا کہ ایران کو اس کی ضرورت کے مطابق امریکی اور اسرائیلی ساخت کے فاضل پرزے اور دوسرا سامان جنگ فراہم کیا جا سکے۔

۲/ نومبر کو برطانیہ کے اخبار ''آبزرور'' میں بھی تہران کا ایک مکتوب شائع ہوا، اتفاق ملاحظہ فرمائیے کہ اس مکتوب میں بھی اسرائیلی اسلحہ کا ذکر تھا۔

مکتوب نگار نے لکھا ہے کہ عراق سے جنگ کے لئے اسرائیل نے ایران کو بندر عباس، چاہ بہار اور بوشہر کی بندر گاہوں کے ذریعے بھاری مقدار میں اسلحہ فراہم کیا ہے۔

۳/ نومبر کو مغربی جرمنی کے اخبار ''ڈائی ویلٹ'' میں یہ خبر شائع ہوئی کہ اسرائیل نے ایران کو ایف چار طیارے اور دوسری جنگی مشینری کے فاضل پرزے فراہم کئے ہیں، خبر میں تشریح بھی موجود ہے کہ اسرائیل نے یہ سامان بحری راستے سے ایران پہنچایا، اور ساتھ ہی اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ اسرائیل ایران کو سامان جنگ مہیا کرنے کا یہ سلسلہ جاری رکھے گا۔

ایران اسرائیل معاہدے اور اسرائیل سے ایران اسلحہ کی مختلف راستوں سے منتقلی کے بارے میں پیرس کے جریدہ ''الوطن العربی'' وی سی ڈی'' اور ''جان افریق'' نے بھی علی الترتیب ۵، ۱۱، اور ۴ نومبر کی اشاعتوں میں انتہائی تفصیلی اور سنسنی خیز رپورٹیں شائع کیں، یہ رپورٹیں چونکہ بہت طویل ہیں، اس لئے ہم انہیں نظر انداز کر رہے ہیں اسی طرح ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء کے کویتی اخبار ''السیاسیہ'' اور ارجنٹائن کے اخبار ''لابرینا'' اور ''کروشیا'' کی اشاعت ۱۴ جولائی ۱۹۸۱ء کا بھی فقط حوالہ دینا کافی ہے۔

ایران اور اسرائیل کے اس خفیہ کاروبار کے بارے میں ان اخبارات نے بھی انتہائی فکر انگیز خبریں شائع کی ہیں تاہم خبروں کے اس پس منظر میں تین حوالے مزید ملاحظہ فرمائیے:

۱۵/ جولائی ۱۹۸۱ء کو امریکی ٹیلی ویژن نیٹ ورک اے بی سی نے بتایا کہ اسرائیل اس باہمی سمجھوتے کے تحت ایران کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے، جو کافی عرصہ پہلے دونوں ملکوں کے درمیان طے پایا تھا البتہ اس سمجھوتے پر سرگرمی سے عمل درآمد جولائی ۱۹۸۱ء کے پہلے ہفتے شروع ہوا اسرائیل نے پہلے مرحلے میں ایران کو ایک کروڑ ڈالر کا جنگی سامان فراہم کیا تھا مجموعی طور پر اب تک اسرائیل سے ایران کو دس کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالر کا اسلحہ ملا ہے اس سلسلے میں دونوں ملکوں کے درمیان فضائی رابطہ بھی قائم ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایران اسرائیل معاہدے کی خبر جب دنیا بھر میں پھیل گئی تو ۲۱ جولائی ۱۹۸۱ء کو اسرائیل کے رسالہ ''معارف'' نے بھی اس سلسلے میں ایک مختصر وضاحت کی ''معارف'' لکھتا ہے کہ ایرانی حکومت نے اسرائیل سے براہ راست اور مختلف ایجنسیوں کی وساطت سے مختلف النوع اسلحہ فراہم کرنے کی درخواست کی ہے اور بڑی مقدار میں فاضل پرزے بھی منگوائے ہیں اس جریدے نے یہ صراحت بھی کی کہ ایران اور اسرائیل کے درمیان اسلحہ کی فراہمی کی بات چیت امریکہ کی طرف سے ایران کے کے لئے اسلحہ کی فروخت پر پابندی پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔

۲۹ جولائی ۱۹۸۱ء کو سوئٹزرلینڈ کے جریدہ ''ٹریبون ڈی لازان'' میں ایران کے لئے اسرائیلی اسلحہ کے عنوان سے ایک مکتوب شائع ہوا اس مکتوب میں یہ موقف پیش کیا گیا ہے کہ ایران کے لیے اسرائیلی اسلحہ کی ترسیل کسی طرح بھی غیر قانونی کاروائی نہیں تاہم اس میں دو باتیں غیر قانونی ہیں ایک یہ کہ اس معاملے سے سوئٹزرلینڈ باخبر ہو گیا اور دوسری یہ کہ بعد ازاں اسرائیل، ایران سمجھوتے اور ایران کو مال فراہم کرنے کے سلسلے میں سوئٹزرلینڈ کا نام لیا جانے لگا حالانکہ اس کا دونوں ملکوں سے کوئی تعلق نہیں۔[1]

انقلابِ ایران میں روس کا کردار

ایران میں شاہ کے خلاف عوامی تحریک شروع ہوئی تو روس نے ایران سے ملنے والے مسلم علاقوں میں اتنی فوج جمع کر رکھی تھی کہ ان مسلم علاقوں میں مارشل لاء کے نفاذ کا گمان ہوتا تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انقلابی تحریک کے دوران روسی سفارت کار شاہ گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں اور اس کے خلاف چلنے والی تحریک کو خاموشی سے دیکھ رہے ہیں حسنین ہیکل کے بقول آخر شاہ تنگ آ کر روسی سفیر ولارڈیمیر ونوگراڈرف سے خود کہتا ہے:

''تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو''......؟

اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں ملتا، یہاں تک کہ شاہ رات کی تاریکی میں ملک چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور پھر جب امام خمینی ایران میں داخل ہوتے ہیں تو استقبالیہ ہجوم میں لینن اور ٹراٹسکی کی کتابیں، مارکسی تعلیمات کی گائیڈ بکس اور کمیونسٹ لیڈروں کی رنگا رنگ تصویریں تقسیم ہو رہی ہیں، امام خمینی یہ منظر دیکھتے ہیں لیکن اس ''سرخ شاہی'' استقبال کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہتے، گویا ان کے نزدیک یہ معمول کی کاروائی ہے۔ پھر جب خمینی صاحب ایران کا انتظام و انصرام سنبھال لیتے ہیں تو 19 نومبر 1979ء کو جناب برژنیف کا یہ انتباہ نشر ہوتا ہے:

''اگر امریکہ نے ایران میں کوئی مداخلت کی تو روس اس کاروائی کو اپنی سلامتی کے خلاف سمجھے گا''۔

روس کی جو فوج افغانستان میں موجود ہے اس کا بڑا حصہ آج بھی ایرانی سرحد پہ ڈیرا ڈالے ہوئے ہے، یہ خاموش

1۔ آتشکدہ ایران ص ۱۰۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رابطے، فوج کا اجتماع، امام خمینی کا استقبال تو وہ پارٹی سے ان کا سیاسی اختلاط اور ان کے خلاف متوقع کاروائی کوروس کی طرف سے اپنی سلامتی کے خلاف کاروائی قرار دینا یہ سب باتیں اپنا کچھ نہ کچھ تو مفہوم تو رکھتی ہیں۔

بے خود بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

دنیا میں آج تک جہاں کہیں اور جب کبھی کسی اسلامی تحریک نے سر اٹھایا روس نے اس کی حوصلہ شکنی کی اس کے خلاف محاذ قائم کرائے، اس کے قارئین کا تمسخر اڑایا گیا، انہیں جاہل اور رجعت پسند قرار دیا گیا۔لیکن ایران کی مذہبی تحریک کے بارے میں اس کا رویہ حیرت انگیز طور پر بدل گیا، اس تحریک کی مخالفت کی گئی نہ اس کے خلاف کوئی محاذ قائم کیا اس تحریک کے قائدین کو رجعت پسند کہا گیا، نہ ان کے خلاف روایتی تنگ نظری کا مظاہرہ کیا اس کے برعکس دنیا بھر کے کمیونسٹ اور روسی فلسفہ فکر کے پریس اور تنظیموں نے انقلاب ایران کی بھرپور حمایت کی!

کسی مذہبی تحریک کے بارے میں روس کے رویے میں اس طرز کی تبدیلی پہلی بار دیکھی گئی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی! ایران کے انقلاب پہ دنیا کو اتنی حسرت نہیں ہوئی جتنی روس کے رویے میں آنے والے اس انقلاب پہ ہوئی ہے۔ روس کے مزاج میں یہ حیرت انگیز انقلاب کیسے آیا؟ اس سوال کا جواب تا حال کسی نے نہیں دیا اس سوال کا جواب ہی وہ کلید ہے جس سے روس اور ایران کے رابطوں کا سراغ مل سکتا ہے۔

مسٹر ولیم شمٹ کی جس کتاب کا ہم نے ذکر کیا وہ ان کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے یہ کتاب فرانسیسی زبان میں چھپی تھی شام کے ایک عالم نے اس کا عربی ترجمہ کیا اور پھر فروری 1980ء میں پاکستان کے جریدہ حکایت نے اس کے بعض اقتباسات شائع کیے اس کتاب کے بعض مندرجات سے مسلم ممالک کے بارے میں روس کی دیرینہ پالیسی کی نقاب کشائی ہوتی ہے مسٹر ولیم نے اس کتاب میں جو انکشافات کیئے ہیں ان کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ:

1917ء میں جب کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا تو مرکزی کمیونسٹ پارٹی کے 556 ارکان اسمبلی میں 457 ارکان یہودی تھے کمیونزم کے بانی کارل مارکس، لینن اور سٹالن بھی درپردہ عالمی یہودی تحریک کے ممبر تھے ان کا مشن یہ تھا کہ اسلامی ممالک میں سرخ انقلاب برپا کیا جائے، ان ارکان نے اس بات پر اتفاق کی کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی موجودگی میں کمیونزم کا فروغ محال ہے چنانچہ اس پروگرام پر عملدرآمد کے لئے اسرائیل کا وجود قائم کیا گیا، اس کاروائی کا مقصد یہ تھا کہ اسرائیل کے ذریعے عربوں کو کمزور کیا جائے اور اس کمزوری کے بعد روس مکے اور مدینے کی طرف پیشقدمی کر سکے۔

"کمیونزم کو پھیلانے کے لئے ضروری ہے کہ روس ترکی، ایران، افغانستان اور پاکستان میں اپنی فوجیں داخل کر دے"۔

مطلب یہ ہے کہ ان ممالک پہ قابض ہونے کے بعد مکے اور مدینے تک پہنچنے کی راہ ہموار ہو سکتی ہے اور کمیونزم کے دنیا بھر میں پھیلانے کے ناممکن عمل کو ممکن بنایا جا سکتا ہے، ولیم اے شمٹ کا کہنا ہے کہ روس نے اپنی توسیع پسندی کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس پروگرام میں پاکستان کو 1949ء میں شامل کیا غالباً یہ وہی دور ہے جب پاک امریکہ دوستی کا چرچا سننے میں آیا تھا گویا پاکستان کو امریکہ کے ساتھ دوستی کے جرم میں اس پروگرام میں شامل کیا گیا۔

ہم یہ مشہور قول بارہا پڑھ چکے ہیں کہ روس ایران کے راستے گرم سمندروں تک پہنچنا چاہتا ہے ممکن ہے کسی دور میں اس کی یہ خواہش رہی ہو لیکن یہ نظریہ اب بہت فرسودہ ہو چکا ہے اس نظریے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا عقل و خرد سے راری ہونے کی دلیل ہے کہ روس محض اس سادہ سی خواہش کے لئے اتنی تگ و دو کر رہا ہے روس کی اس طویل اور صبر آزما جدوجہد کا منتہائے مقصود گرم پانیوں تک رسائی صرف اس صورت میں ثابت ہوتا ہے اگر اس کی اپنی حدود میں گرم سمندروں کا وجود نہ ہو لیکن وہ اس نعمت سے یکسر محروم نہیں ہے۔

روس کے توسیع پسندانہ عزائم کا مقصد محض گرم پانیوں تک رسائی نہیں وہ ان علاقوں کو تخت و تاج کرتا ہوا کعبۃ اللہ تک پہنچنا چاہتا ہے، وہ اس مرکز کے لیے بیقرار ہے جس کا نام لبوں پہ آتے ہی مسلمانوں کے دم و دل میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے وہ عظمت و تقدس کی ان علامتوں کو مٹا کر مسلمانوں کے دل سے حرارت اور دم سے جوش نکالنا چاہتا ہے اسے گمان ہے کہ اگر اس مقصد میں وہ کامیاب ہو گیا تو نوے کروڑ مسلمان اس کی غلامی میں آجائیں گے۔ [1]

انقلاب مخالفین کا قتلِ عام

انقلاب کے بعد انقلابیوں کی پہلی سب سے نمایاں کاروائی 14 فروری کو سفارتخانہ امریکہ پر حملہ تھا جس میں ایک شخص ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے اور امریکی سفیر اور 70 دوسرے سفارتی کارکنوں کو کئی گھنٹے یرغمال بنائے رکھا گیا۔ بعد میں یہ لوگ ڈاکٹر ابراہیم یزدی اور وزیر خارجہ کریم سنجابی کی مداخلت پر رہا کئے گئے۔

نئے وزیر اعظم مہدی بازرگان نے الزام لگایا کہ یہ کام خمینی کمیٹی کا ہے۔ بازرگان نے کہا کہ اس کمیٹی کے رکن سفارتی عملے اور غیر ملکی لوگوں پر حملے کرواتے ہیں اور لوگوں کو جیلوں میں ڈالتے ہیں اور اس طرح ہماری اور خود خمینی کی شہرت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

آیت اللہ خمینی کے اقتدار سنبھالنے کے تین دن کے اندر ہی شاہ کے چوٹی کے جرنیلوں، وزیروں، سفیروں اور ساواک کے عہدہ داروں کو گولی مار دینے کا کام شروع کر دیا گیا۔ انقلابی عدالتیں جو مذہبی لیڈروں پر مشتمل تھیں اور جن کے نام صیغہ راز میں رکھے جارہے تھے ایک ہی نشست میں قتل کے فیصلے کرتیں جن پر فوراً ہی عمل درآمد کر دیا جاتا۔

وزیر اعظم بازرگان نے ان بند دروازوں کے پیچھے قتل کے فیصلوں پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا "یہ کاروائی ہمارے شاندار انقلاب کے لئے باعث ذلت ہے اور موجب رسوائی ہے"۔ اخباروں نے لکھا کہ "انقلابی عدالتوں کے یہ فیصلے انصاف کے اصولوں کی صریحاً خلاف ورزی ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ انتقام کے ذریعے انقلاب مضبوط بنا سکتی ہے جس

1۔ آتش کدہ ایران، اختر کاشمیری ص ۱۳۹

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے لئے ہم نے جدوجہد کی ہے"۔

انقلابی کمیٹی کے ایک جج آیت اللہ خلخالی سے کچھ عرصہ بعد پوچھا گیا کہ مجرموں کو فیصلہ سنانے کے فوراً بعد قتل کرنا کہاں تک جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا "اسلامی عدالتی نظام کے تحت کسی سزا یافتہ قاتل کو کھانا کھلانا یا پانی پلانا ناجائز ہے اس لئے اسے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رکھا جاسکتا"۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ "اسلامی عدالتی نظام کے تحت کسی مجرم کو وکیل حاصل کرنے کی سہولت نہیں دی جاسکتی جب تک کہ مجرم بالکل گونگا نہ ہو"۔

بازرگان کی پارٹی نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ نے آیت اللہ خمینی کو ایک خط مورخہ 6.79.3 میں لکھا کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ملا لوگ حکومت چلا سکتے ہیں تو پھر دو متوازی حکومتیں کیوں بنائی ہوئی ہیں ایک دنیا کو دکھانے کیلئے جو بے اختیار ہے اور دوسری پس منظر میں جو اصلی کام کر رہی ہے۔

"پاسداران انقلاب" کی تشکیل اور اس کے کارنامے

اپنے نام نہاد مخالف لوگوں کو مارنے کے ساتھ ساتھ ایران کے مذہبی حلقوں نے سوچا کہ دوسری غیر مذہبی جماعتوں یعنی مجاہدین خلق (اسلامی سوشلسٹ)، فدائین خلق (کیمونسٹ) اور سنیوں کا زور بلکہ وجود بھی ختم کر دینا چاہیے۔ یاد رہے کہ ان پارٹیوں کا انقلاب کو کامیاب بنانے میں نمایاں ہاتھ تھا۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے شاہی فوج کو ختم کر کے ایک نئی فوج "پاسداران انقلاب" کے نام سے ترتیب دی گئی جن کو وسیع اختیارات دیئے گئے۔ مجاہدین اور فدائین نے اچانک محسوس کیا کہ اس فوج میں ان کو کوئی حصہ نہیں چنانچہ ان دونوں جماعتوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے 22 فروری 1979ء کو ایک ریلی کا پروگرام بنایا۔ آیت اللہ خمینی نے فوراً فتویٰ دے دیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں لہٰذا ان سے کوئی رابطہ نہ رکھا جائے۔

گو اس ریلی میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ لوگوں نے شرکت کی جس میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ لیکن بعد کے مظاہروں کو پاسداران انقلاب نے اپنے وسیع ذرائع اور اختیارات کی بناء پر آہستہ آہستہ ناکام بنا دیا۔ اور 1981ء تک ان کے زور کو تقریباً ختم کر دیا گیا۔ ان کی اکثریت ملک سے بھاگ گئی اور باقی چن چن کر مار دیئے گئے یا جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ ان میں سے کچھ تو سیاست سے ہی ریٹائر ہو گئے اور معافی مانگ کر گھروں میں بیٹھ گئے۔

ملک کے اندر ان عناصر کا خاتمہ کرنے اور مخالف پارٹیوں کو جڑ سے اکھیڑنے کے لیے انہوں نے پاسداران انقلاب کے علاوہ کئی لاکھ نوجوان پر مشتمل ایک دوسری فوج (بسیجی جوج) تیار کی اور اس کو وسیع اختیارات دیئے۔ یہ اختیارات اتنے سخت گیر اور ظالمانہ تھے کہ فدائین اور مجاہدین کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ کردستان، بلوچستان اور دوسرے صوبوں کی سنی آبادی نے بھی ایرانی آئین کی مخالفت کی اور مطالبہ کیا کہ ایران کا آئین شیعیت کی بجائے اسلام پر مبنی ہونا چاہئے۔ ان پر ناگفتہ بہ مظالم ڈھائے گئے اور کسی نہ کسی بہانے اب تک ڈھائے جا رہے ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

الحکمۃ الشوریۃ کا اولین فیصلہ

انقلاب کے پہلے ہی ہفتہ میں محکمہ ثوریہ نے پانچ افراد کے قتل کا فیصلہ صادر کیا جس میں شاہی دور کے جنرل نصیری جیسے افراد شامل تھے، لیکن اس اہم ترین فیصلہ کی خبر اس وقت کے الجمہوریۃ الاسلامیہ کے صدر "بازرگاں مہندس" تک کو نہیں تھی، صدر مملکت بازرگان کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس فیصلے سے اظہارِ برأت کرتے ہوئے انہوں نے یہ بیان جاری کیا کہ "میرے نزدیک صرف وہی فیصلہ درست ہے جو شرعی اور قانونی ضوابط کے مطابق ہوگا"۔ چونکہ یہ فیصلہ امامِ غائب کے نائب، ایران کے رہبر، خدائی اقتدار کے حامل، فقیہ عادل، خمینی کے چشم وابرو کے اشارے پر کیا گیا تھا اس لئے اس کے مقابلے میں بے چارے شو بوائے بازرگان کے بیان کی کیا حیثیت تھی؟ فیصلہ اپنی جگہ اٹل رہا اور پانچوں افراد اس کے مطابق قتل کردیئے گئے۔[1]

خمینی کا موقف

یہ اہم ترین اور انتہائی غیر متوقع فیصلہ چونکہ الجمہوریۃ الاسلامیہ کا اوّلین فیصلہ تھا، عوام اور خود مجلسِ تنفیذی اس بارے میں اپنے رہبر کے موقف سے بھی واقف نہیں تھے، اس لئے اس فیصلہ پر عملدرآمد کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔ خمینی کو جب اس صورتِ حال کی اطلاع دی گئی تو غضبناک ہو کر کہا: "ایتونی بر شاشة حتی اذھب بنفسي و انفذ في ھؤلاء المجرمین الموت" مجھے گن دو تا کہ میں خود جا کر اس فیصلہ کی تنفیذ کر کے ان مجرمین کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ خمینی کا یہ چنگیزی فرمان سن کر وہاں موجود حاضرین کو یقین ہو گیا کہ امام مطلق کا ناطق فیصلہ یہی ہے جس کے بعد ان کے قتل سے احتراز کرنا ایک واجب دینی سے گریز کرنے کے مرادف ہوگا۔ چنانچہ اسی وقت خمینی کی اقامت گاہ "مدرسۃ الرفاہ طہران" کے صحن میں انہیں گولیوں سے اڑا دیا گیا۔

چشم دید شاہدین کا بیان ہے کہ پاسدارانِ انقلاب کے سپاہی بے گناہوں کے قتل کے بعد مرشد انقلاب خمینی کے بارگاہ میں حاضر ہو کر اس سفاکانہ عمل کی داد لیتے اور اس مجرمانہ حرکت پر اظہارِ مسرت کرتے۔[2]

الحکمۃ الشوریہ کے رئیس محمد الکیلانی نے (جس کے فیصلے سے صرف تین ماہ کے اندر ہزاروں بچے، جوان، بوڑھے، مرد اور عورت موت کے غار میں پہنچا دیئے گئے) اس خوں ریزی سے تنگ آ کر خمینی کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ کمسن اور نابالغ قیدیوں کو جنہیں قتل کر دیا جاتا ہے، انہیں قتل کرنے کے بجائے دار التربیت میں رکھ کر ان کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ مخالف رہنے کے بجائے ہمارے موافق ہو جائیں تو زیادہ مناسب ہوگا اور بوڑھوں کے متعلق یہ تجویز پیش کی کہ

1۔ الثورۃ البائسۃ ص ۱۹۹

2۔ الثورۃ البائسۃ ص ۳۷

3۔ الثورۃ البائسۃ ص ۱۳۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انہیں قتل کے بجائے جیل میں پڑا رہنے دیا جائے، کچھ دنوں میں یہ خود اپنی موت مر جائیں گے لیکن خمینی صاحب نے ان دونوں تجویزوں کو "قاتلوا ائمة الکفر" کہتے ہوئے رَد کر دیا۔[3]

اس دورِ انقلاب میں مطلق العنانی اور شورش پسندی کا یہ عالم تھا کہ ایران کا ہر باشندہ اس خوف سے ہر وقت ترساں ولرزاں رہتا کہ خمینی صاحب کی غول بیابانی نہ جانے کب اس کے گھر پر دھاوا بول دے اور مال واسباب کے ساتھ عزت وآبرو بھی لوٹ لے جائے۔

اللجان الشوریہ (نفاذِ شریعت کی مجلس) کے سپاہی راتوں کو بغیر کسی اطلاع کے شہریوں کے گھروں میں گھس جاتے اور ایک ایک کمرے کی تلاشی لیتے، اگر ان کے ہاتھ مطلب کی کوئی چیز نہیں آتی تو گھر والوں کو مجبور کرتے کہ ان کے سامنے نماز ادا کریں، اگر ان میں سے کوئی ان کی مرضی کے مطابق نماز ادا نہ کر پاتا تو اسے گرفتار کر کے اللجان الشوریہ کے دفتر میں پہنچا دیتے جہاں انہیں فاسق قرار دے کر اس طرح کی سزائیں دی جاتیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔[1]

خمینی کے مخالفین......"مفسدین فی الارض"

خمینی کے پوتے "حسین" کا بیان ہے کہ بندر عباس (ایران کا ایک شہر) کے قاضی نے خمینی کے مخالفوں کو "مفسدین فی الارض" قرار دے کر ان کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا جسے بلا تاخیر نافذ بھی کر دیا گیا:

(۱) یہ "مفسدین فی الارض" ملک کے امن وامان کو تباہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا (الف) انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے (ب) ان کے تمام اموال منقولہ وغیر منقولہ ضبط کر لئے جائیں (ج) ان کے اقرباء اور رشتہ داروں کے بھی جملہ اموال ضبط کر لئے جائیں (د) جو لوگ ان سے رابطہ اور تعلق رکھتے ہیں ان کی بھی جائیداد ضبط کر لی جائے۔

(۲) یہی "حسین خمینی" راوی ہیں کہ کردیوں کی تحریک کا قلع قمع کرنے کی غرض سے المملکة الشوریہ کے صدر الخلخالی کی معیت میں ہم کردستان گئے، الخلخالی نے وہاں پہنچتے ہی یہ فیصلہ صادر کیا کہ جیل میں بند قیدیوں میں سے تیس کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ حسین خمینی کا بیان ہے کہ اس فیصلہ کو سن کر میں نے الخلخالی سے کہا: "اتق اللہ یا رجل کیف تقتل اناسًا لم تعرف اسماءھم؟ کیف باعمالھم" خلخالی خدا سے ڈرو تم ان لوگوں کو کیونکر قتل کر رہے ہو جن کا نام بھی تمہیں معلوم نہیں، ان کے جرائم سے واقفیت تو دور کی بات ہے۔ یہ سن کر جلاد خلخالی نے جواب دیا: "عام لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے یہ اقدام ضروری ہے۔" پھر بہزار الحاح وزاری کے بعد اس نے تیس کی

1۔ الشورۃ البائسۃ۔ص۱۲۹

2۔ الشورۃ البائسۃ ص۱۳۵، ۱۳۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تعداد گھٹا کر دس کر دی اور یہ دس بے گناہ اپنے جرم بے گناہی کی سزا میں اسی وقت قتل کر دیئے گئے۔ان مقتولین میں بعض مکتب میں پڑھانے والی بچوں کی استانیاں اور بعض تیرہ سال سے بھی کم عمر کے بچے شامل تھے۔[2]

المحکمۃ الشوریہ کے تین سالہ فیصلے ایک نظر میں

(۱) ابتدائے انقلاب سے ۱۹۸۳ء تک اس محکمہ نے ۴۰ ہزار افراد کو قتل کی سزا دی، ان مقتولین میں جوان، بوڑھے مرد اور عورت کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے بچے اور بچیاں بھی ہیں جو سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے۔

(۲) تقریباً ۳۰ ہزار ایرانیوں کو قید و بند کی سزا سنائی۔

(۳) اس محکمہ نے مشکوک افراد کے قتل، حاملہ عورتوں کے رجم اور مریضوں و بچوں تک کی پھانسی کا حکم جاری کیا۔

(۴) ۴۵ ہزار افراد کے مال و اسباب اور جائیداد کو بحقِ سرکار ضبط کر لئے جانے کا حکم صادر کیا۔

(۵) یہ محکمہ جسے مجرم قرار دیتا اسے صفائی کا موقع بھی نہیں دیا جاتا۔

(۶) اس محکمہ نے جن بدقسمتوں کی پھانسی کا حکم صادر کر دیا اس میں سے کسی ایک کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔[1]

ان فیصلوں کو خمینی کی تائید حاصل تھی

اور حد تو یہ ہے کہ ان خلافِ شرع اور خلافِ انسانیت سارے فیصلوں کو فقیہ عادل، مرشدِ قوم، خمینی کی تصویب و تائید حاصل تھی، اس سلسلے میں ایک انٹرویو کا اقتباس صورتِ حال کی وضاحت کے لئے کافی ہوگا۔ یہ اٹلی کے اخبار نے خمینی سے ۲۶/۹/۱۹۷۹ء میں لیا تھا:

صحافی: امام محترم! اب تک آپ کی عدالت اسلامیہ کے سایہ میں چند گھنٹوں کے اندر ہزاروں افراد قتل کر دیئے جاتے ہیں اور مجرمین کو اپنی صفائی کا موقع بھی نہیں دیا جاتا، کیا قتل و پھانسی کا یہ طریقہ درست ہے؟

خمینی: یہ فیصلہ بالکل درست ہے، آپ مسافر لوگ ان کی حقیقت کو سمجھ نہیں پاتے، ہم نے انہیں پہلے سے گفتگو کی مہلت دے رکھی تھی لیکن فیصلہ کے بعد مزید گفتگو کی مہلت دینا بے فائدہ ہے، اس لئے کہ اس صفائی کے نتیجہ میں اگر ہم ان مجرمین کو چھوڑ دیں تو عوام انہیں قتل کر دیں گے۔

صحافی: چند ہفتہ پہلے ایک ۱۸/ سالہ حاملہ عورت پر زنا کے الزام میں رجم کی سزا جاری کی گئی، کیا یہ فیصلہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہے؟

خمینی: یہ ہمارے محکمہ عدالت پر جھوٹا الزام ہے، بھلا ازروئے شریعت حاملہ کو کیسے رجم کیا جا سکتا ہے!

صحافی: امام محترم اس واقعہ کو ایران سے شائع ہونے والے تمام اخباروں نے لکھا ہے اور ٹیلیویژن پر بھی اس عورت کے

1۔ الثورۃ البائسۃ ص ۱۲۹

2۔ نہج خمینی ص ۶۸

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سنگ سار کرنے کے منظر کو دکھایا گیا ہے۔

خمینی: اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو یہ حاملہ عورت اسی سزا کی مستحق تھی۔[2]

اس جسارت کو کیا کہا جائے کہ یہ ظالمین اپنے ان سفاکانہ حرکتوں کو درست اور صحیح بتانے کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے عمل کو بطور استدلال و استشہاد پیش کرتے ہیں اور پوری جسارت کے ساتھ کہتے ہیں، جس طرح ہمارے امامِ اوّل وصی رسول، حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مخالفین کو قتل کیا تھا، ہم بھی انہی کی پیروی میں یہ اقدام کر رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ہذہ الھفوۃ)

پاسدارانِ انقلاب کی سرگرمیاں

وحشیوں کا یہ گروہ جسے خمینی نے پاسدارانِ انقلاب کے مؤقر خطاب سے نوازا، واقعہ یہ ہے کہ اس غول بیابانی کی حرکتوں سے ایران کا سنجیدہ طبقہ بُلبلا اٹھا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ پاسدارانِ انقلاب کی ہوسناکیوں سے ایران کی باعزت بیٹیوں کی عصمت و آبرو تک محفوظ نہ رہی۔ چنانچہ خود شیعہ مذہب کے الامام المجاہد الکبیر السید رضا الزنجانی نے ایک موقع پر روتے ہوئے بیان کیا کہ ”آج کل ایران کی جیلوں میں جو انارکی اور درندگی پھیلی ہوئی ہے تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، ان جیلوں کے نگران پاسداران انقلاب مسلمان عورتوں کی جان لینے کے ساتھ ان کی عزت و عصمت لوٹنے سے بھی گریز نہیں کرتے، اور مصیبت یہ ہے کہ خمینی اس حیا سوز، انسانیت کش حرکت سے پوری طرح واقف ہیں مگر اس کے خلاف ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے۔“[1]

(۱) ایک مقتول و مظلوم دوشیزہ کی داستانِ الم سے تو ایران کا بچہ بچہ واقف ہے جسے پاسدارانِ انقلاب نے گرفتار کر کے جیل میں ڈال رکھا تھا، اس ستم رسیدہ کے قتل کے بعد اس کا متروکہ سامان اس کے والدین کو واپس کیا گیا اس سامان میں ایک ایسی قمیص بھی تھی جس پر مقتولہ نے یہ لکھ رکھا تھا:

> ”ہائے اباجان! پاسدارانِ انقلاب کے سپاہیوں نے سات مرتبہ میری عزت و عصمت کا خون کیا اور اب میں بغیر کسی جرم کے قتل گاہ میں لے جائی جا رہی ہوں۔“ [2]

(۲) اس قساوت قلبی اور بے حیائی کو کیا نام دیا جائے کہ یہ پاسدارانِ انقلاب ایران کی باعزت و عصمت مآب بیٹیوں کی آبرو لوٹنے اور ان کے رشتۂ حیات کو منقطع کرنے کے بعد ان کے غمزدہ والدین کے پاس آتے ہیں اور معمولی سی رقم جو سوا سو روپے سے زائد نہیں ہوتی یہ کہتے ہوئے انکی طرف پھینک دیتے ہیں کہ ”یہ تمہاری مقتولہ بیٹی کی اُجرت ہے، ہم نے جیل میں اس کے ساتھ متعہ کیا تھا کیونکہ اپنے بزرگوں سے ہم نے سن رکھا ہے کہ کنواری لڑکیاں جہنم میں نہیں جائیں گی،

1۔ الشورۃ البائسۃ ص ۱۹۵

2۔ ایضاً۔ بحوالہ خمینیت عصر حاضر میں، مولفہ مولانا حبیب الرحمن قاسمی

3۔ الشورۃ البائسۃ ص ۱۵٦

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

متعہ کر کے ہم نے اسے جہنم میں جانے کے قابل بنا دیا ہے۔"[3]

اسی قسم کی ایک ستم رسیدہ دوشیزہ کی لرزہ خیز داستانِ مظلومیت ایران میں اس قدر مشہور ہے کہ ایران کی مجلسیں عرصۂ دراز تک اس کی یاد سے اشکبار اہیں۔ تاریخ جور و ستم کے اس انتہائی سنسنی خیز واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ پاسدارانِ انقلاب کے چار سپاہی ایک شخص کو گرفتار کرنے کی غرض سے اس کے گھر پہنچے، وہ شخص تو انہیں گھر میں نہیں ملا، البتہ اس کی نوجوان بیٹی اور بیوی ان کے ہاتھ لگ گئیں، ان چاروں ہوس پرست وحشیوں نے ماں کے روبرو بیٹی کی اجتماعی عصمت دری کی۔ عزت مآب دوشیزہ اپنی اس غیر معمولی بے حرمتی کو برداشت نہ کر سکی اور اس صدمہ سے پاگل ہوگئی، جس کا علاج ایران کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی کرایا گیا مگر اس کے دل و دماغ اس وحشتناک بے آبروئی سے ماؤف ہو چکے تھے، علاج معالجہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا، بالآخر اسی جنونی کیفیت میں ایک دن اس نے ایک بلند مکان کی چھت سے اپنے آپ کو نیچے گرا لیا تاکہ اس کے دل و دماغ سے خمینی جہنم کی اذیت ناکیوں کی یاد ہمیشہ کے لئے محو ہو جائے جس نے اسے پاگل بنا دیا تھا۔[1]

ایک انصاف پسند قاضی کا انجام

ایران کے شہر "یزد" کے ایک معزول قاضی نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ جس زمانہ میں وہ "یزد" میں منصب قضا پر فائز تھے ان کی عدالت میں پاسدارانِ انقلاب کے ایک سپاہی کے خلاف یہ مقدمہ پیش ہوا کہ اس سپاہی نے فلاں شخص کے گھر پر اچانک حملہ کر کے مال و اسباب کے ساتھ مالک مکان کی بیوی کی عصمت بھی لوٹ لی، جرم ثابت ہو جانے پر قاضی نے اس مجرم سپاہی کو پھانسی دے دی، اس فیصلہ کے خلاف پاسدارانِ انقلاب نے زبردست مظاہرہ کیا۔ یہ مظاہرین اس مجرم سپاہی کے تابوت کو کاندھے پر اٹھائے یہ نعرہ لگا رہے تھے "اے برادر شہید ما ہمراہ شما اند" اے شہید بھائی ہم بھی تیرے ساتھ جان دے دیں گے بالآخر قاضی کو اپنے فیصلہ کی سزا سے دوچار ہونا پڑا اور مظاہرہ کے دوسرے ہی دن خمینی نے منصب قضا سے انہیں معزول کر دیا کیونکہ خمینی کے خیال کے مطابق قاضی نے ایک محافظِ اسلام سپاہی کی پھانسی کا حکم دے کر اسلام دشمنی کا ارتکاب کیا تھا اس عظیم جرم کی سزا معزولی سے کم کیا ہو سکتی تھی۔

یاد رہے کہ یہی وہ "الجمهورية الاسلامیہ" کا نظامِ حکومت تھا اور اس کی مجلس شرعیہ، مجلس عدلیہ، اور مجلس تنفیذ کی کارکردگی، جسے مرشدِ انقلاب، فقیہ عادل، نائب امام الزماں، خمینی رہبر کی سرپرستی و سربراہی کا شرف حاصل رہا، اسی حکومت کے بارے میں انقلاب سے پہلے خمینی لوگوں سے کہا کرتے تھے:

ان الحكومة التى ندعوا اليها حكومة لجمهورية اسلامية قائمة على الديمقراطيه والحرية

1۔ الثورة البائسة ص ۱۹٦

2۔ فرانس میں خمینی کا بیان مورخہ ۹/۱۱......۱۹۷۸ء بحوالہ نہج خمینی ص ٦۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

والعدالة، وعند ما نقیم هذه الحکومة سیشهد العالم ما هی۔

''ہم جس حکومت کی دعوت دے رہے ہیں وہ جمہوری اسلامی حکومت ہے جو جمہوریت، آزادی اور عدالت کی بنیاد پر قائم ہوگی جس وقت اس حکومت کا نظام ہم قائم کریں گے دنیا دیکھ لے گی یہ کیسی حکومت ہے۔'' 2

آیت اللہ شریعت مداری کے ساتھ کیا ہوا؟

اختر کاشمیری کے بقول:

فرزندان انقلاب کے طور طریقے، خفیہ گھاتیں اور کھلی وارداتیں، پوری دنیا سے بغاوت اور پوری دنیا کو انقلاب کی دعوت، ایسی باتیں ہیں جو انقلاب کی مثبت علامتوں کو مٹا دیں گی، امام خمینی اپنے انقلاب کے قیدی ہیں وہ گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے، عوام میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو وہ پارٹی نے شریک اقتدار جماعت ہو کر اسلام کو وحشت کا عنوان اور علماء اسلام کو عوامی نفرت کا نشانہ بنا دیا ہے۔

ان حالات میں ایک ہی شخصیت عوام میں جانے اور انہیں سمجھانے کا حوصلہ رکھتی تھی اور وہ آیت اللہ شریعت مدار تھے، آیت اللہ شریعت مدار کے لاتعداد پیروکار ہیں، امام خمینی کی جلاوطنی کے دوران تحریک کی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی، اب امام خمینی کی حکومت میں وہ نظر بند ہیں خمینی حکومت میں شامل مذہبی عناصر اور سیکولر نظریات کے حامیوں کو ان کی نظر بندی سوٹ کرتی ہے۔ سوشلسٹ عناصر سمجھتے ہیں کہ اگر آیت اللہ شریعت مدار عوام میں آئے تو ان کی خفیہ سرگرمیاں عوام کے سامنے بے نقاب ہو جائیں گی، وہ انقلاب کو جس رخ پر لیجانا چاہتے ہیں اس رخ پہ نہیں لیجا سکیں گے، جب امام خمینی کی سوچ قدر مختلف ہے امام خمینی انقلاب کی کہانی اپنے ساتھ ختم کرنا چاہتے ہیں، ان کی خواہش ہے کہ جب تک ان کی آنکھ کھلی ہے انقلاب رہے، انقلابی قوتیں رہیں اور جونہی ان کی آنکھ بند ہو انقلاب کی بساط لپیٹ لی جائے، جو کہانی ان کی ہجرت ایران سے شروع ہوتی ہے وہ کہانی ان کی رحلتِ جہاں پہ ختم ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی نظر انتخاب بطور جانشین آیت اللہ منتظری پہ ٹھہری، آیت اللہ شریعت مدار تک نہ جا سکی۔ آیت اللہ منتظری بہت بڑے فقیہ ہیں لیکن سیاستدان ہرگز نہیں، وہ ولایت فقیہ کے فقہی مسائل بتا سکتے ہیں، ''ولایت فقیہ'' کے تحت حکومت نہیں چلا سکتے اسکے برعکس آیت اللہ شریعت مدار، عالم فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ سیاستدان بھی ہیں عالمی مسائل پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں داخلی وخارجی مسائل ومعاملات کو بھی سمجھتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ عالم اسلام کے بارے میں ان کی سیاسی پالیسی اتنی ہی نرم ہے جتنی موجودہ ''ولایت فقیہ'' کی پالیسی سخت ہے اس قسم کے اہم وجود کو پس منظر میں دھکیلنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا لیکن انقلابی قوتوں نے اس کا حل بھی ڈھونڈ نکالا، آیت اللہ شریعت مدار کے خلاف کاروائی کا آغاز امام خمینی نے خود کیا، چنانچہ انقلاب ایران کے مصنف جناب صلاح الدین لکھتے ہیں:

''آیت اللہ شریعت مدار امام خمینی کے عرصہ جلاوطنی میں قائد تحریک کا کردار کرتے رہے، ۱۹۶۳ء میں جب

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شاہ خمینی کو گرفتار کر کے قید میں ڈالنا چاہتا تھا تو انہوں نے ہی علماء قم سے یہ فتویٰ جاری کرایا کہ وہ ''مرجع'' ہیں اور دستور کے تحت کسی مرجع کو نہ گرفتار کیا جا سکتا ہے، نہ قید میں ڈالا جا سکتا ہے، شاہ بے بس ہو گیا اور خمینی کو جلاوطن کر دیا گیا۔

انقلاب کے بعد بعض پالیسیوں پر اختلاف رائے ابھرا نوبت تصادم تک پہنچی، امام خمینی نے شریعت مداری کی سرکوبی کے لئے پاسداران کی قیادت خود کی، شریعت مدار ذاتی طور پر کوئی تصادم نہ چاہتے تھے ان کے عقیدت مندوں نے بے قابو ہو کر خود ہی احتجاج شروع کر دیا تھا۔ ان پر قابو پانے کے بعد امام خمینی شریعت مداری سے خود ملے معاملہ رفع دفع ہو گیا، لیکن شریعت مدار پس منظر میں دھکیل دیئے گئے۔

آیت اللہ شریعت مدار کو پس منظر میں دھکیل دیا مگر یہ کوئی پائیدار حل نہیں تھا، یہ چنگاری اپنی کا کستر سے اٹھ کر کبھی بھی شعلۂ جوالہ بن سکتی تھی چنانچہ اس خطرے کو مستقل طور پر رفع کرنے کے لئے ''قطب زادہ کیس'' کی نیو رکھی گئی قطب زادہ نے گرفتاری کے بعد اپنے مبینہ اقبالی بیان کہا کہ حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے جو سازش تیار کی گئی تھی اس میں آیت اللہ شریعت مدار بھی شامل تھے۔

ایران کے سیاسی حلقے کسی ایسی سازش کے وجود کو نہیں مانتے ان کا کہنا ہے کہ یہ سیاسی ڈرامہ آیت اللہ شریعت مدار کو راستے سے ہٹانے کے لئے رچایا گیا تھا چونکہ لوگوں کی اکثریت شریعت مدار کی پیروکار ہے اس لئے یہ ڈرامہ رچانے کے باوجود امام شریعت مدار پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکی، البتہ وزیر خارجہ صادق قطب زادہ اس ڈرے کی نذر ہو گئے، ان حلقوں کے مطابق قطب زادہ کی گرفتاری کے بعد امام خمینی نے اپنے بیٹے احمد خمینی کے ہاتھ قطب زادہ کو پیغام بھیجا کہ وہ پولیس کے سامنے سازش میں ملوث ہونے کا اقرار کر لیں، چونکہ مجھے اس الزام کی صحت پر یقین نہیں اور میں انہیں اپنا بیٹا بھی سمجھتا ہوں لہٰذا اقرار جرم کے بعد میں ذاتی طور پر انکی جاں بخشی کر دوں گا، قطب زادہ نے احمد خمینی کی طرف سے جاں بخشی کی یقین دہانی پر اقرار جرم کر لیا اور اسی اقرا جرم کے نتیجے میں انہیں سزائے موت دی گئی اسی طرح یہ واقعہ بھی سننے میں آیا کہ ایک کرد لیڈر کو امام خمینی نے قرآن کے حاشیے پر لکھ بھیجا کہ وہ ان کے نمائندے کے ہمراہ آ کر ان سے مذاکرات کریں تا کہ معاملات کو سلجھایا جا سکے۔ قرآن کے حاشیے پر یہ پیغام لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں اور اس چیز کی ضمانت یہ حلف ہے جو قرآن کے حاشیے پہ لکھا گیا ہے، لیکن جب وہ کرد لیڈر امام خمینی کو خدمت میں پہنچا تو اسے جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔ قطب زادہ کے بیان کو ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اچھالنے کے علاوہ مذہبی حلقوں کی طرف سے شریعت مدار کے خالف کاروائی کے مطالبے بھی کروائے گئے بلکہ قم کے دانشوروں کی برگ سے یہاں تک کہا گیا کہ شریعت مدار سے آیت اللہ کا اعزاز واپس لے لیا جائے اس ملک گیر پروپیگنڈے کے جواب میں امام شریعت مدار نے قوم کے نام ایک مراسلہ جاری کیا مگر ذرائع ابلاغ میں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اسے جگہ نہ مل سکی، اس مراسلے کے اہم نکات یہ ہیں۔

''ان دنوں آقا فخر الدین شیرازی، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے مجھ پر بہت سے اتہامات لگائے جا رہے ہیں حال ہی میں قم کے اساتذہ نے آذربائیجان شرقی و غربی کے بعض نامعلوم طلبہ کی طرف سے ایک ہتک آمیز اشتہار بھی جاری کیا ہے اس اشتہار کو ریڈیو سے بھی نشر کیا گیا۔ ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے۔ جس اشتہار کو اتنی اہمیت سے شائع کیا ہے اس پر ان طلباء کے دستخط تک موجود نہیں جن کے نام سے اسے منسوب کیا گیا ہے۔

اس اشتہار میں اہانت آمیز جملے اور خلاف واقعہ باتیں درج ہیں جبکہ مجھے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات اور عزت و آبرو کے دفاع کا حق بھی نہیں دیا گیا۔

میں نے ٹیلی ویژن کے نمائندگان سے ان کی خواہش پر جو گفتگو کی اور اپنی صفائی میں جو کچھ کہا اسے وعدہ کرنے کے باوجود ٹیلی کاسٹ نہ کیا گیا اور اس گفتگو کے صرف تین جملوں کو ٹیلی گرام کو صورت میں امام خمینی کی خدمت میں بھیج دیا، اس تین لفظی ٹیلی گرام کا میں نے جواب دیا اس جواب کو اخبارات میں چھپنے سے روک دیا گیا یہ عمل قانون مطبوعات کی خلاف ورزی ہے۔ میں نے اس کی نقول احمد خمینی، رئیس جمہوریہ، رئیس شوریٰ اور رئیس وزراء کو ارسال کیں ان کو بھی اخبارات میں چھپنے سے روک دیا گیا۔

مجھ پر الزامات عائد کئے جا رہے ہیں، میرے لئے ان کا دفاع کرنا اور حقائق کو سامنے لانا ممکن نہیں رہا، اس وقت میرا مکان محاصرے میں ہے اور لوگوں کی آمد و رفت ممنوع ہے، اگر نماز جمعہ کے خطبات اور ذرائع ابلاغ میں میرے خلاف پروپیگنڈہ مہم اسی طرح جاری رہی تو لوگوں میں میرے خلاف اشتعال پیدا ہوگا اسی طرح میری اور میرے خاندان کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔

میں قطب زادہ کے پورے بیان کو جھٹلاتا ہوں، اگر حکومت کردار کشی کی اس مہم کو بند کرنے پر آمادہ نہیں تو اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ ہمیں پاسپورٹ دے دے اور جس ملک میں وہ مصلحت جانے، ہم وہاں جانے کیلئے تیار ہیں میرے لیے میرا اللہ کافی اور بہتر وکیل ہے۔

جب تک قطب زادہ کی سزائے موت کے حکم پر عملدرآمد نہیں ہوا شریعت مدار کے خلاف پروپیگنڈہ مہم جاری رہی اور جب قطب زادہ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تو اس کے بعد امام خمینی نے حکم جاری کیا کہ ''ذرائع ابلاغ شریعت مدار کے خلاف پروپیگنڈہ روکیں اور ان کی کردار کشی کی مہم فوری طور پر بند کی جائے''۔ [1]

1۔ انقلاب ایران، سفرنامہ جناب صلاح الدین شہیدؒ مدیر ہفت روزہ تکبیر کراچی

1۔ آتش کدۂ ایران، اختر کاشمیری

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

امام خمینی کے اس حکم میں یہ اعلان بھی شامل تھا کہ شریعت مدار آئندہ بھی اپنے نام کے ساتھ آیت اللہ لکھ سکیں گے اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کی طرح انہیں بھی تمام سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

انہیں اپنے نام کے ساتھ "آیت اللہ" لکھنے کی اجازت ملی یا نہیں اسی طرح انہیں دوسرے مذہبی رہنماؤں کی طرح تمام سہولتوں سے نوازا یا نہیں اتنی بات تو بہر حال ثابت ہے کہ اس حکم کے اجراء تک نہ تو انہیں اپنے نام کے ساتھ اپنا اعزاز لکھنے کا حق تھا اور نہ ہی انہیں وہ سہولتیں میسر تھیں جو تمام مذہبی رہنماؤں کا حق سمجھی جاتی ہیں اگر انہیں یہ تمام چیزیں حاصل ہوتیں تو اب امام خمینی کو نیا حکم جاری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس قسم کے اقدامات اگرچہ انقلاب کی قوت وہیبت کا مظہر سمجھے جاتے ہیں لیکن یہی اقدامات بالآخر انقلاب کا باعث بھی بن جاتے ہیں۔

ہمنشیں کاٹ ہے آہن کی فقط آہن سے [1]

انقلاب کے بعد آئین کی تشکیل

انقلاب کے فوری بعد مذہبی رہنماؤں کی ایک ٹیم آیت اللہ خمینی کی سربراہی میں ایران کا آئین بنانے میں مصروف ہوگئی۔ اس ٹیم کے ایک رکن نے کہا کہ سعودی عرب کے آئین کی بنیاد چونکہ قرآن ہے اس لئے اس کو اپنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ ایران کے آئین کی بنیاد صرف شیعہ اسلام ہوگی۔

کردستان، بلوچستان، خوزستان اور دوسرے سنی علاقوں کے لوگوں کا مطالبہ تھا کہ چونکہ ایرانی انقلاب اسلام کے نام پر لایا گیا ہے اس کے آئین کی بنیاد بھی اسلام ہونی چاہیے۔ خود آیت اللہ خمینی بھی سنی لیڈروں کے ساتھ اپنی ملاقاتوں میں ان کو یقین دلاتے رہے تھے کہ ایسا ہی ہوگا۔

پھر یکایک پتہ چلا کہ ایران کے آئین کی بنیاد اثنا عشری شیعیت پر رکھ دی گئی ہے۔ اس سے ایران کی ایک چوتھائی سنی آبادی میں سخت تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ جو اس مسئلہ پر احتجاج میں پیش پیش تھے حکمرانوں کا شدید نشانہ بنے۔ کیمونسٹ اور انقلاب مخالف کا نام دے کر ان پر اور ان کی عورتوں اور بچوں پر تشدد کیا گیا اور بے پناہ مظالم ڈھائے گئے اور ان کا سفاکانہ قتل عام کیا گیا، اس حد تک کہ کرد علاقوں میں جمعہ کے اجتماعات پر نیپام بم تک گرائے گئے سنیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک دوسرے علاقوں میں بھی کیا گیا اور اب تک کیا جا رہا ہے۔

ایران کے چوٹی کے شیعہ لیڈر آیت اللہ شریعت مدار اور کچھ دوسرے شیعہ لیڈروں نے مطالبہ کیا کہ اس آئین کی منظوری کے لئے ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے لیکن آیت اللہ خمینی نے اس مطالبے کو سختی سے رد کر دیا اور کہا کہ ایسا مطالبہ کرنے والے کردوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف سازش کر رہے ہیں اور ملک کے دشمن ہیں۔

ایران کی مسلم (سنی) آبادی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

رضا شاہ اور شاہ کے دور میں بھی ایران میں سنیوں کو بری طرح دبا کر رکھا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو سنی کہتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔ نہ صرف سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں میں نوکریوں کے دروازے ان پر بند تھے بلکہ تعلیمی درسگاہوں میں بھی ان کو داخلے نہ ملتے تھے۔ وہ علاقے جہاں سنی اکثریت میں تھے جان بوجھ کر پس ماندہ رکھے گئے تھے۔

شیعہ مورخ شیخ محمد حیات کے بقول:

شاہِ ایران کے دور میں اہل سنت حضرات سے نہایت ہی بُرا سلوک کیا جاتا تھا، اور وہ مختلف طریقوں سے مسائل کا شکار تھے، مثلاً:

۱۔ چونکہ ملک میں شیعوں کی اکثریت تھی، اس لئے شاہ اقلیت کو نظر انداز کر کے اکثریت کو سہولیات فراہم کیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے سنیوں کے ساتھ کافی اہانت آمیز رویہ اختیار کیا جاتا تھا۔

۲۔ گذشتہ حکومت میں اہل سنت کو حکومت میں کوئی اہم عہدہ نہیں دیا جاتا تھا۔

۳۔ سنی طلبہ کو زبردستی شیعہ نصاب پڑھایا جاتا تھا بلکہ حکومت سنیوں پر بھی بے جا ظلم ڈھاتی تھی۔

۴۔ انقلاب سے پہلے سنی مدارس کی تعداد بہت کم تھی اور جو مدارس تھے ان کو مذہبی و تبلیغی سرگرمیوں کی اجازت نہیں تھی۔ اب اگر سنی اپنے مذہب کی خاطر آواز بلند کرتے تو ان کو ختم کیا جاتا یا ان کو جیلوں میں ڈال دیا جاتا۔

۵۔ البتہ اہل سنت کے سرمایہ داروں کو مکمل طور پر آزادی تھی۔ چونکہ وہ تجارت اور دولت سے غرض رکھتے تھے اور دین و مذہب کی بات تک نہ کرتے تھے۔ اس لئے ان کو ہر قسم کی آزادی تھی اور ان کو تمام سہولیات بہم پہنچائی جاتی تھیں۔ لیکن سنیوں کا غریب طبقہ نہایت کسمپرسی اور غربت کی زندگی بسر کرتا اور مذہبی لحاظ سے بھی وہ بے چارے ظلم و استبداد کا شکار تھے۔

۶۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سنی طلباء بہت کم داخل ہو پاتے تھے۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ میں کوئی سنی نہیں جا سکتا تھا۔ شاہ کے دور میں سنیوں کے خلاف اس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا کہ اکثر شیعہ سنیوں سے نفرت کرتے تھے۔ 1

شاہ کے دور میں کم و بیش تمام شہری آبادی مغرب زدہ تھی اور اس کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہ تھا لیکن شیعیت کے معاملے میں وہ بھی بہت انتہائی متعصب تھے۔ ان کے دلوں میں سب مذہبوں کیلئے برداشت کی قوت تھی سوائے سنیوں کے جنہیں وہ مسلمان بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اکثر ایرانی پاکستانیوں سے سب سے پہلا یہی سوال کرتے تھے کہ آیا مسلمان ہیں یا سنی۔ مسلمان کہنے پر وہ صحابہ کرامؓ کو گالیاں دینے کو کہتے تھے۔

ایران کے ایک مشہور سکالر شیخ مصطفیٰ راہنما نے جو آزاد مسلم تنظیم کے بانی اور ایک اہم کتاب (World

---

1۔ تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران۔ ص ۵۲۴

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

(Muslims) کے مصنف ہیں جنوری 1979 کو اپنے ایک بیان میں کہا کہ ایران میں شیعوں کی تعداد 27 ملین ہے جب کہ سنیوں کی آبادی 9 ملین ہے۔ سنی زیادہ تر کردستان، بلوچستان، تالش، کرمانشاہ کے کچھ حصوں میں اور خوزستان، خراسان، فارس اور جنوب مغربی آذربائیجان میں آباد ہیں۔

یہ حیران کن بات ہے کہ تہران میں لاکھوں سنی آباد ہیں لیکن ان کی ایک مسجد بھی نہیں ہے جہاں وہ آزادی سے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ سکیں حالانکہ درجنوں گرجا گھر، آتش کدے، یہودی صومعے، ہندو مندر اور سکھ گردوارے بھی موجود ہیں۔

شاہ کی سخت گیر پالیسیوں کے پس منظر میں اور آیت اللہ خمینی کی اس یقین دہانی کے باعث کہ انقلابی تحریک اسلامی ہے اور اس کی کامیابی کے بعد اہل سنت کو بلا امتیاز برابری کی بنیاد پر سماجی اور مذہبی حقوق دیئے جائیں گے، سنیوں نے شاہ کے خلاف انقلاب میں بھرپور حصہ لیا لیکن شاہ کا تختہ الٹتے ہی خمینی کی طرف سے عہد شکنی، دغابازی اور دوغلے پن کا عملی مظاہرہ شروع ہو گیا۔

دنیا کو دھوکا دینے کیلئے ایک آزاد خیال شخص (بازرگان) کو وزیر اعظم بنا دیا گیا جب کہ پس پردہ شیعہ علماء ایران کا آئین مرتب کرنے میں لگ گئے۔ اس دوران آیت اللہ خمینی سنی رہنماؤں کو بار بار یقین دلاتے رہے کہ ایران کا آئین اسلامی ہوگا اور سنیوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جائیگا۔ لیکن اچانک ایک اعلان کے ذریعے شیعیت کو سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا اور سنیوں کو بہ یک قلم تمام جائز حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ آئین کے تحت ان کو یہودی، عیسائی، پارسی، آرمینی اقلیتوں جیسے علیحدہ حقوق بھی نہ دیئے گئے۔ ایرانی مجلس میں ان کے لئے نشستیں مخصوص کر دی گئیں لیکن سنیوں کو اس حق سے محروم رکھا گیا۔ اگر کوئی سنی اپنے علاقے میں مجلس کا امیدوار بننے کی کوشش بھی کرتا ہے تو اسے قتل کروا دیا جاتا ہے یا اس کے انتخاب میں دھاندلی کی جاتی ہے۔

ایران میں شیعیت کو سرکاری مذہب بنانے اور سنیوں کے ساتھ کی گئی بے انصافی اور زیادتی کے خلاف سنی اکثریتی صوبوں میں آواز اٹھائی گئی لیکن شنوائی اور دادرسی کی بجائے طاقت کا طاغوتی طریق کار اپنایا گیا۔ اور سنی آبادیوں کو سنگین ظلم وستم کا نشانہ بنا کر ان کی آواز کو بے دردی سے دبا دیا گیا۔

شیعہ حکومت کا پہلا ہدف سنی اکثریتی صوبہ کردستان با جہاں ان پر کمیونسٹ اور ضد انقلاب دشمن ہونے کا الزام لگا کر کرد آبادیوں پر نیپام بم برسائے گئے اور ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور لاتعداد عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ کردوں پر الزام بھی لگایا گیا کہ ترک تنظیمیں امریکی سی۔ آئی۔ اے سے مل کر کردستان میں سازش کر رہی ہیں۔

سنی صوبہ بلوچستان کی آبادی کو بھی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دہشت گردی اور بربریت کا نشانہ بنایا گیا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان کو انقلاب مخالف کہا گیا۔ یہ اعلان بھی کیا گیا کہ ایران کے دشمنوں نے مشرق میں آزاد بلوچستان کے لئے منصوبہ بندی کی ہے اور اس منصوبہ کا سربراہ جنرل اسمٰعیل استروم پاکستان میں پناہ گزین ہے۔

شیعہ انقلاب کے بعد ایران کی پہلی مجلس میں دو بلوچی سنی رہنما علامہ عبدالعزیز ملا زادہ اور علامہ احمد مفتی زادہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے سنی مسلمانوں پر ظلم وجبر کے خلاف اور ایرانی آئین پر اسلام کی بجائے شیعیت کی چھاپ لگانے کے خلاف مجلس میں پرزور آواز اٹھائی۔ لیکن ان کی ہو کوشش بے سود رہی اور ہر تجویز سختی سے ٹھکرا دی گئی۔ علامہ عبدالعزیز نہایت بددل ہو کر مجلس کی رکنیت سے دستبردار ہو گئے اور چپ سادھ لی اور علامہ مفتی زادہ کو نظر بند کر دیا گیا جہاں وہ گزشتہ کئی سالوں سے قید وبند کی صعوبتوں سے گزر کر جاں بلب ہیں۔

علامہ عبدالعزیز کے بیٹے حافظ علی اکبر ملا زادہ کا ایک مضمون کچھ عرصہ پہلے لندن کی ایک پندرہ روزہ جریدے میں چھپا تھا اس میں انہوں نے ایران کے سنی مسلمانوں کی حالت زار نہایت دردناک لفظوں میں بیان کی ہے۔ انہوں نے لکھا کہ تہران کے موجودہ شیعہ حکمران سنی مردوں کا قتل عام کرنے انہیں جبراً شیعہ مذہب اختیار کرنے اور سنی نوجوانوں کو نقل وطن کرنے پر مجبور کرنے کے ایک سہ جہتی دس سالہ منصوبہ پر عمل پیرا ہیں اور اندیشہ ہے کہ اس طرح اپنے مردوں اور نوجوانوں سے محروم ہو کر لاوارث بیوہ عورتیں اور یتیم بچے عملی طور پر شیعہ حکومت کے رحم وکرم پر ہوں گے۔ ایران کی شیعہ حکومت میں آج ریاست یا انتظامیہ کا کوئی عہدہ دار سنی نہیں ملے گا حد تو یہ ہے کہ سنی علاقوں میں متعین قاضی، جج اور سکولوں وغیرہ میں استاد بھی سارے شیعہ ہیں۔

حافظ علی اکبر لکھتے ہیں کہ ایران میں تمام ذرائع ابلاغ شیعہ عقائد اور نظریات کے پرچار کی پالیسی اپنا کر اہل سنت اور اسلام کے خلاف ایک مسلسل مہم جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسلامی اقدار وشعائر اور اسلاف کو تضحیک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ سنی طلباء کو یونیورسٹی سطح پر حصول تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے زاہدان یونیورسٹی میں دو ہزار طلباء میں سے صرف ۹ سنی طلباء کو داخلہ دیا گیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ کاروبار، زراعت اور صنعت کی سکیموں میں امداد کیلئے بنک کے قرضے، لائسنس اور دیگر مراعات اور سہولتیں صرف شیعہ کے لئے مختص ہیں۔ خواہ ان سکیموں کا تعلق سنی علاقوں سے ہی کیوں نہ ہو۔

حافظ علی اکبر لکھتے ہیں کہ بدقسمتی سے ان کا واسطہ ایک ایسی قیادت سے آن پڑا ہے جس کا ایمان ہی حقیت حال کو چھپانا اور جھوٹ بولنا ہے۔ اور تقیہ سے کام لینا ان کے لئے عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

ایران میں سنیوں کی ایک اور جماعت "سازمان مجاہدین اہل سنت" نے اقوام متحدہ، رابطہ عالم اسلامی اور موتمر عالم اسلامی کو اپنے خطوط کے ذریعے ایران میں سنیوں کے ساتھ ہونے والے سفاکانہ سلوک اور ان کے قتل عام پر ان کی توجہ مبذول کروائی ہے۔ صحیح حالت جاننے لے لئے اپنے وفود ایران بھیجنے لے لئے درخواست کی ہے۔ اس خط کی نقل پشاور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے ایک انگریزی روزنامہ فرنیٹر پوسٹ مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۹۶ء میں شائع ہو چکی ہے انہوں نے اپنے خط میں ایران کی متعصب شیعہ حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔جن کے تحت وہ مختلف طریقوں سے سنی اکثریت کے علاقے شیعہ اکثریت میں تبدیل کر رہے ہیں۔

یہ جماعت اپنے خط میں لکھتی ہے کہ ایران میں سنی اپنے بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں گو سنی سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ایرانی آبادی کا چوتھا حصہ ہیں۔لیکن غیر سرکاری طور پر ۴۰ فیصد ہیں۔ایرانی حکومت نے جو کہ انتہائی متعصب شیعوں پر مشتمل ہے، ۱۹۷۹ء سے اب تک سنیوں پر ظلم وستم روا رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔بلوچستان میں جہاں ۹۹ فیصد سنی آباد ہیں اب تک ہزاروں لوگ یا تو تختہ دار پر لٹکائے جا چکے ہیں یا گولیوں سے بھونے جا چکے ہیں۔ان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ انقلاب مخالف ہیں، کیمونسٹ ہیں، ہیروئن کا کاروبار کرتے ہیں وہابی ہیں یا خارجی جاسوس ہیں۔

اس جماعت نے انتہائی افسوس کا اظہار کیا ہے کہ اقوام متحدہ، بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیمیں یا کوئی اسلامی ادارہ ان کی اس حالت زار پر کوئی توجہ نہیں دے رہا جس سے ایرانی حکومت کی اپنی سنی آبادی پر ظلم ڈھانے میں مزید حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔

اس کے برعکس ایران کے ذرائع ابلاغ پاکستانی حکومت کو اکثر انتباہ کرتے رہتے ہیں کہ اگر اس ملک میں تمام عقیدے کے لوگوں کو ان کے مذہبی معاملات میں آزادی نہ دی گئی اور شیعہ مخالف جماعت سپاہ صحابہ پر پابندی نہ لگائی گئی تو پاکستان میں نہ صرف خانہ جنگی ہو سکتی ہے بلکہ اس کے وجود کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

حد تو یہ کہ ایران اپنی ۴۰ فیصد سنی آبادی کو اپنی طاقت کے بل بوتے پر انتہائی ظلم وستم کا نشانہ بنا رہا ہے جبکہ پاکستان نہ صرف خاموش تماشائی بنا ہوا ہے بلکہ اپنی معذرت خواہانہ پالیسی کے سبب سے ایک طرح سے گویا اس کی معاونت کر رہا ہے اور دوسری طرف پاکستان کی شیعہ اقلیت جو ڈھائی فیصد سے زیادہ نہیں، شہ پا کر اس ملک میں شیعہ انقلاب لانے کی باتیں کر رہی ہے۔[1]

’’امام خمینی‘‘ کی برسی کے مناظر

جناب حقانی اپنے ایک کالم میں ۲۰۰۰ء کے مشاہدات ایران کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

1۔ ’’ایران افکار وعزائم‘‘ سے اقتباسات

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

''تقریروں کے دوران جب بھی امام خمینی کا نام آتا، تین دفعہ صلّ علیٰ محمد کا ورد کیا جاتا، یہ ایک مستقل معمول تھا اور جب بھی راہبر خامنہ ای کا نام آتا تو ایک دفعہ بھی درود پڑھا جاتا۔ اس عظیم الشان پنڈال میں صدر خاتمی کی ایک بھی تصویر یا پوسٹر آویزاں نہیں تھا جبکہ امام خمینی اور راہبر کی بے شمار تصاویر پورے پنڈال میں آویزاں تھیں۔ ایک پوسٹر جو بہت کثرت سے لگایا گیا تھا اور بہت نمایاں تھا اس پر تین تصویریں تھیں۔ سب سے اوپر امام خمینی، ان سے ذرا نیچے علی خامنہ ای اور سب سے نیچے احمد خمینی مرحوم (امام خمینی کے صاحبزادے جو کچھ عرصہ پہلے دل کی تکلیف سے انتقال کر گئے تھے)۔ اس بڑے اور نمایاں پوسٹر پر پیشانی کے دائیں اور بائیں کونوں میں یہ عبارت تحریر تھی:

السلام علیک یا ابا عبداللہ

السلام علیک یا روح اللہ

واضح رہے کہ ابا عبداللہ حضرت امام حسینؓ کی کنیت ہے اور روح اللہ سے مراد امام خمینی ہیں۔ اس پوسٹر پر نہایت جلی الفاظ میں ذیل کی عبارت بھی درج تھی:

''ہویت حقیقی نظامِ اسلامی وابستہ بہ نام و شخصیت امام خمینی است''۔

اس تحریر کا مطلب یہ ہے: ''نظامِ اسلامی کی حقیقی شکل صرف وہی ہوگی جو امام خمینی کے نام اور شخصیت سے منسوب ہوگی''۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ نظامِ اسلامی کی تشریح اور اس کے خدوخال کے تعین کے مجاز صرف امام خمینی ہیں اور اب ان کی تحریریں ہی صحیح اسلامی نظام کی تشریح کر سکتی ہیں۔ ممکن ہے امام خمینی کے پیروکاروں کو اس دعوے میں کوئی بات غیر معمولی محسوس نہ ہوتی ہو لیکن یہ اتنا بڑا دعویٰ ہے جس کو تسلیم کرنا بہت سے ایرانیوں کے لیے بھی اب ناممکن ہو رہا ہے۔[1]

انقلابِ ایران کے چند اور عجائبات

جناب نذیر احمد لکھتے ہیں:

عید غدیر کے بعد ایرانی شیعوں کا دوسرا بڑا تہوار زرتشتیوں کی عید یعنی سال شمسی کا پہلا دن نوروز ہے۔ یاد رہے کہ شاہ کے زمانے میں شیعہ علماء اس دن کو جشن منانا غیر اسلامی تصور کرتے تھے لیکن اب شیعہ حکومت اس کو سرکاری طور پر منانے میں پیش پیش ہے، کچھ ایرانی شیعہ لوگ آتش پرستوں کی طرح نوروز کے موقع پر آگ پر سے بھی گزرتے ہیں۔

1۔ کالم بعنوان ''امام خمینی کی برسی کے مناظر'' ۱۴؍جون ۲۰۰۰ء۔ روزنامہ جنگ

2۔ ایران۔ افکار و عزائم۔ ص ۴۳

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایران میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی چنداں کوئی اہمیت نہیں ہے۔

شیعہ ایران میں نماز باجماعت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بعض مساجد جو فنِ تعمیر کا نمونہ سمجھی جاتی ہیں، اکثر مقفل رہتی ہیں اور صرف کسی ملک کے سربراہ کو دکھانے کے لئے ہی کھلتی ہیں۔ ایرانی کہتے ہیں کہ جب تک ان کے امام مہدی ظاہر نہیں ہوجاتے باجماعت نماز نہیں ہوسکتی۔

ایرانی شیعہ رہنما گو خود کو مسلمان کہتے نہیں تھکتے لیکن اپنے آئین میں انہوں نے اپنا سرکاری مذہب اسلام کی بجائے جعفری اثنا عشری قرار دیا ہے۔ ایران کے سرکاری حلقے اور ذرائع ابلاغ بار بار دہراتے ہیں کہ یہی سچا اسلام ہے۔ [2]

جو مسلمان صحابہ کرام کی دینی خدمات کی بناء پر ان کی عزت واحترام پر زور دیتے ہیں اور شیعوں کے بعض غلط عقیدوں کی نشان دہی کرتے ہیں، ایرانی حکومت اور شیعہ علماء ان کو سعودی عرب کے پروردہ ''وہابی'' کا نام دیتے ہیں اور ان کو ایرانی انقلاب اور شیعوں کا دشمن قرار دیتے ہیں۔

ایران میں ۱۹۹۰ء میں ایک بین الاقوامی اہل بیت کانفرنس منعقد کی گئی جس میں پاکستان سمیت دنیا بھر سے شیعہ لیڈروں نے شرکت کی اور اس کے فیصلہ کے مطابق ایک بین الاقوامی اہل بیت کونسل قائم کی گئی جس کا صدر دفتر تہران میں ہے اور ذیلی دفاتر بہت سے دیگر ملکوں میں ہیں اور آیت اللہ خامنہ ای اس کونسل کے نگران اعلیٰ ہیں۔ اس کا مقصد دنیا میں ''شیعہ کے خلاف وہابیوں کے زہریلے پروپیگنڈے'' کو ختم کرنا ہے۔ آیت اللہ جنتی (جو کونسل کے صدر ہیں) نے کہا ''وہابی اپنی مالی طاقت کے بل بوتے پر ''امریکی اسلام'' کو سچا اسلام ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں لہٰذا ہمیں مل کر ان کی سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے''۔

ایک ایرانی اخبار نے لکھا کہ پاکستان، افغانستان اور کچھ افریقی ملکوں سے آمدہ اطلاعات کے مطابق سعودی عرب کے پٹھو وہابیوں نے ایرانی مسلمانوں سے مقابلہ تیز تر کردیا ہے۔ اس سے پہلے یہ طبقہ اسرائیل کے اثرات زائل کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہابیوں کی نظر میں شیعہ یہودیوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں۔ [1]

انقلاب کے لئے دوسری قوتوں کی رہنمائی

آیت اللہ خمینی اور آیت اللہ منتظری نے انقلابِ ایران کی برآمد کیلئے جو طریقے اختیار کئے ان میں سے ایک طریقہ دبی ہوئی اور غلام قوموں کی راہنمائی تھی۔ انہوں نے مختلف موقعوں پر ان کو مخاطب کیا اور پیغام بھیجے تاکہ وہ اپنے ملکوں میں انقلاب کے لئے جوش وجذبے سے سرشار ہوسکیں اور اسلام کے لئے جنگ لڑسکیں۔

انہوں نے کہا: ''اے دنیا کے مسلمانو! اسلام کو بچانے کے لئے جلدی کرو۔ دنیا کی بڑی طاقتیں اسلامی ملکوں اور ان کے حکمرانوں کو زیر کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہی ہیں اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوچکی ہیں۔ تم ان ظالموں

1۔ ایران۔ افکار وعزائم۔ ص ۴۵

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے بدلہ لینے کیلئے اٹھو۔ ایران اسلامی ملکوں کے لوگوں کا بھائی ہے لیکن تمہارے حکمران امریکہ کے ایجنٹ ہیں۔ اسلام کی فتح کا راز شہادت میں ہے۔ خمینی نے ایرانی انقلاب کی فتح کے لئے یہی ہتھیار استعمال کیا۔ ہم سچے دل سے تیار ہیں کہ تمہارے انقلاب کے حصول کیلئے ہم اپنے تجربات پیش کریں"۔

ایران کے موجودہ حکمران، آیت اللہ خمینی کی سوچ اور پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں کوشاں ہیں اور ٹھوس اقدام اٹھا رہے ہیں۔ ایرانی لیڈر اور ذرائع ابلاغ متواتر اعلان کر رہے ہیں کہ دوسرے ملکوں میں تمام اسلامی تحریکوں کا سرچشمہ ایران ہے۔

آیت اللہ خامنہ ای اور دوسرے ایرانی لیڈر مختلف موقعوں پر اپنی تقریروں میں مندرجہ ذیل نکات پر زور دیتے رہے ہیں۔

۱۔ دنیا میں مظلوم لوگوں کے لئے انقلاب ایران ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ آج دنیا کے مسلمانوں کی نظریں ایران پر لگی ہوئی ہیں اور اسلامی ایران ان کی آخری اُمید ہے۔

۳۔ خمینی کا ایمان تھا کہ خدا نے ایران کو ان اسلامی ملکوں کو انقلاب کی برآمد کی ذمہ داری سونپی ہے جو اسلام کے معاملے میں مخلص نہیں۔ یہ یا تو مغرب زدہ ہیں یا رشوت خور اور ظالم۔

۴۔ الجیریا کے واقعات سے جو ایرانی انقلاب کی کامیابی کے زیر اثر ظہور پذیر ہوئے، شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو تقویت ملی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ واقعات اب الجیریا تک محدود نہیں رہیں گے۔

۵۔ دنیائے اسلام میں مسلمانوں کی بیداری اور اُبھرتی ہوئی سوچ ایران کے اسلامی انقلاب کا نتیجہ ہے۔ اب مسلمان اس قابل ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے ملکوں میں ایران جیسا انقلاب لاسکیں۔

۶۔ ہمیں اپنے انقلاب کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر کرنی چاہئیں تا کہ دوسرے ملکوں میں انقلاب کی راہیں زیادہ ہموار ہو سکیں۔

۷۔ اسلامی انقلاب کی شعاعوں نے جو ایران سے اٹھ رہی ہیں، تمام دنیائے اسلام میں روشنی پھیلا دی ہے۔

۸۔ دوسرے ملکوں میں اس وقت اسلام کے حق میں جو شورشیں اٹھ رہی ہیں ان کے اور ایران کے اسلامی انقلاب کے درمیان ایک روحانی رشتہ ہے۔ ایران ایک ایسی زندہ مثال پیش کر رہا ہے جس کی پیروی سے دوسرے ملکوں میں صحیح اسلامی (شیعہ) حکومتوں کا قیام ممکن ہو گیا ہے۔

۹۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صحیح اسلام (شیعیت) اب ایران کی حدود سے باہر پہنچ چکا ہے گو اسے بغیر کسی طاقت کے استعمال کے برآمد کیا گیا ہے۔ دنیائے اسلام میں تمام مذہبی شورشیں ہمارے انقلاب کا نتیجہ ہیں۔

۱۰۔ انقلاب کو ایرانی حدود میں محصور کرنے کی امریکی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور اب اس کا پیغام دوسرے ملکوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں بھی پہنچ چکا ہے۔افریقہ اور دوسرے ملکوں میں اسلامی بیداری اس کا ثبوت ہے۔

۱۱۔ ایران نے دوسرے ملکوں میں بڑھتی ہوئی اسلامی جدوجہد کی حمایت کا تہیہ کر رکھا ہے۔ دنیا کے دوسرے مسلمانوں کو ایران اور اسلام سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

۱۲۔ ایران کی خارجہ پالیسی کا ایک بڑا مقصد دوسرے ملکوں خصوصاً افریقہ کے مسلمانوں کا ایمان مضبوط کرتا ہے۔ ایران کے اسلامی پروپیگنڈا کی تنظیم اس مقصد کیلئے پہلے ہی 38000 علماء مختلف جگہوں پر بھیج چکی ہے اور ایک بلین ریال سے زیادہ خرچ پر کتابیں وغیرہ چھاپ کر دوسرے ملکوں میں تقسیم کی جاچکی ہیں۔

ایران کی مخالف پارٹی کے ایک رہنما ڈاکٹر زاہدی نے ریڈیو قاہرہ کو بتایا کہ رفسنجانی کی الیکشن میں فتح سے ایران کی دہشت گردی اور جارحانہ پالیسیوں میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ انہوں نے OIC اور اسلامی ملکوں کو ایران سے تعاون نہ کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ ایرانی حکومت جھوٹے نعروں کی آڑ میں چھپ کر مذہب کی تجارت کرتی ہے۔ انہوں نے خلیج کی عرب ریاستوں اور دوسرے پڑوسی ملکوں کو خبردار کیا کہ وہ ایران کے ساتھ اپنے کاروبار اور لین دین میں محتاط رہیں۔

ریاست ہائے متحدہ اسلامی

آیت اللہ خمینی کی خواہش کے مطابق ایران کا منصوبہ ہے کہ وہ اسلامی ملکوں پر مشتمل ایک وسیع خطہ اپنے زیر اثر لائے جس میں خلیج، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے عرب ممالک، افغانستان، پاکستان اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں شامل ہوں گی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایران کا وضع کردہ طریقہ کار یہ ہے کہ ان ملکوں میں کسی طرح یا تو شیعہ انقلاب لائے جائیں یا ایران نواز حکومتیں برسرِ اقتدار لائی جائیں۔

مصری ذرائع ابلاغ کے مطابق ایران اس پروگرام پر بھرپور عمل کر رہا ہے، اور اس سلسلے میں کروڑوں ڈالر خرچ کئے جارہے ہیں۔ ایران کی کچھ سرکاری تنظیمیں، سیاسی نمائندے اور لبنان میں حزب اللہ کے کارکن اس مہم میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ نمائندے ان تمام ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے رابطے ایسے نوجوانوں خصوصاً شیعہ نوجوانوں سے ہیں جو یا تو بے کار ہیں یا کسی وجہ سے اپنی حکومتوں سے بیزار ہیں اور یا شیعہ تنظیموں کے سرگرم کارکن ہیں۔ ایسے نوجوانوں کو ایرانی اور بوسینائی لڑکیوں سے شادی کی ترغیب اور مالی پیشکش کی جاتی ہے اور تخریب کاری کی تربیت کے لئے ایران لایا جاتا ہے جہاں اس مقصد کے لئے درجنوں تربیتی مراکز کام کر رہے ہیں۔

ان مرکزوں میں نوجوانوں کے دماغوں میں بٹھایا جاتا ہے کہ ان کے حکمران غیر اسلامی ہیں، مغرب کے غلام ہیں یا امریکی اسلام کے پیرو ہیں۔ تربیت کاروں کے مطابق پروگرام کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل مرکزی جگہوں، چوراہوں اور پُرہجوم بازاروں میں بموں کے دھماکے کرنا جس سے لوگ بددل ہوں اور یہ ثابت ہو کہ اس ملک میں استحکام

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور پائیداری نام کی کوئی چیز نہیں اور امن کا فقدان ہے۔ دوسری منزل، ان پولیس والوں، وکیلوں اور ججوں وغیرہ کا قتل ہے جو تخریب کاروں یا ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے یا ان کے خلاف وکالت کرتے اور یا ان کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں۔ تیسری منزل حکومت کا تختہ الٹنا اور شیعہ حکومت یا ایران نواز لوگوں کو برسرِ اقتدار لانا ہے۔

اسکندریہ میں چند گرفتار شدہ مصری تخریب کاروں نے اعتراف کیا کہ انہوں نے ایران کے شہر مشہد میں تربیت حاصل کی۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں تقریباً ۱۵۰۰ نوجوان زیر تربیت تھے جن کا تعلق مصر، الجزائر، تیونس، سعودی عرب اور پاکستان سے تھا۔

لندن کے ایک عربی اخبار المجلہ کے مطابق ایران نے فروری 1980ء میں دنیا بھر سے انقلابیوں کی (جن میں پاکستانی شیعوں کے نمائندے بھی شامل تھے) ایک کانفرنس منعقد کی۔ اس وقت سے لے کر اب تک اسلامی ملکوں میں انقلابی تحریکوں کی مدد پر ۱۴ بلین ڈالر خرچ کئے جا چکے ہیں۔ ایرانی حکومت نے صرف 1990ء میں لبنان، پاکستان، افغانستان اور کئی دوسرے عرب ملکوں میں شیعہ تنظیموں اور دوسری انقلابی تحریکوں کی مدد کے لئے ۱۲۰ ملین ڈالر مختص کئے۔ اخبار کے مطابق اسلامی ملکوں کی بڑی بڑی پارٹیاں جن میں لبنان میں حزب اللہ، عراق میں اسلامی انقلاب کی سپریم کونسل، پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ، افغانستان میں وحدت پارٹی، سوڈان میں ، (NIF) مصر میں الجہاد اور الجزائر میں (ISF) اسلامک سالویشن فرنٹ شامل ہیں۔

ایران نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جنوبی لبنان میں 6 ریڈیو سٹیشن بھی قائم کئے ہیں جو 1993ء سے کام کر رہے ہیں (۱) ریڈیو گرین (۲) صدائے امن (۳) ریڈیو قرآن (۴) صدائے اسلام (۵) دعوت ایمان اور (۶) صدائے العصر۔ ایران کا پروگرام پورٹ سوڈان میں بھی ایک ریڈیو سٹیشن قائم کرنا ہے جس کا نام صدائے انقلاب اسلامی ہوگا۔

ایران اس خطہ کے ملکوں میں نمایاں مقام اور برتری حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو بہترین اسلحے سے بھی لیس کر رہا ہے۔ اسلحہ سازی کے چند کارخانے جو شاہ کے زمانے میں انگلینڈ اور امریکہ کے تعاون سے قائم ہوئے تھے، ان کی وسعت اور پیداوار میں اب کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ انقلاب کے بعد اسلحہ سازی کے مزید کارخانے شمالی کوریا، چین، آسٹریا، جارجیا اور یوکرائن کے تعاون سے قائم ہو چکے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں ایرانی انقلابی کارکن ان کارخانوں میں دن رات خاموشی سے کام کر رہے ہیں۔

خبروں کے مطابق ایرانی اسلحہ سازی میں بہت آگے نکل چکے ہیں، اور اب ایسا جدید ترین اسلحہ بنایا جا رہا ہے جو اس خطہ میں کسی ملک کے پاس نہیں ہے۔ ایرانی وزراء دوستی کی آڑ میں دوسرے اسلامی ملکوں کا دورہ کر کے ان کی اسلحہ

1۔ ایران۔ افکار و عزائم۔ ص ۳۷ تا ۴۰

2۔ نوائے وقت راولپنڈی ۵ رجون ۱۹۸۹ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سازی کی صلاحیت کا اندازہ بھی لگا رہے ہیں تا کہ اس شعبہ میں ان سے کسی طرح پیچھے نہ رہیں۔ اب ایٹمی اسلحہ حاصل کرنے کے لئے بھی سرتوڑ کوششیں ہو رہی ہیں۔[1]

آیت اللہ خمینی کی موت

ایرانی انقلاب کے بانی آیت اللہ خمینی ۳ جون ۱۹۸۹ء کو اس دار فانی سے اس جہاں میں کوچ کر گئے۔ خمینی کی مرض الموت اور موت کے متعلق ملکی روزناموں اور شیعہ جرائد میں تفصیلات شائع ہوئیں ان کے اہم اقتباسات حسب ذیل ہیں:

۱...... اسلامی جمہوریہ ایران اور دنیا بھر کے شیعہ مسلمانوں کے روحانی پیشوا آیت اللہ روح اللہ خمینی گزشتہ رات انتقال کر گئے۔ وہ کافی دنوں سے علیل تھے۔ ریڈیو تہران کے مطابق ان کی وفات کا ابتدائی اعلان ان کے صاحبزادے احمد خمینی نے کیا۔ ۸۸ سالہ آیت اللہ خمینی کی حالت ۲۳ رمئی کے آپریشن کے بعد بگڑنا شروع ہوگئی تھی کیونکہ خون بند نہیں ہو رہا تھا۔ احمد خمینی کے مطابق آیت اللہ خمینی کی میت ہسپتال سے تہران کے نواح میں واقع ان کے آبائی قصبہ جمران لے جائی گئی جہاں تدفین کی رسومات ادا ہوئیں۔[1]

۲...... واضح رہے کہ گیارہ روز قبل امام خمینی کی انتڑیوں کے جریان خون کا آپریشن کیا گیا تھا حالانکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ زیادہ عمر کے باعث آپریشن میں پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ پانچ روز قبل ان کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ انہیں دل کا معمولی مسئلہ درپیش ہے لیکن ان کے ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ ان کی صحت بہتر ہو رہی ہے اور وہ بہت جلد مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے۔ ایرانی عوام سے ہفتہ کی رات کہا گیا تھا کہ وہ آپریشن کے بعد سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کے باعث امام خمینی کی صحت یابی کے لئے دعا کریں۔

ایران میں پانچ دن کے لئے کاروبار زندگی معطل کر دیا گیا ہے اور مذہبی رہنما کے لیے ملک میں چالیس دن کے سوگ کا اعلان ہے۔

۳...... ایران کے مذہبی پیشوا...... خمینی ہفتہ کی شب انتقال کر گئے اس کا اعلان آج صبح ساڑھے سات بجے سرکاری طور پر کیا گیا۔ وہ کافی عرصے سے معدے کی تکلیف میں مبتلا تھے جس کے باعث ان کو خون آنے لگا تھا۔ جریان خون کو روکنے کے لئے ان کا ۲۳ مئی کو آپریشن بھی کیا گیا لیکن ان کی حالت سنبھل نہ سکی۔ الخ[1]

۴...... آقائے خمینی کے انتقال پر پاکستان میں دس روز تک سوگ منانے کا اعلان ملک بھر میں تمام سرکاری عمارتوں پر اور بیرون ملک پاکستانی سفارت خانوں پر قومی پرچم سرنگوں رہے گا۔[2]

۵...... ایران کے مرحوم روحانی پیشوا آیت اللہ روح اللہ خمینی کی صاحبزادی زہراء مصطفوی نے بتایا ہے کہ ۲۳ جون

1۔ نوائے وقت لاہور ۵ جون ۱۹۸۹ء

2۔ مرکز اسلام آباد ۵ جون ۱۹۸۹ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے آپریشن کے بعد آیت اللہ خمینی کو یکے بعد دیگر پانچ دورے پڑے۔ آیت اللہ خمینی کی صاحبزادی نے تہران میں واشنگٹن پوسٹ اور جاپان کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے تصدیق کی کہ آیت اللہ خمینی نے اپنے گھر کے پاس ایک چھوٹے سے کلینک میں وفات پائی۔ انہوں نے بتایا کہ امام خمینی چاہتے تھے کہ ان کی زندگی میں ان کی اولاد میں سے کوئی سرکاری عہدہ حاصل نہ کرے۔

اخبار کا کہنا ہے کہ زہراء مصطفوی نے وزارت خارجہ کے ایک عہدیدار کی موجودگی میں غیر ملکی صحافیوں کے سوالوں کے جواب دیے۔ زہراء نے بتایا کہ جن دنوں جانشینی کا معاملہ زیر بحث تھا آیت اللہ خمینی نے دوپہر کے کھانے کے وقت بے بسی سے کہا کہ میں تو ایک چمچہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ خاتون کے بیان کے مطابق ۱۸ مئی کو امام خمینی نے ڈاکٹر کو بتایا کہ انہیں معدے کی تکلیف ہے جن پر ٹیسٹ شروع ہو گئے اور پتہ چلا کہ آیت اللہ خمینی کو معدے کا سرطان ہے۔ چنانچہ سرجری ضروری ہو گئی۔ زہرا نے بتایا کہ آپریشن کے لیے اپنا چھوٹا سا گھر چھوڑنے سے پہلے انہوں نے اپنی اہلیہ خدیجہ کو بتایا کہ میں آپریشن کے لیے جا رہا ہوں اور کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ واشنگٹن کی رپورٹ کے مطابق زہراء کو یقین کے ساتھ معلوم نہیں تھا کہ آپریشن کامیاب رہا لیکن بعد کے دنوں میں جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ دل کی کمزوری ان کی صحت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ ان کو دس دنوں کے اندر دل کے پانچ دورے پڑے اور تین بجے سہ پہر کو دل کا آخری دورہ پڑا۔ زہراء کے بیان کے مطابق ان کے والد کی زندگی چار بجے شام ختم ہو گئی تھی لیکن ڈاکٹروں نے مصنوعی ذرائع سے انہیں رات گئے تک زندہ رکھا اور خمینی کے دل کو سہارا دینے کے لئے سر شام ایک اور آپریشن کیا گیا اور بقول زہراء ایک نالی گردہ سے دل کی شریانوں تک پہنچائی گئی۔ اس وقت تک میری والدہ کو سرطان کا پتہ نہیں تھا اور وہ مزید آپریشن کی مخالفت کر رہی تھیں۔ اس آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے یہ کہہ کر آیت اللہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی کہ نماز کا وقت ہے جس پر آیت اللہ خمینی نے ہاتھوں کو جنبش دی اور یوں محسوس ہوا جیسے وہ نماز پڑھ رہے ہوں۔ اور اسی حالت میں وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ [1]

جانشینِ خمینی

صدر خامنہ ای کو امام خمینی کا جانشین مقرر کر لیا گیا۔ انتخاب ایران کی ۲۲۰ رکنی مجلس خبرگان کے اجلاس میں عمل میں آیا۔ خامنہ ای امام خمینی کے دست راست رہے ہیں۔ ان پر مسجد ابوذر میں قاتلانہ حملہ ہوا تھا، خامنہ ای ۱۳۱۸ھ (۱۹۳۹ء) میں خراساں کے دارالخلافہ مشہد مقدس کے ایک دینی اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے قم کے دینی مدارس میں بھی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں آپ نجف اشرف عراق گئے کچھ عرصہ بعد واپس آئے۔ ۵۸ء میں آپ نے آیت اللہ ہردجردی، امام خمینی، آیت اللہ حائری اور آیت اللہ مسپلانی سے کسب فیض کیا۔ کچھ

1۔ ہفت روزہ شیعہ لاہور ۱۶ جون ۱۹۸۹ء

2۔ شیعہ ہفت روزہ صادق لاہور جون ۱۹۸۹ء و ہفت روزہ اسد لاہور جون ۱۹۸۹ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عرصہ قم میں درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۶۲ء میں امام خمینی کی تحریک کے ساتھ سیاسی میدان میں آگئے۔ امام خمینی نے ایک باران کے بارے میں لکھا تھا کہ خامنہ ای کو میں نے تربیت دی ہے۔ ۱۹۶۳ء میں گرفتار ہوئے۔ رہائی کے بعد زاہدان جاتے ہوئے پھر گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد خفیہ اسلامی اور سیاسی تنظیم کے قیام کا راز فاش ہونے کے بعد گرفتار ہوئے لیکن بعد ازاں فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اور اپنی جدوجہد اور اسلامی سرگرمیوں کو درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں پھیلانا شروع کیا۔ ۱۹۶۹ء میں مسلح جدوجہد میں حصہ لینے کی وجہ سے حکومت کی کڑی نگاہ کی زد میں آئے ۱۹۷۱ء میں انہیں دوبارہ قید کرلیا گیا۔ رہائی کے بعد اپنے افکار کے پرچار کے لیے خفیہ اجلاسوں کا اجراء کیا ۱۹۷۵ء میں قید سے آزاد ہوکر تقابل ادیان کا درس دینے لگے۔ ۱۹۷۷ء میں مجاہد علماء کے تعاون سے مجاہد علماء کی تنظیم (جامعہ روحانیت مبارز) قائم کیا اس جرم میں ایرانی بلوچستان کے پسماندہ شہر اپرتشر بدر کردیا گیا۔ ۱۹۸۰ء میں انقلاب کی کامیابی کے بعد نائب وزیر دفاع مقرر ہوئے۔ سپاہ پاسداران انقلاب کی سرپرستی قبول کی اور تہران کے امام جمعہ منتخب ہوئے۔ امام خمینی نے انہیں اعلیٰ دفاعی کونسل کا رکن نامزد کیا ۱۹۸۱ء میں عراق نے ایران پر حملہ کیا تو آپ نے محاذ جنگ پر سپاہیوں کے ساتھ عملاً حصہ لیا اور پہلی مرتبہ صدر منتخب ہوئے ۱۹۸۲ء میں مسجد ابوذر میں انقلاب کے مخالفین نے ان پر محراب میں حملہ کیا تو ان کا دایاں بازو ناکارہ ہوگیا۔

۱۹۸۵ء میں ایرانی عوام نے ۱۷ ملین سے زیادہ ووٹ دے کر دوبارہ صدر منتخب کیا۔ فروری ۱۹۸۶ء میں آپ نے پاکستان کا دورہ کیا۔ [2]

خمینی کی وصیت

آیت اللہ خمینی کی وفات کی خبر سب سے پہلے مرحوم کے بیٹے احمد خمینی نے خبر رساں اداروں کو فراہم کی۔ انہوں نے بعد میں ایرانی مجلس خبرگان (ماہرین کی مجلس) کے اجلاس میں آیت اللہ خمینی مرحوم کی وصیت پڑھ کر سنائی۔ یہ وصیت انہوں نے ابتداء میں ۱۹۸۲ء میں تحریر کی تھی لیکن بعد ازاں دسمبر ۱۹۸۷ء میں اس پر نظر ثانی کردی گئی وصیت کے مندرجات کو ابھی تک عام نہیں کیا گیا۔ اس وصیت کے بارے میں ضروری تھا کہ اسے آیت اللہ خمینی کے انتقال کے بعد کھولا جائے۔ توقع ہے کہ وصیت کے میں مختلف پہلوؤں پر ملت کے لئے رہنمائی موجود ہوگی۔ [1]

۲...... دوسرے روزناموں میں بھی خمینی کی وصیت نامے کے مختلف اجزاء شامل کئے گئے ہیں لیکن جنگ راولپنڈی یکم جولائی ۱۹۸۹ء میں عابد عسکری کا ایک مضمون "امام خمینی کی تاریخی وصیت" ایک تجزیہ شائع ہوا جس میں تفصیلات حسب ذیل ہیں۔ چنانچہ عابد عسکری لکھتے ہیں:

تاریخ اسلام کے مایہ ناز سپوت امام خمینی کی آخری وصیت کی ایک کاپی میرے سامنے پڑی ہے، اس کا مطالعہ

1۔ ایضاً ہفت روزہ صادق ۷/۸ جون ۱۹۸۹ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کرنے کے بعد یہ بہر صورت تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ وصیت امام کی با کردار مجاہدانہ زندگی کا نچوڑ اور ماحصل ہے۔ یہ ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایرانی دانشوروں نے اس کا نام "صحیفۂ انقلاب" تجویز کیا ہے آپ نے یہ وصیت چند سال پہلے لکھی تھی۔ اس کی ایک کاپی امام رضا کے روضے پر بھجوادی گئی تھی اور دوسری اپنے پاس رکھی تھی اور حکم دیا تھا کہ اس وصیت کو ان کی وفات کے بعد پڑھا جائے۔ چنانچہ حسب وصیت اس دستاویز کو محفوظ کر لیا گیا تھا۔ قدرت کے نہ ٹلنے والے قانون کے تحت ۴ جون ۸۹ء کی صبح صادق کو امام نے انتقال فرمایا اور یونہی یہ علم وعمل اور حق وصداقت کا چاند ابدیت کی پرسکون بدلیوں میں ہمیشہ کے لئے چھپ گیا اور اپنی اس وصیت کے ساتھ ساتھ بے شمار تربیت یافتہ صالح شاگردوں اور لاتعداد جاں نثاروں کو اسلام وقرآن کی خدمت کے لئے چھوڑ گیا۔ امام کی وفات کے دس گھنٹے بعد یہ وصیت کھولی گئی کیونکہ امام نے وصیت کے آخر میں تحریر فرمایا تھا کہ میرے انتقال کے بعد اس وصیت کو میرے فرزند عوام کو پڑھ کے سنائیں بصورت مجبوری صدر مملکت یا مجلس شوریٰ کے سربراہ چیف جسٹس یا مجلس خبرگان کے ممبران میں سے کوئی ایک فقیہ میری وصیت کو پڑھنے کی زحمت گوارا کرے۔ چونکہ حجۃ الاسلام سید احمد خمینی اپنے شفیق اور جلیل القدر باپ کی المناک موت کے صدمہ پر نڈھال تھے اور انہیں کچھ کہنے اور بولنے کی سکت نہ تھی اس لئے حسب وصیت ان کے ہونے والے جانشین آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے وصیت کو کھولا اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان اور روتے ہوئے دل کے ساتھ وصیت کو شروع کیا۔ اس وقت فقہاء کمیٹی کے تمام ماہرین موجود تھے۔ وصیت پڑھنے سے پہلے صدر محترم اور حاضرین دھاڑیں مار مار کر روتے رہے۔ اس رقت آمیز منظر کو براہ راست ٹی وی پر دکھایا جا رہا تھا۔ تین مرحلوں میں یہ وصیت تمام ہوئی۔ آپ وصیت حمد وثنا سے شروع کرتے ہیں۔ بعد ازاں آپ اسلامی نظریہ کی بلندی اور ایمانی عقیدہ کی پاکیزگی پر اظہارِ اطمنان کرتے ہیں۔ آپ بسم اللہ کے بعد پیغمبرِ اسلام کی حدیث ثقلین کو نقل کرتے ہیں جن سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن واہل بیت ہماری نجات کا واحد راستہ ہیں۔ امام کی نظر میں قرآن کی مظلومیت یہ ہے کہ اب تک اسے قبرستانوں اور مقبروں اور مذہبی آستانوں میں رکھا گیا۔ امام اسے دشمنانِ اسلام کی سازش قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ دنیا کے کونے میں ایک فرد بھی اسلام کا نام لے۔ آپ نے اپنی وصیت میں درباری مولویوں اور سرکاری علماء کی مذمت کی ہے اور امتِ مسلمہ کو تاکید کی ہے کہ وہ خودنما علماء سے بچیں کیونکہ اس سے معاشرے میں امن قائم رہے گا اور انسانی افکار ہر قسم کے خلشوں سے محفوظ رہیں گے۔ انہوں نے اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے کہ حکومتیں خود کو ظاہر تو اسلامی کرتی ہیں۔ قرآن کو رنگین اور اعلیٰ کاغذات پر شائع کرتے ہیں جیسا کہ محمد رضا پہلوی کرتا تھا۔ اسے قرآن سے محبت نہ تھی بلکہ وہ اس سے سیدھے سادے مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتا تھا اور درپردہ خود یورپ کے نظریات پھیلا رہا تھا۔ وصیت کے ضمن میں انہوں نے فخریہ طور پر تحریر کیا ہے کہ ہماری عوام اسلام وقرآن پر پوری طرح سے عمل پیرا ہیں اور انہوں نے خود کو اتحاد ویگانگت کے پلیٹ فارم پر منظم کیا ہوا ہے۔ پھر یہاں پر قرآن کو قبرستانوں اور مذہبی آستانوں تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ حکومت سے لے کر گھر کی چار دیواری تک قرآن سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ امام نے اس دین پر فخر محسوس کیا ہے جس کی بنیاد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی ہے۔ انہوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے نہج البلاغۃ کو جو حضرت علیؓ کا کلام ہے بڑی اہمیت دی ہے اور اسے انسان کے مادی روحانی مسائل کا واحد حل قرار دیا ہے۔آپ نے اس نہج اور اس راستہ کو مورد تحسین قرار دیا اور کہا کہ قرآن کی روشنی میں ہم نے حکومت عدل تشکیل دی ہے اور ہماری حکومت کا اولین مقصد حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت ہے آپ نے اپنی ملت کے جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کی اسلامی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے عوام اقتصادی، فوجی، تعلیمی غرضیکہ تمام شعبوں میں ایک دوسرے کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں اور آئندہ کے لیے آپس میں مل جل کر رہنے کی تاکید کی ہے۔آپ نے اپنی وصیت میں اسرائیل اور صیہونیت کی سخت مخالفت کی ہے اور انہیں پیغمبر اسلام اور دینِ مصطفوی کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو ان کی سازش، شورشوں اور شرانگیزیوں سے بچنے کی تلقین کی ہے۔انہوں نے عالم اسلام بالخصوص ایرانی عوام سے بھرپور اپیل کی ہے کہ نماز جمعہ اور نماز جماعت سے سیاسی اسلامی مقاصد حاصل کریں کیونکہ نماز جمعہ ہی کی بدولت اسلامی جمہوریہ ایران کو استحکام ملا ہے امام نے اپنی وصیت میں ہر غدار اور خائن سے نہایت ہی نفرت کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے زور دے کے فرمایا کہ میری وصیت فقط ایرانیوں کے لیے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام اور دنیا کے مظلوموں کے لئے ہے۔وصیت کے پہلے حصے میں ملت اسلامیہ کے حق میں دعا فرمائی ہے۔

وصیت کا دوسرا حصہ بسم اللہ سے شروع کیا اور بارگاہ الٰہی میں خود کو ایک ادنیٰ سا طالبعلم کہا ہے اور اپنی وصیت میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اس سے موجودہ اور آنے والی نسلیں فائدہ حاصل کرسکتی ہیں۔آپ نے فرمایا کہ یہ انقلاب اعجاز خداوندی ہے کہ حریت پسندوں کی ندائے حق اور مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے شیطانی قوتوں کے عزائم دھرے کے دھرے رہ گئے۔ بلاشبہ یہ اسلامی تحریک خدا کی بزرگ ترین نعمتوں میں ایک ہے۔آپ نے عدالت کو بھی بہت زیادہ اہمیت دی ہے اسلامی عدالتوں کے جج صاحبان پر زور دیا ہے کہ عوام کو جلد اور سستا انصاف فراہم کریں اور تمام فیصلے قرآن وسنت کے مطابق کئے جائیں۔آپ نے وصیت میں کھلے دل سے یہ اظہار کیا ہے کہ میں دارِ دنیا سے بڑے اطمنان وسکون سے جارہا ہوں۔میرا دل میرا ضمیر ہر لحاظ سے مطمئن ہیں۔میں نے ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں گزاری ہے اور اب ابدی سفر کی طرف جارہا ہوں۔اللہ تعالیٰ میری ادنیٰ سی خدمات کو قبول فرمائے گا اور میں آپ کی نیک دعاؤں کا طالب ہوں۔ہاں اگر اس راستے میں مجھ سے کچھ کمی ہوئی ہو تو درگذر کردینا۔مجھے امید ہے کہ اس خدمت گار کے جانے سے ملت کی آہنی دیواروں میں خلل واقع نہ ہوگا کیونکہ ملک میں اچھے اچھے لوگ خدمت کرنے کے لئے موجود ہیں۔آخر ایرانی عوام اور مظلومانہ عالم کو خدا کے سپرد کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے۔خداحافظ الوداع۔[1]

المنتظری کا حشر

1۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی یکم جولائی ۱۹۸۹ء

2۔ ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم تا ۸ جون ۱۹۸۹ء

3۔روزنامہ مشرق لاہور ۷ جون ۱۹۸۹ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یہ ملحوظ رہے کہ زندگی میں خمینی نے اپنا جانشین آیت اللہ المنتظری کو نامزد کر دیا تھا لیکن پھر ان کو معزول کر دیا تھا۔

چنانچہ ہفت روزہ شیعہ لاہور میں ''امام خمینی کے حالات زندگی'' کے تحت لکھا ہے کہ مارچ ۱۹۸۹ء میں انہوں نے اپنے نامزد جانشین آیت اللہ حسین علی المنتظری کو استعفاء دینے پر مجبور کر دیا اور کہا کہ جس شخص کو وہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے وہ سیاسی لیڈر شپ کے لئے موزوں نہیں ان کے اس اقدام سے خلا سا پیدا ہو گیا ہو گیا مگر امام خمینی اسی پر زور دیتے رہے کہ یہ سب اسلام کے بہترین مفاد میں ہے۔ انہوں نے نئے جانشین کے انتخاب کے لئے آئین میں جو ترامیم کرنے کا حکم دیا تھا ان پر ابھی تک بحث ہو رہی ہے۔ الخ[2]

روزنامہ ''مشرق'' کی رپورٹ

روزنامہ مشرق میں خمینی کی وصیت کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ تہران ریڈیو نے کل امام خمینی کی وصیت نشر کر دی ہے۔ اس وصیت میں شاہ فہد سمیت عرب لیڈروں پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ وصیت امام خمینی مرحوم کے جانشین علی خامنہ ای نے پڑھ کر سنائی۔ بی بی سی کے مطابق وصیت میں خصوصیت کے ساتھ یہ بات کی گئی ہے کہ سعودی عرب کے شاہ فہد نے عالمی طاقتوں کی خدمت کے لئے اسلامی روپیہ ضائع کیا ہے۔ امام خمینی نے اپنی وصیت میں شاہ فہد کے علاوہ اردن کے شاہ حسین، مراکش کے شاہ حسن، عراق کے صدر صدام حسین کے خلاف بھی سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ انہوں نے اپنے شیعہ ہونے پر فخر کا اظہار کیا۔ اپنی وصیت میں امام خمینی مرحوم نے امریکہ اور روس پر کڑی تنقید کرتے ہوئے انہیں شیطان اعظم اور مذہبی ملکوں کو بے دین قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو ان سے خبردار رہنے پر زور دیا ہے۔ الخ[3]

خمینی کی میت کے ساتھ پیروکاروں کا سلوک

اخبارات میں خمینی صاحب کی تجہیز و تکفین کے متعلق جو تفصیلات شائع ہوئیں وہ روزنامہ مشرق لاہور کے حوالہ سے درج ذیل ہیں۔ مشرق نے بعنوان ''زبردست ہجوم کے باعث امام خمینی کا تابوت زمین پر گر گیا۔ لوگوں نے کفن ٹکڑے ٹکڑے کر دیا'' لکھا ہے کہ تہران ۶/جون امام خمینی کا جسد خاکی جو ایک ہیلی کاپٹر میں رکھ کر مصلی بزرگ سے بہشت زہراء لایا گیا تھا ہیلی کاپٹر سے اتار کر اس جگہ لے جایا جا رہا تھا جہاں ان کو دفن کیا جانا مقصود تھا لیکن زبردست ہجوم امام کے جنازے کو ہاتھ لگانے کے لئے بے چین تھا۔ تابوت کو اٹھانے والے خود پر قابو نہ رکھ سکے اور امام کا تابوت زمین پر گر گیا۔ ''ارنا'' کے لوگ امام کے کفن کو متبرک سمجھتے ہیں۔ اسلئے بہت سے لوگوں نے کھلے تابوت میں ہاتھ ڈال کر کفن باہر کھینچا اور مختلف لوگوں نے اس کو چیر پھاڑ کر کفن کے ٹکڑے اپنے قبضے میں کر لئے۔ اس طرح امام کا جسد خاکی تابوت سے نکل کر زمین پر گر گیا۔ اس پر امام کا جسد خاکی ایک ایمبولینس میں رکھا گیا اور واپس ہیلی کاپٹر میں لے جایا گیا۔ امام کا جسد خاکی ہیلی کاپٹر

1۔ روزنامہ مشرق لاہور ۷ جون ۱۹۸۹ء مطابق ۲ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے اندر رکھا گیا۔ ابھی یہ پوری طرح ہیلی کاپٹر کے کیبن میں بھی نہیں رکھا گیا تھا کہ ہیلی کاپٹر اوپر اٹھ گیا۔ یہ ہیلی کاپٹر امام خمینی مرحوم کے گھر جمران میں چلا گیا جو تہران کے باہر شمال میں واقع ہے۔ اس کے بعد ہیلی کاپٹر ایک بار پھر امام کے تابوت کو لے کر بہشت زہراء کی طرف آیا۔ اس جگہ زبردست ہجوم کے باعث امام کی میت کو مقررہ جگہ تک لے جانے میں شدید مشکل درپیش ہے۔ اے ایف پی کے مطابق تہران میں لاکھوں افراد امام خمینی کے جنازہ میں شرکت کے لئے جمع ہیں۔ پورا شہر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہر شخص کی کوشش ہے کہ وہ جنازہ کے قریب پہنچ کر اسے ہاتھ سے چھو سکے۔ اس افراتفری میں متعدد افراد پاؤں تلے کچل کر ہلاک بھی ہو چکے ہیں۔ آج لاکھوں افراد مصلی بزرگ کے مقام پر جمع ہو گئے جہاں اکثر نماز ادا کی جاتی ہے۔ یہ جگہ جو ایک کھلا میدان ہے تہران کے شمال میں واقع ہے اس گراؤنڈ میں صبح سے ہی ہجوم جمع تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہاں امام خمینی کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی لیکن بعد میں تدفین ملتوی کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا۔

ایرانی ٹی وی نے جنازہ کے جلوس اور بہشت زہراء کے آس پاس لاکھوں افراد کے ہجوم کے بعض مناظر بھی دکھائے۔ ہیلی کاپٹر کو بڑی مشکل سے بہشت زہراء کے قریب اتارا گیا لیکن جلد لوگوں نے ہیلی کاپٹر کو گھیرے میں لے لیا۔ ہیلی کاپٹر سے میت کو اتار کر ایمبولینس میں رکھا جا رہا تھا۔ جب ہجوم ٹوٹ پڑا اور امام کا تابوت نیچے گر گیا۔ لوگوں نے امام کے کفن اور اس کے اوپر پڑا ہوا ایرانی پرچم پھاڑ ڈالا امام کا جسد خاکی زمین پر گر گیا جسے اٹھا کر دوبارہ ہیلی کاپٹر میں رکھا گیا اور ہیلی کاپٹر واپس مرحوم کے گھر کی طرف چلا گیا۔ امام خمینی کے فرزند احمد خمینی میت کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں موجود تھے شام سے قبل ملنے والی اطلاع کے مطابق سیکورٹی فورسز نے بڑی جدوجہد کے بعد بہشت زہراء کے آس پاس کا علاقہ خالی کرا لیا ہے۔ اب اس امر کا امکان پیدا ہو گیا ہے کہ آیت اللہ روح اللہ خمینی کو آج رات کسی وقت سپرد خاک کر دیا جائے گا۔ [1]

ایران کے سابق وزیر داخلہ علی اکبر ناطق نوری جو اس موقع پر تابوت کے ہمراہ تھے اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ:

"چونکہ سوگوار عوام کا ہجوم امام کے پیکر مطہر کو چومنا چاہتا تھا لہٰذا لوگ پیکر کو نیچے کی جانب کھینچ رہے تھے۔ اس دباؤ کی وجہ سے حضرت امام کا کفن تبرک کے طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آپ کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کا کچھ حصہ کفن سے باہر آ گیا تھا (یہ بھی امام کی کرامت ہے کہ عزاداروں کو دیکھ کر امام کا کفن خود بخود بطور تبرک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور امام کا صرف چہرہ ہاتھ اور پاؤں کا کچھ حصہ برہنہ ہوا، دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقتدیوں نے اپنے مقتدا کا کفن نوچ کر اسے برہنہ کر دیا) چنانچہ میں مجبور ہو گیا تھا کہ اپنی عبا کو حضرت امام کے بدن پر ڈال دوں۔ یہ اتفاق شاید تاریخ میں پہلی بار ہی ہوا ہے کہ کسی شخصیت کا اتنے جوش

1۔ امام خمینی کے حالات زندگی ص ۱۵۹۔۱۶۰ مؤلفہ موسیٰ خان جلال زئی

2۔ نوائے وقت لاہور ۲۱ جون ۱۹۸۹ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

وخروش کے ساتھ اس کے گھر سے باہر لے جا کر جلوس جنازہ نکالیں اور دوبارہ پھر اس کو گھر واپس لے آئیں۔
امام کے بدن مطہر کو دوبارہ پھر "بردیمانی" کے کفن میں لپیٹا جسے جناب خامنہ ای نے بھیجا تھا۔ ہم دوسری بار حضرت امام کے جنازے کو بہشت زہراء لے گئے۔ جیسے ہی ہم نے مطہر جنازے کو ہیلی کاپٹر سے نیچے اتارا وہ پاسدار بھائی جو انتظامات کے ذمہ دار تھے۔ تابوت کو دیکھتے ہی بے اختیار ہو گئے پھر سے نظام درہم برہم ہو گیا اور لوگ ٹوٹ پڑے۔ بہر حال میں اور دوسرے دو تین آدمی بڑی مشکل سے حضرت امام کے جنازے کو قبر کے اندر رکھنے اور دفن کرنے میں کامیاب ہو سکے اور جناب اربابی نے جنہوں نے اب تک بڑی شخصیتوں کے غسل، کفن اور دفن کا کام کیا ہے سخت دباؤ کے باوجود حضرت امام کے بدن پر تلقین پڑھی"۔ [1]

روس سے سازباز

خمینی کی موت کے بعد رفسنجانی نے روس کا دورہ کیا۔ چنانچہ ان کے دورہ کے متعلق اخبار نے یہ بیان شائع کیا ہے کہ ایرانی پارلیمنٹ کے سپیکر ہاشمی رفسنجانی کے دورۂ ماسکو کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔ برطانیہ کے سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ آیت اللہ خمینی کی وفات کے چند ہفتوں بعد ان کے خصوصی معتمد کا دورۂ ماسکو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ روس روانگی سے قبل انہوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ آیت اللہ خمینی مرحوم نے بستر مرگ پر انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ روس کے ساتھ تعلقات جتنی جلدی ہو سکے بہتر بنائے جائیں۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں روس کا دورہ کر رہے ہیں۔ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ روس میں وہ کئی معاہدوں پر دستخط کریں گے جن میں ایک معاہدہ روس کو ایرانی گیس کی فراہمی بھی ہے جو ۱۹۸۱ء میں بند کر دی گئی تھی۔ خیال رہے کہ وہ روس سے یہ بھی کہیں گے کہ وہ عراق پر زور دے کہ وہ عارضی معاہدہ صلح پر پوری طرح عمل کرے۔ وہ افغانستان کے مسئلہ پر بھی روسی رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کریں گے"۔ [2]

کہاں گیا وہ خمینی کا مخصوص نعرہ لاشرقیہ ولاغربیہ کا۔ یہ ہے "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور"۔

حرمین شریفین پر قبضہ کی سکیم

دورِ خمینی میں بعض بینروں پر یہ بھی لکھا تھا کہ سنتحدوا و سنتلاحم حتّٰی نسترد من ایدی المغتصبین القدس و الکعبہ و الجولان۔ ہم متحد ہوں گے اور جنگ آزما ہوں گے یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضے سے اپنی مقدس زمین بیت المقدس، کعبہ اور گولان واپس لے لیں"۔ [1]

ان عزائم کے باوجود کیا خمینی اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ حج کے موقع پر دو تین سال ایرانی شیعوں نے حرمین سریفین (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) میں ہنگامہ آرائی کی، سیاسی نعرے لگائے، روضہ مقدسہ کے سامنے بھی شور مچایا (جہاں

1۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ مارچ/اپریل ۱۹۸۳ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آواز بلند کرنا منع ہے) اور آخر ۱۴۰۶ھ میں ان سے حج کے موقع پر قریباً ڈیڑھ سو کلو دھماکہ خیز مواد برآمد ہوا لیکن شاہ فہد نے معاف کر دیا۔ پھر حج ۱۴۰۷ھ میں تو منظم سکیم کے تحت مکہ معظمہ میں ایرانیوں نے جارحیت کا مظاہرہ کیا خمینی کے بڑے بڑے فوٹو کھمبوں پر لٹکائے۔ اس سال ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ایرانی حج کے بہانہ مکہ میں گئے تھے۔ ایک عظیم جلوس کی شکل میں حرم مکہ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ فساد وقتال کا آغاز کیا جس کے ردعمل میں سعودی فورس نے حرم شریف اور حجاج کرام کی حفاظت کے لئے اپنی کاروائی کی۔ اس سانحہ میں چار سو سے زیادہ افراد جاں بحق ہوئے جن میں ایرانیوں کی تعداد زیادہ تھی۔

اس سانحۂ مکہ کی تفصیلات رسائل و جرائد میں شائع ہو چکی ہیں اور اردو ڈائجسٹ لاہور نے سانحۂ مکہ مکرمہ کی تفصیلات شائع کی ہیں اور بھارت میں سعودی اور ایرانی سفیروں کے انٹرویو بھی شائع کیے ہیں اور راقم الحروف (حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ) نے مدرسہ اظہار الاسلام چکوال کی سالانہ روداد ۱۴۰۸ھ میں بھی اس کی ضروری تفصیلات درج کر دی ہیں۔ بہر حال ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا نائب امام غائب خمینی حرمین شریفین پر قبضہ کر سکے ہیں اور تعجب ہے کہ ان دنوں میں پاکستان کے شیعہ بھی احتجاج جلوس نکال رہے ہیں جس میں یہ مطالبہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو آزاد شہر قرار دیا جائے، کیا اس مطالبہ میں ہزاروں فتنے پوشیدہ نہیں ہیں۔ کیا ماتمی حضرات یہ چاہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ میں بھی سکون و اطمینان نہ رہے اور یہ دونوں مرکزی مقدس شہر سیاسی ہنگاموں اور زندہ باد مردہ باد نعروں کی آماجگاہ بن جائیں۔

لبّیک یا خمینی

۱۴۰۷ھ کے ایام حج میں ایرانی گھڑیوں پر یہ الفاظ بھی درج تھے لبیک یا خمینی ان گھڑیوں کو عکس بھی اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ مقام عبرت ہے کہ جہاں اہل اسلام حج کو موقع پر تلبیہ میں لَبَّیکَ لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ کے الفاظ سے اپنے اور سارے جہانوں کے رب کو پکارتے ہیں وہاں ایرانی شیعہ حجاج لبیک یا خمینی کا مظاہرہ کرتے ہیں لاحول ولا قوۃ اِلَّا باللہ۔

قبر خمینی خانہ کعبہ کی شکل میں

ہفت روزہ آواز کراچی ۱۶ تا ۲۲ جون ۱۹۸۹ء میں خمینی کے مقبرہ کا فوٹو شائع ہوا ہے جو خانۂ کعبہ کی شکل کا ہے۔ تعمیر مقبرہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ایران نے آیت اللہ روح اللہ خمینی کی قبر کے گرد بحری جہازوں میں استعمال ہونے والے کنٹینرز رکھ کر ایک دیوار سی بنا دی ہے جو سطح زمین سے خانۂ کعبہ کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ قبر پر ہزاروں سوگواروں کا ہجوم بدستور موجود ہے جنوبی تہران کے بہشت زہرا قبرستان میں امام خمینی کی قبر کے گرد نصب کیے گئے کنٹینرز پر سیاہ رنگ کیا گیا ہے۔ منگل کو امام خمینی کو یہاں دفن کیا گیا تھا۔ اسکے بعد سے سینہ اور سر کوبی کرتے ہوئے غم و دکھ میں ڈوبے ہوئے ایرانیوں کا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

قبر پر تانتا بندھا ہوا ہے۔قبر کے چاروں طرف کنٹینزوں کی ۱۳ فٹ اونچی دیوار کھڑی کردی گئی ہے۔اندرونی کنٹینرز کے اردگرد چھوٹے کنٹینرز نصب کئے گئے ہیں جس طرح خانہ کعبہ کا ڈھانچہ ہے جس کے گرد مسلمان طواف کرتے ہیں۔ایک مذہبی رہنما سعید احمد جعفری نے کہا، یہ کعبہ نہیں ہے۔کعبہ خدا تعالیٰ کے لئے ہے لیکن یہ امام خمینی کی قبر کعبہ کی طرح ہے کیونکہ امام خمینی آلِ رسول میں سے ہیں۔الخ

۶...... ہفت روزہ تکبیر کراچی ۲۹ جون ۱۹۸۹ء ص ۲۸ پر بھی قبر خمینی کا فوٹو دیا گیا ہے جو خانہ کعبہ کی شکل پر ہے۔اس کے نیچے لکھا ہے کہ تہران میں خانہ کعبہ کی طرز پر بنائے جانے والے آیت اللہ خمینی مرحوم کے مقبرے کے گرد ان کے عقیدتمندوں کو ہجوم۔

جریدۃ ''المسلمون'' کا تبصرہ

مکہ معظمہ کے جریدۃ المسلمون ۱۶ جون ۱۹۸۹ء میں بھی قبر خمینی کا عکس شائع ہوا ہے اور اس کے متعلق بعنوان ''الخمینی فتنة حیاً و میتاً'' جو عربی میں تبصرہ لکھا ہے۔اس کا خلاصہ ترجمہ حسب ذیل ہے:

(خمینی اپنے تابعدارون کے لیے زندگی اور موت دونوں میں فتنہ ہے) خمینی کی قبر زیارت گاہ ہے جس سے انوار الٰہیہ پھیل رہے ہیں (علی ہاشمی رفسنجانی) خمینی کا خلاء پر نہیں ہوسکتا (خامنائی) اخبار المسلمون نے ایرانی ذرائع ابلاغ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خمینی کے تابعداروں نے اس کی میت پر جو غلو کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خمینی ان کے لئے زندگی اور موت دونوں میں باعثِ فتنہ ہے۔انہوں نے اس کی قبر کو مقامات مقدسہ (حرمین شریفن، مسجد اقصیٰ) کا درجہ دے رکھا ہے اور اس کی قبر کے اردگرد مربع شکل کی ایک عمارت بنائی گئی ہے جو کعبہ شریف کے بالکل مشابہ ہے اور ایرانی دور دراز سے سفر کر کے اس کی زیارت کے لئے وفدوں کی شکل میں آتے ہیں اور اس کو اس طرح چھوتے ہیں جیسا کہ کعبہ شریف کو احترام کے ساتھ چھوا جاتا ہے۔اگر چھونے کی نوبت نہ آئے تو اپنے رومال اس کے ساتھ لگا کر بطور تبرک لے جاتے ہیں اور اس کی قبر پر اس کے بیٹے احمد خمینی تبرکات جمع کرنے کے لئے ایک صندوقچہ رکھوا دیا ہے تاکہ ان کے ساتھ قبہ تعمیر کیا جائے۔وہ صخرۂ بیت المقدس کے مشابہ ہوگا اور اس کو سونے سے مزین کیا جائے گا۔

انقلاب کے بعد

ایران کے سعودی عرب سے تعلقات

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انقلاب کے بعد ایران کے شیعہ حکمرانوں نے محسوس کیا کہ سعودی عرب میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دو ایسے مقام ہیں جہاں ہر سال لاکھوں مسلمان جمع ہوتے ہیں چنانچہ ان کی نظر میں یہ موزوں ترین جگہیں ہیں جہاں حج کے دوران وہ اپنے نکتہ نظر کی تشہیر کر سکتے ہیں، ایران کی مخالف طاقتوں کے خلاف مظاہرے کر سکتے ہیں، اپنے انقلاب کو شیعہ انقلاب کی بجائے اسلامی انقلاب کے رنگ میں متعارف کروا سکتے ہیں اور آیت اللہ خمینی کو اسلامی دنیا کے راہنما کی حیثیت سے اجاگر کر سکتے ہیں۔

ان مقاصد کے حصول کی خاطر ایرانی حاجی اپنے ساتھ ہزاروں کتابچے، اشتہار، خمینی کی تصویریں اور تشہیر کا دوسرا مواد سعودی عرب لے جاتے ہیں اور مناسک حج کی بجائے زیادہ تر وقت ان کی تقسیم، جلسے جلوسوں اور نعرہ بازی میں صرف کرتے ہیں۔ ایران کے شیعہ حکمران علی الاعلان کہتے ہیں کہ ان کا حج مذہبی مقاصد سے زیادہ سیاسی مقاصد رکھتا ہے۔ دنیا کے دیگر ملکوں سے آئے ہوئے شیعہ، (خاص طور پر پاکستانی شیعہ) ان کوششوں میں ایرانیوں کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں۔

ایرانی ذرائع ابلاغ سعودی حکمرانوں کو 'امریکہ کے غلام' اور ان کے دین کو امریکی اسلام کا نام دیتے ہیں۔ ان کا پُرزور مطالبہ ہے کہ چونکہ سعودی حکمران اپنے عقیدہ کی بنا پر اس قابل نہیں کہ وہ ان مقدس جگہوں کے محافظ بنیں لہٰذا ان علاقوں کو کسی بین الاقوامی اسلامی تنظیم کے زیر تسلط دے دینا چاہیے۔

یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایران کا یہ مطالبہ دراصل سعودی عرب کے ان مقدس شہروں کا بلاواسطہ قبضہ حاصل کرنے کے لیے ایک سازشانہ اقدام ہے کیونکہ شیعوں کا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ امام مہدی کے ظہور سے پہلے ان جگہوں پر شیعہ کا قبضہ ہونا لازمی ہے۔

ایران کے شیعہ حکمرانوں کا دوسرا بڑا مطالبہ جنت البقیع میں قبروں کی بحالی ہے۔ پاکستان میں آئے دن ان دونوں موضوعات پر جلسے جلوسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں بہت سے لاعلم سنی بھائی بھی شریک ہو کر شیعوں کی ہمنوائی کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ایرانی ذرائع ابلاغ یہ بے بنیاد پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ پاکستانی قبر پرست لوگ جو ملک میں ۹۰ فیصد سے کم نہیں، ان کے ان مطالبوں میں ان کے ساتھ ہیں۔

اکتوبر ۱۹۸۱ء میں انہی مقاصد کے حصول کے لیے ایرانی شرپسندوں نے دوسرے ملکوں کے کچھ تخریب کاروں کو ساتھ ملا کر مکہ مکرمہ میں کئی دن تک شورش برپا کیے رکھی۔ [1]

خمینی کے نام شاہ خالد کا خط

1۔ ایران۔ افکار و عزائم ص ۲۰۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سماحة آیة اللہ الامام الخمینی۔

ان سفارة جمهورية ايران الاسلامية فی جدة كانت قد اعلنت بان سماحتكم اصدرتم الاوامر لزائرين الايرانيين لبيت الله لحرام والزمتموهم ببذل المساعی لتحقيق التضامن بين المسلمين والامتناع عن القيام باعمال تدعو الى التفرقة، والاقتداء بائمة الجمعة والجماعة حين اوقات الصلاة فی المساجد واتباع حكم ثبوت روية هلال شهر ذی الحجة فی المملكة العربية السعودية حتی ولو لم يثبت روية هلال شهر ذی الحجة فی ايران اننا سعد ابان نعرب لسماحتكم عن شكرنا وتقديرنا لهذه المشاعر والاهتمامات الجيدة۔ لكن مع الاسف ان بعض الزوار الايرانيين من حجاج بيت الله الحرام لم يعملوا بتوجيهاتكم على اثر تحريكات رؤسائهم وقاموا باعمال باسمكم اضافة الى منافاتها مع هدفكم وانها مغايرة مع اهداف الحجة وقدسية الاماكن المقدسة ونوردهنا امثلة على هذه الاعمال۔

۱۔ تجمع بعض الزوار الايرانيين خلف حجر اسماعيل وردد احد كبارهم وبصوت عال شعارات بين الطائفين حول الكعبة المشرفة۔

۲۔ قامت جماعة كبيرة من الزوار الايرانيين بمسيرة اثناء الطواف وفيما كانوا بردد دون نفس الشعارات السابقه كانوا يقتربون من الحجر الاسود ويرددون شعائر، اللہ اكبر خمينی اكبر، الله واحد خمينی واحد، ان هذا العمل وغيره ادى الى اشمئزاز وسخط زوار بيت الله الحرام ولا شک بان هذا العمل سوف يمس بسمعة ومنزلة ايران۔ ان حكومة المملكة العربية السعودية ومراعاتها لقدسية الحج اطلقت سراح هؤلاء الزوار الايرانيين بعد اعتقالهم وحتیٰ اولئک الذين ضبطت بحوزتهم كمية سن المخذرات۔

وفی الختام ومن اجل ان لا تضطر حكومة المملكة العربية السعودية الى اتخاذ التدابير اللازمة ضد الزوار رأينا من اللائق ان نحيط سماحتكم علما بكل ماحدث، ونامل ان يصدر سماحتكم الاوامر بشان ابتعاد الزوار الايرانيين عن هذه الاعمال والاهتمام فقط بجد باداءِ مناسک الحج حيث توجهوا من اجل ذالک الى بيت الله، اننا على ثقةٍ بان الزوار الايرانيين سوف يتبعون تعليمات سماحتكم ويحترمونها نسأل الله سبحانه ان يوفق الجميع لكل ما هو خير للاسلام والمسلمين، حفظكم الله۔

خالد بن عبدالعزيز

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ملک المملکة العربیة السعودیة

۷/۱۲/۱۴۰۱

الموافق ۱۹۸۱/۱۰/۱۳

جناب عالی! آیۃ اللہ الامام الخمینی!

جدہ کے ایرانی سفارت خانہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جناب والا نے ایرانی زائرین بیت اللہ کو چند ہدایات دی تھیں اور اس پر زور دیا تھا کہ وہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور جہاں تک ہو سکے اختلاف و انتشار برپا کرنے والے اعمال سے دور رہیں عام نمازوں اور جمعہ میں ائمہ مساجد کے پیچھے نماز ادا کریں۔ ذی الحجہ کے چاند کے سلسلہ میں سعودی عرب میں ثابت رویت ہلال کی تاریخ کو تسلیم کریں، چاہے ان کے ملک ایران میں چاند نظر نہ آئے۔ یہ اعلان سن کر ہمیں بڑی خوشی و مسرت ہوئی تھی۔ آپ کے ان اقدامات و احساسات نے ہمیں ممنون کیا تھا۔ لیکن افسوس کہ کچھ ایرانی حجاج نے اپنے عمائدین کے اشاروں پر عمل کرتے ہوئے آپ کی ہدایات کو ملحوظ نہیں رکھا اور آپ کے نام پر وہ وہ حرکتیں کیں جو نہ صرف یہ کہ آپ کے مقصد سے میل نہیں کھاتیں بلکہ حج کے مقاصد اور دیار مقدسہ کی حرمت سے بھی ان کا کوئی میل نہیں۔

ایسے چند واقعات بطور مثال ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

۱۔ کچھ ایرانی حجاج حجر اسماعیل کے پیچھے جمع ہو گئے، اور ان میں سے ایک ذمہ دار نے کعبہ کا طواف کرنے والوں کے درمیان بآواز بلند نعرے لگائے۔

۲۔ دوران طواف ایرانیوں ہی کی ایک بڑی جماعت جلوس کی شکل میں نعرے لگاتی ہوئی حجر اسود کے قریب پہنچی اور وہاں یہ نعرے لگائے اللہ اکبر، خمینی اکبر۔ اللہ واحد، خمینی واحد۔ اس طرز عمل سے حجاج بیت اللہ میں سخت برہمی اور ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ یقیناً یہ حرکت ایسی تھی جس سے ایران کا مقام اور اس کی حیثیت مجروح ہوئی۔ سعودی حکومت ایرانی حجاج کے سلسلہ میں نرمی و احتیاط سے کام لے رہی ہے تاکہ وہ اپنی طرف سے نیک نیتی نیز حج کے تقدس کا ثبوت فراہم کرے۔ اسی مقصد سے اس نے ان ایرانی زائرین کو گرفتار کرنے کے بعد رہا کر دیا جن میں وہ بھی تھے جن کے پاس نشہ آور اشیاء بھی پائی گئیں۔

آخر میں گزارش ہے کہ ہم نے اس خیال کے ماتحت کہ ہماری حکومت کو زائرین کے خلاف ناگزیر اقدامات نہ کرنے پڑیں مناسب سمجھا کہ جو کچھ ہوا ہے اس سے آپ کو مطلع کر دیں، ہمیں امید ہے کہ آپ ایرانی زائرین کو اس قسم کی حرکتوں سے دور رہنے کی اور یکسوئی کے ساتھ مناسک حج کی ادائیگی کی طرف متوجہ رہنے کی، جس کے لیے وہ یہاں آئے ہیں، ہدایات جاری فرمائیں گے ہمیں یقین ہے کہ ایرانی زائرین آئندہ جناب کی ہدایات کا لحاظ اور پابندی کریں گے۔ ہم اللہ سے سب کیلئے ہر اس کام کی توفیق کے سائل ہیں جو

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہتر ہو۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔

خالد بن عبدالعزیز فرمانروا مملکت عربیہ سعودیہ

۱۴۰۱/۱۲/۷ مطابق ۱۹۸۱/۱۰/۱۳

شاہ خالد کے نام جناب خمینی کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرۃ الملک خالد بن عبدالعزیز ملک المملکۃ العربیۃ السعودیۃ تسلمت رسالتکم، وان ماقالتہ سفارۃ جمہوریۃ ایران الاسلامیۃ فی جدۃ صحیح، اری ان مصائب المسلمین ومشاکل حکوماتھم ناجمۃ من اختلافھم ومن النفاق الذی یسودھم۔

فالاقطار الاسلامیۃ بسکانھا الملیار وثرواتھا الطائلۃ وفی طلیعتھا بحار النفط التی تفیض الحیاۃ فی شرایین القوی الکبری، قد حباھا اللہ باحکام القراٰن وتعالیم النبی الاکرم ﷺ العبادیۃ والسیاسیۃ التی تحث المسلمین علی الاعتصام بحبل اللہ ونبذ الفرقہ والتمزق، وجعل الحرمین الشریفین ملاذالھا فقد کان ھذان الحرمان مرکزین للعبادۃ والسیاسۃ الاسلامیۃ، فیھما ترسم خطط الفتح، وتحدد مناھج السیاسۃ فی عھد الرسول ﷺ وھکذا بقیا فترۃ طویلۃ بعد رحیلہ، بیدان سوء الفھم واغراض القوی الکبریٰ ودعایاتھا الواسعۃ جعلت المشارکۃ فی الشوون السیاسیۃ والاجتماعیۃ التی ھی من اھم واجبات المسلمین داخل الحرمین الشریفین جریمۃ تدفع البرلیس السعودی الی الجرأۃ علیٰ افتحام المسجد الحرام الذی یامن فیہ الجمیع حتی المنحرفون طبقا لاحکام الباری تعالی، والی مھاجمۃ المسلمین بالاحذیۃ والاسلحۃ وزجھم فی السجون۔ ھل ھتاف ھؤلاء ضد امریکا واسرائیل عدوتی اللہ ورسولہ جریمۃ؟

لا ادری، اوصلتکم تقاریر صحیحۃ عمایجری فی بلادکم والحرمین الشریفین ام استلمتم تقاریر شوھت شعارات الایرانیین المشھورۃ فی کل مکان وابلغتکموھا محرفۃ؟

ولا ادری کیف یفھم ائمۃ الحرمین الشریفین الاسلام و حج البیت الحرام المشحون بالسیاسۃ اذ جاء لیقوم القسط والعدل وتزول المظالم واعمال النھب، وتلک ھی السیاسۃ العامہ للانبیاء العظام بخاصۃ سیدنا خاتم النبیین ﷺ۔

ماذافھم ائمۃ الحرمین من ذالک کلہ، حتی یمنعوا الحجاج باسم الاسلام۔ من الخوض فی السیاسۃ حتی فی الھتاف ضد اسرائیل وامریکا؟

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان هذا المنع مخالف لسیرة النبی العظیم ﷺ و مسلمی صدر الاسلام و اله یمهد عمدا، او جهلا، او عملة تسلط الاجانب علی اقالیم المسلمین بما فیها الحرمان الشریفان مهبط الوحی وملائکة الرحمٰن، لو وعت حکومة الحجاز فریضة لحج و ادرکت ابعادها العبادیة و السیاسیة وثقل ملایین المسلمین شارکین فیها، لما احتاجت لا الی امریکا و طائرات اواکس و لا الی سائر القوی الکبزی و لا مکن حل مشاکل المسلمین۔

نحن نعلم ان امریکا وضعت هذه الطائرات تحت تصرف السعودیة حدمة لمصالحها و مصالح اسرائیل۔ و قد لمسنا ذلک عندما ادعت طائرات الاواکس کذباً بانها سجلت قصفاً ایرانیا لمنشات النفط الکویتیة لتبث الفرقة بین ایران و اشقائها العرب۔ ان مایوسف علیه هو تفشی التغافل بین حکومات المسلمین لتفشیا تساعد القوی الکبریٰ المجرمة علی اقصاء المسلمین عن المسرح السیاسی و الاهتمام بامور المسلمین، حتی بات وعاظ السلاطین یفتون بتجریم المسلمین وهم فی مرکز السیاسة الاسلامیة لانهم رفعوا اصواتهم بالموت لاعداء القرأن الکریم و الاسلام العزیز الا لداء، فذاقوا التعذیب و السجن هل علمتم هذه الفواجع الجارمیة فی الحرمین الشریفین (بیت اللہ الامین و مقام رسوله الکریم ﷺ) او مازلتم تتلقون الحقائق مغلوطة مشوهة؟ لقد ثرنا کما یتجلی فی شعارات الایرانیین۔ متکلین علی اللہ القادر المتعال، لنشدا الصف الاسلامی تحت لواء التوحید و الالتزام باحکام الاسلام السامیة حتی نکف اید القوی الکبری عن اقطار المسلمین، و نمحو تسلط الکفار الظلمة علی الشعرب الاسلامیة لنعید مجد الامة کما کان فی صدر الاسلام۔ و الامل فی ان تتجاوب الدول الاسلامیة معنا خصوصا العربیة السعودیة الواقعه فی مرکز السیاسة الاسلامیة لتنهل کل من هذه الدول من تائید شعوبها لامحدود لها، و تنعم بهذه البرکة السماویة الکبیرة، کالحکومة اشعیة فی ایران و لیتواخی الجمیع فیما بینهم و یشتدوا علی الکفار و الطامعین الدولیین اخیراً أو کدان تقاریر کاذبة مشوهة بلغتکم۔ کما یظهر من رسالتکم۔ فقد ورد فی تجریمکم الحجاج الایرانیین ان شعاراتهم اثارت استیاء حجاج بیت اللہ الحرام، و لو کان لکم اناس امناء فی کتابة هذه التقاریر، لتبین لکم ان ما اثار استیاء الحجاج لیس هو الشعار الذی رفع فی معاداة اسرائیل و امریکا، و انما الذی اثارا ستیاء الحجاج و سخطهم هو عدوان المسؤولین السعودیین علی ضیوف الرحمٰن و زائری ضریح رسول اللہ ﷺ واحتجازهم بسبب هتافهم بالموت لاسرائیل و امریکا ادعو اللہ العلی القدیر ان یوقظ المسلمین من غفلتهم و یزید عظمة الاسلام و

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عزته ویهدی المسلمین ولا سیما رجال الدولة لما فیه صلاح الاسلام والمسلمین۔

والسلام علیکم وعلیٰ جمیع المسلمین

روح اللہ الموسوی الخمینی

۱۲ ذی الحجه ۱۴۰۱ھ

المصادف ۱۱/۱۰/۱۹۸۱ء

عالی مرتبت جناب شاہ خالد بن عبدالعزیز فرمانروائے مملکت سعودی عرب

آپ کا خط موصول ہوا جدہ میں واقع جمہوریہ اسلامیہ ایرانیہ کے سفارتخانہ نے جو بات کہی تھی وہ بالکل بجا تھی، میرا یقین ہے کہ مسلمان جن پریشانیوں سے دوچار ہورہے ہیں اور اسلامی حکومتیں جن مشکلات سے دوچار ہیں اس کا واحد سبب خود ان کے آپس کے اختلافات اور ان کا منافقانہ طرز عمل ہے جو ہر طرف چھایا ہوا ہے۔

خدا تعالیٰ نے ان اسلامی سلطنتوں کو کروروں باشندوں اور لامحدود اسباب و اموال کے ساتھ جن میں سرفہرست تیل کے وہ چشمے ہیں جن سے بڑی طاقتوں کی رگوں میں آب حیات سپلائی ہورہا ہے۔ قرآن کی دولت سے اور نبی ﷺ کی تعلیمات سے سرفراز کیا جو عبادت اور سیاست دونوں شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں اور جو مسلمانوں کو ہمیشہ اس طرف توجہ دلاتی رہتی ہیں کہ خدا کی رسی کو تھامے رہیں اور اختلاف و افتراق سے دور رہیں۔ حرمین شریفین کو جائے پناہ کی حیثیت دی گئی۔ چنانچہ یہی حرمین شریفین عبادت اور اسلامی سیاست کا مرکز رہے۔ عہد رسالت میں یہیں سے فتح و نصرت کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی تھی اور سیاسی طرز عمل (پالیسی) کے فیصلے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمانے کے بعد بھی ایک طویل زمانہ تک حرمین میں یہی صورت باقی رہی۔

لیکن کیا کہا جائے! غلط فہمیاں بڑی طاقتوں کے اغراض اور ان کے زبردست پروپیگنڈوں نے سیاسی اور اجتماعی معاملات میں شرکت کو جو حرمین کے اندر مسلمانوں کے اہم ترین فرائض میں سے ہے ایک ایسا جرم بنا دیا جس کی وجہ سے سعودی پولیس اس مسجد حرام کی بے حرمتی پر اترنے لگی جس میں ہر شخص کو پناہ ملنی چاہئے حتیٰ کہ قرآن کی رو سے قانون شکنوں کو بھی اس کے حدود میں چھیڑا نہیں جا سکتا، غرض اس جرم میں سعودی پولیس نے مسلمانوں کو جوتوں اور ہتھیاروں سے زدوکوب کیا اور جیل میں ڈال دیا۔

کیا دشمنان خدا و رسول اسرائیل اور امریکہ کے خلاف ان لوگوں کا آواز لگانا کوئی جرم تھا؟ میں نہیں جانتا کہ آیا آپ کے ملک اور بالخصوص حرمین شریفین میں پیش آنے والے واقعات کی صحیح صحیح رپورٹ آپ تک پہنچی ہے یا ہر جگہ لگائے جانے والے ایرانی نعروں کے سلسلہ میں جو غلط سلط رپورٹیں آپ تک پہنچی ہیں آپ نے انہی پر اعتماد کیا ہے؟

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں نہیں سمجھ سکا کہ علماء حرمین شریفین نے اسلام اور حج جیسی عبادت کو کیا سمجھ رکھا ہے جس کے رؤئیں رؤئیں میں سیاست رچی بسی ہے حالانکہ اسلام آیا ہی اس لیے تھا کہ وہ عدل وانصاف قائم کرے، ظلم وزیادتی کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے، تمام انبیاء کرامؑ اور بالخصوص نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہی مشن تھا۔

علماء حرمین اس بارے میں کیا سمجھ رہے ہیں جو وہ حجاج پر سیاست میں حصہ لینے سے متعلق پابندی اسلام کا نام لے کر عائد کر رہے ہیں یہاں تک کہ اسرائیل اور امریکہ کے خلاف آواز لگانا بھی ممنوع قرار دے رہے ہیں؟ یہ رویہ منہج نبوت وصدر اول کے مسلمانوں کے طرز عمل دونوں سے متعارض ہے اور یہ طرز عمل شعوری یا غیر شعوری طور پر غیروں کے لیے اسلامی سلطنتوں پر، جن میں حرمین داخل ہیں جو وحی وملائکہ کے نزول کا مرکز ہیں، تسلط کی راہ ہموار کر رہا ہے۔

حکومت حجاز اگر حج کی حقیقت کو سمجھ لے اور اس کے سیاسی اور عبادتی دوررس مقاصد سے آشنا ہو جائے اور اس میں حرکت کرنے والے لاکھوں افراد کی طاقت اور وزن کا اندازہ کر لے تو پھر اسے امریکہ کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہ رہے اور نہ اواکس طیاروں کی حاجت اور نہ بڑی طاقتوں کا سہارا تلاش کرنے کی فکر رہے بلکہ مسلمانوں کے سارے مسائل کا حل ممکن ہو جائے۔

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ امریکہ نے اپنے اور اسرائیل کے مفاد کے پیش نظر ہی اپنے کچھ جہاز سعودی حکومت کے استعمال میں دے رکھے ہیں یہ بات ہم نے اسی وقت محسوس کر لی تھی جبکہ واکس طیاروں نے ایران اور اس کے عرب دوستوں کے درمیان تفرقہ اندازی کی غرض سے یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ اس کے راڈار نے کویت کے تیل کے چشموں پر ایرانی بمباری ریکارڈ کی ہے۔

افسوس اس پر ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنتیں تجاہل اور بے خبری کا اس درجہ شکار ہیں کہ دیگر بڑی اسلام دشمن طاقتوں کو مسلمانوں کو سیاسی اسٹیج سے اور خود اپنے معاملات کی فکر سے دور رکھنے کے لئے سب کچھ کرنے کا موقع ملا ہوا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ درباری علماء خود اسلامی سیاست کے مرکز کے اندر مسلمانوں کو اس بناء پر مجرم ٹھہرا رہے ہیں کہ انہوں نے دشمنان اسلام کے خلاف مردہ باد کا نعرہ لگایا تھا، اسی بات پر انھیں جیل کی سزا دیدی گئی اور ستایا بھی گیا، حرمین شریفین (بیت اللہ الامین اور مقام رسول کریمؐ) میں واقع ہونے والے یہ المناک واقعات آپ کے علم میں آئے بھی؟ یا ابھی تک غلط سلط باتیں آپ تک پہنچتی رہی ہیں۔

جیسا کہ ہمارے نعروں سے صاف ظاہر ہے محض قادر مطلق پر اعتماد کرتے ہوئے ہم نے انقلاب برپا کیا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ہم پھر سے ایک مرتبہ علَمِ توحید کے نیچے اکٹھا ہو جائیں۔ اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تاکہ مسلم ممالک پر سے بڑی طاقتوں کا تسلط ہم ختم کر سکیں اور مسلمان عوام پر ظالم کافروں کے ظلم وستم کا سلسلہ بند ہو۔ اور امت کی اس عظمت رفتہ کو پھر سے واپس لایا جائے جو صدر اسلام میں اسے حاصل تھی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہمیں امید ہے کہ اسلامی حکومتیں ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں گی۔ بالخصوص حکومت حجاز جو اسلامی سیاست کے مرکز میں واقع ہے تاکہ ہر حکومت کو اس کے عوام کی بھرپور تائید حاصل ہو سکے اور وہ بھی ایران کی جمہوری حکومت کی طرح آسمانی برکات سے بہرہ ور ہو اور سب باہم اتحاد و تعاون کے رشتہ میں مربوط ہوں اور کافروں اور بین الاقوامی بدنیتوں کے مقابلہ سخت رویہ اختیار کریں۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ آپ کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے آپ تک جو رپورٹ پہنچی وہ نہایت غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ آپ کے اس بیان میں جس میں آپ نے ایرانی حجاج کو مجرم ٹھہرایا ہے یہ ذکر ہے کہ ان کے نعروں سے دنیائے اسلام کے تمام حجاج کو سخت ناگواری ہوئی اگر آپ کے پاس رپورٹنگ کرنے والے کچھ امانت دار اشخاص موجود ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ حجاج میں ناگواری پیدا کرنے کا سبب وہ نعرے نہیں تھے جو اسرائیل و امریکہ کے خلاف بلند کیے گئے تھے بلکہ ان کی برانگیختگی وزیادتی اور اسرائیل و امریکہ کی مرگ کا نعرہ لگانے پر ان کی گرفتاری تھی۔

خدائے قدیر و برتر سے دعا گو ہوں کہ وہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرے، اسلام کی عظمت و حرمت میں روز افزوں اضافہ فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اور بالخصوص سربراہان حکومت کو وہ راہ دکھائے جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں باعث خیر ہو۔

والسلام علیکم وعلیٰ جمیع المسلمین

روح اللہ الموسوی الخمینی

۱۳ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ۔ ۱۱/۱۰/۱۹۸۱ء

تبصرہ

شاہ خالد مرحوم اور امام خمینی کے دونوں خط مع ترجمہ کے سامنے ہیں یہ خط ایرانی حکومت کے ادارۂ ''جہاد سازندگی'' کے شائع کردہ ہیں اور اسی کے پمفلٹ سے ہم نے نقل کیے ہیں۔ ان خطوط میں وہ حقیقت صاف صاف بچشم خود دیکھی جا سکتی ہے جس کا اظہار مضمون میں ان خطوط کے تذکرہ کے ساتھ ان کے مضمون اور مدعا کے بارے میں کیا گیا ہے۔

شاہ خالد کے خط میں ایک سیدھی سادی گزارش ہے کہ ایرانی حجاج کی نعرہ بازی اور جلوس آرائی احترام وادب بیت اللہ کے خلاف ہے اس لیے آئندہ ان کو اس سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی جانی چاہیے جیسا کہ آپ سے امید ہے۔

خمینی صاحب کا جواب بتلاتا ہے کہ وہ شاہ خالد کے اس موقف سے اتفاق نہیں فرماتے۔ لیکن وہ صاف صاف ایک جگہ بھی یہ نہیں کہتے کہ یہ خلافِ ادب نہیں حالانکہ یہی وہ واحد بات تھی جس پر انھیں صاف صاف اظہار کرنا چاہیے تھا۔ اس کے بجائے وہ جواب یوں دیتے ہیں کہ اسلام تو عبادت اور سیاست دونوں کا جامع ہے اور حرمین شریفین عہد رسالت اور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پھر مابعد رسالت کے دور میں بھی ایک عرصہ تک اسلامی سیاست کا مرکز رہے ہیں، پھر کیونکر سعودی حکومت اور اس کے علماء ایرانی حجاج کی وہاں سیاسی نعرہ بازیوں پر معترض ہوتے ہیں؟

یہ ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کلمة حقّ أُریدَ بها الباطل کے مطابق ایک صحیح بات سے غلط کام لینے کی کوشش ہے۔ کیونکہ بات اسلام میں سیاست شامل ہونے نہ ہونے کی نہیں ہے بلکہ حج کا احرام باندھ کر بیت اللہ اور حرمین میں سیاسی نعرہ بازی کی ہے۔

خمینی صاحب نے ایک جگہ اسلام میں سیاست کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے حج کا لفظ بھی اسلام کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ مگر اس موقع کے لحاظ سے یہ واقع میں ایک زبردستی کی بے جوڑ بات تو ہے ہی، اس کا بے جوڑ اور زبردستی اور مغالطہ آمیزی کی بات ہونا صاف ظاہر بھی ہو رہا ہے۔ اور مزید برآں جب خمینی صاحب اسلامی تعلیمات کی خود دو قسمیں قرار دے رہے ہیں (۱) عبادتی اور (۲) سیاسی ...... تب اگر کوئی شخص حج کو خالص عبادتی عمل کہتا ہے تو انھیں اس گفتگو میں اس تقسیم کا ذکر لاتے ہوئے خود بتانا لازم تھا کہ وہ حج کو عبادتی قسم میں سے سمجھتے ہیں یا سیاسی؟ مگر وہ یہ نہیں کرتے اور اس طرح یہ سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ ان کا مقصد مسئلہ کو واضح کرنا نہیں بلکہ محض عام لوگوں کو حج کے سیاست سے تعلق کا مغالطہ دینا ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ خمینی صاحب کے خط کی نوعیت ایک پروپیگنڈائی تحریر کی ہے۔ چنانچہ دیکھ لیا جائے کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور بڑی طاقتوں کے تسلط سے آزادی پر جو زبردست تقریر خط میں رقم ہوئی ہے اس کا کیا جوڑ شاہ خالد کے اٹھائے ہوئے مسئلے سے ہے؟ علیٰ ہذا شاہ خالد نے مطلق نعرہ بازی پر اور خاص طور سے اللہ اکبر اور اللہ واحد کے ساتھ خمینی صاحب کے نام کے نعروں پر اعتراض کیا ہے۔ مگر یہاں اس خاص نعرے سے قطعاً چشم پوشی کر کے نعروں کے سلسلے میں تمام تر بات امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعروں کی کی گئی ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں بہت سے جذباتی مسلمانوں کی حمایت اس صورت حال کے باوجود بھی حاصل کی جاسکتی ہے کہ یہ نعرے حرم کے اندر اور حج کے موقع پر تھے، جو یقیناً بیت اللہ کی بے ادبی اور روحِ حج کے منافی ہے۔ اسی طرح ایک مسئلہ بالکل ہی بے تکے طور پر اس بحث میں امریکن اواکس طیاروں کا اٹھا دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بلاشبہ سعودی حکومت کی ایک کمزوری ہے، اور اسے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی طرح دونوں خطوں کے لب و لہجہ کا فرق بھی صاف ظاہر ہے۔

اور اب آخر میں ایک وہ بات جس کی طرف اشارے کا موقع مضمون میں نہیں تھا وہ یہ کہ خمینی صاحب نے اس سے انکار نہیں کیا ہے کہ ایرانیوں نے جو نعرے لگائے ان میں خمینی صاحب کا نعرہ بھی تھا۔ البتہ شاہ خالد کے خط میں یہ نعرہ جس طرح نقل کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ایرانیوں کے اس نعرے میں ''خمینی واحد'' نہیں ''خمینی قائد'' ہے۔ دونوں لفظوں کی آواز کے قرب اور تشابہ کی وجہ سے سعودی کے رپورٹروں کو غالباً غلط فہمی ہوئی۔ اور کچھ بدگمانی کا بھی دخل اس غلط فہمی کا شکار ہونے میں ہوسکتا ہے۔ بہرحال ''خمینی واحد'' یا ''خمینی قائد'' کے نعرے ''اللہ واحد'' کے ساتھ ایرانی حجاج نے بیت اللہ میں بلند کیے۔ اور یہ تاریخ اسلام میں شاید تنہا خمینی صاحب ہی کو جرأت ہوسکی ہے کہ وہ اسلام کے علمبردار ہوتے ہوئے اللہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کے بیتِ مقدس میں اللہ کی عظمت و وحدانیت کے ساتھ ساتھ اپنی عظمت کے بھی نعرے بلند کروائیں ورنہ کون خدا فراموش مسلمان حکمران یا قائد بھی اس بات کو سوچ سکتا ہے کہ وہ اللہ کے تختِ جلالت کے روبرو اپنی عظمت کا بھی اظہار کرائے؟ ہمارا خیال ہے کہ خمینی صاحب کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے ان کا اسلام کیا ہے اور وہ عالم اسلام کو کیا دے سکتے ہیں؟ تنہا یہی ایک بات بالکل کافی ہے۔ کسی بھی دوسری بات کی اس کے بعد ضرورت نہیں! اور اگر اس پر اتنی بات کا اور اضافہ کرلیا جائے کہ یہ صرف نعرہ بازی ہی نہیں تھی بلکہ، جیسا کہ ایرانی اخبارات میں ان نعرہ باز لوگوں کی اس موقع کی تصویریں شائع ہوئی ہیں، اور جو ایرانیوں کا عام دستور بھی ہے، یہ خمینی صاحب کی تصویریں بھی اٹھائے ہوئے تھے، تب تو خمینی صاحب اور ان کے حجاج کی جرأت کا واقعی پیمانہ ظاہر کرنے کے لیے الفاظ ہاتھ نہیں آسکتے۔

افسوس، صد افسوس کہ خمینی صاحب اس بے مثال بے ادبی کا ارتکاب اپنے حجاج سے کراتے ہوئے حج کی صحیح حقیقت دوسروں کو بتاسکنے کا زعم بھی اپنے اندر رکھتے ہیں ؎

وائے گر پس امروز بود فردائے

اسی واقعہ سے متعلق چند اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ خبریں شائع کیں، چند ایک ملاحظہ ہوں:

روزنامہ جنگ لاہور۔ جلد نمبر ۴۔ اتوار ۵/ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ۔ ۲/ستمبر ۱۹۸۴ء

خانہ کعبہ کو شہید کرنے کی سازش پکڑی گئی

بیت الحرام اور دوسرے مقامات پر قبضہ کا منصوبہ

اس سے اگلے دن کے اخبار میں ملاحظہ فرمائیں:

روزنامہ جنگ لاہور۔ جلد نمبر ۴۔ پیر ۶/ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ۔ ۳/ستمبر ۱۹۸۴ء

خانہ کعبہ کے باہر ایک لاکھ سے زائد ایرانی حاجیوں کا مظاہرہ

............اسلامی ملکوں کو آپس میں امن وامان سے رہنا چاہیے............

(جدہ۔ وی او اے) سعودی عرب میں حج میں شرکت کی غرض سے آنے والے ڈیڑھ لاکھ سے زائد حاجیوں نے مکہ مکرمہ کی مسجد الحرام کے باہر ایک پُرامن مظاہرہ کیا ہے۔ ان مظاہرین میں اکثریت ایرانیوں کی بتائی گئی ہے۔ سعودی عرب کے شاہ فہد نے اسلامی ممالک کے درمیان امن وامان کی اپیل کی ہے۔ شاہ فہد نے اپنے بیان میں کہا کہ لبنان، ایران، عراق، شام اور افغانستان سب ان معاندانہ کارروائیوں کا شکار ہیں جو مسلمانوں کی آپس کی چپقلش سے پیدا ہوئی ہیں، انہوں نے تمام فریقوں سے اپیل کی کہ وہ آپس کی دشمنی اور جھگڑے پُرامن طریقے سے ختم کردیں۔

ملا سیاست اور انتظامیہ میں مداخلت نہ کریں، اس طرح لوگوں کو ان سے نفرت ہوجائیگی۔ خمینی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تہران (ڈپ ا۔ ۳ر ستمبر ۱۹۸۴ء) ایران کے انقلابی رہنما آیت اللہ خمینی نے کہا ہے کہ ملاؤں کو سیاست اور انتظامیہ میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ ایرانی ریڈیو سے نشر ہونے والی ایک تقریر میں انہوں نے کہا کہ ایسی مداخلت سے لوگوں کو ان سے نفرت ہو جائے گی، انہوں نے کہا کہ انقلابی اداروں کو لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آنا چاہئے کیونکہ اس طرح لوگ اسلام سے جھجکنے لگیں گے۔ انہوں نے مذہبی رہنماؤں پر زور دیا کہ انہیں خود کو صرف رہنما خطوط مقرر کرنے تک محدود رکھنا چاہئے۔

اس واقعہ سے دو سال بعد کچھ ایسے حقائق و شواہد ملے کہ ایران کیلئے امریکہ سے اسلحہ آتا ہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور پیر ۹ رمحرم الحرام ۱۴۰۷ھ/ ۱۵ر ستمبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں واضح لکھا ہے:

ایران کے لئے امریکی اسلحہ

ڈنمارک کے ملاحوں کی یونین کی جانب سے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا گیا ہے کہ ڈنمارک کا ایک جہاز طویل عرصہ سے اسرائیل سے ایران کے لئے امریکی اسلحہ لانے میں مصروف رہا ہے۔ یہ نیرنگی سیاست دوراں کا کرشمہ ہے کہ صیہونیت کا علم بردار اور عالم اسلام کا بدترین دشمن اسرائیل ایران کے دشمن امریکہ سے حاصل کیا ہوا جدید ترین اسلحہ، اسلامی جمہوریہ ایران کو فروخت کر رہا ہے اور یہ ایک مسلم مملکت کی طرف سے دوسری مسلم ریاست کے خلاف دھڑلے سے استعمال ہو رہا ہے۔ ایران اب تک یہ دعویٰ کرتا رہا ہے کہ وہ اسرائیل کا بدترین دشمن ہے اور اسرائیل سے اسلحہ کی خریداری کے الزامات امریکہ اور اس کے دوست ممالک کی پروپیگنڈہ مہم کا حصہ ہیں جو وہ ایران کے خلاف جاری رکھے ہوئے ہے۔ تاہم اب جب کہ آزاد اور غیر جانب دار ذرائع نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ایران اور اسرائیل اس کی کیا توجیہ کرتے ہیں۔

حج ۱۴۰۷ھ اور سانحہ مکہ مکرمہ

انقلاب ایران کے بعد ایرانی شیعہ حج کے بہانے ہزارہا کی تعداد میں حرمین شریفین میں سیاسی مظاہرے کرتے رہے ہیں اور ۱۴۰۶ھ میں بھی ہنگامہ خیز مظاہرے کئے تھے حتیٰ کہ ان کے تھیلوں سے قریباً ڈیڑھ سو کلو دھماکہ خیز مواد بھی برآمد ہوا تھا لیکن خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد نے اپنی وسعت قلبی کی بناء پر ان سے مواخذہ نہیں کیا بلکہ حکومت کی طرف سے اس بات کو صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ اس سے ایرانیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ۱۴۰۷ھ میں انہوں نے ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ تعداد میں ایام حج میں اجتماع کیا جس میں فوجی افسر اور گوریلے کثیر تعداد میں شامل تھے۔

حج سے پہلے ایرانیوں نے مدینہ منورہ میں زبردست سیاسی مظاہرہ کیا لیکن حکومت نے ان پر کوئی گرفت نہ کی پھر انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک خاص منصوبہ کے تحت ہنگامہ آرائی کی۔ چنانچہ ہفت روزہ حرمت (اسلام آباد) میں جو خصوصی رپورٹ شائع ہوئی ہے اس کے اہم اقتباسات درج ذیل ہیں:

1۔ 31ر جولائی 1987ء بمطابق ۷ر ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ جمعہ کا مبارک دن تھا۔ چونکہ ۲۹ر جولائی سعودی عرب

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

میں حج کے لئے آنے والوں کی آخری تاریخ تھی لہٰذا تمام عازمینِ حج نے جمعہ کی نماز حرم شریف میں ادا کی۔ اس وقت یہ بات کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھی کہ اس جمعہ کے مبارک دن اور حرمت والے مہینے میں تھوڑی ہی دیر کے بعد حرم شریف سے چند گز دور ایسا افسوسناک واقعہ رونما ہوگا جو پوری امتِ اسلامیہ کو خون کے آنسو رُلا دے گا۔ ۷ رذوالحجہ کا یہ واقعہ حرم شریف سے چند گز دور مرکزی پوسٹ آفس کے پاس ہوا۔ جبکہ عصر کی نماز ہونے والی تھی کہ مختلف راستوں سے ایرانی حجاج اپنے روحانی پیشوا امام خمینی اور شریعت .... کی بڑی بڑی تصویروں کے ہمراہ اور سرخ اور سبز رنگ کے بڑے بڑے بینروں کے ساتھ اپنے اپنے علاقوں اور بلڈنگوں سے باہر نکل کر اس مرکزی شاہراہ پر چلنا شروع ہوئے۔ ہر گروپ کے ہمراہ کچھ ایسے افراد تھے جن کے بازوؤں پر سرخ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں ______ رفتہ رفتہ اکٹھا ہونے والے ہزاروں افراد میں سے بعض نے تیزی کے ساتھ کھمبوں پر چڑھ کر ایرانی لیڈروں کی تصویریں آویزاں کر دیں۔

2۔ جب عصر کی نماز کے بعد یہ جم غفیر ایک بہت بڑے جلوس کی شکل میں چلنا شروع ہوا تو سعودی سیکیورٹی فورسز کے جوان اور دوسرے اعلیٰ حکام بھی اس موقع پر موجود تھے ________ پر جوش تقریروں اور جذباتی نعروں کے بعد تقریباً چھ بجے انہوں نے اس راستہ پر چلنا شروع کر دیا جو حرم شریف کی طرف جاتا ہے۔ تقریباً ایک کلومیٹر تک امن وامان برقرار رکھنے کے ذمہ دار حکام اور سیکیورٹی فورسز کے جوان ان کے ہمراہ چلتے رہے لیکن جب فاصلہ حرم شریف کی طرف کم ہونا شروع ہوا تو سیکیورٹی فورسز کے حکام نے جلوس کے لیڈروں سے کہا کہ اب اس سے آگے جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس پر جلوس کے لیڈروں نے وعدہ کیا کہ وہ حرم شریف کے قریب ہو کر جلوس منتشر کر دیں گے۔ ساڑھے چھ بجے وہ اس جگہ پہنچے جہاں سے سیکیورٹی فورسز نے ان کو ہر قیمت پر آگے جانے سے منع کر دیا کیونکہ اگر اس جگہ پر بھی سعودی فورسز مداخلت نہ کرتے تو وہ لوگ اس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں سے وہ سیدھے حرم شریف میں داخل ہو جاتے اور جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا ان کا منصوبہ یہی تھا کہ وہ حرم شریف میں داخل ہوتے۔ جب سعودی فورسز کے جوانوں اور افسروں نے دوبارہ ان کو سمجھانا شروع کر دیا کہ اس سے آگے جانا مناسب نہیں ہے اور آپ کو اپنے وعدے کے مطابق جلوس منتشر کر دینا چاہئے _____ وہ مظاہرین کو نہایت نرمی سے سمجھاتے رہے لیکن جواب میں ان کو لکڑی کے ڈنڈے، پتھر اور چاقو نظر آنے لگے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سیکیورٹی فورسز کے ایک دو جوانوں کو چاقو کے ایسے گہرے زخم آئے کہ وہ چکرا کر گر گئے۔ سعودی فورسز کے حکام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو انہوں نے واضح ہدایت جاری کر دی کہ جلد از جلد اس ہنگامے کو ختم کیا جائے۔ یہ احکامات ٹھیک چھ بج کر چالیس منٹ پر جاری ہوئے اور سات بج کر دس منٹ پر تمام جلوس منتشر ہو چکا تھا۔ اس نصف گھنٹے کی کارروائی میں چار صد دو (۴۰۲) افراد ہلاک ہوئے جس میں سعودی فورسز کے جوان،

1۔ ہفت روزہ "حرمت" اسلام آباد 4 تا 10 ستمبر 1987ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

غیر ملکی عازمینِ حج اور ایرانی باشندے شامل تھے۔ مرنے والوں کی زیادہ تر تعداد ان عمر رسیدہ خواتین اور مجمع کے اندر پھنسے ہوئے لوگوں کی تھی جو بھگدڑ میں پیروں تلے کچلے گئے۔ مرنے والوں میں ۸۵ سعودی فورسز کے جوان اور سعودی باشندے جن میں سے اکثریت کو زیادہ تر زخم چاقو چھری اور سر پر آ ہنی سلاخوں کی شدید ضربات سے آئے۔ ۴۲ افراد دوسرے ممالک سے آئے ہوئے حجاج تھے۔ ان کو بھی زیادہ تر زخم چاقو اور چھری کے وار سے آئے۔ ۲۷۵ ایرانی تھے جن میں زیادہ تر خواتین اور بوڑھے حجاج ہیں۔ یہ لوگ بھگدڑ میں پاؤں تلے بری طرح کچلے گئے۔

3۔ 3/ اگست کو دو بجے دن جب حجاج کرام عرفات کے میدان میں جمع تھے اور حج کا ایک اہم رکن ادا کر رہے تھے عین اس وقت سعودی ٹیلی ویژن پر وہ فلم دکھائی جا رہی تھی جس میں ایرانی حجاج مبینہ طور پر ۱۹۵ کلو دھماکہ خیز اور تخریبی مواد لاتے نظر آ رہے تھے۔

لبیک یا خمینی

ایرانی عازمین حج نے بھگدڑ کے دوران جو سامان اپنے پیچھے چھوڑا اس میں چاقو چھریاں، پوسٹر پمفلٹ اور امام خمینی کی تصویر تو خیر عام سی بات ہے لیکن اس سامان میں سے ایسی دستی گھڑیاں بھی دستیاب ہوئی ہیں جن کے ڈائل پر لَبَّیک یَا خُمَیْنِیْ نہایت جلی عبارت میں درج تھا حالانکہ حج کے موقعہ پر کروڑوں عازمین کی زبان پر صدیوں سے یہی ایک ایمان افروز جملہ ہوتا ہے۔ لَبَّیک اَللّٰھُمَّ لَبَّیک۔ یہ تبدیلی کیوں کی گئی اور اس کے پیچھے کیا مقاصد کار فرما تھے یہ امر ہنوز سربستہ راز ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ گھڑیاں ایرانی حکومت نے اپنے حج مشن کے توسط سے حجاج کو فروخت یا تقسیم کی تھیں الخ 1

ایرانی شیعوں کا حرمِ کعبہ پر قبضے کا منصوبہ ناکام

۶/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ/ ۳۱ جولائی ۱۹۸۷ء جمعۃ المبارک کو "ایران کے پاسدارانِ انقلاب" نے حجاج کی شکل میں بیت اللہ (زادھا اللہ شرفاً و عزًا) کے عین سامنے اُس مقدس سرزمیں پر ہنگامہ آرائی، توڑ پھوڑ، آتش افروزی، دہشت انگیزی، سنگ زنی اور قتل و غارت کا جو مکروہ اور قابلِ نفرین مظاہرہ کیا۔

جہاں تک اس سانحہ کا تعلق ہے، اس دور کے بین الاقوامی پریس نے اس کی رپورٹنگ کی، جس سے اس کی تفصیل اور ایرانیوں کے مکروہ عزائم بے نقاب ہو چکے ہیں۔ ہنگامہ کے روز ہزاروں ایرانی یک بیک حرم مقدس کے اردگرد سُرخ، نیلے اور سفید جھنڈے اٹھائے ہوئے جمع ہونے لگے، متعدد مظاہرین کے ہاتھوں میں بینر تھے جن پر "لابدّ من حمل السلاح" (ہتھیار ناگزیر ہیں) "فقاتلوا اولیآء الشیطٰن اِنَّ کید الشّیطٰن کان ضعیفًا" (شیطان کے دوستوں سے لڑو، بے شک شیطان کی تدبیر کمزور ہے) "نصرٌ مّن اللہ و فتح قریب" اور "مندوب الامام الخمینی" ایسے نعرے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

درج تھے ان کلماتِ حق سے جس باطل کا ارادہ کیا گیا ہے وہ سعودی پریس کے مطابق مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ کرنا تھا تاکہ ایران حقیقی طور پر ایک ایسی طاقت بن جائے جو پوری دنیا پر حاوی ہو اور مکہ مکرمہ اس کا محور و مرکز ہو (ولا فعلہا اللہ) اس مکروہ سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بڑے بڑے مظاہروں اور ہنگاموں کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا جو بحمد اللہ اپنی ابتداء ہی میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور سعودی حکومت اس شیطانی منصوبہ پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئی۔

ایرانی مظاہرین نے مظاہرے کا آغاز ایک سرکاری موٹر سائیکل کو آگ لگا کر کیا، پھر جلتی ہوئی موٹر سائیکل کو ایک سرکاری گاڑی کے نیچے دھکیل دیا، جس سے گاڑی میں بھی آگ لگ گئی، ہزاروں ایرانی مظاہرین خنجر و دشنہ، تیغ و تبر، چھریاں، چاقو، پتھر اور شیشے کے ٹکڑے اٹھائے ہوئے حرمِ اقدس میں گھسنا چاہتے تھے۔ سعودی پولیس نے مزاحمت کی اور اُنہیں حرم شریف میں جانے سے روکا۔ نتیجۃً بپھرے ہوئے ایرانیوں نے پتھروں اور شیشے کے ٹکڑوں سے سعودی پولیس پر حملے کی ابتداء کی، بعض سعودی باشندوں کو خنجر اور چھریوں سے شہید اور زخمی بھی کیا۔ پانی سر سے اونچا ہوتے دیکھ کر مجبوراً سعودی پولیس نے ڈنڈوں اور لاٹھی چارج سے ایرانیوں کو منتشر کیا۔

ایامِ حج میں بلا وجہ بھی متعدد حجاج کرام صرف اژدہام میں شدید زخمی یا شہید ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں مظاہرین کو منتشر کرنے میں چند سو افراد کا کچلے جانا یا زخمی ہو جانا بعید از قیاس نہیں چنانچہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اِس سانحہ میں چار صد افراد جاں بحق ہوئے جن میں اکثریت ایرانی مظاہرین کی ہے۔ تقریباً ساڑھے تین صد ایرانی زخمی ہوئے جنہیں شاہ فہد کے حکم سے فوری طور پر ہسپتالوں میں طبی امداد دی گئی۔ بہر حال کسی ایرانی کو مسجد حرام میں گھس کر تخریب و تخویف کا موقعہ نہیں ملا اور حرمِ اقدس پر قبضہ کا ایرانی منصوبہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ سعودی پریس نے اس سلسلہ میں ایرانیوں سے برآمد ہونے والے اُن ہتھیاروں کی تصاویر بھی شائع کی ہیں جو مظاہرین اٹھائے ہوئے تھے، اور انہوں نے ایک دن قبل مکہ مکرمہ سے غیر معمولی تعداد میں خرید کئے تھے، سعودی باشندوں کا کہنا ہے کہ اکثریت نے اس خریداری کو قربانی کی غرض یا ذاتی ضروریات پر محمول کیا۔ لیکن تصاویر میں مختلف النوع خنجر، چاقو اور مضبوط چھریاں اس حقیقت کو بے نقاب کر رہی ہیں کہ ایرانیوں کی غرضِ فاسد کیا تھی۔

سعودی پریس کی تحقیقات کے مطابق یہ ہنگامہ اور خونی مظاہرہ ایرانیوں کے وقتی اور ہنگامی جذبات کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ایک لاکھ تیس ہزار ایرانی حجاج کو اس سلسلہ میں خصوصی ہدایات دی گئی تھیں جو خمینی صاحب کی طرف سے براہِ راست دی گئی تھیں۔ ثبوت کے طور پر ایرانی مظاہرین سے دستیاب ہونے والی وہ گھڑیاں ہیں جن پر "لبیک اللّٰھم لبیک" الخ کی بجائے "لبیک یا خمینی" کے الفاظ درج ہیں۔ اس موقع پر ایرانیوں کی طرف سے استعمال کئے جانے والے تمام ہتھیاروں اور مذکورہ گھڑی کی تصویریں بھی اخبارات میں شائع کی گئیں۔

سعودی حکومت کی جانب سے اس قسم کے ناقابلِ تردید اور ٹھوس ثبوت مہیا کر دینے کے بعد اس حقیقت کو تسلیم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ ایرانی متعصب مظاہرین نے بیت اللہ شریف پر قبضہ کا ناپاک پروگرام، حرمِ مقدس کی عزت و احترام کی پامالی کا مکروہ منصوبہ اور پورے عالمِ اسلام کے اس گہوارۂ امن کو شر و فساد اور فتنہ انگیزی کی آماجگاہ بنانے کا شیطانی جال خمینی ہدایات کے مطابق دیا گیا تھا۔

اس سانحہ پر ایران نے جو ردِّ عمل ظاہر کیا وہ معذرت خواہانہ تو کُجا، اس کے برعکس جارحانہ، اور اُن کے آئندہ خطرناک عزائم کا آئینہ دار ہے۔ حج کے موقع پر ایرانی باشندوں کی شر انگیزی (خمینی انقلاب کے بعد) جلوس مظاہرے، اور خمینی کے حق میں نعروں وغیرہ کا سلسلہ عرصہ سے جاری ہے۔ اگرچہ سعودی پریس فراخ دلانہ حد تک اُن کے بارے میں مصالحت اور چشم پوشی کا معاملہ کرتی ہے۔ حرمین شریفین میں نماز با جماعت کے وقت بھی ایرانی شیعہ اپنی اپنی جگہوں پر بُت بنے کھڑے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے اس فقید المثال اجتماع میں شریکِ نماز نہ ہو کر ملت سے اپنے الگ ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اپنے مخصوص معتقدات کی وجہ سے وہ حرمین شریفین خصوصاً حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ احترام و اکرام بھی نہیں کرتے جس کا اُن کا تقدس اور علوِّ مرتبت متقاضی ہے اور اب اس واقعہ نے تو اہلِ تشیع کے مکروہ عزائم کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں اٹھایا جانے والا یہ مطالبہ بے وزن نہیں کہ ایرانیوں کی ان مقاماتِ مقدسہ میں حاضری پر پابندی عائد کی جائے تا کہ حسبِ سابق ان مقامات کے تقدس و احترام پر بھی آنچ نہ آئے اور حجاج کرام بھی امن و سکون اور دل جمعی کے ساتھ مناسکِ حج ادا کر سکیں۔

مسجد حرام میں داخلہ تو درحقیقت خدا کے ان مقبول و موحد بندوں کا حق ہے جن کے قلب و نظر، فکر و عمل اور روح و قالب شرک کی نجاستوں سے پاک ہیں۔ جو اعتقاداً اور عملاً ان گندگیوں سے اظہارِ برأت کرتے ہوئے لبیک اللّٰھم لبیک کی صدائیں بلند کرتے ہیں لیکن جو اس نغمۂ توحید کی بجائے لبیک یا خمینی کہہ کر کسی اور مصنوعی، فرضی اور خودساختہ خدا کے سامنے حاضری کا تصور رکھتے ہیں۔ ان کا فیصلہ آج سے چودہ سو برس قبل کر دیا گیا ہے:

یا ایھا الذین امنو آنّما المشر کون نجس فلا یقربو اا لمسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔[1]

پاکستان کی طرف سے حرمین شریفین کو سعودی حکومت کی حدود سے علیحدہ کرنیکی تجویز کی مذمت

اسلام آباد ۹ رجولائی (اپ پ) پاکستان نے اس غیر ذمہ دارانہ تجویز کی شدید مذمت کی ہے کہ حرمین شریفین مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو ان کے جداگانہ تشخص کے لئے سعودی حکومت کی حدود سے الگ کر دینا چاہئے۔ دفتر خارجہ کے ایک ترجمان نے کہا کہ یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ اس قسم کی تجویز پاکستان میں کسی غیر ذمہ دار حلقہ کی طرف سے پیش کی جا سکتی ہے۔ دفتر خارجہ کے ترجمان پریس بریفنگ کے دوران بعض نامعلوم گروہوں کی طرف سے پیش کی جانے والی اس

1۔ اداریہ ماہنامہ الخیر ملتان محرم الحرام ۱۴۰۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۷ء

2۔ روزنامہ امروز ملتان۔ ۱۳ رذیقعد ۱۴۰۷ھ / ۱۰ رجولائی ۱۹۸۷ء جلد ۷ شمارہ نمبر ۳۲۷

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تجویز کے بارے میں اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دے رہے تھے۔ ترجمان نے کہا کہ پاکستان نہ صرف تمام ممالک کی حدود کی سالمیت کے احترام کے اصول کی پُرزور حمایت کرتا ہے بلکہ سعودی عرب سے اس کے خصوصی برادرانہ تعلقات ہیں۔ ترجمان نے کہا کہ پاکستان کے عوام سعودی عرب کے لئے گہرے عقیدت مندانہ جذبات رکھتے ہیں۔ اور وہ کسی ایسی تجویز کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے جس سے دونوں ملکوں کے دوطرفہ تعلقات متاثر ہوسکتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ پھر یہ اطلاعات اخبارات میں کیوں شائع ہوئیں؟ تو انہوں نے کہا کہ پاکستان میں اخبارات مکمل طور پر آزاد ہیں، تاہم انہوں نے کہا کہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ اطلاعات کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔[2]

امریکہ نے سانحہ مکہ میں ملوث ہونے کی تردید کردی

ایک خبر ملاحظہ ہو:

لندن (اف پ) (ڈپ ا) ایران کے پاسدارانِ انقلاب بحری، فضائی اور بری افواج کے تعاون سے منگل سے خلیج فارس آبنائے ہرمزاور خلیج امان کے علاقے میں مشقیں شروع کررہے ہیں۔ یہ بات ایرانی خبررساں ایجنسی نے بتائی ہے، مشقوں کا کوڈ نام ''شہادت'' ہوگا اور یہ تین روز تک جاری رہیں گی۔ انقلابی گارڈ کے کمانڈر نیول برانچ علی رضا نے خبردار کیا ہے کہ حکم ملنے پر اُن کی افواج کویت کی بحری ناکہ بندی کرنے اور کویتی بندرگاہوں کی طرف بڑھنے والے تمام بحری جہازوں کو تباہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ادھر دو امریکی جنگی جہازوں نے ایک کویتی جہاز کو وسطی خلیج کے علاقے میں اپنی حفاظت میں لے لیا، خلیج میں امریکی بحریہ کے ریئر ایڈمرل ہیرالڈ برنسن نے ایک پریس کانفرنس میں بتلایا ہے کہ ہم پُرامید موڈ میں ہیں۔ امریکی جہاز کویت کے اس امریکی پرچم بردار کو کویت کی بندرگاہ سے خلیج کے وسطی علاقے تک ایک ہزار کلومیٹر کے فاصلے تک اپنی حفاظت میں لے کر گئے۔ امریکی محکمہ داخلہ نے ایران کے اس الزام کی بھی سختی سے تردید کی ہے کہ مکہ کے سانحہ میں امریکہ کا ہاتھ ہے۔ امریکہ یہ وارننگ بھی دے چکا ہے کہ اگر اس کے قافلے کے خلاف میزائل استعمال کیے گئے تو سخت جوابی کارروائی کی جائے گی۔ خلیج میں سب سے زیادہ خطرہ ایران کے اُن رضا کاروں کی طرف سے ہے جو خلیج میں متعین کیے جارہے ہیں تاکہ امریکہ کے خلاف کسی ممکنہ محاذ آرائی کی تیاری کی جاسکے۔ پریس کانفرنس میں ہیرالڈ برنسن نے مکہ مکرمہ کے واقعات کے پس منظر میں کہا ہے کہ ان کے پاس یہ سوچنے کے لئے ہر وجہ موجود ہے کہ ایچھ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم کسی مخصوص خطرہ کو خارج نہیں کررہے۔ انہوں نے اعتماد ظاہر کیا کہ اُن کی افواج خلیج میں اُبھرنے والی کسی بھی ہنگامی صورت حال سے نمٹ سکتی ہیں۔

دریں اثناء ایران نے دعویٰ کیا ہے کہ اُس کی فوجوں نے بغداد کے قریب محاذِ جنگ پر ایک نئے حملے میں عراق کے اندر فوجی اہمیت کے پہاڑی علاقے پر قبضہ کرلیا ہے۔ ایرانی خبررساں ایجنسی کے مطابق اس حملے میں جو کل رات شروع

1۔ روزنامہ جنگ لاہور جمعہ ۴ ذی الحجہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۷ء

2۔ روزنامہ نوائے وقت ملتان۔ ۳ اگست ۱۹۸۷ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کیا گیا تھا، کئی عراقی فوجی ہلاک ہو گئے۔ ایران نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے عراق کے دو ہوائی جہاز چھ ہیلی کاپٹر اور سترہ ٹینک تباہ کر دیئے ہیں، تاہم نئے حملے کے بارے میں عراق نے کچھ نہیں بتایا۔[1]

ایران، سعودی حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ رفسنجانی کی دھمکی

تہران ۲ راگست (مانیٹرنگ ڈیسک) ایرانی پارلیمنٹ کے سپیکر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے کہا ہے کہ ایران سعودی حکمرانوں کو اس علاقے میں جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔ تہران میں ۱۰ لاکھ سے زائد افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایران مکہ مکرمہ میں شہید ہونے والے ایرانیوں کا بدلہ ضرور لے گا اور سعودی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔ انہوں نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو کہا کہ وہ مکہ کے شہیدوں کا بدلہ لیں۔

ریڈیو تہران کے مطابق ایرانی وزارت داخلہ نے سعودی عرب کے نام ایک مراسلہ میں سعودی حکومت پر ایرانیوں کی موت کا براہِ راست الزام عائد کیا ہے اور کہا ہے کہ سعودی عرب نے امریکہ کے کہنے پر یہ کارروائی کی ہے۔ اور اب مسلمان اور حزب اللہ کی قوتیں پوری دنیا میں امریکی مفادات پر حملے کر کے اُس کا بدلہ ضرور لیں گی۔ ریڈیو تہران نے مکہ مکرمہ میں ہلاک شدگان یا لاپتہ ہونے والے ایرانیوں کی تعداد ساڑھے چھ سو بتائی ہے۔[2]

تہران میں ۴ سعودی سفارت کار اغوا کر لئے گئے

ریاض (ریڈیو رپورٹ) سعودی عرب نے کہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جمعہ کو ایرانی عازمین حج کے مظاہرہ کے دوران ۴۰۲ افراد ہلاک اور ۶۴۹ زخمی ہوئے ہیں۔ سعودی ٹی وی کے مطابق ہلاک ہونے والوں میں ۲۷۵ ایرانی ہیں۔ ۸۵ سعودی شہری یا سیکورٹی فورسز کے افراد ہیں اور باقی ۴۲ ہلاک شدگان میں دیگر غیر ملکی عازمین حج ہیں۔ زخمیوں میں نصف ایرانی ہیں اور باقی سعودی عرب اور دیگر ممالک کے باشندے ہیں۔ سعودی باشندوں کا کہنا ہے کہ پولیس نے جب ایرانی مظاہرین کو منتشر کرنے کے لئے مداخلت کی تو یہ لوگ بھگدڑ میں پیروں تلے آ کر ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ایرانیوں نے پولیس پر اور ہجوم میں شامل دوسرے لوگوں پر چاقوؤں سے حملے کئے۔ سعودی باشندوں کا کہنا ہے کہ پولیس نے کوئی گولی نہیں چلائی اور سعودی ٹی وی نے ایک فلم دکھائی ہے جس میں ایرانیوں کو پولیس پر پتھراؤ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ وہ ایرانی رہنما آیت اللہ خمینی کے سینکڑوں پورٹریٹ بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ ایرانیوں نے ہفتے کے روز تہران میں سعودی عرب اور کویت کے سفارت خانوں میں توڑ پھوڑ کی اور فرانس اور عراق کے سفارتخانوں پر پتھراؤ کیا۔

سعودی عرب نے کہا ہے کہ تہران میں اس کے سفارتخانے کے عملہ کے چار ارکان کو شدید زدوکوب کرنے کے بعد اغواء کر لیا گیا ہے۔ ایران نے مکہ مکرمہ میں اس تصادم کو امریکہ کی ایک سازش قرار دیا ہے اور اسے خلیج میں امریکہ کی

1۔ نوائے وقت ملتان۔ ۵ راگست ۱۹۸۷ء

2۔ نوائے وقت ملتان۔ پیر ۷ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ، ۳ راگست ۱۹۸۷ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

شکستوں کا ایک ردّعمل کہا ہے، امریکہ کے محکمہ خارجہ کے اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا ہے جبکہ محکمہ خارجہ کے حکام نے کہا ہے کہ ایران علاقہ میں کشیدگی بڑھانے اور وہاں عدمِ استحکام پیدا کرنے کے لئے جھوٹے الزامات عائد کر رہا ہے۔ ایران نے آج پورے ملک میں مظاہرہ کی اپیل کی ہے اور تصادم کی چھان بین کرنے کے لئے ایک وفد سعودی عرب روانہ کیا ہے۔

پی پی آئی کے مطابق سعودی عرب کی کابینہ کے ایک ہنگامی اجلاس میں جس کی صدارت شاہ فہد نے کی، ایران سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ تہران میں سعودی سفارتخانہ کے چار ارکان کو رہا کرے۔ دریں اثناء سعودی خبر رساں ایجنسی نے وزارت خارجہ کے ایک بیان کے حوالہ سے کہا ہے کہ سعودی سفارت خانہ کے ملازمین کے تحفظ کی ذمہ داری ایرانی حکومت پر ہے۔ ایرانی حکومت کو سفارتخانہ کے احاطہ کو ہجوم اور بدامنی پھیلانے والوں سے فوراً خالی کرا لینا چاہئے۔

ریڈیو ریاض کے مطابق، اُردن، مراکش اور شمالی یمن کے سربراہوں نے شاہ فہد کو ٹیلی فون کیے اور اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ عراق نے بھی ایک سرکاری بیان میں ایرانی کاروائی کی مذمت کی ہے۔ ادھر تہران ریڈیو کے مطابق سعودی ناظم الامور کو ایرانی وزارت خارجہ میں طلب کر کے ۴۰۰ ایرانیوں کی ہلاکت پر شدید احتجاج کیا گیا۔ [1]

راولپنڈی ۲ راگست (اپ پ) صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے خادم الحرمین شاہ فہد کو ٹیلی فون کے ذریعے گذشتہ جمعہ کے روز حرم شریف کے باہر ہونے والے انتہائی المناک واقعہ پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔ صدرِ مملکت نے اپنے پیغام میں دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر حج جیسے قابلِ احترام موقع پر امت کے تمام عناصر کو عقل و دانش عطا کرے تاکہ وہ اتحاد اور یک جہتی کا مظاہرہ کر سکیں۔ صدر ضیاء الحق نے خادم الحرمین شاہ فہد کو اپنی حمایت کا یقین دلایا ہے تاکہ سعودی عرب کی حکومت ان کی قیادت میں فریضہ حج کو احترام، اتحاد اور امن کے ساتھ ادا کر سکے۔ وزیر اعظم جونیجو نے اپنے پیغام میں مکہ مکرمہ میں گذشتہ روز پیش آنے والے سانحہ پر شاہ فہد کے نام افسوس اور ہمدردی کا پیغام ارسال کیا ہے۔ وزیر اعظم نے اپنے پیغام میں مسلم اُمہ میں اتحاد و یک جہتی کی دعا بھی کی ہے۔ [2]

اسلامی ملکوں کے سربراہوں کے نام شاہ فہد کا پیغام

ریاض۔ ۲ راگست (مانیٹرنگ ڈیسک) سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد بن عبدالعزیز نے تمام اسلامی ملکوں کے سربراہوں کو ایک مراسلہ بھیجا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سعودی عرب کی حکومت مسجد الحرام کے سامنے بعض ایرانی حجاج کی ہنگامہ آرائی سے متعلق رپورٹوں اور تصویروں کی روشنی میں سب کے لئے واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ایرانی ذرائع ابلاغِ عامہ نے سعودی سکیورٹی حکام پر جو الزامات لگائے ہیں اور خبریں نشر کی ہیں ان کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں، جو کچھ ہوا اسے لاکھوں حجاج بیت اللہ نے دیکھا اور سب نے یہ گواہی دی کہ حجاج اور سعودی باشندوں میں سے جو بے گناہ ہلاک و زخمی

1۔ روزنامہ جنگ۔ لاہور۔ منگل ۸ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ/ ۴ راگست ۱۹۸۷ء

2۔ روزنامہ جنگ۔ لاہور۔ منگل ۸ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ/ ۴ راگست ۱۹۸۷ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہوئے، ان کی ہلاکت اور زخمی ہونے کا سبب مظاہرین ہیں جو عازمینِ حج کو مسجد الحرام میں گھسنے پر اُکسا رہے تھے جسے کوئی بھی مسلمان گوارا نہیں کر سکتا۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ عالم اسلام کے لیڈر جانتے ہیں کہ سعودی حکومت حجاج کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی اور نہ اس نے کبھی کسی کو حج کی ادائیگی سے روکا ہے۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ سعودی حکومت نے ایران کی حکومت کے ساتھ اسلامی تعاون اور دوستانہ مفاہمت کے لئے براہِ راست بالواسطہ ہر وسیلہ اختیار کیا اور گذشتہ چند سالوں کے دوران ایرانیوں نے سعودی قوانین کی جتنی بھی خلاف ورزیاں کیں، ان سے ہم نے چشم پوشی کی اور درگزر سے کام لیا۔ ان کے لئے ہمیں ہر سال حج پر آنے والے ۲۰ لاکھ حجاج کی سلامتی کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ [1]

ایران اور سعودی عرب میں مصالحت کیلئے صدر اسد کی کوششیں

اسلام آباد (اپ پ) شام کے صدر حافظ الاسد ایران اور سعودی عرب کے مابین مکہ مکرمہ میں ہونے والے حالیہ واقعات کے بعد مصالحت کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ہفتے کے روز دمشق میں ایران کے نائب وزیر خارجہ حسین شیخ الاسلام کے ساتھ مذاکرات کئے۔ اور توقع ہے کہ شام کا ایک وفد اس مقصد کے لئے جلد سعودی عرب اور ایران کا دورہ کرے گا۔ ایرانی حکام نے ہفتے کے روز تہران میں کویتی سفارت خانے پر حملہ کے دوران پکڑے جانے والے دو کویتی سفارت کاروں کو چھوڑ دیا ہے۔ ان میں ناظم الامور کاظم راضی بھی شامل ہیں۔ ایرانی نائب وزیر خارجہ علی محمد بشارتی نے کہا ہے، ان کا ملک مختلف اسلامی ممالک میں اپنے وفود بھیجے گا، تا کہ ان واقعات کے حوالہ سے ایران کی پوزیشن واضح کی جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ یہ وفود ایرانی صدر علی خامنہ ای کے پیغامات لے کر جائیں گے۔ [2]

سعودیہ کے شاہی خاندان سے انتقام لیا جائے گا۔ ایرانی وزیر داخلہ

لندن (بی بی سی۔ ڈپ ا) ایرانی وزیر داخلہ نے عہد کیا ہے کہ خلیج فارس میں امریکی مفادات کے خلاف بھرپور انتقام لیا جائے گا۔ ایران کا کہنا ہے کہ وہ کئی اسلامی ملکوں میں اپنے وفد بھیج رہا ہے۔ تا کہ مکہ معظمہ کے واقعہ پر اپنے موقف کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ بی بی سی کے نامہ نگار کے مطابق عربوں کی اکثریت کا خیال ہے کہ ایرانیوں نے یہ مصیبت خود مول لی ہے۔ جب انہوں نے حج میں سیاست کو شریک کرنے کی کوشش کی۔ ڈیڑھ ہزار ایرانی حاجی ابھی تک مکہ مکرمہ میں ہیں۔ ادھر مغربی بیروت میں سعودی سفارت خانے کی خالی عمارت پر ایک بم پھینکا گیا۔ ایران نواز انتہا پسند گروپ اسلامی جہاد نے سعودی حکمران خاندان کو سزا دینے کی دھمکی دی ہے۔ دریں اثناء ایران نے سب جہازوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ آئندہ تین روز تک خلیج فارس اور خلیج اومان میں ایرانی بحری حدود سے باہر رہیں کیونکہ وہاں ایرانی بحریہ کی مشقیں ہو رہی ہیں۔ یہ مشقیں آج سے شروع ہونے والی ہیں۔ اسی اثناء میں کویتی ٹینکر آبنائے ہرمز سے گزرنے والا ہے۔ اندیشہ ہے کہ ٹینکر جو امریکی پرچم لہرائے ہوئے ہے اور امریکی بحریہ کے جہازوں کی حفاظت میں ہے، کہیں ایرانی حملوں کی

1۔ روزنامہ نوائے وقت ملتان۔ بدھ ۹ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ، ۵/ اگست ۱۹۸۷ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

زد میں نہ آجائے۔

خلیج میں امریکی بحریہ کے کمانڈر نے اعلان کیا ہے کہ آئندہ دس روز میں تین مزید جہازوں کو پھر سرے سے رجسٹر کر کے امریکی پرچم دیا جائے گا، اور پھر انہیں امریکی جنگی جہازوں کی امداد حاصل ہو جائے گی۔ اخبار ٹائمز آف انڈیا کے مطابق ایران کی متذکرہ انتقامی دھمکی کے پیش نظر سعودی عرب اور کویت میں فوجوں کو چوکنا کر دیا گیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ فرانس اور امریکہ نے بھی سارے ملکوں میں اپنے سفارت خانوں کو چوکنا کر دیا ہے۔

ڈی پی اے کے مطابق لبنان کے اسلامک جہاد آرگنائزیشن نے کہا ہے کہ ان تمام ہاتھوں کو توڑ دیا جائے گا جنہیں امریکہ مسلمانوں کے خلاف آئے دن استعمال کرتا ہے، ایسوسی ایٹڈ پریس کے مشرق وسطیٰ میں اغوا شدہ نمائندے اینڈرسن کی جو تصویر جاری کی گئی ہے اس میں انہوں نے ٹریک سوٹ پہن رکھا ہے اور خاصے کمزور اور خوف زدہ دکھائی دے رہے ہیں۔ اس تنظیم نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ایک اور امریکی ڈین تھامس اور تین فرانسیسیوں جن میں دو سفارت کار مارشل کارٹن اور مارشل فونٹین اور ایک صحافی جان پال کفمیں شامل ہیں اغوا کر رکھا ہے۔ [1]

ایک بار پھر تخریب کاری کا پروگرام

۱۹۸۷ء میں حج کے موقع پر ایران کے شیعوں نے مکہ مکرمہ میں ایک بار پھر تخریب کاری کا پروگرام بنایا لیکن سعودی حکومت کی بروقت کاروائی سے ان کا یہ ناپاک منصوبہ خاک میں مل گیا اور اس طرح اس مقدس سرزمین کو ایک بڑے سانحے سے نجات مل گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایرانی شرپسندوں نے اس شہر کے مواصلاتی نظام پر قبضہ کر کے آیت اللہ خمینی کو بحیثیت محافظ حرمین شریفین کے اعلان کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ایرانیوں کی اس گھناؤنی کاروائی کی وجہ سے سعودی عرب نے ایران کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات منقطع کر لئے۔

ان واقعات کو جواز بنا کر اب یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ سعودی حکمران اس قابل نہیں کہ وہ حرمین شریفین کے محافظ رہ سکیں۔ دریں صورت ان مقدس جگہوں کا انتظام ایک بین الاقوامی اسلامی کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔

پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے صدر ساجد نقوی نے کہا (روزنامہ مسلم۔ اسلام آباد۔ 90-08-24) کہ سعودی حکمران حرمین شریفین کے سوداگر ہیں، خادم نہیں اور یہ کہ وہ امریکی اسلام کے پیرو ہیں۔

اب ایران نے سعودی عرب کے شیعوں کو کئی قسم کی ترغیب دے کر حکومت کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا ہے۔ اپریل ۱۹۸۸ء میں سعودی عرب کے مشرقی صوبے (جہاں شیعوں کی اکثریت ہے) میں ایک بڑا بم دھماکہ کرایا گیا۔ بعد میں جو تخریب کار پکڑے گئے انہوں نے ایران کے ساتھ اپنا رابطہ تسلیم کیا اور کہا کہ ایران نے ان کو سعودی عرب کی اقتصادی تنصیبات کو تباہ کرنے، مکہ میں خوف و ہراس پھیلانے، امن و سلامتی کو تہہ و بالا کرنے اور حکومت کو غیر مستحکم بنانے کے لئے تربیت دی تھی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سعودی عرب کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات منقطع ہونے کے بعد ایران اپنے ”حاجی“ مکہ مکرمہ نہ بھیج سکا۔ جس سے وہاں حج کے دوران امن وسکون کا ماحول تو پیدا ہو گیا جبکہ ایرانی حکمران متفکر اور بے چین دکھائی دینے لگے کیونکہ وہاں پر اب ان کے انقلاب اور عقیدے کی تشہیر اور نشر واشاعت کا عمل سرد پڑ گیا تھا۔

۱۹۹۱ء میں حج کی آمد کے موقع پر ایران کے حکمرانوں نے سعودی عرب کی حکومت کی خوشامد شروع کر دی، انہوں نے اپنے وزیر خارجہ ولایتی کو وہاں بھیجا جس نے تعلقات کی بحالی پر زور دیا اور عہد کیا کہ اب ایرانی حج کے دوران پر امن رہیں گے اور سعودی حکومت کو شکایت کا کوئی موقع نہ دیں گے۔ لیکن جونہی ایرانیوں کو حج پر جانے کی اجازت ملی ان کے ذرائع ابلاغ نے پھر پرانی رٹ لگانی شروع کر دی کہ ایرانی اپنے امام کی خواہش کے مطابق پہلے کی طرح مقدس جگہوں پر سیاسی مظاہرے ضرور کریں گے۔

صدر رفسنجانی نے ۲۰ مئی ۱۹۹۱ء کو ایرانی شیعہ حاجیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ حج کے دوران مسلمانوں کے سیاسی مسائل اٹھائیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سعودی حکومت ہی تھی جس نے ایرانیوں کے قتل عام کے بعد ہمارے ساتھ تعلقات منقطع کر لیے تھے لیکن ان کو اس کاروائی سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ رفسنجانی شاید اس بات سے آگاہ نہ تھے کہ دنیا بھر کے مذہبی لیڈروں کے مطابق ان تین سالوں کے دوران مقدس جگہوں پر بالکل امن رہا اور تمام مسلمان سکون اور یک سوئی کے ساتھ حج کی رسومات ادا کر سکے۔

۱۹۹۱ء میں ایرانی شیعوں نے اپنے کیمپ میں ہی احتجاجی مظاہرہ کیا اور ۱۹۸۷ء میں قتل ہونے والے ایرانیوں کی یاد منائی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ پاکستانی اور دوسرے ممالک کے شیعہ بھی ان مظاہروں میں ان کے ساتھ شریک تھے۔

دسمبر ۱۹۹۱ء میں ایرانی وزارت خارجہ نے ایران میں مقیم سعودی سفیر کو بلا کر زبردست احتجاج کیا اور کہا کہ سعودی عرب میں وہابی شیعوں کے خلاف گمراہ کن مواد چھپ رہے ہیں اور ان کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں۔ وزارت خارجہ نے کہا کہ یہ وہابی اسلام کے دشمن ہیں اور ان کے خلاف سخت کاروائی ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایرانی اخباروں اور ریڈیو نے بھی سعودی حکومت اور لوگوں پر نکتہ چینی کی۔

ریڈیو تہران کے نشریہ ۱۹ فروری ۱۹۹۲ء سے معلوم ہوا کہ سعودی عرب میں ”جزیرہ نما عرب میں اسلامی انقلاب“ کے نام سے ایک تنظیم بھی بنائی گئی ہے جو وقتاً فوقتاً سعودی حکومت کے خلاف بیان جاری کرتی ہے۔

ریڈیو تہران نے اپنے نشریہ میں اس تنظیم کے حوالے سے بتایا کہ حال ہی میں سعودی عرب میں ایسے درجنوں مذہبی علماء گرفتار کر لئے گئے ہیں جو سعودی حکمرانوں کے مخالف ہیں۔ نشریہ میں بتایا گیا کہ جیلوں میں ایسے علماء اور بہت سے نوجوان سالہا سال سے قید ہیں جن پر اب تک کوئی مقدمہ نہیں چلایا گیا۔

۱۹۹۲ء میں حج پر جانے والے ایرانی شیعوں کو مخاطب کرتے ہوئے آیت اللہ خامنہ ای نے کہا کہ حج کے دوران

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ان کا اصلی فرض سیاسی مظاہرے کرنا ہے۔

صدر رفسنجانی نے پچھلے سال کے سیاسی مظاہروں پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''اللہ کے فضل سے ہمارے لوگوں کی حج رسومات ہمارے اسلامی انقلاب کی روح اور ہمارے امام (خمینی) کی خواہشات کے عین مطابق ہیں''۔

تہران کے انگریزی روزنامہ کیہان انٹرنیشنل ۷ مئی ۱۹۹۲ء نے ایک رپورٹ میں سعودی حکومت پر انسانی حقوق کی پامالی کا الزام لگاتے ہوئے لکھا: مارچ ۱۹۹۱ء کے دوران القاطف کے قصبے میں شیعوں کے ایک جلسے کو سعودی گارڈوں نے طاقت کے ذریعے منتشر کیا اور بہت سے شیعوں کو زدوکوب کیا اور گرفتار کیا۔ ۲۹ مارچ ۱۹۹۱ء کو بھی دمام میں ایک شیعہ جلسے پر ایسا ہی تشدد کیا گیا۔

اخبار نے الزام لگایا کہ سعودی حکومت اپنی شیعہ آبادی کے ساتھ ایسا امتیازی سلوک ہمیشہ سے کرتی آئی ہے اور ایرانی انقلاب کے بعد ان کے ساتھ یہ سلوک زیادہ ظالمانہ رخ اختیار کر گیا ہے۔ اخبار نے بتایا کہ سعودی عرب میں شیعہ سب سے بڑی اقلیتی جماعت ہے اور یہ لوگ زیادہ تر اس کے مشرقی علاقوں میں آباد ہیں جہاں تیل کثرت سے نکلتا ہے۔

اسی اخبار کی ۲۶ مئی ۱۹۹۲ء کی اشاعت کے مطابق آیت اللہ خامنہ ای نے ایک فتوی جاری کیا ہے جس کے ذریعے ایران کے شیعہ حاجیوں پر زور دیا کہ وہ اپنی حج کی رسومات شیعہ طریقے سے ادا نہ کریں کیونکہ اس طرح وہ دنیا کے دوسرے مسلمانوں سے الگ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں تفرقہ پیدا کرنا حرام ہے۔

اخبار نے اضافہ کیا کہ پیغامبر کے احترام کے تحت شیعہ لوگ حضور کے روضہ کی جالیوں کو بوسہ دیتے ہیں اور جنت البقیع میں نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ رسومات سنی لوگ ادا نہیں کرتے۔

اسی اخبار ۲۸ مئی ۱۹۹۲ء نے اطلاع دی کہ ہزاروں ایرانی اور دوسرے ملکوں کے شیعوں نے مدینہ میں امام خمینی کی برسی منائی اور ایرانی لیڈر نے کہا کہ ان کے امام (خمینی) نے اسلام کو صاف و شفاف بنا کر اسلامی قدروں اور اس کی عظمت کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مسلمانوں کی نظریں اسلام کی فتح کے لئے اب ایران کی طرف جھک گئی ہیں۔

جون ۱۹۹۲ء میں سعودی عرب میں ایران کے سفیر نے کہا دیا کہ ''سعودی عرب اور ایران اسلام کے دو بازو (wings) ہیں جن کے بغیر اسلامی دنیا اڑ نہیں سکتی''۔

ایران کے اخبار اپنے سفیر کے اس بیان پر اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس پر کڑی نکتہ چینی کی۔ انہوں نے شکایت کی کہ وہ سعودی عرب کو اسلام کے حوالے سے ایران کے مقابلے میں کیوں لائے جبکہ ان کے امام (خمینی) کا قول تھا کہ سعودی عرب ''امریکی اسلام'' کی پیروی کرتا ہے۔

تہران کے فارسی روزنامہ جمہوری اسلامی ۱۲ جون ۱۹۹۲ء نے سعودی حکمرانوں کے ساتھ مفاہمت کے خلاف

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ایرانی حکومت کو خبردار کیا کہ جب تک سعودی حکومت وہاں کے شیعوں کے اوپر جبر و تشدد جاری رکھے گی ایران اور سعودی عرب آپس میں سچے دوست نہیں بن سکتے۔

اخبار نے لکھا کہ سعودی عرب میں ۱.۵۰ ملین شیعہ اپنی مذہبی رسومات آزادی سے ادا نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی صحیح اذان بھی نہیں دے سکتے اور ان کو علی کی ولایت سے متعلق ٹکڑا اس سے حذف کرنا پڑتا ہے۔

اخبار نے اپنی حکومت پر زور دیا کہ وہ امام خمینی کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے دشمن کی سیاسی اور مذہبی حصار بندیوں پر ہر جگہ حملے کرے تا آنکہ دنیا میں ایسی قلعہ بندیوں پر ہم یکے بعد دیگرے قبضہ کر سکیں اور ان پر ہم ''سچے اسلام'' کا جھنڈا اگاڑ سکیں۔

تہران کے نیم سرکاری انگریزی روزنامہ تہران ٹائمز ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۲ء نے اپنے اداریئے میں لکھا کہ سعودی عرب نے اپنے تمام پڑوسیوں کے ساتھ علاقائی جھگڑے کھڑے کر رکھے ہیں جو اس کی اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کے عزائم کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اخبار نے لکھا کہ ایران اپنی پر امن حکمت عملی کے پیش نظر سعودی حکومت کے ان جارحانہ عزائم کی شدید مزمت کرتا ہے۔

سعودی عرب اور قطر کے درمیان علاقائی جھگڑے کا ذکر کرتے ہوئے اخبار نے لکھا کہ اگر سعودی عرب نے قطر کے خلاف کسی جارحیت کا ارتکاب کیا تو ایران اس چھوٹی سی ریاست کا ہر طرح دفاع کرے گا۔

لندن کے انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران فروری ۱۹۹۳ء نے تہران کے فارسی روزنامہ سلام کے حوالے سے خبر دی کہ ایرانی حکومت نے اب حج پر جانے والوں کے اخراجات پر ان کی اعانت روک دی ہے، اس وجہ سے مستقبل میں ایرانی حاجیوں کی تعداد کافی کم ہو جائے گی۔

ماہنامہ کے مطابق روزنامہ سلام نے حکومت ایران کے اس فیصلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا کہ امام خمینی کی وصیت کے مطابق حج میں ایرانی شیعوں کی شمولیت مذہبی مقاصد سے زیادہ سیاسی مقاصد رکھتی ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے ساتھ ایرانی انقلاب کا پیغام لے کر جاتے ہیں۔

روزنامہ سلام نے لکھا کہ حاجیوں کے اخراجات پر حکومت کی بندش کی وجہ سے اب بہت کم ایرانی حج پر جا سکیں گے جس کے نتیجے میں حج کے دوران ان کی سیاسی سرگرمیاں تقریباً ختم ہو کر رہ جائیں گی اور ہمارا مقصد فوت ہو جائے گا۔

۱۹۹۳ء میں حج کے دوران ایران کے شیعہ حاجیوں کی سیاسی سرگرمیوں پر سعودی حکومت نے مکمل پابندی لگا دی اور کہا کہ حج ایک مذہبی فریضہ ہے اسے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

ایرانی حکومت نے اس فیصلہ پر سعودی حکومت سے سخت احتجاج کیا۔ آیت اللہ خامنہ ای نے کہا: ''یہ فیصلہ بہت تلخ، غیر ذمہ دارانہ اور غیر معقول ہے''۔

ریڈیو تہران نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا (۲۹ مئی ۱۹۹۳ء) کہ یہ فیصلہ امریکی دباؤ کے تحت کیا گیا ہے اور

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اس سے سعودی عرب کی اپنی سیاسی صورت حال متاثر ہوگی۔

تہران کے فارسی روزنامہ رسالات ۲۹ مئی ۱۹۹۳ء نے اپنے اداریئے میں لکھا کہ اس وقت اسلامی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ اسلام کے دونوں قبلوں پر کافروں کا قبضہ ہے۔

اخبار نے لکھا کہ سعودی کی اولاد نے امریکہ اور برطانیہ کی مدد سے کعبہ پر قبضہ کیا ہوا ہے اور یہ خاندان اسلام اور خدا سے زیادہ امریکہ کو ترجیح دیتا ہے۔

ایرانی مجلس نے بھی حکومت پر زور دیا کہ سعودی عرب کے ساتھ اپنی صلح کی حکمت عملی تبدیل کرے۔ مجلس نے اپنی یادداشت میں کہا کہ ایران حج کے دوران اپنے سیاسی مظاہروں کو کسی طرح بھی بند نہیں کرے گا کیونکہ یہ ان کا مذہبی فرض ہے اور حق مطلق ہے۔

تہران کے فارسی روزنامہ جمہوری اسلامی نے بھی سعودی عرب کے ساتھ ایران کی قدامت پسند حکمت عملی پر نکتہ چینی کی اور لکھا کہ ایران کے اپنے مقاصد کا حصول صرف اس کے انقلابی اقدام سے ہی ممکن ہے۔

سب سے زیادہ چھپنے والے فارسی روزنامہ کیہان نے لکھا کہ سعودی عرب اس خطہ میں امریکہ کا ایجنٹ اور پٹھو ہے اور ایران کو اس کے قریب آکر دنیا میں اپنی شہرت کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہئے۔

اسلام آباد کے انگریزی روزنامہ مسلم ۳۱ مئی ۱۹۹۳ء کے مطابق آیت اللہ خامنہ ای نے کہا کہ حج کے دوران سیاسی مظاہرے کرنا ایرانی قوم کا حق ہے اور کوئی بھی اس کو اس حق سے محروم نہیں کرسکتا۔ انہوں نے کہا کہ ایرانی حکومت کسی دوسرے نظام کی پیروی نہیں کرتی بلکہ خود اپنی اسلامی اور انقلابی قدروں کی پابندی کرتی ہے جو لازوال ہیں۔

روزنامہ مسلم نے ایک پاکستانی شیعہ (حسین ظاہر خان) کا بیان بھی شائع کیا۔ اس نے کہا: ''کوئی مسلمان سعودی حکومت کے اس دعوے کو کیسے تسلیم کرسکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ کافروں کے خلاف کوئی مظاہرہ برداشت نہیں کرسکتے''۔ اس نے کہا کہ جو کچھ دنیا کے لاکھوں مسلمانوں نے دیکھا ہے سعودی حکومت کو اس پر شرم آنی چاہئے۔

اس روزنامہ کے مطابق ایک اور پاکستانی جوڑے نے بھی سعودی حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی اور اس کو امریکہ کا ایجنٹ قرار دیا۔

تہران کے فارسی روزنامہ کیہان یکم مئی ۱۹۹۳ء نے آیت اللہ خمینی کے بیٹے احمد خمینی کا انٹرویو شائع کیا جس میں انہوں نے کہا: ''ہمارے حاجی پرانے زمانے کے ان حاجیوں کی طرح نہیں ہیں جو صرف حج کرنے جاتے تھے۔ اب ہمارا حاجی ایک سفیر ہے جو دوسرے ملکوں کے حاجیوں کو ایران کے انقلاب کا پیغام دینے جاتا ہے اور حج ہمیں اس کے لئے بہترین موقع فراہم کرتا ہے''۔

ریڈیو تہران (۲۵ مئی ۱۹۹۳ء) کے مطابق شیعہ حاجیوں نے مکہ مکرمہ میں اہل بیت مجلس منعقد کی جس میں انہوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے آیت اللہ خامنہ ای کو اپنی فرماں برداری اور وفاداری کا یقین دلایا اور ایرانی انقلاب کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کا عہد کیا۔

سعودی عرب کے روزنامہ الیوم ۳۰ مئی ۱۹۹۳ء نے حج کے دوران افراتفری پیدا کرنے والی ایرانی کرتوتوں پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ سعودی حکومت مقدس جگہوں پر ہونے والے ایسے سیاسی مظاہروں کو ہرگز برداشت نہیں کرے گی۔

اخبار نے لکھا کہ مقدس مقامات، پرسکون ماحول میں اللہ کی عبادت کے لئے ہیں نہ کہ غل غباڑہ کرنے والے سیاسی مظاہروں اور نعرہ بازی کے لئے۔

سعودی عرب کے ایک سرکاری ترجمان نے سعودی خبر رساں ایجنسی کو بتایا (۲ جون ۱۹۹۳ء) کہ کچھ ایرانی شیعہ اپنی غیر اسلامی کاروائیوں کے ذریعے مقدس مقامات کے پرامن ماحول کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسرے ملکوں کے حاجیوں کی یک سوئی میں مداخلت کا باعث بنتے ہیں۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی یہ کاروائیاں اسلام کی کسی خدمت کے لئے نہیں بلکہ ایران کے اپنے سیاسی اور نظریاتی مقاصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہیں۔

ترجمان نے کہا کہ قرآن کے مطابق ان مقدس جگہوں میں حج کے دوران کسی ناشائستگی، شرارت، مناظرہ یا نعرہ بازی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی ایسی کاروائیوں کے لئے خود ان کا اپنا ملک بہترین مقام ہے۔

ریڈیو ماسکو نے اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا (۴ جون ۱۹۹۳ء) کہ حج کے موقعہ پر مکہ کی صورت حال بڑی نازک ہوتی ہے جب دنیا بھر سے لاکھوں مسلمان یکسوئی کے ساتھ حج کی رسومات ادا کرنے وہاں جاتے ہیں۔ یہ قدرتی امر ہے کہ سعودی حکومت ان سب کو ایک پرامن ماحول اور دوسری ضروری سہولتیں مہیا کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ لیکن ان کے لئے زیادہ تر مسائل ایرانی شیعہ حاجی پیدا کرتے ہیں۔ سعودی حکومت نہیں چاہتی کہ ۱۹۸۷ء جیسے حالات دوبارہ پیدا ہوں۔

ریڈیو نے سعودی حکومت کے ایک بیان کا حوالہ دے کر کہا کہ وہ اسلام میں ایسے عوامل شامل کرنے کی اجازت نہیں دے گی جو قرآن کی تعلیم کی نفی کرتے ہوں۔ حج کی ادائیگی کے لئے انکساری، امن اور سلامتی کا ماحول ضروری ہے لیکن تہران کے سرکاری حلقے اسلام کی اس تشریح کو نہیں مانتے۔

ریڈیو نے مزید کہا کہ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ ان میں سے کون سچا ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اسلامی دنیا کے ساتھ ساتھ ایک لادینی دنیا بھی موجود ہے جو اسلام کی جنگجو آنہ تشریح کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

تہران کے فارسی روزنامہ رسالات ۱۶ مئی ۱۹۹۳ء میں مجلس کے ایک رکن اور وزارت خارجہ کے مشیر جواد لاریجانی نے اپنے تبصرے میں لکھا کہ واشنگٹن نے سعودی حکمرانوں کو تبدیل کرنے کی حکمت عملی پر کام شروع کر دیا ہے۔

انہوں نے لکھا کہ واشنگٹن کے خیال میں اول تو سعودی عرب کے موجودہ حکمران اس قابل نہیں ہیں جو زیادہ دیر

1۔ ایران۔ افکار و عزائم، ص ۲۰۳ تا ۲۱۰

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تک امریکہ کے مفاد کا بچاؤ کر سکیں۔ دوسرے اس علاقے کے ملک اسلام کے خلاف کوئی کردار ادا نہیں کرنا چاہتے۔ اور کوئی بھی لادینی نظام اپنانے کے لئے تیار نہیں۔

لاریجانی نے لکھا کہ اس کے برخلاف جب ایران کی طرف سے اسلام کی باد نسیم ان علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی تو یہاں کے لوگوں کے دل و دماغ پر آسانی سے اثر انداز ہو سکے گی۔

لاریجانی نے لکھا کہ امریکہ چاہتا ہے کہ یہ ممالک خاص طور پر سعودی عرب لادینی نظام اختیار کریں تا کہ حج پر آنے والے لاکھوں مسلمان آزاد خیالی، عیاشی، جدت پسندی اور لادینیت کی طرف مائل ہو سکیں۔ اور یہ تاثرات اپنے ملکوں کو واپس لے جا سکیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کا مقصد خانہ کعبہ کو اسلام کے خلاف ایک بڑا مرکز بنانا ہے۔

لاریجانی نے لکھا کہ امریکہ کی اس حکمت عملی کا قدرتی نتیجہ سعودی حکمرانوں کو اقتدار سے الگ کرنا ہوگا اور ہماری سیاسی مشین کو اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

فرانس کی خبر ایجنسی کے مطابق ۲۵ مئی ۱۹۹۳ء تہران میں طالب علموں نے شاہ فہد کے ایران کے مجوزہ دورے کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور نعرے لگائے کہ وہ ایرانی انقلاب کا دشمن ہے۔ انہوں نے اپنے احتجاجی پرچموں پر لکھا کہ "شاہ فہد کو ایران آنے کی دعوت دینا ایرانی انقلاب کے اصولوں کی نفی اور امام خمینی کی وصیت کی خلاف ورزی کرنا ہے"۔

سعودی عرب کے عربی اخبار الریاض ۱۶ / اگست ۱۹۹۳ء نے اپنے اداریئے میں لکھا: ایران نے کئی موقعوں پر سعودی عرب کی سلامتی کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی ہے لیکن ہم نے ہمیشہ صبر و تحمل کی حکمت عملی اپناتے ہوئے بہت سے مسائل کو اپنی حدود میں رکھا۔ ایران نے اپنے پڑوسی ملکوں کی جغرافیائی حدود کی بھی خلاف ورزی کی جیسے متحدہ عرب امارات کے جزیرے ابوموسیٰ پر قبضہ اور سعودی عرب کے مقدس مقامات میں خلفشار پیدا کرنا اور شورش برپا کرنا وغیرہ۔

اخبار نے لکھا کہ ایران کے غیر ذمہ دارانہ رویے کے باوجود سعودی حکومت نے ہمیشہ ضبط سے کام لیا ہے تا کہ لوگوں کو اس خلفشار اور تباہی سے بچایا جا سکے جو ایران اس خطہ میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن جب بھی ہم نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو کسی نہ کسی صورت پھر تناؤ پیدا کر دیا گیا۔

اخبار نے لکھا کہ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب کہ عام ایرانی یہ چاہتا ہے کہ خلیج کے ممالک اور دوسرے پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات کو ترقی دے کر ایران کی اقتصادی حالت بہتر بنائی جائے اور ملک کو عالمی سطح پر الگ تھلگ ہونے سے روکا جا سکے۔ [1]

1۔ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۹۰۹ ج ۱۱

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انقلاب کے بعد

ایران کے افغانستان سے تعلقات

شیعیت افغانستان میں

جن علاقوں اور خطوں میں شیعہ اور مذہب شیعہ فروغ پاتے رہے ان کا مفصل ذکر اب تک کی ساری بحث میں آ چکا ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض علاقوں میں آگے چل کر کئی ملک مختلف ناموں سے معرض وجود میں آئے لیکن شیعیت ان میں بدستور موجود چلی آ رہی ہے مثلاً:

سعودی عرب میں مدینہ منورہ کے محلہ نخاولہ اور قریب کی ایک بستی عوالی میں شیعوں کی بڑی تعداد موجود ہے اور قطیف اور احساء میں برابر کی آبادی ہے۔

دمشق، لبنان، بیروت اور بعلبک میں بکثرت آباد ہیں۔ جبل عامل کے شہر "صیدا" اور "......" شیعوں کے علمی مرکز ہیں اور تقریباً تمام آبادی شیعہ ہے۔ یمن میں زیدیہ کے علاوہ شیعہ اثنا عشریہ بھی کثیر تعداد میں آباد ہیں اور بحرین قطر اور کویت میں شیعہ اکثریت میں ہیں۔

مسقط میں خوارج کی اکثریت ہے مگر سندھ سے منتقل ہونے والی "خوجہ" جماعت شیعہ ہے۔ مشرقی افریقہ میں زنجبار، یوگنڈا، کینیا، ٹانگانیکا، کانگو، مڈغاسکر وغیرہ میں شیعہ کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ روس کے مقبوضہ شہر ایروان میں تمام آبادی شیعہ ہے۔ بادکوبہ میں ان کی اکثریت ہے اور بخارا میں بھی ان کی تھوڑی بہت تعداد موجود ہے۔

(وسطی ایشیاء کی آزاد ہونے والی ریاستوں ترکمانستان، قازقستان، تاجکستان، قرغزستان، ازبکستان اور آذربائیجان میں ایرانی حکومت نے مذہب شیعہ کے فروغ کے لئے لٹریچر اور مبلغین کا جال پھیلا رکھا ہے)

ترکستان کے شہر شرابیان، مامغان، تبریز، آذربائیجان اور شیروان میں شیعہ اکثریت میں ہیں۔ برما، ملایا اور سنگاپور میں بھی شیعہ خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ ۱۹۶۰ء تک شیعوں کی مجموعی تعداد دس کروڑ بتائی جاتی ہے۔[1]

ایران کا ایک قریبی ہمسایہ افغانستان ہے، یہ ملک دسویں صدی کی ابتدا میں ترکستان کے ازبکوں اور ایران کے صفویوں، اور درمیان درمیان میں مقامی حوصلہ مندوں کی تاخت میں رہا، کابل وقندھار پر کبھی مغل اور کبھی ایرانی قابض ہو جاتے تھے، اور ہرات ایران کے حدود پر ہونے کی وجہ سے اکثر صفوی سلطنت کے زیر اثر رہا، ۹۲۸ھ میں بابر نے قندھار کو فتح کیا، پھر جب اس نے ہندوستان میں تیموری سلطنت کی بنیاد ڈالی تو اپنا مستقر ہندوستان کو بنایا، جہاں سے وہ کابل، بدخشاں وقندھار تک حکومت کرتا تھا، اس وقت افغانستان، ہندوستان وایران کی دو بڑی سلطنتوں کے زیر اثر ایک نسبتاً منظم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اور پُر امن دور میں داخل ہوا، وہ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان اس طرح بٹ گیا تھا کہ ہرات و سیستان کے صوبے ایران کے پاس رہے (اگر چہ ان پر وقتاً فوقتاً ازبکوں کے حملے ہوتے رہتے تھے) کابل سلطنت مغلیہ کا جزبنا رہا، اور قندھار پر کبھی مغل کبھی ایرانی قابض ہوجاتے، کوہستان کے شمال میں بابر کے چچازاد بھائی سلیمان مرزا نے (جسے بابر نے بدخشاں کا والی بنایا تھا) ایک نیم آزاد شاہی خاندان کی بنیاد قائم کرلی، ملک کے باقی ماندہ اقطاع شیبانیوں کے زیر نگیں رہے، ۹۶۵ھ میں طہماسپ شاہ ایران نے قندھار پر قبضہ کرلیا، اور ۱۰۰۳ھ تک یہ شہر ایرانیوں کے قبضہ میں رہا، ۱۰۰۳ھ میں شہزادہ مظفر حسین نے اسے اکبر کے حوالہ کیا، اس وقت سے افغانستان کا ملک ہندوستان کی مغل سلطنت کا ایک صوبہ رہا، اور یہ سلسلہ بارہویں صدی کے وسط تک قائم رہا، یہاں تک کہ ۱۱۵۱ھ میں نادرشاہ افشار کے ہاتھوں آل بابر کی دوسو چالیس سال کی حکومت افغانستان سے اٹھ گئی۔

جہاں تک افغانستان کا تعلق ہے تو قرامطہ کے حوالے سے کچھ ایسے اشارے بھی پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں شیعیت سندھ اور ملتان کے بعد داخل ہو چکی تھی لیکن اس کا باقاعدہ اور کھلم کھلا آغاز ایران کی شیعہ صفوی حکومت کے دور سے ہوتا ہے۔ ان صفوی حکمرانوں کی کوشش اور محنت سے شیعیت افغانستان میں پہنچی اور اب ہرات، کابل، غزنی اور قندھار میں قزلباش، ہزارہ اور بربر قبائل شیعہ ہیں۔

فرقہ قزلباش

قزلباش کا معنی ہے "سرخ سر" شیعہ اور غیر شیعہ میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے سرخ رنگ کی ایک ٹوپی استعمال کی جاتی تھی جس پر ائمہ کے نام تحریر کئے جاتے تھے۔ اس علامت کی وجہ سے شیخ حیدر صفوی کے مرید "قزلباش" کہلائے جانے لگے جو بعد میں ان کا مشہور عرف ہوگیا۔ قزلباش دراصل ایک شیعی فرقے کا نام ہے جو سارے ایشیائے کوچک میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا شام کے "نُصَیریہ" فرقے سے گہرا تعلق ہے۔ اس کے پیرو اپنے آپ کو "علوی" یعنی پیروان علیؓ کہتے ہیں ان میں سے کچھ کردہیں لیکن بیشتر ترک ہیں۔ وہ نماز پڑھتے ہیں نہ وضو کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں، ماہ رمضان میں روزہ نہیں رکھتے البتہ ماہ محرم کے پہلے بارہ دن روزے سے ہوتے ہیں اور ماتم حسینؓ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت علیؓ اللہ کا اوتار ہیں۔ ان سے پہلے بھی اللہ عیسیٰؑ کے روپ میں روئے زمین پر آیا تھا۔ خدا ایک ہے مگر اس میں تین شخصیتیں ہیں۔ اس کے بعد پانچ بڑے فرشتے ہیں جو ذات باری اور انسان کے درمیان واسطے کا کام دیتے ہیں۔ پھر بارہ عامل ہیں اور چالیس اولیاء۔

قزلباش مریم عذراء کا بے حد احترام کرتے ہیں اور ان کی شان میں مناجاتیں پڑھتے ہیں۔ رات کے وقت ان کے ہاں عشائے ربانی کی تقریب ہوتی ہے۔ ان کا سرکردہ ملا علیؓ، عیسیٰؑ، موسیٰ - [1] - [2] اور داؤدؑ کی شان میں مناجاتیں گا کر

1۔ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۱۱۸ جلد ۲۱۶

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ ساز بجتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں بید کی ایک چھڑی ہوتی ہے جسے وہ پانی میں ڈبو دیتا ہے اس کے بعد یہ مقدس پانی گھروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ تقریب کے دوران حاضرین اپنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور ملا ان پر کفارے عائد کرتا ہے۔ اس کے بعد روشنی گل کر دی جاتی ہے۔ یہیں سے ان کا ترکی نام "چراغ صوندران" وضع ہوا۔ یعنی مشعلیں بجھانے والے۔ فرقہ قزلباش کا مذہب مشرکانہ عہد کے بچے کھچے اعتقادات پر مشتمل معلوم ہوتا ہے جس میں مسیحی تعلیمات کی آمیزش ہوگئی ہے اور جسے اسلام کا لباس پہنا دیا گیا ہے۔ بظاہر ان کی تعداد دس لاکھ سے متجاوز ہے۔

افغانستان میں ترکی نسل کے وہ تارکین وطن اس نام سے مشہور ہیں یہ لوگ نادر شاہ کے ساتھ ایران سے آئے تھے۔ درباری اور سرکاری ملازمین انہیں میں سے بھرتی کئے جاتے تھے۔ ہرات میں یہ لوگ تجارت پیشہ اور اہل حرفہ ہیں۔ فارسی بولتے ہیں لیکن آپس میں بات چیت ترکی میں کرتے ہیں۔ ان کی تعداد ۷۵ ہزار بتائی جاتی ہے۔[1]

افغانستان کے بارے میں چند اہم معلومات

آج کا افغانستان 250,000 مربع میل پر مشتمل ہے۔ جس میں 15 فی صد زمین قابل کاشت ہے۔ یہ ملک معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے جس کی دریافت کی منتظر ہے اس کا دارالحکومت کابل ہے۔ دیگر اہم شہر قندھار، ہرات، جلال آباد، گردیز اور مزار شریف ہیں۔ پہاڑی سلسلوں سے گھرے ہوئے اس ملک کے مشرق میں کوہ ہندوکش، کوہ بابا اور کوہ سپید کے سلسلے ہیں۔ میدانی علاقے سطح سمندر سے 6 ہزار فٹ تک بلند ہیں جو سطح مرتفع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملک میں 4 بڑے دریا بہتے ہیں۔ افغانستان انتظامی طور پر کابل، قندھار، سیستان، ہرات، ہزارستان، ترکستان، بدخشاں اور نورستان کے صوبوں پر مشتمل ہے۔

افغانستان کے بڑے لسانی گروہ پشتون، تاجک، نورستانی، پنج شیری، ہزارہ جات، عماق، ترکمانی، ازبک، کرغیز اور بلوچ ہیں اکثریت پشتو اور دری (افغانی فارسی) بولتی ہے۔

آج پھر سے تاریخ کے چوراہے پر کھڑے اس قدیم تاریخی ملک کی سرحدیں پاکستان، ایران، چین، تاجکستان، ازبکستان اور ترکمانستان سے ملتی ہیں ساتھ ہی یہ بھارت اور روس سے بھی قریب ہے۔

افغانستان عروج و زوال کے کئی مراحل سے گزرا ہے اس کا ایک بڑا حصہ ایرانی بادشاہوں کے زیر نگیں رہا اور دارا نے سے ایرانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ایرانی زبان فارسی کی ایک شکل جو "دری" کہلاتی ہے افغانستان کی عملی زبان بن گئی اور بہت سے افغانوں کی مادری زبان بھی۔ لیکن زیادہ تر لوگوں کی زبان پشتو تھی، جو آج بھی ہے دوسری زبانوں میں ازبک، ترکمانی اور بلوچی وغیرہ ہیں۔

پاکستان کے قیام کے موقع پر افغانستان نے صوبہ سرحد کے پشتون علاقوں کو جن کی برطانوی دور میں نیم خودمختار حیثیت تھی، آزاد کرانا چاہا۔ حالانکہ قیام پاکستان کے وقت صوبہ سرحد انگریزوں کے زیر انتظام کرائی گئی رائے شماری کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ذریعے پاکستان میں شامل ہوا تھا۔ افغانستان سے تنازع کے سبب اس کے ساتھ پاکستان کے سفارتی تعلقات منقطع رہے۔ 1961ء میں سفارتی تعلقات منقطع ہونے کے سبب پاکستان نے افغانستان کے ساتھ اپنی سرحدیں مکمل طور پر بند کر دیں اور اپنی سرزمین سے تجارتی سامان کی ترسیل روک دی۔ پاکستان کی سرحد 1963ء تک بند رہی اور وزیر اعظم سردار داؤد کے مستعفی ہونے کے بعد ہی کھل سکی۔ داؤد پاکستان کا بڑا مخالف اور پشتونستان کا شدت سے حامی تھا۔ حکومت سے اس کی علیحدگی کے بعد پاکستان سے افغانستان کے تعلقات بہتر ہو گئے۔ ادھر ظاہر شاہ سے داؤد کے تعلقات اچھے نہیں رہ سکے۔ داؤد نے مارچ 1963ء میں استعفیٰ دے دیا تھا۔ ظاہر شاہ نے ریاست کے اداروں کو مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں تقسیم کیا۔ دستور میں کہا گیا کہ حکمران (محمد زئی) خاندان کا کوئی رکن ملک کی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اس وجہ سے داؤد اور نعیم پارلیمنٹ میں داخل نہ ہو سکے۔ ملک کی تاریخ میں پہلی بار ایک ایسے شخص کو وزیر اعظم بنایا گیا جس کا تعلق شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ محمد یوسف کو وزیر اعظم بنا کر نئی کابینہ تشکیل دی گئی اور 1964ء میں ملک کا نیا آئین بنایا گیا۔ اس میں سیکولر قوانین کو شرعی قوانین پر ترجیح دی گئی۔ پارلیمنٹ میں خواتین کو بھی نمائندگی دی گئی۔

ادھر افغانستان میں سوویت یونین کے عمل دخل میں اضافہ ہونے لگا مالی امداد کے ساتھ ساتھ سوویت یونین نے فوجی امداد بھی فراہم کی اور کئی فوجی ہوائی اڈے بھی بنوائے۔

1960ء کی دہائی کے آخری برسوں میں افغان نوجوانوں میں حکومت کے خلاف جذبات ابھرنے لگے۔ تعلیم کی بہتر سہولتوں کی وجہ سے ملک بھر سے طلبہ بڑی تعداد میں کابل یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ انقلابی تحریکیں خوب پھل پھول رہی تھیں۔ طلباء پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان کی اصلاحات کے پُرجوش حامی بن گئے۔ اس پارٹی (جی ڈی پی اے) کا قیام یکم جنوری 1965ء کو عمل میں آیا تھا۔ اس کے جنرل سیکرٹری نور محمد ترہ کئی اور دیگر قائدین میں ببرک کارمل، سلطان علی کشمند وغیرہ شامل تھے۔ بعض طلباء اسلامی اقدار کی بحالی کے خواہاں تھے اور ملک میں شریعت کا نفاذ چاہتے تھے۔

1969ء سے 1972ء میں ملک میں سخت قحط پڑا۔ 1973ء میں 17 جنوری کو سابق وزیر اعظم اور شاہ ظاہر شاہ کے عم زاد نے حکومت کا فوج کی مدد سے بغیر خون خرابہ کیے تختہ الٹ دیا۔ افغانستان کو جمہوریہ قرار دے کر داؤد نے خود صدر بننے کا اعلان کر دیا۔ اس نے اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے فوج اور جی ڈی پی اے کے ارکان کا سہارا لیا۔ مزید اصلاحات نافذ کیں اور اسلام پسند جماعتوں پر سختی کی، جس کی وجہ سے ان کے قائدین اور ارکان بھاگ کر پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اس نے سوویت یونین پر انحصار میں کمی شروع کی، مغربی ممالک سے تعلقات بحال کرنا چاہے اور ایران سے تعلقات میں اضافہ کیا لیکن حالات بہتر نہ ہو سکے۔

انقلابِ ثور اور سوویت یونین سے دوستی

1978ء میں ایک فوجی بغاوت کے نتیجے میں داؤد کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ داؤد اور اس کے بھائی کو گولی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس بغاوت کی پشت پر سوویت یونین کا ہاتھ تھا۔ ریاست کا مکمل کنٹرول فوج کی انقلابی کونسل نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دو روز بعد فوجی کونسل اور انقلابی کونسل کو ملا دیا گیا۔ 30 اپریل کو نور محمد ترہ کئی کو انقلابی کونسل کا صدر اور جمہوریہ افغانستان کا وزیر اعظم چُنا گیا۔ ببرک کارمل کو نائب صدر اور نائب وزیر اعظم، حفیظ اللہ امین کو ڈپٹی وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔ دو کمیونسٹ جماعتوں خلق اور پرچم نے مشترکہ طور پر داؤد کا تختہ الٹا تھا۔ جی ڈی پی اے کے دونوں حصے یعنی پرچم اور خلق کے نام سے کام کرتے تھے۔ خلق کی قیادت نور محمد ترہ کئی، محمد زیاری، شاہ ولی، حفیظ اللہ، امین، عبدالکریم میثاق، اسماعیل دانش اور محمود پر مشتمل تھی۔ پرچم کی قیادت میں ببرک کارمل، ڈاکٹر اناہیتہ راطب زاد، نور محمد نور، میر اکبر خیبر، سلیمان لئیق، برق شفیع، دست گیر پنج شیری، شہزاد اللہ شاپور اور سلطان علی کشمند پر مشتمل تھی۔ 3 کا تعلق کسی پارٹی سے نہیں تھا۔ داؤد کے خلاف آنے والے انقلاب کو "انقلاب ثور" کا نام دیا گیا۔ اس دوران سوویت یونین نے افغانستان کی حمایت میں اضافہ کر دیا اور دسمبر 1978ء میں دونوں ممالک کے مابین معاہدۂ دوستی پر دستخط کئے گئے۔ جی ڈی پی اے نے اپنا انقلابی اصلاحی ایجنڈا نافذ کرنا شروع کیا۔ زمین کی ملکیت کی کم از کم حد مقرر کی، مہر کی رقم پر پابندی لگائی گئی شادی کی کم از کم عمر کی حد مقرر کی، سیکولر نظام تعلیم رائج کیا اور خواندگی کی شرح بڑھانے کی کوشش کی۔

خانہ جنگی اور انقلاب در انقلاب

ترہ کئی اور امین نے ملک میں تبدیلیاں لانے کے عمل میں جلد بازی سے کام کیا اور یہ سوچے بغیر وہ بہت آگے بڑھ گئے کہ ان تبدیلیوں کا ردِعمل کیا ہوگا؟ تمام اصلاحات نافذ کرنے میں افغان عوام کے مزاج، قبائل روایات اور مذہبی پس منظر کو نظر انداز کر دیا گیا۔ مارکسی حکومت کو مسلم قبائلی معاشرے میں مقبولیت حاصل نہ ہو سکی اور بغاوت شروع ہو گئی سرکاری فوجیں مسلح بغاوت کو کچلنے کے لیے میدان میں آ گئیں اور ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔

ادھر پرچم اور خلق میں اختلافات اور رسا کشی میں اضافہ ہونے لگا۔ امین بہت طاقت ور ہو گیا تھا۔ ترہ کئی کے نام پر وہ جو چاہتا کرتا۔ جیسے جیسے مسلح بغاوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ افغانستان میں سوویت مداخلت بھی بڑھتی گئی۔ سوویت یونین نے اسلحہ اور فوجی مشیر فراہم کئے انقلابی کونسل کے اجلاس میں ترہ کئی کو تمام عہدوں سے ہٹا دیا گیا۔ اور ان عہدوں پر حفیظ اللہ امین کا تقرر کر دیا گیا۔ متضاد خبریں تھیں کہ ترہ کئی بیمار ہیں اور علالت کے سبب انہوں نے عہدوں سے استعفیٰ دیا ہے بعد میں خبر آئی کہ ان کا انتقال ہو گیا پھر یہ خبر آئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔

امین نے سینکڑوں افراد کو اذیت پہنچائی اور قتل کرایا۔ اس نے افغانستان کا صدر بن کر سوویت یونین سے فاصلہ بڑھانا چاہا۔ سوویت یونین، افغانستان کے اندرونی خلفشار سے پہلے ہی ناخوش تھا۔ دریں اثناء ایران کے انقلاب نے اسے مزید چونکا دیا۔ اسے یہ خوف لاحق ہو گیا کہ افغانستان کے اسلام پسند بھی کہیں زور نہ پکڑ لیں۔ روس کو امین کے رویے سے بھی تشویش تھی۔ ادھر ملک میں مارکسی حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت کی تیزی آتی جا رہی تھی۔ ملک بھر میں ایسے گروہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

بن گئے جو امین کے آدمیوں کے مظالم کا مقابلہ کرتے تھے۔ امین کا شخصی اقتدار زیادہ عرصے قائم نہ رہ سکا۔ پرچم والوں نے صدارتی محل پر حملہ کیا، شدید لڑائی ہوئی اور حفیظ اللہ امین مارا گیا۔ دسمبر 1970ء میں سوویت یونین نے اپنی فوجیں افغانستان میں داخل کر دیں، حفیظ اللہ امین قتل ہوا اور 28 دسمبر کو ببرک کارمل کو ملک کا صدر بنا دیا گیا سوویت یونین کی فوجوں کی افغانستان میں آمد اس معاہدے کے مطابق تھی جو 1978ء میں دونوں ممالک کے مابین ہوا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ افغانستان کو براہِ راست فوجی امداد دے سکتا ہے۔ دسمبر میں 30 ہزار روسی فوجی افغانستان میں داخل ہوئے۔ سوویت مداخلت کے خلاف مزاحمت پورے ملک میں پھیل گئی، نتیجتاً سوویت فوجیوں کی تعداد 11 لاکھ 5 ہزار تک پھیل گئی۔ سوویت یونین کو اندیشہ تھا کہ وہ جنوب کی جانب سے محصور نہ ہو جائے۔ دوسری طرف اس بات کا امکان تھا کہ امریکا اسلامی مزاحمت کو نہ صرف تقویت پہنچائے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی فوجیں بھی اتار دے ادھر امریکا اور چین میں بڑھتی ہوئی مفاہمت بھی خطرناک تھی۔

سوویت یونین کے خلاف جہاد کا آغاز

سوویت یونین کا اندیشہ درست ثابت ہوا اور امریکا نے مزاحمت کرنے والے گروہوں کو پاکستان کے ذریعے اسلحہ اور رقم پہنچانا شروع کر دی۔ مزاحمت کرنے والے گروہوں نے خود کو مجاہدین کہلایا اور مزاحمت کو جہاد کا نام دیا گیا۔ امریکا اسے جہاد کہنے اور مجاہدین کی مدد کرنے میں نہایت فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ افغانستان کی اسلامی تنظیموں کے جو قائدین داؤد حکومت کے زمانے میں پاکستان آ گئے تھے، انہیں وزیر اعظم بھٹو نے خوش آمدید کہا۔ ان قائدین نے حکومت پاکستان کی حمایت سے مجاہدین کی قیادت سنبھال لی۔ انہیں پشاور میں دفاتر قائم کرنے کی اجازت ملی۔ 1971ء میں امریکا نے اس مزاحمتی تحریک کے ساتھ تعاون شروع کیا۔ ابتداء میں در پردہ فوجی امداد کی لیکن 1986ء سے کھل کر حمایت شروع کر دی۔ امریکا نے انہیں بے تحاشہ اسلحہ اور رقوم فراہم کیں۔

1985ء میں افغانستان کا نیا آئین بنا۔ پرچم دھڑے کے میجر جنرل نجیب اللہ نے جی ڈی پی اے کے سیکرٹری جنرل کا عہدہ سنبھالا اور ببرک کارمل کے اختیارات پر قبضہ کرنے کا آغاز کیا۔ 1987ء میں پھر نیا آئین بنایا گیا، نجیب نے اپنے اختیارات میں اضافہ کیا اور ملک کے جمہوریہ افغانستان کا نام دیا گیا۔ سوویت افواج اور مجاہدین کے درمیان جنگ جاری رہی۔ ببرک کارمل کے زمانے میں سوویت اور سرکاری افغان افواج کا پلّہ بھاری رہا۔ امریکہ صدر رونالڈ ریگن نے مجاہدین کی فوجی امداد بڑھا دی اور انہیں اسٹنگر میزائل فراہم کر دیے جس سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ بالآخر اپریل 1988ء میں جنیوا معاہدہ ہوا، جس کے تحت طے پایا کہ 15 فروری 1989ء کو سوویت افواج، افغانستان سے واپس چلی جائیں گی اس معاہدے میں مجاہدین کو شریک نہیں کیا گیا تھا۔

مجاہدین کی باہمی کشمکش

امریکا اور پاکستان کی کوششوں سے سات جماعتوں کے اتحاد نے ایک عبوری حکومت تشکیل دی اس کا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دارالحکومت جلال آباد تھا۔ لیکن نجیب اللہ کی حکومت چلتی رہی۔ بالآخر اپریل 1992ء میں نجیب حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ مجاہدین نے کابل پر قبضہ کرلیا اور ملک کو اسلامی ریاست قرار دیا۔ 30 دسمبر 1992ء کو اسلامی ریاست افغانستان کا پہلا صدر برہان الدین ربانی کو منتخب کیا گیا۔

سوویت افواج کی افغانستان میں دس سال تک موجودگی اور اس کے خلاف طویل جدوجہد بھی افغانوں کو ایک پلیٹ فارم پر نہ لاسکی۔ افغان معاشرے کے قبائلی حیثیت ہونے کی وجہ سے ملک ایسا کرشماتی رہنما پیش نہ کرسکا جسے قومی فوج کا سربراہ اور سیاسی رہنما تسلیم کرلیا جاتا جو افغانستان کے تمام کمیونسٹ مخالف عناصر کی رہنمائی کرتا۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ جب مشترکہ مقصد حاصل ہو گیا تو انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔

مختلف قبائلی دھڑوں پر مشتمل مذہبی چھاپ والی جماعتوں کے لوگ کابل کے دروازے پہ دستک دے رہے تھے۔ ہر ایک دوسرے کے لیے ناقابلِ اعتماد تھا۔ شمال سے جمعیت اسلامی کے کمانڈر احمد شاہ مسعود کی کابل کی جانب پیش قدمی جاری تھی۔ جنوب سے حزب اسلامی کے گل بدین حکمت یار پیش قدمی کر رہے تھے۔ جنبش ملّی کے جنرل عبدالرشید دوستم اپنے دو ہزار ازبک ساتھیوں کے ساتھ کابل کی جانب رواں دواں تھا یوں سابق اتحادی ایک دوسرے کے مقابل صف آراء تھے۔

نہ ہی معاہدۂ پشاور اور نہ ہی اعلان اسلام آباد مؤثر ثابت ہو سکا نگر ہار امن کمیٹی بھی متحارب دھڑوں کے اختلافات ختم کرانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مشترکہ دشمن کے اقتدار سے بے دخلی کے بعد پرانے تنازعات ابھر کر اوپر آ گئے۔ پرانے حساب چکانے کے لیے مجاہدین کے مابین اسلحے کا کھل کر استعمال شروع ہو گیا۔ مقامی دشمنیاں بھی ابھر آئیں۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا ایک گاؤں دوسرے گاؤں کے مقابل آ گیا۔ مستقبل کے حکمران اس بات پر ہی اتفاق نہیں کر سکے کہ انتخابات کا انعقاد ہونا چاہیئے یا نہیں، کیونکہ بعض کے نزدیک انتخابات غیر اسلامی تھے، بعض کے نزدیک اچھے مسلمان کی تعریف مختلف تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سوویت حمایت یافتہ عناصر کے خلاف ہونے والا جہاد خانہ جنگی میں تبدیل ہو گیا اور مسلمانوں نے مسلمانوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ نجیب کے بعد آنے والے عبوری دور کے پہلے صدر جبہ نجات ملّی کے سربراہ صبغت اللہ مجددی کابل کے اردگرد موجود ملیشیا کو غیر مسلح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حکمت یار کے خلاف برہان الدین ربانی جنگ میں ملوث ہو گئے۔ اس جنگ میں بہت سے لوگ مارے گئے یونس خالص نے خود کو شوریٰ سے یہ کہہ کر علیحدہ کرلیا کہ کابل میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ غیر اسلامی ہے۔ ادھر ربانی کو دوسری مرتبہ عبوری حکومت 28 اکتوبر 1992ء کو دی گئی۔ مجاہدین کے مختلف دھڑوں کے درمیان ہونے والی ڈھائی سالہ جنگ میں اربوں ڈالر مالیت کی املاک تباہ ہو گئیں اور تقریباً 50 ہزار افغان مارے گئے۔

مارچ 1993ء میں ربانی، حکمت یار اور دیگر دھڑوں کے مابین معاہدۂ امن ہوا، اگلے سال کے آخر میں یہ معاہدہ ٹوٹ گیا اور آپس میں پھر جنگ شروع ہو گئی۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

یوں تو کابل پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن حکمت یار نے جو اقتدار میں مؤثر شرکت کے خواہاں تھے، خانہ جنگی شروع کر دی۔ عبوری صدر مجدّدی نے اپنے وزیر دفاع احمد شاہ مسعود کے ساتھ مل کر امن وامان کی صورتِ حال پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ان کے بعد صدر ربانی نے اس کوشش کو آگے بڑھایا مگر حزبِ وحدت اور اتحادِ اسلامی کی افواج ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو گئیں۔ صورتِ حال کو قابو میں لانے کے لئے حکمت یار کو وزیر اعظم بنایا گیا لیکن وہ بھی ناکام وزیر اعظم رہے اور صدر ربانی پر قاتلانہ حملے کے بعد ان کی کابل میں داخلے کی ہمت نہ ہوئی۔ اگست 1992ء میں کابل پر راکٹوں کا خوف ناک حملہ ہوا جس میں 1800 شہری مارے گئے۔ دسمبر 1992ء میں ربانی دوبارہ صدر بن گئے اور دوستم وغیرہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔ چنانچہ دوستم اور حکمت یار نے ربانی کو ہٹانے کے لئے یکم جنوری 1994ء کو کابل پر راکٹوں کی بارش کر دی اور یہ سلسلہ سارا سال چلتا رہا۔

1992ء تک یہ حال ہو چکا تھا کہ افغانستان کے لوگ خانہ جنگی سے عاجز ہو چکے تھے۔ لوگوں کا اپنے رہنماؤں پر اعتماد اور وقت گزرنے کے ساتھ مجاہدین کی مقبولیت کم ہوتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ ان میں سے زیادہ تر غیر سماجی سرگرمیوں میں ملوث ہو گئے تھے۔ بعض نے ایسے گروہوں کی شکل اختیار کر لی جو دکان داروں سے بھتّے لیتے تھے۔ انہوں نے اپنے علاقوں سے گزرنے والی گاڑیوں سے ٹیکس لینا شروع کر دیا تھا۔ بہت سے لوگ بدعنوانیوں، لوٹ مار، منشیات کی خرید و فروخت اور اسمگلنگ اور عصمت دری کے واقعات میں ملوث تھے۔ سب سے زیادہ متاثرہ علاقہ، قندھار کے اردگرد کا تھا، جہاں لاقانونیت اس قدر پھیل گئی تھی کہ اندھیرا ہونے کے بعد دکان دار اپنی دکانوں میں مال بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔

''طالبان'' کا ظہور

افغانوں کو امن وامان کی اشد ضرورت تھی، افغانستان ایک ناکام ریاست کی شکل اختیار کر گیا تھا اور غیر سماجی سرگرمیاں بڑھتی جارہی تھیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب طالبان تحریک کا آغاز ہوا، جس کی قیادت ملّا عمر نے کی۔ وہ نسلاً پشتون ہیں اور طالبان تحریک کے سب سے بڑے قائد۔ انہیں ''امیر المومنین'' کا خطاب دیا گیا۔ سوویت مخالفت، مزاحمتی تحریک میں وہ یونس خالص کی حزبِ اسلامی میں شامل تھے۔ سوویت افواج سے مقابلے میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی وہ اعلیٰ فوجی کمانڈر رہیں۔ طالبان کی قیادت دینی مدارس کے طلباء پر مشتمل تھی، نسلی اعتبار سے طالبان کی اکثریت پشتون ہے لیکن ان میں سے بعض غیر پشتون ہیں۔ یہ سب سنی مسلمان ہیں، اسی تحریک میں وسطی افغانستان کے شیعوں یا شمال مشرق کے اسماعیلیوں کے لئے گنجائش نہیں۔

1994ء کے اواخر میں طالبان ایک چھوٹے سے گروہ کی شکل میں قندھار میں سامنے آئے، اس تحریک کو ''تحریکِ اسلامی طالبان، افغانستان'' کا نام دیا گیا۔ اس کے فوری مقاصد یہ تھے:

☆ تمام مخالف ملیشیا کو غیر مسلح کرنا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

☆ جو لوگ غیر مسلح ہونے کی درخواست قبول نہ کریں ان کے خلاف لڑنا۔

☆ طالبان کی کوششوں سے "آزاد" کرائے گئے علاقوں میں اسلامی قوانین نافذ کرنا۔

☆ ایسے علاقوں پر قبضہ برقرار رکھنا۔

طالبان کی زیادہ تر قیادت پشتون قبائل نورزئی، بارک زئی، محمد زئی، پوپل زئی، غل زئی، اور ہوتک سے تعلق رکھتی ہے۔ یونس خالص کے دھڑے سے تعلق رکھنے والے طالبان کے نمایاں رہنماؤں ملا محمد ربانی، ملا محمد شاہد، ملا حسن، مُلا برہان اور حاجی امیر آغا کے نام آتے ہیں۔ عبدالرب رسول سیاف کے اتحاد اسلامی سے تعلق رکھنے والے شیخ نورالدین ترابی، استاد سیاف، ملا عباس، ملا محمد صادق اور ملا عبدالسلام راکٹی نے طالبان تحریک میں شمولیت اختیار کی چونکہ افغانستان کے لوگ طویل خانہ جنگی اور مجاہدین کے باہمی تنازعات سے تھک چکے تھے اس لیے طالبان تحریک کے چھا جانے کے لیے میدان ہموار تھا۔ انہوں نے قندھار پر کنٹرول حاصل کیا اور پھر فروری 1995ء تک وہ نصف افغانستان پر قبضہ کر چکے تھے۔ انہوں نے کابل کے جنوب میں حکمت یار کے اڈے چہار اسیاب شہر کو بھی خالی کرالیا۔ گو کہ کابل پر قبضے کی کوشش میں انہیں چہار اسیاب کو خالی کرنا پڑا مگر اکتوبر میں انہوں نے اس شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور 1996ء میں وہ کابل میں داخل ہو گئے۔ وہ ہرات پر 1995ء میں ہی قبضہ کر چکے تھے۔ جلال آباد سے نمٹ کر جب وہ کابل میں داخل ہوئے تو چند گھنٹوں بعد ہی آنے والی یہ خبر دھماکے سے کم نہ تھی کہ شہر کے ایک چوک میں سابق صدر نجیب اور اس کے بھائی کو اقوامِ متحدہ کے دفتر سے پکڑ کر پھانسی دے دی گئی۔ تین دن تک ان کی نعشیں اسی طرح لٹکتی رہیں۔

طالبان جہاں جہاں فتح یاب ہوتے گئے وہاں شرعی قوانین کا فوری نفاذ ان کی اوّلین ترجیح رہا۔ طالبان نے اپنی تحریک کو جہاد کا نام دیا۔ خوست کے گورنر ملا سید عبداللہ کے مطابق "گناہوں' بدعنوانیوں اور مظالم کے خلاف لڑنا جہاد ہے"۔ قندھار میں ملا عمر کی قیادت میں، جنہیں امیر المومنین کا خطاب دیا گیا، مرکزی شوریٰ کا قیام عمل میں آیا جو دس ارکان پر مشتمل تھی۔ اس شوریٰ نے تمام مفتوحہ علاقوں میں فوری نفاذِ شریعت کا فیصلہ کیا۔

اسلام، طالبان اور افغانستان

اسلام کو عام افغان عوام کی زندگی میں ہمیشہ مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی پابندی میں افغانوں سے بڑھ کر شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ اسلام افغان کے مختلف قبائل اور نسلوں کے لوگوں کے درمیان اتحاد کا اہم ترین وسیلہ رہا ہے۔ جہاد افغان قوم پرستی کو زندہ رکھنے اور متحرک کرنے کا بھی محرک ثابت ہوا ہے۔ برطانیہ اور روس کے خلاف افغانوں کی مزاحمت میں جذبۂ جہاد کی کارفرمائی سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔

یہاں نوّے فی صد افغان سنی حنفی عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ مسلک بڑی حد تک آزاد رو ہے۔ اقلیتی فرقے ملک کی سرحد پر رہتے ہیں۔ ہزارہ جات میں ہزارے شیعہ ہیں، یہاں چند پشتون تاجک اور کچھ ہراتی رہتے ہیں۔ آغا خان کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ماننے والے اسماعیلی بھی ہیں۔ اسماعیل شمال مشرق کے ایسے علاقے میں آباد ہیں جو دشوار گزار ہے۔ جہاں تک رسائی مشکل ہے۔ پامیر کا سلسلۂ کوہ جو تاجکستان کے مشرقی حصے میں واقع ہے اور پاکستان کے شمالی علاقوں تک پھیلتا چلا گیا ہے، اسماعیلی فرقے کے لوگوں کا مسکن ہے۔ افغان اسماعیلیوں کے لیڈر سید نادر حسین شاہ کو آغا خان نے خود فرقے کا سربراہ مقرر کیا۔ 1971ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد سے ان کے فرقے کے سربراہ چلے آتے ہیں۔ انہوں نے طالبان کے خلاف اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہندو اور سکھ جو انیسویں صدی میں انگریزوں کے ساتھ آئے تھے 1998ء تک ان کی اکثریت ملک چھوڑ کر جا چکی تھی، کچھ یہی حال یہودیوں کا ہے، ان کی اکثریت بھی افغانستان سے نکل گئی۔

سنی حنفی مسلک میں باپ کے بعد بیٹے کے گدی نشین ہونے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ ان کی عدم مرکزیت کے باعث بیسویں صدی کے حکمران انہیں منظم شکل دینے میں ناکام رہے۔ ان کے دینی رہنماؤں کو مرکزی حکومتی نظام میں اہم منصب دینا بھی مشکل رہا۔ روزمرہ کے مسائل، قبیلہ اور اس کے ارکان طے کرتے ہیں۔ پشتونوں میں دیہات کے مُلّا اَن پڑھ ہونے کے باوجود مسجد کو گاؤں کی زندگی میں مرکزی مقام دلائے رکھنے کا وسیلہ ہیں۔ طلباء قبائلی علاقوں میں پھیلے ہوئے مدرسوں میں پڑھتے آئے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ میں ہرات، افغانستان کے مدرسوں کے نظام کا مرکز رہا۔ سترہویں صدی میں افغان طلباء، علماء کی صف میں شامل ہونے کے لئے وسطی ایشیاء مصر اور ہندوستان کے مشہور مدارس میں پڑھنے کے لئے جانے لگے۔

اسلام کی جڑیں افغانستان میں اس لیے بھی گہری رہی ہیں کہ 1925ء تک شریعت ہی یہاں کے نظامِ قانون کی بنیاد رہی۔ شاہ امان اللہ نے سول خاندانی نظام قائم کرنے کی ابتداء کی۔ حکومت نے علماء کی تربیت کا اہتمام کیا۔ تربیت پانے کے بعد علماء قاضی کے منصب پر فائز ہونے کے اہل قرار پاتے۔ 1946ء میں کابل یونیورسٹی میں شرعی شعبہ قائم کیا گیا، جس نے سول قانون اور شریعت کو مربوط کرنے کا کام شروع کیا۔ روایتی اور جدید سول کوڈ کو باہم مدغم کرنے کا آغاز بادشاہت کے دور کے آخری وزیر اعظم محمد موسیٰ شفیق نے کیا۔ 1973ء میں اس حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ شفیق نے ابتدائی تعلیم مدرسے میں پائی تھی۔ پھر کابل یونیورسٹی کے شعبہ شریعت میں زیر تعلیم رہے۔ بعد میں ایک اور ڈگری لینے کو لمبیا یونیورسٹی نیویارک میں پڑھنے چلے گئے۔ 1997ء میں جب کیمونسٹوں نے انہیں قتل کیا تو ان کی ہلاکت پر پورے ملک میں سوگ منایا گیا۔ چنانچہ یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ 1979ء میں ملا روشن خیال اسلامی مجاہدین کی جماعتوں میں شامل نہیں ہوئے، اس کے مقابلے میں وہ مولانا محمد نبی محمدی کی حرکت انقلاب اسلامی اور مولوی یونس خالص کی حزب اسلامی کی طرف راغب ہوئے۔ دونوں نے پاکستان کے مدرسہ حقانیہ میں تعلیم پائی تھی۔ بعد میں دونوں نے افغانستان میں اپنے مدرسے قائم کر لئے۔

طالبان حکومت کا ڈھانچہ

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طالبان کے رہنما ملا محمد عمر ہیں جو امیر المومنین کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔ایک دس رکنی عبوری حکمران کونسل یا سپریم شوریٰ، سب سے طاقتور حکمران ادارہ ہے۔اس کا صدر مقام قندھار ہے۔، دو کمیٹیاں شوریٰ کو رپورٹ کرتی ہیں، ایک کابل کی شوریٰ کی عبوری کابینہ ہے، دوسری فوجی شوریٰ ہے۔

سپریم شوریٰ کے بنیادی ارکانِ قندھار

(۱)	ملا محمد عمر، امیر المومنین (طالبان تحریک کے سربراہ)	
(۲)	ملا محمد ربانی اخوند	چیئر مین حکمران کونسل، نائب سربراہ طالبان
(۳)	ملا محمد حسن اخوند	ملٹری چیف آف سٹاف
(۴)	ملا محمد فاضل اخوند	سربراہ آرمی کورز
(۵)	مولوی عبدالستار رستانی	قائم مقام چیف جسٹس افغانستان
(۶)	ملا محمد غث اخوند	قائم مقام وزیر خارجہ
(۷)	ملا خیر الدین خیر اخواہ	قائم مقام وزیر داخلہ
(۸)	ملا احسان اللہ احسان	گورنر سٹیٹ بنک
(۹)	ملا عبد الجلیل	قائم مقام وزیر خارجہ

فوجی شوریٰ کے اہم ارکان

(۱)	ملا محمد عمر،	کمانڈر انچیف
(۲)	ملا محمد حسن اخوند	ملٹری چیف آف سٹاف
(۳)	ملا رحمت اللہ اخوند	چیف آف آرمی سٹاف
(۴)	ملا محمد فاضل اخوند	سربراہ آرمی کورز
(۵)	ملا جمعہ خان	آرمی ڈویژن کے سربراہ
(۶)	ملا محمد یونس	آرمی ڈویژن کے سربراہ
(۷)	ملا محمد گل	آرمی ڈویژن کے سربراہ
(۸)	ملا محمد عزیز خان	آرمی ڈویژن کے سربراہ
(۹)	ملا محمد ظاہر	آرمرڈ فورس نمبر 4

کابل شوریٰ کے قائم مقام وزراء ۲۰۰۰ء

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

(۱)	مولوی فیض اللہ فیضان	تجارت
(۲)	مولوی احمد جان	معدنیات اور صنعت
(۳)	ملا احمد اللہ نانائی	مواصلات
(۴)	ملا محمد عیسیٰ	پانی اور بجلی
(۵)	ملا عبداللطیف منصور	زراعت
(۶)	ملا طاہر انوری	خزانہ
(۷)	ملا عبید اللہ اخوند	ڈیفنس
(۸)	مولوی حمد اللہ نعمانی	اعلیٰ تعلیم
(۹)	ملا نورالدین ترابی	انصاف
(۱۰)	ملا امیر خان متقی	اطلاعات وثقافت
(۱۱)	ملا محمد عباس اخوند	پبلک ہیلتھ
(۱۲)	مولوی جلال الدین حقانی	قبائلی امور
(۱۳)	مولوی کلام الدین	وزیر برائے مذہبی پولیس
(۱۴)	رحمت اللہ ہاشمی	غیر ملکی سفیر
(۱۵)	قاری دین محمد	منصوبہ بندی
(۱۶)	امداد اللہ اخوند	تعمیرات

طالبان حکومت کے فرامین

مذہبی پولیس: امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے متعلق صدارت عامہ کا فرمان کابل۔

☆ عورتو! اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو، اگر نکلنا پڑے تو ان عورتوں کی طرح نہ نکلو جو اسلام سے پہلے فیشن ایبل لباس پہنتی، سرخی پوڈر لگاتی اور مردوں کے سامنے بے حجاب آ جایا کرتی تھیں۔

اسلام نجات دلانے والا مذہب ہے، اس نے عورتوں کو خصوصی وقار دلانے کا عہد کر رکھا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو قابلِ قدر ہدایات دی ہیں۔ عورتوں کو چاہئے کہ وہ ایسے بے کار لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بنیں جو انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ عورتیں اپنے خاندان کے لئے استاد کا درجہ رکھتی ہیں، انہیں افرادِ خاندان میں ربط وضبط قائم رکھنے کی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے۔ خاوند، بھائی اور باپ خاندان کو ضروریاتِ زندگی (خوراک، کپڑا وغیرہ) فراہم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ عورتوں کو تعلیم، معاشرتی ضروریات یا سماجی خدمت کے سلسلے میں گھر سے نکلنا پڑے تو وہ اسلامی شریعت کے احکام کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مطابق اپنے آپ کو ڈھانپ کر رکھیں، جو عورتیں زیب وزیبائش کے ساتھ زیورات سے آراستہ، تنگ اور خوبصورت لباس پہن کر اپنے آپ کو دکھاتی ہیں، ان پر اسلامی شریعت کی رُو سے لعنت ہے، وہ کبھی جنت میں نہیں جائیں گی۔

خاندان کے تمام بڑوں اور ہر مسلمان کی اس ضمن میں ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہماری تمام بزرگوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے خاندان پر صحیح طرح کنٹرول رکھیں اور معاشرتی مسائل اور مشکلات سے بچیں۔ بصورتِ دیگر ان عورتوں کو دھمکایا جائے گا۔ ان سے بازپرس ہوگی اور انہیں اور خاندان کے بزرگوں کو مذہبی پولیس کی طرف سے سخت سزا دی جائے گی۔

مذہبی پولیس (منکرات) کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان معاشرتی مسائل کے خلاف جدوجہد کریں اور یہ جدوجہد اس وقت تک جاری رکھیں جب تک یہ برائیاں ختم نہیں ہو جاتیں۔

☆ عورتیں علاج کے لئے خواتین معالجوں کے پاس جائیں۔ اگر کسی مرد معالج کی ضرورت پڑ جائے تو بیمار خاتون اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے ساتھ اس کے پاس جائے۔

☆ مریضہ کے طبی معائنے کے وقت مریضہ اور معالج دونوں شرعی حجاب پہنے رہیں۔

☆ مرد معالج سوائے متاثرہ حصہ کے مریضہ کے کسی دوسرے حصے کو نہ دیکھے اور نہ چھوئے۔

☆ بیمار خواتین کی انتظار گاہیں محفوظ طور پر باپردہ ہونی چاہئیں۔

☆ بیمار عورتوں کی باری لگانے کے لئے بھی عورت ہونی چاہیے۔

☆ رات کو ہسپتال کے جن کمروں میں بیمار عورتیں ہوں، ان میں کوئی مرد ڈاکٹر بلائے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔

☆ اگر کسی مسئلے پر تبادلہ خیال ضروری ہو تو حجاب کے ساتھ کیا جائے۔

☆ خاتون ڈاکٹر سادہ لباس پہنیں، انہیں نئے سٹائل کے کپڑے پہننے، سرخی پوڈر لگانے اور زیب وزیبائش کی اجازت نہیں۔

☆ خاتون ڈاکٹر اور نرسوں کو ان کمروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں جہاں بیمار مرد ہوں گے۔

☆ ہسپتال کا عملہ مقررہ اوقات میں مساجد میں نماز ادا کرے گا۔

☆ مذہبی پولیس کسی وقت بھی معائنے یا کنٹرول کے لیے جا سکتی ہے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا، جو ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا، اسے اسلامی قوانین کے مطابق سزا دی جائے گی۔

☆ عورتوں کی سرکشی اور بے حجابی روکنے کے لئے کوئی ڈرائیور راستے میں کسی ایسی عورت کو گاڑی میں نہیں بٹھائے گا، جس نے ایرانی طرز کا برقعہ پہن رکھا ہوگا۔ اس حکم کی خلاف ورزی پر ڈرائیور کو قید کی سزا دی جائے گی، اگر اس طرح کی عورتیں گلی کوچوں میں نظر آئیں گی تو ان کے گھر تلاش کر کے ان کے خاوند کو سزا دی جائے گی۔ اگر عورتیں بھڑکیلے اور دلکش لباس پہنے ہوں گی اور ان کے ساتھ کوئی مرد رشتے دار نہیں ہوگا تو ڈرائیور انہیں اپنی گاڑی میں نہیں بٹھائیں گے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

☆ موسیقی کی ممانعت کے لئے: ابلاغِ عامہ کے ذرائع کی طرف سے کئے جانے والے نشریے، دکانوں، ہوٹلوں، موٹر گاڑیوں، رکشوں میں کیسٹ اور موسیقی ممنوع ہے۔ پانچ دن تک جائزہ لیا جائے گا، اس کے بعد اگر کسی دوکان سے کیسٹ نکلا تو دوکاندار کو قید میں ڈال دیا جائے گا اور دکان مقفل کر دی جائے گی۔ پانچ افراد کی ضمانت پر دکان کھول دی جائے گی اور بعد میں قیدی کو رہا کر دیا جائے گا، اگر کسی موٹر گاڑی میں سے کیسٹ نکلا تو ڈرائیور کو قید کر دیا جائے گا۔ پانچ گواہوں کی ضمانت پر گاڑی چھوڑ دی جائے گی اور ڈرائیور کو بعد میں رہا کر دیا جائے گا۔

☆ داڑھی مونڈنے اور تراشنے کو روکنا: ڈیڑھ ماہ تک شیونہ کرنے کے بعد اگر کسی نے داڑھی مونڈی اور داڑھی تراشی تو اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک اس کی داڑھی بڑی نہیں ہو جاتی۔

☆ کبوتر پالنے اور تاش کھیلنے کی روک تھام کے لئے: دس دن کے اندر یہ عادت یا مشغلہ ترک کرنا پڑے گا۔

☆ پتنگ بازی کی ممانعت کے لئے: شہر میں پتنگوں کی دکانیں ختم کر دی جائیں گی۔

☆ بت پرستی کی ممانعت کے لئے: موٹر گاڑیوں اور دکانوں، ہوٹلوں، کمروں اور دوسری جگہوں سے تصویریں، پورٹریٹ ختم کر دیئے جائیں گے۔ سرکاری عملے کے ارکان ان جگہوں میں لگی تصویریں پھاڑ دیں گے۔

☆ جوئے کی روک تھام کے لیے: پولیس کی مدد سے جوئے خانے تلاش کر کے جواریوں کو ایک مہینے کے لیے قید کر دیا جائے گا۔

☆ منشیات کا استعمال ختم کرانے کے لیے: نشہ بازوں کو قید کرایا جائے گا اور منشیات فراہم کرنے والے افراد اور دکانوں کا پتہ چلایا جائے گا، دکانیں مقفل کر دی جائیں گی۔ دکانداروں اور نشہ کرنے والوں کو سزا دی جائے گی اور قید میں ڈال دیا جائے گا۔

☆ برطانوی اور امریکی طرز کے بال تراشنے کی ممانعت کے لئے: ان لوگوں کو جو لمبے بال رکھتے ہیں، گرفتار کر کے مذہبی پولیس کے محکمے میں لے جا کر ان کے بال کاٹ دیئے جائیں گے۔ بال کاٹنے کا معاوضہ مجرموں سے لے کے حجام کو دیا جائے گا۔

☆ قرضوں پر سود، بڑے نوٹوں کے عوض چھوٹے نوٹ لینے پر اور منی آرڈروں پر معاوضہ کی روک تھام کیلئے: تمام منی چینجروں کو مطلع کیا جائے گا کہ رقوم کے ان تین قسم کے تبادلوں پر عائد پابندی کی خلاف ورزی پر طویل عرصے کی قید کی سزا دی جائے گی۔

☆ شہر میں بہتی ندیوں کے کنارے نوجوان لڑکیوں کے کپڑے دھونے پر پابندی ہے۔ جو نوجوان لڑکیاں اس ضابطے کی خلاف ورزی کریں گی، انہیں اسلامی قواعد کے مطابق پورے احترام کے ساتھ ان کے گھروں کو لے جایا جائے گا اور ان کے خاوندوں کو شدید سزا دی جائے گی۔

☆ شادی بیاہ کے موقعے پر ناچ گانے کی ممانعت: خلاف ورزی پر خاندان کے سربراہ کو گرفتار کر کے سزا دی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

جائے گی۔

☆ موسیقی کے لئے ڈھول وغیرہ بجانے کی روک تھام: اس کی ممانعت کا اعلان کیا جائے گا، اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو مذہبی علماء سے فیصلہ کرنے کے لئے کہا جائے گا۔

☆ مرد درزیوں کو عورتوں کے لباس سینے اور ان کا ناپ لینے کی ممانعت ہوگی۔ دکانوں میں عورتوں کے یا فیشن کے میگزین نکلے تو درزی کو قید کر دیا جائے گا۔

☆ جادوگری روکنے کے لئے: تمام متعلقہ کتابیں جلا دی جائیں گی اور جادوگروں کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ تائب نہیں ہو جاتے۔

☆ نماز ادا نہ کرنے والوں کے لیے اور بازار میں نماز کے لیے اجتماع کا حکم: نماز مقررہ اوقات پر ادا کی جائے گی۔ تمام گاڑیوں میں آمدورفت بند ہو جائے گی۔ تمام لوگوں کے لیے مساجد میں جانا لازم ہوگا۔ نوجوانوں کو نماز کے وقت دکانوں میں دیکھا گیا تو انہیں قید کر لیا جائے گا۔

کابل پر طالبان کا قبضہ

طالبان کے دستے ۲۶ ستمبر ۱۹۹۶ء کو اس وقت کابل میں داخل ہوئے، جب مسعود نے چند گھنٹے پہلے شہر خالی کرنے کا اعلان کر دیا تھا اور اس کی فوجیں شہر سے نکل گئی تھیں۔ طالبان کی پیش قدمی کی رفتار سست کرنے کے لیے چند چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں پیچھے رہ گئی تھیں۔ ان کا ایک کام گولہ بارود کے ذخیروں کو تباہ کرنا تھا۔ مسعود اور اس کی فوجوں نے بھاری تعداد میں اسلحہ، گولہ بارود چھوڑا تھا۔ اس نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ اس حقیقت کی بنا پر کیا تھا کہ وہ چاروں سمتوں سے حملہ آور طالبان فوج سے شہر کا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ طالبان کی فتح ہر اعتبار سے مکمل تھی۔ حکومت یا اپوزیشن میں سے کسی نے بھی اتنے بڑے عرصہ جنگ میں اس سرعت رفتار سے اتنی پیچیدہ نوع کی جنگی چالیں کبھی نہیں چلی تھیں۔

طالبان نے پہلا کام یہ کیا کہ پچاس سالہ صدر نجیب اللہ کو جس نے ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۲ء تک حکومت کی تھی، پھانسی پر لٹکا دیا۔ نجیب اللہ نے ۱۹۹۲ء سے کابل کے وسطی علاقے میں اقوامِ متحدہ کے سفارتی احاطے میں پناہ لے رکھی تھی۔ کابل پر مجاہدین کا قبضہ ہونے سے چند گھنٹے پہلے اقوامِ متحدہ کے ثالث بنن سیون، نجیب اللہ کو کابل سے لے جانا چاہتے تھے لیکن آخری لمحے انہیں روک دیا گیا۔ اقوامِ متحدہ کے دفاتر کو جو سفارتی تحفظ حاصل تھا، تمام افغان دھڑے اس کا احترام کرتے تھے۔ نجیب اللہ کی بیوی اور تین بیٹیاں ۱۹۹۲ء سے نئی دہلی میں مقیم تھیں۔

اقوامِ متحدہ کی حمایت بھی نجیب اللہ کی موت کا موجب ہوگئی، جس دن سروبی پر طالبان کا قبضہ ہوا، اس روز نجیب اللہ نے اسلام آباد میں اقوامِ متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کو پیغام بھیجا تھا، جس میں نوربٹ ہال سے کہا گیا تھا کہ انہیں اور ان کے تین ساتھیوں بھائی شاپور احمد زئی، ذاتی سیکرٹری اور محافظ کو کابل سے باہر لے جانے کا انتظام کر دیا جائے۔ صرف مسعود نے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نجیب کو شہر سے باہر لے جانے کے لیے لفٹ دینے کی پیش کش کی تھی۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۹۶ء کی سہ پہر کو مسعود نے اپنا ایک سینئر جرنیل نجیب اللہ کے پاس یہ کہنے کے لیے بھیجا کہ وہ شہر خالی کر کے جانے والی فوج کے ساتھ چلا جائے، اس نے وعدہ کیا کہ اسے بحفاظت شمال پہنچا دیا جائے گا، لیکن نجیب نے ماننے سے انکار کر دیا، وہ ایک باغیرت اور ضدی آدمی تھا۔ غالباً اسے ڈر تھا کہ اگر وہ تاجکیوں کے ساتھ فرار ہوا تو عمر بھر کے لیے پشتونوں کی نظر سے گر جائے گا۔

اقوامِ متحدہ نے نجیب اللہ کی حفاظت کے لیے صرف تین افغان مقرر کر رکھے تھے، انہوں نے جب شہر کے باہر سے طالبان کی گولیاں چلنے کی آواز سنی تو وہ ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ شام کو نجیب اللہ نے اسلام آباد میں اقوامِ متحدہ کے دفتر کو وائرلیس سے آخری پیغام بھیجا اور مدد مانگی، لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ طالبان نے پانچ افراد پر مشتمل ایک یونٹ کو نجیب اللہ کو ختم کرنے کی ذمہ داری سونپ رکھی تھی۔ سننے میں آیا ہے کہ اس یونٹ نے ملا عبدالرزاق کی قیادت میں رات کے ایک بجے نجیب اللہ کا کام تمام کر دیا۔ اس وقت تک طالبان شہر کے وسط تک پہنچے بھی نہیں تھے۔

کابل قبضے کے ۲۴ گھنٹے کے اندر طالبان نے اسلامی نظام نافذ کر دیا۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۹۶ء کو ریڈیو کابل سے اعلان ہوا کہ چوروں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔ زانیوں کو سنگ بار کر دیا جائے گا۔ شراب خوروں کو کوڑے مارے جائیں گے۔ ٹی وی، ویڈیو، سٹیلائٹ، ڈشوں، موسیقی، شطرنج وغیرہ پر پابندی لگا دی گئی۔

طالبان نے کابل پر حکومت کرنے کے لئے ایک چھ رکنی شوریٰ قائم کر دی، اس میں زیادہ تر درانی پٹھان تھے۔ ملا محمد ربانی اس کے سربراہ مقرر ہوئے، دوسرے ارکان ان میں ملا غوث وزیر خارجہ، ملا امیر خان متقی وزیر اطلاعات، ملا سید غیاث الدین آغا، ملا فاضل محمد اور ملا عبدالرزاق شامل تھے۔

طالبان نے احمد شاہ مسعود کو کابل سے نکال دیا تو لگا کہ سارا ملک ان کے قبضہ میں آنے والا ہے، اس نے طالبان کو بہت بڑا چیلنج سمجھ لیا۔ ۱۹۹۹ء میں اس کی عمر ۴۶ برس ہو گئی تھی اور وہ ۲۵ برس سے مسلسل جنگ کرتا رہا تھا۔

مسعود کابل سے نکلا تو پنج شیر کے علاقے میں شاہراہ سالانگ تک پیچھے ہٹ گیا۔ طالبان نے اس کا تعاقب کیا۔ مسعود کے آدمیوں نے پہاڑوں کو بارود سے اڑا کر وادی میں داخل ہونے والے تمام راستے بند کر دیئے۔ طالبان نے پیش قدمی جاری رکھی لیکن وہ وادی پنج شیر میں داخل نہ ہو سکے، وہ شاہراہ سالانگ کے پاس کے دیہات پر قبضہ کرتے ہوئے جب درہ سالانگ پہنچے تو دوستم کی فوجوں نے جو مزار شریف کی طرف سے آئی تھیں، انہیں روکا، اس وقت یہ واضح نہیں تھا کہ دوستم کس کا ساتھ دے گا۔ اس کی فوجوں نے طالبان سے جنگ نہیں کی۔

طالبان کے خلاف ایک نئے اتحاد کی تشکیل

ملا ربانی نے ازبکوں کو غیر جانبداری پر آمادہ کرنے کیلئے ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو دوستم سے ملاقات کی، لیکن مذاکرات کامیاب نہیں ہوئے۔ طالبان نے دوستم کو شمال میں خودمختاری اور اقتدار دینے سے انکار کر دیا۔ دوستم نے محسوس کر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لیا کہ مسعود سے اختلافات اپنی جگہ لیکن سبھی غیر پشتونوں کو اصل خطرہ طالبان کی طرف سے ہے۔ ۱۰/اکتوبر ۱۹۹۶ء کو معزول صدر برہان الدین ربانی، احمد شاہ مسعود، جنرل رشید دوستم اور ہزارہ شیعہ لیڈر کریم خلیلی میں ملاقات ہوئی، جس سے مادرِ وطن کے دفاع کے لئے سپریم کونسل قائم کرنے پر اتفاق ہو گیا۔ یہ نئے طالبان مخالف اتحاد کا آغاز تھا، جن کے سبب خانہ جنگی جاری رہنا فطری تھا۔

طالبان کی شمال کی جانب برق رفتار پیش قدمی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دور دور پھیل گئے۔ مسعود نے اس سے فائدہ اٹھایا اور ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۶ء کو شاہراہ کے ساتھ ایک بڑا جوابی حملہ کیا، اس نے کئی قصبوں پر قبضہ کر لیا۔ مسعود کے حملے میں سینکڑوں مارے گئے۔ ۱۸/اکتوبر ۱۹۹۶ء کو مسعود کی فوجوں نے بگرام کے ہوائی اڈے پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور کابل ایئرپورٹ پر گولہ باری شروع کر دی۔ دوستم کی ایئر فورس کابل میں طالبان کے ٹھکانوں پر بمباری کر رہی تھی۔ اس جنگ میں ہزاروں شہری ہلاک ہوئے اور ۵۰ ہزار افراد گھروں سے نکل کر شاہراہ سالانگ کے ساتھ کے دیہات کی طرف بھاگ گئے۔ کابل میں لاکھوں شہری جن میں زیادہ تر تاجک اور ہزارے تھے، پاکستان کی سرحد کی جانب بھاگنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔

ایران کی طالبان مخالفین کو اسلحہ کی فراہمی

سینکڑوں پاکستانی طلباء افغان مہاجر کیمپوں سے بسوں کے ذریعے قندھار اور کابل پہنچنا شروع ہوئے۔ پاکستان نے انہیں پاسپورٹ اور ویزے کی پابندیوں سے آزاد کر دیا تھا۔ طالبان کو نئی امداد ملی تو انہوں نے ہرات اور بغدیس صوبے کی طرف سے مغربی افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء کے اواخر میں اسماعیل خان اور اس کے دو ہزار سپاہی ایران سے جہاں وہ جلاوطن تھے، دوستم کے طیاروں پر بغدیس میں طالبان کا مقابلہ کرنے پہنچے۔ ایران نے طالبان مخالف اتحاد کو مضبوط بنانے کی کوشش میں اسماعیل خان کے آدمیوں کو جان بوجھ کر اشتعال انگیز انداز میں جدید ہتھیاروں اور ساز و سامان سے لیس کیا۔ نومبر، دسمبر کے دوران بغدیس میں شدید جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے فضائی حملے بھی کئے جاتے رہے۔ ۵۰ ہزار بے گھر افراد ہرات کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

طالبان نے شدید برفباری میں بھی مسعود کو کابل کے نواح سے پیچھے دھکیل دیا۔ جنوری ۱۹۹۷ء کے آخر تک انہوں نے سالانگ شاہراہ کے آس پاس کا وہ سارا علاقہ واپس لے لیے جو ان کے قبضے سے نکل گیا تھا۔ گلام کے فضائی اڈہ پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ مسعود نے طالبان کو دوستم کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر پنج شیر کی طرف مراجعت کی۔ کابل پر طالبان کا قبضہ ہونے اور شدید جنگ چھڑ جانے سے پورے علاقے میں طرح طرح کے خدشات اُبھرنے لگے۔ ایران، روس اور چار وسطی ایشیائی جمہوریتوں نے طالبان کو انتباہ کیا کہ وہ شمال کی طرف نہ بڑھیں۔

ملّا محمد عمر مجاہد کا عزم

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ملا محمد عمر مجاہد اپوزیشن یا اقوامِ متحدہ سے مصالحت کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔ ان کا پختہ یقین اور غیر متزلزل عزم آخر کار ان کی فوجی فتح کا سبب بنا۔

کئی لوگوں کا خیال اور پیش گوئی تھی کہ طلباء کی تحریک دار الحکومت پر کبھی قبضہ نہیں کر سکے گی لیکن اس نے کر لیا۔ بے شمار نقصانات کے باوجود طالبان کا وقار اتنا کبھی بلند نہیں ہوا تھا۔ ملا محمد عمر مجاہد نے کہا: ''طالبان کو ایک صوبہ فتح کرنے میں پانچ مہینے لگے لیکن چھ صوبے صرف دس دن میں ہم نے فتح کر لیے، ہم بائیس صوبوں پر قابض ہیں، جن میں کابل بھی شامل ہے۔ ان شاء اللہ سارا افغانستان ہمارے پاس ہوگا''۔

سعودی عرب کے نامور عالم دین اور مشہور مفتی شیخ محمود شعیبی کا تازہ ترین فتویٰ

طالبان حکومت ہی دنیا میں خالص اسلامی حکومت ہے

(نمائندہ خصوصی) سعودی عرب کے نامور مشہور مفتی شیخ محمود شعیبی نے اپنے ایک تازہ ترین جاری کئے جانے والے تاریخی فتویٰ میں قرار دیا ہے کہ طالبان حکومت دنیا میں خالص اسلامی اور شرعی حکومت ہے۔ انہوں نے کہا طالبان کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امریکہ سمیت دنیا کے تمام کفار متحد ہو کر انہیں نیست و نابوت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ فتویٰ کے مطابق کسی حکومت کی شرعی حیثیت مندرجہ ذیل امور پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ تمام اداروں اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کی تحکیم و تنفیذ موجود ہو۔ دوم کسی سرزمین پر حکومت کا قیام شرط اول کی حیثیت رکھتا ہو لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ طالبان افغانستان کے پچانوے فی صد رقبے پر تسلط رکھتے ہیں۔ سوم غیر ممالک کے ساتھ ان کے تمام تعلقات دین حنیف کی تعلیمات کے عین مطابق استوار کئے گئے ہوں۔ لہٰذا ان کی خارجہ پالیسی عین شریعت کے مطابق ہے۔ فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ طالبان حکومت دنیا میں واحد حکومت ہے کہ اس کی عدلیہ سمیت تمام وزارتوں اور اداروں کا دارو مدار شریعت الٰہی پر ہے۔ دیگر اسلامی ممالک میں بعض ایسے ہیں کہ جہاں صرف موضوع قوانین کے ذریعے کام چلایا جا رہا ہے۔ جب کہ بعض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تنفیذ کا دعویٰ تو کرتے رہتے ہیں مگر ساتھ ساتھ وہاں دیگر عدالتیں کام کرتی ہیں۔

ان ممالک میں قائم شرعی عدالتوں میں بھی احکام کا اجراء انسانوں کی طرف سے وضع شدہ اصول و ضوابط کے تحت کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے اور موضوعہ قوانین کے درمیان محض نام کا فرق رہ گیا ہے۔ شیخ محمود بن عقلاء شعیبی نے کہا ہے کہ طالبان کی شرعی حکومت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تمام کافر اور اسلام دشمن حکومتیں ان کی دشمن ہو چکی ہیں۔ اور امارت اسلامیہ کے خلاف معاشی پابندیاں لگا کر انہیں دیوار کے ساتھ لگانے عالمی سطح پر الگ تھلگ کرنے اور ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سب کچھ محض دینی شعائر پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہ صرف معاشی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مقاطعہ بلکہ طالبان کے خلاف باقاعدہ فوجی مہم بھی کی گئی۔امریکہ نے افغانستان پر نہ صرف میزائلوں سے حملہ کیا بلکہ کفریہ طاقتوں اور ممالک کی طرف سے مسلسل طالبان مخالفین کے لئے باقاعدہ مالی فوجی اور تکنیکی امداد کا سلسلہ جاری ہے۔انہوں نے فتوئی میں قرار دیا ہے کہ باغیوں کے ساتھ لڑائی میں طالبان حق پر ہیں اور کفار کی طرف سے ان کی حکومت کو تسلیم نہ کرنے سے اسلامی امارت کی شرعی حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

انہوں نے مزید کہا کہ امارت اسلامیہ افغانستان محدود ترین حکومتی وسائل اور مشکل معاشی صورت حال کے باعث طالبان امداد کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔مسلمانوں کی اجتماعی وانفرادی ذمہ داری ہے کہ وہ طالبان کی اسلامی حکومت کے ساتھ کھل کر امداد کا سلسلہ شروع کریں۔جب کہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے طالبان کی حمایت اور تائید کے لئے آواز اٹھائی جائے کیونکہ دشمنانِ اسلام اور ان کے ایجنٹ حقائق کو حد درجہ مسخ کر چکے ہیں۔انہوں نے کہا امارت اسلامیہ چونکہ امریکہ، برطانیہ اور روس جیسی طاقتوں کی حمایت اور پشت پناہی کے حامل باغیوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہے لہٰذا یہ جنگ جہاد کہلائے گی۔فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ اس صورت میں طالبان حکومت امداد ونصرت اور تعاون علی البر والتقویٰ کی بنیاد پر واجب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے امر اور رسول اکرم ﷺ کے قول مبارک سے ثابت ہے۔انہوں نے کہا یہ واحد اسلامی حکومت ہے جس نے مجاہدین کا دفاع کیا۔غیر اسلامی میڈیا کا قلع قمع کیا اور منکرات کا خاتمہ کیا۔انہوں نے کہا امارت اسلامیہ کے تحت وزارت امر بالمعروف منفرد امتیاز کی حامل ہے۔شیخ الشعیبی نے دیگر اسلامی ممالک کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ وہ طالبان کی تقلید کرتے ہوئے عدلیہ میڈیا، معیشت، سیاست، داخلی وخارجی امور، حقوق نسواں اور تعلیم کے میدانوں میں شریعت اسلامی کی مکمل اتباع کرے اور مغرب کی اندھی تقلید کرتے ہوئے خود کو گمراہی وہلاکت میں نہ ڈالے۔

مزار شریف......ایک تعارف

طالبان ملک کو فتح کرنے اور اسے متحد رکھنے کا عزم کئے ہوئے تھے۔مئی میں طالبان کا حملہ شروع ہوا تو کسی کو توقع نہیں تھی کہ وفاداریاں بدلنے اور ان کی مخالفت کا خون ریز ڈرامہ شروع ہو جائے گا۔مختلف نسلوں کے لوگوں کے درمیان خون ریزی شروع ہو جائے گی اور پورے وسطی ایشیاء کو پریشان اور مضطرب کردے گی۔

دوستم، سرما میں، مزار شریف کے باہر قلعہ جنگی میں پناہ لئے بیٹھا تھا، اچانک ہمسایہ ریاستوں اور کئی افغانوں نے اسے طالبان کے خلاف آخری اُمید قرار دینا شروع کر دیا۔مزار شریف وسطی ایشیاء کے میدانی علاقے میں جو کوہ ہندوکش سے شروع ہوتا ہے، واقع ہے۔یہ شہر ثقافتی اور نسلی لحاظ سے قندھار سے اتنے ہی فاصلے پر ہے جتنا قندھار کراچی سے دور ہے۔یہاں کا انیسویں صدی کا قلعہ کسی یورپی لارڈ کے قلعے کی طرز کا ہے، جس کے گرد دفاع کے لیے خندقیں ہیں۔مٹی کی فصلیں الف لیلوی انداز کی ہیں۔قلعے کی زیبائش فنکارانہ انداز میں کی گئی ہے۔وسطی امارت پر نیلا گنبد ہے۔یہیں دوستم کا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دفتر ہے۔ قلعے کی حفاظت کے لئے ٹینک، توپیں اور تربیت یافتہ فوجی ہیں، جو آج بھی کمیونسٹ دور کی وردیاں پہنتے ہیں۔ قلعہ باہر سے خصوصاً غیر ملکی سفیروں کو متاثر کرنے کا وسیلہ ہے۔

دوستم نے کابل سے فرار ہو کر آنے والے ہزاروں مہاجروں کو مزار شریف میں پناہ دی اور ان کی دیکھ بھال کا اہتمام کیا۔ مہاجروں کی آمد کا سلسلہ ۱۹۹۲ء سے جاری تھا۔ مشہور افغان مغنی اور رقاص جو کابل میں اپنے فن کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے، مزار شریف چلے گئے۔ ایک وضعی روایت کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار بھی یہیں ہے۔ اسی کی نسبت سے یہ شہر مزار شریف کہلاتا ہے۔ شیعہ ہزاروں کی تعداد میں یہاں آتے اور مزار پر دعا کرتے ہیں۔ مزار کے پاس ایک شاندار مسجد ہے، جس کی پورے افغانستان میں کوئی نظیر نہیں۔

نزدیک ہی بلخ کے آثار ہیں۔ ساتویں صدی میں عربوں نے اس شہر کو جو شہروں کی ماں کہلاتا تھا، تاراج کیا۔ ۳۰۰۰ برس قبل زرتشت یہاں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا رہا۔ سکندر اعظم نے یہاں پڑاؤ کیا تھا۔ فارسی کے شہرہ آفاق شاعر رومی یہیں پیدا ہوئے۔ بلخ ہزاروں برس تک تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہا، زرتشتیوں اور بودھوں نے بھی یہاں اپنے اثرات مرتب کئے، بعد میں یہاں اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔ ۱۲۲۰ء میں چنگیز خان نے اسے تباہ کیا، جس کے بعد مزار شریف ثقافتی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔

طالبان کو مزار شریف میں خوفناک ترین شکست کا سامنا

جب ۲۵۰۰ مسلح طالبان (نجیب اللہ کو قتل کرنے کا حکم دینے والے) ملا عبدالرزاق کی قیادت میں مزار شریف پہنچے تو انہوں نے مالک کو شریک اقتدار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور انہیں کابل حکومت میں نائب وزیر خارجہ کے معمولی منصب کی پیشکش کی۔ اکثر طالبان پہلے کبھی شمال کو نہیں گئے تھے۔ انہوں نے ازبک اور ہزارہ دستوں سے ہتھیار لینا شروع کر دیئے مساجد میں پہنچ کر شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔

۲۸ رمئی ۱۹۹۷ء کی سہ پہر کو ہزارہ قبیلے کے بعض لوگوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا، جس پر جھگڑا شروع ہو گیا۔ اس میں سب کی بن آئی اور وہ کھل کھیلنے لگے۔ سب سے پہلے مزار شریف کے ہزاروں اور بعد میں باقی ماندہ آبادی نے بغاوت کر دی۔ طالبان کو گلیوں میں جنگ کرنے کی تربیت نہیں تھی، دوسرے وہ شہر کی سڑکوں سے بھی واقف نہیں تھے۔ وہ اپنی پک اپ گاڑیوں میں ایسی بند گلیوں میں گھستے رہے جن سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ مکانوں اور چھتوں سے ان پر گولیاں برسنے لگیں، پندرہ گھنٹے کی شدید لڑائی میں ۶۰۰ طالبان شہید ہوئے۔ ایئر پورٹ پر ایک ہزار طالبان فرار ہونے کی کوشش کے دوران گرفتار ہوئے۔ طالبان کے دس اہم سیاسی اور فوجی لیڈر یا تو شہید ہو گئے یا گرفتار کر لئے گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں وزیر خارجہ ملا محمد غوث، ملا رزاق اور مرکزی بینک کے گورنر ملک احسان اللہ شامل تھے۔ ۳۰ ماہ پہلے ملک

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فتح کرنے کے لیے منظر پر آنے والے طالبان پر پہلی بڑی شکست تھی۔

طالبان کے لئے صورت حال اس درجہ تشویشناک ہوگئی تھی کہ (امیر المومنین) ملا عمر کو قندھار میں اپنی پناہ گاہ سے نکل کر پہلی مرتبہ کابل جانا پڑا۔ مقصد اپنے کمانڈروں اور سپاہیوں سے ملنا اور انکا حوصلہ بڑھانا تھا۔ شمال میں طالبان کی آمد کا، تاجکستان کی چارسالہ خانہ جنگی پر مثبت اثر ہوا تھا۔ دونوں متحارب گروپوں کو مجبوراً مذاکراتِ امن کو تیز کرنا پڑ گیا تھا۔ یہ سب طالبان سے ڈرنے کا اثر تھا۔ تاجک حکومت اور اسلامی اپوزیشن کے درمیان صلح کرانے کی جو کوششیں روس اور اقوامِ متحدہ نے شروع کر رکھی تھیں، نتیجہ خیز ہوئیں۔ ۲۷ / جون ۱۹۹۷ء کو ایک معاہدہ طے ہوا جس کی رو سے احمد شاہ مسعود کو تاجکستان کے اڈوں کے ذریعے روسی امداد ملنے لگی۔ مسعود کو جنوبی تاجکستان کا کلیاب ایئرپورٹ استعمال کرنے کا حق مل گیا، روسی اور ایرانی فوجی امداد اسی ایئرپورٹ پر پہنچائی گئی۔ مسعود یہاں سے اُسے آگے پنج شیر لے جایا کرتا۔

ستمبر میں طالبان نے ملک کو قندوز میں اچانک جالیا۔ انہوں نے قندوز کا حصار توڑ ڈالا اور علاقے کے پشتون قبائلی کی مدد سے مزار شریف پر ایک اور حملہ شروع کیا۔ ۷ / ستمبر ۱۹۹۷ء تاشخو گران شہر پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ جس سے مزار شریف میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ طالبان کی مزار شریف کی جانب پیش قدمی جاری تھی کہ مالک کے وفادار ازبک اور دوستم کے وفادار فوجیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ دوستم کے سپاہیوں نے مالک کا گھر جلا ڈالا۔ وہ بھاگ کر پہلے فریاب میں اپنے اڈے پر پھر وہاں سے فرار ہو کر ترکمانستان اور بعد میں ایران چلا گیا۔ دوستم ڈرامائی طور پر ترکی میں جلاوطنی ترک کر کے واپس مزار شریف پہنچ گیا، اس نے اپنے دستوں کو مالک کے حامیوں کو شکست دینے اور طالبان کو مزار شریف کے علاقے سے نکال باہر کرنے کے لئے صف آراء کیا۔

دشت لیلیٰ اور دشت حیرتان میں 8520 طالبان قیدی شہید کئے گئے

29 مئی 1997ء سے دسمبر 1997 تک جنرل مالک اور حزب وحدت کے وحشی سینکڑوں کی تعداد میں طلبا کے جتھے وقفے وقفے سے دشت لیلیٰ اور دشت حیرتان لے جاتے اور باندھ کر برسٹ چلا دیتے تھے۔

شقی القلب اسلام دشمنوں کی اپنی تیار کردہ فہرستوں کے مطابق صرف سات ماہ میں 8520 طلباء شہید کئے گئے ہیں۔ نمائندہ ضرب مومن نے شہدا کو بے گور و کفن بذات خود دیکھا۔

ایران نے سفا کی کے اصل مجرموں جنرل مالک استاد محقق اور کریم خلیلی کو کیوں پناہ دی۔ یو این ایسے دہشت گردوں کو کس منہ سے جائز حکمران تسلیم کرتا ہے۔ (افغان عوام کے تاثرات)

افغانستان کے شمالی علاقوں میمنہ، فیض آباد، شبرغان، اور مزار شریف کے قید خانوں سے ملنے والی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ سانحہ مزار کے دوران جنرل مالک اور شیعہ حزب وحدت نے ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ اور نہتے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طلبہ کو گرفتار کیا۔ دستاویزات کے مطابق ۲۹ مئی ۹۷ء سے دسمبر ۹۷ء تک کے مختصر عرصہ کے دوران جنرل مالک اور ایران نواز حزب وحدت کی وحشی اور مسلمان دشمن ملیشیا ہزاروں کی تعداد میں قیدی طلبہ کو گروپوں کی صورت میں وقفہ وقفہ سے دشت لیلی اور دشت حیرتان لے جاتے رہے۔ جہاں ان کے ہاتھ پشت سے باندھ دیئے جاتے اور انہیں انتہائی بے رحمی کے ساتھ گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا۔ اسی طرح ان سات ماہ کے دوران خود ان شقی القلب لوگوں کو اپنی تیار کردہ فہرستوں کے مطابق آٹھ ہزار پانچ سو بیس قیدی طلبہ صحرا کے ویرانوں میں شہید کر دیئے گئے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہ ساری تفصیل میمنہ جیل کے گرفتار شدہ سپرنٹنڈنٹ نے بتائی۔ سپرنٹنڈنٹ نے کئی سو صفحات پر مشتمل وہ دوستاویز بھی طالبان کے حوالے کی جس میں تمام شہداء کے نمام مع ولدیت درج ہیں اور جس کا مشاہدہ ہمارے نمائندہ ضرب مومن نے بھی کیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق یہ آٹھ ہزار پانچ سو بیس شہداء وہ شہداء ہیں جن کا باقاعدہ اندراج میمنہ، فاریاب، اور شبرغان جیلوں میں خود مخالفین نے کیا ہے اور جس کی تفصیل سینکڑوں صفحات پر مشتمل، باقی نہ جانے کتنے ہزاروں طلبہ ایسے ہیں جنہیں جنگ کے دوران یا علاقے کے لوگوں نے بھاری رقم وصول کرنے کی غرض سے قید کر کے بذات خود شہید کیا ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں مجبور و بے کس مسلمانوں کو انتہائی سنگ دلی سے قتل کر دیا گیا جس کی مثال موجودہ انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن اس کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو پوری دنیا بالخصوص اقوام متحدہ اور آئی سی ایمنسٹی انٹرنیشنل اور انسانی حقوق کے علم برداران یورپی ممالک کی مجرمانہ خاموشی ہے جس کی بنا پر دنیا کی وہ بے اعتنائی اور بے حسی ہے کہ اتنے بڑے سانحہ پر کہیں سے مذمت کا ایک لفظ تک نہیں کہا گیا جبکہ دوسری طرف صرف آٹھ ایرانی مداخلت کاروں کے قتل پر بے پناہ منفی پروپیگنڈا اور واویلا کیا گیا اور آسمان سر پر اٹھایا گیا۔ اتنے بڑے سانحہ کے مرتکب افراد آج بھی اقوام متحدہ جیسے ادارے کے منظور نظر ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت نہ ہونے کے باوجود انہیں تسلیم کیا جا رہا ہے اور ہر طرح سے اسلام دشمن قوتیں انہیں مالی وسیاسی امداد بہم پہنچا رہی ہیں۔ انہیں طالبان کے مقابل کھڑا کرنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایران نے سفاکی کے اصل مجرموں جنرل مالک، خلیلی، اور استاد محقق کے اپنے ملک میں پناہ کیوں دی ہوئی ہے اور اقوام متحدہ کے پاس انسانیت کے ان سفاک قاتلوں کو کس منہ سے جائز حکمران تسلیم کر رہے ہیں؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ طالبان فی زمانہ دنیا کی وہ واحد تحریک ہے جو خالص اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں اپنے سر دسامان کو داؤ پر لگائے ہوئے ہے۔ دنیائے کفر یہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی کہ اسلام دوبارہ سربلند ہو اور مسلمان دوبارہ اپنی نشاۃ ثانیہ کو پہنچ سکیں۔ لیکن یہ محض تحریک طالبان کے اخلاص کی برکت ہے کہ آج تمام دنیاوی قوتوں کے بالمقابل تنہا طالبان عالمی طاغوت سے مردانہ وار نکرار ہے ہیں ان کی جرات واستقلال اور پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں۔ یہی اخلاص ہے کہ نصرت خداوندی طالبان کے ہر کام میں ان کے شامل حال ہے۔ آٹھ ہزار سے زائد قیدی طلبہ کی شہادت پر تمام دنیا مہر بلب ہے لیکن شاید وہ یہ بھول رہے ہیں کہ شہدا کا خون خود اپنی پکار ہوتا ہے۔ آج مجاہدین کے یہ بڑھتے ہوئے قافلے اور شاندار

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

فتوحات انہی طلبہ کے مقدس اور لازوال قربانیوں کا ثمرہ ہیں جو امت مسلمہ کو سربلندی کی نوید سنا رہے ہیں۔

ظلم کی ہولناک کارروائی کا آنکھوں دیکھا حال

ستر طالبان قیدیوں میں سے معجزانہ طور پر بچ جانے والے مولوی محمد قاسم قندھاری نے بتایا کہ حزب وحدت کے درندے رات میں آئے اور طالبان قیدیوں سے کہا کہ قندھاری طلبہ کا تبادلہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ ستر قندھاری طالب علموں کو گاڑیوں میں بٹھا دیا گیا۔ اچانک سب کے ہاتھ پگڑیوں سے پشت پر باندھ دیئے گئے، کافی دور دشت میں کھڑا کر کے کئی اطراف سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ مولوی محمد قاسم نے بتایا کہ طالب کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے گر رہے تھے جبکہ حزب وحدت کے سفاک درندے گولیاں برساتے رہے۔ جب سب طلبہ گر گئے تو حزب وحدت کا ایک ظالم ہر طالب علم کے سر میں دوسرا ظالم سینہ میں اور تیسرا پیٹ میں ایک ایک گولی پیوست کرتا ہوا گزر گیا۔ مولوی قاسم قندھاری کا کہنا ہے کہ مجھے ایک گولی کان پر جبکہ دوسری اور تیسری گولی پیٹ کے بجائے پہلو اور ران پر لگی۔ جن گاڑیوں پر ہمیں جیل سے صحرا لے جایا گیا تھا ان میں سے ایک کا ڈرائیور رحم دل تھا۔ اسے میرے زندہ رہنے کا احساس ہوا تو اس نے پشتو میں پوچھا ''بچ گئے'' میں نے جواب دیا ہاں بچ گیا ہوں۔ کہنے لگا خاموشی سے پڑے رہو رات میں چھپ کر آؤں گا اور تمہیں صحیح جگہ پہنچا دوں گا۔ مولوی قاسم نے بتایا کہ وہ منظر انتہائی دردناک اور ہولناک تھا جب انہتر قیدی بے یار و مددگار تڑپ رہے تھے مگر سب کی زبان پر کلمہ طیبہ اور اللہ اللہ کا ورد جاری تھا۔ رات کے تین بجے تک تمام طالب علموں کی آوزیں خاموش ہو چکی تھیں اور وہ سب کے سب جام شہادت نوش فرما چکے تھے، تین بجے شب ڈرائیور حسب وعدہ پہنچا جس نے گاڑی کی بتیاں بجھا رکھی تھیں۔ دور سے پکار کر کہا زخمی زندہ ہے؟ میں نے کہا الحمد للہ زندہ ہوں۔ ڈرائیور مجھے رات کی تاریکی میں حکمت یار کے معروف کمانڈر عبدالمجید خان باچا کے پاس لے گیا جس نے دو ماہ تک خدمت کی اور پھر بخیریت قندوز میں طالبان تک پہنچایا، یہاں یہ امر قابل عبرت ہے کہ عین اس وقت جب حکمت یار کا کمانڈر زخمی طالب علم کی خدمت کر رہا تھا خود حکمت یار اس وقت ایران میں بیٹھ کر حزب وحدت کے سفاک درندوں کی سرپرستی کر رہا تھا اجتماعی قتل کے انہتر شہداء ڈیڑھ سال سے یونہی بے گور و کفن کھلے آسمان تلے پڑے رہے۔ ایسی کتنی ہی اجتماعی قبریں ہوں گی؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شبرغان جیل سے جو طالبان قیدیوں کی فہرست ملی ہے اس میں آٹھ ہزار پانچ سو بیس قیدیوں کی تعداد درج ہے جبکہ بغاوت کے دوران مزار شریف، شبرغان، اور میمنہ میں جو طالبان شہید کئے گئے جن کو کمانڈروں نے اپنے طور پر پیسہ کے لالچ یا بیگار لینے کے لئے گرفتار کیا وہ اس سے الگ ہیں۔ اس سفاکی پر کسی عالمی تنظیم نے کوئی احتجاج نہیں کیا اور نو ایرانیوں کے قتل پر یو این او اور دیگر عالمی ادارے چیخ رہے ہیں مگر خود ایران کے کہنے پر طالبان کے آٹھ ہزار بے بس قیدیوں پر دشت لیلی اور دشت حیرتان میں جب تاریخ کا بدترین ظلم ہو رہا تھا اس وقت یہ ادارے کہاں سو گئے تھے؟ کیا طالبان دشمنی کی اس

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے بڑی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟؟؟

مزار شریف پر طالبان کا قبضہ

ہزارہ شیعوں نے مئی میں مزار شریف پر حملہ کرنے والے طالبان کو شکست دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں دوبارہ انہوں نے طالبان کا مقابلہ کیا۔ بامیان پر طالبان کے ایک کے بعد دوسرا حملہ ناکام بنانے میں بھی ہزارے ہی کام آئے۔ طالبان کی مزاحمت کرنے کے لئے جو ازبک، تاجک اور ہزارہ محاذ بنایا گیا، اس میں ہزاروں کو کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں تھی۔ لیکن صورتِ حال مختلف تھی۔ ازبک آپس میں بٹ گئے تھے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو چکا تھا۔ تاجک، کابل کے گرد بے ہمتی اور بیدست و پائی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ ہزاروں نے محسوس کیا کہ ان کے آگے بڑھنے کا وقت آ گیا ہے۔

ہزارہ بے یار و مددگار نہیں تھے۔ بامیان کے باہر نوتعمیر دو میل لمبی پٹی پر ایرانی طیارے جنگی ساز و سامان لے کر اڑتے رہتے تھے۔ وحدت کے لیڈر کریم خلیلی مزید فوجی امداد کے لیے سرما کے دوران تہران، ماسکو، نئی دہلی اور انقرہ آتے جاتے رہے۔

ہزاروں نے غلطیاں بھی کیں، انہوں نے اپنے آپ کو کچھ زیادہ ہی پھیلا لیا، ان میں کئی گروہ تھے، جو علاقے کے اثر و رسوخ اور بیرونی امداد کے لیے ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہے، حزب وحدت کے مختلف فریقوں میں سے ایک نے مزار شریف کے ایک حصے پر قبضہ کر رکھا تھا، وہ ازبکوں کی طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے۔ مزار شریف کو میدانِ جنگ بنا دیا گیا تھا اور طالبان کے خلاف جو اتحاد قائم کیا گیا تھا، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگا تھا۔ ایرانی اور روسی انٹیلی جینس کے افسروں نے دوستم اور ہزاروں کے مختلف فریقوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کی بڑی کوشش کی لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ کوئی دھڑا بھی اپنی روش بدلنے پر آمادہ نہ تھا۔

احمد شاہ مسعود کی ایران میں دہائی

فروری ۱۹۹۸ء میں جب مزار شریف میں ازبکوں اور ہزاروں کے درمیان شدید لڑائی چھڑ گئی تو احمد شاہ مسعود پہلی مرتبہ تہران گیا۔ اس نے ایرانیوں پر زور دیا کہ قبل اس کے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے، وہ طالبان مخالف اتحاد کو بچانے کے لیے اگر کچھ کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔ طالبان سرما میں اپنے دشمنوں کو آپس میں دست و گریباں ہوتے اور ایک دوسرے کا خون بہاتے دیکھتے رہے، ساتھ ہی بامیان کے گرد محاصرہ مضبوط بنانے اور مزار شریف پر دوسرا حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف رہے۔

طالبان نے کابل میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا جو سلسلہ شروع کیا، بین الاقوامی سطح پر کفریہ طاقتیں اس پر بہت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سخ پاتھیں اور انہوں نے عالمی میڈیا کو اسلامی قوانین کے خلاف پروپیگنڈے کے لئے وقف کر دیا۔ اعضاء کاٹ ڈالنا، کوڑے مارنا، عورتوں کو سنگسار کرنا، کابل اور قندھار میں طالبان نے داڑھیوں کی صحیح لمبائی مقرر کر دی، نومولود بچوں کے لیے اسلامی نام تجویز کر دیئے۔ عورتوں کو گلی کوچوں میں نکلنے کی ممانعت کر دی گئی۔ کھڑکیوں کو کالا کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ باہر سے عورتیں نظر نہ آسکیں۔ عورتیں پورا وقت گھروں میں رہتیں۔

جولائی میں طالبان نے ہرات سے شمال کی طرف پیش قدمی شروع کی اور دوستم کی فوج کو کچلتے ہوئے ۱۲ر جولائی ۱۹۹۸ء کو مائی مانا پر قبضہ کر لیا، یہاں ایک سوٹینک اور ٹرک ان کے قبضے میں آئے۔ ۸۰۰ ازبک سپاہی گرفتار کیے گئے۔ یکم اگست ۱۹۹۸ء کو طالبان نے شبرغان میں دوستم کے ہیڈ کوارٹر پر بھی قبضہ کر لیا۔ دوستم فرار ہو کر ازبکستان چلا گیا۔ اور وہاں سے ترکی کی راہ لی۔ دوستم کے فرار ہونے سے شکستہ دل ازبک کمانڈروں نے جوزجان کو جانے والی مغربی شاہراہ کی حفاظت پر مامور تھے طالبان سے مل گئے اور ۱۵۰۰ سپاہیوں پر مشتمل ہزارہ فوج کو طالبان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ طالبان کا حملہ ۸ر جولائی ۱۹۹۸ء کو ہوا۔ ہزارہ فوجیوں نے اپنے آپ کو اچانک چاروں طرف سے گھرا ہوا پایا، جب تک ان کو گولہ بارود ختم نہیں ہو گیا وہ لڑتے رہے۔ صرف ۱۰۰ ہزارہ فوجی زندہ بچے۔ صبح ۱۰ بجے طالبان کی پہلے پک اپ گاڑیاں مزار شریف میں داخل ہو گئیں۔

طالبان مزار شریف میں داخل ہوئے تو مزار شریف انہیں ایران کی چھاؤنی محسوس ہوا۔ ایرانی اسلحے کے انبار ہر طرف دکھائی دیئے۔ طالبان کا ایک چھوٹا سا گروہ ملا دوست محمد کی سربراہی میں ایرانی قونصل خانے میں داخل ہوا، اس نے ایرانی سفارت کاروں، انٹیلی جینس کے ایک افسر اور ایک صحافی کو تہہ خانے میں لے جا کر گولی ماردی۔ حکومت ایران نے کچھ عرصہ پہلے حکومت پاکستان سے درخواست کی تھی کہ ان کے قونصل کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی جائے۔ ایرانی جانتے تھے کہ آئی ایس آئی کے افسر بھی طالبان کے ساتھ مزار شریف گئے ہیں۔ اسی بنا پر وہ اپنے سفارتی عملے کی حفاظت کے لئے پاکستان کی مدد کے طالب تھے۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ دوست محمد کا یونٹ ان کی حفاظت کے لئے آیا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ لیکن معاملہ الٹ نکلا، طالبان نے ۴۵ ایرانی ڈرائیوروں کو بھی جو ہزاروں کیلئے ہتھیار لارہے تھے پکڑ لیا۔

طالبان نے پہلے تو ایرانی سفارت کاروں کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا لیکن جب بین الاقوامی سطح پر احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا اور ایران کے غصے میں اضافہ ہوا تو انہوں نے مان لیا کہ ایرانی سفارتی نمائندے قتل ہو گئے ہیں۔ لیکن اس میں طالبان کا سرکاری طور پر کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ چند گمراہ اور خودسر عناصر کی کارستانی تھی۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ دوست محمد نے وائرلیس پر ملا عمر سے پوچھا تھا کہ آیا ایرانی سفارت کاروں کو قتل کیا جائے؟ ملا عمر نے اسے اجازت دے دی۔ صحیح یا غلط ایرانیوں کو یقین تھا کہ ایسا ہی ہوا ہے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طالبان کا افغانستان کے بڑے حصے پر کنٹرول ہو گیا تھا، اسے طالبان نے اپنی بڑی فتح سمجھا، پاکستانی افسروں نے یہ کہہ کر ان کی امید بڑھائی کہ اب انہیں بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ اس سے اُسامہ بن لادن کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی اور وہ امریکہ اور سعودی عرب کے شاہی خاندان کے خلاف جہاد کے ضمن میں زیادہ پُرجوش ہو گئے۔ ۷ راگست ۱۹۹۸ء کو کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں کو بم سے اڑا دیا گیا۔ اس سے ۲۲۴ افراد ہلاک اور ۵۰۰۰ زخمی ہو گئے۔ امریکہ نے اس کا الزام اسامہ بن لادن پر لگایا۔ امریکہ نے ۲۰ راگست ۱۹۹۸ء کو شمال مشرقی افغانستان میں اُسامہ بن لادن کے تربیتی کیمپوں پر راکٹوں سے حملہ کیا۔ چھ نشانوں پر درجنوں کروز میزائل گرے، جس سے ۲۰ افراد ہلاک اور ۳۰ زخمی ہو گئے۔ امریکہ کا کہنا تھا کہ اُسامہ بن لادن، کیمپوں میں موجود تھا لیکن حملے میں بچ گیا۔ بہت کم عرب ہلاک یا زخمی ہوئے۔ مرنے والوں میں زیادہ تعداد پاکستانیوں اور افغانیوں کی تھی جو بھارتی مقبوضہ کشمیر میں لڑنے کی تربیت لے رہے تھے۔

طالبان نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا اور افغانستان کے شہروں میں احتجاجی مظاہرے منظم کیے۔ مختلف شہروں میں اقوامِ متحدہ کے دفاتر پر حملے کیے گئے۔ ملا عمر کا کہنا تھا کہ افغانستان پر حملہ اگر کلنٹن کا ذاتی فیصلہ تھا تو اس نے یہ حرکت دنیا اور امریکی عوام کی توجہ وائٹ ہاؤس کے اس شرمناک واقعہ سے ہٹانے کی غرض سے کی ہے جس نے ثابت کیا کہ کلنٹن ایک جھوٹا، شرافت اور عزت سے تہی دامن شخص ہے۔ ملا عمر کا اشارہ مونیکا لیونسکی کے معاملے کی طرف تھا۔ ملا عمر کا اصرار تھا کہ اُسامہ بن لادن مہمان ہے۔ طالبان ہی کا نہیں بلکہ افغانستان کے عوام کا۔ طالبان اُسے کبھی امریکہ کے حوالے نہیں کریں گے۔ امریکہ خود بڑا دہشت گرد ہے۔

جب تین سو طالبان کو مزاری کے مزار پر ذبح کیا گیا

دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ دامت برکاتہم نے دو دن قبل دارالحکومت کابل کے دورے سے واپسی پر ضربِ مومن کو بتایا کہ ان کی ملاقات امر بالمعروف شمال کے سربراہ مولوی عبدالرحمن قندھاری سے ہوئی تو انہوں نے کہا کہ مزار کے علماء مجھے عبدالعلی مزاری پر لے گئے اور کہا ''یہاں گزشتہ سال قرآن کے حافظ اور قراء حسین نوجوان طلبہ کو زندہ لایا گیا اور حزب وحدت کے وحشی درندوں نے انہیں ذبح کر کے بہتے ہوئے خون کے ساتھ ان کو قبر کے اردگرد طواف کرایا، علما مزار نے کہا کہ پھر تین سو طالبان کو مزید سامنے کھلے میدان میں قتل کر کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے پھر تیل چھڑک کر سب شہداء کو خاکستر کر دیا۔

اس وقت مزار شریف شہر میں اقوام متحدہ کے درجنوں مشن موجود تھے۔ یہ تمام مظالم کھلے عام برسر بازار ہوتے رہے مگر اقوام متحدہ کے اہلکار آنکھیں بند کر بیٹھے رہے۔ آج ہزاروں میل دور اسلام آباد میں بیٹھ کر اقوام متحدہ والے طالبان کے خلاف رپورٹیں تیار کر رہے ہیں اور آج اپنی بین الاقوامی ناانصافی اور گھناؤنے کردار پر پردہ ڈال رہے ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

تقسیم افغانستان کا ایرانی منصوبہ

مزار شریف میں ایران نواز حزب وحدت کے سربراہ عبدالعلی مزاری کا زیر تعمیر مزار، حزب وحدت کے دفاتر سے ملنے والی دستاویزات کے مطابق ایران نے مزار کی تعمیر کے لئے ایک کروڑ ڈالر (ساٹھ کروڑ روپے) کا بجٹ مختص کیا تھا۔ نمائندہ ضرب مومن مولوی مجیب الرحمن نے جائے وقوع کا دورہ کر کے بتایا کہ حزب وحدت نے مزاری کے مزار کو اپنی تمام سیاسی، مذہبی، اور فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ کئی ایکڑ میں پھیلے اس منصوبے میں اسمبلی ہال، جلسہ گاہ، مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے امام باڑہ شامل تھا۔ اسمبلی ہال مزار کے نیچے تہہ خانے میں بن چکا تھا، مقامی ازبک اور تاجک عوام نے ضرب مومن کو بتایا کہ ایران چاہتا ہے کہ مزار شریف میں حزب وحدت کو ہر اعتبار سے امتیازی تشخص حاصل ہو۔ چنانچہ مزار شریف میں پہلے سے موجود حضرت علیؓ کی طرف منسوب جعلی مزار "روضہ شریف سخی بابا" سے غیر شرعی والہانہ عقیدت میں ازبک اور تاجک آبادی دونوں شریک تھیں۔ اگرچہ یہ مزار حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے مگر حزب وحدت والے برداشت نہ کر سکے کہ ان کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک عقیدت ہو ویسے بھی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مزار شریف پر ایرانی عقائد کا حامل فرقہ کا کبھی قبضہ نہیں رہا۔ تقریباً ایک صدی قبل امیر عبدالرحمن خان نے تمام ہزارگان کو اطراف ملک سے جمع کر کے افغانستان کے بالکل وسط میں بامیان، وردک، غزنی، ارزگان، غور اور پروان کے پہاڑوں میں آباد کیا تھا تاکہ یہ بیرون ممالک کے اغیار کے تعاون سے ملک کی سا لمیت کے خلاف سازشیں نہ کر سکیں اسی لئے "سخی بابا" کے مزار پر کندہ تحریریں حزب وحدت کے عقائد کی نفی کرتی ہیں مثلاً مزار پر نہایت جلی حروف میں خلیفہ چہارم حضرت علیؓ لکھا ہوا ہے جبکہ حزب وحدت والے آپ کو خلیفہ اول مانتے ہیں، مزار میں ایک شخص نے کہا کہ شاید اسی وجہ سے حزب وحدت والے مقتول عبدالعلی مزاری کے مزار کو سخی بابا کے مزار کے مقابلے میں تعمیر کر رہے ہیں تاکہ اس سے بھرپور انداز میں مذہبی استحصال کے علاوہ سیاسی فوائد حاصل کر سکیں۔ اس بات کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ "سخی بابا" کے مزار پر کمیونسٹ جنرل دوستم کی مدح میں زبردست اشعار درج تھے۔

جنرل دوستم نے مزار پر صرف کلمہ طیبہ پندرہ کلو سونے سے لکھوایا تھا۔ اس مزار پر تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب بزنس مین (مجاور) ڈیرہ ڈالے ہوتے تھے، سخی بابا کا مزار شرک و بدعت کا مرکز تھا۔ لوگ باقاعدہ طواف اور سجدہ کرتے تھے۔ طالبان نے ان تمام شرکیہ امور کو بند کر دیا ہے اور وزارت امر بالمعروف برائے شمال کے سربراہ مولوی عبدالرحمن نے فارسی اور پشتو میں یہ اعلان لگا دیا ہے کہ قبر کا طواف کرنا، سجدہ کرنا، جھکنا، چومنا سب حرام اور شرک ہے۔

بہرحال حزب وحدت کو ان تمام شرکیہ افعال و خرافات کے باوجود یہ مزار اس لئے پسند نہ آیا کہ اس سے ان کا امتیاز اور تشخص برقرار نہیں تھا۔ ایران نے اپنا تشخص برقرار رکھنے کے لئے کلمہ، اذان، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، کفن و

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

دفن، وغیرہ غرضیکہ یہ ہر چیز میں عام مسلمانوں سے ہٹ کر الگ راستہ اختیار کیا ہے۔ ایران کا منصوبہ یہ تھا کہ مزار میں مذہبی حوالے سے اسی بہت بڑی تاریخی جگہ بنا کر افغانستان کے تمام ہم مذہب لوگوں کو اس سے وابستہ کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ شمال کے تمام تعلیمی اداروں میں ایرانی وزارت تعلیم کی چھپی ہوئی کتابیں اور مذہبی لٹریچر تقسیم کر کے بچوں اور نوجوانوں کے دل و دماغ پر قبضہ کیا جائے۔ جب کہ دوسری طرف شمال کے سرکردہ گروہوں کے لیڈروں کمیونسٹ جنرل دوستم، باغی کمانڈر احمد شاہ مسعود، ربانی اور جنرل مالک کو فوجی واقتصادی وسیاسی امداد کی ہڈی منہ میں دے کر خوش اور مصروف رکھا جائے یہاں تک کہ افغانستان کو عملاً تقسیم کر کے شمال پر ایران غیر اعلانیہ مکمل قبضہ کر لے۔ اس سے یہ بھی سوال حل ہو جاتا ہے کہ حزب وحدت اور دوستم باہم دشمن تھے تو ایران دوستم کا تعاون کیوں کرتا تھا۔

ایرانی مداخلت کے باوجود طالبان کی امن پسندی

طالبان کے ایک اعلیٰ راہنما مولوی احسان اللہ شہید نے ضرب مومن کو شہادت سے چند دن قبل بتایا تھا کہ ایران جتنے بڑے پیمانے پر ہمارے ملک میں مداخلت کا مرتکب ہوا ہے وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے مگر ہم پڑوسی ممالک سے اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔ اس لئے ہم نے اب تک ایرانی مداخلت کے قطعی شواہد کو عالمی سطح پر پیش نہیں کیا۔ مولوی احسان اللہ شہید نے کہا تھا کہ تعجب ہے ایران ہم پر یہ الزام لگاتا ہے کہ تم امریکی اشاروں پر ایران کے اندر مداخلت کرو گے جبکہ وہ خود مداخلت کرتا ہے اور بار بار کرتا ہے۔ اس نے صرف مغربی سرحدوں کی ایک سو ساٹھ مرتبہ خلاف ورزی کی ہے۔

مولوی احسان اللہ شہید نے ضرب مومن کے ساتھ ایک خصوصی نشست میں جو قندھار میں کی گئی تھی انکشاف کیا کہ اسلام آباد کے او آئی سی کے اجلاس میں ایرانی صدر ہاشمی رفسنجانی سے میں نے کہا کہ آپ نے ڈیڑھ سو سے زائد مرتبہ سرحد کی خلاف ورزی کی، ایرانی ہتھیار اور گولہ بارود کے علاوہ ایرانی فوجی بھی ہمارے ہاتھوں میں بطور ثبوت کے موجود ہیں۔ جبکہ ہماری شرافت کی انتہاء ہے کہ ہم اس پر عالمی سطح پر احتجاج بھی نہیں کر رہے تو آپ کو اصل تکلیف کیا ہے؟ ایران کے اس وقت کے صدر رفسنجانی نے جواب دیا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ طالبان کو امریکہ نے اٹھایا ہوا اور وہ ان کو ہمارے خلاف مستقبل میں استعمال کرے۔ مولوی احسان اللہ نے جواب دیا کہ میرے پاس اس پر سو دلائل موجود ہیں کہ امریکہ ہمارا دشمن ہے لیکن آپ کے پاس کوئی ایک دلیل موجود ہے کہ روس آپ کا دشمن ہے۔ رفسنجانی خاموش ہو گیا، امن پسند اور ایرانی مداخلت پر خاموش مولوی احسان اللہ کو ایران نے گہری سازش کے تحت مزار شریف میں اس وقت شناخت کے بعد کہ یہ مولوی احسان اللہ ہے شہید کر ڈالا تھا۔

ایران نے مولوی احسان اللہ کی امن پسندی کو انہی کے سرخ خون میں نہلا دیا، اللہ تعالیٰ کی غیرت اور صفت

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

انتقام کو جوش آیا اور اس نے ضرب مومن کے نمائندے مولوی محبوب الرحمن کو جو دار الافتاء والارشاد سے تخصص فی الفقہ والافتاء کر کے زوایہ خمول میں جا چکے تھے، شمالی افغانستان میں بھیج دیا۔ ضرب مومن کے سیار نمائندے نے شمالی افغانستان میں خود کو جنگ کے شعلوں میں ڈال کر ایرانی مداخلت کو دنیا کے سامنے ہتھیلی کی طرح رکھ دیا ہے۔ اب بھی اگر ایران مداخلت سے باز آجاتا ہے تو طالبان یقیناً ایران کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کریں گے اور وہ چاہیں گے کہ جو کشیدگی ہو چکی ہے اسے اولین فرصت میں ختم کیا جائے اور جب طالبان یہ چاہیں گے تو ضرب مومن بھی یہی چاہے گا۔ اب ایران پر موقوف ہے کہ وہ اپنے لئے کیا راستہ پسند کرتا ہے۔

ضرب مومن ہماری فریاد بیرونی دنیا تک پہنچائے، ہم انسانی حقوق کے عالمی اداروں سے فریاد کرتے ہیں کہ وہ ایران کے ظلم کے خلاف احتجاج کریں، ایرانی مظالم کی تحقیق کے لئے اپنے وفود ہمارے کیمپوں میں بھیجیں۔

ایران کے صوبہ بلوچستان، زابل، اور خراسان میں دینی مدارس کے طلبہ کے خلاف پاسداران انقلاب کی وحشت ناک فوجی کاروائی، طالبنان حمایت کا الزام۔

ایران نے تین ہزار علماء وطلبہ گرفتار کر لئے

تین ماہ سے جاری کاروائی سے ۳۵ فیصد آبادی خوف و ہراس کا شکار ہے، بوڑھے والدین بچوں کو اور نابالغ بچے اپنے بڑوں کو ترس گئے جو خواتین اور بچوں کو بے یارومددگار چھوڑ کر در بدر ہو چکے ہیں۔

بیرونی دنیا نے احتجاج نے کیا تو ایران ملک کی ایک آبادی اور افغان مہاجرین کو فنا کے گھاٹ اتار دے گا، افغانوں نے سوویت یونین کا خاتمہ کر کے مغرب پر احسان کیا آج وہ ہمیں کیوں فراموش کر رہا ہے، نیمروز میں مہاجرین ایران، اور افغان مہاجرین کی ضرب مومن سے گفتگو

نیمروز (نمائندہ خصوصی) ایران میں افغان مہاجرین سمیت ایران کے حکومتی عقائد کے مخالف مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ پاسداران انقلاب کے خوفناک مظالم، تین ہزار سے زائد علمائے کرام اور ان کے بچوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق نیمروز میں ایرانی مظالم کے شکار مہاجرین کے حالات جاننے کے لئے ضرب مومن نے خصوصی طور پر اپنا نمائندہ بھیجا تھا، جنہوں نے ان مہاجر کیمپوں میں مختلف مہاجرین سے تفصیلی حالات معلوم کئے۔ ان کے مطابق ایرانی پاسداران انقلاب نے مسلمانوں پر باقی ظلم و تشدد کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ دینی مدارس کو جبراً بند کر کیا جارہا ہے اور کسی بھی شخص کو طالبان کی حمایت کے الزام میں بلا جواز گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ ابتداء میں یہ گرفتاریاں اور ناروا قتل صرف دینی مدارس کے طلبہ اور علماء کرام تک محدود تھا لیکن اب اس کا دائرہ کار تاجر برداری تک جا پہنچا ہے۔

گرفتار شدگان میں فارسی، پشتو، اور بلوچی سمیت ہر زبان بولنے والے مظلوم مسلمان شامل ہیں۔ مہاجرین کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

مطابق متعدد علماء طلبہ کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا اور بے شمار عقوبت خانوں میں ایرانیوں کے ظلم کا شکار ہیں۔ اس خوفناک صورتحال کے باعث بلوچستان اور زابل کے سینکڑوں ائمہ مساجد ہجرت پر مجبور ہو چکے ہیں۔ صرف زاہدان کے ۲۵ مساجد کے ائمہ کرام اپنی جان بچا کر نیمروز پہنچے۔ تین ماہ سے جاری کاروائی سے ایران کی ۳۵ فی صد آبادی شدید خوف وہراس کا شکار ہے۔ بوڑھے والدین اپنے جوان بچوں کو دیکھنے کو ترس گئے۔ جبکہ خواتین اور بچے دربدر کا شکار ہیں۔ مہاجرین کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی پاسداران انقلاب کے ہاتھوں اس ناگفتہ بہ حالت پر اگر بیرونی احتجاج نہ کیا اور ایران کے ہاتھوں بے گناہ انسانوں کا اس بڑے پیمانے پر یونہی قتل عام جاری رہا تو خدشہ ہے کہ اپنی ملک کی ایک بڑی آبادی اور افغان مہاجرین کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ انہوں نے کہا روسیوں سے جہاد کے زمانے میں افغان ہیرو تھے۔ افغانوں سے سوویت یونین کا خاتمہ کر کے مغرب پر احسان کیا ہے آج ہمیں کیوں فراموش کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے ضرب مومن سے اپیل کی ہے کہ وہ ہماری آواز بیرونی دنیا تک پہنچائے کہ کس طرح ایران اسرائیل پولیس کی طرز پر وحشیانہ طریقوں پر عمل پیرا ہے۔ متاثرین نے انسانی حقوق کے عالمی اداروں سے بھی مطالبہ کیا ہے کہ وہ حالات کا جائزہ لینے اور ایرانی مظالم کی تحقیقات کے لئے اپنے وفود ہمارے کیمپوں میں بھیجیں اور ایران کے اس ظلم وتشدد کے خلاف آواز بلند کریں۔

متاثرین نے مزید بتایا کہ زاہدان میں مدرسہ مخزن العلوم کے بتالیس طلبہ مسجد سادات کے پندرہ طلبہ، زہدان کے مولانا عبدالبصیر، مولانا اختر محمد، مولانا داؤد محمد، اور زابل کے مولانا عبدالصمد کئی ماہ سے لاپتہ ہیں۔ ایک شخص سے ضرب مومن کو بتایا کہ اس کا چچازاد بھائی خانزادہ کے مدرسہ میں زیر تعلیم تھا جس کے بارے میں اب اطلاع ملی ہے کہ اس کی لاش کہیں پڑی ہیں۔ نمائندہ ضرب مومن کے مطابق مہاجر کیمپوں میں رہنے والے یہ مظلوم ایرانی اور افغانی خود پر بیتے مظلوم کہ منہ بولتی تصویر نظر آتے تھے۔

مزار شریف میں ایرانی سفارت خانہ یا شمالی اتحاد کے لئے مرکزی اسلحہ خانہ؟

شمالی اتحاد کی ایران نواز تنظیم حرکت اسلامی محسنی کے جنگجوؤں کے چیف کمانڈر جنرل انوری کا خط ایرانی سفارت خانہ کے عہدے دار ناصری کے نام طالبان کی خوف ناک پیش قدمی جاری ہے۔ اب وہ مزار کے مضافات میں بلخ کی چوکھٹ پر دستک دے رہے ہیں۔ مزار شریف کے بالکل قریب پہنچ کر دشمن بے نظم (یعنی طالبان) دراصل یہ پیغام دے رہے ہیں بنابریں مزار کے جواں مرد لوگ ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہیں مگر وسائل کی کمی ہے۔ براہ کرم آپ فی الفور ہمیں درج ذیل ہتھیار فراہم کر کے شکریہ کا موقع دیں۔ ا۔ کلاشنکوف۔ ۵۰۰ عدد ۲۔ مشین گنیں۔ ۴۰ عدد۔ ۳۔ راکٹ لانچر۔ ۴۰ عدد۔ ۴۔ مارٹر توپیں۔ ۶ عدد۔ ۵۔ مطلوبہ ہتھیاروں کا گولہ بارود۔ حزب وحدت مزار شریف کے سربراہ استاد محقق کا خط جو انہوں نے فرقانی کو لکھا، دستاویز کے مطابق فرقانی کو ایرانی وزارت خارجہ نے شمالی اتحاد کو فوجی مدد پہنچانے کے ایرانی کمیشن

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کا سربراہ مقرر کیا تھا۔

حاجی محقق نے آقائی فرقانی کے نام حسب ذیل خط لکھ کر مدد کے لئے پکارا۔

برادر گرامی جناب آقائی فرقانی نمائندہ وزارت خارجہ جمہوری اسلامی ایران ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبعد ! محترم جنرل چمن علی خان مسئول نقل وحمل سامان جنگ بذریعہ فضائیہ درشمال ومحترم حسین فرزند نبی معاون نمائندہ انتقالات برائے مرکز بامیان حزب وحدت اسلامی ایران سے آمد امدادی مواد کو منتقل کرنے کے لئے شمال اور مرکز بامیان کے نمائندوں کی حیثیت سے ان دونوں کا تعارف پیش خدمت ہے۔لہٰذا تمام امداد ہمارے ان دونوں بندوں کے حوالہ کر کے ممنون فرمائیں۔

والسلام حاجی محمد محقق۔مسئول اموی شمال حزب وحدت اسلامی وزیر امور داخلہ دولت اسلامی افغانستان

مزار شریف پر قبضہ مستحکم کرنے کے بعد طالقان پر بھی قبضہ

استاد محقق مزار سے بامیان احمد شاہ مسعود طالقان سے پنجشیر جبکہ حکمت یار اور ربانی بدخشاں فرار،مزار دو گھنٹے جبکہ طالقان دس گھنٹوں کی شدید لڑائی کے بعد سرنگوں ہو گیا۔

یہود وہنود کی سازشوں کے سب سے مضبوط گڑھ پر طالبان نے اسلامی احکام نافذ کرنا شروع کر دیئے،مزار بھارتی شراب، خمینی اور عبدالعلی مزاری کی تصاویر اور ایرانی ٹی وی اسٹیشن سے پاک کر دیا گیا۔

مشیر امیر المومنین مولوی وکیل احمد،وزیر داخلہ ملا خیر اللہ،وزیر اطلاعات ملا متقی،صوبائی وزیر اطلاعات مولوی مطمئن کے انٹرویو اور مزار سے براہ راست نمائندہ ضرب مومن کا سیٹلائیٹ فون مراسلہ

قندھار (نمائندہ خصوصی) دس گھنٹے کی شدید لڑائی کے بعد تاجکستان سے متصل احمد شاہ مسعود کا مضبوط فوجی اڈا اور معزول ربانی کا مرکز طالقان بھی طالبان کے قبضہ میں آ گیا۔قندھار میں حضرت امیر المومنین کے مشیر مولوی وکیل احمد متوکل نے قبضہ کی تصدیق کر دی۔

مزار شریف قندھار (نمائندہ خصوصی) صوبہ فاریاب،صوبہ جوزجان اور صوبہ سرپل پر قبضہ کے بعد طالبان نصرت الٰہیہ کے ساتھ برق رفتار پیش قدمی کرتے ہوئے گزشتہ ہفتہ کو صوبہ بلخ کے دارالحکومت مزار شریف پر قابض ہو گئے تھے اور اب مصدقہ اطلاعات کے مطابق قبضہ مستحکم ہو گیا ہے،قندھار میں صوبائی وزیر اطلاعات مولوی عبدالحیٔ مطمئن نے کہا کہ مغربی ذرائع ابلاغ کا پروپیگنڈہ بالکل بے بنیاد ہے،مزار شریف میں مکمل امن ہے،مخالفین باغی ملیشا کے پست حوصلے بڑھانے کے لئے بے بنیاد افواہیں پھیلا رہے ہیں۔

وزیر داخلہ ملا خیر اللہ نے بی بی سی کو بتایا کہ شہر میں کسی قسم کی مزاحمت کا کوئی وجود نہیں اور باغیوں کی کمر توڑ دی گئی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔ مزار شریف سے ہمارے نامہ نگار مولوی محبوب الرحمن نے منگل کی شب سیٹلائٹ فون پر اطلاع دی کہ میں شہر اور شہر کے گرد و نواح میں دور دور تک گھوما ہوں یہاں طالبان مخالفین کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ حزب وحدت کے خلاف اس کی باغیانہ خطرناک سرگرمیوں کی وجہ سے سخت آپریشن کیا گیا جو تا حال جاری ہے۔ نامہ نگار نے کہا کہ حزب وحدت کو جس بری طرح ہزیمت اٹھانا پڑی ہے اس سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اب حزب وحدت کم از کم مزار شریف میں نہ کھڑی ہو سکے گی۔

مولوی محبوب الرحمن کے مطابق قیام امن کے بعد طالبان نے اسلامی احکام نافذ کرنا شروع کر دیئے ہیں، شہر کو بھارتی اور روسی شراب سے پاک کیا جا رہا ہے۔ بوتلیں توڑ توڑ کر پھینکی جا رہی ہیں۔ شہر میں جا بجا لٹکتی خمینی اور مزاری کی تصاویر ختم کی جا چکی ہیں۔

ایرانی ٹی وی اسٹیشن بھی بند کر دیا گیا ہے۔ تین ہفتوں میں پانچ صوبوں پر قبضہ کے بعد یہ امر یقینی ہو گیا ہے کہ دینی مدارس کے بیس ہزار طلبہ اور علماء کے مقدس اور پاکیزہ خون نے جنرل دوستم، جنرل مالک، جنرل روزی، استاد محقق، کمانڈر احمد شاہ مسعود جیسے نامور اسلام دشمنوں کو ڈھیر کر دیا ہے اور یہ حقیقت ایک مرتبہ پھر ثابت ہوگئی ہے کہ جذبہ جہاد اور باہمی اتفاق واتحاد کے مقابلہ میں کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی، نیز یہ بھی کہ ذاتی اغراض، نفسانی اہداف اور مال وجاہ کے خیالات کبھی بھی سچے نظریات کا سامنا نہیں کر سکتے۔

دلچسپ مناظر

☆ مزار کے جنوب میں حزب وحدت کے بڑے بڑے کارواں دھول اڑاتے بامیان کی طرف بھاگتے دیکھے گئے۔ چونکہ دوبارہ حملہ کا شدید خطرہ تھا اس لئے طالبان کے جنگی طیاروں نے ان باغیوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اوپر سے بم برسائے جا رہے تھے جبکہ پیچھے سے پیدل اور گاڑیوں پر تعاقب کر رہے تھے، اگر ان جنگجوؤں کا یوں تعاقب نہ ہوتا تو مزار پر دوبارہ حملہ یقینی تھا۔

☆ مشہور تھا کہ پائلٹوں کو زبردست فضائی حملوں پر امیر المومنین نے خصوصی انعامات سے نوازا۔

☆ حزب وحدت کے جو جنگجو حملے کے دوران مارے گئے ان کی تعداد شمار سے باہر تھی۔

☆ شہر میں داخل ہوتے ہی مقامی مجاہدین کی مدد سے طالبان تمام اہم جگہوں، قلعوں اور جنگی مراکز پر قابض ہو گئے، حزب وحدت کی جنگی تیاریوں اور اچانک پسپائی نے طالبان کو حیران کر دیا تھا۔

☆ شہر فسق وفجور اور گمراہی سے بھرا پڑا تھا، جگہ جگہ بھارتی اور روسی شراب کی دکانیں، ٹی وی اور فحاشی کا سیلاب بے حیائی اور فحاشی کے اڈے، حزب وحدت کے سیاہ جھنڈوں کی نحوست، خمینی اور مزاری کی تصاویر کی لعنت سے شہر

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پر ظلمت چھائی ہوئی تھی، طالبان ان سب منکرات اور خرافات کو تہ تیغ کرتے جا رہے تھے۔

☆ حزب وحدت کے جنگجو بڑی تعداد میں گرفتار ہوئے، ایک موقع پر قیدی اتنے زیادہ تھے کہ وہ مزار جیل سے کندھا سے کندھا ملا کر بڑی مشکل سے بیٹھ سکتے تھے، طالبان کے پاس انہیں پانی پلانے کے لئے انتظام نہ تھا جبکہ قیدی بار بار پانی مانگ رہے تھے، طالبان نے مجبوراً فائر بریگیڈ گاڑی منگوا کر ان پر پانی کا چھڑکاؤ کیا جس سے ان کے منہ میں پانی کی پیاس اور گرمی کا کسی حد تک مداوا ہوسکا بعد میں ایرانی ٹرکوں میں بٹھا کر انہیں شبرغان جیل میں بھیجا گیا تا کہ وہ اس وسیع جیل میں اچھی طرح رہ سکیں۔

☆ ایرانی قونصل خانہ سمیت کسی دفتر میں کوئی شخص نہ مل سکا، شاید ایرانی سفارت کار پہلے ہی بھاگ گئے تھے یا ہوسکتا ہے کہ ایران طالبان کو بدنام کرنے کے لئے جھوٹ بول رہا ہو۔

☆ حزب وحدت نے درہ موصوف کے اندر واقع ایک پل اڑا دیا تھا تا کہ طالبان تعاقب جاری نہ رکھ سکیں۔

☆ طالبان نے وہ ٹی وی اسٹیشن بند کر دیا جو ایران نے اپنی نشریات شمالی افغانستان براہ راست سنانے کے لئے تین ہفتہ قبل لگایا تھا اور جس کا افتتاح پروفیسر ربانی نے کیا تھا۔

فتح مزار و فتح طالقان کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ

☆ شبرغان اور سرپل پر قبضہ کے بعد طالبان نے اپنی سپاہ کو خفیہ راستوں سے بلخ کے ان چاروں اضلاع میں بھیج دیا تھا جنہوں نے طالبان کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔

☆ تین دن تک خفیہ سپاہ مزار شہر اور ارد گرد کے تمام حالات کا جائزہ لینے اور جنگجو قوم حزب وحدت کی قوت کا اندازہ لگانے اور راستہ کی متوقع رکاوٹوں کی صفائی میں مصروف رہی۔

☆ طالبان کی خفیہ کاروائیوں کا علم کیمونسٹوں اور حزب وحدت کو اس وقت ہوا جب جنرل دوستم کے دست راست کیمونسٹ جنرل روزی نے فتح مزار سے صرف ایک دن قبل دولت آباد پر حملہ کیا۔ طالبان نے مقامی حامیوں کی زبردست مدد کی۔ بالآخر جنرل روزی فرار ہوا، متعدد ٹینکوں بھاری اسلحہ کے علاوہ تیرہ ہزار لیٹر تیل بھی طالبان کے ہاتھ لگا۔

☆ طالبان کے جنگی طیاروں نے شبرغان جنگی ہوائی اڈہ کو جمعہ کے دن پہلی مرتبہ استعمال کر کے دولت آباد میں کیمونسٹوں کو ازبکستان کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

☆ جمعہ کے دن حزب وحدت کا ایک زبردست حملہ مزار سے بیس کلومیٹر دور ضلع بلخ پر ناکام ہوا، بلخ کا دفاع ان طالبان نے کیا جو خفیہ راستوں سے بلخ پہنچ چکے تھے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

☆ جمعہ کے دن ہی شمال کے چار اہم صوبوں فاریاب، جوزجان، سرپل، اور بلخ کے فاتح نائب وزیر دفاع ملا محمد فضل پانچ ہزار مجاہدین کے ہمراہ بلخ کے ضلعی مرکز پہنچے۔

☆ حضرت امیر المومنین کے حکم کے مطابق بابرکت کمانڈر ملا فضل نے ہفتہ کی صبح کفار کی امیدوں اور سازشوں کے سب سے بڑے مرکز مزار شریف پر یلغار کا فیصلہ کیا اور رات بھر تیاریاں عروج پر رہیں۔

☆ ضلع بلخ کے مقامی تین ہزار مجاہدین ہتھیاروں سے سج کر طالبان کے شانہ بشانہ شریک جہاد ہو گئے۔

☆ جمعہ کی شام کو ہونے والی بارانِ رحمت نے بدر کی طرح ریتلی زمین کو پختہ اور گرد وغبار کو جو جنگ میں نقصان دہ تھی جما دیا تھا جس کی وجہ سے مجاہدین کے پیدل دستے نہایت سہولت سے پیش قدمی کرتے رہے

☆ بلخ کے تین ہزار مسلح مجاہدین نے مزار شہر میں جنگی نوعیت کے تمام اہم علاقوں چوکیوں، مورچوں اور قلعوں سے باخبر کر دیا تھا۔

☆ جمعے کے دن ہی سرپل کے ضلع سنگ چارک پر قبضہ کر کے طالبان مزار سے بامیان جانے والے راستے کے قریب تر ہو گئے جس سے حزب وحدت کے لوگوں نے خود کو پشت کی طرف سے غیر محفوظ سمجھنا شروع کر دیا۔ دراصل یہ طالبان کی نفسیاتی جنگ تھی جس نے حزب وحدت کے دلوں کو وساوس میں مبتلا کر دیا۔

☆ مقامی مجاہدین کے راہنما کے مطابق مزار کے جنوبی حصہ پر جو پہاڑوں اور دروں پر مشتمل تھا حملہ نہایت ضروری تھا اس لئے مزار شہر پر مغرب شمال اور گھوم کر جنوب سے بیک وقت حملہ شروع کیا گیا۔

☆ حزب وحدت نے مزار کے دفاع کے لئے زبردست تیاریاں کی تھیں۔ جا بجا خندقیں کھود رکھی تھیں۔ گلیوں گھروں قلعوں، اور پہاڑوں پر بظاہر نا قابل تسخیر مورچے تعمیر کر لئے تھے۔

☆ یوم السبت کے دن صبح آٹھ بجے کمانڈر ملا فضل نے جن کی ایک ٹانگ جہاد میں شہید ہو چکی ہے اور وہ تقریباً ایک ہاتھ سے بھی معذور ہیں حملہ کا حکم دیا۔

☆ حزب وحدت نے دو گھنٹے تک شدید مزاحمت کی اور نمائندہ ضرب مومن کے مطابق جو جنگ کی صحیح صورت حال کی رپورٹنگ کے لئے حملہ آور مجاہدین کے کمانڈر ملا فضل کے ہمراہ تھے۔ ملا فضل اپنی سپاہ کو لے کر گولیوں، میزائلوں اور راکٹوں کی بوچھاڑ میں گھس گئے۔

☆ نمائندہ ضرب مومن نے بتایا کہ یہ حملہ ایسا دل کش، روح افزاء اور ایمان افروز تھا کہ اسے بیان میں لایا جا سکتا ہے نہ تحریر میں۔ ضرب مومن کے سیار نمائندے روسیوں کے خلاف سابقہ جنگوں میں شریک رہے ہیں مگر اس جنگ میں جو روحانی سرور ملا وہ بے مثال تھا۔ باغیوں کی گولیاں نمائندے کے دائیں بائیں اور اوپر سے گزرتی تھیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

☆ گولیوں کی بوچھاڑ میں طالبان کی جرات مندانہ پیش قدمی نے حزب وحدت کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور مزار سے باہر خط اول کھسکنا شروع ہو گیا۔

☆ جمعہ کے دن بارش کی وجہ سے پیدل دستوں نے حزب وحدت کو بڑی تیزی سے آڑے ہاتھوں لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے شہر کی طرف بے دھڑک بڑھتے چلے گئے۔

☆ چونکہ طالبان کو حزب وحدت کے مراکز کی مکمل اطلاع تھی اس لئے طالبان نے انہیں تاک تاک کر مارا جب کہ زمینی حملہ میں توپ خانہ کے علاوہ ٹینک، دو میلے، بکتر بند، راکٹ لانچر اور مشین گنیں آگ اگلتی ہوئی شہر کی تین اطراف سے اچانک بڑھیں تو حزب وحدت کے جنگجو پسپا ہونا شروع ہو گئے۔

زمین دوز ڈپوؤں میں بیک وقت دس دس ٹریلر لوڈ ہو سکتے ہیں، چشم دید انکشاف

افغانستان میں کفار کی امیدوں اور سازشوں کے مضبوط گڑھ مزار شریف اور شبرغان میں ایرانی اور روسی اسلحہ کے انبار ملے...... فاریاب کی طرح شبرغان اور مزار شریف میں ایرانی اسلحہ کی پیٹیوں پر ایرانی مہر اور سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی ایران درج ہے۔

بلخ و جوزجان میں بھارتی روسی اور ایرانی مداخلت کا منظر غیر جانبدار دنیا پر سکتہ طاری کر سکتا ہے۔ نمائندہ ضرب مومن مزار شریف مولوی محبوب الرحمن شمالی افغانستان میں حزب وحدت اور جنرل دوستم کے زیر قبضہ صوبہ جوزجان سرپل اور بلخ میں بھارت، روس اور ایران نے جس طرح کھلے بندوں مداخلت کی ہے پوری دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ انکشاف ہمارے سیار نمائندے مولوی محبوب الرحمن نے کیا۔ وہ مزار شریف سے فون پر مراسلہ ریکارڈ کرا رہے تھے انہوں نے کہا کہ بھارتی ایرانی اور روسی مداخلت اس پیمانہ پر ہوئی ہے کہ اس کا منظر غیر جانبدار دنیا پر سکتہ طاری کر سکتا ہے۔ مراسلہ کے مطابق مزار شریف اور شبرغان میں روسی اور ایرانی اسلحہ کے بے تحاشا انبار ہیں چھاؤنیوں پہاڑوں اور زمین کا پیٹ اسلحہ و گولہ بارود سے اٹا پڑا ہوا ہے۔ ہمارے نمائندے نے بچشم خود وہ وسیع و عریض ڈپو دیکھے جو زمین دوز ہیں اور جن کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایک ڈپو میں بیک وقت بائیس ویلر بڑے دس دس ٹریلر کھڑے کر کے بھرے یا خالی کئے جا سکتے ہیں۔ شبرغان اور مزار شریف میں بھی فاریاب کی طرح اسلحہ و گولہ بارود کی پیٹیوں پر جمہوری اسلامی ایران، ایرانی حکومت کی سرکاری مہر سپاہ پاسدران انقلاب، اسلامی ایران درج ہے۔

قبل ازیں یہاں کے ہزاروں افراد پہاڑوں سے اتر کر طالبان کے آگے تسلیم ہو گئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ طالبان کی تاریخ میں صرف ایک ضلع سے اتنی بڑی تعداد میں ہتھیاروں کا برآمد ہونا اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ مبصرین کے مطابق فاریاب مزار اور بامیان کے بالکل درمیان دور دراز اس پہاڑی علاقے میں ایرانی ہتھیار طالبان کی دسترس

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سے باہر کرنے اور ایرانی مداخلت پر پردہ ڈالنے کے لئے چھپائے گئے تھے۔صوبائی وزیر اطلاعات مولوی مطمئن کے مطابق اب ایرانی مداخلت کسی بھی صورت میں مٹایا نہیں جاسکتا۔

سمنگان پر حملہ سلطان محمد فاتح کی طرز پر کیا

حزب وحدت نے تاشقر غان سے بیس کلومیٹر دور تنگ درہ بارود سے اڑا دیا تھادو دن کی کوشش کے باوجود شاہراہ کھولنے میں ناکام طالبان نے سمنگان قندوز بغلان اور پل خمری کے صحراؤں سے گزر کر بالکل عقب سے حزب وحدت کے جنگجو درے پر واقع مورچوں پر محوخواب تھے کچھ وادی میں نہانے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔سمنگان پر سفید اسلامی جھنڈا لہرا دیا گیا۔مولوی ضیاء الرحمن مدنی طالبان لشکر کے کمانڈر ملا محمد فضل کے ہمراہ ضرب مومن کے سیار نمائندے مولوی محبوب الرحمن کا سمنگان سے آنکھوں دیکھا حال،سیٹلائٹ فون پر تاریکی،سمنگان ایبک(مولوی محبوب الرحمن)ویسے تو صوبہ سمنگان کی فتح کی خوشخبری تمام ذرائع ابلاغ نشر کر چکے ہیں۔اس اعتبار سے کوئی اہم خبر نہیں۔لیکن شمالی افغانستان میں ضرب مومن کے سیار نمائندے نے جو طالبان جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر قلم بند کر رہے ہیں،فتح سمنگان کی جو تفصیلات بھیجی ہیں وہ نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز ہیں۔مولوی محبوب الرحمن نے بدھ کی شب سیٹلائٹ فون مراسلہ میں بتایا کہ مزار شریف سے ساٹھ کلومیٹر دور مشرق میں شاہراہ سالانگ پر واقع اہم شہر خلم جسے شمال کے لوگ تاشقر غان کہتے ہیں کئی گھنٹوں کی جنگ کے بعد فتح ہوا۔حزب وحدت کے جنگجو تاشقر غان سے پسپا ہو کر جنوب میں پہاڑوں پر مورچہ زن ہو گئے۔طالبان کے حملہ سے پہلے ہی انہوں نے سالانگ شاہراہ کو تاشقر غان سے پندرہ کلومیٹر دور صیاد کے مقام پر بند کر دیا تھا۔غار نما تنگ درہ کو میزائلوں اور بارود سے اڑا کر حزب وحدت والے اپنے خیال میں طالبان کے حملے سے محفوظ اور مطمئن ہو گئے تھے۔طالبان نے شاہراہ کھولنے اور پیش قدمی کی زبردست کوشش جاری رکھی۔جو بالآخر ناکام ہوئی۔حزب وحدت کے ترجمان نے بی بی سی کو بتایا کہ انہوں نے طالبان کی پیش قدمی سمنگان میں روک دی ہے۔اور سمنگان پر خود قابض ہیں۔قبل ازیں بعض دوسرے معتبر ذرائع سے موصولہ اطلاعات میں بتایا گیا تھا کہ حزب وحدت نے مزار شریف وغیرہ سے پسپا ہو کر صوبہ سمنگان میں طالبان کے حامیوں کے خلاف کاروائیاں کر کے مرکزی شہر ایبک کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔طالبان حامیوں کے قتل عام کی خبریں بھی آتی رہیں۔طالبان پیش قدمی نہ کر سکے تو فاتح کاروان کے کمانڈر ملا فضل وزیر داخلہ ملا خیر اللہ اور دیگر عسکری شوری نے پندرہ کلومیٹر دور محاذ پر حملہ کرنے کے لئے جو راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا وہ طالبان جہاد میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

لشکر اسلام کا عدل

فیصلہ کے مطابق حملہ کے لئے چنا گیا راستہ تین صوبوں سمنگان،قندوز اور بغلان کے دور دراز صحراؤں اور بے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

آب وگیاہ دشت وبیابانوں سے ہوتا ہوا طالبان کا لشکر صوبہ بامیان کے دور دراز علاقے ضلع پنجاب پہنچا تو مجاہدین بھوک سے نڈھال تھے۔ایرانی پروپیگنڈے کی وجہ سے پنجاب کے دکاندار چھپ گئے تھے۔ہوٹلوں پر روٹیاں، کباب اور گوشت پکا پکایا تیار رکھا تھا۔طالبان جس طرح حضرت امیر المومنین کی اطاعت کرتے تھے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، بھوکے پیاسے طالبان نے حزب وحدت کے حامی عوام کی چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا، اس موقع پر ہمارے سیار نمائندے مولوی محبوب الرحمن بھی سخت بھوک سے نڈھال تھے، انہوں نے کئی طلباء سے پوچھا کہ کیا ایسی حالت میں اتنا کھالینا جس سے بھوک کا مداوا ہو جائے جائز نہیں؟ تو ان کا جواب تھا کہ حضرت امیر المومنین نے منع کیا ہے، طالبان نے ایک مشتبہ شخص کو پکڑا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ وہ فوجی نہیں صرف نانبائی ہے۔طالبان نے پوچھا کیا تم ہمیں روٹیاں قیمتاً دے سکتے ہو؟ اس نے جواب دیا کیوں نہیں، نمائندہ ضرب مومن کو پیٹ کی بھوک سے زیادہ صحافت کی بھوک لگی ہوئی تھی۔چنانچہ وہ بھی ساتھ ہو لئے، شہر سے کئی کلومیٹر دور واقع اپنے تنور سے نانبائی نے عام قیمت پر روٹیاں فروخت کیں، طالبان نے ایک گاؤں سے مرغیاں خریدیں۔عوام جن کو ایران نے یہ باور کرایا تھا کہ طالبان آتے ہی تمہیں ذبح کر دیں گے طالبان کے اس عدل وانصاف کو دیکھ کر حیران وششدر تھے۔سالن پکانے کے لئے چمچہ دستیاب نہ ہو سکا تو مجاہدین نے لکڑی چیر کر چمچہ بنالیا۔

تصویر میں وہ لکڑی کا ٹکڑا نمایاں ہے۔لیکن اس حیرت انگیز عدل وانصاف کے باوجود شمال میں آج بھی طالبان کے خلاف جنگ جاری ہے کیونکہ ایران، بھارت، روس، امریکہ اور دیگر کفار اپنے ایجنٹوں احمد شاہ مسعود، ربانی، حکمت یار، سیاف، جنرل دوستم، خلیلی اور مالک کے ذریعہ افغان عوام کو سکھ کا سانس نہیں لینے دے رہے۔یہ ہے مغربی ممالک کے انسانی ہمدردوں کے نعروں کی حقیقت۔

انگریز اور روسی مار کھا چکے اب ایران بھی شوق پورا کر کے دیکھ لے

مزار شریف (بی بی سی) شمالی علاقوں میں فاتح لشکر کے روح رواں شمالی افغانستان کی شوریٰ کے سربراہ اور وزیر داخلہ ملا خیر اللہ خیر خواہ نے ایران کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارے ملک کے خلاف سازشوں سے باز آجائے ورنہ اس کے سنگین نتائج کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ملا خیر اللہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا ایران کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ہمارے ملک پر پہلے انگریزوں نے زور آزمائی کی۔ان کی ناکامی کے بعد روسیوں نے تجربہ کیا جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔اب ایران بھی شوق پورا کرنا چاہتا ہے تو وہ کر کے دیکھ لے۔انہوں نے کہا ہم جس طرح کسی کے امور میں مداخلت کے قائل نہیں اسی طرح کسی کی مداخلت کو بھی گوارا نہیں کر سکتے۔

مزار: قرآن مجید میں خمینی کی تصاویر

مزار شریف (مولوی محبوب وابوسعد) ایران نے شمالی شہر مزار شریف کو ایرانی کالونی یا خمینی اسٹیٹ بنانے کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

لئے خطرناک حد تک دیدہ دلیرانہ اورلرزہ خیز اقدامات کئے ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مزار شریف کے ہر گھر، ہر دفتر میں خمینی کی تصاویر آویزاں ہیں حتیٰ کہ قرآن مجید تک میں خمینی کی تصاویر ملی ہیں۔صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق تصویر سازی کو حرام اور اسے موجب لعنت قرار دیا ہے حتیٰ کہ جہاں تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ایسے میں خمینی کی تصاویر قرآن میں رکھنا قہر الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

دشت لیلیٰ کے شہدا

ضرب مومن میں ایک تصویر دکھائی گئی جس میں بلا مبالغہ لاشیں جن کو تازہ تازہ کفن پہنایا گیا ہے دکھائی گئیں۔یہ وہ طالبان ہیں جو ڈیڑھ سال قبل اسلامی نظام کے نفاذ کا پیغام لے کر شمالی افغانستان گئے تھے لیکن ایران اور روس کی خفیہ سازش پر حزب وحدت اور جنرل مالک نے تاریخی بغاوت کی،شبرغان کی مرکزی جیل سے ملنے والی فہرست کے مطابق آٹھ ہزار پانچ سوبیس طالبان کو گرفتار کیا گیا۔بعدازاں ربانی کے معروف کمانڈر محمد حاکم خان کے اعتراف کے مطابق ایران کے کہنے پر یہ تمام قیدی صحراؤں میں انتہائی بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔شہدا ڈیڑھ سال سے بے گور و کفن کھلے آسمان تلے پڑے ہوئے تھے۔طالبان نے سب کو کفن دے کر پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ دفنا دیا۔

طالبان کا خدشہ درست نکلا،اقوام متحدہ نے حزبِ وحدت کی امداد کی

چند ماہ قبل اقوام متحدہ نے جب یہ دعویٰ بلکہ زبردست واویلا کیا کہ بھوک سے لاکھوں افراد لقمہ اجل بن جائیں گے۔اس لئے طالبان فی الفور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر غریب عوام کے لئے گندم،آٹا اور گھی لے جانے کی اجازت دیں۔حضرت امیر المومنین کے ترجمان احمد اخوانزدہ نے کہا تھا کہ ہمیں خدشہ ہے کہ یہ خوراک فاقہ زدہ عوام کے بجائے جنگجو حزب وحدت کو دی جائے گی۔وزیر اطلاعات ملا امیر خان متقی نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ جب ایران سے وافر مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود پہنچ سکتا ہے تو خوراک کیوں نہیں پہنچتی۔معہذا طالبان نے بین الاقوامی اپیلوں اور مبینہ قحط وفاقہ کے خدشہ کے پیش نظر اقوام متحدہ کو اجازت دے دی تھی۔بامیان کی فتح سے طالبان کا خدشہ درست نکلا۔اقوام متحدہ کے ہاتھوں جانے والی گندم،آٹا اور گھی آٹھ ہزار سے زائد طالبان قیدیوں کی قاتل حزب وحدت کے گوداموں میں ملا۔کیا اقوام متحدہ والے بتا سکتے ہیں کہ انسانی ہمدردی کے نام پر آنے والی خوراک غریب عوام کے پیٹ میں جانے کے بجائے حزب وحدت کے فوجی گوداموں میں کیسے پہنچی؟اگر اقوام متحدہ والے یہ جواب دیں کہ یہ گودام ہی ہمارے تھے تو یہ اس لئے غلط ہے کہ ان گوداموں پر یو این کی کوئی علامت،مونوگرام یا بورڈ نہیں تھا،علاوہ ازیں پھر ان گوداموں میں ملنے والے گولہ بارود کے بارے میں بھی اعتراف کرنا پڑے گا کیا یو این اس کے لئے تیار ہوگی؟اور اگر یو این یہ کہتی ہے کہ خوراک حزب وحدت نے ہم سے زبردستی چھین لی تھی تو سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا واقعہ جب پیش آیا تھا تو یو این نے دنیا کو کیوں باخبر نہ کیا؟اس

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پر احتجاج کہ بغیر ڈاکہ کی اس واردات کو کیسے ہضم کر گیا؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!!

طالبان بامیان پہنچے تو گولہ بارود کی شدید قلت تھی کیونکہ پل خمری سے بامیان تک چوبیس گھنٹے کا کٹھن راستہ تھا مگر بامیان پہنچتے ہی طالبان خوشی سے جھوم اٹھے کیونکہ بامیان کے پہاڑ گولہ بارود سمیت ہر اس چیز سے بھرے پڑے تھے جس کی ان کو ضرورت تھی، زیر نظر تصویر میں ایرانی گولہ بارود کی پیٹیاں خالی ہو چکی ہیں کیونکہ اس کے ذریعے وہ ایرانی ایجنٹوں کے تعاقب میں بامیان کی طرف پھیل چکے ہیں۔

مزار شریف کے ایک ڈپو سے برآمد ہونے والے ایرانی گولے جن پر ''جمہوری اسلامی ایران'' درج ہے۔شاید ایران کی سفارت کاری یہی تھی۔

ایران کی طرف سے پڑوسی ملک افغانستان کے تباہ حال مظلوم عوام کو ایرانی ہینڈ گرنیڈوں کا تحفہ جو ایران کے اس دعویٰ کی عملی تفسیر ہے کہ ہم افغانستان میں قیام امن کے عمل کو بہر صورت جاری رکھیں گے۔

شمالی افغانستان یا ایران کی کالونی؟ ایرانی مداخلت کے حیرت انگیز انکشافات پر مشتمل میمنہ ریڈار روم سے خفیہ ریکارڈ کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

☆...... میمنہ کے پہاڑوں میں ایرانی اسلحہ کے بیس بڑے ذخائر دریافت ہو گئے......

☆...... اس سے کہیں زیادہ ایرانی اسلحہ شبرغان اور مزار میں ہے، ڈپوؤں کے مسئول کی ضرب مومن سے گفتگو

☆...... ایران سے روزانہ کئی طیارے بامیان پہنچ رہے ہیں۔وزیر اطلاعات

☆...... شمالی اتحاد کے علاقوں میں جلدی، زبردست بدامنی اور فساد پر یو این اور انسانی حقوق کے ادارے مہر بلب ہیں۔

☆...... ۱۹ یوم میں گولہ بارود کے ۵۰۰۰ صندوق ایران سے میمنہ پہنچے۔

درہ کیان......خصوصی رپورٹ

طالبان آغا خانیوں کے عظیم فوجی ہیڈ کوارٹر درہ کیان پر قابض ہو چکے ہیں۔مگر قبضہ سے قبل پیش آنے والے واقعات رفتہ رفتہ باہر آ رہے ہیں۔آغا خانیت کے ایک مستند ماہر نے جو آغا خانیوں کے خفیہ رازوں کے حوالے سے سند سمجھے جاتے ہیں اپنے ایک طویل مضمون میں امریکہ حملہ کے پس منظر کو ایک اور بالکل نئے زاویہ سے دیکھا ہے۔واقعات کے مطابق طالبان جیسے ہی مزار میں داخل ہوئے درہ کیان اور فرانس کے درمیان پہلے سے موجود رابطوں کی نوعیت اچانک بدل گئی۔کبھی آغا خان کے حکم پر اس کا سب سے بڑا خلیفہ منصور مادری آغا خان اسٹیٹ قائم کرنے کے لئے شب و روز اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔مگر وہ طالبان کے حملے سے سخت خوفزدہ ہو گیا تھا۔منصور نادری بار بار سیٹلائٹ فون کے ذریعہ آغا خان کو آگاہ کرتا رہا تو خود درہ کیان شدید خطرے سے دوچار ہو چکا ہے۔آغا خان تسلیاں دیتا رہا۔شمالی علاقہ جات میں طالبان کی برق رفتار پیش قدمی کے باعث آغا خان نے تمام جماعت خانوں میں ''ستارہ'' نامی

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

عبادت کا حکم دیا۔ جو سخت مصیبت کے وقت کی جاتی ہے۔ اور صرف سات دن تک مگر اس مرتبہ آغا خان کا حکم تھا کہ ستاڑہ مسلسل کی جائے۔ آغا خانی مسلسل ستاڑہ کرتے رہے۔ اور طالبان فتوحات کرتے ہوئے پل خمری تک جا پہنچے۔ جو منصور نادری کے بیٹے جنرل سید نادری کا مرکز تھا۔ آغا خانیوں کے بعض معتبر ذرائع نے تصدیق کی کہ درہ کیان پر قبضہ سے قبل آغا خانی نادری کے لئے خصوصی دعائیں کرتے رہے اور حاضر امام کو پکار کر کہتے رہے اۓ ہمارے مولا آغا خان سید نادری کو اپنے حفظ و امان میں رکھ۔ اور قلعہ کیان کا مضبوط نشان قائم رکھ۔ آمین۔ پل خمری پر قبضہ کے بعد طالبان نے درہ کیان کو دھمکی دی تھی کہ وہ دس دن کے اندر اندر ہتھیار ڈال دیں۔

تقریباً سو کے قریب ملنے والی دستاویزات کے مطابق منصور نادری نے صرف تین ماہ کے مختصر عرصہ میں افغان دارالحکومت کابل سمیت پروان قندوز، بغلان، ہلمند اور بامیان کے عوام اور محاذ جنگ پر مصروف کارلوگوں میں طالبان کے خلاف بغاوت پیدا کرنے کے لئے آٹھ لاکھ امریکی ڈالر تقسیم کئے جو پاکستانی تقریباً پونے پانچ کروڑ بنتے ہیں۔ دستاویزات کے مطابق یہ تمام دستاویزات امریکی ڈالروں میں انجام پایا۔ دستاویز میں افغانی یا پاکستانی کرنسی کا ذکر نہیں جس سے اس شبہ کو بھرپور تقویت ملتی ہے کہ افغانستان میں اسلامی حکومت کے استحکام کے خلاف بین الاقوامی سطح پر یہودیوں کی سازشیں کس بھرپور طریقے پر جاری ہیں۔ دستاویزات سے واضح ہوتا ہے کہ کن کن افراد نے منصور نادری سے رقم حاصل کی۔ ان تمام افراد کی وصولی کے دستخط رسیدوں پر موجود ہیں۔ تاہم ڈالروں کے سیلاب آنے کے باوجود نا صرف طالبان کو مزید استحکام حاصل ہوا بلکہ صیہونی ایجنٹ منصور نادری اپنے مضبوط ترین ہیڈ کوارٹر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

درہ کیان میں اسلحہ کے ذخائر ابھی تک شمار میں نہیں آسکے

طالقان (سیٹلائٹ فون مراسلہ) طالبان کے مرکزی وزیر داخلہ اور شمال کے صوبوں کی شوراء کے سربراہ ملا خیر اللہ خیر خواہ نے تخار سے سیٹلائٹ فون پر ضرب مومن سے گفتگو کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ دس دن گزرنے کے باوجود اب تک درہ کیان میں اسلحہ کے ذخائر شمار میں نہیں آسکے۔ انہوں نے کہا کہ درہ کیان کے تمام پہاڑ کھیت اور باغات اسلحہ کے ذخائر سے پر ہیں۔ ہر نیا شخص نئے ڈپو کی نشاندہی کرتا ہے۔ آغا خانیوں نے زمین دوز اسلحہ خانہ بنا کر اوپر فصل اگا رکھی تھی۔ کہیں درخت لگا رکھے تھے۔ کئی جگہ میں گل خانہ، یا چمن اور باغ بنایا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آغا خانیوں کے اسلحہ کے ذخائر نے حیرت زدہ کر رکھا ہے۔ وزیر داخلہ نے ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ طالبان کا قبضہ مستحکم ہے۔ اور فرخار اور بدخشاں کے اہم دورا ہے ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اس وقت ہماری زیادہ توجہ طالقان کے شمال میں دریائے آمو کے کنارے سرحدی اضلاع پر ہے۔ اس وقت میں خواجہ غار شہر کی مشرقی پہاڑیوں سے بات کر رہا ہوں۔ ملا نعیم خواجہ غار شہر میں مغرب کی طرف سے داخل ہو چکے ہیں۔ اور خواجہ غار ہمارے ہاتھ میں آچکا ہے۔ ایک اور سوال کے جواب میں شوراء شمال کے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سربراہ نے کہا کہ مزار شبرغان میں مکمل امن وامان ہے۔عوام تعاون کر رہے ہیں۔ چالیس ہزار خودکار ہتھیار برآمد ہو چکے ہیں۔اور باغیوں کے اسی فی صد سرغنے یا تو گرفتار ہو چکے ہیں یا ہلاک وفرار ہو چکے ہیں۔اس لئے شمال میں ہمیں کوئی تشویش نہیں ہے۔شمال اور مغرب کی سرحد کے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ازبک اور تاجک سرحد پرسکون ہیں۔ہم انشاء اللہ غافل نہیں۔ایران مغربی سرحدوں پر اپنی افواج جمع کر رہا ہے۔لیکن انشاء اللہ ہم دفاع کے لئے تیار ہیں۔انہوں نے ایران کو خبردار کیا کہ وہ جارحیت سے باز رہے۔اور تاریخ سے سبق حاصل کرے۔انہوں نے کہا کہ افغانستان پر جس نے بھی حملہ کیا بالآخرا سے شرمندگی ہوئی۔

بامیان......ایک تعارف

ہزارہ جات کا صرف ۱۰ فیصد رقبہ قابل کاشت ہے۔اس سال گندم اور باجرے کی فصل ناکام ہوگئی تھی۔اگست ۱۹۹۷ء سے طالبان نے جنوب مغرب اور مشرق کی طرف کے سارے راستے بند کر دیئے تھے۔ہزارہ کے لوگوں تک کوئی چیز نہیں پہنچ رہی تھی۔شمال کی طرف سے کسی قسم کی امداد ملنا محال تھا۔سرما کی برفباری نے بامیان تک خوراک کی رسد میں رکاوٹ پیدا کر دی تھی۔پہاڑی درّے، برف سے ڈھک گئے تھے۔بامیان تک جو ۷۵۰۰ فٹ کی بلندی پر ہے، کھانے پینے کی اشیاء پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔صوبہ بامیان کے تین لاکھ باشندے بھوکے تھے۔تین ہمسایہ صوبے اغور، وردک اور غزنی بھی غذائی کمی کا شکار تھے۔کل دس لاکھ افراد اس صورت حال سے دوچار تھے۔ہزارہ قبائل یوں تو پشتونوں کے مقابلے میں ہمیشہ ہی محرومی کا شکار رہے ہیں، لیکن اتنے کبھی نہیں تھے جتنے اب ہوئے۔یہ چھوٹے قد کی فربہی مائل، منگولوں کی وضع قطع کے لوگ ہیں، ایک نظریے کے مطابق یہ چنگیز خان کے سپاہیوں اور مقامی تاجک اور ترک لوگوں کے درمیان ہونے والی شادیوں کا حاصل ہیں۔

۳ سے ۴ ملین ہزارہ، افغانستان کا سب سے بڑا شیعہ گروپ ہے۔سنی پشتونوں اور شیعہ ہزاروں میں یوں تو دشمنی بہت پرانی تھی لیکن طالبان نے اس میں تیزی کا عنصر پیدا کر دیا۔طالبان شیعوں کو ان کے کردار کے علاوہ دستاویزی ثبوتوں کی بناء پر منافق اور خودسر سمجھتے تھے اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج کہتے ہیں۔طالبان کے لیے ایک اور تکلیف دہ امر یہ تھا کہ ہزارہ عورتیں بہت اہم سیاسی، سماجی اور علاقے کے دفاع میں فوجی کردار ادا کر رہی تھیں۔ہزاروں کی حزبِ وحدت کی ۸۰ رکنی مرکزی کونسل میں ۱۲ عورتیں شامل تھیں۔ان میں سے بہت سی تعلیم یافتہ اور مختلف پیشوں سے وابستہ تھیں، وہ اقوام متحدہ کے امدادی پروگراموں اور بنیادی تعلیم، صحت اور خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق حزب کے کاموں کی نگرانی کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔وہ اپنے مردوں کے شانہ بشانہ جنگ میں بھی حصہ لیتی رہی ہیں۔جب طالبان نے مزار شریف پر حملہ کیا تو عورتیں بھی شہر کے دفاع میں پیش پیش تھیں۔ان کے ہاتھوں کئی طالبان شہید اور زخمی ہوئے۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

طالبان کا بامیان پر قبضہ...... ہزارہ ازبک اور تاجک کمانڈروں کا طالبان کے خلاف محاذ

طالبان نے اپنے بین الاقوامی ناقدوں اور ایران کی تسکین و تشفی کرنے کی بجائے بامیان پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ چند ہزارہ کمانڈروں کے ہتھیار ڈال دینے پر طالبان ۱۳ رستمبر ۱۹۹۸ء کو شہر پر قابض ہو گئے۔ کریم خلیلی اور وحدت کے دوسرے لیڈر شہر کی بیشتر آبادی ساتھ لے کر پہاڑوں پر چلے گئے۔ ملا عمر نے اپنے دستوں کو حکم دیا کہ وہ ہزارہ شہریوں کے خلاف کسی زیادتی کے مرتکب نہ ہوں۔

بامیان پر قبضہ کے پانچ دن بعد طالبان نے بدھ کے ایک مجسمے کا سر بارود سے اڑا دیا۔ یہ بت جس جگہ بنایا گیا تھا، اس پر بھی فائرنگ کی گئی۔

بامیان کا طالبان کے ہاتھوں فتح ہونا، ایرانیوں کے لیے اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا ثابت ہوا۔ ایران نے کہا کہ بین الاقوامی قانون کے مطابق اُسے اپنا دفاع کرنے کی اجازت ہے۔ اقوامِ متحدہ کا منشور طالبان کے خلاف ہر ضروری اقدام کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ امریکہ نے بھی افغانستان پر میزائلوں کے حملے کے جواز میں یہی دلیل دی تھی۔ ایک ہفتہ بعد ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خان رابی نے انتباہ کیا کہ بہت بڑی جنگ چھڑ جائے گی، جو پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ انہوں نے پاکستان پر الزام لگایا کہ بامیان پر قبضہ کرنے کے لیے اس نے طالبان کی فوجوں کی طیاروں کے ذریعے مدد کی۔ اسلام آباد نے اس کی تردید کی۔ اس کے باوجود ایران اور پاکستان کے تعلقات میں شدید سرد مہری پیدا ہو گئی۔ ستر ہزار ایرانی انقلابی گارڈز نے فوج اور طیاروں کی مدد سے ایران افغانستان سرحد کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر فوجی مشقیں شروع کر دیں۔ اکتوبر میں ایران دو لاکھ باقاعدہ فوج کو بھی لے آیا۔ طالبان، ایران کے مقابلے میں صرف پانچ ہزار فوج لا سکے۔

اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایران کے بھرپور حملے کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے لخدار ابراہیمی کو علاقے کے دورے پر بھیجا۔ وہ ۱۴ را کتوبر ۱۹۹۸ء کو قندھار میں ملا عمر سے ملے، جس کے نتیجہ میں ملا عمر تمام ایرانی ٹرک ڈرائیوروں کو رہا کرنے اور ایرانی سفارت کاروں کی میتیں ایران کے حوالے کرنے پر رضامند ہو گئے۔

طالبان کے حملے ہزارہ لوگوں کا قتل عام، ایران کی محاذ آرائی اور امریکہ کے کروز میزائلوں سے حملے نے علاقے میں طاقت کے نازک سے توازن کو ڈرامائی طور پر بگاڑ دیا۔ طالبان کی پیش قدمی سے روس، ترکی اور وسطی ایشیائی ریاستیں مشتعل ہو گئیں۔ انہوں نے پاکستان اور سعودی عرب پر طالبان کی حمایت اور پشت پناہی کرنے کا الزام لگایا۔ الفاظ کی تیز جنگ نے علاقے میں دھڑے بندی اور دونوں ملکوں کی باہمی مخاصمت میں شدت پیدا کر دی۔ قازقستان، کرغیزستان، ازبکستان، تاجکستان اور روس کے نمائندوں کا ایک اجلاس ۲۵ راگست ۱۹۹۸ء کو تاشقند میں ہوا۔ جس نے طالبان کی پیش قدمی روکنے کے لئے فوجی اور سیاسی منصوبوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے پر غور کیا۔ علاقے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کے سنگین

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

اثرات کا بھی جائزہ لیا گیا۔ایران اور طالبان میں جنگ چھڑ جانے کے خطرے اور پاکستان کے طالبان کا ساتھ دینے کے امکان کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔

۷ راپریل ۱۹۹۹ء کو مسعود نے روسی وزیر دفاع ایگور سرگئی سے دوشنبے میں ملاقات کی۔روس نے اعلان کیا کہ وہ تاجکستان میں ایک نیا فوجی اڈہ تعمیر کرے گا۔روس احمد شاہ مسعود کی فوجی امداد میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔طالبان بھی اپنے آپ کو مزید اسلحے سے لیس کر رہے تھے اور پاکستان میں موجود مدرسوں کے طلباء کو بھرتی کر کے اپنی طاقت بڑھا رہے تھے۔مسعود اور ہزارہ فوجوں نے شمال مشرقی اور ہزارہ جات پر حملوں کا نیا سلسلہ شروع کیا۔۲۱ راپریل ۱۹۹۹ء کو حزب وحدت کی فوج نے ڈرامائی طور پر بامیان پر دوبارہ قبضہ کر لیا،شمال میں ایک بار پھر جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔

بامیان پر طالبان کا دوبارہ قبضہ، یکاولنگ کی طرف پیش قدمی

موسم گرما تک قبضہ برقرار رکھنے کا خواب چکنا چور سر فروش طالبان بامیان کی سڑکوں اور اطراف میں پڑی ایک میٹر سے زائد برف کی تہوں کو خاطر میں نہ لائے۔

بامیان میں طالبان فضائیہ کا بھرپور کردار، ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ ملا داداللہ اور قاری احمد اللہ کے دستے باغیوں کے درمیان اتارے گئے۔تین گھنٹے میں باغی دم توڑ گئے۔وافر مقدار میں اسلحہ برآمد ایرانی اسلحہ بھی شامل ہے۔قبضے کے لئے باغیوں کا دوسرا حملہ بھی پسپا تخار، خواجہ غار، ہزار باغ، اشکمش، اور چال پر طالبان کی منہ توڑ جوابی کاروائی مقامی آبادی کا بھرپور تعاون، خفیہ راستوں کی نشاندہی۔

مزاحمت شمالی علاقوں میں باغیوں کی تمام سازشیں یکے بعد دیگرے دم توڑتی چلی گئی۔اور حزب وحدت کے جنگجوؤں کی صورت میں ازبک باغی کمانڈر دوستم سمیت دیگر تمام باغیوں کی شرمناک سرگرمیاں ناکام ثابت ہوئیں۔اطلاعات کے مطابق درہ صوف سمیت بامیان سے امارت اسلامیہ کے باغیوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔امارت اسلامیہ کے خلاف باغیوں کی شرمناک جارحیت میں حزب وحدت کے سربراہ خلیلی محقق جنرل دوستم کے دس راست کمانڈر لال پہلوان کمانڈر موسی عبدالجلیل کے بھائی اور درہ صوف میں باغیوں کے سرغنہ استاد عطاء نے مل کر امارت اسلامیہ کے ضلع کمرود اور ضلع سیغاد کی پہاڑیوں میں روپوش باغیوں نے بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔اس وقت چونکہ بامیان کی سڑکوں اور اطراف میں ایک میٹر سے زائد برف پڑی ہوئی ہے۔اس لئے باغی اس خوش فہمی میں تھے کہ وہ آئندہ موسم گرما شروع ہونے تک بامیان پر اپنا قبضہ برقرار رکھ سکیں گے۔دوسری طرف تخار میں شکست خوردہ کمانڈروں کو امارت اسلامیہ کے خلاف دوبارہ بغاوت پر اکسانے کے منصوبوں پر عمل درآمد جاری تھا۔جب کہ اس کے ساتھ ساتھ پنجاب، درداور دیگر اضلاع پر بھی حملے کئے گئے۔تاہم امارت اسلامیہ کی فوجوں کی طرف سے بھرپور جوابی کاروائی کے باعث باغیوں کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

پڑا۔ اس دوران امارت اسلامیہ کی فوجوں نے بامیان پر دوبارہ اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لئے حملہ کر دیا۔ دریں اثنا اتوار کی شب تخار میں خواجہ غار اور ہزار باغ کے محاذوں پر بھی باغیوں نے تعارض کی کوشش کی اور رات دو بجے دونوں محاذوں پر زبردست گولہ باری کرتے ہوئے چند موروچوں پر قبضہ کر لیا۔ تاہم امارت اسلامیہ کی فوجوں کی جانب سے زبردست جوابی کاروائی کے باعث باغیوں کو بری طرح شکست ہوئی اور ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔

بعدازاں باغیوں نے اشکمش اور چال کے اضلاع پر حملہ کیا۔ تاہم ان محاذوں پر امارت اسلامیہ کی فوجیں چوکس تھیں۔ جس کے باعث باغیوں کو ابتدائی کوششوں میں ہی سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ طالقان میں سرکاری ذرائع کے مطابق باغی تخار پر دوبارہ حملہ کے لئے اطراف سے منتشر قوتوں کو جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ ادھر بامیان میں امارت اسلامیہ کی فوجوں نے ہفتہ کی صبح ہی بامیان پر حملہ کر دیا اور محض چند گھنٹوں کے بعد صبح ساڑھے آٹھ بجے امارت اسلامیہ کی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں اور شام تک شہر کے مضافاتی علاقوں سے بھی باغیوں کو بھگا دیا گیا۔ ادھر اتوار کی صبح باغیوں نے دوبارہ حملہ کیا مگر چند گھنٹوں ہی میں پسپا ہو گئے اور طالبان باغیوں کو دھکیلتے دھکیلتے یقاولنگ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس حملے میں طالبان نے باغیوں کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا۔

جبکہ باغیوں کے درجنوں گھوڑے بھی طالبان کے ہاتھ لگے۔ ان حملوں میں امارت اسلامیہ کی فضائیہ نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں پہلے ہی طے کیا گیا تھا کہ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ملا داداللہ اور قاری احمد اللہ اپنے دستے باغیوں کے درمیان اتار دیں گے۔ بعدازاں چاروں طرف سے باغیوں کو گھیر کر حملہ کیا جائے گا۔ پیکا گنوں سے لیس طالبان سترہ افراد کے دستے پر مشتمل فوجی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے باغیوں کے علاقے میں آئے لیکن بڑی مقدار میں برف کی تہہ جمنے کے باعث ہیلی کاپٹروں کی لینڈنگ ممکن نہ رہی۔ جس کے بعد طالبان کے شاہینوں نے فضاء ہی سے باغیوں پر آگ برسانا شروع کر دی۔ جبکہ ملا شہزادہ نے بھی دشمن پر زبردست حملہ کیا۔ تین گھنٹے کی اس ایمان افروز جوابی کاروائی میں طالبان فضائیہ نے باغیوں کی تمام منصوبہ بندی اور قوت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور فرار ہونے والوں کو بھی خوب نشانہ بنایا۔ جس کے باعث متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہو گئے جبکہ باغیوں کا چھوڑا ہوا اسلحہ بھی بڑی تعداد میں امارت اسلامیہ کے ہاتھ لگا۔ جن میں تین عدد مارٹر توپوں اور متعدد زیکوک گنوں کے علاوہ بڑی تعداد میں گریس بند اسلحہ بھی ہاتھ لگا۔ جو ابھی تک استعمال ہی نہیں کیا گیا تھا۔

علاوہ ازیں باغیوں کو بامیان میں داخل ہونے کے بعد ایران کی طرف سے ملنے والی فوجی امداد میں شامل توپ اور راکٹ لانچر کے گولے کلاشنکوف اور پیکا گنوں کے گولوں کے متعدد صندوق بھی امارت اسلامیہ کے ہاتھ لگے۔ بامیان کی فتح میں متعدد گاڑیاں بھی طالبان کے ہاتھ لگیں۔ درہ سراج سے بھی چار گاڑیاں بطور غنیمت حاصل ہوئی ہیں۔ جنہیں باغیوں نے فرار ہوتے ہوئے کلاشنکوف سے فائرنگ کر کے تباہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اطلاعات کے مطابق بامیان کے مقامی لوگوں نے باغیوں کے خلاف طالبان کا بھرپور ساتھ دیا۔ ایک مرحلے پر جب دشمن نے شہر پر قبضہ کر لیا تھا تو پیچھے ہٹنے

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

والے طالبان سپاہیوں کو مقامی لوگوں نے محفوظ راستے اور ٹھکانے بتائے۔ درہ بولانی کے لوگوں نے بھی طالبان سپاہیوں سے خصوصی تعاون کرتے ہوئے ان خفیہ راستوں کی نشاندہی کی۔ ذرائع کے مطابق مقامی لوگوں کے طالبان کے اس قدر تعاون اور حمیت سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ طالبان سے کس قدر خوش اور مطمئن ہیں۔ ذرائع کے مطابق مقامی لوگوں کے طالبان کے ساتھ اس حسن سلوک سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت دیگر نام نہاد انسانی حقوق کے اداروں کی جانب سے طالبان پر مقامی لوگوں کے قتل عام کی رپورٹیں کس قدر حقائق سے دور اور بے بنیاد ہیں۔

صرف ایک ایرانی طیارہ AH.32 نے ایک سال دو ماہ میں شمال کے لئے ۴۷۰ اور صرف میمنہ کے لئے ۳۱۸ پروازیں کیں

شمالی افغانستان کے اہم صوبہ فاریاب پر جیسے جیسے طالبان کا قبضہ مستحکم ہوتا جا رہا ہے نئے نئے انکشافات منظر عام پر آرہے ہیں اور بیرونی مداخلت کے نت نئے ثبوت اور ان کی تصویریں ''تقیہ'' کے چھپے پردوں سے ابھرتی چلی جا رہی ہیں۔ گزشتہ صفحات میں فاریاب کی طالبان انتظامیہ کے سربراہ اور مرکزی داخلہ جناب ملا خیر اللہ خواہ کا بیان نقل کیا جاچکا ہے کہ فاریاب سے جو ہلکا اسلحہ اور گولہ بارود ملا ہے اس میں نوے فیصد ایرانی ہے۔ ڈپوؤں کے ڈپو ایرانی گولہ بارود سے پر ہیں۔

پھر ایران نے شمالی اتحاد کو فوجی مدد دینے میں کسی احتیاط یا راز سے کام نہیں لیا۔ ضرب مومن کا گزشتہ شمارہ وزیر داخلہ کے دعوی کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ اسلحہ اور پیٹیوں پر ''ایران'' کی مہر کھلم کھلا لگی ہوئی ہے مگر ہمارے نمائندے کو ایک ایسے ڈپو نے حیرت زدہ کر دیا ہے جس میں ایرانی اسلحہ کی پیٹیوں سے ایران مہر اور ''وزارت دفاع ایران'' برش کے ذریعہ مٹایا گیا۔ زیر نظر تصویر ایسی ہی پیٹیوں کی ہیں۔

نامہ نگار نے میمنہ سے مراسلہ میں لکھا ہے کہ ایران نے تمام اسلحہ مہر اور نام کے ساتھ دیا جبکہ نہایت قلیل تعداد میں نام مٹا کر، ایسا لگتا ہے کہ برش پھیرنے والی کاروائی ایران نے بالکل شروع میں کی جب اسے امریکہ، اقوام متحدہ و دیگر اداروں سے یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر یہ امداد پکڑی گئی تو ایران کے خلاف طوفان اٹھ کھڑا ہوگا مگر جب اس نے دیکھا ایرانی مداخلت پر امریکہ بھی خوش ہے اور وہ در پردہ طالبان کے باغیوں کی پیٹھ تھپک رہا ہے۔ اس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ تاجکستان سے جنگی طیارے دن دہاڑے افغان سرحد عبور کر کے قندوز میں طالبان پر بمباری کر رہے ہیں، مگر عالمی سطح پر تاجکستان کو ''خاموش شاباش'' دی جا رہی ہے اور کوئی یورپی ملک اس جارحیت پر ٹس سے مس نہیں ہو رہا، ایران نے دیکھا کہ ازبکستان نے دوستم کو جانی مالی اور فوجی امداد کھلے بندوں دینا شروع کی تو اقوام متحدہ نے سب کچھ جانتے ہوئے دو لفظ مذمت کے بھی نہ بولے۔ اس صورت حال سے ایران اس حقیقت تک پہنچ گیا کہ طالبان کے خلاف مشرق و مغرب کا تمام عالم کفر متحد ہو چکا

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

ہے تو پھیرنے اور چھپانے پر پیسہ اور وقت صرف کرنا فضول ہے۔

چنانچہ اس نے کھلی مداخلت کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے مگر اس مداخلت کا نتیجہ کیا ہوا ہوگا؟ طالبان اعلان کر چکے ہیں کہ وقت گزر رہا ہے اور ہر آنے والا دن ایران کو اس کی شامت اعمال کے قریب کر رہا ہے۔ ایران یہ بھی دعوی کرتا ہے کہ وہ طالبان کا اس لئے مخالف ہے کہ یہ امریکی ایجنٹ ہیں لیکن ایران کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ امریکہ نے نہ تو اب تک ان کو تسلیم کیا ہے نہ ہی وہ ایران، ازبکستان اور تاجکستان کی جارحیت پر احتجاج کرتا ہے۔ ایسے میں ایران کا دعوی محض ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔

صوبہ بامیان میں بامیان شہر سے سو کلومیٹر دور شمال کے پہاڑی سلسلوں میں ہزاروں سال پرانی تہذیب وتمدن کے حیرت انگیز آثار قدیمہ سیغان میں پہاڑی پر اوپر تلے فلیٹ نما رہائش گاہیں جن کے لئے سیڑھیوں کے ذریعہ راستے بھی اندر اندر ہی جاتے ہیں۔ تاریخ کی ایک کتاب کے مطابق بامیان کے پہاڑوں میں ایسے ایک لاکھ بیس ہزار گھر آج بھی موجود ہیں۔

محاذ جنگ کو جاتی ہوئی میزائل بردار گاڑیاں یہ تمام میزائل ایران نے طالبان مخالفین کو دیئے تھے، نوفٹ لمبا یہ ایرانی میزائل پینتیس کلومیٹر تک مار کرسکتا ہے۔ ایسے کئی ہزار ایرانی میزائل شمال سے طالبان کے ہاتھ لگے ہیں، اس سے ایران کے خوفناک عزائم کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

بامیان کے غاروں سے ایرانی گولہ بارود منتقل کیا جارہا ہے۔

وسطی بامیان کے ضلع یکاولنگ میں قائم ایرانی وزارت خارجہ کا دفتر اس دفتر سے پورے شمالی افغانستان کو کنٹرول کیا جارہا تھا، تعارج کے دوران طالبان کے طیارے اس پر قہر بن کر جھپٹے اور دنیا کی باطل قوتوں کے لئے اسے عبرت کا نشان بنا دیا۔

ایرانی ہینڈ گرنیڈوں کے ڈبہ کے اندر سے ملنے والی ایک تحریر جس پر ایرانیوں کی یہ دعا درج ہے "خدایا خدایا تا انقلاب مہدی خمینی رانگہدار" اے خدا اے خدا! انقلاب مہدی تک خمینی کی حفاظت فرما" وزارت سپاہ پاسداران انقلاب کی اس تحریر سے ایرانیوں کے عزائم کھل کر سامنے آگئے ہیں کہ وہ اپنے مہدی کے ظہور پذیر ہونے تک گرنیڈ چلاتے رہیں گے۔ یہ الگ سوال ہے کہ وہ دستی بموں کے ذریعہ خمینی کی حفاظت کیسے کریں گے؟ پھر خمینی کو مرے ہوئے کوئی نو سال ہو چکے ہیں، مگر اس کا تحفظ گرینڈوں کے ذریعہ سے ہزاروں کلومیٹر دور بامیان میں کیسے ہو رہا ہے۔

بامیان میں قائم ایرانی ٹی وی بوسٹر، ایران نے افغانستان میں اپنے باطل عقائد ونظریات پھیلانے کے لئے فارسی اور دیگر زبانوں میں نشریات کا سلسلہ شروع کیا۔ شمالی افغانستان میں طالبان کی فتوحات حقیقتاً ایران کی شکست ہے، وزیر داخلہ ملا خیر اللہ خیر خواہ نے کہا کہ یہاں کی مواصلات پر ایران مکمل طور پر قابض تھا۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کرغیزستان ایرانی ٹرین سے 700 ٹن ہتھیار و گولہ بارود برآمد

بشکک (نامہ نگار) کرغیزستان کے خفیہ اداروں کے حکام نے ایران سے تاجکستان جانے والی ٹرین کو روک اس میں سے 700 ٹن گولہ بارود اور دیگر ہتھیار برآمد کر لئے۔ تفصیلات کے مطابق ایران سے تاجکستان جانی والی ایک ٹرین کو جس میں شمالی اتحاد کے لئے انسانی ہمدردی کے نام پر امدادی سامان لے جارہا تھا کہ کرغیزستان کے خفیہ اداروں کو اطلاع ملی کہ اس ٹرین میں امدادی اشیا کے نام پر گولہ بارود لے جارہا ہے۔ جس پر ٹرین کو روک کر اس کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے بھاری مقدار میں خطرناک اسلحہ اور گولہ بارود برآمد کرلیا گیا۔ کرغیزستان کی سیکورٹی سروس کے سربراہ عمر بیگ نے بتایا کہ ٹرین کے بارے میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اس میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امدادی اشیا خصوصا آٹا لے جایا جارہا ہے۔ لیکن خفیہ محکمہ کی اطلاع کے بعد جب تلاشی لی گئی تو اس میں سے میزائل، ٹینک شکن بارودی سرنگیں، دستی بم، اور دیگر ہلکے اور بھاری ہتھیار جن کا کل وزن تقریبا سات سوٹن سے زائد بنتا ہے برآمد کرلیا گیا۔ ٹرین کے ڈرائیور کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ حکام کے مطابق دستاویزات ظاہر کرتی ہیں کہ یہ کھیپ ایران سے چلی تھی اور اسے بعد ازاں ٹرکوں کے ذریعے شمالی افغانستان میں طالبان کے باغی کمانڈر مسعود تک پہنچایا جانا تھا۔ ایران کا افغانستان کی اندرونی معاملات میں کھلی اور بے شرمانہ مداخلت کا یہ تازہ ترین ثبوت ہے۔ اس کے بعد بھی وہ اپنے نام نہاد سفارتکاروں کے قتل کا رونا روتا ہے اور عالمی ادارے اسے بے گناہ تصور کرتے ہیں تو اس کا علاج کیا ہوسکتا ہے۔

حزب وحدت اور ایران کی سیاہ تاریخ میں ایک اور تاریک باب کا اضافہ

طالبان قیدیوں میں یعقوب مجاہد نے کہا ہے کہ طالبان پیش قدمی کرتے ہوئے جب بامیان کے قریب پہنچے تو حزب وحدت کے ایک اعلیٰ عہدے دار نے جیل کے صحن میں استنجا کے بچے ہوئے پانی سے حضرات خلفاء ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ کے اسماء گرامی لکھے اور پھر جیل کا عملہ جوتوں سے چل کر حضرات خلفاء راشدینؓ کے اسماگرامی کی توہین کرتے رہے۔ اس کاروائی کا ایک مقصد طالبان قیدیوں کو ایذا پہنچانا بھی تھا۔ تو طالبان قیدی اس کو برداشت نہ کرسکے اور مجاہد یعقوب نے اسماء گرامی کو پاک پانی سے مٹا دیا تو جیل کے عملہ نے مجاہد یعقوب پر ظلم کی انتہاء کردی۔ یعقوب نے بتایا کہ اس کی کمر میں اب بھی شدید درد ہے۔ مگر حزب وحدت کو توہینِ صحابہ ؓ کی فوری سزا ملی اور یہ لوگ بامیان جیسے مضبوط مرکز سے محروم کردیئے گئے۔

ترکمانستان میں بھارتی سفارت خانہ حزب وحدت کو ہر ماہ دو لاکھ ڈالر دیتا تھا

حزب وحدت کی بنیاد ایرانی جاسوس ادارہ نے رکھی۔ خلیلی اور مزاری روسی اور ایرانی مفادات کا تحفظ کرتے رہے۔ (حزب وحدت کے کمانڈر کے انکشافات)

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کابل (ملاخیل) صوبہ بامیان کے ضلع یکاولنگ میں حزب وحدت کے رابطہ گروپ کمانڈر سید داؤد ظریف نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ حزب وحدت خلیلی گروپ ایران کے جاسوس ادراہ نے بنائی ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کریم خلیلی اور مزاری نے باہمی تباہ کن جنگوں کے دوران کابل کے مغرب میں روس اور ایران کے مقاصد اور مفادات کے لئے کام کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ خلیلی نے دورہ بھارت کے دوران یقین دلایا تھا کہ وہ پاکستان کے خلاف محاذ آرائی کریں گے۔ جس کی وجہ سے ترکمانستان میں ہندوستان کے سفیر باقاعدہ طور پر حزب وحدت کو دو لاکھ ڈالر دیتا رہا۔ سید داؤد ظریف نے یہ بھی کہا ہے کہ جہاد کے دوران حزب وحدت نے کبھی بھی روس اور کیمونسٹوں کے خلاف جنگوں میں حصہ نہیں لیا۔ اور وہ روس اور ایرانی مفادات کے محافظ کا کردار ادا کرتے رہے۔

مارے جانے والے ایرانی سفارت کار نے فوجی افسران سے مقتولین میں ناطق نوری کا داماد وزیر داخلہ کا بیٹا اور دو جرنیل شامل تھے۔

ایرانی تربیت یافتہ باغیوں کے دو گروہ گرفتار

(نمائندہ خصوصی) گزشتہ ہفتہ ایران کی سرحد افغانستان میں داخل ہونے والے دو مسلح گروہوں کو گاؤں کے ایک نمبردار نے رات گیارہ بجے ایرانی سرحد سے پانچ موٹر سائیکل آتے دیکھے۔ انہوں نے گاؤں والوں کی مدد سے راستے میں کمین لگا کر ان کا محاصرہ کر لیا اور گھنٹہ بھر کی جدوجہد کے بعد دس افراد کو گرفتار کر کے ان کے قبضے سے ۵ موٹر سائیکلیں، ۸ کلاشنکوفیں، ایک ایل ایل جی، ایک راکٹ لانچر اور ایک وائرلیس سیٹ قبضے میں لے کر طالبان کے حوالے کر دیئے۔ طالبان نے گاؤں والوں کی بہادری کی داد دیتے ہوئے پانچوں موٹر سائیکلیں اور اسلحہ انہیں دے دیا۔ جب کہ گرفتار شدگان سے تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ایران کے فوجی کیمپ سے ٦ ماہ کی تربیت لے کر بغاوت پھیلانے کے لئے آ رہے تھے۔ ذرائع کے مطابق ایرانی سرحد سے آنے والا دوسرا گروہ شنڈن کے قریبی پہاڑوں میں آ کر روپوش تھا۔ اطلاع ملنے پر امارت اسلامیہ کے دستوں میں پہاڑی کا محاصرہ کر لیا۔ اور بغاوت کی نیت سے آنے والے گروہ پر قابو پانے کے لئے گن شپ ہیلی کاپٹر بھی استعمال کیا گیا۔ ہیلی کاپٹر کے ذریعے ان کی خفیہ کمین گاہوں کا پتہ چلا کر ان پر بمباری کی گئی اور ان میں سے چند باغی گرفتار کر لئے گئے۔

تین ہزار افغان علماء کرام کا متفقہ فتوی

ایرانی عقائد کے مسئلہ کو اٹھا دیا تو عالم اسلام ایران کے خلاف وہی فتوی دے گا جو روس کے خلاف دیا تھا۔

ایران نے جارحیت کی تو ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوگا۔

تمام اسلامی حکومتوں پر بھی طالبان کی مدد فرض ہوگی۔ پروان اور پنج شیر کے باغی ہتھیار ڈال دیں طالبان کو عوام

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

کی زبردست حمایت حاصل ہے۔

حدود و قصاص، شرعی حجاب، اور قرآن و حدیث سے ثابت دیگر قطعی احکام اسلام کا منکر یا ان پر تنقید کرنے والا مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کابل سے نمائندہ ضرب مومن کا مراسلہ

کابل (ملا خیل) جید عالم دین اور طالبان تحریک کے مفتی اعظم حضرت مولانا عبدالعلی دیوبندی دامت برکاتہم نے علماء کے روح پرور اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایران اپنی بدمعاشی سے باز نہیں آیا تو ان کے خبیث اور فاسد عقائد کی بنیاد پر ان کے خلاف ایسا فتویٰ دیں گے۔ جیسے روس کے خلاف دیا تھا۔ ایران کے گندے اور خبیث ذہن رکھنے والے مصنفین اور مورخین نے واضح طور پر لکھا ہے کہ قرآن کریم پر ایمان نہیں لانا چاہیے۔ کیونکہ العیاذ باللہ یہ کتاب اعداء الدین یعنی صحابہ کرامؓ نے جمع کی ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ اصل قرآن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام کئی جگہ موجود تھا۔ لیکن دشمنانِ دین نے نکال دیا ہے۔ درحقیقت ان کی یہ باتیں قرآن مجید پر تنقید اور اس کا انکار ہے اور جو قرآن کا انکار کرتا ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ متعہ یا نکاح موقت اجماع امت کی رو سے صریح زنا ہے۔ جب کہ ایرانیوں کے ہاں ثواب کا درجہ رکھتا ہے۔ مولوی عبدالعلی دیوبندی نے کہا کہ ہمارے پاس انکی کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ وہ اپنے فاسد اور گمراہ عقائد سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ مولوی دیوبندی نے فرمایا کہ اگر ہم نے ایرانیوں کا عقیدہ چھیڑا تو عالم اسلام میں ایسا عالم کوئی نہیں ہوگا کہ وہ ایرانیوں کے خلاف وہ فتویٰ نہ دے جو روس کے خلاف دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایران ہماری غیرت اور ایمانی قوت کا امتحان نہ لے وہ ماسکو سے قوی نہیں۔ اللہ نے فرعون ہامان کو ہلاک کر دیا کیا وہ ایران کو تباہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ دشمن اگر قوی است اللہ قوی تر است۔ ایران اپنی قوت پر غرور نہ کرے۔ افغانوں نے نہتے ہو کر روس کو شکست دی ہے اللہ کی مدد سے ایران کو بھی دیں گے۔ انشاء اللہ

ایرانی گولہ بارود نے دسیوں ہزار افغانوں کو موت کے گھاٹ اتارا

افغانستان میں ایران کی مداخلت کسی دلیل کی محتاج نہیں وہ سوویت یونین کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

ایرانی سفارت کار ہمارے پاس نہیں، بین الاقوامی سطح پر تحقیقات کی جائیں تو تعاون کریں گے۔ معاملہ مذاکرت سے حل ہو سکتا ہے۔

ایران نے گڑ بڑ کی تو جواب دیں گے، وہ بین الاقوامی دہشت گرد ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، دفتر امارت سے بیان

خادم الاسلام والمسلمین عمر ثالث امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد نے کہا ہے کہ ایران سوویت نقش قدم پر گامزن ہے۔ سفارت کاروں کا معاملہ مذاکرات سے حل ہو سکتا ہے لیکن اگر ایران نے گڑ بڑ کی تو سخت جوابی کاروائی کریں گے۔ امیر المومنین نے واضح کیا ہے کہ ایرانی سفارت کار ہمارے پاس نہیں نہ ہی طالبان نے انہیں گرفتار کیا ہے۔ انہوں

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

نے بی بی سی کو بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ درست ہے کہ ایرانی حزب وحدت کے ہمراہ بامیان نہیں بھاگ گئے تو پھر اغلب یہ ہے کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہوں۔قتل کی کاروائی میں ایک احتمال یہ بھی ہے بعض طالبان سپاہیوں نے اپنی قیادت کے علم میں لائے بغیر ان کو قتل کر دیا ہو۔انہوں نے کہا کہ بین الاقوامی سطح پر اس تنازع کا حل ہونا چاہیے۔ایسی کوئی بھی تحقیق ہوئی تو ہم تعاون کریں گے۔امیر المومنین نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ایران بین الاقوامی دہشت گرد ملک ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔وہ دوسروں کے معاملات میں مداخلت کا عادی بن چکا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ ایرانی مداخلت افغانستان میں روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے جواب کسی دلیل کی محتاج نہیں۔امیر المومنین نے کہا کہ ایرانی گولہ بارود اور ایرانی ہتھیار اتنی وافر مقدار میں شمال سے برآمد ہوئے ہیں کہ اس کا انکار کسی کے لئے بھی ممکن نہیں۔ہم نے صحافیوں کو بھی یہ گولہ بارود دکھایا ہے۔انہوں نے دعویٰ کیا کہ اب تک ایرانی گولہ بارود سے دسیوں ہزار افغان عوام موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔شمال پر طالبان کے قبضہ سے ایرانی مداخلت کا پردہ چاک ہو گیا۔اس لئے وہ طرح طرح کے بہانے بنا رہا ہے۔

طالبان حکومت کے خلاف کاروائی......امریکہ روس بھارت ایران اور تاجکستان کا اتفاق

ایک ایسے وقت میں جب طالبان راصولی کے فتح کے بعد میدان جنگ میں مکمل فتح کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔بہت سے ممالک کی بے چینی میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔ان ممالک میں سرفہرست امریکہ، روس، بھارت، ایران، اور تاجکستان ہیں۔باخبر ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ گزشتہ دنوں پانچوں ملکوں کا ایک ہنگامی خفیہ اجلاس ہوا۔جس میں امارت اسلامیہ افغانستان کے خلاف فی الفور فوجی اقدامات کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ذرائع کے مطابق امریکہ کے مندوب نے اجلاس میں کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ طالبان کے خلاف ہم سب اپنی تمام تر کوششوں کو تیز منظم اور باہم مربوط کر لیں۔شمالی اتحاد کی فوجی اور اقتصادی امداد میں خاطر خواہ اضافہ کر کے طالبان کی مزید پیش قدمی کو روکا جائے۔اجلاس میں طے کیا گیا کہ پہلے مرحلہ میں شمالی اتحاد کے لئے فوجی کمک کے لئے ان راستوں کو کھولا جائے جو طالبان کی حالیہ پیش قدمی سے بند ہو چکے ہیں، علاوہ ازیں ایک اہم فیصلہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ امریکہ سمندر سے اور روس تاجکستان سے افغانستان پر فضائی حملہ کریں گے۔ جب کہ بھارت، ایران اور تاجکستان طالبان کے خلاف نئے اور متعدد جنگی محاذ کھولنے میں نہایت اہم کردار ادا کریں گے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ طالبان کی اخلاقی سفارتی اور اصولی فتح کے بعد میدان میں ہونے والی فیصلہ کن فتوحات نے ان ممالک کو بری طرح بدحواس کر دیا ہے۔پرامن افغانستان اور طالبان کی متوقع عظیم فتح نے ان ممالک کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔مبصرین کے مطابق طالبان کے خلاف فوجی کاروائی کا فیصلہ افغانستان کی خالص اسلامی حکومت اور عالم اسلام کی واحد اسلامی ایٹمی طاقت پاکستان کے خلاف انتہائی گھناؤنی سازش ہے۔جس میں یہود و ہنود باہم اکٹھے ہو چکے ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1

سپاہ محمد کے نام سے 600 دہشت گرد طالبان کے خلاف سرگرم

بندر آئی خانم (نمائندہ خصوصی) باوثوق ترین ذرائع کے مطابق بندر آئی خانم کے علاقے خواجہ بہاؤالدین میں گزشتہ دنوں امارت اسلامیہ کے خلاف لڑنے والے باغیوں کے ساتھ متعصب ہمسایہ ملک 600 کے باشندے بھی شامل ہیں جو سپاہ محمد کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق مذکورہ جنگجو نظام الاوقات کے انتہائی پابند ہیں۔ اور ایک متعین وقت محاذوں پر گزارتے ہیں۔ پہلے گروپ کا وقت پورا ہونے سے ایک دو روز قبل جنگجوؤں کا دوسرا گروپ محاذ پر پہنچ جاتا ہے۔ ذرائع کے مطابق سپاہ محمد کے نام سے لڑنے والے ان دہشت گردوں کے پاس جدید ترین اسلحہ سمیت حساس قسم کے آلات ہوتے ہیں۔ عینی شاہدین کے مطابق مذکورہ جنگجوؤں کو تاجکستان کے کولاب ائیر پورٹ پر اتارا جاتا ہے۔ جہاں سے ان کی مختلف محاذوں پر تشکیل کی جاتی ہے۔ ایک عینی شاہد کے مطابق سپاہ محمد کے نام سے پہنچانے جانے والے جنگجوؤں کا ایک گروپ گزشتہ دنوں درہ صوف میں بھی امارت اسلامیہ کی فوجوں سے برسرپیکار رہا ہے۔ ذرائع کے مطابق مذکورہ دہشت گردوں کی باغیوں کے ساتھ موجودگی کی اطلاعات گزشتہ سال سے موصول ہو رہی تھیں۔ تاہم اب اس کے ناقابل تردید شواہد سامنے آچکے ہیں۔

{ Telegram } >>> https://t.me/pasbanehaq1